هُدًى لِّلنَّاسِ وَالْفُرْقَانِ

انوار الفرقان

تفسیر فی اسرار القران

جلد پنجم

ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد

ہر قسم کے جملہ حقوق بحق مصنف ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد محفوظ ہیں۔ کسی ادارہ ے یا ادارہ کو مصنف سے تحریری اجازت کے بغیر کتاب یا اس کے کسی حصہ کو کسی بھی طرح چھاپنے، کاپی کرنے یا محفوظ کرنے یا الیکٹرانک طریقہ سے منتقل کرنے کی اجازت نہیں۔

کتاب: انوار الفرقان، تفسیر اسرار القران۔ جلد چہارم

مصنف: ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد۔

پبلشر: ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد۔ الحفیظ ویلفئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔

پہلا ایڈیشن: فروری 2025ء

پرنٹر:

ایڈریس: ہاؤس نمبر ۲، لین نمبر ۱۷، سیکٹر ایچ۔ ڈی۔ ایچ، اے، فیز ۲، اسلام آباد۔

ای میل: drmharshad@gmail.com

ویب سائٹ: www.anwaarulfurqaan.org

آئی ایس بی این نمبر: ISBN: 978-969-8478-09-4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم النبیین۔رحمت اللعالمین

صاحب کتاب۔سرورکائنات

کے نام

جن پر کروڑوں اربوں درود اور سلام

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

اے اللہ مجھ پر حق کی حقانیت واضح کر اور اس کی اتباع عطا فرما
اے اللہ مجھ پر باطل کا بطلان واضح کر اور اس سے مجھے بچنا عطا فرما

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
	چھبیسواں پارہ		
1	**46-سورۃ الاحقاف**		15
2	تعارف		15
3	کائنات اور خالق	3	16
4	عمل کی اہمیت	13	21
5	والدین کے حقوق	15	22
6	انسانی پختگی	16	22
7	جزاو سزا کا معیار عمل	19	24
8	زہد اور قرب خدا	20	24
9	قوم احقاف	21	27
10	آندھی کا عذاب	24	28
11	جنات کی حاضری	31	31
12	جنات	32	31
13	**47-سورۃ محمد**		34
14	تعارف		34
15	قیدیوں کا مسئلہ	4	36
16	غلامی سے نجاعت	4	37
17	مقاصد جنگ	4	38
18	اچھا اور برا، برابر نہیں	14	41
19	جرم کیوں	14	42
20	جنت کی نہریں	15	43
21	قرآن کا پڑھنا کس طرح ہو	24	47
22	نفل عبادت کو پورا کرنا	33	50
23	نیک معاشرہ اور کامیابی	38	52
24	**48-سورۃ الفتح**		53
25	تعارف		53

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
26	سفر (صلح حدیبیہ)		53
27	فتح عظیم	1	57
28	بیعت رضوان	10	61
29	مرتد کی سزا اور مہلت	16	65
30	سنت الٰہی	23	68
31	دوران جنگ مسلمانوں پر حملہ	25	69
32	عظمت صحابہ	29	71
33	**49-سورۃ الحجرات**		73
34	تعارف		73
35	آداب گفتگو	2	74
36	اصول برائے قوانین اجتماعی	1	75
37	آداب ملاقات	5	76
38	معلومات کی اہمیت اور صداقت	6	77
39	خلافت راشدہ میں داخلی لڑائیاں	9	82
40	بدزبانی	11	86
41	بدگمانی	12	87
42	تجسس کریدنا	12	87
43	غیبت	12	88
44	بزرگی کی وجہ	13	89
45	مسلمان اور مومن	15	92
46	**50-سورۃ ق**		94
47	تعارف		94
48	مظاہر کائنات	6	96
49	دوبارہ زندگی	11	97
50	اعمال کا ریکارڈ	17	99
51	مجرموں کے اوصاف	25	102

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
52	نیک افراد کے اوصاف	32	103
53	قلب منیب		104
54	**51-سورۃ الذاریات**		108
55	تعارف		108
56	اللہ کی افواج	1	109
57	متقی کے اوصاف	16	111
58	محروم طبقات اور صدقات	19	111
59	فقیر اور مسکین	19	113
60	زمین کی نشانیاں	20	114
61	انسانی جسم وجان	21	115
62	فرشتے انسانی صورت میں	27	116
	ستائیسواں پارہ		
63	آسمان میں توسیع	47	119
64	زمین کا پھیلاؤ	48	120
65	کائنات میں جوڑے	49	120
66	ذکر کی اہمیت	50	121
67	انسانی پیدائش کا مقصد	56	123
68	**52-سورۃ الطور**		125
69	تعارف		125
70	بیت معمور	4	126
71	بحر مسجور	6	126
72	جنت کے خدام	20	128
73	اعمال کی اہمیت	23	128
74	**53-سورۃ النجم**		135
75	تعارف		135
76	سدرۃ المنتہیٰ	14	138
77	جنت الماویٰ	15	139
78	لات	19	140
79	عزیٰ	19	140
80	منات	20	140
81	گمان کرنا	28	143
82	برے اعمال	32	144
83	اعمال کا بدلہ	39	146
84	ایصال ثواب کا عمل	41	146
85	**54-سورۃ القمر**		151
86	تعارف		151
87	شق قمر	1	153
88	قیامت کا منظر	6	154
89	طوفان نوح	9	155
90	قوم عاد	19	156
91	قوم ثمود	23	157
92	قوم لوط	33	158
93	قوم فرعون	41	160
94	تقدیر الٰہی	49	161
95	**55-سورۃ الرحمٰن**		163
96	تعارف		163
97	اللہ تعالیٰ کے انعامات	2	165
98	سجدہ کی اقسام	13	166
99	انسان کا فرض	13	167
100	جن	15	167
101	مشرق ومغرب کی اطراف	17	168
102	سمندر میں حجاب	20	169
103	زمین کی حدود سے باہر نکلنا	33	171
104	دوزخ کی زندگی	41	173
105	اللہ کا خوف	46	174
106	جنت کی زندگی	48	175

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
107	**56-سورۃ الواقعہ**		178
108	تعارف		178
109	قیامت میں گروہ	3	180
110	السابقین	10	181
111	جنت میں زندگی	15	181
112	اصحاب الشمال (برائی والے)	41	183
113	دوزخ کی زندگی	53	184
114	انسانی پیدائش	58	185
115	زراعت	63	187
116	بنیادی ضروریات	73	188
117	قرآن مجید کو پکڑنا	79	190
118	رکوع وسجدہ کی تسبیح	96	191
119	**57-سورۃ الحدید**		192
120	تعارف		192
121	مخلوق اور تسبیح	1	193
122	اللہ کی صفات	3	194
123	اللہ کا کنٹرول	2	196
124	خرچ کے معاشی اثرات	7	199
125	مقاصد بیعت (مسلم)	7	200
126	اجر کا معیار	10	202
127	سکون کا حصول	23	210
128	مقاصد نبوت	25	211
129	میزان (ترازو)	26	211
130	لوہے کا وجود کیسے؟	25	212
131	اعمال اہم نہ کہ نسل	26	212
132	رہبانیت	27	213
133	بدعت	27	215
134	دوہرا اجر	28	215

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
	اٹھائیسواں پارہ		
135	**58-سورۃ المجادلہ**		217
136	تعارف		217
137	ظہار	2	219
138	ظہار کے الفاظ	2	219
139	احکام ظہار	3	219
140	احکام کی حکمت	4	221
141	سماجی برائیاں	7	223
142	غیر مسلم کو سلام	8	224
143	سرگوشی	9	225
144	سرگوشی کا نفسیاتی رد عمل	10	226
145	آداب مجلس	11	226
146	فضیلت علم	11	227
147	شیطانی گروہ	19	229
148	حزب اللہ	22	231
149	**59-سورۃ الحشر**		233
150	تعارف		233
151	مال غنیمت اور مال فی	6	239
152	فلاحی ریاست	7	239
153	دولت کی گردش	7	240
154	اطاعت نبی ﷺ	7	241
155	ایثار اور بخل	10	243
156	احترام اسلاف	10	244
157	ظاہری خوف کا اثر	13	246
158	مستقبل کی فکر	18	247
159	اسمائے حسنیٰ	24	249
160	**60-سورۃ الممتحنہ**		251
161	تعارف		251

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
162	قومی وذاتی مفادات میں ترجیح	1	254
163	جاسوسی کی سزا	2	255
164	کفار سے معاملات	4	257
165	حربی (دشمن) اور غیر حربی	8	258
166	غیر مسلم (کافر) سے ازواج	10	260
167	انسانی آزادی وحقوق کا احترام	11	261
168	امتحان کا طریقہ	12	262
169	بیعت کے مقاصد		263
170	**61-سورۃ الصف**		266
171	تعارف		266
172	وعدے کی پابندی	2	267
173	قول اور فعل میں تضاد	2	267
174	اتحاد و قوت	4	268
175	انسانی ارادہ و عمل	5	268
176	تصدیق عیسیٰؑ	6	270
177	**62-سورۃ الجمعہ**		274
178	تعارف		274
179	نبی کا مقام	2	276
180	بعد میں آنے والے لوگ	3	276
181	عالم بے عمل	5	277
182	جمعہ کی ابتداء	9	279
183	جمعہ کے فضائل	9	280
184	جمعہ کے مسائل	10	280
185	اذان	9	281
186	رزق حلال	11	281
187	**63-سورۃ المنافقون**		282
188	تعارف		282
189	منافقت کے اسباب	1	284
190	منافق کی علامات و کردار	2	285
191	فرائض کی ادائیگی میں تاخیر کیوں؟	10	290
192	**64-سورۃ التغابن**		292
193	تعارف		292
194	نظام کائنات	3	293
195	حساب و کتاب کا انداز	9	297
196	یوم تغابن	9	297
197	بخل (شُح)	16	300
198	**65-سورۃ الطلاق**		301
199	تعارف		301
200	طلاق کا طریقہ	1	302
201	تعین مدت	1	304
202	مدت عدت	1	304
203	توکل و تقدیر	3	308
204	عدم ماہواری والی عورت	4	309
205	بعد از طلاق رہائش و خرچ	6	312
206	بچے کی پرورش	7	313
207	امور کائنات	12	315
208	**66-سورۃ التحریم**	4	37
209	تعارف		317
210	عائلی زندگی کے مسائل اور حل	4	324
211	تربیت اور نیک اعمال۔ توبہ	6	327
212	توبہ		328
	انیتسواں پارہ		
213	**67-سورۃ الملک**		333
214	تعارف		333

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
215	وجود کائنات	1	335
216	موت اور زندگی	2	335
217	آسمان	3	337
218	شہابیئے	5	338
219	معلومات کی چوری	5	338
220	اقرار جرم	10	341
221	اجر کا معیار	12	343
222	ہوا کی قوت	19	343
223	عقل کا استعمال (ضرورت)	21	344
224	**68-سورۃ القلم**		346
225	تعارف		346
226	قلم اور عقل	1	347
227	خلق عظیم	3	348
228	محروم افراد کا حق	24	352
229	نافرمان اور فرمانبردار برابر نہیں	35	354
230	**69-سورۃ الحاقہ**		358
231	تعارف		358
232	انکار کرنے والوں کا انجام	4	359
233	وقوع قیامت	14	361
234	نیک اعمال کا بدلہ	19	362
235	برے اعمال کا بدلہ	26	363
236	فلاحی امور کی اہمیت	34	364
237	**70-سورۃ المعارج**		367
238	تعارف		367
239	آسمانی راستے (سیڑھیاں)	3	368
240	جہنمی افراد کا کردار	12	371
241	تجزیہ (اسباب)	19	372
242	اہل جنت کا کردار	23	373
243	پاک دامن	30	375
244	**71-سورۃ نوح**		380
245	تعارف		380
246	حضرت نوحؑ	1	381
247	انداز تبلیغ	5	382
248	استغفار کی برکت	10	382
249	اللہ کے وجود کے دلائل	14	383
250	بت پرستی کی ابتداء	22	386
251	گمراہوں کا انجام	25	387
252	**72-سورۃ الجن**		388
253	تعارف		388
254	جن/جنات		389
255	جنات کا خوف	6	393
256	معلومات کی حفاظت	8	394
257	مساجد کا تقدس	19	396
258	علم الغیب	26	399
259	ہر عمل کا ریکارڈ	28	400
260	**73-سورت المزمل**		401
261	تعارف		401
262	نماز تہجد	2	402
263	اوقات نماز تہجد	3	403
264	تلاوت قرآن	4	403
265	انسانی مجبوریوں کی اہمیت	20	407
266	تلاش رزق کی اہمیت۔	20	407
267	انسانیت سے محبت	20	408
268	**74-سورت المدثر**		409
269	تعارف		409
270	پاکیزگی	4	410

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
271	صبر کی تلقین	6	411
272	دوزخ کے دربان	30	414
273	دوزخ کے اسباب	34	416
274	لغو کام		417
275	**75- سورت القیامہ**		419
276	تعارف		419
277	نفس انسان	2	420
278	نفس امارہ	2	421
279	نفس لوامہ	2	421
280	نفس مطمئنہ	2	422
281	نفسانی مسایل کا علاج	2	422
282	دوبارہ زندگی	3	423
283	وجود انسان مراحل	13	429
284	احترام انسان، مذکر اور مؤنث	39	430
285	**76- سورت الدھر**		432
286	تعارف		432
287	انسانی امتیاز	3	434
288	اہل جنت کا کردار	6	435
289	منت یا نذر	7	435
290	بھوکوں کو کھانا کھلانا	8	437
291	صبر شکر کا انعام	12	438
292	نزول قرآن	23	440
293	اختیار کا استعمال	29	441
294	**77- سورت المرسلات**		443
295	تعارف		443
296	ہوائیں	1	444
297	فرشتے	3	445
298	فیصوں کا دن	12	446
299	تخلیق انسان اور خالق	24	447
	تیسواں پارہ		
300	**78-سورت النباء**		452
301	تعارف		452
302	اہم خبر	1	454
303	زمین	6	454
304	پہاڑ	7	454
305	جوڑے	8	455
306	رات	10	455
307	نیند	10	456
308	آسمان	12	456
309	سورج	13	457
310	قیامت	18	458
311	سرکشی کا انجام	22	459
312	اطاعت کا انجام	31	460
313	**79-سورت النازعات**		462
314	تعارف		462
315	کائنات میں قوتیں	2	463
316	صور اور وقوع قیامت	6	464
317	فرعون اور حضرت موسی	4	466
318	کائنات اور دوبارہ زندگی	27	466
319	اطاعت اور نافرمانی کا بدلہ	6	468
320	دنیا کی مذمت	40	469
321	**80 -سورت عبس**		471
322	تعارف	-	471
323	حضرت ابن مکتوم	-	471
324	ترجیح کا معیار	9	472
325	قرآن کی عظمت	13	473

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
326	اللہ کے انعامات	20	474
327	دوبارہ اٹھنا	22	474
328	قیامت کا آنا	23	476
329	**81-سورت التکویر**		478
330	تعارف		478
331	پہاڑ اور سمندر	3	480
332	حیوانات	5	480
333	لڑکی پر ظلم	8	481
334	تربیت اولاد	8	482
335	حساب و کتاب	14	483
336	قرآن کی صداقت	25	484
337	نبی ﷺ کی عظمت	24	483
338	**82۔سورت الانفطار**		486
339	تعارف		486
340	قیامت	1	487
341	اعمال کی تفصیل	5	487
342	انسانی جسم	7	488
343	انسان دھوکے میں کیوں	6	488
344	اعمال کا ریکارڈ کیسے ہوتا ہے۔	10	489
345	فیصلہ کا دن	17	491
346	**83-سورت المطففین**		492
347	تعارف		492
348	ناپ طول	3	493
349	برے اعمال نامے	8	494
350	زنگ آلود دل/فکر	14	495
351	مشروب جنت	25	496
352	حقارت کا نتیجہ	34	497
353	**84-سورت الانشقاق**		498
354	تعارف		498
355	قیامت کا منظر	1	499
356	اعمال نامہ	7	500
357	شفق	16	501
358	زندگی کے مراحل	19	502
359	**85۔سورت البروج**		503
360	تعارف	1	503
361	بروج	4	504
362	واقعہ اصحاب الاخدود	11	505
363	عمل اور ایمان		507
364	**86-سورت الطارق**		509
365	تعارف		509
366	ستارے اور دستک	1	510
367	نگہبان	3	511
368	انسان کی پیدائش	5	512
369	روح کا لوٹنا	8	513
370	قول فیصل	13	514
371	**87- سورت الاعلی**		516
372	تعارف		516
373	تخلیق و تناسب	3	517
374	تقدیر		518
375	انتہا یا انجام	5	519
376	یاد رکھنا و حفاظت	6	519
377	دین میں آسانی	8	520
378	پاکیزگی	16	521
379	آخرت	17	522
380	**88-سورت الغاشیہ**		523
381	تعارف		523

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
382	خوفزدہ چہرے	2	524
383	تروتازہ چہرے	8	525
384	اونٹ	17	526
385	**جسمانی ساخت**	17	526
386	آسمان	18	527
387	پہاڑ	19	527
388	زمین	20	527
389	انجام	26	528
390	**89-سورت الفجر**		529
391	**تعارف**		529
392	دس راتیں	2	530
393	جفت اور طاق امور	3	530
394	رات	4	531
395	گمراہ اقوام کا انجام	13	533
396	یتیم کی کفالت	17	534
397	مسکین کی کفالت	18	534
398	وقت حساب	22	535
399	نفس مطمئنہ	27	536
400	**90-سورت البلد**		538
401	تعارف		538
402	انسانی مشکل	4	539
403	انسان پر نگرانی	7	540
404	عقل و فہم اور اختیار	8	541
405	گردنوں کو آزاد کرنا	13	542
406	غلاموں کو آزاد کرنا		543
407	بھوکوں کو کھانا کھلانا	14	543
408	ایمان	17	544
409	نیک معاشرہ	17	544
410	صبر	17	544
411	رحم و مہربانی	17	545
412	انکار کا انجام		546
413	**91- سورت الشمس۔**		547
414	تعارف		547
415	سورج	1	548
416	چاند	2	548
417	زمین	6	548
418	انسانی جسم اور قوت	7	548
419	دونوں راستے	9	549
420	قوم ثمود کی تباہی	16	550
421	**92- سورۃ اللیل**		551
422	تعارف		551
423	بھلائی کا راستہ	5	552
424	نیکی و گناہ	6	553
425	بخل اور خود غرضی	8	554
426	**93۔سورت الضحیٰ**		556
427	تعارف		556
428	الضحیٰ	1	557
429	شان نزول	4	557
430	یتیم کا مال	9	562
431	سوال کرنے والے	10	562
432	شکر	11	563
433	**94-سورت الم نشرح**		564
434	تعارف		564
435	شرح صدر	1	565
436	بوجھ کا ہلکا کرنا	2	566
437	بلندی ذکر	3	566

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
438	تنگی وآسانی	5	568
439	**95-سورت التین**		569
440	تعارف		569
441	زیتون اور انجیر	1	570
442	شکل انسانی	4	570
443	اسفل السافلین	5	571
444	الصالحین	6	572
445	**96-سورت العلق**		574
446	**تعارف**		574
447	انسان کی ابتداء	2	576
448	علم اور قلم	6	576
449	شان نزول		579
450	غصہ کا مرکز	15	579
451	**97- سورت القدر**		580
452	تعارف		580
453	لیلۃ القدر	2	581
454	قدر ومنزلت	3	582
455	شب قدر کی رات	6	582
456	**98-سورت البینہ**		584
457	تعارف		584
458	واضح دلیل	1	585
459	بدترین مخلوق	6	587
460	بہترین مخلوق	7	588
461	اللہ کی رضا	8	588
462	**99-سورۃ الزلزال**		590
463	تعارف		590
464	زلزلہ	1	590
465	اسباب		591
466	زمین کا بوجھ	2	590
467	انسانی اعمال	4	593
468	**100- سورۃ العادیات**		596
469	تعارف		596
470	انسان کا کردار	6	597
471	مال ودولت کی محبت	8	598
472	**101- سورۃ القارعہ**		600
473	تعارف		600
474	کڑک	2	601
475	منتشر حشرات	5	601
476	اعمال کا وزن		601
477	**102- سورۃ التکاثر**		603
478	تعارف		603
479	دولت کی حرص	1	603
480	حسن واخلاق کی کثرت	1	604
481	زیارت قبور	2	604
482	درجات علم	5	606
483	نعمتوں کا سوال	8	606
484	فلاحی ریاست	6	607
485	**103- سورۃ العصر**		608
486	تعارف		608
487	زمانہ	1	609
488	خسارہ	2	610
489	حق کی تلقین	3	611
490	صبر کی تلقین	3	611
491	**104- سورۃ الھمزۃ**		612
492	تعارف		612
493	چغل خور اور غیبت کرنے والا	1	612

نمبر	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
494	کنجوس	2	613
495	سزا	6	614
496	**105- سورۃالفیل**		615
497	تعارف،واقعہ الفیل۔		615
498	**106-سورۃالقریش**		619
499	تعارف		619
500	تاریخ قریش	1	619
501	معاشی جدوجہد	2	620
502	افلاس کاعلاج تجارت وامن	4	621
503	**107-سورۃالماعون**		622
504	تعارف		622
505	فلاحی ریاست	2	623
506	نماز میں سہو(بھول)۔	4	625
507	ریاکاری	6	625
508	جذبہ تعاون سے محروم افراد	7	626
509	**108-سورۃالکوثر**		627
510	تعارف		627
511	شان نزول		627
512	الکوثر	1	628
513	نماز کی تاکید	2	630
514	گمنام یامشہور کون	3	630
515	**109-سورۃالکافرون**		632
516	تعارف		632
517	موقع/شان نزول		633
518	کفار سے مکمل لاتعلقی	6	633
519	**110-سورت النصر**		635
520	تعارف		635
521	فتح ونصرت	1	636
522	توبہ واستغفار	3	637
523	حمد وشکر	3	638
524	**111-سورت اللھب**		640
525	تعارف		640
526	موقع/شان نزول		640
527	بولہبی کردار		642
528	**112- سورت الاخلاص**		645
529	تعارف		645
530	فضائل		646
531	**113۔ سورت الفلق**		651
532	تعارف		651
533	فضیلت		651
534	معذوتین وابن مسعود کاصحیفہ		652
535	جادواور انبیاء		656
536	دم یارقیہ کرنا		659
537	دم(رقیہ)میڈیسن		659
538	حسد	5	660
539	حسد کاعلاج		660
540	حاسد سے سلوک		660
541	**114- الناس**		662
542	**تعارف**		662
543	پناہ کی ضرورت	1	663
544	وسواس	4	664
545	خناس	4	665

_*_

46- سورۃالاحقاف

تعارف:۔

سورت الاحقاف کا نام سورت میں آیت نمبر 21 میں قوم احقاف کے ذکر کی وجہ سے ہے۔احقاف کے لغوی معنی، بلند ٹیلہ ہیں، جو قدرے ٹیڑھا ہو۔آیت میں لفظ احقاف سے مراد یہی ٹیلے ہیں، جن کے بارے مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ قوم عاد کے گھر ہوتے تھے۔ یہ ٹیلے، یمن کے علاقہ جہاں قوم عاد رہتی تھی پائے جاتے ہیں۔ احقاف کا علاقہ حضر موت کے شمال میں واقع ہے ،جو صحراء ربع الخالی سے ملحق ہے اور مشرق میں عمان کا حصہ ہے۔اس علاقہ میں عاد، ارم کا قبیلہ آباد تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی وجہ سے آندھی کے ذریعے ختم کر دیا۔

سورت احقاف مکی ہے۔اس کا موقع نزول درمیانی عرصہ ہے ،جب مسلمانوں پر سخت وقت تھا۔ نبی ﷺ کے سفر طائف سے ملحق وقت جب آپ طائف سے واپس آرہے تھے تو آپ کے پاس جنات کا وادی میں آنے کا ذکر ہے۔ یہ وقت مسلمانوں اور نبی ﷺ پر بڑا سخت تھا۔ طائف کے سفر میں آپ ﷺ نے بہت زیادہ تکلیف و پریشانی اُٹھائی۔ آپ ﷺ پر پتھر پھینکے گئے اور آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوا کہ اگر حکم ہو تو پہاڑوں کو تباہ کر کے طائف ختم کر دوں، مگر آپ ﷺ نے فرمایا انشاءاللہ ان کی اولاد سے نیک لوگ پیدا ہوں گے۔ آپ ﷺ نے رحمت اور معاف کرنے کو ترجیح دی۔

نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر پینسٹھ (65) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے چھتالیس (46) ہے۔اس میں پینتیس (35) آیات ہیں اور چار (4) رکوع ہیں۔ یہ سورت الذاریات سے پہلے اور الجاثیہ کے بعد نازل ہوئی۔ایک دو آیات کے نزول کے بارے مدنی ہونے کی رائے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قوت و عظمت کو کائنات میں موجودات کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔جنات نے نبی ﷺ اور قرآن مجید کو قبول کیا اور مسلمان ہو گئے ان کا ذکر ہے۔

والدین کی اطاعت اور تابعداری کا ذکر ہے جس میں دودھ پلانے کی مدت کا بھی حوالہ ہے۔ قوم عاد کے عذاب کا بیان ہے اور اہل مکہ کے لئے پیغام تھا کہ وہ اللہ کے کلام اور اس کے نبی کو مان کر اپنے آپ کو عذاب سے بچائیں۔ یہ واقعات تمام انسانوں کے لئے رہنمائی ہیں۔

چھبیسواں پارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ حا۔میم

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾

اس کتاب کا نزول،اللہ بڑے غالب وحکمت والے کی طرف سے ہے۔

مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ صحیح صحیح (غایت ونظام) اور مقررہ مدت کے لئے پیدا کیا ہے اور جن لوگوں نے انکار (کفر) کیا وہ ان چیزوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں جن سے انہیں ڈرایا گیا ہے۔

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَا ذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴﴾

آپ کہہ دیجئے: بھلا بتاؤ تو! جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے (عبادت کرتے) ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا ان کا کوئی آسمانوں (کے بنانے) میں حصہ ہے۔ اس (قرآن) سے پہلے کی (نازل شدہ) کتاب یا علمی اثاثہ (علمی ثبوت) میرے پاس لاؤ اگر تم سچے ہو۔

وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَ ہُمۡ عَنۡ دُعَآئِہِمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۵﴾

اور اس سے زیادہ گمراہ شخص کون ہے۔ جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا ہے جو اسے قیامت تک جواب نہیں دے سکتا؟ جب کہ وہ ان کی پکار سے ہی غافل ہیں۔

کائنات اور خالق:۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے جو متشابہات سے ہیں اور ان کے اسرار ہیں۔ اس کے بارے سورت بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی عظمت بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ جو بڑی حکمت اور بڑے غلبہ

(قوت) والے ہیں، ان کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ کسی انسان کو کلام نہیں، جس طرح کفار (انکار کرنے والے) کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و حکمت کی دلیل کائنات کے وجود سے دی ہے۔ آسمانوں کو خیال کریں۔ سورج، چاند، ستارے، کہکشاں، شہاب ثاقب، بادل، طوفان، ہوائیں، زمین اور اس پر دریا، پہاڑ، صحراء، باغات، چشمے، نخلستان، سمندر اور پھر سمندروں میں سفر، موسم، دن اور رات، یہ سارے انتظامات کس خوبی سے لاکھوں سالوں سے چل رہے ہیں۔ ان کا خالق حکمت اور بڑے غلبہ والا ہے۔ یہ نظام بڑا معین، مناسب اور آپس میں مربوط ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ یہ ایک معین مدت کے لئے ہے۔ جب یہ مدت پوری ہو گی تو یہ سارا نظام زمین و آسمان ختم ہو جائے گا اور یہ بھی اسی خالق جو غلبہ و حکمت والا ہے، کے حکم سے ہو گا۔ اس نظام کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اختیار دے کر آزمایا جائے۔ انسانوں کو اس لئے حکم ہے کہ روز جزا و سزا یعنی قیامت اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب دینے سے ڈریں۔ اللہ کی عبادت کریں اور نیک اعمال کریں، لیکن کفار (انکار کرنے والے) ان احکام سے بے پرواہ ہیں اور وہ دوسرے افراد مثلاً حضرت عزیر علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام (یہودی اور عیسائی) یا سورج، ستاروں یا بتوں کی پرستش کرتے ہیں، جب کہ ان افراد یا بتوں کا، کائنات کو وجود میں لانے میں کوئی عمل دخل نہیں، بلکہ خود مخلوق ہیں۔ نہ وہ زمین بنا سکتے ہیں، نہ بنائی ہے اور نہ ہی آسمان و ستارے اور نہ ان کے اسی طرح کے کردار کا پرانی الہامی کتابوں میں ذکر ہے یا کوئی عقلی دلیل موجود ہے، جو ان اشیاء کی تخلیق میں ان کا کردار ثابت کرے۔ اس سے بڑھ کر کس قدر گمراہی اور غلطی ہے کہ ان موجودات (مخلوق) کو اللہ سمجھ کر ان کی عبادت کی جائے، جب کہ یہ پکارنے والے کی پکار تک نہ سن سکتے ہیں اور نہ پکارنے والے کو ہی جواب دے سکتے ہیں۔ ان کی عبادت کرنے والوں کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶

اور جب لوگ (قیامت کو) اکٹھے کئے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ اس حق (قرآن) کے بارے جو ان کے پاس آ چکا ہے کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸

بلکہ وہ کہتے ہیں: اس (نبی) نے یہ خود گھڑ لیا ہے۔ آپ (اے نبی) کہہ دیجئے: اگر میں نے یہ خود گھڑا ہے تو تم مجھے اللہ (کے عذاب) سے بچانے کا کوئی اختیار (طاقت) نہیں رکھتے، جو گفتگو تم اس (قرآن) کے بارے میں کرتے ہو وہ (اللہ) اس کو خوب جانتا ہے۔ وہ میرے اور تمہارے درمیان (بطور) گواہ کافی ہے اور وہ نہایت بخشنے والا خوب رحم کرنے والا ہے۔

کفار مکہ، قیامت اور اللہ کی وحدانیت کے منکر تھے۔ قرآن مجید ان امور کے بارے ان کو ڈرا رہا تھا، لیکن وہ قرآن مجید سے بھی منکر تھے اسے نبی ﷺ کا کلام سمجھتے۔ ان کو بتایا گیا، کہ ان کی یہ سوچ کہ، اللہ کا کلام نہیں بلکہ انسان (نبی ﷺ) کا کلام ہے غلط ہے۔ ایک اللہ کا چنا ہوا، نبی کیسے اپنے کلام کو اللہ کا کلام کہہ سکتا ہے، جب کہ وہ خود سب کو اللہ کی طاقت اور قوت کے بارے بتا رہا ہے۔ اگر وہ ایسا کہتا ہے تو وہ خدا کے عذاب کا مستحق ہو گا اور اسے کون عذاب الٰہی سے بچائے گا۔ نبی ﷺ نے اپنے دعویٰ نبوت اور قرآن کا یقین کرانے کے لئے کہا کہ اللہ کی ذات ان دو امور (نبوت اور قرآن) پر گواہ ہے۔

منکرین اسلام کے قرآن مجید کے بارے رائے کا ذکر ہے۔ قیامت سے انکار کرنے والوں کو بتایا جا رہا ہے کہ جس دن سارے لوگ زندہ ہوں گے پھر حساب و کتاب کے لئے اکٹھے ہوں گے یعنی قیامت کا دن ہو گا۔ اس دن جن کو لوگ بطور خدا پوجتے ہیں اور اللہ کے سوا کارساز سمجھتے ہیں، وہ لوگ یا اشیاء مثلاً بت، چاند، ستارے، سورج یا افراد (حضرت عزیر علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی اور فرد) سب اپنے پوجنے والوں کو لعنت کریں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی خدائی یا عبادت کا دعویٰ نہیں کیا، لہٰذا عبادت کرنے والے کا اپنا جرم ہو گا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۹

(اے نبی) کہہ دیجئے میں رسولوں میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا (از خود) کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰

کہہ دیجئے بھلا بتاؤ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہو گا) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب (اترنے) کی گواہی دے چکا ہو۔ پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے

تکبر کیا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ کَانَ خَیۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ ؕ وَ اِذۡ لَمۡ یَہۡتَدُوۡا بِہٖ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ ہٰذَاۤ اِفۡکٌ قَدِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

اور کفر کرنے والوں نے، ایمان والوں سے کہا: اگر وہ دین بہتر ہوتا تو وہ (عام لوگ) اس (کو قبول کرنے) میں ہم سے پہل نہ کرتے اور جب انہوں نے اس (قرآن) کے ذریعے سے ہدایت نہ پائی تو اب وہ (انکار کرنے والے) ضرور کہیں گے کہ یہ قدیم جھوٹ ہے۔

وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ ہٰذَا کِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۟ وَ بُشۡرٰی لِلۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۲﴾

اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی (آسمانی) کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ (قرآن) عربی زبان میں تصدیق کرنے والی کتاب ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے ظلم کیا اور نیکی کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔

آیات مبارکہ میں انکار کرنے والوں کے رویہ، ان کے دلائل کا ذکر ہے۔ کفار مکہ نبی ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے اور انکار کی وجہ، نبی کی ذات کو طلسماتی یا ماورائی (بہت بلند) خیال کرنا تھا، جو بظاہر اللہ سے تعلق کی وجہ سے تھا۔ فرشتوں کا ساتھ نظر آنا، کبھی دولت یا طاقت (قبیلہ کا سردار) ہونا، ضروری سمجھتے۔ اسی طرح قیامت اور حشر و نشر کے بارے مختلف سوالات کرتے، جن کا مقصد محض مذاق اڑانا اور ان کے انکار کو مضبوط کرنا ہوتا۔ کبھی یہ کہتے کہ دولت اور عزت اگر اللہ دیتا ہے تو اس آدمی کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اگر اسلام صحیح ہوتا، تو وہ دولت والوں کو پہلے مسلمان ہوتے دیکھتے، لیکن مکہ میں غریب لوگ زیادہ مسلمان ہیں مثلاً بلال، صہیب، عمار اور خباب رضی اللہ عنہم، جن کو وہ حقیر سمجھتے تھے۔ یہ خیالات منفی ہیں، جو شیطان دماغ میں ڈال کر گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی تبدیلی یا نئے نظام کو امراء یا مراعات یافتہ طبقہ، اپنے لئے نقصان دہ سمجھتا ہے، کیونکہ اس کے فوائد و مراعات ختم ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ جو کہ ذاتی مفاد ہے۔ اس کے مقابل معاشرہ میں مجبور طبقہ اپنی فلاح و بہبود کے لئے تبدیلی کو خوش آمدید کہتا ہے، جو کہ اجتماعی طور پر اکثریت کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے۔ شیطان یہ حقائق انسان کے دماغ سے چھپا کر وہی رائے پیش کرتا ہے یا اہمیت دلاتا ہے جو ذاتی مفاد اور انسانوں کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ پھر کفار قرآن مجید کے واقعات، ہدایات، جنت و دوزخ کے مناظر کو قدیم جھوٹ کہنا شروع کر دیتے تھے۔ ان کے ان خیالات کا رد، اس طرح کیا کہ نبی ﷺ نے ان کے جنت و دوزخ کے سوالات، حشر و نشر کے بارے کیفیات پر اعتراضات کا مختصر جواب دیا، کہ

سارے امور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس کے حکم کے مطابق کسی انسان کا ان علوم کو جاننا ناممکن ہے۔ جو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے، اسی کے مطابق بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایمان کی دعوت، حشر و نشر، ڈرانے اور انعام کے بارے احکامات، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کا حصہ ہیں اور نبی ان کو وہی بتاتا ہے، اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ نبی اپنے وقت کا بڑا لیڈر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اسے بہت وافر علم عطا کرتے ہیں تاکہ ان کی لیڈر شپ سب پر ثابت اور قائم ہو جائے۔

قرآن مجید بھی پرانی الہامی کتب، بالخصوص تورات کی طرح ہے جو کہ حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی۔ جس میں آخری نبی اور اس پر کتاب نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ جو تمام یہودیوں کے عقائد کا حصہ ہے۔ یہودی عرب (حجاز) میں عیسائیوں کے مقابلے بہت زیادہ تھے، اس لئے ان کا حوالہ دیا، اور ان میں سے ایک یہودی عالم کے قرآن مجید کو سن کر نبی ﷺ سے سوال کر کے اسلام کو قبول کرنے کا ذکر ہے۔ یہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے جب کہ توریت عبرانی زبان میں تھی۔ عربی زبان کی وجہ سے اہل عرب اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ پرانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور پرانی کتاب (توریت) اس کی (قرآن) کی بھی تصدیق کرتی ہے مگر کفار مکہ بدنصیب ہیں کہ محروم ہیں۔

یہودی کی گواہی کے بارے اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن سلام تھے۔ جو یہود کے بڑے عالم تھے۔ بڑے معتبر (عبادت گذار) تھے۔ انہوں نے مدینہ شریف میں نبی ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ سے چند سوالات کئے، جن کے جوابات آپ ﷺ نے دیئے، تو انہوں نے تصدیق کی کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی پیشن گوئی تورات میں کی گئی ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور نبی ﷺ سے گذارش کی کہ میرے بارے میری غیر موجودگی میں یہودیوں سے رائے لیں۔ جب آپ نے رائے لی، تو انہوں نے آپ کے بڑے عالم اور زاہد ہونے کا برملا اقرار کیا اور آپ کو اپنا علمی / مذہبی رہنما مانا۔ جب نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا ذکر کیا، تو پھر یہودی ضد کی وجہ سے ان کے مخالف ہو گئے۔ یہ واقعہ الصحیح البخاری میں تفصیلاً درج ہے، اس لئے اکثر مفسرین نے اس آیت اور آیت نمبر 15 کا موقع نزول مدینہ کہا ہے۔ نبی ﷺ آیات کو سورتوں میں تحریر کرنے کا حکم دیتے رہتے تھے۔ امام شعبی اور مسروق نے اس سے اختلاف کیا، کیوں کہ یہ سورت مکی ہے، اس لئے اس تصدیق سے مراد کوئی بھی یہودی ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ نبی ﷺ کی آمد کی توریت میں پیشن گوئی موجود ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس راستہ پر چلنے والا شخص اہل جنت میں سے ہے تو اسی وقت حضرت عبداللہ بن سلام آ گئے (مسند احمد / المستدرک)۔ یہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی بشارت تھی، جو آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت کی دلیل ہے۔ کفار مکہ کو آگاہ کیا، کہ نبی ﷺ کی زندگی دوسرے انبیاء کی طرح ہے، (حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام) اور توریت میں قرآن اور نبی کا ذکر ہے۔ یہود

مانتے ہیں لیکن وہ تکبر کی وجہ سے انکار کر کے، اپنے لئے جہنم کی سزا خرید رہے ہیں۔ان کو اس پر سوچنا چاہیے۔اس وقت بھی جو لوگ انکار کر رہے ہیں ان کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے۔جو نیکی کرنے والے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۳﴾

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غمگیں ہوں گے۔

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

یہی جنت والے لوگ ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) ان کے اعمال کی جزا (بدلہ) ہے جو وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

عمل کی اہمیت:۔

اللہ اور رسول، قیامت، حشر ونشر پر جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا ذکر ہے۔ان کی چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں، جن کی وجہ سے وہ اہل جنت ہیں۔اور ان پر نہ کوئی خوف (وقتی طور پر پریشانی) اور نہ ہی حزن (غم) یعنی لمبا دکھ جھیلنا پڑے گا اور یہ انعام ان کے نیک اعمال کے بدلے میں ملے گا جو انہوں نے دنیا میں کئے ہیں۔

(۱): اللہ اور اس کے رسول پر ایمان بہت ضروری ہے۔(۲): نیک اعمال بہت ضروری ہیں۔(۳): ان اعمال پر استقامت یعنی ساری زندگی کرتے رہنا ضروری ہے۔یہ نہیں کہ آرام میں خدا کو بھول جائے، خواہشات کی اتباع کرے اور جب تکلیف آئے تو خدا یاد آئے یا جب موقع ملے تو گناہ کرے اور جب موقع نہ ملے تو شریف بن جائے۔

وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ کُرۡہًا وَّ وَضَعَتۡہُ کُرۡہًا ؕ وَ حَمۡلُہٗ وَ فِصٰلُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَہۡرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَ بَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىہُ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَ اِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾

ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ کا چھڑانا تیس ماہ کی مدت ہے حتیٰ کہ جب وہ اپنی قوت وطاقت (پوری جوانی) کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا تو اس نے کہا (دعا کی)! اے

میرے رب: تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تو پسند کرے اور تو میرے لئے میری اولاد میں اصلاح کر، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور بلاشبہ میں مسلمانوں (فرمانبرداروں) میں سے ہوں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول کرتے ہیں اور جن کی برائیوں (لغزشوں) سے ہم درگذر کرتے ہیں۔ (یہ) جنتی لوگوں میں سے ہیں یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا رہا ہے۔

والدین کے حقوق:۔

نیک آدمیوں (جنت میں جانے والوں) اور نیک اعمال پر استقامت کے بعد اسلامی احکام میں ایک اہم ذکر ہے۔ یہ والدین اور بالخصوص والدہ کے بارے ہے۔ حکم یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، حسن سلوک ایک وسیع لفظ ہے۔ دوسری آیات میں کہا گیا ہے کہ اُف تک نہ کی جائے اور ان کے لئے پروں کو جھکا دیا جائے، جو بہت وسیع معنی رکھتا ہے۔ والدہ کی اہمیت ظاہر کی ہے۔ وہ دوران حمل بوجھ اٹھاتی ہے جس کی مدت چھ ماہ سے نو ماہ یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ پھر بوقت پیدائش جو تکلیف والدہ کو پہنچتی ہے، اس کا احساس ایک ماں ہی کر سکتی ہے۔ والدہ کی زندگی داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ یہ مرحلہ یہاں ختم نہیں ہوتا، پھر ایک نومولود کی حفاظت و صحت، غذا کا مرحلہ تقریباً دو سال سے اڑھائی سال تک چلتا ہے جو کہ والدہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ بچے کے دودھ کے لئے اسے اپنی غذا کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ آیت سے کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ متعین ہوتی ہے اور دودھ کا عرصہ زیادہ سے زیادہ اڑھائی سال ہے۔ کل تیس ماہ کا عرصہ ذکر ہے۔ دودھ پلانے کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ نبی ﷺ سے جب والدین میں کس کا حق زیادہ ہے کا سوال کیا گیا تو تین دفعہ آپ نے والدہ کا ذکر کیا اس کے بعد والد کا ذکر کیا۔ پھر ایک دفعہ فرمایا کہ وہ بڑا بدنصیب ہے جس نے والدین یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور (خدمت کر کے) جنت نہ حاصل کر لی۔ (متعدد کتب احادیث)۔

انسانی پختگی:۔

انسانی زندگی کے مراحل کا بھی ذکر ہے۔ اٹھارہ سال کو قوائے بدنی (اعضاء) میں مکمل طاقت آ جاتی ہے اور چالیس سال میں قوائے عقلی و ذہنی اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ اس لئے روایات کے مطابق انبیاء علیہم السلام کو اسی عمر (تقریباً

چالیس سال) میں نبوت ملتی ہے۔ چند ایک مستثنیٰ ہیں، جن کو بچپن میں نبی ہونے کی بشارت مل گئی تھی۔ ہمارے نبی ﷺ نے بھی چالیس سال کی عمر میں نبوت کا اعلان کیا تھا۔ ساتھ ہی ایک دعا کا انداز بتایا گیا ہے کہ جب جوانی مکمل ہو تو اس وقت آدمی مدہوش اور مسائل میں سرگرداں ہونے کے علاوہ نیک دعائیں بھی کرے، جس میں اس کے والدین، اس کی ذات اور اس کی اولاد کے لئے نیک تمنائیں ہوں اور توبہ اور استغفار کو اپنائے۔ احکام الٰہی کی فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائے۔ والدین کی نافرمانی کو شرک کے بعد گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔

نیک اعمال کرنے والے افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے نوازتے ہیں۔ ان کی نیکیاں قبول ہوتی ہیں۔ ان کے اعمال کا ان کو صلہ ملتا ہے اور اگر ان سے نادانستہ یا کسی وجہ سے خطا ہو جائے تو وہ توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگذر فرماتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے جنت الفردوس کا وعدہ، ایک سچا وعدہ ہے، جس کو وہ قیامت کے بعد حاصل کر لیں گے جو دائمی زندگی ہو گی۔

وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَ هُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

اور جس نے ماں باپ سے کہا: تم پر اف ہے تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت صدیاں گذر چکی ہیں اور وہ دونوں (ماں۔ باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں، تیرے لئے ہلاکت ہو! ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ (اولاد) کہتا ہے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کے (عذاب کی) بات ثابت (پوری) ہو چکی ہے۔ (یہ) جنات اور انسانوں کے ان گروہوں میں سے ہیں، جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، یہ لوگ بڑا نقصان اُٹھانے والوں میں سے تھے۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَ لِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ہر ایک کے لئے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہیں تاکہ وہ (اللہ) انہیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

انسانی بھلائی اور غور وفکر کے لئے تصویر کا دوسرا رخ بتایا ہے۔ پہلا ادب واحترام کا رخ تھا، دوسرا نافرمانی کا رخ ہے۔ والدین، اولاد کو اللہ کے احکام پر عمل کی دعوت دیتے ہیں اور اولاد، اس نیک عمل سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ شیطان نے اس کے اپنے خیالات کو مزین کر کے گمراہ کر رکھا ہے۔ ماں باپ، اولاد کو آخرت کے عذاب سے بچانا چاہتے ہیں اور قیامت کا بتاتے ہیں۔ وہ اس سے انکار کرتا ہے، کہتا ہے: میں کیسے دوبارہ زندہ ہوں گا اور اتنے سارے لوگ جو مجھ سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے ہیں، کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے، لہذا یہ ایک افسانہ ہے۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

جزاوسزا کا معیار، عمل ہے:۔

انسان کے اندر ہر قسم کے خیالات کو قبول کرنے اور پرکھنے کی صلاحیت ہے، لیکن کس خیال کو وہ قبول کرتا ہے، انسان پر منحصر ہے اور شیطان، عموماً انسانی خواہش کے خیالات کو بار بار دماغ میں دہرا کر عمل کروا دیتا ہے۔

انسانوں اور جنوں، دونوں کو علم اور اختیار کی قوت ملی ہے۔ اس لئے ان دونوں مخلوقوں میں بہت سارے افراد، اللہ کے احکام سے انکار کرتے ہیں اور شیطان (گمراہی) کے راستے پر چل کر آخرت میں عذاب جہنم کو دیکھیں گے۔ یہ ان کے زندگی میں اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق درجے ملیں گے۔ زیادہ نافرمانی کرنے والے، زیادہ سزا، اور زیادہ نیکی کرنے والے، زیادہ انعام پائیں گے۔ ہر ایک کے ساتھ حقیقی انصاف ہوگا۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ دنیا کے اندر نیک اعمال ہی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو۔ پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے۔

زہد اور قرب:۔

دنیا کی زندگی میں مشغول رہنے والے اور اللہ کے احکام کو بھولنے والوں، کی قیامت میں حالت بیان کی جارہی ہے۔ جب حساب وکتاب کے مطابق انہیں سزا ملے گی، تو وہ آہ وپکار کریں گے، جس کے جواب میں کہا جائے گا، کہ تم نے اپنے خواہشات نفس کو پورا کیا۔ احکام الٰہی کو ٹھکرایا اور دنیا میں اپنی کوششوں کا صلہ حاصل کر لیا، آج تمہارے اعمال

کے مطابق نافرمانی کی وجہ سے عذاب ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے۔اللہ کے احکام کو ٹھکرانا ، ان کا دنیا میں ،دولت، شہرت، قوت کی وجہ سے تکبر تھا، جس کی تمہیں سزا ہے۔ نبی ﷺ اس آیت کو دنیا کی آسائشوں کے استعمال کے بارے ذکر کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے بھی اس کو پیش نظر رکھا اور ہمیشہ زہد اور سادگی کو اختیار کیا، کبھی کھانے میں دو سالن یا تازہ روٹی بمعہ سالن استعمال نہیں کی، جبکہ آیت میں زہد اختیار کرنے کا کوئی، حکم نہیں۔ صرف دنیا کی اسائیشوں کے غلط استعمال کی وجہ سے سزا میں اضافہ یا دوام کا ذکر ہے، لیکن حفظ ماتقدم (احتیاطی تدبیر) کے طور پر صحابہ کرام، فقر، سادگی کو اپناتے رہے کہ اگر نفس کو لذت، خوش ذائقے، اچھے لباس و سکونت، ملتی رہی، تو پھر خواہشات کا سلسلہ مزید بڑھتا رہے گا اور پھر اگر جائز، حلال آمدن سے پوری نہ ہو سکی، تو غیر حلال طریقہ کی طرف رغبت چل پڑے گی اور انجام خطرناک ہو گا۔ اس امکان کو ختم کرنے کے لئے صحابہ کرام نے نبی ﷺ کے طریقہ پر عزیمت کو اختیار کیا۔ اگرچہ اسلام میں حلال طریقہ سے آرام و آسائش کی اجازت ہے (آپ کہہ دیجئے کہ جس زینت کو، اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالا ہے اور پاکیزہ رزق کو (نکالا ہے)، اس کو کس نے حرام کیا ہے۔ الاعراف: 32)۔ اللہ کی دی ہوئی لذیذ اور پسندیدہ حلال چیزوں کو حاصل کرنا برا نہیں، بلکہ برائی یہ ہے کہ ان نعمتوں پر اللہ شکر ادا نہ کیا جائے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لئے مکہ کی وادی سونے کی بنادے (یعنی بہت دولت میرے پاس ہو جائے) میں نے کہا: نہیں۔ اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا، جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔ (سنن ترمذی 2347)۔ مسروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے میرے لئے کھانا منگوایا اور فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی، پھر میں رونا چاہتی ہوں، تو روتی ہوں، میں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا وہ حال یاد کرتی ہوں، جس حال میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے تھے، اللہ کی قسم! آپ نے کبھی لگاتار، دو دن روٹی اور گوشت، سیر ہو کر نہیں کھایا۔ (سنن ترمذی / مسند احمد)۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل کے کبھی مسلسل تین دن گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (سنن ترمذی / مسند احمد)۔

ع:۔۔۔ سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گھر والوں کو گوشت کی خواہش ہوئی، تو میں نے ان کے لئے گوشت خریدا، پھر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اے جابر! میں نے ان

کو خبر دی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم میں جب بھی کسی کی خواہش ہو تو وہ گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے، کیا تم کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ تم اس آیت کے مصداق بن جاؤ (اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ۔ سورۃ احقاف: 20)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کی وجہ سے پرہیز کرتے کہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو ورنہ ان امور کو جائز سمجھتے تھے۔

علماء نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ انسان کو جو چیز مل جائے وہ اس کو کھالے خواہ، وہ لذیذ ہو یا نہ ہو اور لذیذ چیزوں کے حصول میں اہتمام یا تکلف نہ کرے اور ان کو عادت نہ بنائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مل جاتا، اس کو کھالیتے، جب نہیں ملتا تو صبر کرتے تھے۔ اس زہد کا مقصد، اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے خواہشات پر کنٹرول، ایثار، صبر اور شکر، کا اظہار ہے، تاکہ بروز قیامت اعلیٰ درجات اور جنت میں اعلیٰ مقام مل جائے۔

وَ اذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

اور عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجئے جب اس نے احقاف (ریگستان) زمین/یمن) میں اپنی قوم کو ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے (پیغمبر) گذر چکے اور اس کے بعد بھی (گذرے) یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بلاشبہ میں تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾

انہوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو ہمیں ہمارے معبودوں (کی پرستش) سے پھیر دے۔ چنانچہ تو وہ عذاب لے آ، جس سے تم ہم کو ڈرا رہے ہو۔ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس (ہود) نے کہا: بس (اس عذاب کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔ لیکن میں تمہارے متعلق گمان کرتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح، اپنی وادیوں میں آتے دیکھا، تو انہوں نے کہا:

یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔(نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم جلد طلب کرتے تھے۔ یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

یہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو برباد کردے گی پھر وہ اس طرح ہوگئے کہ ان کے گھروں کے سوااور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزادیتے ہیں۔

قوم احقاف:۔

حضرت ھودعلیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کا نام، ھود بن عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد تھا اور قوم عاد، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد ہیں۔ الاحقاف، حقف کی جمع ہے۔ جس کا معنی ریت کا بلند اور ٹیڑھا، ٹیلہ ہے۔ یہ علاقہ یمن اور حضرموت کے پاس ہے۔



(نقشہ قوم احقاف)

حضرت ھودعلیہ السلام سے پہلے بھی انبیاء نے ان کو اللہ کی وحدانیت وعبادت کی دعوت تھی۔ قوم گمراہ ہو چکی تھی اور حضرت ھودعلیہ السلام، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ قوم اپنی قوت، سطوت، اجسام کے طویل

ہونے پر بڑے نازاں تھے۔ حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ کی پرواہ نہیں کی اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے ان کو برے اعمال کی وجہ سے عذاب الٰہی سے ڈرایا، تو وہ اپنے تکبر کی وجہ سے کہنے لگے۔ تم ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکتے ہو اور ڈراتے ہو۔ اپنا عذاب لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔ آپ کی نبوت اور دعوت کو ٹھکراتے رہے۔

اندھی کا عذاب:۔

کچھ عرصہ بارش نہیں ہوئی، جس کی وجہ سے گرمی اور سبزہ ختم ہو گیا۔ ایک دن، سیاہ بادل نمودار ہوا، وہ بارش کی مدت سے انتظار کر رہے تھے۔ اس لئے خوش ہوئے کہ بارش ہو گی۔ گرمی اور خشک سالی ختم ہو گی۔ حضرت ھود علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم طلب کرتے تھے۔ بادل جونہی قریب آئے، سخت آندھی شروع ہو گئی۔ ریت اُڑنا شروع ہوئی اور ایک طوفان شروع ہو گیا۔ اندھیرا چھا گیا۔ حضرت ھود علیہ السلام اور ان کے ساتھ مسلمان، سیاہ بادل دیکھ کر گھروں میں چلے گئے کہ عذاب سے بچ جائیں۔ آندھی اتنی تیز تھی کہ ان کے خیمے اکھڑ کر ہوا میں اُڑنے لگے۔ اونٹ اور حیوان گر گئے اور مر گئے۔ دروازے ٹوٹ گئے۔ چھت اکھڑ گئے۔ سات دن رات، مسلسل آندھی چلتی رہی اور تمام مکان ریت سے دب گئے اور تمام لوگ (کفار) ختم ہو گئے۔ آندھی جب ختم ہوئی تو کچھ مسلمانوں کے گھر محفوظ تھے جو نہیں گرے اور سب لوگ اور حیوانات ختم ہو چکے تھے۔

آندھی یا ہوا، جہاں بارش لاتی ہے وہاں بارش یا بادلوں کو اُٹھا کر بھی لے جاتی ہے۔ شدت کی آندھی طوفان کا سبب بنتی ہے جو سمندر اور خشکی دونوں پر تباہی پھیلا دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گہری گھٹا یا آندھی کو دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے حفاظت و سلامتی کی دعا کرتے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آندھی اللہ تعالیٰ کی خوشی کے آثار سے ہے، آندھی رحمت کو بھی لاتی ہے اور عذاب کو بھی لاتی ہے۔ تم آندھی کو برا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کی شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ (سنن ابی داؤد / سنن ابن ماجہ)۔ **(اللھم انی اسئلک خیرھا و خیروما فیھا و خیر ما ارسلت بہ، واعوذبک من شرھا و من شر ما فیھا و شرما ارسلت بہ)**۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آندھی پر لعنت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آندھی پر لعنت نہ کرو کیونکہ یہ حکم الٰہی کے تابع ہے، جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی اہل نہ ہو تو لعنت اس شخص کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد / سنن ترمذی)۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۫ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یقیناً ہم نے قوم عاد کو اس چیز کی قدرت دی تھی جس کی تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے انہیں کان اور آنکھیں اور دل (عقل) دیئے تھے۔ تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا، جب کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے اور انہیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور تحقیق ہم نے تمہارے ارد گرد کی بستیاں ہلاک کر دیں اور ہم نے مختلف نوع کی نشانیاں دکھائیں تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں۔

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

پس اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی۔ بلکہ وہ (معبود) ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور بہتان تھا جس کو وہ تراشتے تھے۔

کفار مکہ کو ان کے مخالف رویہ کی وجہ سے بتایا جا رہا ہے کہ قوم عاد بڑے طاقتور اور قوت و دولت کے مالک تھے۔ ان کی طاقت و دولت، اہل مکہ سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ بھی اللہ کے بجائے بتوں کو معبود مانتے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کا انکار و مخالفت کرتے رہے۔ ان کے پاس بھی علم اور معلومات کے ذرائع، یعنی آنکھ، کان، دماغ تھا، جس کو وہ اپنی شوکت و طاقت کے لئے استعمال کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نبی کی دعوت کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے۔ ان کے، ان ذرائع جن میں دولت و طاقت پھر انسانی علم، عقل اور دماغ نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا، نہ ہی ان کے معبود، جن کی خدا کے علاوہ عبادت کرتے تھے یا ان کو اپنا نجاعت دہندہ مانتے تھے، کام آئے۔ انکار کرنے والوں (کفار) کو اس انجام پر غور کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھی شام، یمن، فلسطین کے علاقوں میں کئی قومیں اپنے گناہوں اور اللہ کے احکام سے انکار پر تباہ ہوئیں۔ یہ واقعات انسانی ہدایت کے لئے ہیں۔

انسان کی ان (نیک) ہستیوں کے ساتھ عقیدت و احترام کی ابتداء تو اس ارادہ سے ہوتی ہے کہ یہ خدا کے

مقبول بندے ہیں۔ ان کے ذریعہ / وسیلہ سے خدا کے ہاں ہماری رسائی ہو گی، مگر پھر بڑھتے بڑھتے غلو کی وجہ سے (شیطان محبت کے بہانے غلو میں ڈال دیتا ہے)، انسان خود ہی، انہی ہستیوں کو مدد کے لئے پکارنے اور دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے۔ ان کی ذات کو صاحب تصرف سمجھ لیتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی بھی کچھ مدد نہیں کر سکے گا، اسی عمل، کا آیت مبارکہ میں ذکر اور اسی غلطی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہی سوچ، جھوٹ اور افتراء علی الحق ہے۔ اس سے دوسری مراد، یہ بھی ہے کہ قوم عاد کو ان کے معبود (بت) عذاب و تباہی سے نہ بچا سکے اور قوم عاد کا عقیدہ کذب افتراء تھا۔

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور یاد کیجئے جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جو آپ سے بغور قرآن سنتے تھے۔ پس جب وہ (نبی کے پاس) پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے، چپ ہو جاؤ، پھر جب قرآن پڑھا جا چکا، تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈراتے ہوئے واپس گئے۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾

انہوں (جنوں) نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف دعوت دیتی ہے اور سیدھے راستے کی طرف۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اے ہماری قوم! اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا پیغام مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا۔ اور دردناک عذاب سے تمہیں پناہ دے گا۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

اور جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے پیغام کو قبول نہیں کرے گا، وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر) اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہے۔ اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

جنات کی حاضری:۔

آیات مبارکہ ، جنوں کی حاضری اور قرآن مجید کی سماعت کے بارے میں ہیں۔ مفسرین کی رائے میں پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا، جب نبی ﷺ طائف کے مشکل سفر سے واپس وادی، النخلہ میں رات گذار رہے تھے،اور نماز کی تلاوت کے دوران جنوں نے کلام پاک کی سماعت کی۔ روایات کے مطابق جنوں کو آسمانوں پر سفر میں مشکلات تھیں۔ شہاب ثاقب کے ذریعے وہ ختم ہو جاتے تھے۔اس غیر معمولی تبدیلی کے اسباب کی تلاش میں حجاز اور ملحقہ علاقوں میں گھوم رہے تھے، چونکہ جنات آگ سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کا وجود غیر مادی ہے۔ان کی زندگی بہت طویل اور ان کے دوڑنے کی رفتار بہت زیادہ تیز ہوتی ہے جس کی مثال بجلی کی لہریں ہیں یا روشنی کی لہر جو آگ سے نکلتی ہے۔ یہ جن نبوت اور کلام الٰہی سے آگاہ تھے۔ جب قرآن مجید سنا تو فوراً سمجھ گئے ، یہ الہامی کتاب کا کلام ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا، اس لئے لگتا ہے کہ مذہباً یہودی تھے۔انہوں نے جا کر اپنی قوم کو (گروہ) کو بتایا اور اس طرح مسلمان ہو گئے اور جنوں میں مبلغ اسلام بن گئے۔

اس واقعہ کے بعد مکہ شریف کے قیام (قبل از ہجرت) کئی دفعہ جن حاضر ہوئے یا نبی علیہ السلام تبلیغ کے لئے ان کے وفود یا اجتماع میں تشریف لے گئے۔ مختلف روایات ہیں، جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی معیت کا ذکر موجود ہے۔ تقریباً قبل از ہجرت نبی ﷺ سے چھ ملاقاتوں کا ذکر سیرت کی کتب میں ہے۔ جنات کے بارے پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ جنات چونکہ عقل اور اختیار رکھتے ہیں، اس لئے جزاو سزا کے مستحق ہوں گے۔ چونکہ آگ سے پیدا ہیں اور شیطان بھی آگ سے پیدا ہوا ہے ،اس لئے ہم جنس ہیں اور شیطان (ابلیس) کے زیادہ تابع رہتے ہیں اور ایسے جن جہنم میں جائیں گے اور مومن جن جنت میں جائیں گے۔ کچھ علماء نے ان کے ناری وجود کی وجہ سے صرف جنت میں جانے سے اختلاف کیا ہے۔ قرآن مجید میں جہنم کی سزا جنوں اور انسانوں کے لئے ذکر کی گئی ہے۔

جِنّ:

جن انسانی شکل اختیار کرتے ہیں۔ عموماً چھوٹے قد کو ظاہر کرتے ہیں۔ انسانی شکل میں ان کا وجود 3D کی طرح یا ہولوپورٹیشن ٹیکنالوجی کی مثال ہے جو انسانوں نے مصنوعی عقل کے ذریعہ بنائی ہے۔ جس میں انسانی وجود کو سایہ کے بجائے ایک وجودی شکل میں (لمبائی۔ چوڑائی۔ موٹائی) کے ساتھ پیدا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ،روشنی یا بجلی کی رفتار سے منتقل کیا جاتا ہے اور بات چیت کی جاتی ہے۔ اگر یہ ممکن ہے تو پھر جنوں کا انسانی شکل میں سامنے آنا اور گفتگو کرنا سائنسی نقطہ نظر سے محال نہیں، اگرچہ سائنس جنوں کے وجود سے انکار کرتی ہے۔ جس طرح فرشتوں کے

وجود سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ مادی وجود نہیں ہوتا۔ اب مصنوعی عقل کے انکشاف اور الیکٹرانک میگنیٹک (مقناطیسی اور بجلی) کے ذریعے سے پیدا ہونے والی مصنوعی عقل اور اس کے مختلف پراڈکٹس (سافٹ ویئر) جو پیغام رسانی اور عملی طور پر کام کرتے ہیں، ان کا مادی وجود بھی نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح وقت کے ساتھ شاید جنات اور فرشتوں کا انکشاف بھی ہو جائے۔ خلاء میں غیر مرئی مخلوق، کے بارے امریکی خلائی تحقیق (NASA) اور امریکی دفاع کے ادارہ، نے اقرار کیا ہے اور غیر مرئی وجود کو مان لیا ہے۔ جسے UFO غیر مرئی ہوائی وجود (Unidentified Flying Objects) کہتے ہیں۔ اسی طرح نظام شمسی سے باہر بھی جیمز واٹ (خلائی دوربین) کے ذریعے وجود کا پتہ چلا ہے جس کے مستقبل میں مزید انکشافات ہوں گے۔ یہ تمام امور اپنے خالق کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جو بہت حکمت اور قوت والا ہے۔ العزیز الحکیم ہے۔

اہلیان مکہ کے لئے ایک پیغام تھا کہ اگر جنّ قرآن مجید کو کلام الٰہی قبول کر رہے ہیں تو ان کی اپنی زبان (عربی) میں ہونے کی وجہ سے وہ کیوں انکار کر رہے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قوت اور سزا سے اگر جن نہیں بچ سکتے تو انسان کیسے بچیں گے۔ کلام الٰہی کو نہ ماننا کھلی گمراہی ہے۔ اس سے ان کو بچنا چاہیے ورنہ انجام ہلاکت ہے۔ نبی ﷺ کی نبوت صرف انسانوں کے لئے بلکہ انسانوں کے ساتھ جنوں کے لئے بھی ہے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیَۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۳﴾

اور کیا انہوں نے یہ نہ جانا (معلوم کیا) کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں وہ ضرور مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے؟ کیوں نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ یَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیۡسَ ہٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

اور جس دن کافروں کو دوزخ میں جھونک (پھینکا) دیا جائے گا (ان سے کہا جائے گا): کیا یہ (دوزخ) حق نہیں۔ وہ (کافر) کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم (یہ حق ہے)۔ اللہ فرمائے گا پس تم اس عذاب کو چکھو جو تم انکار (کفر) کرتے تھے۔

فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّہُمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَ مَا یُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَۃً مِّنۡ نَّہَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَہَلۡ یُہۡلَکُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ پس (اے نبی) آپ صبر کریں جس طرح عزم وہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور

ان کے لئے جلدی عذاب طلب نہ کریں، گویا کہ وہ (کافر) جس دن اس (عذاب) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (تو سمجھیں گے) کہ وہ تو (دنیا میں) صرف دن کی ایک گھڑی (تھوڑا وقت) رہے تھے۔ یہ (پیغام) پہنچا دینا ہے۔ چنانچہ نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

جنات کے ذکر کے بعد کفار (انکار کرنے والوں) کے بارے ہدایات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ذکر ہے کہ جس نے آسمانوں اور اس کے اندر ستارے، سیارے، سورج، چاند، ہوا، بادل، دن، رات کو پیدا کیا۔ زمین کے اندر اور زمین کے باہر ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں انسانوں کے علاوہ جاندار پیدا کئے ہیں۔ اس کے لئے انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں اگر انسان غور کرے تو اس کو سمجھ سکتا ہے۔

ان دلائل کے باوجود، کتب الٰہی اور انبیاء کی ہدایت کے باوجود جو انسان اللہ کی معبودیت اور اس کے احکام ماننے سے انکار کرتے ہیں تو وہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد جب ان کو دوزخ میں پھینکا جائے گا تو یقین کریں گے۔ اس وقت ان کو ان کے دنیا میں اعمال یعنی رویے اور کلام کے بارے بتایا جائے گا کہ وہ دوزخ یا عذاب کو نہیں مانتے تھے، وہ اس کا اقرار کریں گے کہ غلطی پر تھے۔ پھر ان پر سزا شروع کر دی جائے گی۔ جب سزا کی شدت اور دوزخ کو دیکھیں گے اور وہاں جو مجرموں کی حالت ہو گی تو ان کو اپنی دنیا کی زندگی بہت مختصر گویا ایک گھڑی (معمولی وقت) محسوس ہو گی۔ لیکن اس وقت کوئی بخشش نہ ہو گی۔

نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ مسلمان اور نبی ﷺ کفار کے ظلم و ستم کے انتہائی شدید دور میں سے گذر رہے تھے۔ آپ ﷺ کو ان انبیاء کا ذکر بتایا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی اور اللہ کے احکام پہنچانے میں بہت اعلیٰ ہمت اور پختہ ارادہ، محنت شاقہ سے کام لیا تھا۔ اولوالعزم سے مراد جن کے ارادے بہت پختہ اور کام اور عمل کا معیار اور مقدار بہت اعلیٰ تھا۔ کوئی بھی حالات ان کو اپنے ارادوں اور اعمال سے روک نہ سکے۔ اکثر علماء نے اولوالعزم انبیاء میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ لئے ہیں۔ کچھ علماء نے اس کے علاوہ بھی انبیاء کا ذکر کیا ہے اور ان کی تعداد بارہ تک تحریر کی گئی ہے۔

صبر کی تلقین کی گئی ہے کہ عذاب طلب نہ کیا جائے کیونکہ عذاب نافرمانوں کا مقدر ہے اور نافرمانوں کے علاوہ عدل الٰہی کی وجہ سے کسی کو عذاب نہیں ہو گا۔ سورت کی ابتداء بھی اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت اور قرآن مجید کی حقانیت سے تھی اور اس کا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت، قوت اور تبلیغ کی راہ میں مشکلات پر عزم اور صبر کے ساتھ عمل کرنے پر ہے۔

سورۃ الاحقاف 11 رمضان المبارک 1444 ہجری کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بقیہ تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مصنف اور قارئین کے لئے باعث نجاعت بنائے۔ آمین۔

47- سورۃ محمد

تعارف:۔

اس سورت کا نام 'محمد' ہے۔ جو اس کی دوسری آیت میں نام کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ اس سورت کا دوسرا نام 'قتال' بھی ہے، کیونکہ کفار سے قتال کی اجازت اور احکام ہیں۔ یہ سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی اس لئے مدنی ہے۔

ترتیب نزول (تعداد) کے لحاظ سے اس کا نمبر چھیانوے (96) اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے سینتالیس (47) ہے۔ اس میں آیات کی تعداد اڑتیس (38) ہے اور چار (4) رکوع ہیں۔

سورت کے مضامین میں کفار کے اعمال ان کے کردار کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارا گیا ہے اور مجاہدین کے درجات کا بیان ہے۔

سورت میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے ان کے اعمال پر ان کو وارننگ دی گئی ہے۔ مجاہدین کی جدوجہد پر ان کے درجات کی بلندی اور شہداء کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ آخر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر جدوجہد میں کمی کی گئی تو دوسری قوم غالب آجائے گی۔ اللہ کی مدد و نصرت اس وقت تک ساتھ ہے جب تک ایمان اور اعمال صالحہ ساتھ ساتھ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۱﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، اللہ نے انکے عمل ضائع کر دیئے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ

رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

یہ اس لئے کہ بے شک جن لوگوں نے کفر (انکار) کیا، انہوں نے باطل کی پیروی کی اور بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے، انہوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی، اللہ اسی طرح لوگوں کے لئے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔

آیات مبارکہ منکرین اسلام کے کردار کے بارے وضاحت کر رہی ہیں، جنہوں نے (اس وقت کفار مکہ تھے) اسلام کی شدت سے مخالفت کی اور مسلمانوں کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور کمزور مسلمانوں کو نکلنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اللہ کی راہ پر عمل کرنے یعنی اسلام پر عمل کرنے سے بھی روکتے تھے۔ بہت زیادہ مظالم کرتے تھے۔

ان کے اعمال ضائع ہو گئے، اگر کوئی ان میں اخلاقی اچھائی بھی تھی، تو وہ بھی کثرت برائی کی وجہ سے ختم ہو گئی، مثلاً قریش طواف کے لئے آنے والوں کی خدمت کرتے تھے اور سہولیات دیتے تھے۔ اسلام سے روکنے والے کفار کے علاوہ اور بھی غیر مسلم ہو سکتے ہیں لہٰذا، ان کے لئے بھی یہ فیصلہ ہے۔ یہ لوگ چونکہ باطل کی پیروی کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ پر ایمان اور جو کتاب ان پر نازل کی گئی ہے، اس سے منکر ہیں۔ اس لئے گمراہی پر ہیں اور اس کی سزا پائیں گے۔ ان کے مقابل جو افراد اللہ کی واحدانیت، نبی ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ نیک عمل کئے، اللہ تعالیٰ ان پر فضل فرمائے گا۔ ان کے اعمال میں اگر کوئی خامی یا معمولی کوتاہی ہوئی، اسے درگذر فرمائے گا اور ان کی راہنمائی فرمائے گا۔ جس سے ان کے احوال بہتر ہوں گے۔ احوال سے سماجی، معاشی اور دوسرے احوال ہو سکتے ہیں، دنیا و آخرت میں ان کو کامیابی ملے گی۔ کیونکہ انہوں نے حق کو قبول کیا۔ باطل کو رد کیا اور حق کے احکام پر عمل کیا۔ آیت مبارکہ میں ایمان کے ساتھ عمل کی اہمیت بھی واضح کر دی گئی ہے۔ نبی ﷺ کے علیحدہ ذکر سے آپکی عظمت و رفعت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ مجھ سے رسول ﷺ نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو، اگر گناہ ہو جائے، تو اس کے بعد کوئی نیکی کر لو۔ وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور اگر لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (سنن ترمذی/ مسند احمد)۔ گناہ مٹنے کے سلسلہ میں حقوق العباد میں متاثرہ فرد کے ساتھ نیکی یا اس کے حق تلفی کا معاوضہ ضروری ہے۔ دوسری خطاؤں میں عمومی نیکی اور استغفار سے نجاعت ہو سکتی ہے۔ اچھے اخلاق، مسلمان کی نشانی ہے۔

نبی ﷺ کے اسم گرامی، محمد کا ذکر آیا ہے۔ 'محمد' حمد سے مأخوذ ہے اور اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے، بہت زیادہ حمد (تعریف) کیا ہوا۔ ایک قول ہے کہ یہ تکثیر (کثرت) کے معنی میں ہے۔ کہ جسکی بہت زیادہ تعریف (حمد) کی جایے۔ نبی ﷺ کی بہت زیادہ تعریف اس طرح ہے، کہ آپ کے اندر وہ صفات حمیدہ تھیں جو کسی

اور میں نہیں تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور انسانوں نے آپ کی صفات کا ذکر کیا۔ لہٰذا آپ کی ذات ہی، اس اسم کا بالمسمیٰ بالذات وصفات ہے۔

قرآن مجید میں ان امور کو، لوگوں کے سمجھنے کے لئے واضح اور مثالوں سے بیان کیا جاتا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ؕ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۠ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴

چنانچہ جب تمہارا کفر کرنے والوں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو، حتّٰی کہ جب ان کا خون بہا چکو، تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تمہیں اختیار ہے) خواہ تم احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو، حتّٰی کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے (ختم ہو جائے) یہی حکم ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے بدلہ لے لیتا (وہ چاہتا ہے) تاکہ وہ تم میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵

وہ جلد ان کو ہدایت دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح کرے گا۔

وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا جس کی ان کو خوب پہچان کروا چکا ہے۔

قیدیوں کا مسئلہ:۔

کفار کے ظلم اور ذکر کے بعد مجاہدین کا ذکر ہوا۔ ان آیات مبارکہ میں مسلمانوں کو کفار سے لڑائی کی اجازت مل گئی کہ وہ اپنا دفاع کریں۔ کفار نے اپنے تکبر کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں کو مکہ سے باہر نکالا، بلکہ مدینہ میں بھی وہ مسلمانوں کو یہودیوں کے ساتھ مل کر ختم کرنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنا دفاع کریں اور جنگ کی صورت میں کفار پر بھرپور وار کریں، ان کو ختم کریں، جب تک مسلمانوں کو مکمل کامیابی نہ ہو جائے، اس وقت تک یہ سلسلہ (دفاع) جاری رکھیں۔ کچھ مفسرین نے جنگ کے خاتمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک لیا ہے، کیونکہ اس وقت تک کفار رہیں گے اور ان سے جنگ کے امکانات بہت ہیں۔ وہ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اکثر

علماء ومفسرین نے اس سے مراد موقع پر ہونے والی جنگ لی ہے۔ جس طرح جنگ بدر یا احد تھی۔ جب مسلمانوں کو جنگ میں کامیابی ہو جائے اور یقین ہو جائے کہ فوری جوابی دشمن (کفار) کے حملے کا امکان نہ ہو تو پھر قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس مسئلہ پر قرآن مجید نے تمام امکانات کا ذکر کیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

(۱)۔ قیدیوں کو قید کرنے کا پورا اہتمام ہو ایسا نہ ہو کہ بھاگ جائیں۔

(۲)۔ قیدیوں کو پرانے رواج کے مطابق قتل کر دیا جائے تاکہ دوبارہ دشمن کے ساتھ مل کر حملہ نہ کر دیں۔ اس میں واضح رہے کہ اسلام میں جنگ کے دوران بھی عورتوں بچوں، بوڑھوں، معذوروں کو قتل کرنا سختی سے منع ہے۔ اگر کوئی ان میں سے عملی دشمنی میں ملوث پایا جائے تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

(۳)۔ ان کا مسلمان قیدیوں کے بدلے رہا کیا جائے۔

(۴)۔ ان کو ان سے مالی جرمانہ وصول کرنے کے بعد رہا کیا جائے۔

(۵)۔ ان پر احسان کر کے ان کو رہا کیا جائے۔

(۶)۔ ان کو غلام بنا لیا جائے کیونکہ اس زمانہ میں دشمن کے آدمیوں پر غلبہ حاصل ہونے پر ان کو غلام بنا لیا جاتا تھا، اس طرح وہ قتل سے بچ جاتے تھے۔

اس آیت میں قیدیوں کو قتل کرنے کا ذکر نہیں، لیکن دوسری آیات میں مقابلہ اور قتل کا ذکر ہے، اس لئے کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت کا حکم منسوخ ہے۔ لیکن اکثریت کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے کیونکہ دونوں آیات پر عمل ہو سکتا ہے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے کی منسوخ نہیں۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ کے فیصلے موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے حالات کے مطابق فیصلے فرمائے، جن میں تمام امور شامل تھے۔ (آپ ﷺ نے غلام بنانے کو پسند نہیں کیا، بلکہ آزاد کرنے کو ترجیح دی)۔

نبی ﷺ نے جنگ بدر کی فتح کے بعد ستر قیدیوں میں سے دو قیدیوں کو جو اسلام کے سخت دشمن تھے کو قتل کر دیا اور اس کے علاوہ قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا یا ان سے فدیہ کے بدلے تعلیم کی خدمات لی گئیں۔ جس سے تعلیم کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک قیدی (ثمامہ بن اثال) کو احسان کر کے بلا معاوضہ چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک قیدی کے بدلے مشرکین سے مسلمان قیدیوں کو چھڑایا۔ قبیلہ ہوازن کے قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دیا۔ علماء نے اس لئے کہا ہے کہ سربراہ مملکت کو اختیار ہے جو مملکت کے مفاد میں بہتر ہو، اس کو نافذ کرے۔

غلامی سے نجاعت:۔

قیدیوں کو غلام بنانے سے اسلام نے یک لخت، اس زمانہ کے سماجی اور معاشی مسائل کی وجہ سے ممنوع نہیں

قرار دیا، جس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

(۱)۔دشمن اپنے مخالف کو غلام بنالیتے تھے۔اس طرح تبادلہ کے ذریعے دونوں اطراف کے غلام قیدی آزاد ہو جاتے تھے۔ان حالات کی وجہ سے اسلام نے بامر مجبوری اجازت دی، ساتھ ہی حکم دیا کہ معاوضہ لے کر یا احسان کر کے یا جزیہ لے کر آزاد کر دیا ہے۔اس زمانہ میں احسان کر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کا رواج نہیں تھا مگر اسلام نے اس کی اجازت دی۔

(۲)۔اگر جنگی قیدی جو کہ دوسرے قبائل سے تھے یا عورتیں جن کے خاوند، جنگ میں قتل ہو جاتے تھے۔ان کی معاشی و سماجی آبادکاری (ان کے معاش اور سکونت) کے لئے، ان کو کسی کے ذمہ کرنا ضروری تھا، اس لئے اسے غلام کی صورت میں کسی شخص کے حوالے کر دیا جاتا تاکہ وہ قتل سے بچ جائے۔اس کا سماجی مسئلہ رہائش حل ہو جائے اور وہ معاشی کاموں میں شامل ہو جائے، اگر عورت ہے تو اس کا ایک خصوصی رشتہ و تعلق، قانونی طور پر ریاست (حکومت) کے ذریعہ قائم ہو جاتا ہے، جس میں جنسی عمل کی اجازت تھی تاکہ دونوں کی جنسی فطری ضرورت پوری ہو اور ایک دوسرے سے انس پیدا ہو جائے اور اولاد کی صورت میں وہ عورت آزاد ہو جاتی۔(اس کی تفصیل پہلے درج کی جا چکی ہے، جس کی کچھ شرائط ہیں)۔اس وقت حکومتوں کے معاشی اور سماجی کام نہیں ہوتے تھے۔سارے امور انفرادی طور پر ہوتے تھے۔اس لئے ان قیدیوں کو افراد کے حوالہ کیا جاتا تھا۔

اسلام کے نظام میں کسی انسان کو غلام بنانا یا قیدی بنانا ناپسندیدہ فعل ہے۔اسلام میں غلام یا ملازم کے لئے وہی معیار زندگی (کھانا/رہائش) کا حکم ہے جس طرح مالک خود استعمال کرتا ہے۔پھر غلام کو آزاد کرنا، اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کرنا ہے۔اس کے علاوہ ہر غلام کو حق ہے کہ مالک سے آزادی کا مطالبہ کرے اور ریاست سے رقم لے کر ادا کرے اور آزاد ہو جائے۔رقم کے دستیابی کے لئے زکوٰۃ فنڈ میں ایک حصہ غلاموں کی آزادی کے لئے مخصوص ہے۔یہ حکم آج سے چودہ سو سال پہلے کا حکم ہے۔اگر غلام کو کسی نے تھپڑ مارا، تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کا کفارہ اس کو آزاد کرنا ہے۔اس کے علاوہ بہت ساری خطائیں اور گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ کسی غلام کو آزاد کرنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ غلام، اسلام میں ختم ہو گئے اور دوسرے معاشروں میں موجود رہے۔اب جب کہ کئی سو سال بعد انسانیت نے غلامی کو ختم کر دیا ہے، تو اسلام میں یہ بدرجہ اول ختم ہے۔اب دنیا کے وہ حالات نہیں رہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھے، جب غلامی کی مجبوراً اجازت دی گئی تھی۔اب اسلام میں بھی غلامی ممنوع ہے کیونکہ اسلام اعلیٰ اخلاقی اقدار کا انسانی مذہب ہے۔

مقاصد جنگ:۔

جنگ کی وجہ بیان کر دی گئی کہ اس کا مقصد اسلام اور اللہ کے احکام کو نافذ کرنا ہے تاکہ دنیا میں لوگ امن و

سلامتی سے رہ سکیں۔ اچھائی اور نیکی ترویج ملے۔ ظلم اور برائی کا خاتمہ ہو۔ جو افراد، شیطان کے خیالات یا جال میں پھنس کر ظلم کرتے ہیں۔ اپنی مرضی نافذ کرتے، اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں، دوسروں کے حقوق، برابری اور بھلائی کو اہمیت نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ اور معبود اور خالق کائنات نہیں مانتے۔ ان کے اعمال سے معاشرے اور دنیا میں فساد پھیل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو ایسے افراد کو ہلاک کر سکتے ہیں مثلاً کسی بیماری اور وبا سے سب کو ختم کر دیں۔ کوئی آسمانی عذاب یا آفت کے ذریعہ ان کو ختم کو دیا جائے، جس طرح پرانی اقوام سے کیا گیا، (حضرت نوح۔ لوط، صالح، شعیب علیہم السلام)، لیکن اب اللہ کے احکام، توریت، انجیل اور قرآن کی صورت میں موجود ہیں اور انسانوں پر لازم ہے کہ آخری دین، قرآن کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ کسی کو مسلمان بنانے میں جبر یا جنگ کی ضرورت نہیں، لیکن مسلمان بننے یا اس پر عمل کرنے سے، رکاوٹ ڈالنے والوں کو روکنے کے لئے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ ایک طرف ظلم کرنے والوں کو روکا جائے اور دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے اعمال کو ٹیسٹ کیا جائے۔ اسطرح انسانوں کے ذریعہ ہی بھلائی اور نیکی، عدل کو پھیلایا اور نافذ کیا جائے، ہر شخص کو اس کے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہو، لیکن دوسرے کے مذہب پر پابندی لگانے کی طاقت نہ ہو۔ اس لئے اسلام میں ذمی کے حقوق ہیں اور ہر مذہب کی عبادت گاہوں کا احترام ہے۔

اسلام انسانیت کی بھلائی و سلامتی کے لئے آیا ہے۔ جو افراد یا مجاہد، اس کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے اپنی جان دے دیتے ہیں، ان کے لئے جنت کی بشارت ہے اور ان کے درجات کی بلندی کو یقین دہانی کرائی گئی ہے اور جو مجاہد، شہادت کے بجائے غازی بن جاتے ہیں، ان کے اعمال میں برکت اور اصلاح احوال ہو گی جو زندگی میں آرام و کامیابی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرتے گا اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸

اور جن لوگوں نے کفر کیا تو ان کے لئے ہلاکت ہے اور وہ (اللہ) ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

یہ اس لئے کہ بے شک انہوں (انکار کرنے والوں) نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی، پھر اس نے بھی ان کے (نیک) اعمال ضائع کر دیئے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۫ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾

کیا پھر وہ زمین میں چلے پھرے نہیں، کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی۔ اور کافروں کے لئے ایسی بہت سی مثالیں (تباہی کی) ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

یہ اس لئے کہ بے شک اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔ اور بے شک جو کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں۔

جنگ کے اسباب و واقعات، انکی اہمیت، کا ذکر ہے۔ اہل ایمان کے جذبہ اور عمل کے بارے فرمایا کہ اگر وہ اسلام کے نافذ کرنے میں، اللہ کے احکام کے مطابق کوشش کریں گے، اس سے جبری اسلام قبول کرانا مراد نہیں بلکہ نبی ﷺ کے نظام کے مطابق نافذ کرنا ہے جس میں غیر مسلموں کو پوری مذہبی ازادی تھی۔ اس جدوجہد میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور ان کو کامیابی ہوگی۔ جو اسلام کے نظام (جو اللہ نے انسانوں کے لئے چنا ہے) کی مخالفت کریں گے تو بالآخر ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یعنی دنیا میں اگر کوئی وقتی طور پر ان کے اعمال اور محنت سے کامیابی بھی ہوئی، تو طویل مدت میں، وہ نظام حیات کی خرابی کی وجہ سے تباہ ہو جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کا نظام، انسانوں کے معاشرے میں بہترین نظام ہے، جس میں انسانی حقوق، عدل، سماجی و معاشی مساوات، جان و مال، عزت و آبرو، شخصی آزادی، کمزوروں کی مدد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اور جو افراد اپنی خواہشات کی وجہ سے اس نظام کے خلاف ہیں، وہ ناکام ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سچے ماننے والوں (اہل ایمان) کی مدد فرماتا ہے۔ مشکلات حائل ہوتی ہیں، شیطان کے جال میں پھنسے افراد مشکلات پیدا کرتے ہیں، لیکن بالآخر اہل ایمان و اہل حق و عدل کو کامیابی ہوتی ہے اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مسلمانوں نے پہلے چالیس سالوں میں ایک دنیا کی عظیم (سب سے بڑی) مملکت جو ایران، وسطی ایشیا، شام، افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی قائم کرلی، جس میں انصاف و انسانی حقوق و عدل کی اعلیٰ مثالیں قائم ہوئیں۔ اس لئے مسلمانوں کا مددگار اللہ ہے۔ وہی مولیٰ ہے۔ جو انسان، اللہ کے احکام کے خلاف ہیں (کفار) ان کا کوئی مددگار نہیں۔ دنیا میں مادی وسائل ان کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن ان کے معاشرے میں ظلم کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کا شکار ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

آیت کا موقع نزول بیان کیا گیا ہے، کہ غزوہ احد میں جب کافروں نے کامیابی حاصل کی تو کفار مکہ نے نعرے بلند کئے کہ اعلیٰ ھبل (یعنی ھبل بت اعلیٰ ہے) اور مسلمانوں نے جواب میں کہا اللہ اعلیٰ و اجل (اللہ بڑا ہے)۔ کفار نے نعرہ لگایا کہ لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم (ہمارے لئے عزیٰ کا بت ہے تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں) مسلمانوں نے جواب میں نعرہ لگایا، اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا مالک و مولیٰ اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں)۔ (بحوالہ حدیث بخاری شریف)۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کی ناکامی، ان کے ذاتی کردار اور معاشروں میں، اسلامی احکام و اخلاق کے نافذ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ بد قسمتی سے غیر مسلم قوموں نے اسلام کے معاشرتی سچائی کے اصول مثلاً عدل، معاشی و سماجی انصاف، انسانی احترام، وعدوں کی پابندی، سچ، کو اپنالیا، اسلام میں ان امور کو فرائض قرار دیا گیا ہے، لیکن مسلمان معاشرے ان سے محروم ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ناکام و نامراد ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ عادل ہیں۔ اگر کوئی اچھائی کرتا ہے تو اس کو اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اس لئے غیر مسلم معاشرے، جو اسلامی اخلاق پر عمل کر رہے ہیں دنیا میں کامیاب ہیں، لیکن قیامت میں ان کو ان کے عقائد کی وجہ سے عذاب ہوگا، کیونکہ وہ اپنے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا میں لے چکے ہیں۔ مسلمان اپنے اعمال کے باعث، پستی اور ناکامی میں ہیں۔ جب تک اپنے کردار کو نہیں بدلیں گے اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، اللہ انہیں ایسے باغات (جنت) میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں (چشمے) بہتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر (انکار) کیا وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ جانوروں کی طرح کھا رہے (زندگی گذار رہے) ہیں اور آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

اور کتنی ہی بستیاں (شہر) کہ وہ آپ کی اس بستی (مکہ) سے جس (کے باشندوں) نے آپ کو وہاں سے نکال دیا ہے کہیں زیادہ طاقتور تھیں، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، پھر ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ تھا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف واضح دلیل پر ہو، اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کے لئے اس کے برے عمل پر کشش بنا دیئے گئے اور انہوں نے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی۔

اچھا اور برابر نہیں:۔

جہاد کے مقاصد کو مزید واضح کیا جا رہا ہے، جو لوگ جہاد کرتے ہیں ان کا ایک مقصد ہے جو کہ انسانیت کی فلاح اور خالق انسانیت کا اقرار ہے۔ یہ بات صرف دعویٰ سے نہیں ہوگی بلکہ اعمال سے ثابت کرنا پڑے گا، اسی لئے ایمان جو کہ

ایک ذہنی کیفیت ہے کے ساتھ عمل کو علیحدہ ذکر کیا ہے، چونکہ ان افراد کی زندگی کا مقصد ہے، اس میں سب انسانوں کی فلاح ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ جدوجہد کرتے ہیں اور اس کا صلہ ان کو دنیا میں بھی ملتا ہے، اگر اس فرد کو نہ ملا تو مرنے کے بعد اس کو جنت جس میں عالیشان ٹھکانے ہوں گے، جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہوں گے، وہ ملیں گے، لیکن دوسری طرف جو مخالف ہیں وہ، انسانیت اور خالق انسانیت کو بھولے ہوئے ہیں۔ صرف اپنی خواہشات نفس کے مطابق چلتے ہیں، جس کی مثال حیوان ہیں جو کھاتے ہیں، سوتے ہیں، موسم سے بچتے ہیں، جنسی ضرورت پوری اور اولاد پیدا کرتے ہیں اور پھر مر جاتے ہیں۔ ان کو دوسروں کی تکلیف، آرام، معاشرے میں سکون، عدل کی پرواہ نہیں ہوتی، اس لئے انسان کی شکل کے باوجود ان کا ذہنی اور اعمال کا معیار حیوانات کی طرح ہے۔ اب یہ دو طرح کے افراد ہیں، دو طرح کے معاشرے ہیں، ایک معاشرہ اللہ کی طرف سے ہدایت، انسانیت کے احترام، عدل کا معاشرہ، سماجی معاشی انصاف اور اللہ کی قوت و وحدانیت کا علمبردار ہے، جو اسلامی ہے۔ دوسرا معاشرہ، جو صرف انسانوں کی خواہشات کے تابع ہے اور انسان کی جنسی تسکین، غذائی تسکین، اپنی انا اور قوت کا اظہار اور خواہشات کا حصول رکھتا ہے۔ غیر اسلامی یا گمراہ معاشرہ ہے۔ لہٰذا یہ دو برابر نہیں ہو سکتے۔ ان کے اعمال ایک جیسے نہیں ہیں، ان کے اعمال کے نتائج ایک جیسے نہیں ہو سکتے، لہٰذا دونوں کی جزا و سزا مختلف ہو گی۔

جرم کیوں:

آیت مبارکہ، ایک انسانی نفسیاتی نکتہ واضح کرتی ہے کہ سارے انسان عقل رکھتے ہیں، لیکن برائی کی طرف جانے والوں کو شیطان ایک سراب اور دھوکہ دیتا ہے، کہ تمہارے ظلم، تفریق، تکبر اور جنسی خواہش کو ہر صورت میں پورا کرنا یا اپنی مرضی پوری کرنا صحیح ہے۔ ان کی منفی فکر کو خوبصورت بناتا ہے کہ یہ تمہارا حق ہے، جیسے میرا جسم میری مرضی، میری ضرورت سب سے اہم اور مجھے اس کو پورا کرنے کا حق ہے، خواہ رشوت لینی یا چوری کیوں نہ کرنی پڑے۔ اس طرح کے خیالات سے گمراہ کرتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے الہامی ہدایت نامہ (الہامی کتابوں) خاص کر آخری الہامی کتاب، قرآن مجید اور حدیث نبوی کا مطالعہ اور اس پر عمل ضروری ہے۔

قریش مکہ یا مخالفین اسلام کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے قوانین کے خلاف عمل، تباہی ہے۔ جس طرح پہلی امتیں یا لوگ تباہ ہوئے اسی طرح اب جو مخالفت کریں گے تباہ ہوں گے۔ مسلمان مہاجرین جنہوں نے اپنا شہر مکہ چھوڑا تھا، ان کی تسلی کرائی گئی ہے۔ اپنی سکونت اور جائے پیدائش و بچپن، کو چھوڑنا مشکل امر ہے، لہٰذا انہیں انعام سے نوازا جائے گا۔ نبی ﷺ نے بھی مکہ شریف کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی تھی۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ

لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

جس جنت کا متقین (متقی لوگوں) سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ایسی نہریں ہیں جن کا پانی متغیر (خراب) نہیں ہوتا۔ اس میں دودھ کی ایسی نہریں ہیں جن کا ذائقہ تبدیل (خراب) نہیں ہوتا اور ایسی مشروبات کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ ہیں اور اس میں صاف ستھری شہد کی نہریں ہیں اور اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی مغفرت ہے۔ کیا یہ (متقین) ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن کو ایسا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

جنت کی نہریں:۔

مزید دو طرح کے افراد کے کردار اور اس کے مقابل جزاو سزا کا ذکر ہے۔ اہل ایمان جو نیک اعمال کے ساتھ قیامت کو جائیں گے، ان کے لئے جنت میں دودھ کی نہریں یا چشمے ہوں گے۔ اسی طرح مشروب جس میں نشہ نہیں ہو گا، لیکن پینے سے انتہائی لذت ملے گی کے دریا، نہریں یا چشمے ہوں گے، یہی کیفیت شہد کی ہو گی۔ ایک حدیث کے مطابق جنت میں دنیا میں دریا، جیسے نیل، فرات، جیحوں ہیں، اسی طرح دودھ، شہد اور مشروب کے ہوں گے۔ وافر مقدار ہو گی اور کوئی تنگی نہیں ہو گی۔ یہ دریا، حیوانات کے دودھ سے نہیں، بلکہ زمین سے نکلنے والے پانی کی طرح ہوں گے، جس طرح زمین سے معدنی تیل (پیٹرول) نکلتا ہے جو کہ گاڑھا سیال ہوتا ہے۔ یہ مشروب جنت کی زمین کے اندر پیدا ہوں گے، جس طرح حیوانات کے اندر مختلف سبز چارے سے دودھ پیدا ہوتا ہے یا شہد پھولوں سے پیدا ہوتا ہے اور یہ شہد کے چشمے، گھروں میں نکلیں گے یا نہروں کے ذریعے تمام جنت میں رہنے والوں کو میسر ہوں گے۔ مقصود یہ ہے کہ ہر وہ، لذت جس کے لئے انسان دنیا میں ترستا ہے، اچھی غذا، اچھی رہائش اور ذہنی سکون یہ سب تمام جنت میں رہنے والوں کو بلا تکلیف و مشقت میسر ہو گا۔ دودھ کبھی خراب نہ ہو گا، شہد کبھی جمے گا نہیں، نہ ہی اس میں موم ہو گی۔ سٹور کرنے میں نقصان کا خطرہ نہیں ہو گا۔ پانی انتہائی اعلیٰ درجے کا مکمل صاف و ستھرا اور صحت کے لئے انتہائی مفید ہو گا۔ بیماری، پریشانی نام کی کوئی چیز بھی جنت میں نہیں ہو گی۔

دوسری طرف اللہ کے منکر، ظلم کرنے والے، معاشرے میں فساد پھیلانے والے، شیطان کی راہ پر چلنے والے، ایک دوسرے ماحول یا دوزخ کی دنیا میں ہوں گے۔ جہاں انہیں گرمی اور آگ کی سزا سے پیاس لگے گی اور انہیں

ایسا کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جس کو جب وہ پئیں گے تو ان کی آنتوں، معدے کو مزید نقصان ہو گا، گویا معدہ اور آنتیں جلنا شروع ہو جائیں گی۔ لیکن پیاس کی وجہ سے ان کو پینا پڑے گا۔ اس تصویر کشی کا مقصد انسان کو اس کے دونوں انجام سے آگاہ کرنا ہے تاکہ وہ صحیح راستے کا انتخاب کر سکے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَا ذَا قَالَ اٰنِفًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

اور ان (منافقین) میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی بات سنتے ہیں حتٰی کہ وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی اس (نبی) نے کیا کہا تھا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

چنانچہ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان کے پاس آ جائے۔ یقیناً اس کی نشانیاں آ چکی ہیں۔ پس جب قیامت ان کے پاس آ پہنچے گی تو ان کو نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں ملے گا۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

پس (اے نبی) آپ جان لیجئے کہ بلاشبہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور دعا مانگا کریں گے کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں۔ مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی اور اللہ تعالیٰ تمہاری نقل و حرکت اور ٹھکانے کا جانتا ہے۔

مومنوں اور کفار کے ذکر کے بعد منافقین کا ذکر ہے، جو مدینہ شریف میں موجود تھے۔ منافق وہ لوگ تھے جو بظاہر اسلام لے آئے۔ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے روزے رکھتے۔ مسجد آتے لیکن نبی ﷺ سے حسد و بغض کی وجہ سے مسلمانوں کی کامیابی پر پریشان ہو جاتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ نبی ﷺ کا خطبہ اور ارشادات سنتے،

لیکن مسجد سے باہر نکل کر، دوسرے صحابہ جو اکثر حضور کی صحبت میں رہتے اور قرآن و حدیث کو سیکھتے تھے، ان سے پوچھتے کہ کیا کہا گیا ہے۔ ایک طرف وہ کلام کی اہمیت سے انکار ظاہر کرتے کہ انہوں نے توجہ سے نہیں سنا، لیکن جب صحابہ اس پر ناراضگی ظاہر کرتے تو پھر وہ دوبارہ سننے کے لئے اہمیت ظاہر کرتے۔ ایسے لوگ جو ہدایت کے باوجود، ہدایت اور راہنمائی سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نافرمانی کی مہر لگا دیتا ہے کیونکہ وہ اپنی خواہشات پر چلتے ہیں، پھر تکبر اور حسد کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ ہدایت انہیں ملتی ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص و محنت کی وجہ سے تقویٰ اور ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔

اہل علم کے ذکر سے علم کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے اور علم حاصل کرنے کی طرف ترغیب ہے۔

اللہ کی وحدانیت، قوت اور غلبہ کے بارے، قرآن مجید اور نبی ﷺ نے سارے دلائل اور شواہد لوگوں کو دے دیئے تھے اور ایمان لانے میں کوئی معلومات کی کمی نہیں تھی۔ اب اگر لوگ قیامت کا انتظار کر رہے ہوں کہ قیامت آئے گی تو وہ قبول کریں گے یہ غلط ہے۔ نبی آخر الزماں کا آنا اور اللہ کی آخری کتاب کا نازل ہونا، اس طرف اشارہ ہے کہ اب مزید ہدایت نہیں آئے گی کیونکہ جتنی مدت ہدایت حاصل کرنے یا دینے کی مقرر تھی وہ پہنچ گئی ہے، لہٰذا اس آخری ہدایت سے فائدہ اٹھانا ہی کامیابی ہے۔ پھر جب قیامت اچانک آجائے گی تو اس وقت ایمان لانے اور عمل کرنے کا وقت کسی کو بھی نہیں ملے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری نبوت اور قیامت ایسی ہے جیسا کہ دو انگلیاں قریب ہیں ('بعثت انا والساعة كهاتين') یہ دونوں انگلیوں میں فاصلہ بہت کم ہے، کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ آپ نے قیامت کے لئے تیاری اور اہتمام کی ہمیشہ ہدایت کی۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی اور تابعداری کے معیار کا ذکر ہے۔ انسان کو اپنی جدوجہد یا عمل کا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمیشہ یہ سمجھنا چاہیے: کہ حق، تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے تاکہ دنیا کے لئے ان کے اعمال نمونہ ہوں، بلکہ یہ ایک سبق ہے کہ اتنی عظیم اور اللہ کی چنی ہوئی شخصیت بھی، اپنے اعمال پر نازاں نہیں، بلکہ اس کا انداز بھی عجز اور اعتراف کا ہے، اسی کیفیت کے پیش نظر نبی ﷺ فرماتے تھے کہ میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔ (متعدد کتب احادیث)۔ مسلمانوں کو ہر وقت استغفار کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ کو دعا اور دوسرے مومنین کے لئے بھی مغفرت طلب کرنے کا حکم ہے کیونکہ آپ ﷺ کی دعا کی قبولیت یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ، تمام انسانوں کے، یعنی ان کی ساری نقل و حرکت اور سکون کی جگہ کو جانتے ہیں، کچھ بھی ان سے چھپا ہوا نہیں۔ صیغہ مخاطب سے مراد سارے انسان اور امت مسلمہ ہے۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا

الْقِتَالُ ۙ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۟

اور ایمان والے کہتے ہیں؛ کوئی سورت (جہاد کے متعلق) کیوں نہیں نازل کی گئی، پس جب کوئی واضح سورت نازل کر دی جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ (اے نبی) دیکھیں گے جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھیں گے جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو پس ان کے لئے ہلاکت ہے۔

طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ؕ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ۟

اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک (اچھی) بات کہنا (زیادہ بہتر ہے) پس جب (جہاد کا) قطعی فیصلہ آ گیا تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو ان کے حق میں زیادہ بہتر تھا۔

فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ۟

پھر تم (منافقوں) سے یہی امید ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ، تو تم زمین پر فساد کرو اور اپنے رشتے ناطے توڑ ڈالو۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ۟

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور پھر اس نے انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

منافقین کے کردار کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں، مکہ میں بھی اور پھر مدینہ میں، جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی، تو دفاع اور اسلام کی سربلندی کے لئے مقابلہ کی تڑپ تھی تاکہ حملہ کرنے یا تنگ کرنے والوں کو روکا جائے۔ نبی ﷺ سے جنگ کی اجازت طلب کرتے تھے۔ دوسری طرف منافق بھی مدینہ میں ہاں میں ہاں ملاتے تھے، لیکن جب قرآن مجید میں مقابلہ کا حکم نازل ہو گیا، تو مومن مسلمان بڑے خوش ہو گئے لیکن منافق، مال و دولت کی محبت اور کینہ و حسد کی وجہ سے جہاد پر جانے سے گھبرانے لگے۔ ان کی کیفیت کی منظر کشی قرآن مجید نے اس طرح کی ہے گویا موت والی غشی آ گئی ہو۔ یہ ان کے مرض نفاق کا اظہار تھا کہ وہ باتوں میں مسلمانوں کو اپنے اسلام کا دھوکہ دے رہے تھے۔ نبی ﷺ کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کی آیات کو جانتے اور سمجھتے ہوئے، ان کا رویہ منفی تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر تالے لگا دیئے، ان کے کان اور آنکھیں حق کو دیکھنے اور سننے سے محروم ہو گئیں۔ وہ اپنے نفاق پر رہے۔ امت مسلمہ کی موجودہ حالت بھی اسی طرح کی ہے۔

اگر وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے تو بہت بہتر ہوتا، لیکن وہ خواہشات نفس کی وجہ سے محروم رہ گئے۔ان کا کردار یہ تھا کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے جو ان کے رشتہ دار اور پڑوسی تھے دھوکہ دے رہے تھے۔ان کے رویہ کا ذکر ہے کہ اگر ان کو حکومت یا طاقت مل جائے، تو وہ اپنے بھائیوں کی پرواہ نہیں کریں گے اور اپنی خواہشات کے مطابق فساد اور ظلم کریں گے۔ان کے اس رویہ کی وجہ سے گویا، ان کی آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہوگئے ہیں کہ نبی ﷺ اور قرآن کی تعلیمات کو دل سے نہیں مانتے اور دھوکہ دے رہے ہیں اسی لئے ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

صلہ رحمی کا خصوصی ذکر ہے۔اسلامی معاشرہ میں صلہ رحمی یعنی باہمی انسانی تعلقات، بالخصوص رشتہ داروں اور ہمسایوں سے، اہم فرائض میں داخل ہیں۔ہمسایہ اور رشتہ دار، غیر مسلم بھی ہو، تو اس کا حق ہے۔نبی ﷺ نے، اس کی کئی احادیث میں بہت سخت تاکید کی ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے (رشتہ داروں میں میل جول رکھے)۔(بخاری/مسلم)۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

تو کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر (غور و فکر) نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

قرآن کا پڑھنا کس طرح ہو:۔

قرآن مجید پر غور کرنے کا حکم ہے۔تدبر کے معنی غور و فکر ہے۔اسی سے تدبیر ہے، کیونکہ وہ غور و فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔قرآن کا یہ حکم، اہل زبان کے لئے ہے کہ وہ معانی تو جانتے ہیں لیکن اس کی حکمتیں اور ان سے ملنے والی برکتوں کے لئے غور کریں اور اپنے کردار بدلیں۔یہی پیغام منافقین و کفار (اہل عرب) کے لئے ہے کہ ان کی زبان میں ہے، وہ غور کریں اور اس پر ایمان لائیں۔اپنی خواہشات کے بجائے اس کی تعلیمات کو اپنائیں۔یہ تمام مسلمانوں بلکہ انسانوں کے لئے حکم ہے کیونکہ انسانوں کے لئے ہدایت کی کتاب ہے۔اور جو اسے پڑھتے ہیں لیکن سمجھتے یا غور نہیں کرتے تو گویا ان کے دلوں کو تالے لگے ہیں اور سمجھ و فکر سے محروم ہیں۔بڑے غور و فکر کا مقام اور قرآن مجید کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔اس لئے علماء نے قرآن نہ سمجھنے کو گستاخی قرار دیا ہے۔غیر عرب یا جو لوگ عربی نہیں پڑھ سکتے اور اپنی زبان یا کسی زبان کا علم رکھتے ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ ترجمہ پڑھیں تاکہ اللہ کے پیغام کو سمجھیں۔محض عربی پڑھنا اور جس طرح، اہل پاکستان و ہند میں پڑھتے ہیں اور معانی کی کوئی سمجھ نہیں آتی، ایک ایسا عمل جس کا ثواب برائے نام، معمولی ہے، لیکن آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ زیادہ ہے۔اگر تعلیم یافتہ ہے تو اس سے بازپرس ہوگی کہ معانی کو کیوں نہیں پڑھا گیا۔احکام کو جاننے کے بعد عمل کیا جاسکتا ہے اور عمل کرنے پر نجاعت ہے۔بدقسمتی سے غیر عرب مسلمان

قرآن کو حفظ تو کرتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں قرآن کی عدم فہمی کی وجہ سے تشدد ہے۔ اگر غور سے پڑھا جائے تو بار بار اطلاع دی گئی ہے کہ معمولی اختلافات جو (سنت / مستحب) پر ہیں یا ترجیحات پر ہیں ان کا فیصلہ اللہ قیامت کو کریں گے۔ فرد کو فیصلہ کا حق نہیں یہ فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ ہمارے قران کے ظاہری احترام کو کسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو، کہ پلایا جاتا ہوں
جیسے کسی طوطے مینا کو بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدَی ۙ الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَہُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰی لَہُمۡ ﴿۲۵﴾

بے شک وہ لوگ جو ہدایت کے ان پر ظاہر ہونے کے بعد پلٹ گئے (منہ موڑ لیئے) شیطان نے ان کے لئے (ان کے عمل) خوشنما بنا دیئے اور (اللہ نے) انہیں ڈھیل دے دی۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِیۡنَ کَرِہُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۚۖ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِسۡرَارَہُمۡ ﴿۲۶﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کے نازل کردہ کلام کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری موافقت کریں گے اور اللہ ان کی چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

فَکَیۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ ﴿۲۷﴾

پس اس وقت ان کا کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ماریں گے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ اللّٰہَ وَ کَرِہُوۡا رِضۡوَانَہٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۲۸﴾

اس (مار) کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو پیروی کی جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور اللہ کی رضا (خوشی) کو انہوں نے ناپسند کیا پس اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

مشرکین اور منافقین کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی وہ شیطان کے جال میں پھنس گئے اور انہوں نے اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کی اور مسلمانوں کے دشمنوں (یہود) سے بعض باتوں میں موافقت کی لوگوں سے چھپاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے حال جانتا ہے۔ان کے اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے اور موت کے وقت ان کی حالت بہت سخت ہو گی۔اس طرح تکلیف اور درد، ہو گا گویا کوئی ان کے چہرے اور پیٹھوں پر کوڑے مار رہا ہے۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰہُ اَضۡغَانَہُمۡ ﴿۲۹﴾

کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے کینہ کو ظاہر نہیں کرے گا۔

وَ لَوۡ نَشَآءُ لَاَرَیۡنٰکَہُمۡ فَلَعَرَفۡتَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ؕ وَ لَتَعۡرِفَنَّہُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۰﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ضرور یہ سب لوگ (منافقین) آپ کو دکھا دیتے اور آپ ضرور ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور آپ ضرور ان کو ان کے انداز گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجٰہِدِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَ الصّٰبِرِیۡنَ ۙ وَ نَبۡلُوَا اَخۡبَارَکُمۡ ﴿۳۱﴾

اور ضرور تم کو امتحان میں ڈالیں گے حتّٰی کہ تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر کر دیں اور تمہاری خبروں کو آزمالیں گے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدٰی ۙ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۳۲﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کی وہ کبھی بھی اللہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عنقریب اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔

منافقین کے حال کی وضاحت کی گئی ہے وہ اپنا کینہ اور نفاق چھپائے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کو پہچانا نہیں جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو نبی ﷺ پر ظاہر کر دیا اور ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک خطاب (خطبہ) میں منافقین کا ذکر کیا اور فرمایا: تم میں منافق ہیں۔ جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ پھر فرمایا اے فلاں! تم کھڑے ہو جاؤ۔اے فلاں! تم کھڑے ہو جاؤ۔ حتّٰی کہ آپ نے چھتیس آدمیوں کے نام لئے۔ان کو اللہ سے ڈرنے اور

توبہ کا کہااور مجلس سے نکال دیا۔(مسند احمد بروایت ابو مسعود عتبہ بن عمر رضی اللہ عنہ)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص بھی پوشیدگی میں کام کرتا ہے،اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے آثاراور اس کی زبان کے لغزشوں سے اس کام کو ظاہر کر دیتا ہے۔جدید سیکالوجی (نفسیات) میں اسے باڈی لینگوئج کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جہاد کے موقعوں (غزوہ خندق، غزوہ تبوک، غزوہ احد) پر منافقوں کو واضح کر دیااور وہ مختلف بہانے کر کے جہاد سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ان کی درپردہ مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی دی اور بالآخر وہ ناکام ونامراد رہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ان کی بدنیتی اور نفاق کی وجہ سے ضائع کر دیا۔

علماء نے فیصلہ کیا ہے یہ نبی کے علم کا امتیاز تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نام لے کر منافق کہنا غلط ہے،جب تک بذریعہ شہادت (گواہی) سے ثابت نہ ہو جائے، کیونکہ بہت شدید الزام ہے اور منافق پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

نفل عبادت کو پورا کرنا:۔

اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔منافقین، چونکہ مسلمان معاشرہ کا حصہ تھے اس لئے تاکیداً حکم آیا ہے،اطاعت رسول کا حکم کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔اپنے اعمال ضائع نہ کرو سے، علماء نے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی نیکی کا کام شروع کیا جائے، تو اسے مکمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ بالخصوص نوافل نمازوں کو اگر شروع کیا گیا اور درمیان میں توڑ دیا ہے تو اسے دوبارہ ادا کرنا چاہیے۔یہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔چونکہ انسان اپنے اختیار سے اس کو شروع کرتا ہے اس لئے مکمل کرنا چاہیے۔ایک اور اصول بتادیا کہ بھلائی کے کاموں کو مکمل کیا جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا، پھر وہ کفر کی حالت میں مر گئے اللہ ان کو ہر گز نہیں بخشے گا۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖۚ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۚۖ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ پس (اے مسلمانو!) تم کمزور نہ بنو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو ہر گز ضائع نہیں کرے گا۔

کفار کے مقابلہ میں حکم ہے کہ کمزوری نہ دکھائی جائے۔ صلح کی دعوت سے یہ پیغام نہ جائے کہ مسلمان کمزور ہیں اور ان پر وہ شرائط لگ جائیں جو ان کو مزید کمزور کریں، اس لئے جدوجہد کرنی اور ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ اس کا فیصلہ حالات کے مطابق ہوتا ہے لیکن مضبوط دفاع کی تاکید کی گئی ہے۔ اس لئے جو لوگ کفر کر رہے ہیں، ان کا بالآخر انجام برا ہوگا اور جہنم کی سزا پائیں گے۔ مسلمان کامیاب ہوں گے کیونکہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی۔ اللہ کی مدد اور ہمت سے مسلمان کامیاب ہو گئے تھے۔ موجودہ مسلمانوں کی ناکامی ان کے غیر اسلامی اعمال اور کردار کی وجہ سے ہے جو اللہ کے احکام کی نافرمانی سے ہے۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے اگر تم ایمان پر قائم رہو اور متقی (نیک) بن جاؤ تو وہ (اللہ) تمہیں اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے اموال طلب نہیں کرے گا۔

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کر لے پھر وہ اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ (فساد) کو ظاہر کرے گا۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

سنو! تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں دعوت دی جاتی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پھر تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو بس وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم (حق سے) پھرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ (قوم) کو بدل کر لائے گا پھر وہ تم جیسے (نافرمان) نہیں ہوں گے۔

اسلام کے احکام کا ذکر ہے۔ جدوجہد کی تلقین ہے۔ عموماً انسان اپنی زندگی اور خواہشات میں پھنسا رہتا ہے، اس کے بارے بتایا کہ یہ ایک کھیل تماشا ہے، کیونکہ اس کی مدت آخرت کے مقابل ایک کھیل کی طرح ہے، جو تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ اہم عمل یہ ہے کہ انسان ایمان رکھتا ہو، پھر ایمان کو اپنے نیک اعمال سے تازہ اور قائم رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے بے پناہ اجر سے نوازیں گے۔

نیک معاشرہ اور کامیابی:۔

نزول آیات کے وقت مسلمانوں کا دفاع انفرادی کوششوں سے تھا۔ حکومت کا دفاع یا معین فوج، رکھنے کے نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی حالات، اس لئے ہر جنگ کے موقع پر افراد سے تعاون عطیات کی اپیل کی جاتی تھی۔ جس میں منافقین بالکل کوئی مدد نہیں کرتے تھے اور مسلمانوں کے حالات بھی سخت تھے۔ اس کے بارے بتایا گیا کہ جہاد کے لئے مال دنیا اپنی جان اور اسلامی ریاست کا دفاع ہے۔ اس سے معاشرہ کی سلامتی ہے اس لئے بخل نہیں کرنا چاہیے۔ جب اسلامی ریاست وسیع ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منظم فوج بن گئی اور عوام سے مدد کی ضرورت ختم ہو گئی۔ اب فی سبیل اللہ کے خرچ میں عوامی فلاح کے تمام منصوبے ہیں جن میں ریاست کے ساتھ افراد کو بھی شمولیت کی دعوت دی گئی ہے۔

زندگی میں عروج و زوال کے بارے وضاحت کی گئی ہے کہ اگر تم اس میں بخل کرو گے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے تو تمہیں تمہارے برے اعمال کا بدلہ یوں ملے گا کہ کوئی اور قوم تم پر غلبہ پالے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہو گی۔ جب صحابہ نے اس کے بارے پوچھا کہ دوسری قوم کیسے آئے گی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی جو پاس بیٹھے تھے کی طرف اشارہ کیا کہ ان کی قوم ہو گی۔ (بحوالہ حدیث سنن ترمذی۔ اس سے مراد غیر عرب اقوام ہیں)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قوموں کا زوال، ان کے اعمال کے سبب ہوتا ہے اور دوسری قومیں غالب آجاتی ہیں۔ ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں، جب کسی معاشرہ میں ظلم، ناانصافی، بڑھ جاتی ہے جو اللہ کی نافرمانی ہے تو وہ معاشرہ محکوم ہو جاتا ہے۔ اس پر دوسری قوم غلبہ پالیتی ہے اور وہ دوسری قوموں کا دست نگر یا محتاج بن جاتا ہے۔

سورت کی ابتداء اس حکم سے کی گئی کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے ہیں، کامیاب ہوں گے۔ آخر میں بھی حکم دیا ہے کہ اگر معاشرہ کی حفاظت نیک اعمال اور اللہ کے احکام کے مطابق کردار کے ساتھ نہ کی گئی تو دوسری قوم غالب آ جائے گی لہٰذا ایمان اور نیک اعمال میں کامیابی و نجاعت ہے۔

الحمدللہ سورت آج بروز ہفتہ 17 رمضان المبارک 1444 ہجری بمطابق 8 مارچ 2023 کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمام تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مصنف اور قارئین کے لئے ذریعہ نجاعت بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ نبی الکریم علیہ الوف التحیۃ والتسلیم۔

48- سورۃالفتح

تعارف:۔

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ الفتح سے ماخوذ ہے۔ سورۃ فتح مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ جب آپ ﷺ نے سفر عمرہ 6 ھجری میں کیااور حدیبیہ کے مقام پر رک گئے۔ وہیں سے واپسی پر سورت نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ جب ہم حدیبیہ سے واپس ہوئے، تو نبی ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی؛ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ (الفتح :2)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: آج مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر نبی ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے اس کی تلاوت کی۔ ایت میں نبی ﷺ کے لیے مغفرت کی خوش خبری تھی۔ مسلمانوں (صحابہ) نے کہا: یارسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیاہے کہ آپ کے ساتھ کیا، کیا جائے گا۔ تو ہمارے ساتھ کیا، کیا جائے گا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی؛ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿۵﴾ (الفتح:5)۔ایت میں مومنین کو بھی معافی کی خبر دی گئی۔ (بحوالہ ترمذی)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ (الفتح:1) آیت کی تفسیر میں فتح، سے مراد صلح حدیبیہ لیا ہے۔ سورت الفتح میں انتیس (29) آیات اور چار (4) رکوع ہیں۔ ترتیب قرآن مجید (مصحف) کے لحاظ سے اس کا نمبر اڑتالیس (48) ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ایک سو تیرہ (113) ہے۔ یہ سورۃ الصف کے بعد اور سورۃ التوبہ سے پہلے نازل ہوئی۔

سورۃ الفتح کے اہم موضوعات میں صلح حدیبیہ ہے جسے ابتداء میں فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد بیعت رضوان بھی اسی سورت کا اہم واقعہ ہے، ان دونوں کا مختصر تعارف تحریر ہے۔

سفر عمرہ (صلح حدیبیہ):۔

نبی ﷺ جب سے ہجرت کر کے آئے تھے، دوبارہ مکہ شریف میں بیت اللہ کی زیارت نہیں کر سکے تھے۔ آپ ﷺ کے دل میں زیارت کا ارادہ تھا۔ اسی دوران آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بے خوف ہو کر عمرہ پر جارہے ہیں۔ آپ ﷺ نے عمرہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ ماہ ذیقعد، جو کہ حرمت کا مہینہ تھا اس میں سفر شروع کر دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ اور قربانی کے اونٹ تھے، جن کے گلے میں قلادہ (قربانی کے لئے نشانی) ڈالی ہوئی تھی اور کوئی اسلحہ ساتھ نہیں تھا۔

آپ ﷺ کے اعلان کی وجہ سے قریش کو بھی اطلاع ہو گئی تھی۔ان کا خیال تھا کہ عمرہ ایک بہانہ ہے۔ نبی ﷺ ہمیشہ دفاعی نقطہ نظر کو پوری اہمیت دیتے اور دفاع سے متعلق پوری معلومات رکھتے۔ روایات کے مطابق قریش نے مسلمانوں کی جاسوسی کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے کو بھیجا، جو چند سواروں کے ساتھ مقام غمیم میں ٹھہرے ہوئے تھے، تاکہ مسلمانوں کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے قریش کو مطلع کریں۔ نبی ﷺ بھی قریش کے ارادوں کے جاننے کے لئے معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔آپ کو خالد بن ولید کی موجودگی کی اطلاع ہو گئی تھی۔اس لئے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ عمومی راستہ جانے کی بجائے، ذات الیمن کی جانب سے سفر کرو۔اس طرح خالد بن ولید اور ان کی پارٹی کو کوئی اطلاع نہ ہو سکی اور مسلمان ثنیۃ المراء، میں پہنچے، جس گھاٹی سے لوگ مکہ سے اترتے ہیں۔ یہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ کر لیا اور آپ ﷺ حدیبیہ کے دوسرے کنارے پر چلے گئے، وہاں نمی والی جگہ تھی، جہاں کچھ پانی کھڑا ہو جاتا تھا، جس سے فوراً پانی ختم ہو گیا۔جب آپ سے شکایت کی گئی کہ پانی نہیں ہے تو آپ ﷺ نے اپنا تیر مبارک دیا کہ اس کو پانی والی جگہ (زمین) پر ماریں۔جب اس کو صحابہ نے مارا، تو چشمہ بن گیا اور پانی نکلنے لگا اور سب لوگ سیر اب ہو گئے۔اس اثناء میں، بدیل بن ورقاء خزاعی، اپنی قوم خزاعہ کے کچھ افراد کو لے کر گیا۔وہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا۔اس نے بتایا کہ قریش جنگ کے لئے تیار ہیں۔وہ آپ (مسلمانوں) کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکنے والے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں، کسی جنگ کی غرض سے نہیں آئے۔قریش کو جنگ نے کمزور کر دیا ہے، اگر قریش چاہیں تو میں ایک مدت کا تعین کر دیتا ہوں اور اس مدت میں وہ، مجھے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیں، پھر اگر وہ چاہیں تو وہ بھی اس دین میں داخل ہو جائیں، جس میں اور لوگ داخل ہوئے ہیں۔ اگر بالفرض میں، اس دین کی تبلیغ میں کامیاب نہ ہوا تو وہ مجھ سے ماموں (امن میں) ہو جائیں گے اور اگر وہ میری اس پیشکش کو قبول نہیں کرتے، تو میں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں اس دین کی تبلیغ میں ان سے ضرور جنگ کروں گا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور نافذ کرے گا۔

بدیل نے کہا، میں آپ کا پیغام قریش تک پہنچاتا ہوں۔ پھر اس نے، مکہ جا کر سرداران مکہ کو پیغام پہنچایا۔ عروہ بن مسعود (جو اس وقت مسلمان نہیں تھے) اور بہت محترم اور معزز تھے، انہوں نے قریش کو کہا کہ یہ پیشکش مناسب ہے اور اگر تم کہو، تو میں جا کر محمد (ﷺ) سے بات کروں۔ قریش نے اسے کہا کہ تم جاؤ اور بات کرو۔ عروہ، پھر نبی ﷺ کے پاس آیا اور صلح کی بات چیت کی۔ بات چیت کے دوران اس نے صحابہ کی رسول ﷺ کی تعظیم دیکھی جو اس نے پہلے کسی سربراہ کی نہیں دیکھی تھی۔ وہ قریش کے پاس واپس گیا اور صحابہ کی محبت کے قصے سنائے اور صلح کی تائید کی۔ پھر بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے قریش سے کہا کہ وہ جانا چاہتا ہے، تو قریش نے اسے بھی جانے کی اجازت

دی۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے بھی صحابہ کی جان فروشی واطاعت کو دیکھا۔ نبی ﷺ کو جب اس کی آمد کی اطلاع دی گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا، اسے قربانی کے اونٹ دکھاؤ۔ اسے قربانی کے اونٹ دکھائے گئے اور مسلمان "لبیک اللھم لبیک" کہنے لگے۔ اس نے کہا سبحان اللہ۔ ان لوگوں کو بیت اللہ جانے سے نہیں روکنا چاہیے۔ پھر قریش میں سے مکرز بن حفص، دیکھنے آیا۔ جب وہ مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا، تو سہیل بن عمرو، بھی آگیا۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں جب سہیل بن عمرو آیا، تو نبی ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے اور ہمارے درمیان، ایک معاہدہ لکھیں۔ نبی ﷺ نے کاتب کو بلایا اور کہا لکھو۔

جب معاہدہ لکھا جارہا تھا، تو سہیل بن عمرو، نے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ پر اعتراض کیا کہ صرف باسم اللھم اور محمد بن عبداللہ تحریر کیا جائے جو آپ ﷺ نے منظور کر لیا۔ شرائط یہ تھیں:۔

(۱) مسلمان اگلے سال آکر عمرہ ادا کریں گے اور تلوار نیام میں رکھیں گے اور کوئی ہتھیار نہیں لائیں گے۔

(۲) جو شخص مکہ سے مدینہ جائے گا اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

(۳) اگر کوئی شخص مدینہ سے مکہ جائے گا، تو اہل مکہ اسے واپس کرنے کا پابند نہیں ہوں گے (مسلمان اس دوسری شرط سے خوش نہیں تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا جو ہم سے بھاگ کر مکہ جائے گا اس کی ہمیں ضرورت نہیں لہٰذا، واپس آنے کی کوئی اہمیت نہیں)۔

(۴) ہم ایک دوسرے کے خلاف دشمنی ظاہر نہیں کریں گے اور جو قبیلہ چاہے وہ مسلمانوں کے حلیف ہو جائے اور جو چاہے وہ قریش کا حلیف ہو جائے اور اس معاہدہ میں داخل ہو جائے۔ اس طرح بنو خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ اور بنو بکر، قریش کے ساتھی بن گئے۔

صحابہ کرام بغیر عمرہ کئے واپس جانے اور شرائط پر خوش نہ تھے۔ ان کے جذبہ جہاد اور کعبہ شریف کی زیارت کا جوش شدید تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس جا کر ان شرائط کے خلاف گذارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ میری مدد فرمائے گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے گذارش کی کہ وہ نبی ﷺ سے بات کریں۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان کو مکہ سے واپسی کا بھی حق ہونا چاہیے، جس طرح کسی مکہ والے کو ان کو واپس کرنا ضروری تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو تسلی دی کہ نبی ﷺ کا فیصلہ، رسول کا فیصلہ ہے اور اسی میں بہتری اور کامیابی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس رویہ کا ہمیشہ افسوس رہا۔ لیکن نبی ﷺ نے ان کو بالکل معاف کر دیا تھا۔ کئی صحابہ کرام اس شرط کی وجہ سے مایوس تھے۔

جب معاہدہ ہو چکا تو نبی ﷺ نے اونٹ کی قربانی کی اور اپنا سر حجام سے مونڈھوا دیا۔ اس کے بعد صحابہ نے بھی قربانی کی اور اپنے سر منڈوا دیئے اور مسلمانوں نے مدینہ کو واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ دوران سفر سورت نازل ہوئی۔

اسی دوران حضرت ابو جندل بن سہیل بن عمرو آ گئے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں، جن کو گھسیٹتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کے والد سہیل بن عمرو، نے معاہدہ کے مطابق ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، جس کو نبی ﷺ نے منظور کر لیا اور وہ واپس کر دیئے گئے۔ یہ مسلمانوں کا معاہدہ کی پاسداری کا عملی نمونہ تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور شخص ابو بصیر، مکہ سے بھاگ کر مدینہ آ گئے، تو نبی ﷺ نے ان کو اہل مکہ کو واپس کر دیا۔ جب وہ مکہ واپس جا رہے تھے، تو انہوں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا خوف سے بھاگ کر مدینے آ گیا، اور واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابو بصیر بھی مدینہ آ گئے۔ نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کو پسند نہیں کیا اور وہ اس خوف سے کہ دوبارہ ان کو مکہ نہ بھیج دیا جائے، نبی ﷺ سے گذارش کی کہ آپ نے تو مجھے ان کے سپرد کر کے معاہدہ پر عمل کیا، اب میرا بھاگنا میری اپنی ہمت تھی۔ وہ مدینہ سے چلے گئے اور ساحل کی طرف جا کر رہنے لگے۔ اسی دوران حضرت ابو جندل بن سہیل، بھاگ کر حضرت ابو بصیر کے ساتھ جا ملے۔ کچھ ماہ میں چند اور مسلمان بھاگ کر مدینہ آنے کی بجائے ساحلی پٹی پر ان (حضرت ابو بصیر) کے ساتھ جا ملے اور ایک گروپ ہو گیا اور قریش کے شام کی طرف جانے والے قافلوں پر حملے شروع کر دیئے اور قریش نے تنگ آ کر اس شق کو منسوخ کر دیا اور مکہ سے بھاگ کر آنے والے شخص کو مدینہ سے واپس کرنا ختم ہو گیا، اس طرح ساری شرائط مسلمانوں کے حق میں ہو گئیں۔ قریش مسلمانوں کو واپس کر کے اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے، مگر اہل عرب میں ان کے بارے رویہ بدل گیا، کہ خانہ کعبہ کو وہ ملکیت سمجھتے اور کسی بھی عرب قبیلہ کو طواف سے روک سکتے ہیں، جو کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے وقت سے کھلا ہوا تھا اور یہ بڑی خلاف ورزی تھی۔ جس کی وجہ سے مقامی قبائل میں مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوا اور وہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے۔

بیعت رضوان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ مشرکین مکہ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا ہے، تو نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام سے بیعت لی کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لئے بغیر کوئی یہاں سے نہیں جائے گا۔ یعنی صحابہ کرام نے مرنے پر یا نبی ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے پر بیعت کی۔ تفصیل آیت کے موقعہ پر تحریر ہے۔

سورۃ الفتح، مسلمانوں کی کامیابی کی ابتداء کی نوید دے رہی ہے۔ مسلمان دنیا میں کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی جنت میں مقام حاصل کریں گے۔

نبی ﷺ کی توقیر اور تعظیم کی خصوصی ہدایت کی گئی ہے۔ نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت گویا اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے۔ منافقوں کے کردار کو واضح کر دیا ہے اور ان کو علیحدہ کر دیا گیا۔ دوسرے غزوات میں ان کو ترجیح نہیں دی گئی تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ (اے نبی) بلاشبہ ہم نے آپ کو کھلی فتح دی۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ تاکہ اللہ آپ کے لئے آپ کی اگلی اور پچھلی ہر غلطی (خلاف شان کام) معاف کردے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کردے اور آپ کو صراط مستقیم پر برقرار رکھے۔

وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾ اور (تاکہ) اللہ آپ کی (تمہاری) زبردست مدد کرے۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۴﴾

وہی (اللہ) ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں طمانیت و تسکین نازل کی، تاکہ ان کا ایمان ان کے پہلے ایمان سے اور زیادہ ہو اور آسمانوں اور زمین کے (سب) لشکر اللہ ہی کے ہیں۔ اللہ خوب جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿۵﴾

(یہ سب اس لئے کیا) تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنت میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (تاکہ) ان سے ان کی برائیاں دور کردے اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے۔

فتح عظیم:۔

آیات کا شان نزول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی واپسی پر نازل ہوئی اور اس سفر کو فتح عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین نے صلح حدیبیہ مراد لی ہے۔ کچھ نے فتح مکہ، اس سے مراد لی ہے۔ روایات کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان کو فتح عظیم شمار کرتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن قرطبیؒ)۔ اس سفر کے دوران کئی ایسے واقعات ہوئے جس سے یہ عظیم فتح ہے۔

(۱): مسلمان پہلی دفعہ مدینہ سے باہر مکہ تک گئے جہاں ان کے لئے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔

(۲): مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں بیعت رضوان کی کہ وہ اپنی زندگی قربان کردیں گے۔

(۳): قریش نے مسلمانوں کو ایک طاقت تسلیم کر لیا اور صلح کی۔

(۴): دوسرے قبائل پر بھی اسلام کی سیاسی و دفاعی قوت و عظمت کا اعلان ہوا، دوسرے قبائل نے حلیف ہونے کے معاہدے کئے۔

(۵): یہود اور منافقوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا، جب مسلمان معاہدہ کے ساتھ آئے اور دوسرے سال مسلمانوں نے عمرہ ادا کیا۔ عمرہ کے لئے قریش نے خانہ کعبہ کو خالی کر دیا تاکہ مسلمان اپنی مرضی کے مطابق طواف کریں۔

(۶): نبی ﷺ کو، ان کے، ان امور کے بارے جو آپ کی شان نبوت و محبوبیت کے خلاف تھے یا آپ سمجھتے تھے (خلاف اولیٰ) پر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی مل گئی۔ (روح المعانی)۔

(۷): مومنین و مومنات، کو جنت میں داخلے کی بشارت مل گئی۔ یہ تمام امور نبی ﷺ امت کے لئے ایک بڑی کامیابی تھے۔

بعض مفسرین نے اس فتح سے مراد اسلام کی دوسری فتوحات، خیبر، مکہ، حنین، یمن، روم و ایران لی ہیں۔ کیونکہ ان کی ابتداء صلح حدیبیہ اور فتح مکہ سے ہوئی۔

(۸): قریش کو اس کا بات کا اشارہ مل گیا کہ مسلمان مکہ پر چڑھائی کر سکتے ہیں۔ اب کمزور نہیں ہیں کہ ان پر چڑھائی کی جائے اور دو سال بعد ایسا ہی ہوا۔

جب یہ آیات نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ آج ایک ایسی آیت مجھ پر نازل ہوئی جو تمام روئے زمین سے سب سے زیادہ محبوب ہے اور آپ نے آیت نمبر 2 کی تلاوت کی۔ اس آیت کی تفسیر و تاویل میں مفسرین نے مختلف آراء دی ہیں۔ اور ذنب (گناہ) کے معانی اور توضیح کی ہے، کیونکہ انبیاء کا کردار معصوم (گناہوں سے محفوظ) ہوتا ہے۔ امام رازی، علامہ اسماعیل حقی اور علامہ محمود آلوسی، نے اس سے مراد خلاف اولیٰ کام لئے ہیں، جو عمومی قانون میں گناہ نہیں، لیکن آپ ﷺ کے مقام رفیع اور منصب جلیل کے اعتبار سے ان کو ذنب ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا اظہار عام طور پر ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کے لحاظ سے ہے۔ یعنی عمومی افراد کے لئے جو بڑے مرتبہ کا عمل ہے، وہ ابرار حضرات کے لئے معمولی اور مقربین کے لئے ان کی شان اور مرتبہ کے لحاظ سے، یہ عمل ایک طرح سے گستاخی، سمجھا جاتا ہے۔ یہ موضوع، بحث برائے، بحث ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی، اپنے انبیاء کے مقام رفیع کو جانتے ہیں۔ کسی بھی نبی کا اعلیٰ ترین مقام، اللہ کے پیارے، خاص بندے اور مخلوق کا درجہ ہے۔ مراتب میں درجات کا ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء کا مقام، انسانوں اور فرشتوں سے بلند تر ہے۔ ان بحوث میں غلطی کے امکانات سراسر ہیں، کیونکہ کسی عالم یا غیر عالم شخص، کو اللہ تعالیٰ اور اس کے انسانوں میں چنے ہوئے نبی یا رسول کے حقیقی مرتبہ کا علم نہیں ہو سکتا۔ جو تصریحات قرآن مجید اور احادیث میں

ہیں، وہ صحیح قابل یقین ہیں۔ ان موضوعات میں بحث کرنا، اختلاف اور فرقہ واریت کو جنم دیتا ہے۔ اس سے پہلے سورت احقاف کی آیت نمبر 9 جس کا ترجمہ ہے: آپ کہیے کہ میں نہیں جانتا (از خود) کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ یہ آیت، اللہ تعالیٰ کے جلال، اس کی عظمت اور پھر انسان کی، اس کے مقابل بے بسی کا اظہار ہے۔ لیکن یہود اور کفار، نے اسے سمجھنے کے بجائے ایک طعنہ بنالیا۔ سورۃ الفتح کی آیت نے اس آیت کی معلومات کی وضاحت کر دی، کہ نبی ﷺ کی اگلی اور پچھلی غلطیاں سب معاف ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت سے سورۃ احقاف کی آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ یہ آیت چونکہ آپ کی شان رفیع (بلند) کا اعلان ہے، اس لئے آپ ﷺ کو عزیز تھی۔ صحابہ کرام نے نبی ﷺ کو مبارک دی اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہم کیا توقع رکھیں، تو آپ ﷺ نے اگلی آیت نمبر 5 کا ذکر فرمایا، جس کا ترجمہ ہے "تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (تاکہ) ان سے ان کی برائیاں دور کر دے اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے"۔ (ترمذی)۔ جس سے صحابہ کو بھی تسکین ہوئی۔

اس کامیابی کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور ان کے ساتھی (صحابہ کرام) میں محبت، طمانیت قلب اور پھر اس کے نتیجہ میں ایمان میں اضافہ کا ذکر فرمایا، جو اللہ کا بڑا انعام ہے۔ صلح حدیبیہ کے وقت شرائط، جو بظاہر مخالف نظر آتی تھیں، کافی صحابہ اضطراب میں تھے اور پھر ان کی حکمتیں، جب بعد میں کھلیں اور آیات نازل ہوئیں تو ان کے ایمان اور یقین میں اضافہ ہوا۔ اس سے علماء نے یہ قرار دیا ہے، کہ بنیادی ایمان برقرار رہے لیکن اس کے ساتھ اضافی ایمان کے درجات میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جس کا اظہار اعمال کے ذریعہ ہوتا ہے۔ انہی درجات و مقام عبودیت کے مطابق جنت میں درجات ہوں گے۔

وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۶

اور (تاکہ) منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق برے گمان رکھتے ہیں، بری گردش (برے حالات) انہی پر ہیں اور اللہ ان پر ناراض ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی، اور ان کے لئے جہنم کو تیار کیا وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے۔

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷

اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کی ملک میں ہیں اور اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے۔

جب نبی ﷺ نے عمرہ کا اعلان کیا تو منافقین (جو کلمہ اور نماز پڑھتے تھے مگر دل میں مسلمانوں سے حسد رکھتے تھے) نے سفر پر نہ جانے کے بہانے بنانے شروع کر دیئے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ نبی ﷺ ساتھ ہتھیار بھی نہیں لے جارہے اس لئے وہیں ختم ہو جائیں گے۔ادھر یہود بھی خوش تھے کہ اس طرح مسلمانوں کو قریش مکہ پکڑ لیں گے اور درس عبرت بنادیں گے۔ لیکن صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کی حالت اور بہتر ہو گئی اور حجاز میں ایک سیاسی اور فوجی قوت مانے گئے۔ منافقین اور یہود کے رویہ اور خواہشات پر اللہ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔یہود کو یہ سزا ہوئی کہ ان کو مدینہ سے نکلنا پڑا تھا اور پھر خیبر کا قلعہ بھی فتح ہو گیا اور منافقین اپنی حسد کی آگ میں جلتے رہے، بجائے اس کے کہ مسلمان بری گردش میں پڑتے، یہ دونوں بری گردش کا شکار ہوئے۔ موت کے بعد جہنم بھی، ان کا انتظار کر رہی ہے۔ ان کے کردار کی وجہ سے ان پر لعنت، ناراضگی اور دوزخ کی سزا ہے۔دنیا کے لشکروں پر بھروسہ کرنے والوں کو بتایا گیا، کہ اللہ کے لشکر سب سے عظیم ہیں، جن میں انسان کے علاوہ، فرشتے، جنات اور دوسری قوتیں ہوا، فضاء، بارش سب شامل ہیں ان کو اللہ تعالیٰ تباہی کا بھی سبب بناتے ہیں۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ﴿۸﴾ بے شک ہم نے (اے نبی) آپ کو گواہی دینے والا، بشارت (خوشخبری) دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ﴿۹﴾

تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم کرو۔اور توقیر (مدد) کرو اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۰﴾

بے شک جو لوگ (اے نبی) آپ کی بیعت کرتے ہیں، وہ بے شک اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔پس جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہو گا۔اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔

جو قبائل خوف کی وجہ سے عمرہ کے سفر میں شامل نہیں ہوئے، ان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے نبی کی انتہائی تعظیم و توقیر کریں ان کی مدد کریں۔ان کے احکام مانیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کے لئے نیک اعمال پر اجر و انعام کی خوشخبری اور برے اعمال پر سزا دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ وہ تمہارے احوال سے بھی آگاہ ہیں، خواہ وہ اطاعت یا

غیر اطاعت اور معصیت / نافرمانی کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔ ایک اور تفسیر کے مطابق قیامت کے دن اعمال کی گواہی دیں گے۔ (قرطبیؒ)۔ مدد سے مراد، آپ (نبی ﷺ) کے احکام کی تابعداری، آپ ﷺ کا دفاع ہے اور صبح و شام اللہ کی تسبیح اور عبادت ضروری ہے۔

بیعت رضوان:۔

آیت نمبر 10، بیعت رضوان کے بارے ہے کہ جنہوں نے نبی ﷺ کی بیعت کی انہوں نے اللہ کی بیعت کی۔ حضور نے، بیعت کے لئے، اپنا ایک ہاتھ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اپنا دوسرا ہاتھ اپنی بیعت کے لئے رکھا تھا اور آپ کے ساتھ چودہ پندرہ سو صحابہ نے بیعت کی تھی۔ یہ واقعہ تاریخ میں اس طرح تحریر ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ کے مقام پڑاؤ کر رہے تھے تو قریش مکہ نے چالیس پچاس آدمی بھیجے اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے گرد چکر لگا کر دیکھیں یا آپ کے ساتھی، کسی مسلمان کو پکڑ لیں۔ انہوں نے پتھر پھینکے۔ ان کو گرفتار کر کے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے سب کو معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔

نبی ﷺ نے حالات کو بہتر طور پر سمجھانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ ان کو مکہ بھیجیں اور آپ کی طرف سے وہ قریش کے سرداروں کو یہ پیغام پہنچائیں کہ آپ صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ مجھے قریش کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے اور مکہ میں عدی بن کعب کی اولاد میں سے کوئی نہیں ہے، جو میری حفاظت کر سکے اور آپ کو معلوم ہے قریش مجھ سے شدید عداوت رکھتے ہیں لیکن میں آپ کو ایک شخص بتاتا ہوں جو میری نسبت ان کے نزدیک بہت معزز اور محترم ہے اور وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو ابو سفیان اور قریش کے سرداروں کی طرف بھیجا، تاکہ وہ ان کو بتائیں کہ نبی ﷺ اور مسلمان جنگ کے لئے نہیں آئے، بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کی تعظیم کے لئے آئے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو ان کی ملاقات سعید بن العاص سے ہوئی اس نے ان کو پناہ دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابو سفیان اور قریش کے دیگر سرداروں کے پاس گئے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر وہ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں میں طواف کرنے والا نہیں۔ پھر قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر بند کر دیا اور مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی (قتل عثمان رضی اللہ عنہ) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اس قوم سے جنگ میں مقابلہ نہ کریں۔ (آپ معلومات کا اہتمام کرتے تھے)۔ پھر نبی ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا۔ پھر ایک درخت کے نیچے یہ بیعت لی گئی۔ نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت کی اور اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے ہاتھ کو اس پر مارا۔

مسلمانوں کی بیعت یہ تھی کہ تادم مرگ ہم آپ ﷺ کے ساتھ لڑتے رہیں گے۔ بعض نے کہا، ہاتھ پر مرنے کی بیعت کی۔ (سیرت ابن ہشام)۔ قریش کو جب بیعت اور قصاص کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ پھر نبی ﷺ کو خبر آئی کہ قتل کی جو خبر آئی تھی غلط تھی، اس کے کچھ دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ یہ بیعت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص (بدلہ) لینے پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا اور ہاتھ سے مراد پرانے مفسرین نے ہاتھ لیا ہے جس کی وضاحت ممکن نہیں، وہ کوئی تاویل نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ جو اس کی شان کے لائق ہے۔ لیکن مخلوق میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں، لیکن متاخرین مفسرین و علماء نے مختلف تاویلات کی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسامت کی حدود و قیود سے پاک ہے۔ مثلاً اللہ کی قوت، اللہ تعالیٰ کی نصرت (امام رازی)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب، ہدایت، نصرت مراد ہے۔ (قرطبیؒ)۔

بیعت کے مقصد کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا جو اس عہد اور نبی ﷺ کی اطاعت کو پورا کرے گا تو وہ اپنا فائدہ حاصل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں اجر عظیم دیں گے اور جو یہ عہد توڑیں گے وہ اس کی سزا خود بھگتیں گے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ نبی ﷺ کے احکام کی اطاعت میں کامیابی اور خلاف ورزی پر عذاب ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾

جو اعرابی (دیہاتی) (سفر حدیبیہ میں) آپ سے پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم اپنے گھروں اور اموال کی دیکھ بھال میں مشغول تھے۔ پس آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ وہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ آپ کہیے اللہ کے مقابلہ میں کس کو کس چیز کا اختیار ہے؟ (نہیں ہے) اگر وہ تم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے یا تم کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے، بلکہ اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ

فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مومنین کبھی بھی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ نہیں سکیں گے اور تمہارے دلوں میں یہ بات خوشنما بنادی گئی تھی، تم نے بہت برا گمان کیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ﴿۱۳﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو بے شک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۴﴾ اور اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اللہ بہت رحم فرمانے والا ہے۔

نبی ﷺ نے سفر عمرہ سے پہلے مدینہ کے گرد قبائل کو بھی عمرہ میں شمولیت کی دعوت دی، کیونکہ سارے عرب عمرہ کرتے تھے۔ یہ قبائل غفار، مزنیہ، اسلم، اشجع اور ویل تھے۔ یہ قریش کے ڈر سے چلنے کو تیار نہیں ہوئے اور اپنے پیچھے گھر اور مال و مویشی کا بہانہ بنایا۔ اصل تو خوف تھا، لیکن یہ بہانہ بنایا گیا۔ جب نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ واپس آئے، تو یہ اپنے عذر پیش کرنے لگے اور معافی طلب کرنے لگے اور اللہ سے استغفار کی درخواست کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اندرونی کہانی کو ظاہر کر دیا کہ یہ ساری غلط بیانی ہے۔ یہ ان کی سمجھ کی کمزوری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی قدرت اور طاقت والی ہے جس کو بچائے اس کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا اور جس کو سزا دے اس کو بچا نہیں سکتا۔ گھر میں رہ کر بھی موت و نقصان ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال جانتا ہے۔ ان کا یہ خیال کہ مسلمانوں کو کفار مکہ ختم کر دیں گے محض ایک خیال تھا جو کہ شیطان نے ان کو یقین کر کے دکھایا اور اس پر یقین کیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے غلط ثابت کر دکھایا۔ اللہ کے احکام سے انکار کرنے والوں کے لئے عذاب جہنم تیار کیا گیا ہے اور یہ منافق خود ہی ہلاک اور ناکام ہوں گے۔

سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۵﴾

جب تم اموال غنیمت کے لئے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں۔ آپ کہیے تم ہر گز ہمارے ساتھ

نہیں چل سکتے۔ اللہ نے اسی طرح پہلے فرمادیا ہے۔ پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک اجر دے گا اور اگر تم پھر, پھرو گے جیسا کہ اس سے پہلے تم پھرے (روگردانی کی) تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

(جہاد میں پیچھے رہنے میں) اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے, اللہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو شخص (حق سے) پھرے گا تو وہ اسے نہایت دردناک عذاب دے گا۔

منافقین اور پیچھے رہ جانے والوں کے کردار اور آنے والے حالات میں ان کے رویہ کا ذکر ہے۔ عمرہ کے سفر میں وہ خوف کی وجہ سے ساتھ نہیں گئے اور بہانے کرتے رہے, اب جب مسلمان کسی اور جگہ جائیں, جہاں سے مال غنیمت یا کامیابی کی توقع ہو تو وہ فوراً ساتھ چلنے کو تیار ہو جائیں گے لیکن حدیبیہ کے سفر میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے ان کو اگلی مہم میں شامل کرنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ ان کی پچھلی مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ (بہانہ بنا کر نہ شامل ہونا) دینے کی سزا ہے۔ اس حالت میں جب ان کو چھوڑا جائے گا, تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے بجائے مسلمانوں پر الزام لگائیں گے کہ وہ اس لئے ساتھ نہیں لے جا رہے کہ وہ (منافق پیچھے رہنے والے) مال غنیمت میں ان کا حصہ دار بن جائیں گے اور انہیں کم ملے گا۔ یہ ان کی غلط سوچ کا نتیجہ ہے۔ وہ اللہ کی طرف ان کو نہ لے جانے والے حکم کا خیال نہیں کریں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ نبی ﷺ سفر حدیبیہ کے بعد جب مدینہ پہنچے تو یہود کی کارستانیوں سے تنگ آ کر خیبر پر چڑھائی کر

دی کیونکہ یہود معاہدہ کی برعکس مشرکین مکہ سے ساز باز کرتے تھے۔اس سفر میں صرف وہی مسلمان (مومن) گئے جو عمرہ کے سفر میں ساتھ تھے۔دوسروں کو منع کر دیا گیا۔

مستقبل میں ہونے والے واقعات جو کہ حق اور باطل یعنی اسلام اور غیر مسلم (کفار) کے ساتھ لڑائیوں کے بارے پیشن گوئی کی کہ تمہیں سخت جنگجو قوموں سے واسطہ پڑے گا اس وقت ان منافقین کو پوری طرح مسلمانوں (مومنوں) کے ساتھ شانہ بشانہ لڑنا ہو گا اور اگر یہ اخلاص کے ساتھ لڑے تو ثواب اور اگر دھوکہ اور بہانہ کر کے نکل گئے تو دردناک عذاب ہو گا۔

جنگجو قوم کے بارے مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔حضرت ابن عباس نے اس سے قوم فارس مراد لی ہے۔ حسن اور ابی لیلیٰ کی رائے میں اہل روم ہیں۔قتادہ کی رائے میں ہوازن اور غطفان کے قبائل ہیں جن سے غزوہ حنین ہوا۔ زہری نے اس سے مراد اہل یمن میں مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنفیہ لی ہے۔حضرت ابوہریرہ کی رائے میں یہ قوم بعد میں آئے گی۔دراصل واقعات میں ان سب قوموں سے واسطہ پڑا ہے۔مسیلمہ کذاب سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور فارس و روم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جنگ ہوئی اور مسلمان جیت گئے۔ان غیر مسلموں سے قتال کرنے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تھے بلکہ دونوں خلفاء تھے۔اس سے ان دونوں خلفاء کی خلافت یا حکومت برحق ثابت ہوتی ہے۔جس کی تائید آیت کے ذریعہ ہو رہی ہے۔

مرتد کی سزا اور مہلت:۔

جنگ میں جانے سے جن لوگوں کو معافی ملی ہے ان میں معذور افراد ہیں مثلاً لنگڑے، اندھے اور بیمار۔ دوسرے افراد کو ریاست کی حفاظت کے لئے نکلنا ضروری ہے۔اور جنگ کا دورانیہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا مسلمانوں کی حاکمیت تسلیم کر لیں، ہے۔اس آیت سے مرتد کی سزا قتل یا وہ ارتداد سے واپس اسلام کی طرف آجائے ہے ۔یہ سزا انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں کیونکہ عوامی مصلحت کی وجہ سے ارتداد سے تفرقہ اور فساد پیدا ہوتا ہے اور معاشرہ مزید فساد کی طرف نکل پڑتا ہے جس سے تباہی ہوتی ہے۔مرتد کو تین دن تک دوبارہ اسلام میں آنے کی دعوت دینی چاہیے اور اس کے انکار پر اس کو سزائے موت دی جائے جس طرح حکومتوں (ریاست) کے خلاف کام کرنے والوں کو دی جاتی ہے تو قبول اسلام کے بعد اسلام سے دشمنی (ارتداد) کرنے والے کو بھی موت کی سزا ہے۔کسی کو جبراً مذہب بدلنے کے لئے کہنا اسلام میں ممنوع ہے یہی انسانی آزادی ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ مومنوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ چنانچہ اللہ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ پس اللہ نے ان کے دلوں پر طمانیت و تسکین نازل فرمائی اور عنقریب آنے والی فتح کا انعام دیا۔

وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ اور ان کو بہت سی نعمتیں عطا کیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ نہایت غالب اور خوب حکمت والا ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾

اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم انہیں حاصل کرو گے چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمہیں عطا کر دیں اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ یہ مومنوں کے لئے ایک نشانی ہو جائے اور تاکہ وہ تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔

وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور وہ دوسری نعمتیں جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے بے شک اللہ نے ان کا (بھی) احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت میں بیعت رضوان کا ذکر ہے اور وہی موقعہ نزول ہے۔ یہ بیعت حدیبیہ کے علاقہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر سننے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے لی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیا جائے گا۔ تمام صحابہ نے درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہ درخت جب مسلمان دوسرے سال عمرہ کے لئے گئے تو وہاں اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ روایات میں لوگوں نے اس جگہ عبادت شروع کر دی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کٹوا دیا، کچھ روایات میں یہ پہلے ہی معدوم (ختم) ہو چکا تھا۔

معاہدہ میں ایک شرط تھی کہ اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آئے گا تو اہل مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے جب کہ اس کے مقابل شرط میں تھا کہ اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ بھاگ کر گیا تو اسے اہل مکہ کو واپس کر دیا جائے گا۔ صحابہ کرام اپنی کثرت کو دیکھتے ہوئے اس شرط پر سخت رنجیدہ تھے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول کر لیا تھا اس لئے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت کی کہ جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ جائے گا اس کی ہم کو ضرورت نہیں ہو گی۔ پھر مسلمانوں کے دلوں کو اللہ نے اطمنان و سکینت دی اور وہ آیت انا فتحنا لک فتحا کے نزول پر مطمئن ہو گئے۔ اس معاہدہ اور سفر عمرہ پر مسلمان، اگرچہ مکہ میں طواف اور قربانی نہیں کر سکے، لیکن بعد میں ثابت ہو گیا کہ معاہدہ

سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ اگلے سال عمرہ ادا ہوا۔ اس کے بعد بہت سارے معرکوں میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مال غنیمت حاصل ہوا، جس میں معرکہ (غزوۃ) خیبر مشہور ہے۔ جو واپس مدینہ پہنچنے کے بعد واقع ہوا۔

حدیبیہ میں پڑاؤ کے وقت مکہ کے چالیس (40) اور ساٹھ (60) کے درمیان مسلح افراد نے مسلمانوں پر حملہ کی کوشش کی، لیکن مسلمانوں نے ان کو پکڑ لیا اور نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے جرم کو معاف کر دیا، کیونکہ آپ ﷺ عمرہ کے لئے امن کے خواہش مند تھے اور امن کی نیت سے گئے تھے۔ قریش مکہ بھی اندر سے خوف زدہ تھے۔ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کیا اور مسلمانوں کو آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو تمام مسلمانوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر قصاص لینے کی بیعت کی "کہ ہم اپنی موت تک لڑتے رہیں گے اور نبی ﷺ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے"۔ قریش کو پتہ چلا اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ وہ واپس آ گئے۔ ساتھ ہی قریش نے معاہدہ کر لیا، جس کا ذکر بیعت رضوان (آیت نمبر 10) میں ہو چکا ہے۔ اسی طرح خیبر پر حملہ کے وقت یہودیوں کے حلیف قبائل عینیہ بن حصن الفزاری اور عوب بن مالک النضری اور ان کے قبیلہ کے افراد یہود کی مدد کے لئے آئے لیکن موقعہ پر مسلمانوں سے خوفزدہ ہو گئے۔

ان تمام امور سے مسلمانوں کی مدد ہوئی اور یہ امور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کو ظاہر کرتے ہیں۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾

اور اگر کافر (انکار کرنے والے اس وقت) تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر وہ اپنا نہ کوئی حامی اور نہ مددگار پاتے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾

یہ اللہ کا دستور (طریقہ) ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾

وہی (اللہ) ہے جس نے تم کو ان (کفار) پر کامیاب کرنے کے بعد مکہ کی وادی میں ان (کفار) کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

آیات مبارکہ کا موقع نزول، دوران سفر برائے عمرہ (صلح حدیبیہ) ہے، اسی واقعہ کی تفصیل اور اللہ کے

انعامات کا ذکر ہے۔ قریش کی دشمنی کی وجہ سے ہر لحظہ جنگ کا خطرہ تھا۔ ان کے اندر نبی ﷺ کی مخالفت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ نبی ﷺ ہر طرح سے امن رکھنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حالات کو مسلمانوں اور نبی ﷺ کی خواہشات کے مطابق پر امن رہنے دیا۔ ایک دفعہ قریش کے کافی سارے افراد پکڑے گئے جو حملہ کے لئے آئے تھے ان میں ابوسفیان اور حضرت معاویہ بھی تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور بالآخر جنگ کے بجائے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔

سنت الٰہی:۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ، اپنے احکام اور پسندیدہ اعمال، مثلاً، توحید، عدل، سچائی، غرباء کی خدمت اور انسانی مساوات، پر **عمل کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں۔** یہی طریقہ رہا ہے۔ اور اللہ کے تمام انبیاء ورسولوں نے انہیں احکام اور امور کو نافذ کیا ہے۔ یہی دستور واصول تبدیل نہیں ہوں گے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو اپنی جگہ (قربان گاہ) پہنچنے سے روکا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تم نہیں جانتے تم ان کی پامالی کا ذریعہ بنو گے۔ پھر ان کی طرف سے لاعلمی میں تمہیں کوئی ضرر پہنچے گا (تو تمہیں کفار سے قتال کی اجازت دے دی جاتی لیکن یہ اجازت نہیں دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

جن لوگوں نے کفر کیا جب انہوں نے اپنے دلوں میں حمیت (غیرت) پیدا کر لی جو جاہلیت کی حمیت (غیرت) تھی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر تسکین نازل کی اور ان کو تقویٰ کی بات پر ثابت قدم رکھا۔

سفر عمرہ کے واقعات کا ذکر ہے کہ کفار مکہ (قریش) شیطان کے خیال (چال) میں پھنس گئے اور بجائے مسلمانوں

کو عام عربوں کی طرح طواف کرنے دیتے، اپنی دشمنی اور مخالفت کی نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ انہوں نے ہمارے لوگ قتل کئے ہیں، اس لئے نہ عبادت کریں نہ قربانی اور طواف سے روک دیا۔ قربانی کے جانوروں کو مروہ کی پہاڑی کے پاس مقام قربانی، جو کہ عمرہ کرنے والوں کے لئے تھی، ذبح کرنے سے روک دیا۔ مسلمانوں کو، جانوروں کو حدیبیہ کے مقام پر ہی ذبح (قربانی) کرنا پڑا۔ مکہ میں چھپے کافی مسلمان تھے۔ وہ جنگ یا حملہ کی صورت میں مر جاتے اور جب مسلمانوں کو علم ہوتا، تو انہیں اس بات کا دکھ ہوتا، دوسری طرف کفار ان کے قتل پر مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے۔ ان حالات میں مسلمان بھی غیرت (حمیت) کے بہانے قربانی اور طواف کا اصرار اور ضد کر کے زبردستی داخل ہوتے، کیونکہ ہر عرب کو طواف اور قربانی کا حق تھا، تو بہت خون ریزی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر، ضبط کی توفیق عطا کی۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات پر کاربند رہنے کا شوق دیا۔ کفار نے نبی ﷺ کے نام کے ساتھ رسول کو مٹانے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں الرحمٰن الرحیم کو مٹانے کا مطالبہ کیا تو مسلمانوں نے وقار اور فراست کا مظاہرہ کیا۔

نبی ﷺ نے امن کو ترجیح دی، جو ہمیشہ آپ ﷺ نے تمام قبائل کے ساتھ معاملات میں کرتے تھے۔ کبھی حملہ یا وعدہ خلافی میں پہل نہیں کی۔ اس طرح جنگ کے بجائے امن کا دس سال کا معاہدہ مکمل ہو گیا اور مکہ میں چھپ کر رہنے والے مسلمانوں کو بھی بعد میں اپنے اظہار اور دوسرے لوگوں کو اسلام کے بارے سمجھنے کا کھلا موقع مل گیا۔

دوران جنگ مسلمان پر حملہ:۔

آیت سے ایک نکتہ واضح ہوتا ہے کہ چھپے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کے لئے جنگ یا حملہ کی اجازت نہ دی گئی۔ اس سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر جنگ میں کفار (دشمن) مسلمان آبادی کو ڈھال بنائے تو کیا کیا جائے۔ امام مالک نے اس آیت کے پیش نظر، یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو جہاد (جنگ) نہ کی جائے۔ امام اعظم ابو حنیفہ ؒ، امام ابو یوسف ؒ وغیرہ کے نزدیک مسلمانوں کے موجود ہونے پر بھی حملہ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی عظمت یا کنٹرول ثابت ہو سکے، جس طرح نبی ﷺ نے دو سال بعد 8 ہجری کو مکہ شہر پر چڑھائی کی، جب کہ وہاں مسلمان موجود تھے۔ امام شافعی ؒ کہتے ہیں اگر حملہ ضروری ہو تو کیا جائے تاکہ جہاد کا سلسلہ جاری رہے اور اگر کسی طریقہ سے مسلمانوں کو بچایا جا سکتا ہو تو حملہ نہ کیا جائے۔ یہی رائے امام احمد بن حنبل ؒ کی ہے۔ اگر حملہ ناگزیر ہو تو کیا جائے، کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کو بچایا جائے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی، تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں امن و عافیت کے ساتھ داخل ہو گے۔ اپنے سر کو منڈواتے ہوئے اور بال کتر واتے ہوئے۔ تمہیں کسی کا خوف نہیں ہو گا، اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ پس اس (اللہ) نے اس سے پہلے ایک اور فتح عطا کر دی۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (اپنے رسول پر) کافی گواہ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت ہیں۔ آپس میں نہایت مہربان ہیں۔ آپ انہیں رکوع اور سجود کرتے دیکھیں گے وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا مندی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی خاص پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہیں، یہ ان کی صفت تورات میں ہے اور انجیل میں بھی، ان کی صفت اس کھیتی کی مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ کسانوں کو خوش کرتا ہے (اللہ نے یہ اس لئے کیا) تا کہ ان (ساتھیوں) کی وجہ سے کفار کے دل خوب جلائے۔ اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں سے بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

نبی ﷺ نے عمرہ کی نیت سے سفر کیا تھا لیکن عمرہ نہ ہو سکا اور قریش سے دس سال کا معاہدہ اور ہر سال عمرہ و حج کا معاہدہ بھی ہو گیا۔ منافق اس بات پر تھے کہ جانے والے مسلمان عمرہ نہ کر سکے۔ جب کہ نبی ﷺ کا یہ سفر آپ ﷺ کے خواب کے مطابق تھا۔ خواب میں اس سال عمرہ کی خبر نہ تھی بلکہ سلامتی کے ساتھ عمرہ کی خوشخبری جو اس سال نہ ہو سکی۔ آیت اس امر کی تصدیق کر رہی ہے کہ مسلمان سلامتی و عافیت، سکون کے ساتھ عمرہ کریں گے اور ان شاء اللہ کا لفظ مستقبل کے اعمال کے بیان میں بطور ادب انداز بیان کی تعلیم ہے کہ تمام امور اللہ کے حکم اور مرضی

سے ہوتے ہیں۔ واقعات نے ثابت کیا کہ مسلمان اگلے سال 7 ہجری کو جب عمرہ پر گئے تو ان کے معاشی و سماجی حالات بہت بہتر تھے۔ سفر عمرہ کے تمام اصحاب کو غزوۂ خیبر کی فتح سے مال غنیمت میسر آیا اور وہ سکون کے ساتھ تین دن عمرہ کر کے واپس آئے۔ عمرہ میں سر کے بال منڈوانے یا کتروانے کا ذکر ہے۔ منڈوانے کا ذکر پہلے کر کے اس کی فضیلت ظاہر کی گئی ہے۔ عمرہ کے موقع پر نبی ﷺ نے بال کتروائے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بال قینچی سے کاٹے تھے۔ (بخاری/مسلم شریف)۔

حج کے موقعہ پر نبی ﷺ نے سر کے بال منڈوائے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے بال منڈوائے تھے (بخاری/ مسلم شریف)۔ بال منڈوانا افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار سر کے بال منڈانے والوں کے لئے رحم کی دعا کی اور ایک بار سر کے بال کتروانے والوں کے لئے کی ہے۔ (بخاری/مسلم شریف)۔ سر کے بال انسانی زینت کا حصہ ہیں، جب ان کو بالکل منڈوایا جاتا ہے تو زینت ختم ہو جاتی ہے اور دوبارہ بال کا لمبے ہونے میں کافی وقت لگتا ہے اور اس طرح کافی عرصہ انسان، تکبر یا اپنی خوشنمائی میں غرور سے بچ جاتا ہے، اس لئے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ جب کہ کتروانا ایک معمولی عمل ہے جس کا واضح ثبوت یا بالوں کی کیفیت میں تبدیلی نظر نہیں آتی۔ عورتوں کے لئے صرف معمولی بال کتروانے ہیں۔

عظمت صحابہ کرام:۔

کفار مکہ نے، محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھنے پر اعتراض کیا تھا، جس کی وجہ سے صحابہ کرام کو دکھ پہنچا تھا۔ آیت مبارکہ میں نبی ﷺ کی تصدیق اور عظمت کا اظہار کیا گیا ہے کہ قریش مکہ کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں اور اس دفعہ عمرہ کے نہ کرنے سے اسلام اور مسلمانوں کی عظمت میں کمی نہیں۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کے سفر کی اب ابتداء ہو گئی ہے۔ واقعات نے ثابت کیا کہ 6 ہجری کو سفر عمرہ تھا، پھر سات ہجری کو خیبر فتح ہوا، مسلمانوں کا سماجی و معاشی درجہ بہت بلند ہوا۔ اٹھ ہجری کو مکہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح ہوا۔ اس کے ساتھ طائف اور حنین میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ غزوۂ تبوک اور یمن میں فتح ہوئی۔ چالیس سال کے اندر اسلام دنیا کی ایک عظیم قوت اور تہذیب و ثقافت (دین) بن گیا۔

آیت میں آپ کے صحابہ کی عظمت بیان ہے۔ جذبہ محبت اور اطاعت میں انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگانے پر بیعت کی۔ ان کے اعلیٰ اخلاقی کردار، آپس میں محبت و ایثار، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جہد مسلسل، عبادت کے اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے کہ ان کے کردار اعلیٰ، کی علامات ان کے چہرے اور چال ڈھال سے ظاہر ہیں۔ چہرے پر سکون اور منور ہیں۔ ان کے کردار کا ذکر الہامی کتب تورات اور انجیل میں بھی ہے۔ بحوالہ عہد نامہ جدید (بائبل) مرقس، باب 4، آیت 26-32/ متی باب 13، آیت 2-13)۔ اس کی مثال ایک ننھے پودے سے دی گئی ہے جو مضبوط ہو کر بڑھتا ہے۔ پھر تنا مضبوط کر کے

کثیر تعداد میں پھل دے کر اپنے کسان/کاشتکار کو سکون اور خوشی میسر کرتا ہے۔ جس طرح صحابہ کرام میں اضافہ اور اسلام میں قوت بڑھتی گئی، دشمن اسلام خوار اور پریشان ہوتے گئے۔ بالآخر اسلام کے سارے دشمن زیر ہو گئے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم زرم حق باطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مومنین کی علامت، دنیا میں ان کے اچھے اخلاق ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد (علامت) ان میں، خشوع اور تواضع ہے۔

اللہ نے ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔ یہ ان مومنوں کے ساتھ وعدہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں اور ان سے ایسے ثواب کا وعدہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا اور وہ جنت ہے۔ کچھ لوگوں نے محض صحابہ کی مخالفت میں آیت کے ترجمہ میں یا تشریح میں تحریف کی ہے کہ (من) سے مراد، جز ہے یعنی کچھ صحابہ، جو کہ بالکل آیت کے سیاق و سباق اور قرآن مجید کی دوسری آیات کے خلاف ہے۔ سورت توبہ میں صحابہ سے راضی ہونے کا ذکر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے احترام کے لئے متعدد بار تاکید فرمائی ہے۔

حضرت ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو برا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی شخص پہاڑ جتنا سونا خیرات کر دے پھر بھی ان کے دیئے ہوئے ایک کلو یا نصف کلو کے برابر نہیں ہو گا۔ (بخاری/مسلم/ترمذی)۔

حضرت عبداللہ بن مفضل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو، میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو۔ ان کو میرے بعد طنز کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کیا اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے بے شک مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے بے شک اللہ کو اذیت دی، عنقریب اللہ اس کو پکڑے گا۔ (ترمذی/مسند احمد/ صحیح ابن حبان)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو کہو کہ اللہ تمہارے شر پر لعنت کرے (اس کی سند ضعیف ہے)۔ (ترمذی)۔ اسلام کا ورثہ ہم تک صحابہ کرام کے ذریعہ پہنچا ہے لہٰذا ان کا شکر گزار ہونا ضروری ہے۔

سورت کی ابتداء نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مغفرت کے انعام اور فتح عظیم کی خوشخبری سے تھی اور اس کا اختتام آپ کے صحابہ کرام کی عظمت کردار پر ہوا جن کی مساعی سے اسلام کو فتوحات عظیم ملیں اور امت مسلمہ ان کی ہمیشہ احسان مند رہے گی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ، جن کا امتیاز ہے۔

الحمد للہ سورت الفتح بروز جمعہ 23 رمضان المبارک 1444 ہجری بمطابق 14 مارچ 2023 کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے کی سعادت عطا فرما کر مصنف اور قارئین کے لئے توشہ آخرت و نجاعت بنائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبی الکریم علیہ الوف التسلیم۔

49- سورۃالحجرات

تعارف:۔

سورت الحجرات کا نام اس کی آیت نمبر 4 میں لفظ حجرات کی وجہ سے ہے۔ یہ سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ایک سو آٹھ (108) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر انچاس (49) ہے۔ اس سورت کے نزول کا زمانہ 9 ہجری معلوم ہوتا ہے جو شان نزول یا موقع نزول سے معلوم ہوتے ہیں۔ اس سورت میں اٹھارہ (18) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔

اکثر احکام جو سورت میں مذکور ہیں وہ مدینہ شریف کے آخری دور کے ہیں جس طرح ولید بن عتبہ کے بارے میں ہے جب نبی ﷺ نے ان کو بنی المصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ولید بن عتبہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ اسی طرح بنی تمیم کے افراد وفد کی صورت میں آئے اور حجرات کے باہر نبی ﷺ کو پکارنا شروع کر دیا۔ سورت میں معاشرت کی تعلیم دی گئی ہے۔ جو اہل ایمان کے شان سے مطابقت رکھتی ہے۔ نبی ﷺ کے مقام رفیع کے پیش نظر آپ سے گفتگو اور ملاقات کے آداب بتائے گئے ہیں۔ یہی آداب دوسری محترم شخصیات کے لئے بھی راہنمائی کرتے ہیں۔

معاشرہ میں معلومات کی اہمیت کے پیش نظر، کسی بھی معلومات پر بغیر تصدیق کے کوئی فیصلہ کرنا صحیح نہیں کیونکہ غلطی کی صورت میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے، اس لئے احتیاط علاج سے بہتر ہے۔ معاشرہ کی وہ برائیاں جو معاشرہ میں فساد پیدا کرتی ہیں۔ افراد کے درمیان نفرتیں قائم کر دیتی ہیں، ان سے منع کیا گیا ہے۔ مذاق اڑانا، طعن کرنا، برے نام رکھنا، بدگمانی اور کھوج لگانا، لوگوں کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا، ان کو علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے حرام قرار دیا گیا ہے۔

آپس میں لڑائی کے بارے تعلیمات ہیں۔ صلح کی اہمیت اور انصاف و عدل کے لاگو کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔ قومی اور نسلی تفاخر سے منع کیا گیا ہے۔ سارے انسان برابر ہیں۔ اپنے کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھنا حرام قرار دیا ہے۔ اخلاقی فضیلت ہی بڑی فضیلت ہے۔

دعویٰ ایمان کے بارے ہدایات ہیں کہ عملاً ثابت کرنا ہے اور اسلام کی نعمت افراد کے لئے ہے۔ مومن کو اپنے اعمال سے ثابت کرنا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۝۱

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بہت سننے والا، بہت جاننے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝۲

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو، جیسے ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۝۳

جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست (نیچے) رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لیا ہے ان ہی کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

شان نزول:

صلح حدیبیہ کے موقع پر بظاہر شرائط میں مسلمانوں کے مفادات میں برابری نہیں تھی، جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ پریشان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پریشانی کا اظہار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا۔ اسی طرح ایک اور موقعہ پر ایک صحابی نے اپنی قربانی نماز سے پہلے کر دی (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی سے بھی)، اس کو دوبارہ قربانی کرنے کو کہا گیا۔ یہ امور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں آداب کے خلاف تھے۔

آداب گفتگو:۔

ایک موقعہ پر صحابہ کرام میں تکرار ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔ تکرار کی وجہ سے آوازیں اونچیں ہو گئیں، جو کہ ادب کے خلاف تھیں۔ آیت میں دو بار آواز بلند نہ کرنے کا حکم ہے اور اس سے مراد مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے آواز بلند نہ ہو، نرم انداز ہو۔ دوسرا حکم ہے کہ آپس کی گفتگو کرتے وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کا احساس

کرتے ہوئے، دھیمی آواز میں گفتگو کی جائے تاکہ ادب ملحوظ خاطر رہے۔ روایات کے مطابق جن صحابہ کرام کی آواز اونچی تھی (حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) انہوں نے اونچی آواز کے خوف سے حاضر ہونا چھوڑ دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا، مقصود ادب ہے، عامیانہ انداز نہ ہو۔ اسی طرح ان کے سامنے آپس میں تلخ اور اونچی گفتگو نہ ہو۔ اس عمل کی سزا بڑی شدید ہے کہ نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یہ عمل بے ادبی اور گستاخی کے مترادف ہے جو شدید گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت بھی انہی آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو رہا ہو (حدیث کا بیان) ہو تو توجہ اور ادب لازمی ہے۔

ایمان کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو رب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا رسول اور اپنا ہادی مانا ہے تو اپنی رائے کو مقدم کرنا، اس عقیدہ کے خلاف ہے اور آواز کو بلند کرنا یا مجلس میں آپ کے مقام کا لحاظ نہ کرنا بھی ایمان کی استقامت کے خلاف ہے۔

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

اصول برائے قوانین اجتماعی:۔

ایک مومن کے لئے کسی بھی کام کرنے سے پہلے اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو دیکھنا ضروری ہے۔ اگر واضح حکم نہیں ہے تو اپنی سمجھ بوجھ استعمال کر کے، اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رویہ یا احکام کی روشنی میں اپنا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس لئے اسلامی ممالک میں دستور اور قوانین کی تیاری میں اسلامی فقہ اور اصول و احکام کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ انفرادی اور اجتماعی دونوں کاموں میں برابر اہم ہے۔ جو لوگ ان تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، وہی ایمان اور تقویٰ میں کامل ہیں۔ اس عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں مغفرت اور قیامت میں اجر عظیم (جنت) ملے گی۔ اگر ان امور کا اہتمام ان کے اعمال سے ظاہر نہیں ہوتا تو ان کا ایمان مکمل نہیں ہے۔

جو مسلمان ان آداب کا خیال نہیں کرتے ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ جن اعمال کو وہ اپنے لئے نیکی اور بخشش کا توشہ سمجھتے تھے یا ہیں، وہ ان کو نہیں ملیں گے۔ ضائع ہو جائیں گے اور دنیا میں ان کی تدبیریں بھی ناکام ہو جائیں گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۴

بے شک جو لوگ آپ کو (اے نبی) حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵

اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آجاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم کرنے والا ہے۔

آداب ملاقات:۔

آیات کا شان نزول کے بارے روایت ہے کہ بنوالعنبر کے کچھ لوگ قید میں تھے اور یہ لوگ ان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے فدیہ دینے آئے تھے۔ نبی ﷺ مسجد میں (باہر) تشریف نہیں رکھتے تھے بلکہ حجرات (گھر) کے اندر تھے۔ان لوگوں نے حجرات کے گرد چکر لگانااور بلند آواز میں نام پکار ناشروع کر دیا۔ایسا کئی دوسرے موقعوں پر بھی ہوا ،جب دیہاتی لوگ آتے تو انتظار کے بجائے چلاناشروع کر دیتے۔ان کے خیال میں نبی ﷺ کو ہر وقت تیار رہناچاہیے تھا۔ نبی ﷺ اپنی حلم طبع، کی وجہ سے منع نہیں کرتے تھے۔ جو اصحاب نبی ﷺ کے ساتھ رہتے تھے ،انہیں ان معمولات کا علم تھا۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف رکھتے تو وہ سوالات کرتے۔ آپ ﷺ کے معمولات میں بہت کم آرام کا وقت تھا، اس لئے آرام (گھر میں آرام اور خانگی معاملات) کے وقت وہ آپ ﷺ کو نہیں بلاتے ،بلکہ باہر آپ ﷺ کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے حلم طبع کی وجہ سے آیات کے ذریعہ احترام کی تاکید اور ناشائستہ طرز عمل سے منع کیا گیا ہے کہ نام پکار کر بلانے کے بجائے صبر سے انتظار کیا جائے۔ یہ مسلمانوں کے لئے بہتر ہو گا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر فضل فرمائیں گے اور ان کے صبر اور احترام نبی کی وجہ سے ان کے غلطیوں کو معاف کر دیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو۔ کہیں تم ناواقفیت سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچادو پھر اپنے کئے پر پریشان ہو جاؤ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷

اور یاد رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہاری بات مان لیتے تو تم ضرور مشقت میں پڑ جاتے لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی اور اس کو تمہارے دلوں میں خوشنما بنادیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسوق اور گناہ کو ناپسندیدہ بنادیا ہے۔ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

یہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی نعمت ہے اور اللہ بے حد جاننے والا/ حکمت والا ہے۔

معلومات کی اہمیت اور صداقت :۔

شان نزول: اکثر مفسرین کے مطابق اس کا موقع نزول حضرت ولید بن عتبہ بن ابی معیط کا واقعہ ہے۔ جس کی روایت حضرت الحارث بن ابی ضرار کرتے ہیں۔ جب نبی ﷺ نے قبیلہ بنی المصطلق کی طرف ولید بن عتبہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ولید بن عتبہ کی ایام جاہلیت میں بنی المصطلق سے مخالفت تھی۔ جب بنی المصطلق نے ،اس کے زکوٰۃ وصول کرنے کے بارے سنا، تو نبی ﷺ کے نمائندہ کی حیثیت سے اس کی تعظیم کی۔ ولید بن عتبہ نے اسے ایک دھوکا خیال کیا، کہ اس طرح وہ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خوف زدہ ہو کر آگے جانے کے بجائے واپس نبی ﷺ کے پاس مدینہ آ گیے اور کہا کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر سن کر نبی ﷺ کو دکھ ہوا اور جنگ کا ارادہ کر لیا، کیونکہ صحابہ نے بھی فوری ایکشن کی رائے دی۔ جب بنی المصطلق کو نمائندہ کی آمد کا پتہ چلا اور پھر ملاقات نہ ہوئی، تو وہ وفد لے کر نبی ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر نبی ﷺ نے ایک روایت کے مطابق حضرت خالد بن ولید کو دستہ دے کر بھیجا اور تاکید کی کہ پہلے معلومات حاصل کریں اور اگر یقین ہو جائے کہ وہ انکار کر رہے اور اسلام کے ارکان سے منکر ہیں تو چڑھائی کریں۔ خالد بن ولید وہاں گئے انہوں نے دیکھا کہ وہ نمازیں پڑھ رہے ہیں اور زکوٰۃ دینے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے ان سے اموال لئے اور مدینہ واپس آ کر نبی ﷺ کو سارا معاملہ پیش کیا۔ ایک روایت کے مطابق بنو مصطلق کا وفد حاضر ہوا اور اس نے اس سارے معاملہ کی تردید کی اور کہا کہ وہ اس انتظار میں ہیں کہ زکوٰۃ فوراً ادا کریں۔ اس طرح ایک بہت بڑا نقصان ہونے سے بچ گیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ آیات سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی خبر ملے تو خبر قبول کرنے سے پہلے خبر دینے والے کے کردار کے بارے تصدیق کر لیں۔ یہ تحقیق کر لی جائے کہ کیا یہ واقعہ ہوا ہے یا نہیں۔ رپورٹنگ اور خبروں کے بارے اہم اصول اخذ ہوتا ہے کہ خبر دینے والوں کو ان کی خبر کی اہمیت سے آگاہ ہونا ضروری ہے اور خبروں پر عمل کرنے سے پہلے، دوبارہ تصدیق لازمی ہے۔ بالخصوص مخبری یا جاسوسی کے طریقہ کار میں صحیح واقعہ کی رپورٹنگ بہت ضروری ہے تاکہ غلط عمل نہ ہو۔

(۲) قانون شہادت میں کسی بھی شخص کے حق یا شرعی حکم کو قائم کرنے کے لئے فاسق کی گواہی قابل قبول نہیں ہو گی۔

(۳) عمومی معاملات (جن کی اہمیت نہ ہو اور پبلک کے لئے بھی نہ ہوں) میں خبر دینے والے میں بظاہر کوئی خرابی

کردار معلوم نہ ہو تو خبر کو قبول کر لیا جائے گا۔

(۴) فاسق کے معاملے میں مذہبی عقیدہ کی اہمیت احناف کے ہاں نہیں، وہ معاملات کو اہمیت دیتے ہیں بالخصوص جھوٹ، بددیانتی کے معیار کو لیتے ہیں۔ عقائد کے اختلاف کو گواہی کے راستے میں رکاوٹ تصور نہیں کرتے۔ یہی معیار قبول حدیث کے لئے بھی ہے۔

(۵) حدثین اور فقہانے روایت حدیث کے بارے بھی اس اصول کو لاگو کیا ہے اور راویان حدیث کے کردار کے بارے ایک باقاعدہ علم الجرح والتعدیل اور علم اسماء الرجال کو مدون کیا ہے تاکہ صحیح اور مستند احادیث کو کمزور اور موضوع احادیث سے علیحدہ کیا جا سکے۔

آیت میں نبی ﷺ کے وجود مسعود کی برکت اور اہمیت کو بھی واضح کیا ہے۔ ان کی موجودگی میں ان کا فیصلہ سب کے لئے لازم اور مفید ہے۔ وہ انسانوں کے مصالح کو بہتر جانتے ہیں۔ انفرادی رجحان یا خواہش کے بجائے ان کی رائے کو قبول کرنا ضروری ہے۔ بنو مصطلق کے معاملہ میں کئی صحابہ نے فوری ایکشن کا مطالبہ کیا تھا، اگر نبی ﷺ اس میں تدبر نہ فرماتے تو بہت نقصان ہو جاتا اور مسلمان، مسلمان کے ہاتھوں بغیر کسی غلطی کے نقصان اٹھاتے۔

بدقسمتی سے آزادی صحافت کے بہانے بعض اوقات جھوٹ کو شائع کر کے سماجی، سیاسی یا معاشی طور پر بہت نقصان کیا جاتا ہے۔ اس لئے متمدن قوموں نے اسلام کے اصول تصدیق خبر کو اپنایا ہوا ہے لیکن پسماندہ ممالک میں یہ قوانین سختی سے نافذ نہیں۔ رائے کا اختلاف بھی ہوتا تھا لیکن صحابہ کرام، نبی ﷺ پر جان نثار کرتے تھے۔ صحابہ کرام کی اس محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام و فضل کا اظہار فرمایا ہے، کیوں کہ وہ ہمیشہ احکام نبی کا انتظار کرتے۔ یہ جذبہ و محبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی رغبت دی اور نافرمانی سے بچایا۔

ع ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدا بخشندہ

(یہ سعادت کسی فرد کا کارنامہ نہیں بلکہ اللہ کی عنایت و بخشش کا نتیجہ ہے)۔

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

اگر مومنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو حتّٰی کہ وہ اللہ کے حکم کی

طرف رجوع کرلے۔پس اگر وہ رجوع (واپس آجائے) کرے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو اور بے شک اللہ انصاف سے کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۱۰

بے شک سب مومن آپس میں بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کرواؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اسلام مومنوں یا مسلمانوں کے درمیان فساد اور لڑائی کو سختی سے منع کرتا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے ان کے درمیان جنگ واقع ہو جائے تو جو فریق جنگ میں شامل نہیں وہ دونوں فریقین کے درمیان صلح کرائے۔ مسلمان گروہوں کو لڑائی کے حال پر چھوڑ دینا غلط ہے۔زیادتی کرنے والے کو زیادتی کا احساس دلا کر روکا جائے اور جس پر زیادتی ہو رہی ہو اس کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔جب صلح کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو حق والے کا ساتھ دے کر جنگ ختم کریں اور پھر اختتام پر عدل وانصاف کو بھی قائم کیا جائے۔کمزور پر ظلم اور بدلہ نہ روا رکھا جائے۔زیادتی کرنے والے کے ساتھ صرف جنگ اسی وقت کی جائے جب تمام زیادتی کا ازالہ کرنے والے اقدامات ناکام ہو جائیں اور پھر صرف اتنی طاقت استعمال کی جائے کہ جس سے فتنہ ختم ہو،نہ کہ سارے مخالف انسان ختم کر دیئے جائیں اس لئے انصاف کا تقاضا طاقتور گروہ سے ہے۔پھر یہ صرف حکمرانی یا ذاتی تسلط وانا نہیں بلکہ اللہ کے احکام کی طرف بلانے اور ان کے نفاذ کے لئے ہو۔اللہ کے ہاں وہی صلح قابل قبول ہے جو عدل پر مبنی ہو اور مظلوم پر ظلم نہ ہو۔یہی طریقہ ہی کامیاب ہے اگر مظلوم پر ظلم روا رکھا گیا تو عارضی طور پر تو صلح ہو جائے لیکن پھر چھپی چنگاری بھڑک کر ایک خاکستر کر دینے والا شعلہ بن جائے گی۔

آیت کے احکام اور صحابہ کرام کے رویوں کے بعد داخلی جنگوں کے قوانین کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱): اگر دو گروپ مسلمان ہیں تو حکومت کو چاہیے کہ جو فریق حق پر ہے اس کا ساتھ دے۔

(۲): لڑنے والے گروہ بہت طاقتور ہیں تو ان کو خوف خدا، یاد لایا جائے اور صلح کرائی جائے۔شمولیت نہ کی جائے کیونکہ جنگ دنیاوی مفادات کے لئے ہے۔اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے نہیں۔

(۳): اگر دو گروہ لڑنے والے ہیں اور ایک صحیح راستہ یا فیصلہ پر ہے اور دوسرا غلط ہے،تو صحیح کے ساتھ کھڑا ہونا ضروری ہے۔

(۴): اگر حکومت کے اندر ایک گروہ جو رعیت ہے،اپنی حکومت کے خلاف کھڑا ہو جائے تو وہ باغی تصور ہو گا،

اگرچہ حکومت فاسق افراد اور ظالم بھی ہو، لیکن اس کی وجہ سے ملک میں امن وامان ہو۔ اس باغی گروہ کو ختم کرنا ضروری ہے تاکہ ملک میں امن قائم رہے۔

(۵): بغاوت کرنے والے ایک عادل حکومت (شرعی حدود پر قائم) کے خلاف خروج کریں جب کہ اس کے سربراہ کی امارت جائز طور پر قائم ہو چکی ہو۔ اس صورت میں کوئی شرعی تاویل ہو یا نہ ہو۔ باغیوں سے جنگ کرنے میں حکومت حق بجانب ہے اور اس کا ساتھ واجب ہے۔

(۶): اگر حکومت ظالم ہے۔ جبر پر قائم ہے۔ حکمران فاسق ہو اور اس کے خلاف نکلنے والے (مخالفت کرنے والے باغی) حدود شرعی کو قائم اور صاحب کردار صالح ہوں، جو ان کے اعمال سے ثابت ہو تو اس صورت میں مدد کی جائے یا نہیں؟ کیونکہ ایک قائم حکومت کو ہلایا جارہا ہے۔ اس لئے فقہاء کا اختلاف ہے۔ (۱): عمومی فقہاء واہل حدیث کی رائے میں، اس کے خلاف نکلنا حرام ہے، کیونکہ امن وامان قائم ہے۔ ہاں اگر کوئی صریح کفر کر رہی ہے تو اجازت ہے (امام سرحسنی/المبسوط)۔ (امام ابو حنیفہ کا عملی رویہ بنو عباس اور اہل بیت کی لڑائی مختلف تھا، انہوں نے اہل بیت کی مدد کی تھی)۔ (۲): حنبلی فقہاء میں بھی اختلاف ہے کچھ مخالف اور کچھ موافق ہیں۔ (۳): امام مالک کے ہاں بھی صرف امام عادل (عادل حکمران) کا ساتھ دیا جائے۔ اگر دونوں لڑنے والے عادل نہ ہوں تو علیحدہ رہا جائے اور اپنی جان کا دفاع کیا جائے۔ (۴): مخالفت کرنے والے (عملی اور جنگی طور پر) اگر کم افراد ہیں اور ان کے پاس زیادہ تعداد میں افراد اور جنگی سامان نہیں تو ان کو قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ (۵): مخالفت کرنے والون کو اپنے فاسد عقائد یا مخالف حکومت خیالات کے اظہار پر قید نہیں کیا جاسکتا، انکو صرف مسلح بغاوت اور خون ریزی پر قید یا قتل کیا جائے گا۔ ازادی رایے کا احترام واجب ہے۔ (۶): باغیوں کو صلح اور اصلاح کی دعوت دی جائے گی۔ ان کے جائز شبہات اور اعتراضات دور کئے جائیں گے اور اگر باز نہ آئیں، تو جنگ کا آغاز کیا جائے۔

(۷): باغیوں کی شکست کے بعد ان سے معاملات کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث راہنمائی کرتی ہے۔ جب نبی ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابن عبد! جانتے ہو امت کے باغیوں کے بارے اللہ کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا: ان کے زخمیوں پر ہاتھ نہ ڈالا جائے۔ ان کے اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔ ان کے بھاگنے والا کا پیچھا نہ کیا جائے گا اور ان کا مال، غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ اس کی عملی تعبیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگ جمل پر فتح حاصل کرنے کے بعد کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا تھا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرو، زخمی پر حملہ نہ کرو، گرفتار

ہونے والوں کو قتل نہ کرو، جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان دو، لوگوں کے گھروں میں نہ گھسو، عورتوں پر دست درازی نہ کرو خواہ وہ تمہیں گالیاں دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جن لوگوں نے مال غنیمت کی رائے دی آپ نے ان کو سختی سے منع کر دیا۔

باغیوں کے اموال، خواہ ان کے لشکر سے ملا ہو یا ان کے گھروں سے، وہ مال غنیمت نہ ہو گا نہ ہی فوجیوں میں تقسیم ہو گا۔ البتہ جس کے مال کا نقصان ہوا، اس کو کوئی ضمان نہیں۔ جنگ ختم ہونے اور بغاوت کا زور ٹوٹنے کے بعد ان کے مال ان کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ دوران جنگ ان کی سواریاں اور اسلحہ ہاتھ آ جائے تو باغیوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا، مگر مال غنیمت بنا کر تقسیم نہیں کیا جائے گا اور اگر پھر بغاوت کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو واپس کر دیا جائے گا۔

ان کے گرفتار لوگوں سے عہد لے کر کہ وہ بغاوت نہیں کریں گے چھوڑ دیا جائے گا۔

باغیوں کے اعضاء سر وغیرہ نہیں کاٹے جائیں گے کیونکہ یہ مثلہ (شکل بگاڑنا) ہے اور نہ گشت کیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب رومی سردار بطریق کا سر کاٹ کر لایا گیا تو آپ نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا ہمارا کام رومیوں اور ایرانیوں کی پیروی کرنا نہیں (المسبوط) مسلمان کے لئے بالکل سخت ممنوع ہے۔

جنگ کے دوران جو باغیوں کے ہاتھوں جان و مال کا نقصان ہوا ہو، جنگ کے ختم ہونے کے بعد اور امن قائم ہونے پر اس کو کوئی قصاص یا ضمان، ان (باغیوں) پر عائد نہیں ہو گا، نہ کسی مقتول کا بدلہ ان سے لیا جائے گا اور نہ کسی مال کا تاوان ان پر ڈالا جائے گا (جنگ جمل اور جنگ صفین میں یہی طریقہ رہا۔)

باغیوں نے اپنے علاقہ میں جو محصولات لئے ہوں گے، دوبارہ لوگوں سے وہ محصولات نہیں لئے جائیں گے۔ باغیوں کے علاقہ میں اگر عدالتیں قائم تھیں ان کے فیصلے برقرار رکھے جائیں گے۔ اور عادل قاضی بھی برقرار رکھے جائیں گے۔ غیر شرعی فیصلہ اگر سامنے لائے گئے تو ان کا شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ باغی عدالتوں کے وارنٹ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ باغیوں (جنگ میں شامل ہونے والے افراد) کی شہادت قبول نہیں ہو گی کیونکہ بغاوت فسق ہے۔

یہ احکامات مسلمان اور غیر مسلموں (کافروں) کے ساتھ جنگ کا فرق واضح کرتے ہیں (/الجامع الاحکام القرآن/روح المعانی)

آیت مبارکہ میں تیسری دفعہ پھر صلح کی تاکید کی اور یہ بھی فرمایا کہ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اس لئے صلح بہت ضروری اور لڑائی جھگڑا ممنوع ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بہت اہمیت بتائی گئی ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں:۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر نہ ظلم کرے، نہ رسوا کرے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت دور کرتا ہے تو اللہ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور فرمادے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے قیامت کے دن اللہ اس کا پردہ رکھے گا۔ (بخاری / مسلم)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم مومنوں کو دیکھو گے وہ ایک دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ دوستی نبھانے میں اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں، جب جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم درد اور بخار سے کراہتا ہے (بخاری / مسلم / مسند احمد)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام ہے (مسلم / ترمذی)۔

خلافت راشدہ کے دوران داخلی لڑائیاں:۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کا پہلا سانحہ تھا۔ شہادت سے پہلے اور بعد مدینہ شریف ان افراد کو دبدبہ تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اور خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس قدر طاقتور تھے کہ گھر کا گھیراؤ کیا اور گھس کر شہید کر دیا۔ حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہو کر ایک مصری (سودان نامی) نے حملہ کر کے شہید کر دیا، جسے حضرت عثمان کے ایک غلام نے موقع پر قتل کر دیا۔ اس غلام کو ایک اور مصری، جو اندر آ گیا تھا، نے قتل کر دیا۔ اس طرح موقع پر چار افراد قتل ہوئے۔ دو مصری قتل اور حضرت عثمان شہید اور انکا غلام بھی شہید ہو گیا۔ جناب محمد بن ابو بکر اور کنانہ بن بشر پر قتل کا الزام غلط ہے۔ وہ داخل ہوئے اور حضرت عثمان کے ملامت کرنے پر نکل گئے۔ (حیات حضرت عثمان از ڈاکٹر محمد علی صلابی)۔ اس افراتفری کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے اور پہلی ذمہ داری مدینہ شریف کی حرمت اور امن بحال کرنا تھا۔

کچھ صحابہ کرام اس فتنہ، جو کئی دنوں سے جاری تھا کی وجہ سے حج پر چلے گئے یا مدینہ سے باہر مضافات میں چلے گئے کہ امن کی حالت میں واپس جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حج کے بعد مدینہ کے پر فتن حالات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی شہر میں اکثریت کی وجہ سے مدینہ واپس جانے کے بجائے صحابہ کرام کی رائے

(طلحہ رضی اللہ عنہ/زبیر رضی اللہ عنہ) پر بصرہ روانہ ہو گئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ذوالحج کے مہینہ میں ہوئی۔ حالات کی سنگینی کی وجہ سے جو کئی ماہ سے چل رہے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے انتظامی اصلاحات اور امن وامان رکھنا ضروری تھا۔ شہادت کی موت بلوہ کی صورت میں ہوئی جس میں بہت سارے افراد شامل تھے یہ کہ ایک احتجاج کی صورت تھی۔ چند افراد نے داخل ہو کر یہ جرم کیا تھا گواہ نہیں تھے۔ شرعی عدالت میں مقدمہ اور گواہان کے بیان ایک عدالتی عمل تھا، جو ان حالات میں ناممکن تھا۔ ادھر مکہ شریف اور شام میں جب اطلاع ہوئی، تو ان کی شہادت کا بدلہ لینے اور مجرمین کو سزا دینے کا مطالبہ زور پکڑنے لگا، جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے بجائے بصرہ روانہ ہو گیں کہ حالات بہتر ہونے پر واپس ہو جایں گی۔ لوگ راستے میں ملتے گئے اور یہ مطالبہ (بدلہ شہادت عثمان) زور پکڑتا گیا۔ مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ معاملہ بغاوت پر اتر آیا ہے، لہٰذا بغاوت کو رفع کرنے کے لئے وہ بھی لشکر لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، کیونکہ یہ بغاوت ریاست اور مدینہ میں موجود افراد، قیام امن وامان سے بڑھ کر تھی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور صلح کی بات چیت کی گئی۔ صلح ہو گئی لیکن جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں لوگ ملوث تھے، اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بھی بہت سارے شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر پر حملہ کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے لیا اور ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر پر بھی حملہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لے کر کر دیا۔ اور اس طرح انہوں نے نہ صرف جنگ بھڑکا دی، بلکہ خوب قتل و غارت دونوں طرف کی، جس سے بہت نقصان ہوا۔ بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ فتح مند ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو دونوں طرف کے صحابہ ساتھیوں کی شہادت کا بہت افسوس ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ) کے قاتلوں کو دوزخ کی خوشخبری سنائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو احترام سے مدینہ روانہ کیا۔ سب کی نماز جنازہ پڑھائی اور تمام مخالفین کو معاف کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ ٹھہر گئے۔ تاکہ وہاں کے حالات کو ٹھیک کریں۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا، کیونکہ منتخب خلیفہ تھے۔ صحابہ کے درمیان صلح طے ہو چکی تھی مگر ایک سازش کے تحت جنگ شروع کرادی گئی۔ رات کو حملہ شروع ہو گیا تھا، اس لئے اس میں کوئی مزید صلح کو مضبوط کرنے یا عمومی اعلان کا وقت نہ مل سکا اور اس طرح امت مسلمہ کا بہت بڑا نقصان ہوا جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں کو افسوس رہا۔ شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے آپ کو وارث تصور کر لیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ سے تھے۔ انہوں نے ایک لشکر تیار کر لیا جس کو لے کر کوفہ کی طرف آئے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ بھی لشکر لے کر نکل پڑے۔ 8 صفر 37 ہجری کو دریائے فرات کے

کنارے صفین کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ منتخب شدہ خلیفہ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے آرہے تھے اور جب بیعت کرنے کا کہا گیا، تو انکار کر دیا اور شہادت عثمان کا اعلان کر کے بغاوت کر دی اور لشکر لے کر مقابلہ پر آ گئے اور جب مقابلہ میں شکست ہونے لگی تو صلح کی درخواست کی، جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ایک چال ہے مگر صحابہ کرام اور امن کے نام پر اسلامی اصولوں کے تحت قبول کر لیا تاکہ مزید خون خرابہ نہ ہو۔ طرفین کا تعین ہوا۔ طرفین نے اتفاق کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نمائندہ نے ان کی تائید کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نمائندہ نے ان کی غلط بیانی کو ظاہر کیا۔ چونکہ جنگ ختم ہو چکی تھی، اس لئے ایک نیا مسئلہ شروع ہو گیا کہ طرفین کا فیصلہ صحیح ہے یا غلط ہے اور اس طرح ایک اور فتنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے اندر شروع ہو گیا جس کو خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو دونوں کے مخالف ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں سے شام واپس ہو گئے کیونکہ وہ جنگ کے ذریعہ نہ جیت سکتے تھے اور طرفین کا فیصلہ متنازعہ ہو گیا تھا۔ اس معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث نہیں تھے اور واث ہو کر بدلہ تب لے سکتے تھے جب قصاص کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ خلیفہ کے وہ گورنر تھے اور احکام پر عمل بھی لازم تھا۔ پھر طرفین کا فیصلہ متنازعہ تھا۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بقایا عرصہ خارجیوں کے فساد کو ختم کرنے میں لگ گیا اور ایک خارجی کے حملہ سے آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ چنے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ کے لئے شام سے فوج لے کر کوفہ آئے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی کثرت کو دیکھا تو پھر صلح کے لئے افراد بھیجے اور پہل کر دی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے معزولی کی درخواست کی، جس کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا۔ امت مسلمہ ایک بہت بڑی لڑائی سے بچ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے پیشن گوئی کی تھی کہ ”یہ میرا بیٹا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا“ (بخاری شریف) اور یہ ثابت ہوا۔

ایک حدیث کے مطابق اگر اجتہاد کرنے والا مخلص ہو اور اس سے اجتہاد میں خطاء ہو جائے تو اس کو اس کے اجتہاد کا صرف ایک ثواب ملے گا اور جس کا اجتہاد صحیح ہو گا، اس کو دوگنا ثواب ملے گا۔ صحابہ کرام میں اختلاف کے باوجود نفرت نہیں تھی اور اپنے آراء میں اخلاص پر تھے، اس لئے لعن وطعن بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ تحریر صرف تاریخی واقعات کا ذکر ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سیاسی اور انتظامی امور میں بڑے مدبر تھے یہی وجہ ہے کہ طویل ترین عرصہ گورنر رہے اور پھر اپنی ذہانت سے رئیس حکومت المسلمین بھی بن گئے۔ کاتبین وحی میں شامل اور نبی کریم کے سالے بھی

تھے۔ اس بعد ان کے ہاتھ پر اہل شام اور اہل کوفہ نے بیعت تابعداری کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ رئیس حکومت بن گئے۔

حضرت علی کا مرتبہ بڑا بلند ہے۔ آپ کی تربیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوئی اس لیے آپ ان کے بستر پر سوئے تھے۔ لڑکوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد بنے۔ عدالت و شجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ علم و ادب میں باب العلم کا لقب ملا۔ فقر میں ابو تراب کا لقب پایا۔ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ صحابہ کرام میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اُڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان (مذاق اُڑانے والوں) سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور تم ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام سے پکارنا کتنا برا نام ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کیا کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تو (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ نہایت رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ بہت ہی علم والا اور بہت ہی باخبر ہے۔

پچھلی آیتوں میں باہمی لڑائی اور صلح کا ذکر تھا پھر حکم ہوا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہ اخوت اور محبت کا رشتہ استوار کرنے کے لئے بین الافراد (شخصی تعلقات) کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا اور ان تمام برے امور، عادات، خیالات کا ذکر کر کے تنبیہ کی گئی کہ ان سے بچا جائے۔ معاشرے میں اخوت و محبت اس وقت قائم ہو گی، جب عمومی طور پر افراد میں محبت ہو گی۔ افراد کے اندر وہ عادات یا عمال جو فساد پیدا کرتے ہیں ان کا برملا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اسلام کی انفرادی کردار سازی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ وہ برائیاں اور بری عادات و اعمال جو محبت و خلوص اور باہمی پیار میں دراڑیں ڈال دیتے اور نفرت کا سبب بنتے ہیں ان کا ذکر کر کے ان کو حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ محفوظ رہے۔ یہ وہ نفسیاتی یا روحانی بیماریاں ہیں جو نیکیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اللہ کے غضب کا سبب بنتی ہیں۔ آپس کے تعلقات میں دوری اور نفرت پیدا کرتی ہیں۔ اسی لئے ان کا سد باب ضروری ہے۔

بدزبانی:۔

انسانوں کے باہمی انفرادی تعلقات میں جو سب سے بڑی خرابیاں ہیں ان کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان نفسیاتی اور روحانی بیماریوں سے بچا جائے۔ ان کی موجودگی میں معاشرہ فساد و نفرت کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس میں چغلی، حسد اور تکبر ہے۔ کسی کے معاملات کو جاننے کی غیر ضروری جستجو ہے۔ انسانی عزت نفس اور عمومی عزت ہے۔ بدزبانی، برے نام رکھنا، حقارت اور تکبر کے سبب یہ مذموم حرکت ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ مذاق اڑانا، پھبتی کسنا، اشارے و کنایے کے ذریعے، خواہ مخواہ الزام دینا، آدمی کا احترام بحیثیت انسان بہت ضروری ہے۔ مذاق کی تمام صورتوں کو، جو شکل و رنگ اور لباس، انداز، نسل، قوم، پر ہوں منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان برے اعمال کا محرک انسان کے اندر تکبر کی وجہ ہے۔ اس طرح انسانوں کے درمیان نفرتیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس میں مردوں اور عورتوں کو الگ الگ حکم دیا ہے۔ یہ حکم کی اہمیت، ہر ایک جنس کی اہمیت اور جنس کی علیحدگی (بحیثیت جسمانی معاملات) کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ کسی کو طعن کرنے کو گویا اپنے کو طعن کرنا ہے۔ زبان دراز اور طعن کرنے والا، درحقیقت اپنی شخصیت کی کمی و نقص کو ظاہر کرتا ہے گویا اپنے پر طعن کر رہا ہے۔ بدگوئی کرنے والا دراصل اپنے اندر جذبات کی وجہ سے کرتا ہے۔ اسی طرح برے القاب دینا، نام بگاڑنا، ماں باپ کے عیب یا ان کی ذات کو استعمال کرنا یا ایسا لقب استعمال کرنا جس میں مذمت کا پہلو ہو ، سختی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ اعمال انسان کی عزت نفس اور شخصی احترام کے خلاف ہیں۔ بعض افراد سے ایسے واقعات ہو

گئے جس کی وجہ سے احکام نازل ہوئے۔ (بعض اوقات ایک نام کے کئی افراد ہوں، تو اس آدمی کے موجود وصف یا اولاد کی کنیت سے ذکر کیا جاسکتا ہے لیکن عیب کے ساتھ تشہیر کے لئے منع ہے، یعنی فلاں آدمی جو نابینا ہے وغیرہ)۔

بدگمانی:۔

ایک بہت بڑی انسانی منفی عادات میں، بدگمانی کرنا ہے۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ حسن ظن کی تاکید کی ہے۔ جب تک واضح دلائل اور ظاہری اسباب نظر نہ آئیں حسن ظن ہی رکھنا چاہیے۔ جہاں تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہو، وہاں جستجو کی جانے کی اجازت ہے اور محض ظن کے بجائے حقیقت کی تلاش کے لئے جستجو کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اس میں سارے امکانات (ظن) کا جائزہ لینا پڑتا ہے۔ جیسے عدالتی تحقیق یا علمی تحقیق و تجزیہ۔ بدگمانی کا سب سے بڑا نقصان منفی طرز فکر کی وجہ سے فساد ہے۔ ہر کام کے دو امکانات ہو سکتے ہیں، اگر پہلے ہی منفی انداز اپنایا جائے تو انجام برا ہو اور اچھا عمل بھی ضائع ہو جائے گا، اس لئے بعض ظن السوء یعنی بدگمانی ایک گناہ ہے قرار پایا ہے۔ اچھا گمان کیا جائے۔ جب برے عمل کی آثار نظر آئیں، تو رائے تبدیل کی جائے اور تجزیہ کیا جائے۔ بعض گمان کو گناہ قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ گمان کا فوراً تجزیہ کیا جائے کہ کہیں غلط گمان تو نہیں کیا جارہا ہے جس کی وجہ سے گناہ کا عمل ہو جائے گا۔

تجسس کریدنا:۔

ایک بری عادت یا رویہ کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ دوسروں کے معاملات و حالات میں نہ تجسس کرو اور نہ کریدو۔ یہ حرکت کسی بدگمانی کی وجہ سے ہو یا بدنیتی کی وجہ سے نقصان پہنچانے کی خاطر یا حیرانگی کی وجہ سے، ان تمام صورتوں میں اس کو منع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ انسانی آزادی یا پردہ داری (پرائیویسی) کے خلاف ہے۔ ایک مسلمان بالخصوص مومن کو یہ اجازت نہیں کہ جن معاملات پر پردہ پڑا ہوا ہو، ان کی کھوج لگائے۔ کان لگا کر دوسروں کی باتیں سننا، نجی خطوط پڑھنا، گھروں میں جھانکنا، خانگی معاملات کے بارے معلومات حاصل کرنا، لوگوں کی کمزوریوں کو تلاش کرنا، بہت بڑی بداخلاقی اور گناہ کبیرہ ہے۔ جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! جو زبان سے ایمان لے آئے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہو گا، اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو گا اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے (ابوداؤد)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو ان کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے (ابوداؤد)۔

تجسس کی ممانعت صرف افراد کو ہی نہیں ،بلکہ حکومت کو بھی حکم ہے کہ لوگوں کی ذاتی زندگی کا احترام کرے۔لوگوں کی چھپی برائیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نہ نکالے بلکہ صرف ان برائیوں پر سزادے جو ظاہر اور ثابت ہو جائیں۔اگر مخصوص حالات یا ریاست کے وجود کا معاملہ ہو تو جاسوسی کے لئے اہتمام کیا جاسکتا ہے تاکہ اچانک حملہ کی صورت میں نقصان نہ ہو۔کسی گروہ کے بارے بگاڑ کی علامات نظر آرہی ہوں تو حکومت تحقیق کرسکتی ہے۔افراد کو بھی کسی فیصلہ کے لئے جس میں دونوں فریقین کا مفاد ہو جستجو کی اجازت ہے مثلاً کاروباری معاملہ،رشتہ ازدواج،اس کے لئے معلومات لینے کی اجازت ہے۔یہ سارے انسانی احترام اور اس کی زارداری (پرائیویسی) کے بارے ہدایات ہیں جو اسلامی قوانین کا آج سے چودہ سو سال پہلے حصہ بنائے گئے اور نافذ کئے گئے۔

غیبت:۔

غیبت سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔غیبت کی تعریف یہ ہے کہ ''آدمی کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہو تو اس کو ناگوار گذرے''۔نبی ﷺ یہی تعریف فرمائی اور جب صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اگر وہ بات اس شخص میں پائی جاتی ہو تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟فرمایا:اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو غیبت کی ہے اور اگر اس میں وہ موجود نہ ہو تو تُو نے اس پر بہتان لگایا(ابوداؤد)۔

عرض اگر وہ صفت یا عیب اس آدمی میں پایا جائے اور وہ اسے بیان کرنا برا محسوس کرے تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے اور غیبت سختی سے منع ہے،خواہ ظاہر الفاظ یا اشارہ و کنایہ سے کی جائے۔اسی طرح مرنے کے بعد بھی برا ذکر نے کو برا کہا گیا اور منع کیا گیا ہے۔

اگر کوئی مشورہ طلب کرتا ہے اور اس ضمن میں کسی کے اخلاق وعادات کا ذکر آتا ہے اور اگر اس کی عادت نہ بتائی گئی تو نقصان ہوگا،اس صورت میں انسان اس کو بیان کرسکتا ہے۔اسی طرح اگر کسی پر کوئی ظلم کر رہا ہے اور وہ اس ظلم کے خلاف اُٹھتا ہے تو اس کا ذکر کیا جاسکتا ہے تاکہ شر سے بچا جاسکے۔اسی طرح لوگوں کو کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس ذکر کیا جاسکتا ہے۔ایسے تمام معاملات جن سے دوسروں کے حقوق کا تحفظ ہونا مقصود ہو اور ضروری بھی ہو۔

اگر کوئی بات غیر موجودگی میں کی گئی،اس سے مقصود لڑائی تھا،تو یہ چغلی ہوگی۔شریعت اسلام نے اس کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس برائی کو روکے،اس لئے یہ حکم ہے کہا گر کسی کے سامنے کسی کی برائی کی جارہی ہو یا چھوٹی تہمت لگائی جارہی ہو،اس کو وہ خاموشی سے نہ سنے بلکہ اس کی تردید کرے اور ایسا کرنے والے کو اللہ کے حکم سے ڈرائے اور باز رہنے کی تاکید کرے۔

حدیث مبارک میں ہے'' اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا،جہاں اس کی تذلیل

کی جارہی ہو اور اس کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہو، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا، جہاں وہ اللہ کی مدد کا طلبگار ہو۔اور اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہے اور اس کی تذلیل و توہین کی جارہی ہے، تو اللہ عزوجل اس کی مدد ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کی مدد کرے (ابوداؤد)۔(کس قدر خوبصورت تعاون کا شرف بخشا)۔

غیبت کرنے والے کو جب بھی اس گناہ کبیرہ کا احساس ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور اس حرام کام سے رک جائے۔اس عمل کی تلافی کرے یعنی اگر وہ شخص مر چکا ہے تو اس کے لئے مغفرت کرے اور اگر زندہ آدمی کی غیبت کی ہے اور اس میں وہ عیب نہیں تو ان لوگوں کے سامنے اس کی تردید کرے اور اگر عیب تھا، تو اس شخص سے معافی مانگے اگر اس شخص کو اس کا علم ہو چکا ہو اور اگر علم نہ ہو تو توبہ کرے۔یہ انسانی احترام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے مثال دی ہے۔مردار گوشت خود قابل نفرت ہے ، پھر انسان کا، پھر اپنے بھائی کا۔اس مثال سے مقصد مسلمانوں کے بین الانسانی تعلقات کو بھائی بھائی قرار دینا ہے۔مرے ہوئے بھائی کی مثال کا مقصد اس انسان کی غیر موجودگی کا احساس دلانا ہے کیونکہ وہ اپنی مدافعت یا بچاؤ نہیں کر سکتا گویا مرا ہوا ہے۔غیبت کی عمل سے جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ دوسروں کی نظر میں گر جاتا ہے۔

بزرگی کی وجہ (معیار):۔

ان عادات کے ذکر کے بعد جو اچھے معاشرے کی بنیاد ہیں، عمومی افراد کے کردار کا ذکر کیا ہے کہ سارے انسان برابر ہیں، اور ان کی برابری حقیقی بنیادوں پر ہے۔(۱): سب ایک ہی انسان (والد/والدہ) سے پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا سب برابر کے بھائی ہیں۔کسی کا قد لمبا کسی کا چھوٹا، کوئی سفید، کوئی گندمی کوئی کالا، کسی کی آواز خوبصورت کسی کی کم، کسی کے نقوش بہتر کسی کے عام لیکن سب انسان ایک ہی والد اور والدہ سے ہیں۔(۲): سب کا طریقہ و مقام پیدائش ایک ہے کہ ماں کے پیٹ سے باہر آئے ہیں۔(۳): سب کا ذریعہ پیدایش ایک ہے یعنی سب انسان (مرد کے مادہ پیدائش اور عورت کے مادہ پیدائش) کے امتزاج (ملنے) سے پیدا ہوتے ہیں۔(۴): سب کا پیدا کرنے والے ایک ہے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ ہے جس نے پہلے انسان جوڑے کو پیدا کیا اور اس سے دوسرے انسان پیدا ہوئے۔

جب انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، تو وہ مختلف علاقوں میں گئے، وہاں ان کی مختلف زبانیں پیدا ہوئیں اور موسم کے اثرات سے ان کی جلد پر بھی اثرات پڑے لیکن انسان ایک ہی تھا۔پہلی اکائی خاندان تھی، بڑھ کر قبیلہ ہوا اور پھر ایک علاقہ جہاں سب اکٹھے رہتے ہیں۔ان سب میں بات چیت کی ایک زبان پیدا ہوئی۔یہ سارے امور فطرتی ہیں تا کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔بدقسمتی سے شیطان نے ان امور کو ان کے امتیاز کا

بہانہ بنا کر گمراہ کیا۔ کہیں قبیلہ یا نسل کو بڑا سمجھا گیا، کہیں زبان کی اہمیت کو بڑا بنایا گیا۔ کہیں رنگ انسانی کو اپنا امتیاز بنالیا ، کہیں زمین کو اہم بنا کر اس پر رہنے والے فخر کرنے لگے۔ یہ سارے امور انسان کے پیدا کردہ ہیں، جب کہ انسان کی جائے پیدائش، خاندان پیدائش یا اس کی شکل وصورت پر اس کو کوئی اختیار نہیں، لیکن شیطان ایسے منفی خیالات انسانی دماغ میں نقش کر دیتا ہے کہ انسان خواہ مخواہ ان امور پر تکبر اور نفرت کی دیواریں قائم کر دیتا ہے اور فساد سے معاشرے کو بھر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اور دوسرے مقامات پر اس کی سختی سے تردید اور اس سے منع کیا ہے۔ بد قسمتی سے انسانی معاشروں میں تفریق کے نظریہ نے انسانوں پر بے پناہ ظلم کئے ہیں۔ افریقہ کے انسانوں، ایشیاء کے لوگوں کو کالونی (محکوم) بنا کر نقصان پہنچایا گیا۔ امریکہ میں افریقہ سے انسانوں کو غلام بنا کر لایا گیا۔ آسٹریلیا، جنوبی امریکہ، شمالی امریکہ کے اصل باشندوں کو ریڈ انڈین کہہ کر ختم کر دیا گیا۔ طاقت کے نشے میں پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں لاکھوں انسانوں کو تباہ کیا گیا۔ یہ سارے امور شیطان کے پیدا کردہ فساد ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی الہامی کتابوں میں سختی سے منع کیا اور اسلام نے اس کی سختی سے تردید کی۔ نبی ﷺ کو کردار بہت اہم ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات بڑی واضح ہیں۔ آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا ''شکر ہے اس اللہ کا جس نے جاہلیت کے عیب اور اس کا تکبر دور کیا۔ لوگو! تمام انسان بس دو ہی حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک نیک اور پرہیز گار اور دوسرا جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے ورنہ سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ ﷺ نے جو پیغام دیا، وہ انسانیت کے مینارِ نور ہے۔ نبی ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: انسان سارے ہی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات اسی حالت میں باقی رہیں گی۔ (**الناس من آدم و آدم من تراب الاکل ماثرہ او دم او مال یدعیٰ بہٖ فھو تحت قدمی ھاتین، الا ،سدانۃ البیت و سقایۃ الحجاج**)۔ اسی خطبہ میں فرمایا: نہ کسی عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالا سے، ہاں! بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو تقویٰ ہے (**فلیس بعربی علی عجمی ولا بعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی الاسود افضل، الا بالتقویٰ**)۔ یہ اسلام کا چودہ سو سال پہلے کا منشور جسے اب انیسویں صدی میں انسانیت نے اپنایا ہے۔ اگر انسانوں نے اس پر عمل کیا تو انسانوں کے درمیان نفرت کی دیواریں ختم ہو جائیں گی۔ اللہ کے آخری دین کے تمام احکامات و ہدایات انسانی امن سلامتی و نجاعت کے لئے ہیں۔

نسب رنگ، زبان، قبیلہ و علاقہ کی عصبیت کلی طور پر ممنوع کی گئی ہے کیونکہ ساری زمین، ساری زبانیں، سارے رنگ و نسل اللہ کے نظام کی پیداوار ہیں جن میں فطرت کی طرف سے کوئی تفریق نہیں۔ عموماً نسل کے جینز (مادہ تولید) کے اثرات قدرتی ہیں جن میں مختلف بیماریاں، شکل، رنگ یا قد کا امتزاج پایا جاتا ہے لیکن اس کا تعلق کردار سے نہیں۔ اسلام نے فضیلت کا معیار کردار انسانی اور وہ بھی صرف نیک خصائل کو قرار دیا ہے۔ اگر کسی خاندان میں نیک افراد زیادہ ہیں تو یہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے شرف ہے۔ نسل کی وجہ سے نہیں۔ اس میں علم، تربیت، ماحول کے اثرات ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے حضرت یوسف وغیرہ کی فضیلت کردار کی وجہ سے قرار دی ہے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تھے۔ نبی ﷺ نے قریش اور دوسرے خاندانوں کی عورتوں کے ازاد کردہ غلاموں سے نکاح کئے تاکہ عصبیت کو ختم کیا جائے اور اس آیت کے شان نزول کے بارے بھی یہ لکھا گیا ہے کہ ایسے موقع پر نازل ہوئی جب انسانی تفریق کی بات کی گئی تھی۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو، ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروگے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہیں کرے گا۔ بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم والا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

بے شک مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑیں اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾

ان سے کہو (اے نبی) کہ کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتاتے ہو۔ حالانکہ اللہ تو وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

یہ لوگ تم پر (اے نبی) احسان رکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا۔ بشرطیکہ تم سچے ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

بلاشبہ اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور خوب دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔

معاشرہ کی اصلاح کے بعد مدینہ شریف کے آس پاس کے دیہاتی علاقوں کے قبائل کا ذکر ہے۔ یہ لوگ نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا محرک جذبہ ایمان اس وقت نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی کامیابیوں کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ یہ قبائل جہنیہ، غفار، مندینہ، الدیل، اسلم، اشجع تھے۔ نبی ﷺ نے جب عمرہ کا ارادہ کیا، تو ان کو بھی دعوت دی اور انہوں نے حامی بھری۔ لیکن جب سفر کا وقت آیا تو شیطان نے ان کو گمراہ کر دیا۔ قریش کی قوت کا خوف دلایا۔ ادھر مسلمان عمرہ پر جا رہے تھے جنگ کا ارادہ نہیں تھا اس لئے اسلحہ ساتھ نہ تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے موقع پر ساتھ جانے کے بجائے پیچھے رہنے کے بہانے بنائے کہ ہمارے مال، زمین اور اولاد کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آسکتے رہ گئے۔

شان نزول میں ہے کہ یہ قبائل کے لوگ اکثر آکر نبی ﷺ سے مختلف قسم کے مفادات طلب کرتے اور یہ بھی کہتے کہ وہ بغیر کسی جنگ کے مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کی مدد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور رویہ کے بارے آگاہ کیا ہے کہ یہ دل سے ایمان نہیں لائے، یہی وجہ تھی کہ عمرہ کے لئے نہیں گئے۔ جو افراد عمرہ کے لئے ساتھ نہیں گئے تھے، ان کے لئے حکم ہوا تھا کہ ان کو مزید کسی غزوہ میں ساتھ نہ لے جایا جائے تاکہ انہیں اپنے غلط رویہ اور عمل کا احساس ہو۔ ان کو غزوہ خیبر میں ساتھ لے جانے سے منع کر دیا گیا۔

مسلمان اور مومن:۔

ان پر واضح کر دیا گیا کہ وہ مسلمان تو ہیں لیکن ایمان ان کے دل میں جاگزین نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے وہ مومن نہیں ہیں۔ ایک مومن اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو دل و جان سے مانتا ہے۔ اپنی جان اور مال کو اللہ کے حکم پر خرچ کر دیتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے مفاد کے لئے، اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے انکار کر کے عمرہ کے لئے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال جانتا ہے اور انسانوں کا محتاج نہیں بلکہ سارے انسان اس کے محتاج ہیں۔ لہٰذا مسلمان، ہو کر انہوں نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اپنی اصلاح اور دنیا اور آخرت کی بھلائی کو حاصل کیا ہے۔ اسلام سے پہلے یہ گمراہی

میں پڑے ہوئے تھے۔اسلام کی برکات کا فائدہ تب ہوگا،جب انسان اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرے گا اور عمل کرنے کا محرک، سچا ایمان اور محبت ہوتی ہے۔اس لئے محبت، ایمان اور عمل کا سلسلہ مضبوط رکھنا بہت ضروری ہے۔یہ احکامات سارے مسلمانوں کے لئے ہیں۔

سورت کی ابتداء نبی ﷺ اور اللہ کے احکام پر سبقت نہ لے جانے اور احکام پر عمل کرنے اور نبی ﷺ کے فیصلہ تک انتظار سے ہوئی اور اس کا اختتام بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو دل و جان سے مان کر اپنے ایمان کو مضبوط کرنے پر ہوا۔

الحمد للہ آج بزور بدھ 28 رمضان المبارک 1444 ھجری بمطابق 19 اپریل 2023 عیسوی کو سورۃ الحجرات مکمل ہوئی۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

50- سورۃق

تعارف:۔

سورت ق مکہ شریف میں نازل ہوئی اور اس کے پہلے لفظ / حرف ق ، کی وجہ سے یہ نام ہے۔ جو حروف مقطعات سے ہے۔ جن کے بارے متاخرین مفسرین نے مختلف تعبیرات /تاویلات کی ہیں۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر پچاس(50) ہے اور ترتیب نزول کے حساب سے اس کا نمبر چونتیس (34) ہے۔ اس کی آیات کی تعداد پینتالیس(45)، کلمات کی تعداد تین سوستاون(357) ہے اور رکوع کی تعداد تین(3) ہے۔

سورت حجرات میں منافقین کا ذکر تھا، یہاں دوسرے عربوں کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں ''ق۔والقرآن المجید'' پڑھا کرتے تھے۔(المسلم)۔

حضرت اُم ہشام بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، بیان کرتی ہیں کہ میں نے ق والقرآن المجید کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر یاد کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ سورت پڑھا کرتے تھے۔(مسلم/ابن ماجہ)۔

سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دلائل ہیں۔ قیامت کے دلائل، دوبارہ زندگی کے دلائل اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب کے لئے اٹھنے کا منظر ہے۔ نافرمان اقوام کا ذکر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام پہنچانے کا حکم ہے اور ہدایت یا اس پر عمل کرنا اللہ کی توفیق سے ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قٓ ۟ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾ ق۔ قسم ہے قرآن مجید کی۔

بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾

بلکہ انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا تو کافروں نے کہا یہ تو عجیب بات ہے۔

ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾

کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا تو (عقل سے) دور (معلوم ہوتا) ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴

ہم جانتے ہیں کہ زمین ان کو (کھا کر) کتنا کم کرتی ہے اور ہمارے پاس کتاب (ریکارڈ) محفوظ ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْۤ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵

بلکہ (عجیب بات یہ ہے) کہ وہ حق کو جھٹلاتے ہیں جب وہ ان کے پاس آتا ہے۔ سو یہ ایک معاملے میں الجھے ہوئے ہیں۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے، جو کلام اور سورت کی اہمیت کے لئے ہے۔ پھر ساتھ ہی جملے میں قرآن مجید کا ذکر ہے کہ بزرگی والا قرآن ہے۔ ق سے مراد قسم بھی ہے۔ بعض نے قاف پہاڑ لیا ہے، جس کے بارے مختلف روایات ہیں۔ جن کا خلاصہ پہاڑ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی قوت کا مظہر ہے۔ بعض مفسرین نے (القرطبیؒ) اللہ نے ناموں قدیر، قاہر، قریب، قاض، قابض کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سورت مکی ہے۔ کفار کے رویہ کا ذکر ہے۔ کفار نبی ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے تھے۔ نبی ﷺ مکہ شریف سے اور انہیں (قریش، بنی ہاشم) میں سے تھے۔ ان کے لئے، نبی کا تصور، اللہ سے تعلق کی وجہ سے مافوق الفطرت تھا۔ اس لئے وہ انکار کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ نبی یا تو بہت بڑا مالدار اور سردارِ قبیلہ ہو یا اس کے ساتھ جنات یا فرشتے ہوں، اس کے علاوہ، دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب کے منکر تھے۔ ان کے خیال میں، جب انسان مر جاتا ہے، تو اس کا جسم زمین میں مل جاتا ہے۔ اجزاء مٹی میں مل جاتے ہیں تو دوبارہ زندہ کیسے ہو گا۔

ان کی عقل کے لحاظ سے یہ ناممکن تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسان مرنے کے بعد کم ہو رہے ہیں، حساب کون رکھے گا، کیونکہ مٹی میں مل کر مٹی ہو رہے ہیں۔ کفار مکہ، اس کلام (قرآن) اور نبی ﷺ کی تعلیمات سے خواہ مخواہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کا ریکارڈ رکھا ہوا ہے، جس میں ہر موجود شي، کا ریکارڈ ہے۔ اسی کے مطابق انسان دوبارہ زندہ ہوں گے اور اپنے اعمال کا جس کا ریکارڈ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں (کراماً کاتبین) کے ذریعے رکھا ہوا ہے، (جو ایک میموری چپ کی مانند انسان کے ساتھ ہیں) دوبارہ دکھایا جائے گا۔ یہ باتیں کفار کو عجیب و غریب لگتی تھیں، لیکن اب ہم نے جان لیا ہے کہ یہ ممکن ہے۔ کیونکہ انسان کا جمع شدہ، ڈیٹا کا ریکارڈ بھی بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت انسانی علم سے بہت بلند ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶

کیاانہوں نے اپنے اوپر آسمان پر نگاہ نہیں کی کہ ہم نے ان کو کیسا بنایااوراس کو کیسامزین کیااوراس میں شگاف تک نہیں۔

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۙ﴿۷﴾

اور زمین کو ہم نے پھیلا دیااوراس میں پہاڑ رکھ دیئےاوراس میں طرح طرح کی خوشنما چیزیں اگا دیں۔

تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾

ہر رجوع(نیکی) کرنے والے بندے کے لئے بصارت(دانائی)اور نصیحت ہے۔

مظاہر کائنات:۔

اللہ تعالیٰ اپنے وجود، عظمت اور دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنے کے لئے عقلی اور علمی دلائل بیان کئے ہیں۔سب سے پہلی دلیل، ہر شخص کے سامنے آسمان یا فضا ہے۔ فضا نیلگوں، جسے ایک معصوم بچے سے بوڑھا آدمی رات اور دن کو دیکھتا ہے۔ یہ زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ ساری فضا، ہوا، بارش، روشنی، سورج، چاند، اس آسمان کے اندر ہیں۔اس آسمان کو ستاروں سے مزین کیا ہے، جو رات کو ایک خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں۔ فضا یا آسمان، انسانی جدید سائنس کے مطابق ایک حلقہ ہے، جس نے ہمارے نظام شمسی کے سیاروں کو گھیرا ہوا ہے اور دوسرے ستاروں سے آنے والی تابکاری اور مقناطیسی کشش کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ ابھی تک ہماری معلومات میں صرف زمین کے گرد ایک گھیرا محسوس ہوتا ہے۔ آسمان پر کوئی شگاف نظر نہیں آتا ہے۔ آسمان ہر آدمی کو نظر آتا ہے، جو بہت وسیع ہے۔ اس لئے اس کا پہلے ذکر کیا ہے، پھر زمین کا ذکر ہے۔ جس کی وسعت کم نظر آتی ہے اور جہاں تک نظر آتی ہے، وہاں تک زمین چپٹی پھیلی نظر آتی ہے، جبکہ اس کا سارا وجود دائری شکل کا ہے، لیکن اس کا انسانی استعمال کا وجود پھیلا ہوا ہے۔ زیادہ حصہ پانی پر مشتمل ہے چونکہ پانی برابر سطح رکھتا ہے اس لئے پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

زمین پر پہاڑ ہیں، جو بھاری وزن ہے اور اس کا فائدہ، زمین کے اندر گرم لاوا کی حرکت کو کنٹرول کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ زلزلے اکثر پہاڑی علاقوں اور آتش فشاں پہاڑ پھٹتے ہیں اور لاوہ باہر نکلتا ہے۔اس کی تفصیل سورت ھود میں گذر چکی ہے۔اس کے ساتھ زمین کی سطح پر کئی علوم، مثلاً علم زراعت، جیالوجی، جیو فزکس اور علم معدنیات، اس کے بارے معلومات دیتے ہیں۔ پھر سطح زمین پر صحراء پہاڑ، جنگلات، دریا، چشمے، باغات، اس کی سطح کی وجہ سے ہیں۔ لاکھوں سالوں سے زمین مختلف پودے اجناس اگا کر، بلین کی تعداد میں حیوانات، پرندے، درندے، سب اس سے غذا لے رہے ہیں اور لیتے رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کی دلیل ہے کہ جس نے اس کو بنایا۔ یہ سارے دلائل انسانی عقل و

سمجھ کے لئے ہیں کہ وہ اپنے خالق کو جانے اور مانے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے کے لئے ہے اور بد قسمت ہیں وہ جو صرف اسباب و نتائج کو تو دیکھ رہے ہیں لیکن ان کی نگاہ سے ان سب کا خالق، او جھل ہے۔

وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ۙ﴿۹﴾

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا، پھر اس میں باغ اور کھیتوں میں کاٹے جانے ولی فصل اگائی۔

وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ﴿۱۰﴾

کھجور کے درخت اگائے جن کے خوشے تہہ در تہہ ہیں۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

بندوں کے لئے سب رزق ہے اور اس پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح (قیامت کے بعد سب مردوں کو زمین سے) نکلنا ہو گا۔

دوبارہ زندگی:۔

کائنات میں اللہ تعالیٰ کی تخلیقات و مظاہر کا ذکر ہے۔ زمین، پہاڑ، آسمان، ستارے، چاند، سورج اور پھر زندگی کے لئے اللہ نے آسمان سے پانی اتارا جس نے سمندروں کو بھر دیا۔ زمین پر جھیلیں، بحیرے بن گئے۔ پہاڑوں پر برف جم گئی اور پگھل کر دریاؤں کو بھر دیا۔ زمین پر درخت اگنا اور پھلنا و پھولنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر درخت بڑا ہو کر اپنے موسم میں پھل دیتا ہے۔ کھجور کے درخت پر اس کے شگوفے تہہ در تہہ ہوتے ہیں، جن سے کھجور پیدا ہوتی ہے، تقریباً ہر درخت سے سینکڑوں پھل پیدا ہوتے ہیں، جن کو انسان، حیوان، حشرات اور پرندے کھاتے ہیں۔ زمین پر کئی فصلیں پیدا ہوتی ہیں جو انسان کو غذا فراہم کرتی ہے۔ صحراؤں یا میدانوں میں جہاں انسان کاشت کاری نہیں کرتا، بارش کے بعد پودے اگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ آیت میں جن کا حوالہ حصید سے کیا ہے۔ زمین پر پودے اُگنے شروع ہو گئے، جن کے بیج زمین میں اور نیم مردہ حالت میں (Hibernate) پڑے ہوتے ہیں، جب پانی کے ذریعہ ان کو نائٹریٹ ملتے ہیں تو دوبارہ زندگی آجاتی ہے۔ قیامت کے بعد ایک حدیث کے مطابق کئی سال بارشیں ہوں گی۔ زمین میں پہاڑ اور سمندر ختم ہو کر سطح برابر ہو گئی ہو گی اور بارش سے دلدل بن جائے گی۔ انسان کا جسم زمین میں جہاں پر دفن ہوا تھا یا مرا تھا، وہیں سے اٹھے گا۔ انسان کے جسم میں ریڑھ کی ہڈی کا نچلا کونہ یا مہرہ، جس کی ابتداء بھی پہلے ہوتی ہے (عجب الذنب) وہی زمین میں محفوظ ہو گا، جس کا، ڈی این اے یا کوئی بھی علامتی ذریعہ ہو گا، جس کے ذریعہ سے فرشتے، انسانی روح کو اس علامتی ہڈی، ذرہ یا ڈی این اے کے ذریعے شناخت کر کے، اس کی روح کو اس جسم میں ڈال دیں گے اور دوبارہ، وہی انسان، جس طرح زمین میں بارش کے بعد پودے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں، انسان بھی اُٹھ کھڑے ہوں

گے۔اور ہر انسان کو اس کا حساب و کتاب فرشتے دے دیں گے۔(موجودہ میڈیکل سائنس اسی طریقہ کو اپنا رہی ہے جس کی تفصیل بن رہی ہے۔)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾

ان سے پہلے،نوح کی قوم اور کنویں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں۔

وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

اور عاد اور فرعون اور لوط کی قوم نے۔

وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾

اور جھنڈ کے رہنے والے اور تبع کی قوم، غرض ان سب نے ،پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید (ڈرانا) بھی پوری ہو کر رہی۔

اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾

کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟(نہیں) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

کفار مکہ کا ذکر کیا ہے،جو شک انہیں دوبارہ زندگی اور حساب و کتاب کے بارے میں تھا۔اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت کے دلائل،کائنات میں موجودات کے ذریعے دیئے ہیں۔ان دلائل کے باوجود بھی جو پرانی امتوں میں مخالفت پر تھے،ان کا ذکر کیا ہے۔یہ قوم نوح اور کنویں والے اور قوم ثمود تھی۔انہوں نے اپنے نبیوں کی مخالفت کی۔ان قوموں کے بعد فرعون اور عاد، قوم لوط،سب نے انبیاء کی مخالفت کی۔اسی طرح جھنڈ والے افراد اور قوم تبع،ان سب نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور پھر عذاب کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔**اصحاب الرس**:رس کا معنی بغیر کنارے کے کنواں، جس میں گرنے کا خطرہ بہت ہوتا ہے۔ضحاک نے فرمایا: یہ وہ کنواں ہے جس میں صاحب یٰسین کو قتل کر کے ڈالا گیا۔ثمود سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے۔یہ قدیم عرب تھے۔**عاد**: یہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی۔عاد،ایک شخص عمالیق سے تھا۔یہ یمن کے احقاف (ٹیلوں) میں رہتے تھے۔**ایکہ**: گھنے درختوں کا جھنڈ، حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب ایکہ اور اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔**قوم تبع**: تبع عرب کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔قتادہ نے کہا ہے تبع سے مراد قوم سباء ہے۔تبع بادشاہ کا لقب تھا۔بہت مشہور بادشاہ، بڑا فاتح اور مسلمان بھی تھا۔

یہ واقعات،بطور عبرت بتائے جا رہے ہیں کہ ان قوموں کے بعد دوسری قومیں پیدا ہوئیں اور یہ سلسلہ زندگی چلتا رہا۔یہ تمہاری مخالفت کوئی پہلی نہیں،اس طرح مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی اور ساتھ ہی انکار کرنے والوں کو برے انجام کے

بارے یاد دہانی کرائی جارہی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا۔ پھر انسان کو، انسان ختم ہوتے اور پیدا ہوتے گئے۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اسی طرح قیامت کو بھی دوبارہ زندگی مشکل نہیں ہوگی۔ انسان کی بنیاد ہوگی۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

اور تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم وہ خیالات جانتے ہیں جو اس کے دل میں گذرتے ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾

جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو دیکھنے والے جو دائیں اور بائیں بیٹھتے ہیں لکھ لیتے ہیں۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾

اور کوئی بات اس (انسان) کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

اور موت کی بے ہوشی حقیقت کھولنے کو طاری ہوگئی۔ اے انسان یہی وہ حالت (موت) ہے جس سے تو، بدکتا (ڈرتا) ہے۔

اعمال کا ریکارڈ:۔

موت کے بعد دوبارہ زندگی کے بارے ذکر کیا جارہا ہے۔ انسان کو پیدا کرنے والی ذات کے علم اور طاقت کا ذکر ہے، تاکہ دوبارہ زندہ ہونے کے شکوک و شبہات کو دور کیا جائے۔ انسان کے دماغ میں جو خیالات گذرتے ہیں ان کا بھی علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور انسان کے ساتھ دو فرشتے متعین ہیں جن کا ذکر پہلے بھی کیا گیا ہے، وہ ہر عمل کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں۔ خیالات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پکڑ نہیں، اس لئے علماء کے مطابق وہ صرف اعمال کو لکھتے ہیں۔ نیکی کے فرشتے، انسانی دماغ میں، شیطان کے مقابل نیک خیالات لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدت و کنٹرول انسان کی شہ رگ سے بھی قریب تر اور قوی ہے۔ انسانی جسم میں زندگی کا دارومدار خون کا دوران پر ہے اور اگر دماغ یا دل سے خون کا دوران رک جائے تو فوراً زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ چھ انتہائی اہم رگیں، سر سے خون چھاتی اور دل کو لاتی اور لے جاتی ہیں۔ ان کو میڈیکل میں Jagular Vains کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات کے ذبح کے وقت ان کو کاٹ دیا جاتا ہے اور پھر جانور ختم ہو جاتا ہے۔ یہ شہ رگ زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اور سر (دماغ) جہاں سے جسم کنٹرول ہوتا ہے سے قریب ترین اور خون مہیا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ

کے کنٹرول کو اس سے بھی قریب ذکر کیا گیا ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

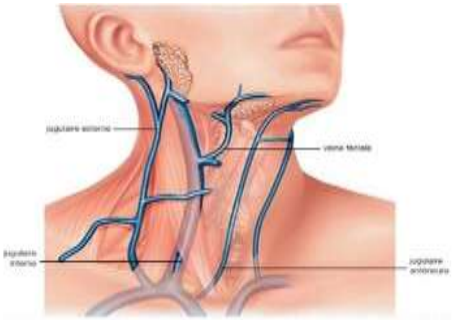

شہ رگ

یہ فرشتے انسان کا سارا ریکارڈ قیامت کو ظاہر کر دیں گے۔ موت کے انجام کا ذکر ہے۔ حدیث کے مطابق جو کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہوا ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کرنا چاہے تو اس کو فوراً نہ لکھو، پھر اگر وہ گناہ کرے تو اس کا ایک گناہ لکھو اور جب وہ نیکی کرنا چاہے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو اور جب وہ نیکی کا عمل کرے تو دس نیکیاں لکھ دو۔ (صحیح المسلم/ترمذی)۔ ایک حدیث کے مطابق برائی لکھنے والا فرشتہ، چند گھنٹے انتظار کرتا ہے کہ شاید انسان توبہ کرے تو اس کا استغفار بھی ساتھ ہو اور معاف ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل کا اظہار ہے۔

موت کے بارے ذکر ہے کہ موت کا وقت انتہائی سخت ہوتا ہے۔ موت کی شدت و سختی کو، مرنے والا محسوس کرتا ہے۔ انسان موت سے خائف ہوتا ہے لیکن یہ سختی دیکھنی پڑتی ہے۔ حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جب مومن مرتا ہے تو اس کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے۔ (ترمذی)۔ ایک امریکی ڈاکٹر جیفری لونگ، جو کینسر کا ماہر اور بہت سارے سالوں سے موت، وقت (سکرات) موت اور دوبارہ زندگی کے بارے تحقیق کر رہا ہے، اس نے نے بہت سارے افراد کی بوقت موت معلومات کے بعد تصدیق کی کہ مریض کو روح نکلتی نظر آتی ہے اور دوبارہ زندگی ممکن ہے۔ (تفصیل گوگل سرچ یا یوٹیوب، دس ستمبر ۲۰۲۳)۔

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْوَعِیْدِ ﴿۲۰﴾

اور صور میں پھونک دی جائے گی، یہی عذاب کے وعدہ کا دن ہے۔

وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآىِٕقٌ وَّ شَهِیْدٌ ﴿۲۱﴾

اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کا (ہانکنے) چلانے والا ایک فرشتہ ہو گا اور ایک گواہ ہو گا۔

لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ﴿۲۲﴾

بے شک تو اس (دن) سے غفلت میں تھا، سو ہم نے تیری آنکھوں سے پردہ ہٹادیا، تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

وَ قَالَ قَرِیۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیۡدٌ ﴿۲۳﴾

اور اس کا (زندگی میں) ساتھی (فرشتہ) کہے گا؛ یہ اس کا اعمال نامہ میرے پاس تیار ہے۔

موت کے بعد قیامت کا منظر پیش کیا جارہا ہے، تاکہ قاری اس سے سبق سیکھے۔ جب دوسرا صور پھونکا جائے گا، تو تمام اشخاص زندہ ہو جائیں گے (اور اپنی مکمل قوت والی حالت میں ہوں گے)۔ یہ وہی دن ہے، جس کے بارے نبی ﷺ نے بتایا اور قرآن مجید میں بار بار ذکر آیا ہے کہ اس کی تیاری کرلیں تاکہ عذاب سے بچ جائیں۔ جب انسان دوبارہ زندہ ہوگا، تو زندگی میں اس کے ساتھ کراماً کاتبین (اعمال لکھنے والے) فرشتے بھی آجائیں گے اور اس کو ہانک کر اللہ کے دربار، جہاں حساب و کتاب ہو رہا ہوگا، وہاں پیش کیا جائے گا۔ یہ فرشتے اس کے اعمال کے گواہ بھی ہوں گے۔ انسان جو دنیا میں قیامت یا حساب و کتاب سے انکار کرتا ہے اور حشر و نشر کی حقیقت سے اندھا ہے، اس دن جب زندہ ہوگا، تو خود بخود دیکھ کر اقرار کرے گا اور خوفزدہ ہوگا۔ زندگی میں جس سے منکر تھا، آج اس کے سامنے بے بس ہے۔ اس کے ساتھ فرشتے اس کی زندگی کے اعمال کا حساب کتاب لئے ہوئے ہوں گے۔ کس انداز سے حساب ہوگا، اس کے بارے ہمیں تفصیل معلوم نہیں، لیکن معمولی سے معمولی کام بھی درج ہوگا اور اس پر انسانی جسم کے اعضاء یا فرشتے گواہ ہوں گے تاکہ عدل ہو سکے۔

اَلۡقِیَا فِیۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیۡدٍ ﴿۲۴﴾ تم دونوں ہر کافر شخص کو جہنم میں ڈال دو۔

مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِیۡبِ ﴿۲۵﴾ جو نیکی سے منع کرنے والا اور حد سے زیادہ شک کرنے والا ہے۔

الَّذِیۡ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلۡقِیٰهُ فِی الۡعَذَابِ الشَّدِیۡدِ ﴿۲۶﴾

جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنالیا تم دونوں اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

قَالَ قَرِیۡنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَیۡتُهٗ وَ لٰكِنۡ كَانَ فِیۡ ضَلٰلٍۢ بَعِیۡدٍ ﴿۲۷﴾

اس کا برا ساتھی (شیطان) کہے گا۔ اے ہمارے رب میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا لیکن یہ خود بہت گمراہی میں تھا۔

قَالَ لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَیَّ وَ قَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَیۡكُمۡ بِالۡوَعِیۡدِ ﴿۲۸﴾

وہ (اللہ) فرمائے گا؛ میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی (عذاب کی) خبر سنا چکا ہوں۔

مَا یُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۲۹﴾

میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

(یاد کیجیئے) جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر گئی ہے (مجرموں سے) اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں؟ (وہ مانگے گی)۔

مجرموں کے اوصاف:۔

حساب وکتاب کا منظر دکھایا جارہا ہے۔جب حساب وکتاب میں گناہ اور نافرمانی زیادہ ہوگی تو حکم ہوگا کہ،(۱): انکار حق کرنے والوں،(۲): اہل حق سے بغض وعناد (دشمنی) رکھنے والے،(۳): بھلائی کے راستے میں رکاوٹ بننے والے،(۴): بندوں کے حقوق ادا نہ کرنے والے،(۵): لوگوں پر ظلم کرنے والے،(۶): دین کی صداقتوں پر شک کرنے والے،(۷): دوسروں کے دلوں میں برے شکوک ڈالنے والے،(۸): اللہ کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ٹھہرانے والوں کو جہنم میں پھینک دو۔ یہ مجرم، شیطان (قرین) یا اپنے دنیا کے دوستوں یا راہنماؤں کو الزام دیں گے، ان کے شیطان، ساتھی ان کے بارے کہیں گے کہ ہم نے تو رائے دی تھی، انہوں نے اس پر خود عمل کیا، حالانکہ یہ انکار کر سکتے تھے۔ لہٰذا ہم پر الزام غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا، کہ میں نے ہدایت دی تھی اور بتادیا تھا کہ جو نافرمانی کرے گا، وہ سزا پائے گا، لیکن تم نے پرواہ نہیں کی تھی، آج تم اپنے برے اعمال کی سزا میں جہنم میں پھینکے جاؤ۔ مجرم جنّ، بھی ان کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ حکم میں کوئی تبدیلی نہیں اور نہ ہی میں انسانوں (مخلوق) پر ظلم کرتا ہوں۔ یہ سب عدل کے تحت برے اعمال کی سزا ہے۔

مجرموں اور گنہگاروں کو جہنم میں پھینکا جائے گا۔ جہنم کا منظر بڑا خوفناک بتایا گیا ہے۔ بھڑکتے شعلے اور پینے کو پیپ ہوگی۔ جہنم میں جانے والے مجرم، انسان اور جنات زیادہ ہوں گے۔ جہنم کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ بھڑک رہی ہوگی اور اس کی وسعت مجرموں سے کم نہیں ہوگی۔ احادیث کے مطابق، اللہ تعالیٰ کا جہنم سے، اس کی، کیفیت کا سوال ہوگا اور وہ مزید گنہگاروں اور مجرموں کی منتظر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے جلال کا اظہار کریں گے اور گویا اس کو قدم تلے روندیں گے اور پھر اس کی طلب ختم ہو جائے گی۔ آیت اور احادیث کا مقصد، جہنم کے عذاب کی شدت، اس کی وسعت اور متأخرین علماء وصوفیاء نے قدم رکھنے کو عظمت اور قوت کا اظہار مقصود لیا ہے اور مقتدین نے اس کے بارے کوئی وضاحت نہیں کی، بلکہ جو اللہ جل جلالہ کے شایان شان ہے اسی طرح لیا جائے گا۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾

اور جنت متقین کے قریب کی جائے گی (وہ) دور نہیں ہوگی۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾

(کہاجائے گا) یہ ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیاجاتا تھا، بہت رجوع کرنے والے اور بہت نگہداشت کرنے والے شخص کے لئے

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾

جو بغیر دیکھے رحمان (اللہ) سے ڈرتا ہے اور بہت رجوع کرنے والا دل رکھتا ہے۔

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

(کہاجائے گا) تم اس (جنت) میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ کی زندگی کا دن ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ہو گا اور ہمارے پاس اور بھی بہت کچھ ہے۔

مجرموں کے حساب و کتاب اور دوزخ کی کیفیت کے بعد مومنین کے انعام و جزا ، کا ذکر ہے۔ نیک لوگوں کے نیک اعمال اور اللہ کے فضل سے، ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جنت ان کے قریب تر ہو گی۔ فوراً حساب و کتاب کے بعد وہ جنت پہنچ جائیں گے اور یہ جنت ان کے اعلیٰ کردار کے سبب ہو گی جو کردار کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں وہ قابل غور ہیں۔

نیک افراد کے اوصاف:۔

آواب: رجوع کرنے والا۔ مبالغہ کا لفظ اور بڑا جامع ہے۔ ایسا شخص، جو نافرمانی اور خواہشات نفسانی کے راستہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کر لیتا ہو۔ اللہ کے ناپسندیدہ امور کو چھوڑ دے اور اللہ کے پسندیدہ امور کو پکڑ لے۔ ذرا بھی غلطی سے گھبرا کر توبہ کرے اور نیکی کی راہ پر پلٹ آئے اور تمام معاملات میں اللہ کی طرف رجوع کرے۔

حفیظ: بہت حفاظت کرنے والا۔ مبالغہ کا لفظ ہے۔ ایسا شخص ،جو اللہ کے احکام اور حدود کی سخت حفاظت کرنے والا ہو۔ اللہ کی طرف سے عائد کردہ حقوق کی حفاظت کرنے والا ہو۔ اپنی ساری قوت ان امور کی حفاظت اور منع شدہ امور سے بچنے پر صرف کر دے اور اپنے ہر فعل کی حفاظت کرے کہ کہیں غلطی یا نافرمانی نہ ہو جائے۔

اللہ کا خوف:

اس کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔ اگرچہ اس نے اللہ کو دیکھا بھی نہیں۔ عموماً انسان جن چیزوں کو اپنے حواس

خمسہ سے دیکھتا ہے،ان پر فوری یقین کر لیتا ہے، چونکہ اللہ کی ذات،انسانوں کو سورج، چاند، ہوا، بادل، گرج، کی طرح معلوم و محسوس نہیں ہوتی،اس لئے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔اہل عقل و خرد،اللہ کے مظاہر سے جان لیتے ہیں۔اللہ کو، یہ نیک انسان، بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے مانتا ہے۔اس کا خوف دل میں رکھتا ہے۔اس کی رحمت پر یقین کرتا ہے، لیکن اپنی ذات کی بے بسی کا اعتراف کرتا اور اللہ کی عظمت و جلال کا اقرار کرتے ہوئے اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتا ہے۔

قلب منیب:

منیب بھی مبالغہ کا لفظ ہے اور انابت سے نکلا ہے، جس کے معنی ایک طرف رجوع کرنے والا اور بار بار اسی کی طرف پلٹنے کے ہیں۔دل ہر طرف مڑ کر بھی، اللہ کی طرف لوٹ آتا ہے۔سارے احوال اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جاتا ہے اور وہاں جا کر (اطاعت الٰہی میں) سکون پکڑتا ہے۔

یہ خواص متقی شخص کے بیان کئے گئے، نیک اعمال اور محبت و اطاعت الٰہی، اس کا اصل اثاثہ ہیں۔ان کا پیمانہ، یہ خصوصیات ہیں، جو اس کے کردار میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہیں۔اس کا انعام و جزا، جنت، کا خود اس کے قریب ہو جانا ہے، (گویا جنت اس کی آمد کی منتظر ہے) اور اس کا داخلہ، اس میں سلامتی، سکون، خوشی سے ہے۔اس (مومن یا متقی) کا وہاں قیام دائمی ہے۔اس کی ہر خواہش اور تمنا وہاں پوری ہو گی۔دنیا کی، ناتمام حسرتوں اور خواہشات والا معاملہ نہیں ہو گا۔بلکہ تمام خواہشات اور آرزوؤں کی تکمیل ہو گی اور پھر خصوصی انعام ربانی ہو گا۔وہ جمال الٰہی کا دیدار ہو گا، جس کیفیت و حالت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، جس کا ذکر "اور بھی بہت کچھ ہے" سے کیا گیا ہے۔اب فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے اور جنت حاصل کرتا ہے یا گمراہی میں گم ہو کر جہنم میں گر پڑتا ہے۔

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں ہلاک کر دیں، وہ ان سے قوت میں زیادہ سخت تھیں اور انہوں نے علاقوں (بلاد) کو چھان مارا۔کیا انہیں بچ نکلنے کی جگہ ملی، (نہیں ملی)۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

بلاشبہ اس (قرآن) میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو دل رکھتا ہے یا وہ غور سے سنے وہ (دل و دماغ سے) حاضر ہو۔

مسلمانوں اور قریش مکہ دونوں کے لئے اطلاع ہے، قریش اسلام کی دشمنی نہ کریں۔ان سے پہلے بڑی طاقتور قومیں جنہوں نے انبیاء کی مخالفت کی، وہ بالآخر تباہ اور طاقت کے باوجود ختم ہو گئیں۔ان کے نشان بھی مٹ گئے۔اس

سے سبق حاصل کریں۔دوسری طرف کفار مکہ قرآن پر غور نہیں کرتے،اگر وہ توجہ سے سنیں تو انہیں حقائق اور کلام الٰہی ہونے کا ثبوت مل جائے گا۔لیکن وہ توجہ نہیں کرتے،اس لئے محروم ہیں۔مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ کفار مکہ کی طاقت یاان کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں،وہ ناکام ہوں گے۔مسلمان قرآن مجید کی برکات سے اپنے کو بابرکت کریں۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ اور تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیااور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے چھواتک نہیں۔

دوزخ، جنت، مجرموں، نیکوکاروں اور بادشاہوں کے ذکر اور قرآن کی برکت کے بعد،اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت کااظہار فرمایا گیاہے،کہ یہ ساری کائنات،زمین وآسمان اوراس کے درمیان جس قدر بھی سیارے اور ستارے ہیں،ان کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔چھ دن مدت کا اظہار ہے۔اس میں طویل مدت ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دنوں کے بارے ہمیں معلومات نہیں۔کہیں ہزار،کہیں پچاس ہزار سال اور سال نوری ہیں یا کیسے ہیں،کیونکہ ہمارا سورج،رات اور دن اس وقت تھے ہی نہیں،اس میں کوئی قید نہیں اس قدر وسیع مفہوم ہے کہ سائنس کی تمام باتیں یاخیالات اس کے اندر سما سکتے ہیں۔چھ ایام کا لفظ دوسری الہامی کتابوں تورات وانجیل میں بھی مذکور ہے(باب پیدائش 2:2)۔لیکن وہاں ساتویں دن کا ذکر آرام کا ہے جس سے السبت کا لفظ نکلا ہے۔قرآن مجید نے تخلیق کائنات کے،اس عظیم عمل کو جس کا انسان،آج تک احاطہ نہیں کر سکااور نہ کر سکے گا،اس قدر معمولی کہا ہے کہ تھکاوٹ کا امکان بھی نہیں ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کا اظہار،ہمیں ہمارے اپنے علم کے مطابق بتایا گیاہے کہ اگر بہت ہی معمولی کام ہو تو انسان کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔یہ صرف ہمارے سمجھانے کے لئے ہے۔اتنی بڑی طاقت اور قوت والی ذات کے احکام سے انکار کس قدر نقصان دہ ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ چنانچہ (اے نبی) جو وہ (کفار) کہتے ہیں،آپ اس پر صبر کریں۔طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے،اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔

وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

اور رات کے کچھ حصے میں پھر آپ اس (اللہ) کی تسبیح کریں اور سجود (نماز) کے بعد بھی۔

نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مشکلات میں حوصلہ اور صبر کی تلقین کی گئی ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور عبادت کا بھی حکم دیا ہے،تاکہ اعمال اور صبر میں اضافہ ہو۔آثار واحادیث کی روشنی میں،طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز اور غروب آفتاب سے پہلے عصر کی نماز کی تاکید ہے۔اسی طرح رات کے کچھ حصہ کی نماز سے مراد نماز تہجد ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے نزدیک، ادبارالسجود سے مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت اور ادبارالنجوم سے مراد فجر کی نماز سے قبل دو رکعت نماز ہے۔(تفسیر البغوی/الترمذی)۔ادبارالسجود، سے مراد نماز کے بعد تسبیحات ہیں، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ایک حدیث کے مطابق سبحان اللہ 33 بار، الحمدللہ 33 بار اور اللہ اکبر 34 بار ہیں۔اس کے علاوہ 'لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر۔ اللھم لا مانع لما اعطیت، ولا معطی لما منعت، لا ینفع ذالجد منک الجد۔ (بخاری/مسلم)۔ان کا مقصد فرض نماز کے علاوہ اضافی نماز وعبادت ہے۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

اور توجہ سے سنیئے! جس دن منادی (اعلان) کرنے والا قریب کے مقام سے آواز (ندا) دے گا۔

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

جس دن وہ اس چیخ (دوسرا نفخہ) کو فی الواقع سنیں گے، یہی (قبروں) سے نکلنے کا دن ہوگا۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾

بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف (سب کی) واپسی ہے۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

جس دن ان پر سے زمین تیزی سے پھٹ جائے گی (نکل رہے ہوں گے) یہ حشر (اکٹھا کرنا) ہم پر نہایت آسان ہے۔

آیات میں قیامت کا منظر پیش کیا جارہا ہے، اس لئے توجہ سے سننے کا حکم ہے۔حضرت اسرافیل، کے نفخہ سے، تمام مردہ لوگ زندہ ہو جائیں گے۔زمین کے اندر، مردہ اجسام جس حالت میں ہوں گے ان کے اجزاء اکٹھے ہو کر مکمل جسم کی صورت اختیار کریں گے اور قوت والے ہوں گے (جوانی کی عمر)۔ان میں روح داخل ہو جائے گی۔نفخہ کی مدت کتنی لمبی ہو گی، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔آواز ہو گی، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں انرجی کی صورت میں ہو گی پھر ایک اور فرشتہ یا حضرت اسرافیل یا جبرئیل علیہم السلام ایک آواز دیں گے، جسے ہر فرد اس طرح سنے گا، جس طرح بہت قریب سے آ رہی ہو گی۔اس کی ایک معمولی مثال آجکل ہمارے ڈیجیٹل پلیٹ فارم (فیس بک/وٹس ایپ/ٹوئیٹر) کے پیغامات ہیں، جو لاکھوں لوگوں تک آناً فاناً (فوری) پہنچ جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا نظام، انسانی نظاموں سے بہت اعلیٰ ہے، جس کی کوئی مثال دینا بھی صحیح نہیں۔انسان کی زندگی (ولادت) اور موت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے۔اسی طرح دوبارہ زندہ ہونا اور انسان کے دنیا میں اعمال کا حساب ہونا، بھی اللہ کی قدرت کے تحت ہے۔یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی ذات کے

لیے آسان ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت جو نظام کائنات میں نظر آرہی ہے، کو دیکھ کر بھی نہیں مانتے، وہ گمراہی میں ہیں اور اس کی سزا پائیں گے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ۠ ﴿۴۵﴾ ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ (انکار کرنے والے) کہتے ہیں۔ اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، لہٰذا آپ اس قرآن کے ذریعے سے اس شخص کو نصیحت کرتے رہیں جو میری وعید (عذاب) سے ڈرتا ہے۔

آیت میں نبی ﷺ کی تسلی کے لئے حکم ہے، کہ اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے (کفار مکہ) کی ہر حرکت اور ارادہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ اسلام کو وہ نہیں مانتے، تو آپ کا کام صرف ان کو اطلاع دینا ہے اور قرآن کا پیغام پہنچانا ہے، زبردستی کسی کو مسلمان کرنا نہیں ہے۔ آپ نے اللہ کا جزا و سزا کا پیغام، پہنچادیا، تو آپ نے فرض ادا کر دیا۔ قرآن مجید نے واضح طور پر کئی مقامات پر کہا ہے کہ دعوت دینے والے، خواہ نبی ہے یا اس کے امتی ہوں، ان کا کام پیغام الٰہی بہترین طریقہ سے پہنچانا ہے۔ ہدایت، بندے کا قبول کرنا یا نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ پیغام کے پہنچانے میں حکمت و دانائی کے ساتھ پوری کوشش کرنی فرض ہے۔

اسلام نے ہمیشہ فساد، ظلم اور جنگ سے منع کیا ہے۔ کفار کے ساتھ جنگ کی اجازت اور ان کو مکمل شکست دینے کا حکم، اس وقت ہے، جب وہ مسلمانوں یا اسلام کو جنگ کے ذریعے ختم کرنا چاہتے ہوں۔ مسلمانوں کو اس قدر مضبوط دفاع رکھنے کا حکم ہے، کہ کوئی حملہ کر کے ہلاک کرنے کی کوشش یا جرأت نہ کر سکے۔ امت مسلمہ کے اندر بھی غیر مسلموں کو مذہب اور مذہبی مقامات (عبادت گاہوں) کی آزادی ہے۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ دفاع کیا اور حملہ اس وقت کیا، جب سو فیصد یقین ہو گیا کہ اگر حملہ نہ کیا گیا تو مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہو گا اور جنگ کے علاوہ صلح کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسلامی احکام میں جنگ سے پہلے صلح کا پیغام یا اسلام کی قوت کو ماننے کی دعوت دینا ضروری ہے۔ تاکہ جنگ نہ ہو اور انکار کی صورت میں جنگ ہے۔ اور بھرپور جنگ اور دفاع ہے۔

سورت کی ابتداء قرآن مجید کی عظمت اور نبی ﷺ کی نبوت سے تھی اور اختتام بھی قرآن مجید کے ذریعہ نصیحت اور تبلیغ اسلام کے حکم سے ہے۔

الحمدللہ آج بروز اتوار 24 اپریل 2023 عیسوی کو سورت مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

51- سورۃالذاریات

تعارف:۔

سورت الذاریات، کا نام سورت کی پہلی آیت میں لفظ، الذاریات کی وجہ سے ہے۔ جس کے معنی ہوا کا خاک اُڑانا، یا غبار بکھیرنا (تیز چلنا جس کی وجہ سے گرد و غبار بکھرتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کی قسم کھائی ہے جو ہوا کی کائنات میں اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔

سورت الذاریات، مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر چیاسٹھ (66) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے، اکیاون (51) ہے۔ اس کی ساٹھ (60) آیات اور تین (3) رکوع ہیں۔ سورۃ ق، کے ساتھ اس کے مضامین ملتے جلتے ہیں، جن میں حشر و نشر، اللہ کی قدرت و عظمت کے دلائل ہیں۔

سورت میں ان اقوام کا ذکر ہے جنہوں نے انبیاء کو جھٹلایا اور پھر تباہ ہو گئے۔ قوم نوح، عاد، ثمود وغیرہ۔ سورت میں عقائد یعنی توحید و رسالت پر زور دیا گیا ہے کیونکہ اہل مکہ ان کے منکر تھے۔

حضرت ابرھیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی ہے۔ نافرمان اقوام، پر عذاب کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل ہیں۔ کفار مکہ (انکار کرنے والوں) کے عقائد کی تردید ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی الہامی کتاب ہونے کی تصدیق کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کا رازق ہے۔

قیامت کی ہولناکی اور عذاب جہنم سے ڈرایا گیا ہے۔ انسان اور جنوں کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، جس میں ایمانیات، اخلاقیات و اعمال شامل ہیں، کا اعلان کیا ہے۔

اللہ کے نافرمانوں کے لئے وعید (سزا) کا اعلان بھی فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ﴿۱﴾ گرد و غبار اُڑانے والی ہواؤں کی قسم۔

فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ﴿۲﴾ پھر بوجھ اُٹھانے والی ہواؤں کی قسم (بادلوں کی صورت میں)۔

فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ﴿۳﴾ پھر نرمی (ارام) سے چلنے والی ہواؤں (کشتیوں کے لیے) کی قسم۔

فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ﴿۴﴾ پھر کام تقسیم کرنے والوں (فرشتوں) کی قسم۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ ضرور سچا ہے۔

وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ اور بے شک جزاء (اعمال کی) ضرور ملنے والی ہے۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ راستوں والے آسمان کی قسم۔

اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ بے شک تم (باہم) مختلف اقوال میں پڑے ہو۔

ان آیات کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول درج ہے، کہ کوفہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے جب ان آیات کے بارے سوال کیا گیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا سے مراد آندھی تیز ہوا لی۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا سے بادل، بھاری ہوا، فرمایا اور فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا سے کشتیاں جو آرام سے پانی پر ہوا کے دھکیلنے سے چلتی ہیں، فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں جو امور سرانجام دیتے ہیں اور یہی تفسیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ (ابن کثیر / قرطبیؒ)۔

اللہ کی افواج:۔

ہوائیں، اللہ کی فوج کی طرح ہیں۔ جن کے ذریعے زمین پر مختلف امور سرانجام پاتے ہیں۔ جدید سائنس میں بھی ہوا، کی اہمیت بہت اہم ہے۔ مختلف گیسوں کی تہوں نے زمین کو گھیرا ہوا ہے، جسے فضا (Atmospher) کہا جاتا ہے۔ اور زمین کی کشش، نے اسے اپنی طرف کھینچا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے ہوا کا دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ یہ فضاء، شہاب ثاقب کو جلا کر ختم کر دیتی ہے۔ یہی سورج کی تابکار شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے اور زمین کو محفوظ رکھتی ہے۔ فضاء میں بادلوں کے ذریعے زمین کی گرمی محفوظ رہتی ہے۔ ہوا سے ہی پانی اور زندگی کا دار و مدار ہے۔ رات اور دن میں حرارت (گرمی و سردی) کے درمیان ایک تناسب قائم ہوتا ہے۔ اس فضاء میں ہوا کا تناسب 78 فیصد، نائیٹروجن اور 21 فیصد آکسیجن، 1 فیصد آرگن، 0.4 فیصد کاربن ڈائی آکسائیڈ اور باقی دوسری گیسز (ہوائیں) ہیں۔ یہ تناسب اتنا موزوں ہے کہ زمین پر زندگی کا دار و مدار اس سے ہے۔ یہ تو مختصر ہواؤں کی اہمیت کا تعارف ہے۔ قرآن مجید کی آیات نے یہ اہمیت آج سے چودہ سو سال پہلے ہمیں بتائی ہے۔

بادل میں پانی کا وزن بہت زیادہ ہوتا ہے، جسے ہوائیں، فضاء میں بحری جہاز کی طرح اُٹھائی پھرتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق بڑے کمیونبلس (Cumulonimbus)، گرج و چمک والے بادل کا وزن، پانچ سو ملین پونڈ تک ہوتا ہے۔ اس طرح کے ہزاروں بادل فضاء میں پھرتے ہیں۔ اسی طرح سمندر میں ہوا کے ذریعے جہاز نما کشتیاں، ہوا کے زور سے چلتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نظام کا حصہ ہے۔ ہوا میں تمام گیسز کا تناسب، پانی کے بخارات، بجلی کا کرنٹ، پھر زیادہ دباؤ، والے علاقے یا حصہ سے کم دباؤ، والے حصہ کی طرف ہوا کی روانگی، یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کے

نظام کا حصہ ہیں، جس کو فرشتے، کوئی نہ کوئی قوت (دباؤ وغیرہ) پیدا کر کے سرانجام دیتے ہیں۔اور اگلی آیت میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو امور کو تقسیم کرتے ہیں۔یعنی مختلف امور کو مختلف موقعوں، حالت یا حکم کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔بدقسمتی سے خدا کو نہ ماننے والے، اسے فطرت کہتے ہیں۔

ان دلائل، کے بعد یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ اتنی بڑی قوت والی ذات نے جو حکم دیا ہے، کہ ایک دن انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور وہ دن، یوم قیامت کے بعد حشر ونشر کا دن ہے۔یہ ضرور واقع ہوگا۔جس کو کفار مکہ نہیں مانتے تھے۔ان امور کے بارے وہ شکوک وشبہات میں پڑے ہیں۔قرآن، قیامت اور نبی ﷺ کے بارے مختلف آراء بتاتے ہیں، جو سب غلط ہیں۔

اسی طرح، آسمان پر راستے ہیں، جن کا ذکر کیا گیا ہے۔جدید کاسمولوجی، میں ابھی ابھی تحقیق سے اندازہ لگا ہے کہ کائنات (فضاٗ) میں (آسمانوں پر) مختلف حلقے ہیں، جو ایک دوسرے سے قوس کی صورت میں قطع کرتے ہیں ، جہاں راستے نکلتے ہیں۔یہ معلومات جیمز ویب، خلائی دوربین سے ملی ہیں۔انسانی معلومات بالکل ابتدائی درجہ پر ہیں۔ اس کا ذکر سورۃ مومنون آیت: 17 میں بھی ہے۔ان کے بارے یہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے احکامات کی تنفیذ میں ان کو استعمال کرتے ہیں اور جنات انہی پر گھات لگا کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔پھر ان پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہی صحیح جانتے ہیں۔انسانی معلومات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝۹ اس (قرآن) سے وہی (شخص) پھیرا جاتا جو پھیرا گیا۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ اٹکل پچو لگانے والے ہلاک کر دیئے جائیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱ جو لاپرواہ، غفلت میں پڑے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲ وہ پوچھتے ہیں، جزا (قیامت) کا دن کب ہوگا۔

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ جس دن، وہ آگ میں جلائے جائیں گے۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴

(کہا جائے گا) تم اپنا عذاب چکھو، یہ وہ عذاب ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے۔

کفار مکہ، کے کردار کا ذکر ہے۔یہ قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔اس لئے ان کے دلوں کو گمراہی کی طرف پھیر دیا گیا ہے اور جو لوگ، اسلام، نبی ﷺ اور قرآن مجید، کے خلاف ہرزہ سرائی (غلط باتیں) کرتے ہیں، وہ ہلاک ہوں گے۔اس وقت عرب معاشرے میں، کاہن لوگ، ستاروں وغیرہ کے حساب سے مختلف دعوے کرتے تھے، ان کا ذکر ہے۔کفار مکہ، نبی ﷺ کو بعض اوقات، کاہن، کبھی شاعر کہہ دیتے تھے۔ان کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ،

کاہنوں کے لئے ہلاکت، قرار دیتا ہے کیوں کہ وہ انسان کو نفسیاتی طور پر کمزور کر دیتے ہیں اٹکل پچو بھی لگاتے ہیں۔، یہ وصف اس کے نبی کے لئے کیسے ہو سکتا ہے۔ نبی ﷺ سچے نبی ہیں، کاہن یا شاعر یا مجنون نہیں ہیں۔ قریش (کفار مکہ)، اسلامی تعلیمات (نبی ﷺ کی تعلیم اور قرآن مجید)، سے لاپرواہ تھے۔ وہ قیامت پر بھی یقین نہیں کرتے تھے اور پوچھتے تھے کب آئے گی۔ ان کے لیے جواب ہے۔ جب وہ آگ میں جھونکے جائیں گے اور پریشان ہوں گے، تو ان سے کہا جائے گا، یہی عذاب تھا، جس کا وعدہ تھا اور تم جلد آنے کی تمنا کرتے تھے اور آج اس کو چکھو اور بھگتو۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾

بے شک متقی لوگ باغات اور چشموں (فواروں والے گھروں) میں ہوں گے۔

اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾

جو کچھ ان کا رب انہیں دے گا، وہ لے رہے ہوں گے۔ بے شک وہ اس سے پہلے نیک کام کرنے والے تھے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وہ رات کو بہت تھوڑا سوتے تھے۔

وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور وہ سحری کے وقت مغفرت (بخشش) مانگتے تھے۔

وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم (نہ مانگنے والا) شخص کا حق (حصہ) ہوتا ہے۔

متقی کے اوصاف:۔

اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کے بعد متقی لوگوں کے کردار اور ان کے اعمال کے بدلہ کا ذکر ہے۔ متقی لوگوں کے گھر گویا محل ہوں گے، جہاں باغ اور چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ دلفریب منظر ہو گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نیک اعمال کی جزا ہے۔ ان کے کردار و خصوصیات، کا ذکر ہے کہ دنیا کی زندگی میں وہ نیک اعمال کرتے تھے، یعنی محسنین (احسان کرنے والے تھے)، ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرتے اور اگر کوئی ان سے اچھا سلوک کرے، تو اس سے بڑھ کر اچھا بدلہ دیتے۔ اللہ کی محبت میں، وہ رات کو قیام یعنی عبادت کرتے ہیں اور تھوڑا سوتے ہیں پھر سحری کے وقت اللہ کی عبادت اور اس کے جلال کے پیش نظر استغفار کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے طریقہ عبادت کو پسند فرمایا۔ وہ پہلے حصہ میں سوتے تھے پھر اُٹھ کر عبادت کرتے پھر مختصر آرام کرتے۔ (بخاری/مسلم بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ)۔

سحری،یعنی فجر کے وقت عبادت و دعا کی قبولیت کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ایک حدیث کے مطابق،اللہ تعالیٰ،آسمان دنیاپر اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں۔رحمت اپنے کمال پر ہوتی ہے اور فرشتے ، بندوں سے مغفرت اور دعاؤں کے انتظار میں ہوتے ہیں،تاکہ سوال کرنے والے کو بخشش وعنایت کی جائے۔اس لیے،نبی ﷺ نے صبح جلد اُٹھنے (نماز) کو پسند اور دیر تک سونے کو ناپسند فرمایاہے۔**جدید طب میں بھی جلد سونے اور جلد اُٹھنے کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔** خصوصی طور پر دل کی امراض میں بہت ضروری ہے۔**اسی طرح صبح،دیر سے اُٹھنے کے نفسیاتی طور بہت نقصان ہیں۔یہ عادت،**مزاج میں چڑچڑاپن میں اضافہ کرتی ہے،اس کے بارے جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے۔اسی طرح سحری (وقت فجر) اُٹھنے کے عبادت و رحمت کے علاوہ طبّی فوائد ہیں۔ایک سروے کے مطابق جو جرمنی کی طبّی کانفرنس میں پیش کیا گیا،فالج کے زیادہ حملے رات گذرنے کے بعد فجر کے وقت ہوتے ہیں،کیونکہ رات کو پانی نہیں پیا جاتا۔خون کا دوران سست اور جسم کے ساکن ہونے کی وجہ سے دماغ تک خون پہنچنے میں مشکل کے سبب فالج کے حملے ہوتے ہیں۔

متقی افراد،کے عبادت کے معمول کے علاوہ ان کے نیک کاموں کا ذکر ہے۔ان کا ایک اہم،نیک عمل،جو افراد معاش کے ذرائع سے محروم ہیں،ان کے لئے ان کے مال میں حق (حصہ) ہوتا ہے۔قرآن مجید،میں متعدد مقامات پر مال کو فقراء و مساکین پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیاہے۔زکوۃ کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔یہ سورت مکی ہے،مکہ شریف میں زکوۃ کی معین مقدار یا رقم نہیں تھی کیونکہ زکوۃ کی متعین مقدار،ہجرت کے دوسرے سال،مدینہ شریف میں فرض ہوئی، لیکن خیرات اور صدقات کا عمومی حکم مکہ میں بھی تھا۔

شرعی زکوۃ،سے مراد،ایک نصاب (مال کی معین) مقدار ہے،جو کسی شخص کے پاس ہو اور اس پر پورا اسلامی سال (قمری) گذر جائے۔اس مال کا چالیسواں حصہ (2.5 فیصد) کسی ایسے شخص کو دے جو صاحب نصاب نہ ہو۔ مقروض ہو،معذور ہو اور محتاج ہو۔اسی طرح حیوانات،زرعی اجناس،معدنیات اور تجارتی اموال پر معین شرح سے فرض ہے اور اسلامی حکومت کو اس کے وصول کرنے کا حق ہے اور اس کے استعمال کے لئے بھی معین مدات (اخراجات کی جگہ) ہیں۔

محروم طبقات اور صدقات:۔

صدقات سے مراد فرض زکوۃ کے علاوہ،وہ عطیات ہیں جو انسانی فلاح کے لئے غرباء اور مساکین کو دیئے جاتے ہیں،اس آیت میں یہی مراد ہے۔سائل سے مراد سوال کرنے والا شخص ہے اور محروم سے مراد ایسے افراد ہیں جو ضرورت مند ہوتے ہیں،لیکن سوال نہیں کرتے۔محروم سے مراد،علماء نے انسانوں کے علاوہ حیوانات کو بھی لیا ہے۔

حیوانات کا خیال اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا، مالک کا فرض ہے اور کوئی حیوان پریشان ہو تو اس کا خیال کرنا بھی مسلمان کے لئے ضروری ہے۔بشرطیکہ وہ حیوان انسان کا دشمن نہ ہو۔احادیث میں جانوروں کے ساتھ بھی نیکی کی تاکید کی گئی ہے۔یہ اسلام کا اخلاقی نظام ہے۔انسانوں کی اہمیت تو بہت زیادہ ہے۔

نبی ﷺ نے بغیر ضرورت، مانگنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مال کو زیادہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا، وہ صرف انگاروں کا سوال کر رہا ہے۔خواہ سوال کم کرے یا زیادہ۔(المسلم/ابن ماجہ)۔

آیت میں **حق کے لفظ سے ایک اہم نکتہ**، یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص سائل یا محروم کو عطا کرتا ہے، تو وہ ان پر کوئی احسان نہیں کرتا، بلکہ ان کے مال میں اس کا حق ہے، جو ان حقداروں کو ادا کر رہا ہے اور اگر ان کو حق ادا نہیں کرے گا، تو وہ ظالم اور گنہگار ہوگا۔یہ اسلام کا فلاحی نظریہ معاشیات و معاشرت ہے۔جدید دنیا کے فلاحی ممالک اس طریقہ کو اپنا رہے ہیں۔

فقیر اور مسکین:۔

فقیر: اسلامی فقہ (قانون) میں جس شخص کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے صرف ایک دن کی خوراک ہو اور وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لئے کمانے پر قادر ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینا اور اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔لیکن اس کو سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے پاس اس دن کا خرچ موجود ہے اور کمانے کی قدرت رکھتا ہے۔

مسکین: مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس ایک دن کی بھی خوراک نہ ہو اور وہ کمانے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔اس کے لئے ایک دن کی خوراک کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

اگر آدمی صحت مند ہے اور کام کر سکتا ہے تو اس کا سوال ناجائز ہے اور اس کو دینے والا اگر اس کی حالت جانتا ہے تو وہ بھی گناہگار ہوگا کیونکہ ایک حرام (ممنوع) کام پر اس کی مدد کر رہا ہے۔جو شخص کمانے پر قادر نہ ہو یا علم کے حصول کی وجہ سے کما نہ سکتا ہو تو اس کو دینا جائز ہے (تفاصیل کتب فقہ میں موجود ہیں)۔ایک حدیث کے مطابق حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے قبیصہ: سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے کسی ایک کے لئے جائز ہے (۱): وہ شخص جو کسی کی طرف سے جائز ادائیگی کا کفیل ہو (ذمہ دار ہو اور اس کے پاس رقم نہ ہو)، اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ وہ کفالت کی رقم حاصل کرلے (تاکہ کسی کا قرض ادا ہو جائے)۔(۲): جس شخص پر کوئی ناگہانی آفت آجائے، جس کی وجہ سے اس کے سارے مال کا نقصان ہو جائے تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے تاکہ اس کی گذر اوقات کا سبب مہیا ہو جائے۔(۳): وہ شخص جو فاقے سے ہو اور اس کی قوم (جاننے والے) تین

معتبر شخص اس کے فاقہ زدہ ہونے کی گواہی دیں،اے قبیصہ !ان تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں سوال کرنا جائز نہیں اور اگر سوال کر کے کھائے گا تو وہ حرام کھائے گا(المسلم/ابوداؤد/النسائی)۔

وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾

اور یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں (بہت) نشانیاں ہیں۔

وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

اور خود تمہارے نفسوں (جسم) میں بھی (نشانیاں) ہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے؟

وَ فِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَ مَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّکُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم! یہ قرآن ضرور برحق ہے جیسا کہ تمہارا کلام کرنا (برحق) ہے۔

زمین کی نشانیاں:۔

قرآنی آیات کے مطابق زمین کو بنانے میں زیادہ عرصہ لگا ہے۔ زمین کی خاصیات ملاحظہ ہوں۔ سطح زمین زراعت کے لئے انتہائی موزوں ہے۔ پھر سطح زمین یعنی جغرافیہ کے لحاظ سے پہاڑ، دریا، میدان، وادیاں، صحراء، چشمے، جھیلیں اور سمندر ہیں۔ ہر ایک کے فوائد اور نظام پر علوم بنائے گئے ہیں۔ زمین کے اندر کے بارے، معدنیات، دھاتیں، تیل و گیس کے ذخائر ہیں، جن سے انسان فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ ابھی تک انسانی معلومات محدود ہیں۔ سمندر کی حالت، پانی کے فوائد، سمندری حیوانات، سمندر کا موسموں اور ہواؤں اور آکسیجن پر اثرات پر کئی علوم پیدا ہو چکے ہیں اور ابھی مکمل معلومات نہیں ہیں۔ اب ذرا زمین کے اوپر زندگی گزارنے والے حیوانات، چرندے، پرندے، رینگنے والے، اُڑنے والے، چھوٹے بڑے حیوانات، دوٹانگوں اور چار ٹانگوں اور کئی ٹانگوں والے حشرات سب کی تعداد بلین کے حساب سے ہے۔ ان پر کئی علوم بن چکے ہیں۔ زمین پر نباتات، پودے، پھل اجناس، بارش کا نظام اور خودرو پودے جو تمام جانداروں کو غذا مہیا کرتے ہیں۔ فضاء کی معلومات، بادل، بارش، ہوا کا دباؤ، برفباری، آندھی، ہواؤں کا چلنا، موسموں کی تبدیلی، رات دن کا مقصد اور فوائد، سارے امور انتہائی اعلیٰ نظام کے چل رہے کہ لاکھوں سال سے سارا نظام انتہائی مربوط طریقہ سے چل رہا ہے۔ پھر زمین، چاند، سورج اور دوسرے سیاروں کے فاصلے اور گردشیں، زمین کی کشش ثقل ہر ایک انتہائی اعلیٰ طریقہ سے کام کر رہی ہے۔ یہ سب اس کے خالق (پیدا کرنے والے) کی کاریگری ہے کوئی اتفاقی حادثہ نہیں۔ یہ انتہائی مختصر اشاریہ ہے۔ اس کی تفصیل میں لاکھوں کتابیں موجود ہیں اور یہ سب کچھ انسان کی بھلائی کے لئے

بنایا گیا ہے اور انسان ہی سب سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے والی مخلوق ہے۔

انسانی جسم وجان:۔

اللہ نے انسانی جسم و جان کے بارے بھی اپنی کاریگری، قدرت اور طاقت کا اظہار فرمایا ہے۔ سب سے پہلے انسانی نطفہ اور حمل ہے، جسے ہم Embroyology کہتے ہیں خود ایک علم کی صورت اختیار کر گیا ہے اور یہ انسان کی ہزاروں سال کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ پیدا ہونے کے بعد سے مرنے تک کے مراحل میں انسان کے اندر جسم کے خواص، جسم میں نمو یا بڑھنا، امراض کا پیدا اور خود بخود جسم کا دفاع ان کو ختم کرنا، جسم کا بڑھنا، عقل، علم، انسانی ڈھانچہ، اعضاء اب تو ہر ایک عضو مثلاً آنکھ، دل، نظام ہضم، جلد، ہڈیوں کے جوڑ، سر، سب ایک علیحدہ علم بن چکے ہیں۔ یہ سب کچھ اس خالق کی کاریگری ہے جس نے پہلے انسان کو پیدا کر کے سلسلہ پیدائش جاری کیا۔ انسان کو عقل و سمجھ اور اختیار، اس کرہ ارض پر انسان کی حکمرانی، یہ سارے امور ایک نظام کی طرف اور نظام ایک خالق کی طرف اشارے کر رہے ہیں۔

آسمان یعنی زمین پر فضاء اس میں گیسوں کا تناسب، ہوا میں بادل کی نمی، بارش، برفباری، ہوا کا دباؤ، علاقوں کے موسم، ہوا کی اچھال، بارش سے نباتات، اجناس، پودے اور پھل پیدا ہوتے ہیں، یہ اجناس اور پودے انسانوں اور حیوانوں کی غذا اور رزق ہیں۔ اسی طرح طوفان اور عذاب بھی آسمان فضاء میں سے آتے ہیں۔

پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ کلام جو تمہیں یہ سارے راز کھول کر بتا رہا ہے یہ صحیح اور سچا ہے اسی طرح جس طرح کسی انسان کا وجود و کلام ایک حقیقت ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝

(اے نبی) کیا آپ کے پاس ابراھیم کی گھر مکرم مہمانوں کی خبر آئی۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝

جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انہوں نے سلام کہا، اس (ابراھیم) نے بھی کہا تم پر سلام ہو (دل میں کہا) یہ تو اجنبی لوگ ہیں۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝

پھر وہ اپنے اہل (گھر) کی طرف گیا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا (بھون کر) لے آیا۔

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝

پھر وہ انہیں پیش کیا (اور) کہا تم کھاتے کیوں نہیں۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝

تب اس نے (دل میں) ان سے خوف محسوس کیا، انہوں نے کہا: تو نہ ڈر۔ اور انہوں نے بڑے ذی علم بیٹے کی بشارت دی۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾

پس ابراھیم کی بیوی (خوشی سے) چلاتی ہوئی سامنے آئی پھر اس نے (حیرانگی سے) اپنے گال پر ہاتھ تھپتھپایا اور کہا (میں) بانجھ بڑھیا ہوں (کیسے اولاد ہو گی)۔

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

انہوں نے کہا: تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا اور بہت جاننے والا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ آپ علیہ السلام کے پاس ایک دفعہ تین خوبرو نوجوان مہمان آئے جن کی خوبصورتی بے مثال تھی اور نئے چہرے یعنی اجنبی تھے۔ انہوں نے سلام کیا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بھی جواب دیا۔ شکل وصورت، جسامت سے حسین اور محترم نظر آتے تھے۔ مہمان نوازی ایک بہترین صفت ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام چپکے سے گھر گئے اور بغیر ان سے کھانے کے بارے پوچھے، ان کے لئے بچھڑے کا گوشت بھون کر لے آئے اور آگے رکھ دیا۔ فرشتے چونکہ نوری مخلوق ہیں اور مادی جسامت اور غذا کی حاجت سے پاک ہوتے ہیں (ضرورت نہیں ہوتی)، اس لئے انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اگر مہمان کے لئے کھانا لایا جائے اور وہ ہاتھ بھی نہ بڑھائے اور چکھے تک نہیں، تو میزبان کو ایک قسم کا دکھ ہوتا ہے کہ شاید کھانا پسند نہیں آیا یا مہمان خود ناراض ہے اور کھانا نہیں چاہتا۔ فرشتوں نے آپ علیہ السلام کے چہرے سے آپ کی اندرونی کیفیت و پریشانی محسوس کر لی اور کہا کہ ہم تو آپ کو اولاد (ایک صاحب علم) لڑکے کی خوشخبری دینے کے لئے آئے ہیں۔ ہمارا مقصد ملاقات تھا، کھانا نہیں تھا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اس وقت بوڑھے تھے۔ ان کی بیوی حضرت سارہ بھی بوڑھی تھیں اور ان سے اولاد بظاہر ناممکن تھی۔ جب ان کی بیوی نے یہ سنا تو وہ حیران ہوئی اور حیرانگی میں اپنے چہرے پر ہاتھ تھپتھپایا اور کہا یہ کیسے ہو گا۔ فرشتوں نے کہا، یہ اللہ کا حکم ہے اور یہ ہو کر رہے گا۔ اللہ کی ذات بڑے علم والی اور حکمت والی ہے وہ جس طرح چاہے اسی طرح ہوتا ہے۔

فرشتے انسانی صورت میں:۔

فرشتے روشنی سے پیدا ہوئے ہیں اور اس طرح جنات، آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ انسانی ارواح بھی جسم یا مادہ نہیں ہوتے بلکہ انرجی کی قسم ہے۔ (روح امر ربی ہے)، یہ وجود جو غیر مادی ہیں یہ ایک مثالی صورت اختیار کرتے ہیں

جس کی ایک مثال جدید ٹیکنالوجی نے تصاویر (امیجز) کو تھری ڈی فارم میں بنانا شروع کر دیا ہے جس میں صرف سایہ (لمبائی اور چوڑائی) کی تصویر کے ساتھ جسامت (موٹائی) بھی شامل کی جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ وجود پورا کا پورا موجود ہے لیکن وہ مادی (جسمانی) نہیں ہوتا بلکہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے ذریعہ ایک صورت حقیقت کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ ہالو گرام Hologram ٹیکنالوجی ہے۔ یہ انسان کا ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نظام بہت اعلیٰ ہے جس کے بارے ہمارے علم میں کچھ بھی نہیں۔ ایسے ہی مثالی اجسام صوفیاء کرام نے اپنی کتب میں ملاقاتوں کے سلسلہ میں ذکر کئے ہیں اور قرآن مجید میں بھی فرشتوں نے انسانی بھیس (مثالی جسم) حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے نظر آئے اور بات چیت کی گئی۔

ستائیسواں پارہ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ اس (ابراھیم) نے کہا: اے قاصدو (فرشتو)! تمہارا مقصد کیا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

انہوں (فرشتوں) نے کہا بلاشبہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر (کھنگر) برسائیں۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾

جو آپ کے رب کے ہاں حد سے گذرنے والوں (مجرموں) کے لئے نشان زدہ ہیں۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ پھر وہاں جو بھی مومن تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک گھرانہ پایا۔

وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

اور ہم نے وہاں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے خوف کھاتے ہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرشتوں سے خوشخبری سننے کے بعد سوال کیا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں، کیونکہ نور نبوت سے ان کا خیال تھا کہ تین فرشتوں کا آنا کوئی اور اہم مقصد ہے۔ اولاد کی خوشخبری تو ایک بھی بتا سکتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ قوم لوط کو عذاب دینے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اس کے برے اعمال اور حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ سے انکار پر یہ سزا دی ہے۔ گرم پتھروں سے ان پر بارش ہو گی اور وہ وہیں ختم ہو جائیں گے۔ ہر مجرم کے لئے پتھر معین ہے جو اس کو ہلاک کر دے گا۔ اور جو مسلمان اور حضرت لوط علیہ السلام کے پیروکار تھے اللہ تعالیٰ نے ان

کو بچا لیا ہے لیکن آپ علیہ السلام کی بیوی چونکہ کفار سے تعلق رکھتی تھی اور معلومات دیتی تھی اس لئے وہ بھی ہلاک ہو گئی اور ساری بستی انسانوں کے درس عبرت بن گئی۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں بحر مردار (Dead Sea) واقع ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

وَ فِیْ مُوْسٰۤی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾

اور موسیٰ (کے قصے) میں (نشانی) ہے جب ہم نے اسے فرعون کی طرف ایک واضح (بڑے) معجزے کے ساتھ بھیجا۔

فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

وہ (فرعون) اپنی قوت کی وجہ سے حق سے منہ موڑا اور کہا: موسیٰ جادو گر ہے یا دیوانہ ہے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾

پھر ہم نے اسے (فرعون) اور اس کے لشکروں کو (عذاب میں) پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا جبکہ وہ قابل ملامت (کام کرتا) تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے۔ جس کو پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ آپ علیہ السلام کے معجزات (ہاتھ کا چمکنا، عصا کا اژدھا بن جانا) کے ساتھ فرعون کے پاس گئے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت کی اطلاع دی۔ خدائی کے دعویٰ سے منع کیا، لیکن فرعون اپنی ضد اور تکبر میں رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیوانہ اور جادو گر کہا۔ اس نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل جو شہر سے نکل گئے تھے، پکڑنے کی کوشش کی اور دریا پار کرتے ہوئے بمعہ لشکر کے غرق ہو گیا۔ یہ اس کے برے اعمال اور معاشرے میں ظلم و ستم کی سزا تھی۔

وَ فِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾

اور عاد (کے قصے) میں نشانی ہے۔ جب ہم نے ان پر بے برکت آندھی بھیجی۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾

وہ جس چیز پر سے گذرتی اسے گلی سڑی ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔

وَ فِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾

اور ثمود کے قصے میں (نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا کہ ایک وقت (مہلت) تک فائدہ اُٹھاؤ۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی تو انہیں کڑک تباہ کر دیا جب وہ دیکھ رہے تھے۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

پھر نہ توان میں اٹھنے کی سکت تھی اور نہ کسی سے مدد حاصل کر سکتے تھے۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اس سے پہلے قوم نوح کو (ہلاک کیا) بے شک وہ نافرمان تھے۔

آیات میں کفار مکہ اور ان افراد کو جو اللہ کی قوت سے منکر ہیں، تباہ شدہ اقوام کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ قوم عاد نے بھی اپنے نبی کی تعلیمات سے انکار کیا اور شدت سے مخالفت کی تو ان پر شدید آندھی آگئی جو کئی دن تک جاری رہی اور تمام ذی روح تباہ ہو گئے۔

اسی طرح قوم ثمود نے بھی اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا لیکن وہ ایمان نہیں لائے اور معجزہ والی اونٹنی کو قتل کر دیا پھر تین دن کے بعد کڑک اور زلزلہ کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح قوم نوح بھی سیلاب کے ذریعہ تباہ ہوئی۔ یہ ساری قومیں فاسق تھیں۔ کفار مکہ کو وارننگ دی گئی کہ وہ اپنی مخالفت چھوڑ دیں اور اللہ کے احکام اور اس کے نبی کی تعلیمات پر عمل کریں۔

اگلی آیات میں اللہ کی عظمت کا ذکر ہے۔

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے آسمان کو (اپنے ہاتھ) قدرت سے بنایا اور بے شک ہم وسیع کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے زمین کو بچھایا تو ہم کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں۔

وَ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

آسمان میں توسیع:۔

آیات فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں۔ مختلف معانی ہیں اور تمام معانی صحیح ہیں۔ ہم نے آسمان کو خود بنایا (ہاتھوں سے) اس کا ایک مفہوم اپنی قوت سے بنایا اور اس میں ہم توسیع کرنے والے ہیں یعنی اس کی وسعت کر سکتے ہیں۔ اس کی وسعت میں آسمان سے آنے والے امور مثلاً بارش، آندھی، طوفان، برفباری، بادل ان سب میں توسیع کر سکتے ہیں۔

اس کی ایک تعبیر جدید کاسمولوجی میں نظریہ ہبل لاء (ہبل قانون) ہے۔ ایڈون ہبل

(Edwin Hubble)(1929) جو ایک امریکی ماہر فلکیات تھا، اس نے نظریہ لکھا کہ تمام اجرام فلکی فضاء میں ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں یعنی کائنات پھیل رہی ہے۔ اس کے مطابق ان کی ایک دوسرے سے دور بھاگنے کی رفتار کا ان کے جسم (جسامت) اور آپس کے فاصلہ کا تعلق ہے۔ یہ بیسویں صدی کا بڑا اہم فلکیاتی اصول مانا گیا ہے۔ اسی سائنسدان کی یاد میں دنیا کی بڑی عظیم دوربین کا نام ہبل (Hubble) ہے۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی آیت کی جدید فلکیات بھی اب تصدیق کر رہی ہے۔ ایک بہت مشہور سائنسدان سٹیفن ھاک نے بھی اپنی کتاب (وقت کی مختصر تاریخ Brief History of Time) میں توسیعی کائنات Expending Universe کا ذکر بطور اہم نظریہ کیا ہے۔

زمین کا پھیلاؤ:۔

زمین کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے بھی زمین کا ذکر اور اوصاف گذر چکے ہیں (آیت: 20) اور زمین پھیلی ہوئی ہے تاکہ انسانوں کو آسانی ہو۔ یہ پھیلاؤ اس کی کروی (دائیری)) شکل کی منافی نہیں، جو کہ خلائی سیاروں کی تصویر سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے اوپر پہاڑ اور سمندر ہیں۔ میدان و صحراء اور جنگل ہیں۔ جہاں انسان بستے اور فائدے اُٹھاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کمال و قوت کا مظہر ہے۔ تمام اشیاء اور موجودات زمین کی کشش ثقل، کی وجہ سے زمین پر ہی رہتے ہیں، اس لئے مادہ کم نہیں ہوتا کا نظریہ ہے، اور دوبارہ وہی اشیاء استعمال ہوتی ہیں، جیسے پانی بخارات سے اٹھتا ہے پھر برستا بھی ہے۔ جنگلات ختم ہوتے ہیں اور پھر پیدا ہوتے ہیں۔ انسان ختم ہوتے ہیں پھر پیدا ہو رہے ہیں۔ کہیں زمین پھیل رہی ہے کہ نئے جزیرے نکل رہے ہیں، گلیشئر ختم ہو رہے اور زمین نکل رہی ہے۔ ایک اطلاع جو کہ خلائی سیاروں سے ملی ہے کہ براعظم افریقہ کے اندر دراڑ پڑ رہی ہے اور لگتا ہے کہ ان کے درمیان سمندر کا پانی آجائے گا اور یہ خشکی کا حصہ (براعظم) دو حصوں میں تبدیل ہو جائے گا۔ شاید اس میں کئی سو سال لگیں۔ یہ افریقہ کے ایتھوپین صحراء کے درمیان سے ہو رہا ہے۔ 2005 سے یہ کریک بڑھ رہا ہے (Jerusalem Post March 22, 2023) جس کی وجہ ٹیٹانک پلیٹ میں فرق آنا کہا جاتا ہے لیکن یہ سارے امور اور تبدیلیاں ایک خالق کی دلیل ہے جو اپنی بنی ہوئی چیز میں تبدیلی کرتا ہے۔

کائنات میں جوڑے:۔

اللہ کی مخلوق کا ایک اور مظہر، ان کے جوڑے ہیں، جو ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہیں۔ حیوانات، پرندوں میں مذکر و مونث ہیں۔ اسی طرح درختوں اور نباتات میں بھی نر پولن اور مادہ پولن ہیں، جن کے ذریعہ دوبارہ پیدائش کا عمل ہوتا

ہے۔ یہی حال رینگنے والے جانوروں کا اور پانی میں رہنے والے جانوروں کا بھی ہے۔ یہی حشرات الارض میں ہے کہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جوڑے علامات و وضاحت کے ہیں۔ رات و دن (اندھیرا۔ روشنی)، گرمی و سردی، بہار و خزاں، بلندی و پستی وغیرہ۔ انسانوں کے کردار میں تنوع ہے جو کہ جوڑوں کی طرح متضاد ہیں، جس سے ان کا احساس ہوتا ہے مثلاً بہادری، بزدلی، سخاوت، کنجوسی، علم، جہالت، محبت و نفرت۔ مختلف طاقت (انرجی) کے مظاہر بھی ہیں مثلاً مثبت اور منفی برقی کرنٹ، مقناطیس کا شمالی حصہ اور جنوبی حصہ، جذب کی قوت، مرکز کی طرف اور اور مرکز سے بھاگنے والی، ہر ایٹم میں مثبت چارج اور اس کے مقابل منفی چارج موجود ہے۔ ہر عمل کا رد عمل بھی ہے اور پھینکنے (دور کرنے) کی قوت اور بھی کتنی چیزیں جن کا انسان کو علم نہیں۔ یہ سارے ایک طرح جوڑے اور ایک خالق کے وجود کے دلائل اور ثبوت ہیں، لیکن انسان بد قسمتی سے خالق کی طرف غور نہیں کرتا، بلکہ ان کے فائدے کو ہی ضروری سمجھتا ہے اور اُٹھاتا ہے۔ قرآن مجید نے یہ علمی دلائل غور و فکر کے لئے دیئے ہیں۔ مسلمانوں کو اگے علوم میں اضافہ کرنا ہوگا۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ لہٰذا تم اللہ کی طرف دوڑو (جلدی کرو) بے شک میں (نبی) تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۱ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، بلاشبہ میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝۵۲ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو بھی رسول آیا تو انہوں نے پس یہی کہا کہ (یہ رسول) جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۵۳ کیا وہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ (سب) سرکش ہیں۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝۵۴ لہٰذا آپ ان سے پھر (بے پرواہ ہو) جائیں تو آپ پر کچھ ملامت نہیں۔

ذکر کی اہمیت:۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بیان کے بعد کفار (انکار کرنے والوں) کی ہٹ دھرمی اور ضد کو دیکھتے ہوئے نبی ﷺ کی طرف سے ان کو پیغام دیا جارہا ہے کہ اللہ کی طرف جلد دوڑ کر معافی مانگو۔ اس کے احکام پر عمل کرو اور عذاب سے اس کی پناہ طلب کرو تاکہ بچ جاؤ اور میں تمہیں بار بار عذاب سے ڈرانے والا اور بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو

اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ڈرانے کے بارے دوبارتاکید کی ہے، کیونکہ انسان، شیطان اور خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔ مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی اور مخالفت کے پیش نظر، یہ فرمایا کہ اس سے پہلے امتوں جن کا ذکر ہو چکا ہے، وہ بھی، ڈرانے والے انبیاء کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بجائے انہیں جادو گر یا دیوانہ کہتی تھیں اور یہ طریقہ ہمیشہ اسی طرح رہا ہے۔ گویا ہر گمراہ امت نے آنے والی امت کو وصیت کی ہے کہ انبیاء ورسولوں کی مخالفت کریں۔ان کے اس رویہ پر آپ دل برداشتہ نہ ہوں اور ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ان کے انکار کی وجہ سے آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ادائیگی فرئضہ میں کوتاہی نہیں، بلکہ انسان کے اختیار کی وجہ سے اس کا عمل برا ہے۔ یہ ہدایت تمام مبلغین کے لئے ہے کہ تشدد نہ کریں نہ مایوس ہوں۔ بس اپنی تبلیغ پر کوشش مرکوز کریں اور لوگوں کے انکار کی پرواہ نہ کریں، کیونکہ سرکش ہی انکار و مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنے کی مثال مسلمانوں کے لئے بھی اہم ہے۔چند بزرگان کی تعبیر: (۱): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے گناہوں سے اس (اللہ) کی طرف توبہ کے لئے بھاگو یا برے کام چھوڑ کر نیک کاموں کی طرف بھاگو۔ (۲): الحسین بن الفضل نے کہا: اللہ سے غافل کرنے والی ہر چیز سے احتراز کر کے اللہ کی طرف آؤ۔ (۳): ابو بکر الوراق نے کہا: شیطان کی اطاعت سے بھاگ کر اللہ کی فرمانبرداری کی طرف آؤ۔ (۴): سہیل بن عبداللہ تستری نے کہا: اپنے نفسوں کی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف دوڑو اور اپنی تدبیر پر اعتماد (کلی) نہ کرو اللہ کی تقدیر کی طرف دوڑو (اعتماد کرو)۔ (۵): حضرت جنید بغدادی نے کہا: شیطان گناہ اور برائی کی طرف دعوت دیتا ہے تم اس کی دعوت کو مسترد کر کے، اللہ کے احکام کی اطاعت کی طرف دوڑو، وہ تم کو شیطان کے بہکاوے سے محفوظ رکھے گا۔ (۶): ذوالنون مصری نے کہا: جہل سے علم کی طرف بھاگو اور کفر سے شکر کی طرف دوڑو۔

یہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا
(اقبال)۔

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور آپ (اے نبی) نصیحت کرتے رہیں اس لئے کہ نصیحت مومنوں کو بے شک نفع (فائدہ) دیتی ہے۔

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اور میں نے جن اور انسان اسی لئے تو پیدا کئے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔

مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

بے شک اللہ، خود رزق دینے والا ہے۔ بڑی قوت والا نہایت ہی طاقتور ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

پھر بے شک جن لوگوں نے ظلم کیا، ان کے نصیب میں (عذاب) ہے، جیسا ان کے ساتھیوں کے نصیب میں (تھا)۔ لہٰذا وہ مجھ سے عذاب جلدی نہ مانگیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

چنانچہ کافروں (انکار کرنے والوں) کے لئے ان کے اس دن (کے آنے) سے تباہی ہے۔ جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔

انسانی پیدائش کا مقصد:۔

انکار کرنے والے افراد کے رویہ کے بعد مومنوں کے احوال کا ذکر ہے۔ انکار کرنے والے اور ظلم کرنے والوں سے رو گردانی یا درگذر کرنے کے بعد اہل ایمان کو تبلیغ وہدایت کی تاکید کی گئی ہے۔ اس ہدایت و تبلیغ سے ان کے دل وایمان و محبت الٰہی سے لبریز ہوں گے، لہٰذا ان کو تبلیغ جاری رکھی جائے۔ ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کو عظمت و قوت اور خلافت الٰہی اس لئے دی گئی ہے، کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانے اور اس کی عبادت کرے۔ یہی اس کی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہے اور اس مقصد کے لئے اسے عقل دی اور وہ ارادہ سے ہدایت کا راستہ یا شیطان و ظلم کا راستہ، جو بھی اختیار کرنا چاہے، کرے۔ اس کو اس کے اختیار اور اعمال پر انعام یا سزا ملے گی جو اس زندگی کے بعد نافذ ہوگی۔

جنّ بھی اللہ کی ناری (آگ سے پیدا شدہ (انرجی کی صورت)) مخلوق ہیں۔ عقل و سمجھ رکھتے ہیں۔ مادی جسم نہیں رکھتے، لیکن شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ جنّوں کو بھی اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عقل کے مطابق اللہ کے احکام یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی، اس کے احکام پر عمل کریں اور شیطان کے پیچھے نہ چلیں۔ وہ بھی اسی اختیار اور عمل کی بناء پر جنت (انعام) یا دوزخ (سزا) کے حقدار ہیں۔ جن چونکہ آگ سے ہیں اور شیطان بھی آگ سے ہے اس لئے اکثر شیطان کی پیروی کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جہنم میں زیادہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا استحقاق، انسانوں کو پیدا کرنے اور زمین پر تمام سہولتیں مہیا کرنے مثلاً رزق، زندگی، عقل، علم و جسم کی قوت عطا کر کے مختلف کام کرنے کی صلاحیت کی بناء پر کیا ہے۔ اللہ نے عبادت کے لئے اس لئے نہیں حکم دیا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت میں کوئی اضافہ کر سکتا ہے، بلکہ اللہ کی ذات پہلے ہی بہت عظیم ہے اور تمام

کائنات میں زندہ رہنے والوں کو ان کی زندگی کے لئے رزق واسباب مہیا کئے ہیں۔اللہ کی ذات، بڑی قوت وطاقت والی ہے۔لہٰذا اس کا معبودیت (عبادت کروانے) کا حق ہے، جو اللہ کی عبادت اور احکام سے انکار کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔اس کی سزا پائیں گے۔دنیا میں بھی عذاب ہو سکتا ہے جس طرح پرانی نافرمان اقوام کو ہوا اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہو گا ۔جس کا اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اور اس کے نبی نے وعدہ کیا ہے۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی طاقت کے مظاہر سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام اللہ کی عبادت واحکام سے انکار کرنے والوں کو وعید اور سزا کے اعلان پر ہوا ہے۔

الحمدللہ آج بروز 26 اپریل 2023 بروز بدھ کو سورت الذاریات مکمل ہوئی۔اللہ تعالیٰ پوری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

سورۃالطور- 52

تعارف:۔

سورت،مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کادور وسطی مکی دور ہے، جس میں مشرکین مکہ کی مخالفت عروج پر تھی۔ سورت کانام اس کے پہلے لفظ ''والطور'' کے سبب ہے۔ سورت میں انچاس(49)آیات اور دو(2)رکوع ہیں۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کانمبر باون(52)ہےاور ترتیب نزول کے لحاظ سے پچھتر(75)ہے۔

ابتداء میں قیامت اور عذاب جہنم اور حساب وکتاب کی تاکید ہے۔قریش مکہ کے منفی رویہ،قرآن مجید اور نبی ﷺ کی نبوت سے انکار کرنے کی تردید کی گئی ہے۔ جہنم اور جنت کا موازنہ کیا گیا تاکہ پڑھنے والا،سیدھاراستہ اور کامیابی کواختیار کرسکے۔انسانی اعمال کی اہمیت کو واضح کیاہے۔

قرآن مجید کو اگر کفار نہیں مانتے، تواس کی مثال لاکر دکھائیں۔ نبی ﷺ کو تسلی دلائی گئی اور انکار کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی۔اللہ کی عبادت کی تاکید کی گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ قسم ہے طور(پہاڑ)کی۔

وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اور(قسم ہے)کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔

فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ پھیلے ہوئے باریک کاغذ(جلد)پر۔

وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾ اور قسم ہے بیت معمور(بھرے ہوئے)کی۔

وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾ اور اونچی چھت کی(قسم ہے)۔

وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾ بھڑکائے ہوئے سمندر کی(قسم ہے)۔

سورت کی ابتداء، بڑے اہم موجودات سے کی گئی ہے۔ جو کائنات میں بہت اہم ہیں۔ان کے ذکر کے ساتھ قسم کااظہار کیا گیاہے۔ جس سے جواب قسم کی اہمیت کااظہار ہوتاہے۔

الطور،کا معنی سریائی زبان میں پہاڑ ہے۔ بعض نے کہا،سبز پہاڑ ہے۔اس سے مراد وہ پہاڑ ہے, جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سرفراز ہوئی تھی اور اللہ سے ہمکلام ہوئے۔پہاڑ کے محل وقوع میں دو رائیں ہیں, پہلی،مدین

کے علاقہ میں ہے اور دوسری رائے میں صحرائے تیہ اور سیناء کے علاقہ میں ہے۔ایک حدیث کے مطابق جبل طور، جبل جودی، جبل احد اور جبل لبنان (شام) ، اللہ ، کے پیارے پہاڑ ہیں ،کیونکہ ان کے ساتھ اللہ کے پیاروں، رشد وہدایت کے واقعات منسلک ہیں۔دوسری قسم،کتاب کی ہے۔مسطور کا لفظ سطر سے بنا ہے،یعنی حروف ایک ترتیب میں جڑے ہیں۔اس سے مراد کتب الٰہیہ ہیں۔تورات،انجیل،زبور اور قرآن مجید ہے۔قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے، جس کو نبی ﷺ نے اپنی نگرانی میں تحریر کروایا۔کتاب کی تعریف،میں اس کے ورق کے صفت بیان کی گئی ہے کہ بہت باریک جھلی (کھال جو کہ عموماً ہرن کی ہوتی تھی)پر تحریر شدہ ہے۔کتاب سے مراد لوح محفوظ بھی لی گئی ہے۔ بعض نے انسانی اعمال نامے لئے ہیں،جو لکھے جاتے ہیں اور قیامت کو کھول کر دکھائے جائیں گے۔زیادہ مناسب انسانی اہمیت کے لحاظ سے قرآن مجید ہے،جو ہدایت کی تکمیل ہے۔

بیت معمور:۔

''بیت معمور'' بھرا ہوا گھر، جس سے مراد آسمانوں پر ایک عبادت گاہ ہے،جو کہ بیت اللہ (کعبہ) کے اوپر واقع ہے، جہاں ہر وقت فرشتے طواف وعبادت کرتے ہیں۔ایک قول کے مطابق،ہر آسمان پر ''بیت معمور'' عبادت گاہ ہے۔ایک مراد بیت اللہ ہے،جو ہر وقت طواف اور عبادت کرنے والوں سے بھرا رہتا ہے۔

السقف، چھت کی قسم کھائی ہے۔اس سے مراد آسمان ہے،جو کہ زمین پر چھت کی مثال ہے۔زمین چونکہ کروی اور فضاء میں معلق ہے،اسی لئے آسمان نے اسے ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔

بحر مسجور:۔

آخری قسم، سمندروں کی ہے، وہ جو بھڑکائے ہوئے ہیں۔ جس طرح تنور بھڑکتا ہے۔اسی طرح سمندر کے بھڑکنے کے دو مطالب ہیں، کہ پانی سے بھڑک رہا ہے اور بھرا ہوا ہے۔ایک روایت ہے کہ اس میں قیامت کو جب خشک ہو جائے گا،تو آگ بھڑکے گی۔ سمندر کی اہمیت، ہیبت، خشکی سے زیادہ ہے۔زمین پر زیادہ حصہ (2/3 حصہ) سمندر ہے۔ جس میں خشکی واقع ہے۔ دراصل ساری خشک زمین ایک جزیرہ ہے۔ جسے سمندروں نے گھیرا ہوا ہے۔اس کے اندر مخلوقات،اس کا نمکین پانی ہے۔اس کی زمین اور انسانی زندگی میں اہمیت، بہت زیادہ ہے۔ جس کی وجہ سے قسم کھائی گئی ہے۔یہ تمام موجودات،کائنات میں انتہائی اہم ہیں،اس لئے ان کی قسم کھا کر آگے آنے والے جواب قسم کا ذکر ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے۔

مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ جس دن آسمان زور سے حرکت کرنے لگے گا(گھومے گا)۔(وہ واقعہ ہوگا)۔

وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾ اور پہاڑ تیزی سے چلنے لگ جائیں گے۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ چنانچہ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت/تباہی ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿۱۲﴾ جو بے ہودہ کھیل میں پڑے ہوئے ہیں(حق کا مذاق اُڑاتے ہیں)۔

پیچھے پانچ امور کی قسم، کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا عذاب یعنی روز قیامت واقع ہوگا اور جو انکار کرتے ہیں وہ غلط ہیں۔اس کو کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔اس وقت، جس نے ساری زمین کو گھیرا ہوا ہے، وہ گھومنے لگے گا، یعنی آسمان کے اندر ستارے اور سیارے اپنے مداروں سے نکل جائیں گے، گھومیں اور ٹکرائیں گے۔پہاڑ، رائی کی طرح اڑیں گے۔یہ بڑا خوفناک منظر ہوگا اور آج جو اس دن سے انکار کرتے ہیں، ان کے لئے عذاب و ہلاکت ہوگی۔آج تو وہ مہلت کی وجہ سے حق کا مذاق اُڑاتے اور انکار کرتے ہیں لیکن اس دن اس میں پھنس جائیں گے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾

جس دن انہیں سختی سے دھکے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾

(کہا جائے گا) یہ وہ آگ ہے(عذاب) جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿۱۵﴾ کیا پھر یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھتے ہی نہیں؟

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

تم اس(دوزخ) میں داخل ہو جاؤ۔اب تم صبر کرو یا نہ صبر کرو تمہارے لئے برابر ہے۔بس جو تم عمل کرتے تھے اسی کی سزا دی جائے گی۔

اس دنیا میں، جو قیامت اور حساب و کتاب کو جھٹلاتے ہیں، اللہ کے احکام سے منکر ہیں، ان کو دھکے دے کر فرشتے دوزخ میں دھکیلیں گے اور کہیں گے کہ ان کے اعمال اور انکار کی یہ سزا ہے، جس کو وہ جھٹلاتے تھے۔آج حقیقت ہے اور تم چیخو، پکارو، تم نے اس سزا کو بھگتنا ہے، جو تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے۔یہ کوئی ظلم یا زیادتی نہیں، بلکہ عدل ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ۙ﴿۱۷﴾

بے شک متقی لوگ باغات اور نعمتوں میں ہوں گے۔

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾

پس وہ ان چیزوں سے لطف اٹھا رہے ہوں گے جو ان کے رب نے انہیں دیں اور ان کے رب نے انہیں جہنم کے عذاب سے بچالیا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

(انہیں کہا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ اور پیو، ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

جب کہ وہ باہم برابر بچھے تختوں (مسہری) پر تکیے لگائے ہوں گے اور ہم انہیں خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے جوڑا بنادیں گے (مل کر رہنا)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ پیروی کی، تو ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان سے ملادیں گے اور ہم ان کے عمل سے کچھ کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا اسیر ہے۔

برے اعمال کی وجہ، سے سزا پانے والوں کے ذکر کے بعد، جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں (متقی ہیں)، ان کے انعام اور جزا کا ذکر ہے تاکہ قاری دونوں کی کارکردگی کے نتیجے سے آگاہ ہو کر صحیح اعمال کا فیصلہ کرے۔

جنت میں خدام (خادم):۔

نیک لوگ، محلات میں رہیں گے، جہاں باغات اور سارے آرام و آرائش کی زندگی ہو گی۔ وہ جہنم سے بچنے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہوں گے۔ انہیں تمام نعمتیں مہیا کی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ ان کا فائدہ اُٹھاؤ، کیونکہ دنیا کی زندگی میں تمہارے نیک اعمال، تکالیف پر صبر، اللہ کے احکام پر عمل، مخلوق پر رحم و مدد، کی وجہ سے یہ انعام و اکرام ہے۔ ان کے بیٹھنے کے لئے گاؤ تکیے، مسہریاں اور صوفے ہوں گے۔ وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ، جو ان کے ساتھ نیک اعمال میں شریک تھے لطف اندوز ہوں گے۔ ان کی خدمت کے لئے خوبصورت آنکھوں اور شکل والی، دوشیزاؤں کو ان کے ساتھ جوڑ دیا جائے، جو ان کی خدمت کریں گی۔ یہاں زوجہ سے مراد، جوڑا ہے، کچھ مترجمین اس سے نکاح مراد لیا ہے۔ لیکن متقین (نیک لوگوں) کی اپنی نیک بیویاں بھی ساتھ ہوں گی، جو منکوحہ تھیں۔ جنت کی زندگی میں انسانی ہوس

اور عیوب نہیں ہوں گے۔چونکہ پیشاب(چھوٹا یا بڑا) نہیں ہوگا۔اسی طرح جنسی خواہشات کا معاملہ بھی نہیں ہوگا،البتہ محبت والفت،لطف وسرور کی کیفیات ہوں گی اور وہ بھی ملاقاتوں اور کھانے پینے سے ہوں گی۔جس طرح کہ شراب سے کوئی نشہ نہیں آئے گا اور نہ بدبو ہوگی اور نہ ہی غذا میں تعفن(بدبو) پیدا ہوگا اور نہ ہی غذا سے فضلہ پیدا ہوگا۔

اعمال کی اہمیت:۔

ایک اور اہم قانون بیان کیا گیا ہے،جو تمام انسانوں کے لئے ہے اور عدل خداوندی کا مظہر تمام ہے" **کل امر بما کسب رھین** " ہر شخص اپنے اعمال کا اسیر ہوگا۔اس کو سمجھنے کے لئے،ایک مثال ہے کہ آدمی،کسی کو کوئی نعمت،دولت دیتا ہے تو اس کے بدلے اس سے کوئی ضمانت لیتا ہے۔پھر تکمیل پر ضمانت یا،رھن شدہ،چیز واپس کردی جاتی ہے۔یہی اصول تمام انسانوں کے لئے اللہ کی نعمتیں ہیں،جو اس نے دنیا کی زندگی میں،ہمیں عطا کی ہیں اور ہم ان سے پورا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔زمین پر اشرف المخلوقات ہونے سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔اس کے بدلے اللہ کے احکام کی پیروی ،بطور ضمانت ہے اور یہ قیامت کو اعمال کی صورت میں پیش نہ کی گئی تو پھر سزا ہے اور وہ جہنم ہے۔یہ سب انسانوں کے لئے ہے۔کافر اگر اچھے کام کریں گے تو عدل الٰہی کے تحت انہیں دنیا یا آخرت میں معاوضہ دیا جائے گا اور حقوق اللہ میں سزا پائیں گے۔اسی طرح مسلمان اگر نیک اعمال اور حقوق العباد کا خیال نہیں کریں گے تو وہ اس کی سزا دنیا یا آخرت میں پائیں گے۔ایمان یا حقوق اللہ کی ادائیگی کی بدولت سزا کے بعد ان کو جنت میں جگہ دے دی جائے گی۔یہی وجہ ہے کہ گنہگاروں کے ساتھ بھی برے عمل کی جزا کا ذکر ہے اور نیک کاروں کو بھی ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دیا گیا ہے۔

ع عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

ہم انہیں پھل اور گوشت وافر مقدار میں جس طرح وہ چاہیں گے دیں گے۔

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَ لَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾

وہ وہاں(جنت میں) جام(شراب کے چھلکتے ہوئے) ایک دوسرے سے جھپٹ رہے ہوں گے۔ اس(شراب) میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ کوئی گناہ۔

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

اور ان(کی خدمت) کے لئے ان کے ارد گرد نو عمر خدام پھر رہے ہوں گے(ایسے حسین) جیسے وہ چھپا کر رکھے گئے موتی ہیں۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہ(اہل جنت)ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم حال پوچھیں گے۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

وہ(اہل جنت)کہیں گے بلاشبہ(اس سے)پہلے اپنے اہل وعیال میں خوفزدہ رہتے تھے۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ نے ہم پر احسان کیااور ہمیں(دوزخ کی گرم)لو کے عذاب سے بچالیا۔

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

بے شک ہم پہلے ہی اس(اللہ)کو پکارا کرتے تھے،بے شک وہی خوب احسان کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اہل جنت کی زندگی کی منظر کشی کی گئی ہے۔دنیا کی جس قدر نعمتیں جن کے لئے انسان پوری تگ ودو کرتا ہے ان کا ذکر،صرف سمجھانے کے لئے ہے۔ورنہ جنت کی حقیقت بہت اعلیٰ ہے،جو بیان سے باہر ہے۔اہل جنت کو ہر قسم کی لذیذ غذا میسر ہو گی،جس طرح وہ خواہش کریں گے۔پھر مشروبات ہوں گے،جن میں اعلیٰ ذائقہ ہو گا اور ان کے پینے سے سرور آئے گا،لیکن ذہنی پسماندگی اور ہرزہ سرائی نہیں ہو گی۔ہوش وحواس قائم رہیں گے اور بڑے طنز ومزاح کے موڈ میں دوست آپس میں دل لگی کر رہے ہوں گے۔انتہائی اطمنان وسرور کی کیفیت ہو گی۔آپس میں ایک دوسرے کے احوال پوچھیں گے۔دنیا کے تذکرے ہوں گے۔ان کی خدمت کے لئے نوجوان(نوخیز)موجود ہوں گے،اگرچہ جنت میں تھکان نہیں ہو گی،لیکن شان واحترام میں یہ خوبرو نوجوان خدمت کے لئے موجود ہوں گے۔نوجوان کا مقصد جسم کی توانائی اور دلکشی ہے جو جوانی میں ہی ہوتی ہے۔ان کے بارے مختلف آراء ہیں۔(۱):یہ وہ اولاد ہو گی جو بلوغت سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے تھے،لہٰذا دوبارہ والدین کے ساتھ نوخیزی کی عمر میں ہمیشہ رہیں گے تاکہ والدین کو تسکین ہو۔(۲):ایک رائے کے مطابق جنت کی مخلوق ہو گی،جو انتہائی خوبصورت اور نوخیز ہی رہے گی۔اہل جنت آپس میں دنیا کی تکالیف اور امتحان کا ذکر کریں گے کہ ان کو اپنی زندگی میں کتنے مصائب اور پریشانیوں سے گذرنا پڑا،جو ان کی معاشی و سماجی یا اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں پیش آتی تھیں۔اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ ان کے اعمال کو قبولیت ملی اور ان کو دوزخ کے عذاب(گرم لو اور دہکتی آگ)سے بچایا گیا اور جنت میں مقام عطا کیا گیا۔دنیا کی زندگی میں بھی وہ ہر مشکل میں اللہ کی مدد اور سہارا طلب کرتے تھے۔جو بہت رحم اور احسان کرنے والا ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّ لَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾

تو(اے نبی) آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾

کیاوہ(کافر) کہتے ہیں: (یہ نبی) شاعر ہے اور ہم اس کے بارے میں حوادث زمانہ (موت) کاانتظار کررہے ہیں۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾

کہہ دیجئے: تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾

کیاان کی عقلیں یہ سبق دیتی ہیں یا پھر وہ لوگ ہی سرکش ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

کیاوہ(کفار) کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے خود ہی یہ (قرآن) گھڑا ہے؟ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

پھر(انہیں) چاہیے کہ اس(قرآن) جیسی ایک بات کلام لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

اہل جنت کے ذکر کے بعد، نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے، جو تبلیغ میں مشکلات آتی تھیں۔ کفار کے الزامات کہ آپ شاعر ہیں یا کاہن ہیں اور آپ کا پیغام وحی الٰہی نہیں، بلکہ شاعرانہ اور کاہن کے کلمات و گفتگو ہے، کیونکہ اس زمانہ میں کاہن بھی مستقبل کے بارے ملی جلی گفتگو کرتے تھے۔ تاکید اًفرمایا؛ آپ اللہ کے نبی ہیں ان کی پرواہ نہ کریں۔

قریش ہر وقت یہی تمنا کرتے تھے کہ نبی ﷺ اپنے مشن یعنی تبلیغ میں ناکام ہو جائیں اور دعا کرتے تھے کہ وفات پاجائیں۔ ان کی اس خواہش کے بارے فرمایا، کہ ان کی یہ خواہش یہیں رہے گی اور آپ تسلی رکھیں ان کو کہہ دیں کہ وہ انتظار کریں اور آپ بھی اپنی کامیابی کا انتظار کریں۔ دیکھیں کس کی آرزو پوری ہوتی ہے، (اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس کے دس سال بعد مکمل فتح نصیب فرمائی، فتح مکہ کی صورت میں)۔ وہ قرآن کو انسانی کلام کہتے ہیں، جب کہ اس میں عقل و دانش اور پرانے واقعات اللہ کی قدرت اور عظمت کا ذکر ہے۔ یہ ان کی عقل کی بات نہیں، بلکہ وہ محض ضد اور دشمنی کی وجہ سے مخالفت کررہے ہیں۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو اس کی مثال کوئی آیت یا سورت بنا کر یا لا کر دکھائیں۔ اس میں جو ربط، اعجاز، بلاغت اور حسن بیاں، ندرت اسلوب، تعین حقائق اور مسائل انسانی کا حل ہے، کس طرح اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن تاریخ گواہ ہے قریش اپنی بلاغت و فصاحت پر ناز کرنے کے باوجود ناکام رہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیاوہ(کفار)بغیر کسی شی کے پیدا کئے گئے ہیں یاوہی(خود اپنے)خالق ہیں۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیاانہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

کیاان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں؟ یاوہ(ان پر)محافظ و نگران ہیں۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

کیاان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے(چڑھ کر آسمان کی باتیں)سن لیتے ہیں؟ پھر چاہیے کہ ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے آئے۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ کیااس(اللہ)کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

کیاآپ(نبی)ان سے کوئی اجر مانگتے ہیں کہ وہ(اس کے)تاوان کے بوجھ تلے دب گئے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ یاان کے پاس(علم)غیب ہے تو وہ لکھتے ہیں۔

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

کیاوہ کسی فریب کاارادہ کرتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیاوہی فریب خوردہ ہیں۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیاان کے لئے اللہ کے سوااور کوئی معبود ہے۔اللہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا کوئی ٹکڑا بھی دیکھیں تو وہ کہیں گے(یہ)تہہ در تہہ بادل ہے۔

سورت مکہ میں نازل ہوئی اور کفار مکہ کے عقائد اور رویوں کو رد کیا گیا ہے۔کفار مرنے کے بعد زندہ ہونے سے انکار،اللہ کو واحد نہ ماننا،فرشتوں کے بارے عقیدہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں،کا رد کیا ہے۔

کس قدر جہالت ہے اپنے لئے وہ بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ کی ذات کے لئے بیٹیاں بنا رہے ہیں۔انہیں کیسے معلوم ہے کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔کیاانہوں نے آسمان پر جاکر فرشتوں کو دیکھا ہے۔اگر اللہ کی ذات،آسمان،زمین اور لاکھوں مخلوقات پیدا کر سکتی ہے،تو مرنے کے بعد زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔کیا کفار مکہ نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا؟ یا

زمین و آسمان میں ان کا دخل ہے یا آسمان کے خزانے، بارش، موسم ان کے قبضے میں ہیں؟ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ وہ محض ضد کی خاطر نبی ﷺ کا انکار اور ان کی تعلیمات کا انکار کر رہے ہیں۔ جب کہ نبی ﷺ ان کی بھلائی کے لئے ، بغیر کسی مالی فائدہ کے ان کو راہ ہدایت دکھا رہے اور ان کی ہٹ دھرمی یہ ہے کہ جب معجزہ دکھایا جاتا ہے تو اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ جس کا سبب ان کی ضد و جاہلیت ہے۔ اللہ کی ذات واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ پس (اے نبی) آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیئے حتّٰی کہ وہ اپنے اس دن (قیامت) سے ملیں جس دن وہ بے ہوش کئے جائیں گے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اس دن انہیں ان کا فریب کچھ فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے ظلم کیا ہے۔ ان کے لئے اس عذاب (دنیا میں) کے علاوہ بھی ایک عذاب ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔

قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی کے پیش نظر، نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کی مخالفت اور دشمنی کو نظر انداز کریں اور کوئی پریشانی یا دل افسردگی نہ ہو۔ یہ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ ان کی چالاکیاں ان کے منصوبے، ان کی دشمنی، سب خاک میں مل جائے گی۔ جب ان پر عذاب یا سزا کا وقت آئے گا، تو انہیں معلوم ہو گا۔ کچھ مفسرین نے اس سے مراد، وقت موت لیا ہے۔ بعض نے اس دنیا میں، جو کفار و ذلت اُٹھانی پڑی لی ہے۔ (غزوہ بدر، خندق، یا پھر فتح مکہ پر وہ شکست ہوئی ہے کہ ان کے سارے اسلام کے خلاف منصوبے خاک میں مل گئے)۔ اسی طرح قیامت کے وقت، بھی ان کو عذاب ہو گا۔ بعض مفسرین نے موت کے بعد، عالم برزخ میں عذاب، مراد لیا ہے۔ یہ سارے وہ اوقات ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ، انسان کو اس کے جسم کے ساتھ یا اس کی روح کو عذاب دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ کفار اور ہر سرکش انسان اپنی دنیا کی زندگی میں بے بسی کو دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی سبق حاصل نہیں کرتا، گویا وہ اس حقیقت سے لاعلم ہے۔

وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾

اور (اے نبی) آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر کیجیئے، بلاشبہ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں اور آپ جب کھڑے ہوں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیئے۔

وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡہُ وَ اِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾اور رات (کے کچھ حصہ) میں بھی، پس آپ اس کی تسبیح کیجیئے اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی (تسبیح کیجیئے)۔

نبی ﷺ کی تسلی آپ اور آپ کی قدر و منزلت اور محبت کا بلیغ انداز، میں اظہار کیا گیا ہے کہ آپ کفار کی مخالفت، دشمنی سے پریشان نہ ہوں۔ آپ کا ہر لحظہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم آپ کے نگہبان ہیں۔ خاص تعلق کا اظہار کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے صرف ہجرت کے گیارہ سال بعد، سارے عرب پر اسلام کو، نافذ کر دیا اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم نے اس کے بعد بیس سال کے اندر اسلام کو دنیا کی عظیم طاقت بنا دیا۔

اللہ کی حمد و ثناء کی تاکید ہے۔ جب کھڑے ہوں، اکثر مفسرین نے اس سے مراد، نماز کے لئے شروع میں تسبیح لی ہے (سبحانک اللہ ھم و بحمدک)۔ بعض نے کہا کہ، جب نیند سے بیدار ہوں تو بھی تسبیح کی جائے، جس طرح مسنون دعا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مجلس تھی اور اس میں گفتگو ہوئی، تو اختتام مجلس پر بھی دعا کی جائے جس کے الفاظ و معانی میں تسبیح ہو۔ حدیث مبارکہ ہے (**سبحانک اللھم وبحمدک، اشھدان، لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیہ**)۔ اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی لئے تعریف ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے معافی کا طلبگار ہوں۔ (ترمذی)۔

اسی طرح تہجد کی نماز، رات کے کچھ حصہ سے مراد ہے، جس کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے، جو نبی ﷺ کا ہمیشہ معمول رہا ہے۔ اسی طرح ادبار النجوم، سے مراد ستاروں کے ڈوبنے یعنی غائب ہونے کے وقت، صبح کی نماز کی سنتیں ہیں، جس کی نبی ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا: فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیھا (جو اس کے اندر ہے) سے بہتر ہیں۔ (مسلم/ترمذی)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فجر سے پہلے دو رکعت ادبار النجوم ہے اور مغرب کے بعد دو رکعت ادبار السجود ہے۔ (ترمذی/المستدرک للحاکم)۔

سورت کی ابتداء قرآن مجید کی عظمت، قیامت کی حقیقت اور اختتام نبی ﷺ کی تعظیم اور عبادت کی اہمیت اللہ کی تسبیح و تحمید پر ہوئی ہے۔

الحمد للہ سورت الطور 29 اپریل 2023 بروز ہفتہ کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو قارئین اور مصنف کے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

53- سورۃالنجم

تعارف:۔

سورت کا نام، النجم ہے۔ جو اس سورت کی پہلی آیت کے لفظ سے مأخوذ ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق یہ پہلی سورت ہے، جس کا اعلان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ شریف میں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت فرمائی۔ فصاحت و بلاغت، کلام کی ندرت اور آفرینی، اس قدر متاثر کن ہے اور تھی کہ جب اختتام پر سجدہ کا حکم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ فرمایا، تو تمام حاضرین نے جو اس وقت موجود تھے مسلمان اور مشرکین، سب نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سجدہ کر دیا۔ بعد میں جب مشرکین کو احساس ہوا، کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی اور کیونکر کی؟ اس خفت اور شرمندگی کو مٹانے کے لئے انہوں نے کہا، کہ انہوں نے دو آیات سنیں، جن میں لات و عزیٰ کا ذکر تھا اس لئے انہوں نے سجدہ کیا۔

واقعات کے مطابق اس وقت پہلی ہجرت حبشہ ہو چکی تھی۔ یہ تقریباً ہجرت نبوی سے پانچ سال قبل کا واقعہ ہے۔

سورت کا ترتیب نزول میں تئیس (23) نمبر اور ترتیب مصحف سے ترپن (53) نمبر ہے۔ سورت کی آیات کی تعداد باسٹھ (62) ہے اور رکوع تین (3) ہیں۔ مضامین کے لحاظ سے سورۃ طور کے قریب ہے جس میں آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور اللہ کی عبادت کا حکم تھا۔ سورت النجم کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام رفیع کا ذکر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات، احکام خداوندی کی طرح ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کلام میں صادق اور سچے نبی ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آتی ہے۔

مشرکین کے اقوال بتوں اور فرشتوں کے بارے غلط ہیں۔

قرآن مجید، سابقہ (پرانی) الہامی (نازل شدہ) کتب کی تصدیق کرتا ہے۔

پہلی جن امتوں نے اللہ کے احکام اور اپنے نبی کو جھٹلایا اور نافرمانی کی وہ ہلاک ہوئے۔ اہل مکہ کو اس کے بارے سوچنا اور ڈرنا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ النَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾ روشن ستارے کی قسم جب وہ نیچے آیا۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾ تمہارا ساتھی (نبی ﷺ) نہ (صحیح) راستے سے بھٹکا اور نہ ہی بہکا۔

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾ وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ مگر وہ وحی ہی تو ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾ انہیں (نبی کو) زبردست قوت والے نے سکھایا۔

ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ﴿۶﴾ بڑا زبردست، پھر سیدھا کھڑا ہوا (بلند ہوا)۔

وَ هُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ؕ﴿۷﴾ اور وہ سب سے اونچے (آسمان کے) کنارے پر تھا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ﴿۸﴾ پھر وہ قریب ہوا اور قریب تر ہوا۔

فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ﴿۹﴾ پس دو کمانوں کے برابر اس سے بھی قریب تر (ہو گیا)۔

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ؕ﴿۱۰﴾ پھر اس نے وحی، اس بندے (نبی)، کی طرف کی جو وحی کی۔

مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ نہ جھٹلایا، دل نے، جو دیکھا، آنکھ نے (نبی کی)۔

اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ کیا تم ان (نبی) سے جھگڑتے ہو جو اس نے دیکھا۔

وَ لَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی ۙ﴿۱۳﴾ اور بے شک اس (رسول) نے اس کو ایک بار اور اترتے دیکھا۔

عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی ﴿۱۴﴾ سدرۃ المنتہیٰ (آخری حد پر بیری کے درخت) کے قریب۔

عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی ؕ﴿۱۵﴾ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔

اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَةَ مَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱۶﴾

جب سدرہ (بیری کا درخت) کو ڈھانپ لیا، اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا (چھا گیا)۔

مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ نگاہ نہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔

لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡکُبۡرٰی ﴿۱۸﴾

بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

النجم، سے مراد ستارہ (چمکدار ستارہ) ہے۔ عرب ثریا کے ستاروں کے جھرمٹ، جس میں تقریباً سات ستارے ہوتے ہیں، النجم کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد فرماتے ہیں، حضرت حسن بصری اور فراء، اس سے

مراد، ستارے لیتے ہیں، جب وہ ڈوب جائیں، بوقت صبح روشنی کی وجہ سے ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں۔ ھویٰ، سے مراد نیچے اترنا ہے۔ جس سے ڈوبنا یا غائب ہونا مراد ہے۔ بعض مفسرین نے شہاب ثاقب، مراد لیا ہے، کہ وہ ٹوٹ کر نیچے گرتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے اس سے نبی ﷺ کے سفر، معراج مراد لینے کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ آپ راہ راست سے نہ بھٹکے نہ گم ہوئے یعنی سراپا ہدایت کے راستہ پر ہیں۔

''صاحبکم'' تمہارا ساتھی، سے مراد نبی ﷺ کی ذات اور یہ کفار مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ نبی مکرم ﷺ تمہارے ساتھی ہیں، کیونکہ تم (قریش) سے ہی ہیں۔ تمہاری زبان بولتے ہیں۔ یہیں پیدا ہوئے ہیں، پلے بڑھے۔ ان کے کردار، اطوار، کو تم خوب جانتے ہو، اس لئے یہ تمہارے ساتھی ور ہبر ہیں۔ اپنے عمل و ہدایت میں حق کی راہ پر ہیں۔ مزید یہ بھی مطلع کر دیا کہ، ان کا سارا کلام، احکام، تعلیمات، اللہ تعالیٰ، کی ہدایت کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس لئے حدیث مبارک بھی، اسلامی قوانین کا مأخذ ہے۔ بعض اوقات صحابہ کرام سے تجاویز کا طلب کرنا، ان کی تجاویز کو قبول کرنا، سارے امور، ہدایات الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں، جن کے اندر حکمت ہوتی ہے تاکہ آنے والے لوگوں کی راہنمائی کریں۔ نبی ﷺ کی تعلیمات ان کی خواہشات کے مطابق نہیں، بلکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق ہوتی ہیں۔ آپ کے فیصلے، اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے تحت ہوتے ہیں اور اگر تبدیلی کی ضرورت ہو، تو اس میں واضح حکم کے ساتھ تبدیلی کر دی جاتی تھی۔ نبی ہدایت کا ذریعہ ہوتا ہے، اس لئے، اللہ تعالیٰ، انتہائی کمال درجہ کی حکمت ان کو عطا کر دیتے ہیں اور اسی حکمت کے ساتھ عمومی امور طے ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ کی طرف وحی، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے آتی ہے۔ جو نہایت قوت و طاقت والے ہیں۔ عموماً، حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل (مثالی جسم) میں آتے اور سکھاتے یا بتاتے تھے، لیکن دو دفعہ، نبی ﷺ نے ان کو ان کی اصلی حالت میں دیکھا، جو غیر مادی تھی (مثالی نہ تھی)۔ اس وقت ان کی وسعت زمین سے لے کر آسمان تک پھیلی ہوئی تھی اور بہت سارے پَر تھے (چھ سو کے قریب)، یعنی کائنات کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ دوسری دفعہ سفر معراج پر دیکھا جب وہ آسمان کے کنارے پر تھے۔ اس سے فرشتوں کی قوت اور انرجی کے وجود کی قوت کا اظہار مقصود ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو بار دیکھا۔ ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے ان سے اصل صورت میں دیکھنے کا (مکہ شریف کے علاقہ میں) سوال کیا، تو انہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا اور دوسری بار اس وقت جب نبی ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آسمان پر چڑھے اس وقت وہ افق اعلیٰ پر تھے۔ (مسند احمد / المعجم الکبیر)۔

دنی فتدلی:۔ قریب ہوئے پس اور قریب ہوئے (قریب تر)۔ اس کی تفسیر میں مفسرین میں اختلاف ہے، کہ کون کس کے قریب ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قرطبیؒ نے کہا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب تعالیٰ جل شانہ کے قریب ہوئے۔ قتادہ اور حسن بصری نے کہا، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب زمین سے افق اعلیٰ پر مستوی (سیدھے) ہو گئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل ہوئے، مجاہد نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ جل شانہ کے قریب ہوئے پس دو کمانوں کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت قتادہ، حسن بصری کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی طرف وحی کی جو بھی وحی کی۔ اور دنی فتدلی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کے قریب ہوئے۔ (بخاری)۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا، وہ نور ہی نور ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ نور کو دیکھا۔ (صحیح المسلم)۔

آیت مبارکہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کے کلام کا ذکر ہے۔ حضرت جبرئیل بھی نور (انرجی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان امور کے بارے بات کرنا، اس لئے صحیح نہیں کہ اس کی کسی کیفیت، حالت، صورت کو بیان کرنا مشکل ہے۔، اس لئے اس موضوع یا بحث میں پڑنا، سوائے ضیاع وقت یا ذہنی موشگافی کے علاوہ کچھ بھی نہیں جس میں خطا کے سراسر امکان ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بطور، خاتم النبیین، شفیع المذنبین اور سید المرسلین ہے اور رہے گا، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفویض کیا ہے اور تمام مخلوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آگے ہیں۔

ع بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر۔

جسمانی نگاہ یا قلبی بصیرت کے اختلافات میں نہ پڑیں۔ اہم کام یہ ہے کہ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۃ حسنہ پر عمل کر کے دنیا کی راہنمائی کریں۔

سدرۃ المنتہیٰ:۔

سدرۃ، عربی زبان میں، بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتہیٰ، نہایت، سے نکلا ہے۔ یعنی آخری حد، جہاں کوئی چیز ختم ہو جاتی ہے۔ احادیث کے مطابق، یہ ایک درخت بیان کیا گیا ہے، جس کی کیفیت و حالت ہمیں معلوم نہیں ۔ صرف بتانے کے لئے تشبیہ دی گئی ہے۔ روایات کے مطابق، یہ ساتویں آسمان پر ہے اور نیچے سے اوپر جانے والے، اس مقام پر پہنچ کر رک جاتے ہیں۔ اسی طرح سدرۃ سے اوپر والے سدرۃ، پر آ کر رک جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، معراج کے

موقعہ پر سدرۃ المنتہیٰ پر گئے اور اوپر گئے اور پھر واپس نیچے آئے۔ ایک روایت کے مطابق، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے اوپر کی طرف لے جایا گیا، تو وہاں ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ تھی۔ جس پر مقام ہجر، کے مٹکوں کے برابر بیر تھے اور اس کے پتے، ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے۔ علامہ ابو عبداللہ قرطبیؒ، نے سدرۃ المنتہیٰ کے بارے لکھا ہے کہ ؛(۱): نیچے کی تمام چیزوں کی انتہاء اس درخت پر ہوتی ہے اور اوپر کی تمام چیزوں کی انتہاء بھی اس درخت پر ہوتی ہے۔ (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمام نبیوں کے علوم کی انتہاء سدرہ پر ہو جاتی ہے اور اس کے پار (اوپر) کی چیزوں کی علم ان سے غائب ہے۔ (۳): ضحاک نے کہا کہ اعمال کی اوپر چڑھنے کی انتہاء، سدرہ ہوتی ہے اور یہاں سے ان کو وصول کر لیا جاتا ہے۔ (۴): کعب نے کہا، کہ ملائکہ اور عام انبیاء کی انتہاء سدرہ، پر ہے۔ (۵): جو سدرہ تک پہنچ گیا، وہ اپنے کمالات کو انتہاء کو پہنچ گیا۔ (الجامع للاحکام القرآن)۔ ایک جدید علمی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ سدرہ ایک حد ہے جو اسمانوں اور ان سے بلند مقامات کو علیحدہ کرتی ہے۔ یہ اشارات و مقامات، انسانی علم فلکیات سے بہت بلند ہیں۔ انسان تو ابھی نظام شمسی میں بھٹک رہا ہے اور یہ کئی کہکشاؤں سے بھی اگے ہے۔

سدرہ کو ڈھانپنے والی چیزوں کے بارے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ سونے کے بنے، پروانوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ (صحیح المسلم)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سدرہ کو رب العالمین، کے نور نے ڈھانپا، پس وہ روشن ہو گئی۔ (ابن کثیر)۔ (سونے کے پروانے بھی چمک اور روشن ہونے کی مثال ہیں)۔

جنت الماویٰ:۔

ماویٰ، یعنی رجوع کرنے کی جگہ۔ پناہ حاصل کرنے کی جگہ یا ٹھکانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ جنت ہے، جس میں ارواح شہداء ٹھہرتی ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ وہ جنت ہے، جہاں حضرت آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے اور وہاں سے زمین پر آئے، یہ جنت ساتویں آسمان پر ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ یہ وہ جنت ہے، جس میں متقین جائیں گے۔

یہ آیات مبارکہ، سفر معراج کے بارے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سفر میں نگاہ مبارک، اپنے مقصود حقیقی سے ادھر ادھر نہ بھٹکی اور نہ مناظر میں گم ہوئی، بلکہ تجلیات الٰہی سے مستفیض ہوتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر میں بہت ساری اللہ تعالیٰ، کی عظیم نشانیاں دیکھیں۔ جن میں دوزخ، جنت، انسانوں کے احوال، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ، فرشتوں کی حدود، ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے شب معراج میں ان علامات اور دلائل کو دیکھا، جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کی دوسری بلند صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جن کے دیکھنے والا متعجب ہوتا ہے، یعنی عالم ملکوت و شہود اور عالم

الغیب اور جبروت۔ (حاشیہ القونوی للبیضاوی)، (علامہ اسماعیل بن محمد حنفی قونوی)۔

اہل مکہ کو تنبیہ کیا گیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے اقوال پر جو شک کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ آپ ﷺ سراپا صدق اور سچے ہیں۔ لہٰذا آپ کے احکام کو مانیں۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟

وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اور تیسری ایک اور دیوی منات کو (دیکھا)۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس (اللہ) کے لئے بیٹیاں۔

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ پھر یہ تو بڑی ظالمانہ تقسیم ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾

یہ تو محض چند نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے لئے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ وہ (کفار) تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اس چیز کی جو ان کے دل چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آپ کی ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ کیا انسان کے لئے (وہ کچھ ہوتا) ہے جو تمنا کرے۔

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اور اللہ کے لئے آخرت اور دنیا ہے (مالک ہے)۔

اللہ تعالیٰ، اپنی قدرت کے مظاہر، حضرت جبرئیل کی طاقت، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الاولیٰ، نبی ﷺ کا سفر معراج، کے ذکر کے بعد، کفار مکہ کے رویوں کا ذکر ہے۔ کفار مکہ، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کی وجہ سے وہ مورتیاں / مجسمے بناتے، ان پر جا کر پوجا اور قربانیاں کرتے، دعائیں مانگتے، جب کہ وہ بت یا دیوی، ان کو نہ کچھ کہہ سکتے، نہ مدد دے سکتے تھے۔ اس کے مقابل، وہ اللہ، اور اس کے نبی ﷺ کے احکامات کو نہیں مانتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ، اللہ کے احکام میں، ان پر اخلاق، معاشی اور سماجی انصاف و احترام کی پابندیاں لاگو ہوتی تھیں۔ قتل، ڈاکہ، ظلم سے منع کیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی نفس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ دیوی یا بت کی عبادت میں، وہ سارے برے کام کر کے، ان بتوں پر جا کر قربانی کر دیتے تھے اور اپنی نجات سمجھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی اور بے وقوفی اور خود غرضی کو ظاہر کر دیا۔ بتوں کے یہ نام مذکور ہیں۔

لات:۔

کہتے ہیں ایک لات نامی شخص تھا، جو ستو کا شربت بنا کر حاجیوں کو پلاتا تھا۔ جب مر گیا، تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا دیا اور پھر اس کا مجسمہ اور بت بنا دیا۔ یہ طائف میں بنو ثقیف قبیلے، کا بڑا بت تھا۔ ایک روایت کے مطابق لفظ ''لات یلیت'' کے معنی موڑنے کے ہیں۔ پجاری گردن موڑتے اور طواف کرتے تھے۔

عزیٰ:۔

اعز کی تانیث ہے۔ یہ ببول کا درخت تھا۔ مقام نخلہ میں قبیلہ غطفان، کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں، یہ طائف کے درمیان مقام نخلہ میں تین درخت تھے۔ ان پر گنبد بنا ہوا تھا اور چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ ان میں ایک جنیہ (عورت) ظاہر ہوتی تھی۔ فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسے مسمار کرنے کے لئے بھیجا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ درخت کاٹ ڈالے اور قبہ مسمار کر دیا۔ واپس آ کر اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دوبارہ جاؤ۔ جب آپ رضی اللہ عنہ دوبارہ گئے، تو وہاں کے محافظوں اور خادموں نے شور مچایا، اور یا عزیٰ! یا عزیٰ! کا نام پکارا۔ حضرت خالد نے دیکھا کہ وہاں ایک برہنہ عورت ہے، جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا، یہی عزیٰ تھی۔ اب اس کی پوجا نہیں ہو گی۔

منات:۔

یہ بت مشلول کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا۔ نبی ﷺ نے اس کو مسمار کرنے کے لئے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ قبیلہ ہذیل اور خزاعہ اس کی قربانی کرتے اور بارش طلب کرتے تھے۔ (ابن کثیر / کشاف)۔

مشرکین مکہ، اپنے مفاد کے لئے خود فیصلے کرتے، مثلاً اللہ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے پسند کرتے، بتوں کی اہمیت بناتے اور قربانیاں کرتے، کیونکہ بت نہ بولتے، نہ منع کرتے، نہ حکم دیتے تھے۔ یہ سب ان کی غلطی اور نفس کی پیروی تھی اور کہتے ہیں ہم بچ جائیں گے۔ ہر شخص اپنی مرضی پوری نہیں کر سکتا۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی، دنیا کی مالک ہے۔ اس کا حکم زمین و آسمان پر چلتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم چلے گا، بت، نہ دنیا میں اور نہ آخرت، میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ کفار کا گمان بالکل غلط ہے۔ اب اللہ کی ہدایت (اسلام) آ چکی ہے، اس کی پیروی میں نجاعت ہے۔

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ﴿۲۶﴾

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی۔ سوائے اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے (شفاعت کی) اجازت دے اور اس (شفاعت) سے راضی ہو۔

کفار، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے اور ان سے قربت کے لئے ان کے بت بناتے اور ان پر قربانیاں یا عبادت کرتے اور تصور کرتے کہ اگر تباہی ہوئی تو وہ ان کی سفارشیں کریں گے، عذاب یا تکلیف / پریشانی سے بچائیں گے۔ کفار / مشرکین کے اس سوچ یا عقیدہ کی سختی سے تردید کی گئی ہے، کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی انتہائی تابعدار اور محترم مخلوق ہے، ہر وقت عبادت میں مصروف اور نافرمانی ان سے ممکن نہیں۔ لیکن وہ مشرکین اور اللہ کے احکام کے انکار کرنے والوں کے لئے، شفاعت یا سفارش، نہیں کریں گے۔ صرف انہی کے لئے سفارش کریں گے جن کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گی۔

والدین، نیک لوگوں کی دعا، فرشتوں کی دعا، نبی ﷺ ، کی بروز قیامت، شفاعت یا سفارش، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، لیکن قبولیت کا اختیار، اللہ تعالیٰ کی ذات کے پاس ہے اور سفارش کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے سوال کرتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، جب سمیع و بصیر ہے، تو اسی کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور اسی سے مانگا جائے۔ نبی ﷺ اپنے امتی کی شفاعت اس وقت فرمائیں گے جب وہ آپ ﷺ کے احکام اور بتائے ہوئے طریقہ پر چلتا رہا ہو اور عمل ہی محبت کا ثبوت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے نام سے رکھتے ہیں۔

وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾

اور انہیں (کافروں کو) کچھ علم نہیں ،وہ صرف ظن (گمان) کی پیروی کرتے ہیں، بے شک گمان حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾

لہٰذا (اے نبی) جو ہمارے ذکر سے منہ موڑے (پھرے) آپ اس سے اعراض کر لیں اور وہ تو دنیاوی زندگی کے سوا کچھ چاہتا ہی نہیں۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۪ وَ هُوَ اَعْلَمُ

بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۵﴾

یہی ان کے علم کی انتہاء ہے، بے شک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جس نے ہدایت پائی۔

گمان کرنا:۔

مشرکین (کفار) مکہ، کے عقائد کا ذکر ہے۔ان کافر شتوں کو عورتوں کے نام دینا، بغیر کسی دلیل کے ہے۔کیا انہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے؟ کہ وہ مذکر ہیں یا مونث۔نہ ان کو کسی نبی یا الہامی کتاب، کے ذریعہ علم دیا گیا۔ محض اپنے گمان پر فیصلہ کر لیا اور ان کے عقائد کے فیصلے ان کے غلط گمانوں پر ہیں۔کوئی گمان بھی سچائی یا صحیح واقعہ کے مقابلہ میں فائدہ مند نہیں ہوتا۔گمان وہ ذہنی کیفیت ہے جس میں دونوں امکان ''ہونا اور نہ ہونا'' برابر ہوں۔

اس لئے ظن یا گمان، فائدہ مند نہیں ہوتا اور نبی ﷺ نے بھی گمان کو برا قرار دیا اور تاکید کی کہ ہمیشہ دوسرے انسانوں کے بارے حسن ظن رکھا جائے، یعنی ایسا گمان جس میں اچھائی کا زیادہ خیال کیا جائے۔کسی چیز کے فیصلہ کے لئے ضروری ہے کہ گمان پر نہ کیا جائے، بلکہ اچھے طریقہ سے معلومات اور تحقیق کے بعد فیصلہ کیا جائے تاکہ صحیح فیصلہ ہو۔

کفار مکہ، صرف دنیا ہی کی زندگی کو اہمیت دیتے تھے۔اس لئے آخرت اور حساب و کتاب کے منکر تھے۔ اسلام، دنیا کے ساتھ آخرت کی زندگی اور انسانی اعمال کی سزا و جزا کے بارے بھی اعلان کرتا ہے تاکہ لوگ نیکی اور بھلائی کے اعمال کریں۔نبی ﷺ، کو تسلی دی کہ، اگر لوگ اللہ کے احکام سے منکر ہیں اور دنیا میں بھٹک رہے ہیں۔آخرت کو نہیں مانتے، تو پرواہ نہ کریں۔ان کے علم و عقل کی حد، صرف یہ دنیا، یہاں کا فائدہ، ہے اور ان کے مفادات ہیں۔وہ حق کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس کی سزا پائیں گے۔ مسلمان، اللہ اور اس کے رسول، آخرت پر ایمان رکھنے والے ہدایت پر ہیں۔اللہ تعالیٰ، ہدایت پانے والوں اور گمراہی میں پڑنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنہوں نے برے کام کئے اور ان لوگوں کو اجر دے جنہوں نے نیک کام کئے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ

اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

جو لوگ کبیرۃ (بڑے) گناہوں سے بچتے ہیں، ماسوا اور فحاشی سے چھوٹا گناہ ہو جائے، بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔ (اور) وہ تمہیں خوب جاننے والا، جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین (رحم) میں بچے تھے، پس تم اپنے نفس کی پاکی (پارسائی) کے دعوے نہ کرو۔ وہی (اللہ) بہتر جانتا ہے کہ واقعی متقی (نیک) کون ہیں۔

کفار، کے رویہ، عقائد، کے بعد، اللہ تعالیٰ کی قوت اور انسان کو جزا و سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا اصول سراپا عدل پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ذکر دوبارہ کیا کہ اگر آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اس کی قدرت (کنٹرول) میں ہے۔ اتنی بڑی طاقت والی ذات کے لئے انسان کو سزا یا انعام دینا کوئی مشکل نہیں۔ اور اس ذات نے یہ سلسلہ اس لئے بنایا کہ انسانوں کو ان کے اچھے اعمال پر جزا یعنی انعام اور برے اعمال پر سزا ملے اور انصاف قائم ہو۔ یہ انصاف عدل مکمل طور پر دنیا کی زندگی میں قائم نہیں ہوتا، اس لئے اس کو مکمل طور پر مرنے کے بعد دوسری زندگی میں نافذ کیا جائے گا۔

برے اعمال:۔

نیکی پر انعام تھوڑا ہو یا زیادہ، وہ انسان کے لئے فائدہ مند ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل کا ذکر نہیں۔ البتہ جس چیز کا انسان کو نقصان ہے وہ سزا ہے۔ اس لئے برے اعمال کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ برے اعمال کو، دو طرح سے بیان کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو ورنہ برا کام برا ہے، بڑا ہو یا چھوٹا ہو۔ علماء نے گناہوں کو آیات اور احادیث کی روشنی میں، گناہ کبیرہ (بڑا گناہ) اور گناہ صغیرہ (چھوٹا گناہ) میں تقسیم کی ہے۔ شریعت میں وہ تمام اعمال جو ممنوع یا غیر پسندیدہ ہیں ان کی تفصیل موجود ہے۔ عمومی تعریف یہ ہے کہ گناہ کبیرۃ، وہ فعل ہے، جسے کتاب (قرآن مجید) و حدیث (سنت) نے واضح نص (حکم) کے ذریعہ حرام قرار دیا ہو یا شریعت میں اس کے لئے کوئی سزا مقرر ہو۔ اس پر آخرت میں عذاب کی سزا سنائی گئی ہو۔ اس کے عمل کرنے والے پر لعنت کی گئی ہو یا نزول عذاب کی خبر دی ہو۔ اس نوعیت کے افعال (گناہوں) کے علاوہ، وہ تمام امور جو شریعت (قرآن و سنت) میں ناپسندیدہ ہیں، وہ صغیرہ (چھوٹے) گناہ کی تعریف میں آتے ہیں۔ کسی بھی گناہ کی سزا اس وقت ملے گی جب وہ عمل سرزد (واقع) ہو جائے۔ جب تک واقع نہیں ہوتا سزا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر صغیرہ (چھوٹے) گناہ بار بار کئے جائیں یا ان کی پرواہ نہ کی جائے تو وہ بھی بڑا گناہ ہے۔ آیت میں معمولی گناہ کے لئے اللَّمَمَ ۭ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو بڑا وسیع ہے اس سے مراد تھوڑی مقدار ہے۔ یا معمولی اثر ہے۔ یا کسی چیز کے قریب ہونا ہے یا اس کا معمولی استعمال ہے مثلاً معمولی سا کھانا کھانا یا کسی عمل کی قریب پہنچ جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے محبت کی بناء پر ان کے معمولی گناہوں کو توبہ کرنے پر معافی کی یقین دہانی کرائی

ہے۔ ساتھ ہی یہ شرط ہے کہ وہ بڑے گناہوں سے بچیں تاکہ ان میں ایمان کی قوت موجود ہو، جو ان کو روکے۔ چونکہ انسان کمزور ہے، اپنا احتساب نہیں کرتا، اس لئے اس کو معمولی گناہوں پر توبہ کرنے سے یا احساس گناہ یا نوافل پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی وجہ سے معاف کر دیں گے اور گناہ کے مقابل سزا نہیں دیں گے۔

ساتھ ہی بعض اوقات انسان کو شیطان، محض اس کے نیک اعمال بالخصوص کبائر سے بچنے پر نفس میں تکبر ڈال دیتا ہے کہ وہ نیک ہے یا اس میں ریا شامل کر دیتا ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ کی ذات بہتر جانتی ہے، اس پارسائی کے دعویٰ یا اس کے خیال سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ کیا آپ نے (اے نبی) اسے دیکھا جو حق سے پھرا (منہ موڑا)۔

وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اور تھوڑا سا مال دیا اور روک دیا۔

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ کیا اس کے پاس علم غیب ہے جو وہ دیکھ رہا ہے۔

کفار (انکار کرنے والوں) کے رویوں کا ذکر ہے۔ آیات کے شان (موقع) نزول کے بارے روایت ہے کہ الولید بن مغیرہ، مکہ کا معزز شخص تھا اور نبی ﷺ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام کو قبول کرنے کا ارادہ کر لیا اور کہا کہ وہ دوزخ سے ڈرتا ہے۔ اس کے دوستوں کو جب پتہ چلا، تو انہوں نے اسے اپنے آباء کے دین کی عار دلائی اور اسے کہا، کہ اگر وہ ان کو مال دے تو وہ (اس کے دوست) اس (ولید) کو عذاب سے بچا دیں گے۔ اس نے ان کی بات پر یقین کر لیا اور وعدہ کیا کہ مال دے گا، مگر تھوڑا سا مال دینے کے بعد، بخل کی وجہ سے مال دینے سے رک گیا اور اسلام کو بھی قبول نہیں کیا۔ اس کی مذمت میں، یہ آیات ہیں کہ کوئی آدمی اسلام یا قبول حق سے منہ موڑے اور پھر یہ سمجھے کہ مال دے کر بچ جائے گا، یہ غلط ہے۔ اس کے پاس کون سا علم یا ثبوت ہے، کہ اللہ تعالیٰ اسے مال کے بدلے، اس کے کفر شرک کو معاف کر دیں گے۔ یہ سراپا غلط ہے۔ اسلام اور نیک اعمال ہی بچا سکتے ہیں۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں ہوئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔

وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ اور جو ابراھیم کے صحائف میں ہے جس نے خوب وفا کی۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

اور یہ کہ انسان کو اسی کا بدلہ (عوض) ملے گا جو اس نے عمل کیا۔

وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا۔

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ پھر اس کو پورا پورا عوض (جزا/بدلہ) دیا جائے گا۔

اعمال کا بدلہ:۔

انسان کے اعمال کا ذکر جاری ہے۔ روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراھیم علیہ السلام تک عمومی قانون سزا و جزا میں مجرم کے علاوہ اس کے رشتہ داروں کو بھی سزا دی جاتی تھی، لیکن حضرت ابراھیم کے صحیفہ میں اس کو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا کہ صرف جو انسان عمل کرے گا وہی سزا و جزا کا مستحق ہو گا۔ (قرطبیؒ)۔ یہ قانون حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعد، اہم کتاب توریت نازل ہوئی، اس میں بھی اس کا ذکر تھا۔ اس طرح انجیل اور قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔ قریش مکہ سے یہی کہا گیا، کہ یہود عرب میں موجود تھے۔ مشہور تھے، اسی طرح حضرت ابراھیم علیہ السلام کا بھی اہل مکہ سے تعلق تھا، تو ان کو یہ علم ہونا چاہیے کہ ہر مجرم یا عمل کرنے والا اپنے عمل کا بدلہ پائے گا۔ لہٰذا یہ دعویٰ کہ میں مال کے بدلے عذاب سے بچاؤں یا بچوں گا، جھوٹا اور غلط ہے۔ **دوبارہ تاکید کی گئی کہ ہر انسان اپنے اعمال کا بوجھ اُٹھائے گا۔ جو اس نے اعمال کئے ہیں**، وہ اس کے کام آئیں گے۔ یہ قیامت کے بعد حساب و کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ دنیا میں بھی انسان کو اپنے اچھے یا برے اعمال کا کسی حد تک نفع و نقصان مل جاتا ہے۔ لیکن عنقریب سے یہاں مراد، دنیا کے علاوہ قیامت کو حساب و کتاب کا دن بھی ہے اور پھر تاکیداً فرمایا کہ بالکل عدل ہو گا۔ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں ہو گی، بلکہ پوری پوری سزا و جزا ملے گی۔ ان آیات سے یہ اصول واضح ہیں۔ (۱): ہر آدمی اپنے عمل یا فعل کا ذمہ دار ہے۔ (۲): وہ اپنی ذمہ داری کسی دوسرے پر نہیں ڈال سکتا۔ (۳): اگر اس عمل میں کسی اور شخص یا فریق کا دخل و عمل ہے تو وہ اپنے عمل کی حد تک اس کا ذمہ دار ہو گا۔ (۴): اگر کوئی کسی کے عمل کا ذمہ لینا چاہے یا کسی مجرم کو بچانے کے لئے اپنے کو پیش کرے تو اس کی اجازت نہیں۔ (۵): اچھا یا برا بدلہ انسان کے عمل پر منحصر ہے۔ ان اصولوں کی تطبیق یا نفاذ میں اختلاف سامنے آئے ہیں جو ترجیحات کی بناء پر ہیں۔

ایصال ثواب کا عمل:۔

مثلاً معاشی نظام (کمیونزم) میں اپنی محنت کی کمائی کا کوئی دوسرا مالک نہیں ہو سکتا اور وہ کسی اور چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں وراثت کی اجازت ہے، جو کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بلا معاوضہ دی جاتی ہے، جس کی بنیاد، ان کے ساتھ اس کا رشتہ و تعلق ہے، جو دنیا میں رہتا ہے اور ریاست کو منتقل نہیں ہوتی۔ اسی طرح صدقات اور زکوٰۃ، میں بھی، دوسرے لوگ مالک بن جاتے ہیں، جبکہ ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، لیکن اسلام میں اس کی وجہ ان کی محرومی یا محتاجی ہے اور سماجی انصاف کی اہمیت ہے۔ ان اصولوں کو، کیا دنیا کے بعد آخرت کی زندگی میں

لا گو کیا جا سکتا ہے کہ آدمی اپنے اعمال کا کچھ، یا مال کا کچھ حصہ، اس کے مرنے والے رشتہ دار کو دے دے۔ معتزلہ، اس کا اس آیت کی بناء پر انکار کرتے ہیں۔ تمام دوسرے فقہاء اور فقہی مذاہب نے اس کو قبول کیا ہے کہ انسان اپنے صدقات یا خیرات یا ایصال ثواب کا کوئی عمل کر کے اس کا اجر اپنے مرحوم رشتہ دار کو منتقل کر سکتا ہے۔ کیونکہ احادیث میں اس کی اجازت دی گئی ہے اور قرآنی آیات سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے، اسی بناء پر حج بدل، عمرہ، صدقات کا ثواب منتقل ہو سکتا ہے۔ مالی عبادات مثلاً صدقہ، خیرات اور بدنی و مالی عبادت جس طرح حج ہے، اس کے بارے تمام فقہاء متفق ہیں کہ ان کا ثواب منتقل ہو سکتا ہے۔ خالص بدنی عبادات، نوافل، قرآن کی تلاوت کے ثواب میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک صرف بدنی کا ثواب دوسرے کو منتقل نہیں ہو سکتا۔ البتہ بدنی و مالی، ملی جلی اور خالص مالی عبادات کا ثواب منتقل ہوتا ہے کیونکہ احادیث میں اس کا واضح ثبوت ہے۔

احناف کے نزدیک مالی و بدنی اور خالص بدنی، تمام عبادات، صدقات کا ثواب دوسرے کو ہبہ (منتقل) ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی قید نہیں، یہ جیسے کوئی اپنی مزدوری یا اجرت کہہ دے کہ میرے فلاں رشتہ دار یا دوست کو ادا کر دی جائے اور اس کی طرف سے ادا ہو جائے گی۔ اس میں تقسیم (بدنی/مالی/بدنی و مالی) صحیح نہیں، کیونکہ احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ حضرت خذیفہ بن اسید الغفاری کی متفقہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے دو مینڈھے قربان کئے ایک اپنی اور گھر والوں کی طرف سے قربان کیا اور دوسرا امت کی طرف سے قربان کیا۔ (بخاری/مسلم/النسائی)۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا، میری والدہ انتقال کر گئی ہیں، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛ ہاں (روایت حضرت حسن بصری از ابو داؤد/النسائی/ابن ماجہ)۔

کئی صحابہ و صحابیات نے مختلف موقعوں پر حج، روزہ، کے لئے اجازت مانگی تو نبی ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ اسی بناء امام اوزاعی اور امام داؤد الظواہری (سلفی حضرات) روزے اور عبادات میں منتقلی کو مانتے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام زید بن علی (زیدیہ) کے مطابق میت کی طرف سے روزہ نہ رکھا جائے بلکہ کھانا کھلاؤ۔ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فتویٰ موجود ہے۔ (نسائی) [لا **تصوموا عن موتکم واطعموا عنھم**۔ اپنے مردوں کی طرف سے روزہ نہ رکھو بلکہ کھانا کھلاؤ]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں روزہ کے بارے حکم تبدیل ہو گیا جس کی وجہ سے ان مفسرین و محدثین نے فتویٰ دیئے۔

ایصال ثواب کے دو فائدے ہیں۔ (۱): جس مرحوم کے لئے کیا جاتا ہے اس کو اس کا فائدہ (ثواب) پہنچتا ہے۔ (۲): جو آدمی یہ ایصال کا عمل مالی یا بدنی کرتا ہے اس کے اخلاق اور روحانی طور پر اللہ، کے ہاں وہ بھی اجر کا مستحق ہو جاتا ہے جو کہ اس کا انعام ہو گا۔ ایک اہم اصول یاد رکھنا ضروری ہے کہ ایصال ثواب کا سارا عمل خالصتاً اللہ کے لئے اور

شریعت کے مطابق ہو۔ ثواب کا عمل مسلمانوں کے لئے ہے یعنی مجرمین (کفار) رشتہ دار کے لئے نہیں۔

ایصال ثواب کی اجازت ہے لیکن کوئی آدمی اپنا عذاب منتقل نہیں کر سکتا۔ یعنی گناہ کر کے اس کا عذاب کسی اور کو منتقل کر دے۔

ایصال ثواب ان لوگوں کو کیا جائے جنہوں نے اس کی خواہش کی ہو یا ہر وہ عمل اس مرنے والے کے لئے واجب تھا، لیکن وہ نہیں کر سکا (نذر وغیرہ یا دوسرے واجبات وغیرہ)۔ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل کا اعلان فرمایا کہ جزا پوری پوری دی جائے گی۔ کوئی کمی نہیں ہو گی لہٰذا نیک اعمال کرنے والے، مشکلات سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ بھلائی کے لئے ترغیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ہے اور عمل کرنے والے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی۔ (ابوداؤد)۔

وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ اور بے شک (سب کا) آپ کے رب کے پاس (آخری) ٹھکانا ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ بے شک وہی (رب) ہنساتا اور رلاتا ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْیَا ﴿۴۴﴾ اور بے شک وہی مارتا اور وہی زندہ کرتا ہے۔

وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ اور بلاشبہ اسی نے جوڑا (یعنی) نر اور مادہ پیدا کئے۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ نطفہ سے جب وہ رحم میں (ٹپک کر) ڈالا جاتا ہے۔

وَ اَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ اور بے شک دوسری (بار) پیدائش بھی اسی کے ذمہ ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ بے شک وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ دار بناتا ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ اور بے شک وہی، شعریٰ (ستارے) کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ، کی عظمت کا بیان جاری ہے۔ تمام انسان ختم ہو کر اللہ کے پاس جائیں گے۔ ہر انسان بالآخر موت کا شکار ہوتا ہے اور اس کے بعد اس کا دنیا سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کو کنٹرول کرتے ہیں۔ زندگی کی خوشیاں اور غم، انسان کی زندگی (پیدائش) اور موت کو اللہ تعالیٰ مقرر کرتے ہیں۔ جو ذات، انسان کو ایک معمولی قطرہ مادہ منویہ سے پیدا کر سکتی ہے، اس ذات کے لئے اتنے بڑے جسم کو دوبارہ ذرات سے اکٹھا کر کے جسم کی شکل اور پھر اس میں روح لوٹانا پہلی دفعہ پیدائش سے مشکل نہیں۔

دولت، عزت اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں اور عربوں میں مشہور ستارے، زہریٰ (شعری) جو کہ بہت روشن ہوتا ہے، عرب کے قبائل (بنو خزاعہ) اس کو پوجا کرتے تھے۔ اہل مصر بھی اس کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا، کہ شعریٰ (ستارہ)، ایک مخلوق ہے، جو خود اللہ کے تابع ہے، اس لئے اس کی پرستش غلط ہے۔ اللہ کی قوت، کے دلائل میں

انسانوں کو جوڑے (مرد/عورت) حیوانوں کو نر اور مادہ بنائے۔ یہی حال پرندوں اور رینگنے والے جانوروں کا ہے۔ یہ جوڑا، نباتات میں بھی ہے۔ زمین اور کائنات میں، دوسرے موجودات میں بھی جوڑے ہیں، جس کا مفصل ذکر پچھلی سورتوں میں گذر چکا ہے۔ لہٰذا انسانوں کو اپنے مالک وخالق کو پہچاننا اور اسی کی عبادت کرنی ضروری ہے۔

وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ِۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ اور بلاشبہ اسی نے پہلے عادیوں کو ہلاک کیا۔

وَ ثَمُوْدَا ْفَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ اور (قوم) ثمود میں سے (کسی کو بھی) باقی نہ چھوڑا۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿۵۲﴾

اور (ان سے) پہلے قوم نوح کو بھی، بلاشبہ وہ نہایت ظالم اور بڑے سرکش تھے۔

وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ اور الٹی ہوئی بستیوں (کی قوم) کو زمین پر دے مارا۔

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ اور الٹی ہوئی بستی کو ڈھانپ لیا جس (سنگ باری) نے ڈھانپ لیا۔

قارئین وسامعین، بالخصوص کفار مکہ کے لئے، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قوت کے بارے بتانے کے بعد، جن قوموں نے اللہ کے احکام کی نافرمانی اور انبیاء کی مخالفت کی تھی ان کا ذکر ہے۔ عاد کو تیز آندھی اور طوفان کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ اس قوم کے جو مسلمان بچ گئے تھے، ان کے بعد انہیں عاد ثانی، کہا جاتا ہے۔ قوم نوح کا ذکر ہوا، انہوں نے حضرت نوح کے احکام و نبوت سے انکار کیا تھا۔ وہ ایک طوفان (بارش) کے ذریعے تباہ ہو گئے اور حضرت نوح کے ساتھ بچنے والے پھر مختلف علاقوں میں پھیلے۔ اسی طرح، قوم ثمود کو بھی ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔ بستی الٹنے والی قوم لوط تھی۔ جس کو ان کی نافرمانی اور لواطت کی وجہ سے گرم سنگ ریزی اور زلزلہ سے تباہ کر دیا گیا اور ساری بستی زمین میں دھنس گئی۔ یہ واقعات اس لئے بیان فرمائے، کہ اللہ کے حکم نہ ماننے والے اپنے انجاموں کو دیکھ لیں۔ انسان اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ پھر (اے انسان!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں سے میں شک کرے گا؟

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ یہ (رسول) تو پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ قریب آنے والی (قیامت) قریب آ گئی۔

لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾

اس (قیامت) کو اللہ کے سوا کوئی ظاہر کرنے (دکھانے) والا نہیں۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ کیا پھر اس کلام (قرآن) پر تم تعجب (حیرانگی) کرتے ہو۔

وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں۔

وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اور تم غفلت (کھیل کود) میں پڑے ہو۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ پس تم (رک، باز آجاؤ) اللہ کو سجدہ کرو اور (اس کی) عبادت کرو۔

اوپر والی آیات میں عذاب کی نشانیاں جو ذکر کی گئی ہیں، وہ عرب اقوام کو معلوم تھیں۔ ان کے بعد ان کے رویہ کو ملامت اور انہیں غور و فکر کر کے اس کو بدلنے کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انسان پر بہت انعامات ہیں، جن کا ذکر عذاب سے پہلے کیا گیا ہے۔ ان میں کوئی صاحب عقل، شخص شک نہیں کر سکتا۔ تمام سابقہ امتوں کی طرف رسول (ڈرانے والے اور ہدایت دکھانے والے) بھیجے گئے۔ یہ محمد ﷺ بھی انہی رسولوں میں رسول ہیں، جو تمہارے لئے بھیجے ہوئے ہیں۔ ان کی تعلیمات پر عمل کرو، کیونکہ قیامت قریب ہے۔ انسان کی ابتداء زمین پر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جو کئی ہزار سال پہلے گذرے وہ پہلے نبی تھے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ اس لئے قیامت کے قریب ترین نبی، حضرت محمد ﷺ ہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ہے، جس طرح دو انگلیوں کا فاصلہ۔ لہٰذا عذاب سے بچنے کے لئے نیک اعمال و عقائد ضروری ہیں۔ قیامت کے معین وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اسی کے حکم سے ہوگی۔ اس کی علامات لوگوں کی معلومات کے لئے، اللہ کے نبی نے بتائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا، جس طرح کفار مکہ، تضحیک اور مذاق اڑاتے ہیں، وہ بہت بڑا گناہ اور جرم ہے۔ انہیں اپنے کردار، اللہ تعالیٰ کی قوت، اللہ تعالیٰ کے انسان پر انعامات پر غور کر کے، اپنی نافرمانی پر رونا اور افسوس کرنا چاہیے۔ اپنے رویہ کو ترک کر کے، اللہ کے فرمانبردار بن کر اس کی عبادت کرنی چاہیے۔ سستی اور غفلت سے بچنے کا حکم مسلمانوں کے لئے بھی ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو مانیں، اس کے خوف سے دلوں کو نرم کریں اور احکام کو ان کو صحیح طریقہ سے ادا کریں۔

آیت میں سجدہ کا حکم ہے نبی ﷺ نے تلاوت کے دوران سجدہ فرمایا اور اس وقت حرم میں سب لوگوں نے مسلم اور کافروں نے کلام کی عظمت اور تاثیر کن کلمات سن کر سجدہ کیا۔

سورت کی ابتداء اللہ کی عظمت اور اس کے نبی ﷺ شان سے اور اختتام پر اللہ کی عبادت اس کے احکام پر عمل کی تاکید پر ہوا۔

الحمدللہ سورت النجم بروز جمعہ 5 مئی 2023 عیسوی کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے اور قارئین کے لئے ذریعہ ہدایت مصنف کے لئے ذریعہ نجاعت بنائے۔ آمین۔

54- سورۃالقمر

تعارف:۔

سورت القمر ، کا نام سورت میں پہلی آیت میں القمر، کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

یہ سورت مکی ہے اور اس کا وقت نزول، ہجرت مدینہ سے اندازاً، پانچ سال قبل کا ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور کفار نے معجزوں کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔

سورت میں پچپن (55) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔ سورت کا ترتیب مصحف کے لحاظ سے نمبر ترپن (53) ہے اور ترتیب نزول کے لحاظ سے سینتیس (37) ہے۔ یہ سورت سورت ص سے پہلے اور سورت الطارق کے بعد نازل ہوئی۔

کفار کے انکار اور ہٹ دھرمی کا ذکر ہے۔ پرانی نافرمان اقوام، جو عرب علاقوں کے قریب بستی تھیں اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ ہو گئیں، ان کا ذکر ہے۔

آیات فصاحت وبلاغت کا انمول خزانہ ہے۔ مختصر اور بلیغ، یہی آیات قریش مکہ کے لئے مسحور کن تھیں، جس کی وجہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادو گر یا شاعر کہتے تھے۔

سورت شق قمر کے واقع کے بارے ہے جو کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد اور کفار کے مطالبے پر ہوا۔ روایت کے مطابق، قریش کے سرداروں نے جن میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، العاص بن وائل، الاسود بن عبد یغوث، النضر بن حارث وغیرہ جمع ہوئے اور معجزہ کا مطالبہ کیا۔ معجزہ میں چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ تھا۔ چودھویں کی رات تھی۔ کفار نے وعدہ کیا کہ اگر چاند، دو ٹکڑے ہو گیا، تو وہ اسلام کو قبول کر لیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ چاند کی روشنی چند لمحوں (وقت) کے لئے دو ٹکڑے ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، اس وقت موجود افراد کو آواز دے کر پکارا۔ اے ابو سلمہ بن عبد الاسد!، اے ارقم بن ابی الارقم!، گواہ ہو جاؤ۔ اور دوسروں کو دکھایا۔ لیکن کفار نے کہا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جادو کر دیا ہے اور نظر بندی کر دی ہے، بلکہ کہا کہ ابن ابی کبشہ، کا جادو ہے۔ ہم باہر سے سفر کر کے آنے والوں سے پوچھیں گے۔ باہر والے لوگوں نے بھی بعد میں تصدیق کی، لیکن مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی اپنی جگہ قائم رہی۔ (دلائل النبوۃ/روح المعانی/احکام القرآن)۔ اس حدیث کے راوی حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ لیکن یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے، جو کہ مدینہ شریف میں رہے ہیں، لیکن انہوں نے مذکورہ صحابہ سے سماع (سنا) کیا روایت کو سنا تھا۔اس معجزہ کے راوی کثیر تعداد میں ہیں۔

قدیم فلاسفر اور ماہرین فلکیات نے شق القمر (چاند کے ٹکڑے) ہونے سے اختلاف کیا ہے، کہ اتنا بڑا واقع نہیں ہو سکتا۔ یہ واقعہ، بڑا عجیب و غریب تھا،اس لئے اس کا ذکر ہمیشہ جاری رہتا اور واقعات میں مذکور ہوتا۔ ان اعتراضات کا جواب یہ ہے، کہ پہلے تو چاند ساری دنیا پر نظر نہیں آتا، بلکہ ایک خاص علاقہ پر جہاں وقت کا تعین (زون) ایک جیسا ہوتا ہے، وہاں ہی نظر آتا ہے، جو کہ بہت تھوڑا سا علاقہ ہوتا ہے۔ پھر گرمی اور سردی کی وجہ سے رات لمبی اور چھوٹی ہوتی ہے۔ پھر رات کی وجہ سے ویسے بھی صرف تقریباً دس سے بیس فیصد تک لوگ رات کو باہر چاند کو دیکھنے کی غرض سے ہوتے ہیں یا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اکثر سو رہے اور بے پرواہ ہوتے ہیں۔ پھر یہ واقعہ صرف تھوڑے عرصہ (وقت) کے لئے تھا، جس کی وجہ سے صرف وہی لوگ دیکھ سکے ہوں گے جو اس کا مطالبہ کر رہے تھے یا اس وقت ویسے چاند کی طرف نگاہ کئے ہوئے تھے اور ان کی تعداد محدود ہی ہو سکتی ہے۔

سورت میں نافرمان اقوام پر عذاب کا ذکر ہے۔ تقدیر کے بارے بیان ہے اور متقین کے مقام کا بھی ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کی برکت و حکمت کا ذکر کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَ یَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴿۲﴾ اور وہ (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

وَ کَذَّبُوۡا وَ اتَّبَعُوۡۤا اَہۡوَآءَہُمۡ وَ کُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳﴾ اور انہوں نے (اسے) جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔ اور ہر کام کا وقت ہے۔

وَ لَقَدۡ جَآءَہُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِیۡہِ مُزۡدَجَرٌ ﴿۴﴾ اور بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں تنبیہ و نصیحت ہے۔

حِکۡمَۃٌۢ بَالِغَۃٌ فَمَا تُغۡنِ النُّذُرُ ﴿۵﴾ کمال کی حکمت ہے پھر (بھی) تنبیہات فائدہ نہیں دیتی۔

قیامت قریب آ گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گذشتہ (پرانی) امتوں

کے مقابلے میں تمہاری مدت اتنی ہے، جتنی عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک وقت ہو۔(المعجم الصغیر)۔یعنی قیامت کے قریب ترین امت ہو۔

شق القمر:۔

اور چاند پھٹ گیا،سے مراد، معجزہ شق القمر ہے۔جو کفار کے مطالبہ پر نبی ﷺ کی دعا سے واقع ہوا، لیکن کفار مکہ پھر بھی مسلمان نہ ہوئے اور کہا کہ یہ جادو ہے یا نظر بندی ہے۔بظاہر اس وقت کے فلاسفر اور فلکیات کے ماہرین نے کہا، یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔حالانکہ چاند پھٹنے سے یہ مراد نہیں تھا، کہ وہ ختم ہو جائے، بلکہ کفار کا مطالبہ تھا، کہ آسمان پر ہی دو ٹکڑے روشن ہو جائیں، جو وہاں اس وقت صحابہ کرام نے دیکھا اور کفار نے اسے نظر بندی یا جادو کہا۔چاند کا لاکھوں میل دور سے دو چمکتے روشن ٹکڑے نظر آنا، ممکن ہو سکتا ہے، جب کہ چاندنی رات میں دور فاصلے سے اللہ تعالیٰ، کوئی گہرا بادل، چاند، کی روشنی (کی شکل) کے درمیان حائل کر دے، تو اس روشنی کے بالکل نیچے (90° درجہ) والے لوگوں کو درمیان میں تقسیم نظر آئے گی، جو کچھ دیر تک قائم رہنے کے بعد زائل ہو جائے گی۔یعنی وہ بادل یا غبار جو کئی ہزاروں میٹر کی بلندی پر ہو گا، ختم ہو جائے گا۔یہ سارا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو گا (اسباب پیدا ہوں گے اور پھر زائل ہو جائیں گے)، یا چاند گرہن درمیانی حصہ سے ہو جائے گا اور پھر ختم ہو جائے گا۔حضرت حسن (بصری) اور عطاء کا قول ہے، کہ اس سے مراد قیامت کو (نفخہ ثانی) کو چاند کا پھٹنا ہے اور جملہ میں ماضی کا لفظ (صیغہ) استعمال ہوا ہے، اس سے واقع کی تاکید مقصود ہے۔اگرچہ مستقبل میں ہو گا، لیکن اس طرح سچ ہے، گویا جس طرح واقع ہو چکا ہے۔(قرطبیؒ/روح المعانی)۔اکثر مفسرین نے صیغہ (لفظ) ماضی کی وجہ سے معجزہ شق القمر، مراد لیا ہے۔

کفار کے رویہ کا ذکر ہے کہ واضح معجزات یا دلائل کے باوجود، اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی کی بناء پر قبول حق سے انکار کرتے ہیں۔وہ اپنی خواہشات کے مطابق، جو ان کو پسند یا فائدہ دے اس کو مانتے ہیں اور دوسرے امور سے انکار کرتے ہیں۔قرآن مجید کی صورت میں تمام حکمت و دانش سے بھری زندگی کی راہنمائی، ان کو ان کی زبان میں دی جا رہی ہے۔لیکن وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔قیامت، جزا و سزا، موت، سارے امور کے لئے اللہ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور اسی وقت معین پر واقع ہوں گے۔کسی فرد کی خواہش اہمیت نہیں رکھتی۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ﴿۶﴾

لہٰذا (اے نبی) ان سے منہ موڑ لیجئے (یاد کریں) جس دن بلانے والا نہایت ناگوار چیز کی طرف بلائے گا۔

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾

(وہ) نگاہیں خوف سے نیچی کئے ہوئے قبروں سے نکلیں گے جیسے وہ پھیلے ہوئے ٹڈی دل کا لشکر ہیں۔

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

وہ بلانے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں گے، کافر کہیں گے: یہ دن نہایت سخت ہے۔

قیامت کا منظر:۔

قیامت کا منظر پیش کیا ہے۔ جس سے کفار منکر تھے۔ قیامت کو دوسرے صور پر، تمام لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ خوف زدہ ہوں گے آنکھیں نیچی ہوں گی اور اس طرح نکلیں گے جیسے ٹڈی دل کا لشکر زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے اور ایک آواز کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ جو ان کو حساب و کتاب کے لئے بلائے گی۔ نبی ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا، کہ آپ ﷺ کفار مکہ (منکرین) کی ضد، انکار اور برے رویہ سے پریشان نہ ہوں اور ان سے منہ موڑنے کا مطلب یہ نہیں کہ تبلیغ نہ کریں بلکہ ان کی احمقانہ حرکات کی پرواہ نہ کریں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ ۝۹

ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا (یہ) دیوانہ ہے اور (اس کو) جھڑک دیا۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝۱۰

پھر اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں بے بس ہوں اب تو ہی بدلہ (انتقام) لے۔

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱

چنانچہ ہم نے زور سے برسنے والے پانی کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے۔

وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲

اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے تو (آسمان اور زمین کا) پانی اس (حکم) کے لئے مل گئے جو ان کے لئے بلاشبہ مقرر ہو چکا تھا۔

وَ حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ۝۱۳

اور ہم نے اس (نوح) کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کیا۔

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝۱۴

وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ ان کی سزا کے لئے جنہوں نے کفر (انکار) کیا تھا۔

وَ لَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۵

یقیناًہم نے اس(کشتی)کوایک نشانی بناکر چھوڑا، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾

پھر(دیکھو)میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

اور یقیناًہم نے قرآن کو نصیحت لینے کے لئے آسان کر دیا، پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

طوفان نوح:۔

کفار مکہ، کی اطلاع کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔آپ علیہ السلام نے طویل ترین عرصہ تبلیغ کی اور بہت کم لوگ مسلمان ہوئے۔آپ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ اس قوم سے نجاعت ملے۔اللہ تعالیٰ نے آسمان سے طوفانی بارش نازل کی اور زمین کی اندر پانی جذب کرنے کی صلاحیت ختم کر دی، بلکہ چشموں سے پانی زور سے نکلنا شروع ہو گیا اور زمین میں سیم کی حالت پیدا کر دی، جس کی وجہ سے پانی زمین کے اوپر ہی اکٹھا ہو کر سیلاب اور طوفان بن گیا۔بارش اور طوفان لگاتار برستا رہا، جس کی وجہ سے انتہائی عظیم سیلاب(سونامی)پیدا ہو گیا۔گھر، پہاڑیاں، سب ڈوب گئے اور صرف وہی لوگ بچے جو کشتی میں تھے۔کشتی لکڑی اور لوہے(میخوں)کی بنی ہوئی تھی۔جس سے انجینئرنگ کے استعمال کا علم ہوتا ہے۔انبیاء کرام،اپنے زمانے میں علم و حکمت میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔اتنی بڑی جہاز نما، کشتی بنانا،ایک بہت بڑا کام تھا، جس میں کئی سال لگے۔یہ کشتی روایات کے مطابق جس پہاڑی(جودی)پر رکی تھی،وہاں پڑی رہی، کیونکہ وہاں سے ہٹانا بہت مشکل تھا اور لوگوں کے عبرت کے باعث تھی۔اہل مکہ کو وارننگ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچیں جو بہت سخت ہوتا ہے۔قرآن مجید جو انسانیت کی راہنمائی کی کتاب ہے، سراپا حکمت ہے۔اس کا ذکر ہے،اس کو آسان انداز میں بیان کیا ہے۔جملے یا فقرے مختصر ہیں۔ہم قافیہ ہوتے ہیں۔کلام بڑا بلیغ او رخوبصورت ہوتا ہے، جسے انسانی ذہن فوراً قبول کر لیتا ہے۔کلام کے اندر انسانی زندگی کے لئے ساری راہنمائی موجود ہے تاکہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو۔اب یہ لوگوں پر منحصر کہ وہ اس الہامی سے کتنا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ عاد نے تکذیب کی تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ بے شک ہم نے ان پر تیز و تند طوفانی آندھی منحوس دن میں بھیجی۔

تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ جو لوگوں کو یوں اُٹھا کر پھینکتی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے کھجور کے تنے ہوں۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ تو کیسا تھا، میرا عذاب اور کیسا تھا، میرا ڈرانا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت لینے کے لئے آسان کیا ہے۔ پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

قوم عاد:۔

قوم عاد کے عذاب کا ذکر ہے۔ ان پر عذاب شدید آندھی کی صورت میں آیا۔ جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی (تاریخی روایت کے مطابق بدھ کو شروع ہوئی)، ان کے سارے گھر، ریت سے بھر گئے۔ دروازے اکھڑ گئے۔ قوم عاد کے لوگ بڑے طویل اور قوی تھے۔ تیز ہوائیں، انہیں اُٹھا کر، زمین پر پٹخ دیتیں۔ اس طرح وہ ختم ہو گئے۔ کھجور کے اکھڑے ہوئے تنوں کی طرح، ان کی لاشیں پڑی ہوتی تھی۔ یہ عذاب لوگوں کے لئے درس عبرت ہے۔ قرآن مجید نصیحت، یاددہانی اور زندگی کی راہنمائی کے لئے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی روانی حفظ کرنے میں بہت آسانی پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب اور غیر عرب (عجم) سارے قرآن مجید باآسانی سے حفظ کرتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ جب تک معانی یا مفہوم کو نہ سمجھا جائے، ہدایت وراہنمائی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر صاحب علم (جو پڑھنا جانتا ہے) کے لئے اس کا سمجھنا بذریعہ عربی یا ترجمہ و تفسیر بہت ضروری ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ (قوم) ثمود نے ڈرانے والوں (نبی) کو جھٹلایا۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾

تو انہوں نے کہا بھلا ایک ایسا آدمی جو ہم میں سے ہی ہے، ہم اس کی پیروی کریں؟ بلاشبہ ہم تو تب گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ کیا ہمارے درمیان سے اسی پر وحی نازل کی گئی ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ سخت جھوٹا اور شیخی مارنے والا ہے۔

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ کل ہی وہ جان لیں گے کون کذاب اور شیخی مارنے والا ہے۔

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ بلاشبہ ہم ان کی آزمائش کے

لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں۔لہٰذا تو(اے نبی)ان کے انجام کا انتظار کر اور صبر کر۔

وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ اور انہیں بتادے کہ بے شک پانی ان کے (اور اونٹنی کے درمیان) تقسیم کیا ہوا ہے۔ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہو گا۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ پھر انہوں نے اپنے (ایک) ساتھی کو پکارا۔تو اس نے (تلوار) پکڑی پھر اس نے کونچیں کاٹ ڈالیں (مار ڈالا)۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿۳۰﴾ پھر (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا، کیسا تھا۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ بلاشبہ ہم نے ان پر ایک ہی چنگھاڑ بھیجی تو وہ، لگی ہوئی روندی باڑھ کی طرح (چورہ چورہ) ہو گئے۔

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کیا ہے۔پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

قوم ثمود(صالح علیہ السلام):۔

سابقہ تباہ شدہ، اقوام کا ذکر جاری ہے۔ قوم ثمود کی طرف، حضرت صالح علیہ السلام بطور نبی مبعوث ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کو دعوت دی اور وہ سرکش عوام کی طرح انکار کرتے رہے۔ کہتے کہ تم ہماری طرح انسان ہو، کس طرح ہم تمہاری بات مانیں۔ اگر ہم تمہاری بات مان کر، اپنے پرانے رسم و رواج چھوڑ دیں جو ہمارے آباؤ اجداد کے تھے، تو ہم لوگ گویا بے وقوف ہیں۔ نبی کی ضد اور مخالفت کی۔ معجزہ طلب کیا، کہ ایک حاملہ اونٹنی، اس پہاڑی سے نکل آئے، تو وہ اسلام قبول کریں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے پہاڑی پھٹی اور اس میں سے حاملہ اونٹنی نکل آئی۔ آپ علیہ السلام نے انہیں بتایا، کہ یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے بطور تمہاری طلب پر معجزہ آئی ہے، لہٰذا اس کو کہیں چرنے سے منع نہیں کرنا اور اس کو ایک دن، پانی پینے دینا۔ اس دن کوئی اور آدمی کنویں سے پانی نہیں لیں گے اور دوسرے دن کنویں سے سارے لوگ پانی پیئیں گے لیکن اونٹنی پیاسی رہے گی۔ اونٹنی سارے کنویں کا پانی پی جاتی تھی اور اس کے دودھ سے سارے لوگ برتن بھر لیتے تھے۔ پھر لوگوں بالخصوص کفار نے اونٹنی کے خلاف، ایک آدمی کو اکسایا اور اس نے جب اونٹنی پانی پینے کے لئے آرہی تھی تو اس کے پاؤں پر نیزہ مارا اور تلوار مار کر گرادیا اور ختم کر دیا۔ جب حضرت صالح علیہ السلام کو پتہ چلا، تو وہ پریشان ہوئے اور کفار کو ان کے ظلم کی وجہ سے سزا کے بارے بتایا کہ تین دن کے اندر وہ عذاب الٰہی کا شکار ہوں گے۔

اللہ کے حکم سے تیسرے دن ایک سخت چنگھاڑ(سپر سانک آواز) پیدا ہوئی، جس سے ان کے گھر گر گئے اور وہ مر گئے۔ شاک ویوز کی وجہ سے انسان کے ہارمون اور دوران خون سے رگیں پھٹ جاتی ہیں اور موت آجاتی ہے۔ جو مسلمان تھے، وہ اللہ کے حکم سے وہاں سے نکل گئے تھے اور کفار اس عذاب کو مذاق سمجھتے رہے اور بالآخر سب کے سب ختم ہو گئے۔

قرآن مجید کی عظمت دوبارہ بیان کی گئی ہے اور کفار مکہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ انکار کی صورت میں ان کا بھی ایسا ہی انجام ہو گا۔ لہٰذا توبہ کر کے نبی ﷺ کی مخالفت چھوڑ دیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ قوم لوط نے ڈرانے والوں (نبی) کو جھٹلایا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ﴿۳۴﴾ اور بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے۔ سوائے آل لوط کے، ہم نے انہیں بوقت سحر بچالیا (نجاعت دی)۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ ہماری طرف سے خاص فضل تھا ہم اسی طرح شکر کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ اور بے شک اس (لوط) نے انہیں ہماری پکڑ (عذاب) سے ڈرایا تھا تو انہوں نے اس کے ڈرانے میں شک کیا۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ اور بے شک انہوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا۔ تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔ پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ اور بے شک ان کو مقرر شدہ عذاب نے ، صبح سویرے تباہ کر دیا۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کیا، پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

قوم لوط:۔

قوم لوط کی تباہی کا ذکر ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کی تعلیمات سے انکار کیا۔ وہ لواطت

کی بد فعلی میں مبتلا تھے(مرد سے مرد کا جنسی تعلق)۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ فرشتے ان کے پاس،خوبرو نوجوان بن کر آئے۔جب ان لوگوں کو خوبرو نوجوانوں کا پتہ چلا،تو وہ بھاگتے ہوئے آئے اور حضرت لوط سے نوجوانوں کو طلب کیا۔لوگ،دروازہ توڑ کر یا،دھکیل کر اندر داخل ہوئے(یہ واقعہ پہلے ذکر ہو چکا ہے)۔فرشتوں نے پر مارا،جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں اور بصارت چلی گئی۔یہ چمک تھی،جس نے ان کی بصارت ختم کر دی۔فرشتے،نور سے بنے ہوئے ہیں،لہٰذا روشنی کی شدید شعاعیں ان کے وجود سے نکلی ہوں گی۔حضرت لوط علیہ السلام اپنی لڑکیوں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ لے کر وہاں سے بوقت سحری نکل گئے اور صبح کے وقت اس ساری قوم پر عذاب نازل ہوا اور تباہ ہو گئی۔یہ زلزلہ تھا کہ مکان الٹ گئے اور گرم پتھر یا گرم لاوا،بارش کی طرح برسا اور سارے لوگ ختم ہو گئے۔

قریش مکہ کے لئے وارننگ ہے کہ اپنے کردار اور اعمال کو صحیح کریں۔قرآن مجید،ان کی عربی زبان میں ہے ،اس کے انداز بیاں،روانی کو سمجھیں،نصائح اور واقعات کو اسان انداز میں بتایا گیا ہے،اس کو پڑھ کر عمل اور نصیحت حاصل کریں۔

مسلمانوں کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی حفاظت اور ان پر خاص فضل کرتے ہیں۔

وَ لَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ اور بے شک آل فرعون کے پاس بھی ڈرانے والے آئے۔

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

انہوں نے ہماری سب نشانیاں جھٹلائیں،تو ہم نے انہیں زبردست طاقت والے کی طرح،سے پکڑ لیا۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾

(اے کفار مکہ)کیا تمہارے کافر،ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے آسمانی کتاب میں نجاعت لکھی ہوئی ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت غالب رہے گی۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾

بلکہ ان کا وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بڑی تلخ ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾ بے شک مجرمین گمراہی اور عذاب میں ہیں۔

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

جس دن ان کو دوزخ میں اوندھا گھسیٹا جائے گا (کہا جائے گا) دوزخ کا عذاب چکھو۔

قوم فرعون:۔

فرعون کی ناکامی و ہلاکت کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور بڑے معجزات عطا ہوئے۔ لیکن ان معجزوں کے باوجود فرعون اور اس کے امراء مخالفت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر، رات کو شہر سے نکل آئے اور دریا پار کر لیا۔ فرعون ان کے پیچھے دریا میں گیا اور بمعہ لشکر غرق ہو کر درس عبرت بن گیا۔ فرعون بڑی قوت والا بادشاہ اور اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا، اس کا یہ انجام ہوا۔ لہٰذا کفار مکہ کو غور کرنا چاہیے۔ کفار مکہ طاقت میں فرعون سے بڑھ کر نہیں ہیں، اس لیے اپنے کو عذاب الٰہی سے بچائیں اور نبی کی تعلیمات پر عمل کریں۔

قریش (کفار) مکہ کا یہ خیال تھا کہ وہ مسلمانوں پر غالب ہوں گے اور ان کو شکست دیں گے، جو غلط نکلا۔ واقعات نے قرآن مجید کی پیشن گوئی سچی ثابت کی اور جنگ بدر میں قریش نے بدترین شکست کھائی۔ اسلام کے بڑے دشمن قتل ہوئے یا قید ہوئے۔

غزوہ (جنگ) بدر کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی آیت "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾" تلاوت فرمارہے تھے اور کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس آیت کی صحیح تطبیق یا تفسیر، اس دن سمجھ آئی، جب کفار کی شکست اور بھاگنے کا منظر دیکھا۔ (قرطبیؒ)۔ منکرین حق/اسلام اور اللہ کے نافرمان، دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی سزا بھگتیں گے۔ دوزخ کی طرف ان کو منہ کے بل، فرشتے، گھسیٹ کر لے جا کر، عذاب میں پھینک دیں گے۔ وہ وہاں سے نکل نہ سکیں گے۔ یہ منظر ہر پڑھنے اور سننے والے کے لئے ہے کہ وہ اپنے کو عذاب سے، دنیا میں نیک اعمال کر کے بچائے اور توبہ کر لے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ اور ہم نے ہر چیز ایک مقررہ (معین) مقدار میں پیدا کی ہے۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ ہمارا کام (تعمیل حکم) تو بس ایک لحظہ کا ہے، جیسے آنکھ کا جھپکنا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ اور بے شک ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ صحیفوں میں درج ہے۔

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اور ہر چھوٹا بڑا عمل (لوح محفوظ میں) لکھا ہوا ہے۔

تقدیر الٰہی:۔

آیات، کا موقع نزول، بمطابق روایت حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ یوں ہے کہ، مشرکین قریش، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہوئے آئے، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ بے شک مجرمین گمراہی اور عذاب میں ہیں۔ (القمر: 47)۔ (صحیح المسلم)۔ آیات مبارکہ بہت اہم ہیں اور ساری کائنات کے نظام کے بارے اطلاع دے رہی ہیں، جس کے بارے، لاکھوں افراد کئی سو سال سے کام کر رہے ہیں۔ اندازوں اور اسباب و نتائج میں گم ہیں۔ سارے اسباب کا وجود اور نتائج، اللہ تعالیٰ، کے ڈیٹا بیس، جس کا نام، لوح محفوظ ہے، میں ڈیٹا محفوظ ہیں۔ اس کے مطابق، کائنات میں امور ہو رہے ہیں۔ یہ زمین (عالم سفلی) یا آسمان (کائنات، سیارے، ستارے، کہکشائیں، نیوبلویس، (Nebulous، عالم علوی) کے امور ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہے، حتیٰ کہ عاجز ہونا اور قادر (ہونا)، بھی تقدیر سے ہے۔ (صحیح المسلم)۔ یہ آیت بھی ہے "بے شک ہم نے ہر چیز کو مقررہ مقدار میں پیدا کیا۔ اس آیت مبارکہ (49) میں, قدر (متعین مقدار) سے مراد عمومی تقدیر ہے۔ تقدیر، وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدر (مقرر) کر دیا۔ اور اس کا فیصلہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا علم اور ارادہ ,اس چیز پر مقدم (پہلے) ہے اور اس آیت اور حدیث کی وضاحت کے مطابق تقدیر کا تعلق ہر چیز (چھوٹی یا بڑی) کے ساتھ ہے اور ہر چیز ازل میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ (شرح النووی علی صحیح المسلم)۔

اہل سنت والجماعت (سواد اعظم یعنی مسلمانوں کی اکثریت) کا عقیدہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر (متعین و مقرر) فرمایا، یعنی، اللہ تعالیٰ کو اشیاء کے بنانے سے پہلے، اس کی مقدار اور اس کے احوال، کا علم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق اس چیز کو پیدا کیا۔ پس عالم علوی (کائنات آسمان) اور عالم سفلی (زمین) میں ہر چیز، اس (اللہ) کے علم، اس کی قدرت اور اس کے ارادہ، سے پیدا ہوئی ہے۔ اس میں مخلوق کا دخل نہیں اور مخلوق کو صرف ایک قسم کا کسب (عمل) حاصل ہوتا ہے اور مخلوق جو کسب (عمل) کرتی ہے اور کام انجام دیتی ہے، ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی قدرت (اسباب) اور اس کے الہام (خیال) سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ یہ قرآن وسنت سے واضح ہے۔ منکرین تقدیر کا یہ قول باطل (غلط) ہے کہ اعمال کو ہم، خلق (پیدا) کرتے ہیں اور ہماری اجل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (الجامع للاحکام القرآن۔ قرطبیؒ)۔

حضرت جابر و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں دو

فرقے ایسے ہیں، کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے، مرجیئہ اور قدریہ۔(سنن ابن ماجہ/ترمذی)۔ مرجیئہ، کا مختصر نظریہ یہ ہے کہ انسان مکمل طور پر بے بس اور مجبور ہے اور قدریہ، کا یہ نظریہ ہے کہ انسان کو پورا پورا مکمل اختیار و قدرت حاصل ہے۔ تفصیل عقائد وکلام کی کتب میں موجود ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾ بے شک پرہیزگار (متقین) جنتوں اور نہروں (والے گھروں) میں ہوں گے۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ حقیقی (سچی) عزت کے مقام پر، اعلیٰ اور بہت قدرت وطاقت والے بادشاہ کے پاس۔

عذاب کی تفصیل، اعمال کی تفصیل کے بعد، نیک اعمال کرنے والوں کے انجام کی خبر دی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے، نیک اعمال کرنے والے، قیامت کے بعد جنت کے اعلیٰ محلات میں قیام پذیر ہوں گے، دائمی سکون وراحت سے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ جو کہ قدرت وطاقت والا ہے، اس کے پاس، یعنی اس کے فضل وکرم میں رہیں گے۔ اللہ کی رضا، ہمیشہ کے لئے ان کو حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے جلووں سے مسرور اور شاداں ہوں گے۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت، چاند کے ٹکڑے ہونا، قیامت کی وارننگ سے ہوئی اور اختتام متقین کے حساب وکتاب کے بعد انعامات اور مقام رفیع کی خبر سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے متقین میں شامل فرمائے۔ آمین۔ الحمدللہ سورت القمر مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ساری بقیہ تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے قبول فرمائے۔ آمین۔

55- سورۃالرحمٰن

تعارف:۔

سورت کا نام،اس کے پہلے لفظ الرحمٰن کی وجہ سے ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے مطابق صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورت الفرقان کے بعد اور سورت الحجر اور سورت النمل سے پہلے نازل ہوئی۔

سورت میں تین (3) رکوع اور اٹھتر (78) آیات ہیں۔ ترتیب نزول سے اس کا نمبر تینتالیس (43) اور ترتیب مصحف (قرآن مجید) کے لحاظ سے پچپن (55) ہے۔

سورت کے مکہ میں نزول کے بارے روایت ہے، جس کے راوی حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، جس نے بلند آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کعبہ شریف میں کی، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ واقعہ اس طرح ہے، صحابہ کرام نے کہا، کہ قریش نے قرآن مجید کو بلند آواز میں کسی سے نہیں سنا، اور کون ہے جو بلند آواز میں ان کو قرآن سنائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں سناؤں گا۔ صحابہ کرام نے کہا، ہمیں تمہارے بارے خطرہ ہے کہ وہ تم کو نقصان دیں گے۔ ان کو وہ ادمی بلند آواز میں سنائے، جس کا قبیلہ مضبوط اور بڑا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہ مانے، اور کہا کہ وہ سنائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مقام ابراھیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں سورت الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ''ام عبد کے بیٹے کیا کہہ رہے ہیں''۔ انہوں نے کہا، یہ وہی کلام ہے، جس کے متعلق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں، کہ ان پر نازل کیا گیا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مارا پیٹا حتیٰ کہ ان کا چہرہ سوج گیا۔ (الجامع للاحکام القرآن)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے، پوری سورت الرحمٰن تلاوت کی اور صحابہ کرام خاموش رہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنات سے ملاقات کی، تب یہ سورت، جنات پر پڑھی تھی، تو انہوں نے، تم سے اچھا، جواب دیا۔ جب میں پڑھتا ۔فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (پس اے جن اور انسان کے گروہ۔ تم اپنے رب کی کون سی کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) تو وہ کہتے '' لا شی من نعمتک ربنا نکذب، فلک الحمد'' (اے ہمارے رب ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلائیں گے۔ پس تیرے لئے ہی حمد (تعریف) ہے)، (ترمذی/المستدرک)۔ ان واقعات سے واضح ہے کہ سورت مکہ شریف کے دوران قبل از

ہجرت نازل ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک چیز کی عروسہ ہوتی ہے اور قرآن کی عروسہ (دلہن) سورت الرحمٰن ہے۔(شعب الایمان)۔ سورت اعجاز وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔جملوں کا اختصار، الفاظ کی خوبصورتی اور ترنم سے، اس کی تاثیر بہت قوی ہے۔اس میں توحید، رسالت، قیامت، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، پر قوی دلائل ہیں۔سورت کے روحانی اور صوتی اثرات، بہت سی بیماریوں کے لیے مفید ثابت ہوئے ہیں۔

اللہ کے وجود کے علمی اور سائنسی دلائل ہیں۔زمین اور کائنات کے موجودات کا ذکر ہے۔جّن اور فرشتوں کا ذکر ہے۔جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔پانی کے خواص بالخصوص موتی اور سمندر میں پانی کا ایک دوسرے کو رکاوٹ بننا ذکر کیا گیا ہے۔کائنات کے نظام کی وحدت اس کے خالق کے واحد ہونے کی دلیل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ رحمان (اللہ) نے۔

عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ قرآن سکھایا۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ انسان کو پیدا کیا۔

عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ اسے بیان کرنے کی تعلیم دی (سکھایا)۔

اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۬ۙ﴿۵﴾ چاند اور سورج ایک حساب سے چلتے ہیں۔

وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ۔ اور بیلیں (زمین پر پھیلی ہوئی) نباتات اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔

وَ السَّمَآءَ رَفَعَہَا وَ وَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۙ﴿۷﴾ اور آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو (توازن) رکھا۔

اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ ﴿۸﴾ تاکہ تم تولنے (میزان) میں بے انصافی نہ کرو۔

وَ اَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ۹۔اور تم انصاف سے وزن کو صحیح رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَ الۡاَرۡضَ وَضَعَہَا لِلۡاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾ اور زمین کو مخلوق (جانداروں) کے لئے بچھایا (پھیلایا)۔

فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ﴿۱۱﴾ اس میں لذیذ پھل اور کھجور کے درخت ہیں جن کے شگوفے، پھل غلافوں میں لپٹے ہوتے ہیں۔

وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ اور بھوسے والے اناج اور خوشبودار پھول۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ تم دونوں (جن اور انسان) اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ (انکار کرو) گے۔

آیات مبارکہ اس قدر واضح اور علمی ہیں کہ ان پر غور کر کے انسان کسی ایک خالق پر پورا یقین کر لیتا ہے، اسکی تعریف کیسی ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ کے انعامات:۔

ابتداء، الرحمان سے کی گئی ہے، جو اللہ کا نام ہے۔ کفار مکہ کہتے تھے، اللہ کے لفظ کو ہم جانتے ہیں، الرحمان کیا ہے؟ اس کا تفصیلی جواب ہے۔ دوسری آیت بھی کفار مکہ کی تردید ہے، کہ قرآن محمد (ﷺ) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ بلکہ فرمایا، کہ الرحمان ہی نبی ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے۔ قرآن کا نزول، تاکیداً حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ہے، لیکن اس کا یاد رکھنا، اس کے مفہوم و مطالب کو سمجھنے کی استعداد و قوت، رحمان نے عطا کی ہے۔ پھر اسی رحمان نے انسان کو پیدا کیا۔ یہ اسلامی نظریہ ہے، جو ڈارون کے نظریہ ارتقاء انسان کے خلاف ہے۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء برائے انسان ویسے بھی اب رد ہو چکا ہے لیکن زمین پر دوسرے موجودات کے ، ارتقاء کا نظریہ، قرآن کے مطابق ہے۔ پھر انسان کی استعداد علم، زبان و بیان، کا ذکر ہے۔ انسان کے اندر حفظ (یاد رکھنے) اور اس کو دوبارہ حاصل کرنے کی قوت موجود ہے۔ جس طرح کمپیوٹر میں معلومات جمع کی جاتی ہیں۔ پھر دوبارہ اخذ کی جاتی ہیں۔ یہ استعداد انسانی دماغ میں اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور انسانی استعداد بہت اعلیٰ ہے۔ تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ سے کہ انسانوں نے ہزاروں زبانیں بنائی ہیں، جن سے وہ آپس میں اظہار کرتے ہیں۔ پھر زبانوں میں الفاظ، معانی، جملے، قافیے، وزن، برابر والے الفاظ ہیں۔ انسان کی یہ استعداد، جنوں اور فرشتوں سے بہتر ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کو سجدہ کیا گیا ہے۔ اس بیان میں جبلّی (قدرتی) استعداد کے علاوہ، استنباطی (کسی اور سے حاصل کرنا) کی قوت بھی شامل ہے۔ اسی لئے انسان نے علوم پیدا کئے، پھر ان کو پھیلایا اور تحقیق کی، استاد سے شاگرد بہت آگے چلے گئے اور نئی نئی راہیں نکالیں۔ اخلاق، قانون ، تحقیق کے ضابطے پیدا ہوئے۔ انسان کے اندر بھی احساس اور عدل کی طرف رجحان ہے جس کا آگے ذکر کیا ہے۔

انسان کے جسم کے بعد اس کے ارد گرد ماحول میں خالق کائنات کے دلائل کا ذکر ہے۔ جس کا سب سے واضح مظہر، سورج اور چاند ہیں۔ سورج کو آدمی ہر دن اور چاند کو ہر رات کو دیکھتا ہے۔ پھر ساری کاسمولوجی (اسٹرانومی) کا ذکر

ایک ہی مختصر، تین الفاظ میں کر دیا کہ یہ دونوں اپنے ایک معین کردہ حساب سے چلتے ہیں۔اس سے ذرہ بھر آگے پیچھے نہیں ہوتے۔اگر ہوں، تو انسان کی زندگی ختم ہو جائے۔ان کا سلسلہ چلتا رہے گا، جب تک اللہ کا حکم ہے۔انسان ان دونوں سے اس قدر حیرت زدہ تھا کہ ان کی عبادت کرنی شروع کر دی تھی۔ہر ایک (سورج/چاند) کا عمل، زمین پر انسانی زندگی کے لئے بنیادی ہے۔ ہماری جدید معلومات کے مطابق جب ایک مدار یا ان کی قوت کشش میں کمی ہو گی تو یہ سلسلہ زمین ونظام شمسی ختم ہو جائے گا۔

سجدہ کی اقسام:

زمین پر اُگنے، پھیلنے، والی بیلوں کو (النجم) کہتے ہیں، جو انسان کو پھل، پھول اور سبزی (خوراک) مہیا کرتی ہیں۔ نجم کا معنی ستارہ بھی ہے، کچھ نے یہ ترجمہ کیا ہے لیکن شجر کے ذکر کی مناسبت سی بیلیں زیادہ موزوں ہے۔اسی طرح درخت پیدا کئے جن سے سایہ، لکڑی اور بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ماحولیات کے بارے،ان کی اہمیت اب انسانوں پر واضح ہوئی ہے۔ یہ دونوں اللہ کو سجدہ کرتے ہیں, اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں۔ جب ہم سجدہ کرتے ہیں, تو جس ذات کو سجدہ کرتے ہیں، اس کی بزرگی اور قوت کے سامنے جھک جاتے ہیں اور قبول کرتے ہیں. اس لئے درخت، بیلیں (تنے اور بغیر تنے) کے پودے اور درخت اللہ کے تابع فرمان ہیں۔ انسانی سجدے کی بھی نقل ہے کہ بیلیں زمین پر پھیلی (لیٹی) ہوئی اور درخت زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد آسمان کا ذکر ہے کہ فضاء میں نیلگوں رنگ نظر آتا ہے, جس نے ہماری زمین کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ جس کے اندر بادل دوڑ رہے ہیں۔ بارش برستی ہے۔ برفباری اور ژالہ باری ہوتی ہے۔ جھکڑ چلتے ہیں، باد سموم (گرم) اور بادصباء (نرم) چلتی ہے۔ یہ سارے امور، اس زمین پر مختلف جانداروں کے لئے ضروری ہیں، جس کا انسان کو اب تحقیق کے بعد پتہ چلا ہے، لیکن قرآن مجید نے اس کی طرف آج سے چودہ سو سال پہلے اشارہ کر دیا تھا۔ قرآن مجید کسی سائنسی علم کی کتاب نہیں، بلکہ انسانی ہدایت کی کتاب ہے۔اس لئے اس میں اشارات ہیں تاکہ انسان جستجو کر کے اپنی منزل کو پہنچے۔ آسمان سے ستارے زمین پر نہیں گرتے، بادل زمین پر نہیں گرتے، شہاب ثاقب زمین پر نہیں گرتے، جو لاکھوں کی تعداد میں ہر روز آسمان سے گرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے قائم کردہ توازن کا نتیجہ ہے اور میزان (توازن) اور مناسبت، نے ہر شی کو اپنے اپنے مطلوبہ مقام و مکان، پر رکھا ہوا ہے، اور وہ اپنا، اپنا کام یا فرض پورا کر رہے ہیں۔ یہ، اللہ کے، حکم کی تابعداری یا سجدہ کرنے کا اظہار ہے۔

انسان کافرض:۔

ان آیات کے بعد انسان، کو اس کے عمل اور فرض کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔اللہ کے انعامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے،اللہ تعالیٰ کے میزان (توازن) کو بھی اپنے سامنے رکھ کر،اپنے کردار کی زمین پر اصلاح کرے، کیونکہ انسان زمین پر تمام مخلوق کا سربراہ ہے،اسے اللہ کے خلیفہ (نائب، صاحب قوت) ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس لئے اسے چاہیے کہ وہ اپنے تمام اعمال میں،انسانوں کے خاندان، معاشرہ، حکومت یا بین الاقوامی معاملات ہوں، تمام میں انصاف و عدل کے تقاضوں کو پورا کرے۔**اسی طرح حیوانات کے ساتھ بھی عدل روا** ، رکھا جائے۔ ظلم اور قتل وغارت نہ کی جائے۔ زمین پر اُگنے والے جنگلات اور قدرتی ذرائع کو بھی ضائع نہ کیا جائے، بلکہ تمام انسانوں کا حق تسلیم کیا جائے۔ ماحولیات کا نکتہ اس میں شامل ہے۔اسی طرح ترقی پذیر اقوام، غیر ترقی پذیر اقوام کا استحصال اور ظلم نہ کریں۔ان کے ذرائع پیداوار کو ہڑپ نہ کریں بلکہ توازن اور انصاف رکھیں۔ یہ اسلام کی آج سے چودہ سو سال قبل کی تعلیمات ہیں ،جنہیں دنیا بیسویں صدی تک نافذ نہیں کر سکی صرف وعدے کر رہی ہے۔

ان تعلیمات کے بعد انسان اور جنوں، جن کو عقل اور اختیار دیا گیا ہے، دونوں کو یاددہانی کرائی جارہی ہے کہ خالق کائنات کے اتنے انعام اور نعمتوں کو جانتے ہوئے تم کیسے انکار کر سکتے ہو۔اگر انکار کروگے تو بھی حقیقت کا انکار ہو گا، لہٰذا خالق کائنات، کا شکر ادا کرو۔اس کے احکام پر عمل کرو۔الآء،ایک جامع لفظ ہے اس کے ایک معنی، نعمتوں کے، دوسرا معنی خوبیاں وکمالات کے ہیں۔ تیسرا معنی، عجائب قدرت ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ اس نے،انسان کو ٹھیکرے جیسی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ اور اس نے، جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

انسانوں کی تخلیق کا ذکر ہے، کہ انسان کو گوندھی ہوئی مٹی، پھر جس میں بو (نمو، یا، نامیاتی مادہ) پیدا ہو جائے اور خشک ہو جائے۔ سب سے پہلے ،انسان کو، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر اس میں پھونک کے ذریعہ ،پہلی روح ڈالی۔ پھر انہی سے عورت کو پیدا کیا، تاکہ جوڑا ہو جائے۔انسان زمین سے خوراک لے کر، غذا اور خون، پھر مادہ منی (تولید) اس میں پیدا ہوتا ہے، پھر مادہ تولید سے عورت کے رحم میں حمل قرار پاکر، جب کچھ صورت اختیار کرتا ہے تو اس میں روح ڈال دی جاتی ہے اور کچھ عرصہ بعد وہ نومولود بچے کی صورت میں زمین پر قدم رکھتا ہے اور بڑھتا ہے۔

جن:۔

جنّوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا۔ایسی آگ جس میں دھواں نہیں تھا۔اس سے مراد ایسی آگ جو

کاربن (ہائیڈروجن) کا نتیجہ نہیں، بلکہ اور طریقہ سے پیدا ہوگئی تھی۔اور اس سے پہلا جن پیدا کیا اور پھر اس کے آگے جن پیدا ہوئے۔اس کی تفصیل معلوم نہیں، لیکن جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی میں جس طرح مختلف معلومات (کرنٹ) میں اضافہ کرنا، آسان ہے اسی طرح جنوں کی اولاد میں اضافہ بھی آسان اور بہت ہوتا ہے۔ جنّ، چونکہ انرجی کی صورت سے ہیں، اس لئے ان کی حرکت بہت تیز ہوتی ہے (برقی یا روشنی کی رفتار)۔اسی طرح وہ انسانی اجسام میں داخل ہو سکتے ہیں جس طرح آواز، بجلی، ایکسرے، ریڈیو ویوز، لیزر، الٹراساؤنڈ کی لہریں، انسان کے جسم سے گذر جاتی ہیں اور معلوم نہیں ہوتا۔ جنوں کے بارے سورت الاحقاف آیت: 32 میں ذکر کیا گیا ہے۔ان کی زندگی انسانوں کے مقابل لمبی ہوتی ہے۔ یہ آگ سے ہیں اور شیطان بھی آگ سے ہیں۔اس لحاظ سے یہ شیطان کے گروہ کے زیادہ قریب ہیں، لیکن کئی جن مسلمان بھی ہیں۔ جنوں کو انسانی آنکھ سے دیکھنا عموماً ممکن نہیں، جس طرح ہم بجلی، مقناطیسی یا ریڈیو کی لہریں نہیں دیکھ سکتے، البتہ محسوس کر سکتے ہیں۔ جنّ، مسلمان (ہدایت یافتہ) اور غیر مسلم (کافر) ہوتے ہیں۔ہدایت کے لئے، اللہ کے انبیاء کی پیروی کرتے ہیں۔اور ان کے اندر ہی، ان کے مبلغین پیدا ہو جاتے ہیں۔اکثر جنّ، اپنی اصلیت (آگ) کی وجہ سے شیطان کی زیادہ پیروی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جہنم میں جائیں گے، نیک اعمال والے جنت میں جائیں گے۔

انسانوں اور جنّوں، کو پھر اللہ تعالیٰ کے انعامات، جس میں انسانوں اور جنوں کا وجود شامل ہے اور ان کے رزق کا سامان ہے اور کتنے آرام ہیں کے بارے میں یاد دہانی کرائی جارہی ہے۔ان نعمتوں کا ادراک کریں اور اللہ کا شکر بجا لائیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ وہی دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا رب ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

مشرق و مغرب کی اطراف:۔

مشرق، اس طرف کو کہتے ہیں جس طرف سے سورج طلوع ہوتا ہے اور مغرب، اس طرف کو کہتے ہیں جس طرف غروب ہوتا ہے۔جب سورج، نکلتا ہے تو نکلنے والی طرف سے مشرق ہوتا ہے اور جس کے علاقے میں (خطے) کی طرف غروب ہو، اس کا وہ مغرب ہوتا ہے، اس طرح مغرب و مشرق، دو ہوتے ہیں۔جو زمین کے اپنے محور پر گھومنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔اور پھر زمین کے، سورج کے گرد گردش سے، سورج کی شعاعوں کا زاویہ مختلف ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ایک زمین کا حصہ شمالی اگر قریب ہو تو گرم موسم ہوتا ہے اور دوسری طرف جنوب میں سرد موسم ہوتا ہے اور ان کے غروب و شروق میں فرق ہوتا ہے جو کہ دو مغرب ہو سکتے ہیں۔ یہ علمی اشارے ہیں، جو قرآن مجید نے انسانوں کو کائنات میں غور و فکر کر کے خالق کی طرف پہنچنے کے لئے دیئے ہیں۔ یہ سورج کا نکلنا اور پھر غائب ہونا، یعنی رات کا آنا،

اللہ کا،انسان کی زندگی کے لئے بڑاانعام ہے۔ جس سے زندگی میں رعنائی اور روانی ہے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے تاکہ انسان اپنا ایمان مضبوط کر سکے اور احکام بجالا سکے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ اس (رب نے) دو سمندر جاری کئے جو باہم ملتے ہیں۔

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ (رکاوٹ) ہے وہ دونوں (اس سے) تجاوز نہیں کرتے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ ان دونوں سمندروں سے موتی اور مرجان (مونگے) نکلتے ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

وَ لَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـَٔاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ اور اسی کی (ملکیت اور کنٹرول میں)، سمندروں میں چلنے والے، پہاڑوں کی طرح اونچے اور بڑے جہاز (کشتیاں) ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

آسمان، زمین، فضاء اور انسان کے بعد سمندر کا ذکر ہے اور سمندر کے اندر اللہ تعالیٰ کے عجائب کا ذکر ہے۔ جن ،کا ہمیں، انیسویں/اٹھارویں صدی میں صحیح طور پر انکشاف ہوا۔

سمندر میں حجاب (پانی کی اندرونی حدود):۔

سمندر باہم ملتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو پانی مل جاتا ہے کیونکہ پانی کے مالیکیول ایک دوسرے سے جلد مل جاتے ہیں۔ سمندر کے پانی کھارے ہوتے ہیں اور سارے سمندر تقریباً ایک جیسے ہیں، البتہ موسمی حالات کے مطابق پانی کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہاں دو سمندروں کا ذکر ہے جو آپس میں مل رہے ہیں، بظاہر پانی ملا ہوا ہے درمیان میں کوئی دیوار یا پردہ نہیں، اگر ایک طرف سے آپ غوطہ لگائیں یا کشتی یا جہاز چلائیں تو دوسری طرف بغیر رکاوٹ کے پہنچ جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک نظر نہ آنے والی رکاوٹ ہے۔ دونوں پانیوں کی ترکیب امتزاج اور دونوں پانیوں کی خاصیات و کیفیات مختلف اور علیحدہ ہیں۔ ایک دوسرے کی حدود میں نہیں ملتے۔ یہ ابنائے جبرالٹر کا علاقہ ہے، جس کے جنوب میں مراکش کا علاقہ ہے اور شمال میں سپین کا علاقہ ہے اور اس مقام پر بحر روم اور بحر اوقیانوس آپس میں ملتے ہیں۔ اس تحقیق کو فرانسیسی سائنسدان جیکولس کونسٹیو نے 1961 میں ایک بحری جہاز پر رہ کر دونوں پانیوں کی تحقیق کی۔

بحیرہ روم کا پانی اسی حالت میں رہتا ہے بحرالکاہل پانی سے متاثر بالکل نہیں ہوتا گویاان کے درمیان حجاب ہے (سورۃ الفرقان۔آیت:53)۔

پھر سمندر سے نکلنے والے موتیوں کا ذکر کیا ہے، جواس وقت لوگوں میں عام تھے۔جدید سائنس کے مطابق سمندر کی سیپی میں، جب بارش کا غیر نمکین (تازہ) پانی داخل ہوتا ہے تو اس کے اندر موجود کیمیائی مواد کے ذریعہ عمل شروع ہو جاتا ہے، جو موتی بننے پر مکمل ہوتا ہے۔یہ سارے امور ایک کیمیکل لیبارٹری کی طرح ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نظام کا حصہ ہے۔سمندر کے دوسرے فوائد بہت زیادہ ہیں کیونکہ آکسیجن کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔موسم پر اس کے اثرات ہیں، تجارت میں سمندر، سستا ترین نقل کا ذریعہ ہے۔پانی کی اچھال، کی خاصیت بہت اہم ہے۔جس میں پہاڑ کی طرح کی بڑی کشتیاں اور جہاز، تیر رہے ہوتے ہیں۔پانی کو، اچھال کی قوت، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔یہ سارے امور اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں ہیں۔انسان اور جنوں، کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے تاکہ شکر ادا کر سکیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ جو بھی زمین پر ہے، وہ فنا ہونے والا ہے۔

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی، جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ پس تم (دونوں) اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾

جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اسی (رب) سے سوال کرتے ہیں، وہ ہر روز (وقت) نئی شان میں ہوتا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ قوت وطاقت کے بیان کے بعد کائنات کی بے بسی کا ذکر کیا ہے۔انسان کی بے بسی تو ہر فرد کو معلوم ہے، کہ ہر انسان بڑھاپے کے بعد کمزور ہو کر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بھی زمین پر ہے، وہ سب ختم ہو جائے گا۔زمین کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے، کہ زمین پر انسان آنکھیں کھولتا ہے اور ساری زندگی کے لمحات ،زمین پر گذرتے ہیں۔اب تو سائنس بھی مانتی ہے کہ نظام شمسی سورج کی گرمی (نیوکلیئر ری ایکشن) ختم ہو جائے گی اور جب ختم ہو گی تو سیاروں کے فاصلے بدل جائیں گے، گرمی کی وجہ سے مکمل تباہی، زمین پر آجائے گی۔کشش سیارگان میں کمی کی وجہ سے آپس میں ٹکراؤ ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔زمین وآسمان کی تمام موجودات، اللہ کے تابع اور اس کے حکم سے چلتے ہیں۔اللہ کی قوت وطاقت، ہر وقت، ہر آن نافذ ہے۔اور ہر دفعہ نیا حکم نافذ ہو رہا

ہے۔لوح محفوظ میں عمل کا منصوبہ پہلے ہوتا ہے، لیکن عمل کا حکم، اپنے وقت، پر ہوتا ہے۔ فیصلے بڑے مختلف ہوتے ہیں۔وہ زندہ کرتا ہے، مارتا ہے، عزت دیتا ہے، ذلت دیتا ہے، رزق فراخ کر دیتا ہے، پھر رزق میں کمی کر دیتا ہے۔ایک قوم کو سربلند کرتا اور دوسری قوم کو سرنگوں کرتا ہے۔گناہ معاف کرتا ہے۔ غم دور کرتا ہے، غم و آزمائش میں ڈالتا ہے، بیماری دیتا ہے تو صحت بھی عطا کرتا ہے۔شان کے معنی عظیم کام کے بھی ہیں۔اس لئے ہر روز نئی آن وشان ہے۔

جب ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی، تو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی قدرت اور طاقت میں قائم رہے گی۔ پھر انسان کو اللہ کی قدرت، اس کے عجائب، طاقت اور نعمتوں کا ذکر، یاد دلایا گیا ہے تاکہ احکام کی تابعداری اور شکر ادا کرے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ اے دوبھاری گروہ (جن وانس) عنقریب ہم تمہارے (حساب) کے لئے متوجہ ہوں گے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾

اے گروہ جن وانس! اگر تم آسمان اور زمین کے کناروں (حدود) سے نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ، قوت اور زور کے بغیر تم نکل نہیں سکتے (اور وہ قوت تم میں نہیں)۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

تم دونوں پر آگ اور دھواں چھوڑا جائے گا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

زمین کی حدود سے باہر نکلنا:۔

انسانوں اور جنوں کا ذکر ہے۔دونوں اختیار اور عقل رکھتے ہیں، اس لئے اپنے اعمال پر جزا و سزا پائیں گے۔دنیا کی نعمتوں کا زیادہ فائدہ، انسان اُٹھاتا ہے اور جن بھی دنیا میں آزاد و بااختیار ہیں۔ان کو بھاری وزن والا (ثقلان) کہا ہے، کیونکہ انسان اپنے علم و عقل کی وجہ سے زمین کے تمام ذرائع کو بے دریغ استعمال کرتا ہے اور سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے زمین پر بھاری ہے اور جنات انرجی سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ فضاء کی انرجی کو استعمال کرتے ہوں گے۔

(حقیقت اللہ جانتے ہیں)۔ عقل کی وجہ سے دونوں پر عبادات اور اعمال صالحہ کی ذمہ داری ہے، جس کا بوجھ بھی ان پر ہے۔ ان کو بتایا جارہا ہے، کہ اختیار اور عقل رکھنے کے باوجود، تم دونوں اللہ کے نظام کے تحت پابند ہو۔ اگر تم پوری طاقت استعمال کرو اور زمین سے نکل جانے کی کوشش کرو، تو نکل جاؤ گے جس طرح جن، چونکہ آگ سے پیدا ہیں، اس لئے زمین سے نکل کر آسمان کی طرف جاتے ہیں، لیکن ان کی آخری حد قریبی آسمان ہے۔ اسی طرح انسان کو زمین کی حدود (کشش ثقل کی حدود) سے باہر نکلنے کے لئے طاقت کی ضرورت ہے اور جب راکٹ ایجاد ہو گیا تو انسان زمین کی کشش ثقل سے باہر نکل گیا، لیکن پھر بھی آسمان کی حدود، بلکہ زمین کے ساتھ ہی حدود تک جاسکا ہے۔ آسمان کی حدود تو نظام شمسی سے بھی آگے ہے۔ اس آیت میں قوت وطاقت (سلطان) کا ذکر کر کے زمین کی کشش ثقل کی طرف اشارہ ہے کہ زمین نے اشیاء کو اپنی طرف کھینچا ہوا ہے اور اس کھچاوٹ سے نکلنے کے لئے قوت وطاقت درکار ہے۔ قیامت کا ذکر ہے کہ قیامت کو جن بھاگ کر نکلنے کی کوشش کریں گے کیونکہ آسمان (حفاظتی شیلڈ) پھٹ جائے گی، تو ان کو آگ کے شعلوں اور دھویں (نحاس کا مطلب تانبا ہے) اور تانبے کے ذریعے پکڑ کر، لایا جائے گا اور حساب وکتاب کے لئے پیش ہوں گے۔ تانبا دھویں میں ملا ہو گا یا تانبا علیحدہ گولی کی صورت میں، جن کو پکڑے گا یا شہاب ثاقب کے ذریعے مارے جائیں گے۔ اس کی حقیقت، اللہ کو معلوم ہے۔ یقیناً کوئی ایسی قوت ہو گی، جو آگ جو جذب کر کے پکڑے یا جذب کرلے گی جس سے جن پیدا ہوئے ہیں۔

اللہ کی عظمت، طاقت، اس کی نعمتوں کو بار بار دہرایا جارہا ہے کیونکہ انسان نفسیاتی طور پر آرام ملنے پر فوراً بھول جاتا ہے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح لال ہو جائے گا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾

پھر اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کے بارے نہیں پوچھا جائے گا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

(اس دن) مجرم اپنے چہرے/حلیے سے پہچان لئے جائیں گے۔ پھر وہ پیشانی کے بالوں اور پیروں سے گھسیٹے جائیں گے (جہنم میں ڈالنے کے لئے)۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

یہی وہ جہنم ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے۔(یہ ان سے کہا جائے گا)۔

یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ جہنم میں سخت پانی اور اس کے درمیان کھولتے پانی میں چکر لگائیں گے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

دوزخ کی زندگی:۔

قیامت کا منظر دکھایا جارہا ہے۔آسمان پھٹ جائے گا، اسمان کی وجہ سے زمین کو ایک حفاظتی شیلڈ ملی ہوئی ہے۔اس پھٹنے کے سبب، سورج اور ستاروں کی تابکار شعائیں، زمین تک پہنچ جائیں گی اور فضاء سرخ اور چکناہٹ والی (دھان) ہو جائے گی۔اس دن،انسانوں اور جنّوں، کو ان کے تمام اعمال نامے ملے ہوں گے،ان کے چہرے،ان کی مجرم ہونے کی کیفیت ظاہر کررہے ہوں گے،یعنی کالے رنگ اور سفید رنگ کے ساتھ، یہ قرآن وحدیث میں مذکور ہے اور ہر دیکھنے والا جان جائے گا کہ یہ مجرم ہے۔ان کو، ماتھے کے بالوں (جہاں غصہ کا مرکز ہوتا ہے) اور پاؤں سے گھسیٹ کر جہنم کی طرف فرشتے لے جائیں گے۔دونوں کو لے جانے کے انداز،انتہائی برے اور ذلت آمیز ہیں۔یہ وہی جہنم ہے، جس کا تم انکار کرتے تھے۔یہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہو گا۔جہنم میں مجرموں کو سخت بھوک لگے گی اور ان کو کھانے کے لئے زقوم (تھوہر کا درخت) کڑوا ملے گا۔جونہی کھائیں گے، سخت پیاس لگے گی، پانی کے لئے بھاگیں گے، تو کھولتا ہوا پانی ملے گا۔پیاس کی شدت سے پئیں گے، جو معدہ سے نکل آئے گا، پھر بھوک لگے گی اور پانی کے لئے بھاگیں گے، اسی طرح، وہ دوزخ میں چکر لگاتے رہیں گے اور عذاب بھگتیں گے۔ان عذابوں سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، کہ اللہ کے احکام مانے جائیں اور اس کا شکر ادا کیا جائے۔

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو باغ ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ (وہ) دونوں (باغ) بہت زیادہ شاخوں والے ہوں گے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ ان دونوں (باغوں) میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ ان (دونوں) باغوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾
وہ (اہل جنت) ایسی مسندوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے جن کے استر دبیز (موٹے) ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پھل قریب ہوں گے۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ ﴿۵۶﴾ ان (باغوں) میں جھکی نظروں والی (شرمیلی حوریں) ہوں گی۔اس سے پہلے انہیں کسی انسان اور کسی جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۚ ﴿۵۸﴾ گویا وہ ہیرے اور موتی ہیں۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ احسان کا بدلہ تو صرف احسان ہی ہے۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

اللہ کا خوف:۔

دوزخ میں رہنے والوں کے بعد، اللہ کے نیک بندوں کا ذکر ہے۔ان کے انعامات بیان کئے ہیں۔ان کی صفت یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے۔ضحاک نے کہا ہے، یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کے متعلق نازل ہوئی۔ایک دن انہوں نے سخت پیاس میں دودھ پیا، جو ان کو بہت اچھا لگا۔انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا، معلوم ہوا کہ وہ دودھ حلال نہیں تھا، تو انہوں نے اس دودھ کی قے کر دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھ رہے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تم پر رحم کرے، تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور یہ آیت پڑھی۔(الجامع للاحکام القرآن قرطبیؒ)۔ مجاہداور ابراھیم نخعی نے کہا: اس سے مراد، وہ شخص ہے، جس نے خواہش نفس سے مغلوب ہو کر، گناہ کا ارادہ کیا، پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد آئی اور اس نے اس (اللہ) کے خوف سے گناہ ترک کر دیا۔ ایسے کردار والے افراد، جنہوں نے اس اصول پر زندگی گذاری ہو، ان کے دو قسم کے باغوں والے گھر ملیں گے۔ اس کی تفصیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ دو جنتیں کیا ہیں؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، کہ وہ، دو جنتیں کیا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جنت کے وسط میں دو باغ ہیں۔ ہر باغ، نور کے گھروں میں سے ایک گھر ہے۔ ان میں ہر باغ نعمت سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے درخت اُگے ہوئے ہیں اور اس کے پتے سرسبز ہیں (یعنی تمام پودے مکمل طور پر جوان ہیں)۔(تفسیر مقاتل بن سلیمان)۔ یہ گھر، محلات نما ہوں گے جن کے اندر باغ، فوارے، چشمے، مختلف رنگارنگ پھول اور لذیذ پھل ہوں گے۔ اور ہر جنتی کو دو گھر (محل) ملیں گے تاکہ جب ایک سے اُکتا جائے تو دوسری طرف چلا جائے۔

جنت کی زندگی:۔

انسان کو ساتھیوں، معاشرتی تعلقات اور بات چیت کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لئے جنتی حضرات کی اپنی بیویاں، انتہائی خوبصورت اور جوان حالت میں ہوں گی۔ جنتی (متقی حضرات) بھی جوانی کے عالم میں ہوں گے۔ (قیامت کو ہر آدمی جو بالغ ہو کر مرا ہے جوانی کی حالت میں اُٹھے گا تاکہ اپنی جزا سزا حاصل کر سکے۔) اس کے علاوہ ان کو خادمائیں (حوریں) بھی ملیں گی جن کی شرم وحیا سے نگاہیں نیچی ہوں گی، حوروں کو ان جنتی حضرات سے پہلے کسی انسان و جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہو گا کیونکہ قبل از حساب و کتاب کوئی جن وانسان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ اپنے حسن میں گویا موتی ہیں، بے شمار اللہ کی نعمتیں ہیں، جو اس نے انسان کو دنیا میں بھی دیں تھیں، جو ہر ایک فرمانبردار و نافرمان کو ملی تھیں اور آخرت میں حساب و کتاب کے بعد اس سے ڈرنے اور نیک عمل کرنے والوں کو ملیں گی۔ یہ ان آدمیوں کے نیک اعمال کی جزا ہے۔ پھر ایک اصول بتایا ہے کہ اپنی زندگی میں نیکی و اچھائی کا بدلہ صرف نیکی اور اچھائی سے دینا ضروری ہے۔

متقین لوگ جنت میں اپنے محلات میں ریشمی مسہریوں پر بیٹھے ہوں گے۔ ان کے دو، دو محلات ہوں گے تاکہ ایک سے دل بھر جائے تو دوسرے میں چلے جائیں ان کے محلات میں طرح طرح کے کھانے اور لذیذ پھل ہوں گے۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ جو گہرے سبز سیاہی مائل ہیں (دو باغ/ محل)۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ ان میں جوش مارتے ہوئے چشمے ہوں گے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۲﴾

تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِیۡہِمَا فَاکِہَۃٌ وَّ نَخۡلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ ان دونوں (باغوں) میں لذیذ پھل ہوں گے، کھجوریں اور انار بھی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾

تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِیۡہِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ ان (باغوں) میں خوب صورت اور خوب سیرت بیویاں ہوں گی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ ﴿۷۲﴾ حوریں جو خیموں میں باپردہ ہوں گی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

لَمۡ یَطۡمِثۡہُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَہُمۡ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾

ان سے پہلے انہیں کسی انسان و کسی جن نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ وَّ عَبۡقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ سبز اور نہایت نفیس و نادر قالینوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

تَبٰرَکَ اسۡمُ رَبِّکَ ذِی الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ ﴿۷۸﴾ آپ کے رب ذالجلال والاکرام کا نام، ہی بہت برکت والا ہے۔

جنت میں زندگی کے مناظر، آیات میں بتائے گئے ہیں کہ جنتی حضرات (متقی افراد) کے محلات نما گھر ہوں گے، جن میں چشمے یا فوارے ہوں گے۔ ان کی رہائش یا بیٹھنے والے کمرے میں ریشم کے مضبوط گدوں سے بنے صوفے ہوں گے۔ سبز رنگ نگاہ کو تسکین دیتا ہے، سبز رنگ کے صوفے ہوں گے۔ گھر سے ملحق باغ ہوگا، جس میں خوش ذائقہ پھل، کھجور اور انار ہوں گے۔ کئی پھل ہوں گے، جن کے ذائقے بہت اچھے ہوں گے کیونکہ پھل کا ذائقہ کا تعلق درخت اور زمین سے گہرا ہوتا ہے۔ پھر ان محلات نما، گھروں میں ان کے ساتھ ان کی خوبصورت اور نیک سیرت بیویاں ہوں

گی۔(جو خواتین دنیامیں خاوند کے مر جانے یاطلاق کی وجہ سے دوسری شادی کرتی ہیں،ایک حدیث کے مطابق جس خاوند کو پسند کریں گی اور جس کا ان سے اچھا اخلاق تھا،اس کے ساتھ رہیں گی۔اس طرح مومنات کا مقام،ان کی عبادات کی وجہ سے حوروں سے بلند تر ہو گا۔(حدیث ام سلمہ۔الطبرانی)۔اس کے ساتھ ان کے پاس نوجوان خادمائیں حوریں ہوں گی،جو شرم و حیا اور تابعداری میں اپنی مثال ہوں گی۔زندگی بڑی پر سکون ہو گی۔ہر محل یا گھر میں باغ،فوارے اور اعلیٰ فرنیچر موجود ہو گا۔یہ دائمی زندگی سراپا آرام و سکون سے ہو گی۔یہ ساری نعمتیں اس دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے انعام کی یاددہانی تقریباً اکتیس(31)بار آئی ہے کیونکہ انسان بنیادی طور پر آرام میں تمام تکالیف اور احسان کرنے والوں/والے کو بھول جاتا ہے۔بار بار یاددہانی کا مقصد ہے کہ پڑھنے یا سننے والے،اس کی اہمیت کو جانیں اور ان آسائشوں کے لئے نیک عمل اختیار کریں۔جنت کی زندگی کی تصویر،احادیث مبارکہ میں بھی تفصیل سے دی گئی ہے۔جس میں مکانات یا خیمے،خواہشات،غذا ساتھی(اپنی بیویاں)خادمائیں اولاد اور خادم نوجوانوں کا ذکر ہے۔جنت کی مثال دنیا کی اشیاء سے نہیں دی جاسکتی کیونکہ دنیا کا معیار بہت کم تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات کے ذکر کا ایک پہلو یہ ہے،کہ دنیا میں بھی اللہ کے انعامات سے فائدہ اُٹھانا بالکل صحیح ہے۔لیکن شرط یہی ہے،کہ تمام سہولیات کو حلال اور جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے اور اللہ کے احکام کے تحت لیا اور استعمال کیا جائے۔یہ زُہد و تقویٰ کے خلاف نہیں ہے،لیکن اس کے ضروت سے زیادہ ہونے میں،انسان کے پھسلنے کے امکانات بھی زیادہ ہیں۔اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت کا اظہار ”ذوالجلال والاکرام“ سے کیا گیا ہے۔اس کا نام،دائم برکت والا،دائمی عظمت والا،بلند و جلال والا ہے۔اس کے نام کی برکت اس کی شان کے مطابق ہے۔

سورت کی ابتداء اللہ کے نام الرحمان سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام اس کے نام کی بلندی عظمت و جلال و اکرام سے ہوا ہے۔

الحمدللہ مورخہ 10 مئی 2023 کو سورۃالرحمٰن مکمل ہوئی۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق اور اسے شرف قبولیت عطا فرمائے۔آمین۔

56- سورۃالواقعہ

تعارف:۔

سورت کا نام،اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور اس کے نزول کے بارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ قبول اسلام دلیل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن اور بہنوئی قرآن مجید پڑھ رہے تھے، جب انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد کا پتہ چلا، تو ورق چھپا دیئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان اوراق کو دیکھنے کی خواہش کی، تو انہوں نے کہا ان کو پاک صاف ہو کر ہاتھ لگایا جاتا ہے (اس کو صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں)۔ یہ آیت اسی سورت میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال میں اسلام لائے۔

سورت، نزول کے حساب سے نمبر چھتالیس (46) اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے چھپن (56) ہے۔ اس میں تین (3) رکوع اور چھیانوے (96) آیات ہیں۔

اس کے فضائل میں روایت ہے کہ پڑھنے والا ، فاقوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)۔

سورت موضوعات کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ ایک حدیث کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سورت ھود، الواقعہ، المرسلات، عم یتسائلون (بناء) اور اذا الشمس کورت، نے بوڑھا کر دیا ہے (سنن ترمذی)۔

قریش قیامت کو عجیب و غریب سمجھتے اور انکار کرتے۔ قیامت کے وقوع کو حقیقت قرار دے کر بیان کیا ہے۔ اس کی کیفیت بتائی گی ہے۔ واقعہ سے مراد قیامت کا واقعہ ہے۔

قیامت کے دن، انسانوں کے تین گروہ ہوں گے۔ نیک اعمال والے، جن کو جنت اور برے اعمال والوں کو دوزخ اور نیک اعمال میں پہل کرنے اور سبقت لے جانے والا تیسرا گروہ ہو گا جن کو دوہرے محلات، جنت میں ملیں گے۔ یہ سارے گروہ اپنے اعمال کی سزا یا جزا پائیں گے۔

جنت اور دوزخ کی زندگی نقشہ (تصویر) دکھایا گیا ہے۔

اللہ تعالی کے مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے کے، دلائل دیئے گئے ہیں۔ انسانی نطفہ اور زراعت میں پیداوار کی مثال بیان کی گئی۔ زمین پر اللہ تعالی کے انعامات اور آسمانوں پر نظام کا ذکر کیا ہے اور اللہ کی تسبیح و تحمید و ذکر کا حکم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ جب قیامت (واقعہ ہونے والی) واقع ہو گی۔

لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ؕ﴿۲﴾ اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی جھٹلانے والا نہ ہو گا۔

خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۙ﴿۳﴾ پست کرنے والی بلند کرنے والی (ہو گی)۔

اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾ جب زمین نہایت بری طرح ہلائی جائے گی۔

وَّ بُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔

فَکَانَتۡ ہَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾ تب وہ منتشر غبار ہو جائیں گے۔

وَّ کُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً ؕ﴿۷﴾ اور تم (لوگ) تین قسمیں ہو جاؤ گے۔

فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۸﴾

پس دائیں طرف والے کیا (خوب) ہیں۔ دائیں طرف والے۔

وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ؕ﴿۹﴾

اور بائیں طرف والے کیا (حقیر) ہیں بائیں طرف والے۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۚ﴿۱۱﴾ وہی لوگ (اللہ کے) مقربین (قریبی) ہیں۔

فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۱۲﴾ (وہ) نعمت والے باغات میں ہیں۔

ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۙ﴿۱۳﴾ بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہے۔

وَ قَلِیۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ ؕ﴿۱۴﴾ اور چھوٹا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہے۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ ۙ﴿۱۵﴾ وہ زر و جواہر سے مرصع تختوں پر (بیٹھے) ہوں گے۔

مُّتَّکِـِٕیۡنَ عَلَیۡہَا مُتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۱۶﴾ ان (تختوں) پر تکیہ (ٹیک) لگائے آمنے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔

یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۙ﴿۱۷﴾

ان کے پاس ہمیشہ نوجوان رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے۔

بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ ۙ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ۙ﴿۱۸﴾

ساغر، صراحیاں اور جاری چشمے کی شراب سے بھرے جام لئے ہوئے۔

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ اس سے نہ درد سر میں مبتلا ہوں گے اور نہ مدہوش۔

سورت مکی ہے اور اہل مکہ کے اس وقت اعتراضات کے بارے ہے۔ اہل مکہ (کفار) قیامت کے بارے منکر تھے، کہ دوبارہ انسان کیسے زندہ ہوگا۔ سورج چاند ختم ہو جائیں گے اور حساب و کتاب ہوگا۔ اس کا جواب ہے کہ اب وہ انکار کر رہے ہیں، جب قیامت کے وقوع کی گھڑی آئے گی اور شروع ہوگی تو ہر فرد جو دنیا میں موجود ہوگا، اس کا یقین کرے گا۔ اس قیامت کے واقع ہونے کو کوئی بھی نہ جھٹلائے گا یا اس وقت انکار کرے گا اور نہ کوئی روک سکے گا۔ قیامت کی حالت ایسی ہوگی کہ جو دنیا میں بلند تھے وہ کمتر ہو جائیں گے اور جو اہل ایمان کمزور تھے وہ قوی ہو جائیں گے۔ دنیا کے حالات کے برعکس حال ہوگا۔ اللہ کے اطاعت گذار، بلند اور نافرمان، پست و ذلیل ہوں گے۔ زمین زلزلہ کے ساتھ شدید ہلائی جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

قیامت میں گروہ:۔

دنیا میں اعمال کرنے والے تین حصوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ (۱): نیک افراد، دائیں طرف والے ہوں گے۔ اور ان کا مقام کیا خوب ہوگا۔ نیکی کی وجہ سے طمانیت ہوگی۔ (۲): برے اعمال والے بائیں طرف ہوں گے، یعنی ان کا چہرہ خوف زدہ ہوگا اور پریشان حال ہوں گے۔

دائیں کی اصطلاح، نیکی، اچھائی اور کامیابی اور بائیں کی اصطلاح، برائی، بدی اور ناکامی کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ آسان تقسیم کرنے کا ذریعہ ہے۔ (۳): تیسری قسم یا گروہ، کے لوگ، سبقت لے جانے والے یا آگے بڑھنے والے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی، بھلائی میں ہمیشہ آگے رہے۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں، دوسروں سے سبقت لے جاتے تھے۔ لوگوں کی خدمت، امر بالمعروف اور جہاد میں ہمیشہ بڑھے ہوئے ہوتے تھے۔ لہٰذا یہ سب سے آگے ہوں گے۔ یہ لوگ اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں میں سبقت لے جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مقربین (قریب ترین) بندوں میں شمار ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سابقین وہ ہیں، جب ان کو حق دیا جائے (بتایا جائے / کہا جائے) تو وہ قبول کرتے ہیں۔ جب ان سے سوال کیا جائے تو عطا کرتے ہیں اور لوگوں پر، وہ حکم کریں جو اپنے اوپر حکم کرتے ہیں (یعنی عدل و مساوات)۔

یہ تقسیم، ۱۔ سابقہ انبیاء کی امتوں کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ ۲۔ اسی طرح مسلمانوں (امت محمدی) کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ ۳۔ پھر عمومی، تمام انسانوں کے لئے بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ ہر زمانہ اور ہر مقام (علاقہ) کی طرف، اللہ

تعالیٰ نے ہدایت کے لئے انبیاء پیدا فرمائے۔ اصحاب یمین اور سابقین، جنت نعیم میں مقیم ہوں گے، یعنی ان کو عطا کی جائے گی۔

السابقین:۔

بہت بڑا گروہ، ثلۃ، اس گروہ کو کہتے ہیں جس کا شمار کرنا ناممکن ہو۔ بہت بڑی جماعت پہلے والوں میں سے، کی چند توجیہات کی گئی ہیں، (۱): حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے لوگ ہیں، جو یقیناً کافی تعداد میں ہوں گے کیونکہ عرصہ بہت طویل ہے اور آخرین یعنی پچھلا والا گروہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے افراد ہیں۔ (۲): کچھ مفسرین نے یہ تقسیم، صرف امت محمدیہ علیہ التسلیم کے لئے کی ہے کہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے قریب کے زمانہ کے لوگ، السابقین میں زیادہ ہوں گے اور آخری ادوار کے لوگ السابقین میں، کم ہوں گے۔ (۳): تیسری توجیہ یہ ہے، کہ تمام انبیاء کے پیروکاروں میں پہلے والے گروہ (تاریخ کے لحاظ سے) زیادہ السابقین میں ہوں گے اور پچھلے والے لوگ السابقین کے گروہ میں، کم ہوں گے۔ (۴): یہی اصول تمام انسانیت پر بھی لاگو ہو سکتا ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر یوم قیامت تک دنیا میں گذرے ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق امت محمدیہ کا اصحاب یمین کا گروہ سب سے بڑا ہوگا۔ (حضرت ابو سعید خذری۔ بخاری/مسلم/نسائی/مسند احمد)۔

جنت کی زندگی:۔

ان نیک اور جنتی افراد کی طرز زندگی، کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ اپنے تختوں/صوفوں، پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نوجوان (نوخیز) لڑکے، ان کی خدمت میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ نوخیز لڑکے بھی ہمیشہ نوخیز رہیں گے، عمر میں بوڑھے نہیں ہوں گے۔ ان نوجوانوں (نوخیز) کے بارے مختلف روایات ہیں۔ (۱): جو مسلمان بچے نابالغ فوت ہو جاتے ہیں۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)۔ (۲): غیر مسلموں، کے نابالغ بچے۔ (سلمان فارسی)۔ (۳): یہ جنت کی مخلوق ہو گی۔ (عکرمہ)۔ متقین بھی نوجوان ہوں گے۔ (جنت میں یا دوزخ میں ہر انسان نوجوان ہو گا تاکہ انعام اور سزا صحیح طریقہ سے وصول کر سکے)۔ مومن مرد اور عورتیں، انتہائی جوان اور خوبصورت ہوں گے۔ یہ خادم نوجوان، ان نیک اور برگزیدہ حضرات، کو مختلف گلاسوں، صراحی نما جاموں میں جنت کا مشروب یا شراب جس میں نہ نشہ ہو گا، نہ سر درد، نہ پیشاب آنے کی تکلیف، بلکہ سراپا لذیذ اور پر سرور ہو گا، پیش کر رہے ہوں گے۔ یہ مشروب (شراب) جنت کے چشموں سے لی جائے گی۔

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ اور ایسے پھل (پیش کریں گے) جو وہ پسند کریں گے۔

وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ اور پرندوں کا گوشت (بھنا ہوا) جو وہ چاہیں گے۔

وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ اور غزالی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جیسے غلاف میں لپٹے موتی۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یہ ان کے (نیک) کاموں کی جزاء جو وہ کرتے تھے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ وہ اس (جنت) میں نہ لغو سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات ہے۔

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ مگر (صرف) سلام (سلامتی) ہے، کی آواز ہو گی۔

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾

اور دائیں طرف والے کیا ہی (اچھے) ہیں، دائیں طرف والے۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ اور بغیر کانٹوں کے بیریوں میں سے ہوں گے (پھل)۔

وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ اور تہہ بہ تہہ کیلوں (کے پھل)۔

وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ اور پھیلے ہوئے لمبے (درختوں کے) سایوں میں۔

وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ اور چھلکتے پانی (آبشاروں) میں۔

وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ اور بہ کثرت پھلوں میں۔

لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ منع کیا جائے گا۔

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اور اونچے نشستوں (بستروں) میں۔

اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ بے شک ہم ان کی (بیویوں) کو (نئی) خصوصیت سے پیدا کریں گے۔

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ ہم ان کو کنواریاں بنائیں گے۔

عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ من موہنی، ہم عمر۔

لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ دائیں ہاتھ والوں (گروہ) کے لئے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ پہلے والے لوگوں کے بڑے گروہ میں سے۔

وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ اور بعد والے کے بڑے گروہ میں سے۔

اہل جنت کی زندگی کا منظر بیان کیا جا رہا ہے۔ احادیث میں یہ تشبیہات اور ان کی تفصیل، ہماری دنیاوی معلومات کے لئے ہیں۔ نبی ﷺ نے واضح فرمایا کہ جنت کی زندگی میں، آسائش، پھل، غذا، مشروبات، فرنیچر اور

آرائش، محلات، پرندے، حوریں (نوجوان عورتیں، خادم) ، غلمان (نوجوان لڑکے خادم)، ان کی دنیا میں مثال موجود نہیں، یہ مثالیں، صرف ہماری معلومات کے لئے ہیں۔ حقیقت اس سے بہت بلند ہے۔ آیات مبارکہ، بھی ہمیں دنیاوی زندگی میں ہماری علمی استعداد کے مطابق معلومات دے رہی ہیں، یعنی اہل جنت، جو پھل اور جتنا چاہیں گے میسر ہو گا۔ بڑے بڑے کیلے، بیری کے درخت اور طویل و عریض سایہ دار، درخت ہوں گے، چھوٹے پتے میں بیری اور بڑے پتے میں کیلے کے درخت کا ذکر ہے، گویا تمام انواع موجود ہوں گی۔ اسی طرح غذا میں گوشت (پرندے وغیرہ)، جس کی اہل جنت خواہش کریں گے، ملے گا۔ غذا اور پھلوں کی کثرت ہو گی۔ غذا سے، انسانی جسم کو زیادہ کھانے سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ان کی خدمت کے لئے خوبصورت حوریں (حور سے مراد، انتہائی خوبصورت نوجوان عورت ہے) یہ خادمائیں، مومنین اور مومنات کے لئے ہوں گی، کیونکہ اس بڑے گروہ میں سب افراد شامل ہیں۔ وہاں جنت کا ماحول، انتہائی محبت اور اخلاص کا ہو گا۔ جھوٹ، بدزبانی، چغلی، گالم گلوچ، تکرار، نہیں ہو گا، بلکہ سکون، سلامتی و محبت کے پیغامات ہوں گے۔ اعلیٰ فرنیچر اور اعلیٰ رہائش گاہیں، جن میں آبشاریں، فوارے اور مشروبات کے چشمے بہہ رہے ہوں گے اور ان سے بھر بھر کر جام نوجوان خادم (غلمان) دے رہے ہوں گے۔ یہ اللہ، کے صالحین (نیک بندوں) اور اصحاب الیمین (دائیں طرف والے) گروہ کو میسر ہوں گے۔ پھر ساتھ یہ بھی اعلان فرمایا، تاکہ پڑھنے والے اور سننے والے اس کو سمجھیں " جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ " یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔ اس سے اعمال کی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

اصحاب الشمال (برائی والے):۔

نیک اعمال کے بدلے میں، انسانوں کو دائیں طرف اور سبقت لے جانے والے، گروہ میں شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح برے اعمال والوں کو، بائیں طرف کے گروہ میں شامل کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ برے اعمال کر کے وہ جنت میں جائے گا، تو یہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور قرآن مجید میں اعلان کے خلاف ہو گا، اور واقع نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ، اللہ کا فضل اپنے نیک بندوں پر ہر وقت ہے، جس کا اعلان کیا ہے اور اس کی رحمت بہت زیادہ ہے۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ اور بائیں طرف والے کیا (حقیر) ہیں، بائیں ہاتھ والے۔

فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ (وہ) سخت گرم ہوا اور کھولتے پانی میں ہوں گے۔

وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ اور سیاہ ترین دھویں کے سائے میں۔

لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ جو نہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ فرحت بخش۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ بلاشبہ وہ اس سے پہلے (دنیا) میں نازوں میں پلے تھے۔

وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ اور وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔

وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور وہ کہتے تھے (دنیا میں) کیا جب مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا، فی الواقع ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ کیا اور ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟ (اٹھائے جائیں گے)

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ (اے نبی) آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے بھی اور پچھلے بھی۔

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ سب ایک حد (مقررہ وقت) پر جمع کئے جائیں گے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ پھر یقیناً تم اے گمراہو! جھٹلانے والو!

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ (تم) تھوہر کے درخت سے ضرور کھانے والے ہو گے۔

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ پھر اس سے پیٹ بھرنے والے ہو گے۔

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ پھر اس پر کھولتے پانی سے پینے والے ہوں گے۔

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ پھر پیاسے اونٹوں کی طرح پینے والے ہوں گے۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ روز قیامت یہ ان کی مہمانی ہو گی۔

دوزخ کی زندگی:۔

قرآن مجید میں ہمیشہ دو کاموں اور ان کے انجام کا مقابلہ بتایا جاتا ہے۔ پہلے نیک اعمال والے افراد (اصحاب الیمین والسابقین) کی جنت میں زندگی کا نقشہ کھینچا گیا اور اب برے اعمال والے، بائیں طرف والوں کا، دوزخ میں کیا حال ہو گا، اس کو بیان کیا جا رہا ہے۔ ان کی حالت یہ ہو گی کہ جہنم میں پڑے ہوں گے، جو انتہائی سخت گرم ہو گی۔ وہاں پینے کے لئے کھولتا پانی ہو گا۔ دھواں ہو گا، جس میں گرمی ہو گی اور انتہائی تکلیف دہ ہو گا۔ دنیا کی زندگی میں ان لوگوں نے اپنی زندگی آرام سے گذاری تھی۔ عیش و عشرت کی وجہ سے خدا کو بھول گئے تھے اور آخرت بالکل یاد نہ تھی۔ اپنے گناہوں پر فخر اور اصرار کرتے تھے۔ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب دینے کا یقین بالکل نہ تھا۔ دوزخ میں گرمی اور پھر جب پیاس لگے گی تو کھولتا ہوا پانی ملے گا، جب کہ انسان ٹھنڈے پانی کی طلب کرتا ہے۔ بھوک سخت لگے گی اور وہاں بطور غذا کے تھوہر کا درخت ہو گا، جو ملے گا۔ اس کے کھانے سے مزید معدے میں جلن اور پیاس پیدا ہو گی اور دوزخی انسان اونٹ کی طرح پانی کی طرف دوڑتا رہے گا۔ یہ ان کی قیامت کے دن کے بعد ان کے برے اعمال کی وجہ

سے میز بانی ہو گی۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تم (دوبارہ زندہ ہونے کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ بھلا بتاؤ کہ تم جو منی (رحم میں) ٹپکاتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ کیا اس سے تم (انسان کی) تخلیق کرتے ہو یا ہم خالق ہیں۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور ہم ہی نے تمہارے درمیان موت (کا وقت) مقرر کر دیا اور ہم عاجز نہیں ہیں۔

عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

(بلکہ قادر ہیں) اس بات پر کہ تم جیسی اور مخلوق بدل کر لے آئیں اور تمہیں ایسی صورت میں پیدا کریں جو تم نہیں جانتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور بے شک تم پہلی پیدائش کو جان چکے ہو پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟

انسانی پیدائش:۔

اہل جہنم کے حالات کے بعد، اسلام کے بنیادی عقیدہ، مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کے علمی دلائل دیئے ہیں۔ جن سے آدمی اپنی عقل و سمجھ استعمال کر کے نتیجہ اخذ کر سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قبر سے چند سو بندے نکل کر ڈیٹا (معلومات) مہیا کریں، تب یقین آئے گا۔ انسانی مادر رحم میں، پیدائش اور استقرار حمل کا ذکر ہے۔ انسان غذا کھا کر، مادہ نطفہ (منی) پیدا کرتا ہے، پھر یہی مادہ، عورت کے رحم میں داخل ہو کر حمل کا سبب بنتا ہے۔ اس حمل کے واقع ہونے میں انسانی فیصلہ کا کوئی دخل نہیں۔ کہیں حمل ٹھہر جاتا ہے، کہیں نہیں ٹھہرتا۔ کہیں ٹھہر کر پھر ضائع ہو جاتا ہے، حمل، پھر اس میں لوتھڑا بننا، پھر ہڈی کا بننا، اس کے بعد گوشت کا چڑھنا، اس میں آہستہ آہستہ اعضاء کا اپنی شکل و صورت اختیار کرنا، اس میں روح آنا اور پھر اپنے وقت پر رحم سے باہر آ جانا۔ بوقت ولادت، انسانی جسم کے اعضاء کا کھل جانا اور پھر جسم کا سکڑ جانا۔ یہ سارا نظام، کسی قوت نے، انسانی جسم میں تخلیق کیا ہے۔ یہ ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ پھر یہ نومولود کب تک زندہ رہتا ہے۔ جوان ہو گا، بوڑھا ہو گا یا اسی زندگی کے سفر میں بوڑھے ہونے سے پہلے مر جائے گا، کسی کو معلوم

نہیں، یہی بات بتائی گئی ہے کہ سارے امور کسی اور طاقت کے ہاتھ میں ہیں، وہی خالق و مالک ہے۔ اگر وہ ذات (قوت) یہ سارے کام کر سکتی ہے، تو انسان کے اتنے بڑے جسم بننے کے بعد دوبارہ، یہ جسم اکٹھا کیوں نہیں ہو سکتا، جب کہ ایک قطرے کے لاکھواں حصہ سے انسانی وجود بن جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کی طرف توجہ نہ دے تو وہ اسباب و نتائج کے چکر میں گھومتا رہے گا۔ موجودہ سائنس میں ایمبریالوجی (Embryology) ایک خاص علم بن چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات جو انسان کو ایک خاص صورت میں، مادہ منی (نطفہ) سے پیدا کرتا ہے، وہ انسانوں کو ختم کر کے دوسری مخلوق بھی لا سکتا ہے۔ جو انسان کے اعضاء پیدا کرتا ہے، اس میں تبدیلی بھی کر سکتا ہے۔ ان دلائل کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ آخرت اور حساب و کتاب کا عقیدہ پختہ ہو سکے اور نیک اعمال کا محرک بنے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ کاشت کرتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ کیا تم اس کو (حقیقت) میں اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾

اگر ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیں اور تم پشیمان ہو جاؤ۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بے شک ہم پر تاوان (چٹی) پڑ گیا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ بلکہ ہم تو محروم ہو گئے۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ بھلا بتاؤ جس پانی کو تم پیتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اگر ہم چاہیں تو اس (پانی کو) سخت کڑوا بنا دیں تو پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ بھلا بتاؤ وہ آگ جو تم جلاتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾

کیا اس کے لئے درختوں کو تم نے پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

ہم نے اسے (آگ کو) یاد دہانی کا ذریعہ اور مسافروں کے لئے فائدہ کی چیز بنایا۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ پس آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح کرتے رہیں۔

زراعت:۔

مرنے کے بعد، دوبارہ زندگی کے بارے دلائل جاری ہیں۔ پہلی مثال، انسانی نطفہ اور اس کی نمو (بڑھنا) تھی ، جسے ہم ایمبریالوجی کہتے ہیں۔ اب دوسری، انسانی زندگی کی اہم ضرورت کا ذکر ہے اور وہ زراعت ہے۔ انسان زمین میں بیج بوتا ہے، زمین کی نمی اس بیج کو نمی مہیا کرتی ہے اور بیج کے اندر نامیاتی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ بیج پھٹ جاتا ہے اور اس میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ زمین کا منہ (اوپر کی تہہ) کو چیر کر نکل آتا ہے اور پھر پانی ملنے سے بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ قدآور پودا یا درخت بن جاتا ہے، جس کی لمبائی بیج سے ہزاروں گنا زیادہ ہوتی ہے اور پھر اس سے کئی بیج نکلتے ہیں۔ یہ سارے امور، انسانی عمل دخل کے بغیر ہیں اور کئی ویرانی زمینوں اور صحراؤں میں بارش کے بعد خود بخود کئی پودے نکل آتے ہیں، جن کے بیج یا مادہ تولید زمین کے اندر دفن ہوتا ہے اور پھر مناسب نمی کے ساتھ اس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل عقل اس سے خالق کائنات کے وجود اور اس کی قوت و علم کا اندازہ لگا لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں۔

اس نباتاتی زندگی (زراعت) میں پانی بہت اہم ہے اور پانی کو کس نے انسانوں، حیوانوں، پرندوں، جنگلات و حشرات کے لئے پیدا کیا، وہی خالق کائنات ہے۔ پانی کا ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہونا ترکیب ہے۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن کو بھی پیدا کیا گیا ہے۔ سورج کی روشنی، بارش کا نظام، بادل، نمی، موسم (گرمی و سردی)، ٹمپریچر، ہوا کا رخ، سارے اسباب، ایک مسبب الاسباب (سبب بنانے والے) نے بنائے ہیں۔ پھر پانی میٹھا بھی ہو سکتا ہے اور کھارا بھی، کھارا یا کڑوا پانی، زراعت اور پینے کے قابل نہیں ہوتا۔ یہ ساری نعمتیں انسان کو بغیر کوشش کے مل رہی ہیں اور ان کا خالق کون ہے؟؟ سب کا فاعل حقیقی، اللہ تعالیٰ ہے۔ بعض اوقات آدمی سبب کا نام لے کر مسبب مراد لیتا ہے۔ جیسے کاشتکار سے مراد فصل اگانے والا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ''زَرَعْتُ'' (میں نے اگایا) اس کو یہ کہنا چاہیے ''حَرَثْتُ'' (میں نے کھیتی باڑی کی)۔ کیونکہ ''الزراع'' اگانے والا صرف اللہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، کیا تم اس کو (حقیقت) میں اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ (الواقعہ: 64)۔

انسان کا عمل اور اسباب ضروری ہیں جس کو ''حرثت'' کے لفظ سے ظاہر کیا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان پوری کوشش کرتا ہے، لیکن بونے سے لے کر پکنے کے مرحلے میں کہیں بھی سارا فصل تباہ ہو جاتا ہے اور آدمی افسوس کرتا رہتا ہے۔

اس کے بعد انرجی کا ذکر ہے، جس میں آگ ہے، جو کاربن کا پروسس ہے۔ لکڑی سب سے آسان اور قدیم

ایندھن ہے۔ موجودہ زیر زمین گیس اور تیل بھی جنگلات کے زیر زمین پانی میں گھل جانے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کو کاربن فیول کہتے ہیں۔ لکڑی کی رگڑ سے آگ پیدا ہوتی ہے، پھر یہی لکڑی آگ کو پھیلاتی ہے اور جنگلات میں اس طرح لگتی ہے۔ آگ کے ذریعہ، انسان کئی کام کرتا ہے۔ عرب ممالک میں دو درخت، ایسے ہیں جن کی لکڑی آپس میں رگڑی جائے تو آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کا نام ''مرخ اور عفار'' ہیں۔ پرانے زمانے میں اور اب بھی لوگ، رات کو روشنی اور گرمی کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ کھانا پکاتے ہیں اور کئی چیزیں، آگ کے ذریعے سے صنعت اور انجینئرنگ میں بنتی ہیں۔ ان سب امور کے ذریعہ، خالق کائنات اور اس کی قدرت وطاقت کا اظہار کیا گیا ہے تاکہ انسان اس کو پہچانے اور پھر تاکید کی، کہ اپنے عظیم رب کی تعریف تسبیح کی صورت میں، اسے یاد کریں۔ دوزخ کی آگ کی طرف اشارہ ہے، کہ اگر یہ آگ جلاتی ہے تو اُس آگ کی کیفیت، اِنسانی آگ سے ستر گنا سخت ہے۔ (حدیث)۔

بنیادی ضروریات:۔

انسانی معیشت میں آگ اور آگ کے ذرائع (جنگلات) کے بارے حدیث شریف ہے: کہ لوگ تین چیزوں سے منع نہ کئے جائیں۔ پانی، آگ اور چراگاہیں (جانوروں کے گھاس چارہ کے لئے زمین)۔ (**ثلاث لا یمنعن ، الماء و لکلاء و النار**'' (ابن ماجہ)۔ لفظ **متاعاً یعنی اثاثہ، یا بنیادی ضرورت** کی وجہ سے یہ اسلامی معاشرت ومعیشت کا انسانی اصول ہے۔ (ابن کثیر)۔ اسلامی ریاست اس کا اہتمام کرتی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہ (موقع) کی قسم۔

وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اور بلاشبہ اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ بے شک یہ قرآن نہایت عزت والا ہے۔

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ جو ایک محفوظ کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ (یہ) رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

کیا پھر تم اس کلام (قرآن) سے بے پرواہی کرنے والے ہو۔

وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

تم نے جھٹلانے (قرآن کے) کو، اپنا رزق بنالیا ہے۔

فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾

پس جب روح، نرخرے تک پہنچ جائے (وقت موت)۔

وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور تم اس وقت (نکلتی روح) دیکھ رہے ہوتے ہو۔

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور ہم تمہاری نسبت اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

فَلَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾

پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں، تو کیسے نہیں۔ (سوچو)۔

تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

اس (روح نکلنے والی) کو لوٹاتے کیوں نہیں اگر تم سچے ہو۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾

پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے۔

فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾

تو اس کے لئے راحت، خوشبو اور نعمتوں والی، جنت ہے۔

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾

اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں (نیکی) طرف والوں میں سے ہے۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾

(کہا جائے گا) تیرے لئے سلامتی ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے۔

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾

اور اگر وہ (مرنے والا) جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہو۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ تو (اس کی) ضیافت (مہمان نوازی) کھولتے پانی سے ہو گی۔

وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اور (اسے) دوزخ میں جلانا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ بلاشبہ یہی ہے وہ سچ جو یقینی ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ پس آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کیجئے۔

قریش کے قرآن کریم اور نبی ﷺ کے بارے رویہ کا ذکر ہے۔ ستاروں کو وہ بعض اوقات پوجتے تھے یا ان کی وجہ سے زمین پر ہونے والے واقعات کا سبب جانتے۔ مواقع (جائے وقوع) موقع کی جمع ہے، جہاں سے ستارے نظر آتے ہیں اور جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ یعنی غائب ہو جاتے ہیں۔ ستاروں کے اپنے مدار بھی ہو سکتے ہیں جو وہ کہکشاؤں میں گھومتے ہیں۔ یہ ایک اعلیٰ فلکی نظام کی دلیل ہے۔ کچھ مفسرین نے قیامت کو جب آسمان پھٹ جائے گا، تو ستاروں کا گرنا، مراد لیا ہے۔ یہ قسم، بہت اہم ہے کہ ایک سارے فلکی نظام کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن مجید کے کلام الٰہی اور اس کے واقعات اور تعلیمات کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ یہ ایک نہایت محترم و معزز کتاب ہے، جس میں انسان کی بھلائی، رہنمائی، ماضی اور آنے والے واقعات کا ذکر ہے۔ اس قدر محترم و معزز کتاب ہے کہ پاک وصاف لوگ اس کو چھوئیں یا پکڑیں۔

قرآن مجید کو پکڑنا:۔

قرآن مجید میں انسان کی مکمل راہنمائی و ہدایت ہے۔ اس کی مزید وضاحت احادیث اور اسوۃ نبوی میں ہے تا کہ عملی صورت بھی واضح ہو۔ قرآن مجید، عقائد، زندگی میں معیشت، سماجی انصاف، قانون اور سزائیں، انسانی حقوق، باہمی انسانی تعلقات، معاشرت، اللہ کی عبادت، جنت و دوزخ کے اعمال و سزائیں، کائنات کے امور اور انسانی زندگی کے امور کا ذکر موجود ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش اس کو بغیر طہارت (پاک ہونے) کے پکڑنا منع ہے۔ اس کی تفصیل فقہاء نے اس طرح بیان کیا ہے۔

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ، آیت کی تفسیر، فرشتے (ملائکہ) ہیں اور پھر انبیاء کرام یا نبی ﷺ ہیں۔ آیت کے تحت، حدیث کے مطابق مسلمان کو بھی اس کے ادب و احترام کے مطابق جنابت یا حیض اور بے وضو چھونے / اٹھانے سے منع کیا ہے۔ اس کے احترام کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت عمرو بن حزم ہیں، (مؤطا امام مالک)۔ (۱): فقہ حنفیہ کے مطابق چھونا (بغیر طہارت) ممنوع ہے۔ (۲): فقہ مالکیہ کے مطابق بے وضو ہاتھ لگانا ممنوع ہے۔ (۳): فقہ شافیعہ کے مطابق بھی قرآن مجید کو چھونا ممنوع ہے۔ (۴): فقہ حنبلیہ کے مطابق بھی بے وضو ہاتھ لگانا ممنوع ہے۔ (۵): امام داؤد الظواہری (غیر مقلدین) کے نزدیک ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔ تمام فقہاء کے نزدیک تلاوت کر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

بعض مفسرین نے کتاب میں دوسری الہامی کتابوں (تورات و انجیل) کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ مسلمان متقدمین علماء و مفسرین کی وسعت نظری اور غیر متعصب طرز فکر ظاہر کرتی ہے۔

کفار (اسلام دشمن) علاقوں میں قرآن مجید کی کتاب کو لے جانے سے منع کیا گیا ہے جہاں اس کی بے حرمتی

کے امکانات ہوں۔ نھی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو (المسلم حدیث)۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی انسان کا نہیں۔ یہ مقدس کتاب دنیا میں بھی محفوظ ہو گی اور لوح محفوظ میں بھی محفوظ ہے۔ اس قدر محفوظ کلام، انسان کا کیسے ہو سکتا ہے۔ اہل مکہ (قریش) اس کلام سے جو بے پرواہی کر رہے ہیں، ہر وقت اس کے خلاف لگے ہیں گویا ان کا یہ رزق ہے۔ اس کی سزا بھگتیں گے۔ موت کے وقت، جب وقت نزع (موت) ہو گا، ان کو اپنی بے بسی کا احساس ہو گا اور اگر ہمت ہے تو موت کو واپس کر لیں، لیکن نہیں کر سکیں گے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ ہے اور یہ مرنے والے چونکہ اللہ کے احکام کو جھٹلانے والے ہیں اس لئے یہ دوزخ میں جائیں گے، جہاں ان کو کھولتا ہوا پانی اور آگ کی گرم ہوا جھلسا دے گی جو ان کے برے اعمال اور نافرمانی کا نتیجہ ہے۔

اگر مرنے والا مسلمان، نیک اعمال کرنے والا، اور مقربین سے ہے تو اس کے لئے جنت، آرام دہ زندگی اور نعمتوں بھرے باغ والے گھر ہوں گے۔ سلامتی و سکون ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی نیکی کرنے والے، دائیں طرف والوں میں سے ہے، وہ بھی جنت کے محلات میں جائے گا اور اپنی جزا پائے گا۔

مرنے والے میں اگر کوئی بدکاروں، نافرمانوں اور جھٹلانے والوں سے ہو گا، تو وہ سیدھا جہنم کی آگ میں جھلسے گا اور یہ بالکل حق ہے۔ اسی طرح واقع ہو گا۔ آج نہ ماننے والے، اس وقت اس کا اقرار کریں گے اور سزا بھگتیں گے۔

رکوع اور سجدہ کی تسبیح:۔

اہل ایمان کو اللہ کی، بابرکت اور عظیم نام کی تسبیح و ذکر کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو۔ حضرت عتبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (الواقعہ: 96)، نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا، اس کو تم اپنے رکوع میں رکھ لو اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (الاعلیٰ: 1)، نازل ہوئی تو فرمایا تم اس کو اپنے سجدے میں رکھ لو۔ (ابوداؤد)۔ علماء بلاغت نے لفظ، الاعلیٰ، کو اعلیٰ کے معانی کے لحاظ سے العظیم، سے زیادہ مرتبہ والا قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ سجدہ میں پڑھی جاتی ہے۔ ایک حدیث ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو کلمے، بہت ہلکے ہیں (پڑھنے کے لحاظ سے) اور بہت بھاری ہیں (اجر کے لحاظ سے)، اور اللہ کو پیارے ہیں (معانی کے لحاظ سے) سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ وَ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ۔ (بخاری)۔ ان کا ذکر بہت بابرکت اور فائدہ مند ہے۔

الحمد للہ سورۃ الواقعہ کی تفسیر مکمل ہوئی (بروز جمعۃ المبارک مورخہ 12 مئی 2023)، اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

57- سورۃالحدید

تعارف:۔

سورت الحدید، کا نام سورت میں ،الحدید ،کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ جو آیت نمبر 25 میں ہے ''اور ہم نے لوہے کو نازل کیا۔اس میں بہت قوت ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں'':وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ(الحدید:25)۔

سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔چند آیات مکی ہیں، جس کی وجہ سے ایک دو روایات کا مکہ شریف میں نزول کا ذکر ہے۔اس کی ابتدائی آیات مکہ شریف میں اور بقیہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ موضوع کے اعتبار سے اس کا وقت نزول مدینہ شریف کا ابتدائی دور ہے جو مسلمانوں کے لئے اہل مکہ کی مخالفت اور۔۔۔ان کے حملوں کی وجہ سے سخت تھا اور داخلی طور پر منافقین بھی تھے۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر ستاون(57) ہے اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر پچانوے(95) ہے۔اس میں انتیس(29) آیات اور چار(4) رکوع ہیں۔

ہجرت کے ابتدائی سالوں میں مسلمانوں کی مدینہ شریف میں معیشت بہت کمزور تھی۔ منافقین، مہاجرین کی مالی امداد سے اعراض کرتے تھے۔ کفار مکہ کا حملوں کا دباؤ تھا۔ان حالات میں انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے لئے خرچ کرنا) کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جلال اور قوت کا اظہار کیا گیا ہے۔اس کے علم اور صفات عالیہ کا ذکر ہے۔احکام الٰہی پر عمل کی ترغیب اور حکم ہے۔

دنیا کے بے ثباتی کا ذکر ہے۔اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے فوائد اور اس کے اجر عظیم کا ذکر ہے۔

اللہ کے احکام کو دل سے ماننے کا حکم ہے اور پرانی امتوں کی طرح گمراہی اور فسق میں مبتلا ہونے سے منع کیا گیا ہے۔اہل کتاب، میں فاسقین کی کثرت کا ذکر ہے۔ نصرانیوں میں رہبانیت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے مذہب داخل کر دیں تھیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝۱

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ نہایت غالب اور حکمت والا ہے۔

لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝۲

آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی بادشاہی ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اور وہ ہر شئی پر خوب قادر ہے۔

ہُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاہِرُ وَ الۡبَاطِنُ ۚ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝۳

وہی اول بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی اور وہی ہر شئی کو خوب جاننے والا ہے۔

مخلوق اور تسبیح:۔

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے کیونکہ وہ بڑی قوت وطاقت والا ہے بڑی دانائی وحکمت والا ہے۔ اگر ہم غور کریں جو کہ کسی بڑے علم اور اعلیٰ تعلیم کی محتاج نہیں۔ صرف متوسط عقل اور توجہ کی محتاج ہے۔ سارا نظام کائنات، جسے آج تک انسان بہت معمولی درجہ تک بھی نہ سمجھ سکا، کس قدر منظم طریقے سے لاکھوں سالوں سے چل رہا ہے۔ اس میں کوئی خلل نہیں، ہر ایک کا دوسرے سے ربط اور تعلق، زمین اور چاند کا فاصلہ، زمین و سورج کا فاصلہ، زمین کی اپنے محور کے گرد گردش، زمین کی سورج کے گرد گردش، گردش کے دوران، زاویہ، جس کی وجہ سے دن اور گرمی، رات اور سردی، کا گہرا تعلق ہے۔ کس طرح چل رہا ہے۔ زمین کی حالت، اس کی کیفیت، میدان، پہاڑ، جنگل، صحراء، وادیاں، دریا، سمندر، جھیلیں اور موسم، بارش، طوفان، برفباری، بادل، گرمی، سردی، بہار، خزاں اور ان کے جنگلات فصلیں، انسانوں، حیوانوں، پرندوں پر اثرات کس قدر منظم اور اعلیٰ، انتظام کے ساتھ چل رہے۔ یہ ساری مخلوق آخر کسی نے بنائی ہے اور بنانے والا کس قدر علم وحکمت اور قوت وطاقت کا مالک ہوگا جو ان مخلوقات کے وجود سے ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی عبادت یعنی تسبیح کرتی ہے۔ ہر ایک کے اندر ایک حد شعور ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنا متعین کردہ کام کر رہی ہے۔ اور یہ متعین کام کی تابعداری ہی ایک طرح کی تسبیح ہے۔ اگر کوئی خصوصی تسبیح کا انداز ہے تو وہ اس مخلوق کے اطوار وحیات کے مطابق ہوگا۔ جس کا انسان کو علم نہیں ہو سکتا۔ جدید سائنسی تحقیقات نے مختلف موجودات جس میں جمادات (مختلف اقسام کے پتھر) اور درختوں سے نکلنے والے سگنلز، کے بارے معلومات حاصل کی ہیں جن کو انسان کے کان نہیں سن سکتے یا آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

حکیم، مبالغہ کا لفظ ہے، یعنی اس کے ہر کام میں حکمت، ہر عمل میں عقل ودانائی، اس کا کنٹرول، اس کی منصوبہ

بندی اس کی تنفیذ،ہر عمل،حکمت سے لبریز ہوتا ہے۔

زمین و آسمان میں اس کی بادشاہی ہے کہ سارا نظام اس کے احکام،تدبیر کے مطابق چل رہا ہے۔ یہ نظام ،انسان جو اشرف المخلوقات ہے کے بس میں نہیں۔ایک انسان کس قدر بلند و علم والا ہو،وہ انسانی صفات بالخصوص، محبت، نفرت،لالچ،خود غرضی،غصہ،سخاوت، کنجوسی،جذبہ حاکمیت، تکبر،تعصب سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔یہ امور اس پر اثرانداز ہوتے ہیں۔اگر وہ اس کائنات یا زمین پر نظام چلائے گا،تو اس میں خامیاں اور خرابیاں ہوں گی اور کائنات تو چل ہی نہیں سکتی۔اس لئے جو اس کا چلانے والا ہے،وہ علیم و خبیر اور تمام عیوب سے پاک ہے۔

زمین کی بادشاہی بھی اگر انسان کو دی جائے گی تو(اپنی کمزوری کی وجہ سے)مسائل کا شکار ہو گی۔اگر لوگ مل کر ایک مجموعی(گروپ)کرے تو بھی وہاں مسائل پیدا ہوں گے اور گروہ بندی و تعصب کے مسائل ہوں گے۔اس حاکمیت کو بے عیب اور بے خطا طریقہ سے استعمال کرنا،ناممکن ہے۔اللہ کی حاکمیت کا تصور اور اللہ کا نازل کردہ قانون کا استعمال انسانیت کے لئے زیادہ صحیح ہو گا۔

ہم دیکھتے ہیں کے ہر چیز جس کے اندر جان ہے اس کی ایک مدت حیات ہے۔اس کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اور زمین سے نکلنے والی یا موجود اشیاء اسی کے اندر ہی ختم ہو رہی ہیں۔انسان اپنے وجود(اپنی پیدائش اور موت)میں بے بس ہے۔اسی طرح تمام حیوانات،حشرات،پرندے اور نباتات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔یہ ایک سلسلہ ہے جو قائم ہے اور کسی بنانے والے کی عظمت،قدرت اور حکمت کی طرف راہ نمائی کر رہا ہے اور وہی ذات جو زندگی دے رہی اور موت دے رہی ہے۔زندگی اور موت وہی دے سکتا ہے جس کی قدرت اور طاقت ہو۔اسی لئے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ کی صفات:۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے۔وہ ظاہر ہے،ساری کائنات کے موجودات اپنے خالق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔اس کی قوت ان کے وجود سے ظاہر ہے۔وہ مخفی ہے،اس کا وجود ہمارے احاطہ علم سے ماوراء ہے اور ہر شئ کے اندر اس کی قوت مخفی ہے اور جب چاہے اس قوت سے جو چاہے کر سکتا ہے۔اس کی ایک مثال اس طرح ہے کہ آج کل مصنوعی عقل(آرٹیفیشل انٹیلی جنس)کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے،ہمارے پاس،ہمارے ہی ملکیت کے آلہ،پرسنل کمپیوٹر یا موبائیل کو،وہ کمپنیاں جو ہارڈ ویئر یا سوفٹ ویئر بناتی ہیں اور ان کی مصنوعات کو اپنے کمپیوٹر یا موبائیل میں استعمال کرتے ہیں،وہ ہمارے علم اور کنٹرول کے بغیر،اپنی اَپ ڈیٹ یا عمل دخل کرتے رہتے ہیں۔جب کہ وہ ہم سے ہزاروں میل دور ہوتے ہیں اور وقت اور فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔یہ ایک ادنی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعے جن پر اللہ تعالیٰ کا مکمل کنٹرول ہے اور وہ حکم عدولی نہیں کر سکتے ان کے ذریعے کائنات کے امور

کو کنٹرول کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نظام کے بارے ہم کچھ علم نہیں رکھتے۔وہ بہت اعلیٰ اور اکمل ہے۔یہ صرف سمجھنے کے لئے مثال ہے۔انسانوں اپنے بھیجے ہوئے سیاروں، جو فضا میں کئی ملین کلو میٹر دور ہیں یعنی ان کے سگنل پہنچنے میں بھی کئی دن لگتے ہیں جو کہ ریڈیو لہروں کے ذریعہ، بجلی کی رفتار سے سفر کرتے ہیں، ان کا یہ حال ہے (بحوالہ وائجر نمبر 1 اور نمبر Voygor No. 1 & 2/2)۔انسان یا تمام حیوانات کا معاملہ جن میں زندگی اور کچھ مقدار عقل ہے، اس کا رابطہ اس کی عقل یعنی برین (دماغ) کے ذریعہ اللہ کے کنٹرول میں ہے اور وہ جب چاہے اس کے دماغ کے خیالات اور ارادوں کو بدل سکتا ہے۔انسان کو اختیار کی وجہ سے اپنے ارادے پر عمل کرنے کی قوت دی گئی ہے۔جو اللہ تعالیٰ جب چاہیں مفلوج کر سکتے ہیں۔یہ تبدیلی فرشتے، جو انرجی کی صورت میں ہیں، وہ دماغ میں خیال پیدا کرتے یا ختم کرتے ہیں (بحوالہ حدیث دل دو انگلیوں کے درمیان ہے)۔

وہی ذات ربانی اول ہے، یعنی ساری کائنات کو اس نے پیدا کیا تو پیدا کرنے والا کائنات سے پہلے تھا ورنہ کیسے پیدا کرتا؟ اس لئے اول ہے اور آخر اس طرح ہے کہ ساری کائنات اگر ختم ہو گئی، تو اس کی ذات باقی رہے گی کیونکہ وہی کائنات کو ختم کر سکتا ہے۔مختصراً، وہ اول ہے کہ اس سے پہلے کوئی نہ تھا اور آخر اس طرح کہ اس کے بعد کوئی نہیں ہو گا۔وہ اول ہے، اس کے اوپر کوئی نہیں اور وہ آخر ہے اس کے بعد کوئی نہیں، وہ ظاہر ہے کہ ساری مخلوق میں اس کی قدرت ہے اور باطن ہے (مخفی) ہے کہ ساری مخلوق کی نگاہوں سے چھپا ہوا ہے۔حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اول ہے، تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔پس تو ہمارا قرض ادا کر دے اور ہم کو فقر سے بے پرواہ کر دے (المسلم/ابوداؤد)۔

صوفیاء کے نزدیک اول سے مراد ذات باری کے وحدانیت اور ہر شئی کا احاطہ کرنا ہے۔

جب وہ ذات، اس قدر وقت و طاقت کی مالک ہے، تو اس کا علم بھی اسی قدر وسیع ہے۔وہ، ہر چیز کو جاننے والا ہے۔کائنات کا ذرہ ذرہ، اس کے علم میں ہے۔اس کا علم غیر متناہی ہے (بغیر حدود ہے)۔اس کے علم کا اندازہ، انسانی عقل سے باہر ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۴

اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر اس نے عرش پر استواء (جلوہ) کیا وہ ان سب

چیزوں کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور زمین سے خارج ہوتی ہیں اور جو آسمانوں سے اترتی ہیں اور آسمانوں میں چڑھتی ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی کہیں ہو اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ کا کنٹرول:۔

تخلیق کائنات کے بارے ذکر ہے۔ یہ پہلے بھی سورت الاعراف آیت 54 میں بھی گذر چکا ہے۔ علمی حقائق کی طرف اشارہ ہے اور انسان کی تمام تحقیقات، آیت کی بیان کردہ حدود کے اندر ہی ہیں اور مستقبل میں بھی رہیں گی۔ ساری کائنات کو چھ دنوں میں بنانے کا پروسس ایک تدریجی عمل (ایویلوایشن Evaluation) کی طرف اشارہ ہے اور پھر اس میں مدت کا ذکر ہے۔ یہ دن ہمارے دن تو نہیں، کیونکہ اس وقت سورج بھی نہیں تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دن ہیں، جن کا ذکر پچاس ہزار سال کا بھی ہے اور بھی کوئی معین مقدار ہو سکتی ہے۔ سائنس کی مدت تو ملین سالوں میں ہے، جس سے مراد انسانی سال ہیں اور پھر مختلف ادوار بھی ہیں۔ اس مدت میں زمین اور آسمان کے درمیان جس قدر موجودات ہیں ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور پھر عرش معلیٰ پر جلوہ (استواء) فرمایا جو اللہ کی شان کے شایان ہے۔ عرش معلیٰ کا مقام ساتویں آسمانوں سے اوپر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقام استواء اور پھر اس کے علم و قوت کا ذکر ہے، کہ جو کچھ بھی زمین میں داخل ہوتا ہے، وہ بارش کی صورت میں پانی کے قطرات ہیں یا بر فباری، ژالہ باری، تابکاری کی شاعیں، زمین کی طرف آنے والے شہاب ثاقب یا پودوں، فصلوں اور درختوں کے بیج، سب کو اللہ تعالیٰ کی ذات نے ان کے حساب و کتاب سے رکھا ہوا ہے اور اس کے احاطہ علم میں ہے۔ اس کے ساتھ اس کے علم کی مزید شان بیان کی گئی۔ زمین سے جو چیزیں نکلتی ہیں وہ معدنیات ہو یا ہوا کی گیس یا پودے اور جنگلات، انسان و حیوانات پرندے اور چرندے، آبی حیوانات سب کی تفصیل اللہ کے علم کے مطابق موجود ہے۔ جو فرشتے احکام لے کر اترتے ہیں اور کئی امور سرانجام دینے کے بعد واپس آسمانوں کو جاتے ہیں۔ زمین کی ساری معلومات اور اس پر رہنے والوں (حیوانات، انسان، چرند، پرند، حشرات) سب کے بارے اس خالق علیم و خبیر کو معلوم ہے۔ جہاں جو بھی ہے اس کے حال کی اس کو خبر ہے اور یہی مفہوم ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ ساتھ کی ایک توجیہ انفرادی کنٹرول میں بیان کی گئی ہے کہ کس طرح وہ کنٹرول کرتا ہے اور انسان کی ہر کیفیت و حالت و مقام، اعمال سے واقف ہے۔

ھو معکم سے مراد انسانی مراتب کا وجود بے معنی ہونا ہے اور سراپا وجود باری تعالیٰ اہم ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵

آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حکومت ہے اور تمام امور اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَ هُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی، عظمت وصفات کے بعد اس کی حکومت یا قبضہ کا ذکر ہے کہ کائنات میں اس کی حکومت ہے۔ زمین وآسمان کے تمام فیصلے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتے ہیں۔ رات اور دن کے نظام کا ذکر ہے جس کی وجہ سے زمین پر انسان، حیوانات، نباتات، پرندے، جنگلات زراعت، سارے انحصار کرتے ہیں۔ موس، بارش و باراں، سب اسی کے مرہون منت ہیں۔ زندگی کے سلسلے جن کو ہم زمانہ کہتے ہیں، اسی سے چلتے ہیں۔ یہ نظام بڑا پیچیدہ ہے۔ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ہمارا ایک علمی اندازہ ہے، جس کی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ زمین، فضاء میں ایک طرف تو سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے اور دوسری طرف اپنے محور (اپنے اندر ایک قوت کی وجہ سے) گھوم رہی ہے، جو جس طرح لٹو گھومتا ہے۔ اس گھومنے سے سورج کی طرف والی جگہ پر روشنی سے دن ہو جاتا ہے اور یہ آہستہ آہستہ چوبیس گھنٹوں اور کچھ منٹ میں دوبارہ اسی طرف پہنچ جاتی ہے، جہاں سے روشنی کی شعاعیں اس پر پڑتی ہیں۔ پھر ایک بڑا پیچیدہ نظام ہے جس کے تحت چاند کی صرف ایک ہی طرف زمین کی طرف رہتی ہے اور اس کا مدار اور چکر اس طرح ہے کہ جب سورج غروب (غائب) ہو جاتا ہے، تو اس کی شعاعیں چاند پر پڑتی ہیں اور ادھر سے منعکس ہو کر زمین پر پڑتی ہیں۔ سورج اور چاند اور زمین کے زاویے اس طرح ہیں کہ چاند نظر آنے میں شعاعیں کچھ چاند کے کم حصہ سے آتی ہیں اور پھر ہر روز اس کا حصہ بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ دو ہفتوں میں مکمل حصہ نظر آتا ہے۔ پھر وہ دوسری طرف گھٹنا شروع ہو جاتا ہے پھر ایک دن چاند، بالکل سورج کی روشنی (شعاعوں) سے غائب ہو جاتا ہے اور زمین پر مکمل اندھیرا رہتا ہے، پھر وہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر ان دونوں (کم اور بڑھنے) میں چاند کی زمین پر نظر آنے کی سمت مختلف ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس مہینہ کی تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ گنتی نہ جاننے والا بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ کتنے دن گذر چکے ہیں۔ یہ سارا نظام جس پر ہم غور ہی نہیں کرتے، ایک کمال کی انجینئرنگ اور پلاننگ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسانی (زمین پر رہنے والی تمام مخلوقات) فائدے کے لئے بنای ہے۔ یہ اس کے وجود کی دلیل ہے اور وہ دلوں کے بھید جانتا ہے کیونکہ انسان کے دماغ کی حرکات سے انسانی ارادے کا اسے، اس کے نظام (بذریعہ) فرشتے علم ہوتا ہے اور وہ جب چاہے، ان دماغی (نیورون کی) حرکات کو بدل کر، ارادہ بدل سکتا ہے۔ جس طرح ایک بہت ہی معمولی مثال، صرف سمجھنے کے لئے ہماری آج کل کے مصنوعی عقل (کمپیوٹر) کے دور میں انسان، ریموٹ (دور بلاواسطہ) کنٹرول کر رہا ہے، جو برقی مقناطیس لہروں (ڈیجیٹل ٹیکنالوجی) کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انسان کی ہر کیفیت وحالت اور مقام کا علم ہے اور اس کے مطابق اس نے رزق وزندگی کا

بندوبست کررکھاہےاوررازوں کو جانتاہے۔

یولج اللیل فی النھار سے دن کااشارہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور رات کااشارہ اس کے جمال کی طرف ہے یا اس کے برعکس ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷

اللہ پر اوراس کے رسول پر ایمان لاؤاور اس (مال) میں سے خرچ کرو جس میں اس (اللہ) نے تمہیں جانشین (مالک) بنایاہے، پھر تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیاان کے لئے بہت بڑااجر ہے۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

اور تمہیں کیاہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ؟ حالانکہ رسول تمہیں بلاتاہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤاور یقیناًوہ تم سے پختہ وعدہ لے چکاہے اگر تم مومن ہو۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹

وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کرتاہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالے اور بلاشبہ اللہ تم پر نہایت شفیق، خوب رحم کرنے والاہے۔

مکہ شریف کے بعد ابتدائی ایام مدینہ میں مسلمانوں پر مشقت کاوقت تھا، کیونکہ اسلامی ریاست کے وسائل کم تھےاور کفار کادباؤ، صلح حدیبیہ تک سخت تھا۔ان احکام میں، غیر مسلم عرب، کواسلام کے بارے آگاہ کیاجارہاہے کہ نبی ﷺ انسانوں کی راہ نمائی اور بہتر زندگی اور آخرت کے لئے پیغام دے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں (مخلوق) پر بہت مہربان ہے اور انبیاءاور رسل، الہامی کتابیں سب ہدایت کاذریعہ بنائے تاکہ انسان دنیاوآخرت کی زندگی میں اللہ کے احکام پر عمل کرکے کامیاب ہوں۔

دنیاکی زندگی میں، مال ومتاع خواہ تجارت سے ملے یاوالدین کی وراثت سے، ایک عارضی نعمت ہے جو کسی وقت بھی آدمی سے ضائع یاچھن جاتی ہے۔پہلے موجود نہیں ہوتی، پھر اعمال اور اللہ کی مہربانی وعدل کے سبب اسمیں اضافہ ہوتاہےاس لئے جانشین کالفظ استعمال کیاہے۔

انسان کے لئے ضروری ہے جب اس کے پاس مال ومتاع ہو تو اس موقعہ پر اس کا فائدہ، دوسروں پر خرچ کر کے اپنے لئے دنیا و آخرت میں خرچ کر کے اُٹھائے۔ یہ خرچ انسانوں کی بھلائی، فقراء، غرباءاور زمانہ میں غلاموں کی آزادی، اس کے علاوہ، اللہ کے احکام کے نفاذ کے لئے ہوتا کہ سارا معاشرہ برکت سے بھر جائے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ دنیا میں فائدہ کے ساتھ، آخرت میں بھی اجر اور انعام عطا فرمایا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ کے ہاں ایک بکری ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا گیا۔ آپ ﷺ جب گھر تشریف لائے تو پوچھا "بکری میں کیا باقی رہا ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: ایک شانے کے سوا کچھ نہیں بچا (**ما بقی الا کتفھا**)۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ایک شانے کے سوا ساری بکری بچ گئی ہے"۔ (بقی کلھا غیر کتفھا) یعنی جو کچھ لوگوں میں تقسیم ہوا، وہی اصل میں باقی بچا ہے۔

خرچ کے معاشی اثرات:۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! کس صدقے میں اجر سب سے زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **ان تصدق وانت صحیح و شحیح، تخشی الفقر وتأمل الغنأ و لا تمھل و انت بلغت الحلقوم ،قلت لفلاں کذا لفلاں کذا، و قد کان لفلاں**۔ یعنی یہ کہ تو صدقہ کرے اس حال میں کہ تو صحیح اور تندرست ہو، مال کی کمی کے باعث اسے بچا کر رکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہو اور اسے کسی کام لگا کر زیادہ کما لینے کی امید رکھتا ہو۔ اس وقت کا انتظار نہ کرو کہ جب جان نکلنے لگے تو، تُو کہے کہ یہ فلاں کو دیا جائے اور یہ فلاں کو، اس وقت تو یہ مال فلاں کو ہی جانا ہی ہے (بخاری/مسلم)۔ ایک اور حدیث کے مطابق جس کا ترجمہ یوں ہے "آدمی کہتا ہے میرا مال ہے، حالانکہ تیرے مال میں تیرا حصہ اس کے سوا کیا ہے، جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر، پرانا کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے اور تو اسے دوسروں کو چھوڑنے والا ہے" (المسلم)۔

مذکورہ بالا احادیث میں انسانی نفسیات اور معاشیات و معاشرت کے لئے انتہائی خوبصورت رہنمائی ہے۔ انسان کا فیصلہ جب ضرورت ہو اور غنا (تونگری) کی امید ہو، اس وقت نیکی، بھلائی کے لئے خرچ بڑا مشکل ہوتا ہے، اکثر زکوٰۃ، ٹیکس، صدقات کی ادائیگی سے لوگ اسی وجہ سے بھاگتے ہیں۔ اسلام نے خرچ کرنے کو ترجیح دی ہے، جس کی وجہ سے معیشت میں حرکت اور ترقی (نمو) پیدا ہوتا ہے۔ سماجی انصاف بڑھتا ہے۔ معاشی فرق کم ہوتا ہے، دولت کی تقسیم بہتر ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ انسانی حقوق اور حقوق ملکیت کی بھی پوری آزادی ہے۔

خرچ کی اہمیت، ثواب کے لحاظ سے، مواقع استعمال پر ہے۔ جب لوگوں یا اسلامی حکومت کو، فلاحی یا دفاعی

امور کے لئے ضرورت ہو، وہ بہترین وقت ہے جس کا اجر بہت زیادہ ہے۔

تم اللہ پر، ایمان کیوں نہیں لاتے ؟جب کہ انسان کو عقل عطا کی گئی ہے، جس کی وجہ سے موجود معلومات کے ذریعہ، نظر نہ آنے والی معلومات کا پتہ لگایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ اللہ نے انسانوں میں سے نبی (راہنما) پیدا کئے ہیں، جنہوں نے بھلائی کا راستہ بتایا، جس کو عقل کے ذریعہ سے سمجھا جاسکتا ہے پھر معلومات اور ہر زمانہ میں راہ نمائی کے لئے الہامی کتب، تورات، زبور، انجیل، عطا ہوئی اور آخری کتاب قرآن مجید ہے، جس کی یہ تشریح پیش ہے۔ان تمام دلائل اور شواہد کی وجہ سے حق کی تلاش اور اس کو قبول کرنا انسان کا فرض ہے۔اس وقت نبی ﷺ کی ذات بھی راہنمائی کے لئے نہ صرف موجود تھی، بلکہ بار بار دعوت دے رہی تھی۔

مقاصد بیعت مسلم:۔

کچھ مفسرین نے اس (ایت اٹھ) سے مراد انسان کے اندر موجود عقل کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی ذات و قوت کو قبول کرنے کا رجحان لیا ہے، اور اسی کی طرف آیات واحادیث میں عہد لینے کا اشارہ ہے۔دوسرا زیادہ واضح مراد، اس وقت نبی ﷺ اور قرآن مجید کے احکام کی قبولیت واطاعت ہے۔نبی ﷺ جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا، تو اس سے ایک عہد لیتے جسے بیعت کہتے تھے کہ وہ فرد چستی (صحت) اور سستی (بیماری) اور ہر حال، خوشحالی اور تنگ دستی میں (دونوں حالتوں) اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے۔بدی سے منع کریں گے۔اللہ کی خاطر حق بات کہیں گے اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ہر حال میں سنیں گے اور اطاعت کریں گے (مسند احمد)۔کس قدر خوبصورت اور اعلیٰ مقاصد حیات کے لئے یہ بیعت یا اقرار نامہ ہے، جس سے انسانی معاشرہ اپنی معراج کو پہنچ سکتا ہے (بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع و الطاعۃ فی النشاط والکسل و علیٰ النفقہ فی العسر والیسر وعلیٰ اللہ بالمعروف و النھی عن المنکر و علیٰ ان نقول فی اللہ تعالیٰ و لا نخاف لومۃ لائم۔ روایت حضرت عبادہ بن صاعت رضی اللہ عنہ)۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور

زمینوں کی میراث (ملکیت) ہے۔(اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا، جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال (لڑائی) کیا۔ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا،اللہ نے ان سب سے اعلیٰ جزا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾

کون ہے وہ؟ جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر وہ (اللہ) اس کے لئے کئی گنا بڑھادے اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔

انسان کی زندگی اس جہان میں عارضی ہے اور مال کا ہونا بھی عارضی ہے۔یہ ختم بھی ہو سکتا ہے اور بڑھ بھی سکتا ہے۔عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک موجود ہے،اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔اس کا بہترین حل یہ ہے،کہ اس کو فلاح اور بھلائی کے لئے خرچ کیا جائے اور اس کی ابتداء،نبی کی ہدایت کے مطابق اپنے اقرباء سے شروع کی جائے جس کے فوائد اب جدید سوشالوجی اور معیشت میں بڑے واضح ہو گئے ہیں،جن سے اسلام کی ہدایات کی اہمیت وضرورت واضح ہوتی ہے۔نیکی اور اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے میں ضروری ہے کہ اس کو اللہ کے احکام کے مطابق خرچ کیا جائے۔ اس سے ذاتی شہرت،مالی یا سماجی یا سیاسی فائدہ نہ ہو اور جس کو دیا جائے،اس پر احسان نہ جتلایا جائے یا اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔صدقہ چھپا کر دینے کو اسی لئے ترجیح دی گئی ہے۔کس قدر انسان پر انعام ہے،کہ مال ومتاع اللہ نے ہی دیا ہے (جن اسباب سے مال ومتاع حاصل کیا ہے وہ اللہ کے بنائے ہوئے ہیں)۔صدقہ کے معاوضہ یا بدلہ کو اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا کر دیں گے۔

والدین کی میراث سے اللہ کے احکام کے مطابق حصہ ملا ہے۔اس کو اللہ کے نام پر خرچ کرنے کو قرض قرار دیا گیا،جس کی ادائیگی کئی گنا کی جائے گی۔پھر نیکی اور فلاح کے کاموں سے معاشرہ اور افراد کا فائدہ ہے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے محبت کا اظہار ہے۔

اس کی ایک بہترین مثال،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے۔جب یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے لوگوں نے سنا ،تو حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا"ہاں ابوالدحداح"۔انہوں نے کہا"ذرا اپنا ہاتھ دکھایئے"۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کے طرف بڑھایا۔انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر

کہا: ''میں نے اپنے رب کو اپنا باغ قرض دے دیا''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے۔ اسی میں ان کا گھر تھا۔ وہیں ان کے بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا: دحداح کی ماں! نکل آؤ۔ میں نے یہ باغ، اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ وہ بولیں ''تم نے نفع کا سودا کیا ہے، داحداح کے باپ''! ،وہ اسی وقت اپنا سامان اور بچے لے کر باغ سے نکل گئیں (مسند احمد)۔ یہ تھا مسلمانوں (صحابہ کرام) کا جذبہ اطاعت خداوندی۔

اجر کا معیار:۔

آیت نمبر دس، کے شان نزول کے بارے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم لوگ اپنی پچھلی خدمات کی بناء پر ہم سے ترجیح لیتے ہو''۔ یہ بات جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم لوگ احد کے برابر یا پہاڑوں کے برابر سونا بھی خرچ کر دو، تو ان لوگوں کے اعمال کو نہ پہنچ سکو گے''۔ اس واقعے سے آیت میں فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے جسے بہت سارے صحابہ نے فتح قرار دیا تھا۔ کچھ مفسرین اس سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اسلئے اس سے مراد صلح حدیبیہ موزوں ہے۔ صلح حدیبیہ ایسا واقعہ تھا، جس نے مسلمانوں کو ایک طاقت اور مذہب کی حیثیت سے اہل مکہ اور اہل عرب کو منوایا۔ اس کے بعد فتح مکہ کا راستہ آسان ہو گیا۔ اس سے عزیمت کی ترجیح کا پتہ چلتا ہے، اس لئے فقہ کا اصول ہے ثواب کا معیار مشقت کے مطابق ہے (الاجر بالمشقة)۔ تنگ دستی کی حالت اور ضرورت کے وقت ایثار کرنے کا بہت مرتبہ ہے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کی عظمت ثابت ہو گئی تھی۔ اس وقت لوگ، جوق در جوق اس میں شامل ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ عموماً لوگ انسانی کمزوری اور فائدہ کی وجہ سے آسانی کی طرف بھاگتے اور مشکل سے جان چڑاتے ہیں۔ اس لئے مشکل کے وقت مدد کی اہمیت، آسانی اور آرام کے وقت کے مقابل بہت زیادہ ہے۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کا مصداق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ میں قبل از اسلام اور بعد از اسلام ایک متمول تاجر تھے۔ بہت سارے غریب مسلمانوں کو آزاد کرایا۔ ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں بھی تجارت شروع کی اور اپنا گھر بار سب کچھ غزوہ تبوک کے موقع پر پیش کر دیا تھا۔

ع صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نائب، برائے امامت، دوران مرض مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جہاد اور بہادری، بڑی عظیم تھی لیکن اسلام کے ابتدائی ایام میں آپ (علی) رضی اللہ عنہ عہد طفولیت میں تھے اور مالی طور پر بھی فقر کو آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ ترجیح دی۔ بد قسمتی سے کچھ گروہ، صحابہ کے درمیان محبت کے نام پر بہت غلط تفریق اور عدم احترام کرتے ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

اس دن جب کہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا۔ (ان سے کہا جائے گا) "آج بشارت ہے تمہارے لئے جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی کامیابی ہے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

اس روز منافق مردوں اور عورتوں کا حال یہ ہو گا کہ وہ مومن سے کہیں گے: ذرا ہماری طرف دیکھو تا کہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اُٹھائیں۔ مگر ان سے کہا جائے گا: پیچھے ہٹ جاؤ۔ اپنا نور کہیں اور تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے جس میں ایک دروازہ ہو گا۔ اس دروازے کے اندر رحمت ہو گی اور باہر عذاب۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

وہ مومنوں کو پکار پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ مومن جواب دیں گے: ہاں۔ مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا، موقع پرستی کی، شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں۔ یہاں تک کہ فیصلہ آ گیا اور وہ (شیطان دھوکے باز) اللہ کے معاملے

میں تمہیں دھوکہ دیتا رہا۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

لہٰذا آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہی تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے اور بدترین ٹھکانہ ہے۔

بھلائی اور اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب کے بعد اس کے فوائد اور نتیجہ کا ذکر کیا ہے تاکہ خرچ کرنے والے مطمئن ہو جائیں۔ قیامت کو جب اللہ کے احکام ماننے والے مخلص مومنوں کو ان کے نیک اعمال کے بدلے، ایک امتیازی برتاؤ ملے گا اور ان کا چہرہ روشن و منور ہو گا۔ صالح عقیدہ، نیک اعمال، ایمان کی صداقت، سیرت و کردار کی پاکیزگی، نور میں تبدیل ہو جائے گی۔ نیک بندوں کی شخصیت، بالخصوص چہرہ جگمگا اُٹھے گا۔ جتنا عمل مقبول ہو گا اتنا ہی وجود منور ہو گا، روشنی تیز ہو گی اور جب چلے گا، تو ایک منور جسم کی طرح روشنی بکھرتی چلے گی۔ ایک حدیث کے مطابق جو کہ جناب قتادۃ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بعض مومنوں کا نور اس قدر تیز ہو گا کہ مدینہ سے صفاء تک پہنچ رہا ہو گا۔ کسی کا اس سے کم، یہاں تک کہ کوئی مومن ایسا بھی ہو گا جس کا نور اس کے قدموں سے آگے نہیں بڑھے گا"۔ اس مثال سے واضح ہے کہ دنیا میں، اس کے اعمال کی بھلائی جتنی زیادہ پھیلی ہو گی۔ اس کا نور اتنا ہی تیز ہو گا۔ وہ میدان حشر، جتنی مسافت تک اس کے نور کی شعاعیں جا رہی ہوں گی۔ روشنی اس قدر ہو گی کہ جس طرح مومن قدم بڑھائے گا، دایاں قدم یا بایاں قدم، اس کا نور اسی طرف پھیلے گا۔ اس کی وضاحت ایک حدیث مبارک سے ہوتی ہے جس کو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے صالحین کو وہاں ان کے اسی نور سے پہچانوں گا، جو ان کے آگے اور ان کے دائیں اور بائیں دوڑ رہا ہو گا (ابن مردویہ/ابن ابی حاتم)۔

مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے نور کی وجہ سے جنت کی طرف دوڑ رہے ہوں گے اور منافق جو دنیا میں ان کے ساتھ تھے، نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے، مسلمان کہلاتے تھے، اسی مسلم معاشرے کا حصہ تھے۔ برادریاں، رشتہ داریاں اور سماجی تعلقات تھے، منافق حضرات اس نور سے محروم ہوں گے اور اندھیرے میں ہوں گے۔ روشنی اور اس راستے کی تلاش میں ہوں گے، تاکہ حشر کی پریشانی سے نکل سکیں۔ مومنوں (مرد/عورت) کے پیچھے پیچھے بھاگیں گے اور مومنوں سے درخواست کریں گے کہ وہ ان کو ساتھ لے چلیں یا نور کا کچھ حصہ دے دیں۔ ایک حدیث کے مطابق، وہ مومنوں سے درخواست کریں گے کہ وہ ان کو ساتھ لے چلیں یا نور کا کچھ حصہ دے دیں۔ ایک حدیث کے مطابق وہ مومنوں سے درخواست کریں گے۔ تم ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے راستہ دیکھ لیں (راستہ

تلاش کریں) کیونکہ ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے۔ مومن ان سے کہیں گے کہ تم اسی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے آئے ہو (اندھیرے کی طرف) اور وہیں نور تلاش کرو (جامع البیان۔ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ)۔

آیت مبارک میں بھی منافقوں کے کردار کا ذکر ہے۔ مومن ان کو، ان کے کردار اور رویہ یاد دلائیں گے، کہ تم کلمہ تو پڑھتے تھے مگر اسلام اور اللہ کے احکام کو دل و جان سے نہیں مانتے تھے۔ شک کرتے تھے اور اپنے مفادات کا خیال کرتے تھے اور اسی توقع میں ہوتے کہ اگر اسلام کامیاب ہو گیا تو ساتھ مل جائیں گے ورنہ نہیں۔ تمہارے یہ سارے خیالات اور ارادے شیطان کے دھوکہ دینے کی وجہ سے تھے اور تمہیں، اللہ کے احکامات اور وعدوں پر کوئی یقین نہیں تھا، بلکہ تم موقعہ پرست اور مطلب پرست تھے۔ اس لئے آج تم محروم ہو اور سزا دیئے گئے ہو۔ تم جس قدر بھی منت سماجت کرو، کوئی معاوضہ دو یا دوبارہ دنیا میں جا کر نئے اعمال صالحہ کا وعدہ کرو۔ کوئی بات نہیں سنی جائے گی اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہاری، تمہارے اعمال کی بناء پر وہی رہائش گاہ ہو گی جس میں تم عذاب بھگتو گے۔ اسی بحث و مباحثہ کے دوران مومن بہت آگے ہوں گے اور درمیان میں دیوار حائل ہو جائے گی، جس میں دروازہ ہو گا، جو جنت کی طرف ہو گا اس کے ایک طرف جنت ہو گی جہاں مومن پہنچ جائیں گے اور دروازہ بند ہو جائے گا اور دوسری طرف جہاں منافق ہوں گے وہ دوزخ کی طرف ہو گی۔ دوزخ کو منافقین اور کفار کے لئے مولیٰ، یعنی ان کی دیکھ بھال کرنے والا بنایا ہے، گویا ان کے لئے موزوں ترین مقام ہے۔ یہ منظر کشی اس لئے کی گئی ہے کہ قاری اپنے کردار کے جائزہ لے کر نیک اعمال کرے اور قیامت کو عذاب سے بچ سکے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی اور اس حق کے لئے جو (اللہ کی طرف سے) نازل ہوا نرم ہو جائیں۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر ان پر لمبی مدت گذر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

جان لو بے شک اللہ ہی زمین کو موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ یقیناً ہم نے تمہارے لئے آیات

بیان کیں تاکہ تم عقل کرو(سمجھو)۔

آیات کا موقع نزول مدینہ شریف کے حالات تھے جس میں نئے مسلمان (جن میں منافق بھی تھے) بظاہر اپنی ساری توانائیاں صرف نہیں کر رہے تھے، جس طرح عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگ احد میں واپس ہو گیا اور غزوہ خندق و تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ مسلمانوں پر کفار کا ہر طرف سے دباؤ تھا۔ نبی ﷺ کی ذات مبارک ،راہنمائی کے لئے موجود تھی۔ قرآن مجید کی آیات اور احکامات بتائے جارہے تھے اور ضرورت تھی کہ اللہ کے احکام کو انسانیت کی بھلائی، عدل کے لئے نافذ کیا جائے اور اسلامی ریاست مضبوط کی جائے۔،اسی کے بارے اشارہ کیا کہ اہل کتاب جن کے انبیاء، ہزاروں سال یا سینکڑوں سال پہلے گذرے ہیں، وہ اپنے انبیاء کی ہدایات اور اللہ کی کتب کے احکامات کو بھول گئے۔ ان کے علماء نے اپنی اپنی توجیہات شروع کر دیں اور لوگوں نے انبیاء اور کتب الٰہی کے بجائے اپنے علماء، شیوخ (پیروں) کی تعلیمات کو زیادہ قبول کیا اور اللہ اور انبیاء کے احکام کو ان کے مقابلے میں بھلا دیا جس سے ان کی دل سخت ہو گئے اور وہ منافق ہو گئے۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں اور پرانے اہل کتاب کے کردار اور نفاق سے سبق سیکھیں، نبی کی موجودگی، ہدایت اور قرآنی تعلیمات پر شدت سے عمل کریں۔

آیت نمبر 16 ''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی اور حق کے لئے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا، نرم ہو جائیں'

' یہ آیات سن کر حضرت الفضیل بن عیاض اور ابن مبارک چونک اٹھے اور ان کی توبہ کا سبب بنی (قرطبیؒ)۔

یہ احکام آج کے دور میں بہت اہم ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں عموماً مسلمان قرآن مجید کا نہ تو ترجمہ اور نہ ہی تفسیر پڑھتے ہیں۔ صرف شعلہ بیان مقرر خطیبوں، علماء اور پیروں کی گفتگوؤں پر اپنا بھروسہ کرتے ہیں، جو فسق (نافرمانی) کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہے کیونکہ اللہ کے کلام اور نبی ﷺ کی تعلیمات کے، علم ہونے کے باوجود، اپنے شیوخ، علماء اور پیروں کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ اہل ایمان شیوخ، اس طریقہ کو رد کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے بارش اور اس کے اثرات یعنی زمین پر شادابی، نمو اور سبزہ کے ظہور کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے طور پر بطور مثال بیان کیا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی اس طرح نکل آئے گی۔ قرآن مجید اور نبی ﷺ کے وجود مسعود کی برکات کی بھی اسی طرح مثال دی ہے کہ اسلامی احکامات پر عمل سے خیر و برکات سے معاشرہ بھر جاتا ہے۔ روحانیت کے باغ کھل اُٹھتے ہیں۔ انسانوں کو ان پر عمل کر کے اپنے آپ کو خیر و برکت سے مستفیذ کرنا چاہیے۔ یہ دلائل اور واقعات انسان کو ان پر غور کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے ہیں۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ

اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا تو وہ ان کے لئے کئی گنا بڑھایا جائے گا اور ان کے لئے عمدہ اجر ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۗ۬ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ وہی لوگ اپنے رب کے ہاں سچے (صدیق) ہیں اور گواہی دینے والے (شہید) ہیں جو ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں (آیات) کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔

آیات مبارکہ میں صدقہ، یعنی بھلائی کے لئے خرچ کرنا، جس میں ہر قسم کے اخراجات شامل ہیں، کی ترغیب دی گئی ہے، پھر تاکیداً فرمایا کہ یہ خرچ کرنے والے، گویا اللہ تعالیٰ کو قرض دے رہے ہیں۔ اگرچہ یہ سارے اخراجات انسانی بھلائی کے لئے ہیں۔ ان خرچ کرنے والوں کو کئی گنا زیادہ ثواب واجر دیا جائے گا جو قیامت کو ان کو حاصل ہوگا۔ جب اہل ثروت (صاحب مال) افراد کی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی، تو وہ صحابہ جن کی مالی حالات بہت مشکل تھے، غربت میں مجبور تھے، ان کو اس کا احساس ہوا کہ کاش ہمارے پاس بھی کچھ ہوتا، تو وہ سب لٹا دیتے، ان کو تسلی دی گئی کہ ان کا اخلاص، ایمان اور محبت وایثار کا بڑا مرتبہ ہے وہ اس وجہ سے صدیقین اور شہداء کے مرتبے کے برابر ہیں۔ اہم نکتہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت، ان کی اطاعت، عمل کی جدوجہد اور سب کی بھلائی ہے۔ اس سے ان کو شہداء اور صدیقین کا مرتبہ اور وہ نور عطا ہوگا، جس کا پیچھے آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے حکمی شہداء (جو جنگ میں نہیں مارے جاتے) کی تقریباً پچاس درجات ہیں۔ جو لوگ نافرمانی کر رہے ہیں اور دنیا کے حوادث و حالات میں گم ہیں، وہی خسارے میں ہیں اور دوزخ میں جائیں گے۔ کچھ مفسرین نے شُهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ کے بعد جملہ کو علیحدہ تصور کیا ہے اور اس کے مطابق یہی ہے کہ جو اپنے رب کے پاس حاضر (شہید) ہیں، ان کے لئے اجر اور نور ہے۔ ہر دو صورتیں مفہوم کو وسیع کرتی ہیں۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ

رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

تم جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل تماشااور زینت ہے اور آپس میں فخر کرنااور ایک دوسرے پر اموال و اولاد میں کثرت طلب کرنا ہے، اس بارش کی مثل ہے جس سے پیدا شدہ نباتات کسانوں کو خوش کرتی ہیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہے۔ تو آپ اسے زرد شدہ دیکھتے ہیں، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کفار کے لئے) شدید عذاب ہے اور (مومنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیاوی زندگی بس دھوکے کا سامان ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾

رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف سبقت (دوڑو) کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کی طرح ہے وہ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے یہ دیتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

اللہ کی راہ یعنی انسانوں کی بھلائی کے لئے خرچ (زکوٰۃ/ صدقات / خیرات) اخراجات میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا دنیا میں ذاتی حرص، طلب جاہ و مال اور دولت میں اضافہ کی شدید خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے نقصانات اور حقائق سے آگاہ کیا ہے۔ دنیا کی زندگی محدود ہے۔ یہ وقت سارا چالیس سال کا ہے۔ (بلوغت کے بعد بڑھاپے تک) اور زندگی میں اکثر باتیں نامعلوم ہیں۔ وقت پیدائش، وقت وفات، دولت آنے اور جانے والی چیز ہے۔ اس کی مثال زراعت میں کھیتی کی ہے، جو بڑی لہلہاتی نظر آتی ہے اور پھر پکنے سے پہلے ہی مر جاتی ہے اور ساری امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس لئے مال کو اللہ کے احکام اور رضا کے مطابق بھلائی کے لئے خرچ کرنا بہت ضروری اور فائدہ مند ہے۔ اس کا فائدہ، اس دنیا اور آخرت دونوں میں ہے، لہٰذا جنت کی خاطر اللہ کے عذاب سے بچنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کی خاطر ہر مسلمان کو پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ کے فضل کو حاصل کرنا چاہیے، اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ جنت کے بارے اشارہ کیا کہ اس کی وسعت اس دنیا کی طرح نہیں، جہاں وسائل کی کمی نظر آتی ہے، بلکہ لامحدود ہے۔ اس کی وسعت ہماری زمین و آسمان (آسمان سے مراد ظاہری کائنات ہے، جس میں سورج اور چاند ہے) کی طرح ہے اور وہاں رہنے والے کی ہر خواہش پوری ہو گی۔

نبی ﷺ نے دنیا کی زندگی سے نفرت کی تعلیم نہیں دی، البتہ لھو و لعب سے منع کیا ہے، کیونکہ وہ انسان کو

آخرت سے غافل کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صرف دو چیزوں پر رشک کرنا مستحسن (اچھا ہے)۔ ایک شخص کو اللہ نے مال دیا اور اس نے مال کو راہ حق (بھلائی کے لئے) خرچ کرتا رہا اور ایک شخص کو اللہ نے حکمت دی وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے (انصاف کرے اور لوگوں کو علم سکھائے) (بخاری/مسلم)۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَ لَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۖ﴿۲۲﴾

زمین میں اور تمہاری جانوں پر جو مصیبت آتی ہے وہ تو کتاب میں (لکھی ہوئی ہے) اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

لِّكَيۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَ لَا تَفۡرَحُوۡا بِمَآ اٰتٰىكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ ۙ﴿۲۳﴾

تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تم سے جاتی رہے اور اس چیز پر تم نہ اتراؤ جو اللہ تمہیں عطا کرے اور اللہ کسی اترانے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ وَ يَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ ؕ وَ مَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿۲۴﴾

جو لوگ خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو رو گردانی (احکام الٰہی سے) کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے اور نہایت قابل تعریف ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے متعلق احکام ہیں۔ مسلمان اس وقت بڑی مشکل سے گذر رہے تھے۔ منافق اپنی دولت کو بچا رہے تھے اور مخلص مسلمانوں کو بھی روکتے۔ دوسری طرف کفار بھی مسلمانوں کو پوری طرح زک کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو حوصلہ دیا گیا ہے کہ یہ زندگی کا امتحان اللہ کے نظام کے مطابق ہے اور زمین پر ہر انسان سے ہونے والا واقعہ، پہلے سے ریکارڈ (پروگرام) شدہ ہے۔ صرف وقت آنے پر واقع ہو جاتا ہے۔ یہ سارا نظام، اللہ کے لئے آسان ہے، اس لئے مسلمان کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت جو کہ حضرت ابن عباس سے ہے اور عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نے فرمایا: ہر شخص غمگیں ہوتا اور خوش بھی ہوتا ہے، لیکن مومن اپنی مصیبت پر صبر کرتا اور اپنی نعمت پر شکر کرتا ہے (جامع البیان)۔

سکون کا حصول:۔

کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات، اس کے اندر ہونے والے واقعات کا، ڈیٹا محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان بالخصوص مسلمان کی زندگی کو راحت و سکون سے گذارنے کے لئے ہدایت فرمائی کہ جو کچھ دنیا میں مل رہا ہے کوشش کا نتیجہ ہے یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چیز یا مال ضائع ہو جاتا ہے اس کا سبب انسان خود ہے یا کوئی اور سبب ہے، دونوں صورتوں (حصول اور ضیاع) میں، انسان پریشان نہ ہو اور نہ اپنی زندگی کو نفسیاتی مصائب میں ڈالے۔ مال کو اللہ کا انعام اور نقصان کو ایک امتحان سمجھے۔ محنت اور لگن سے اپنا کام کرتا رہے۔ صبر سے مراد انسان کو رنج نہ انا نہیں، کیونکہ رنج ایک فطری عمل ہے، اس سے مراد آہ و فغاں یا غم نہ کرنا ہے۔

بخل کو اللہ تعالیٰ نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔ اسی طرح تکبر کو بھی سخت ناپسند فرمایا ہے۔ بخیل، وہ شخص ہوتا ہے جو مال کو خرچ کرنے (ضروری امور پر) سے تکلیف اور مال کو روکنے سے اسے لذت ملتی ہے۔ اسی طرح متکبر وہ شخص ہے، جو دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے۔ یہ وہ سنہری اصول ہیں، جن پر عمل کر کے ایک معاشرہ مثالی معاشرہ بن جاتا ہے۔ یہ سارے احکام انسانی بھلائی کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، انتہائی اعلیٰ صفات اور قوت کی مالک ہے اور تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں (معجزات) کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہے کو اتارا (پیدا کیا) اس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے فائدے ہیں اور (یہ سب اس لئے) تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ کون اس کے رسولوں اور اس کی بغیر دیکھے مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت قوی اور بے حد غالب ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور بے شک ہم نے نوح اور ابراھیم کو (اپنا پیغام دے کر) بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا، پس ان میں سے بعض ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

مقاصد نبوت:۔

انسانوں کی ہدایت کے بارے احکامات وواقعات ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کو بھیجااور ان کے ثبوت کے لئے معجزے عطا کئے تاکہ لوگ ان کی حیثیت اور مقام کو جان لیں اور یقین کریں۔لوگوں کی ہدایت کے لئے کتاب الٰہی بھی بھیجی جس میں احکام درج تھے اور ساتھ ہی ان کو حکم ہوا کہ لوگوں کو میزان عدل کے بارے بتائیں اور معاشرے میں انسانوں کے درمیان عدل قائم کریں۔معاشرہ میں عدل کو قائم کرنا بہت ضروری قرار دیا اس لئے فرمایا کتاب اور میزان (عدل) کو نازل کیا۔اس عدل اور اللہ کے احکام کے نفاذ کے لیئے، جن کا مقصود توحید و عبودیت خدا کے ساتھ ،انسانوں اور ان کے معاشرے میں عدل قائم کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے جدوجہد کا حکم دیا۔اس جدوجہد کے لئے زمین پر لوھا (جوایک مضبوط دھات ہے) کو اتارا گیا یا پیدا کیا گیا۔لوہے کے ذریعے انسان نے ہتھیار بنا کر (کلہاڑا، آری، ہتھوڑی، ہل، چھری، سوئی) اپنی زندگی کو آسان بنایا۔پھر تلوار نیزے بنا کر دفاع کرنا بھی سیکھا۔یہ مضبوط دھات استعمال کرنے اور اس کے فائدے بتائے ،تالوگ انصاف قائم کرنے کی جدوجہد میں اس سے دفاع کریں ۔انسان، اللہ کے نظام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کا عملی ثبوت دے، کیونکہ شیطان کی قوت، انسانوں کو ہمیشہ ذاتی مفاد کے لئے ورغلاتی ہے اور ظلم وفساد کو معاشرہ میں نافذ کرتی ہے۔اہل حق کو حق وانصاف، نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور یہ بڑا مشکل کام ہے۔

میزان (ترازو):۔

انبیاء کی ذمہ واریوں میں کتاب، جوایک دستاویز تھی، جس میں انسانوں کی راہنمائی کے اصول و قوانین بتائے گئے تھے، اس کے ساتھ ان کو معاشرے میں میزان (عدل) کے نفاذ کی ذمہ واری تھی کہ عدل معاشرے میں نظر آئے، اس کے اثرات (فواہد) سب کو پہنچیں۔انسانوں کا آپس میں رویہ اجتماعی اور انفرادی عدل پر قائم ہو۔انسان اپنے خدا کے حقوق، اپنی ذات (نفس) کے حقوق اور مخلوق کے حقوق، ان سب کو صحیح طور پر انصاف کے ساتھ ادا کرے۔ معاشرے کا اجتماعی نظام بھی عدل پر ہو۔افراد کے ساتھ ظلم نہ ہو۔تہذیب اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں عدل قائم ہو یعنی افراط اور تفریط نہ ہو۔اجتماعی مفاد کو انفرادی مفاد سے مقدم رکھا جائے اور ہر عمل کا حساب عدل کے مطابق ہو۔ ہمارے نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں اسلامی ریاست جو مدینہ میں قائم کی اس میں اس کو نافذ کیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین (آنے والے حکمران) نے بھی اس کو قائم رکھا۔اس میں فرد اور معاشرہ دونوں عدل قائم کرنے میں ممد ومعاون بنے۔

معاشرے میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو شیطان کے خیالات پر عمل کرتے ہیں اور صرف ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں اور عدل کے نفاذ میں روڑے اٹکاتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ لوگوں کو عدل کا پیغام پہنچایا اور ان کو اختیار دیا کہ اس کو قبول کریں یا رد کریں۔اللہ کے رسول اور اللہ کو ماننے والے عدل نافذ کریں گے اور نہ ماننے والے عدل کی مخالفت کریں گے ،اس لئے جد وجہد ہو گی۔اللہ تعالیٰ نے لوہے کو انسان کے ماتحت کیا یعنی انسانوں کو طاقت دی کہ اس کو استعمال کر کے فائدہ اٹھائے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں ابتدائے زمانہ سے لوگ لوہے کو مشکل کاموں کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔آلات اور مشینیں بناتے ہیں۔(روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو ہتھوڑا، چھری یا کلہاڑی، آری وغیرہ کے استعمال کا علم تھا)۔(احکام القرآن القرطبیؒ)۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب کا ثبوت، مومن افراد کی جد وجہد سے ثابت ہو گا، جو قیامت میں ان کے کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ، کی ذات بڑی طاقت والی ہے۔انسانوں کی جد وجہد، ان کے اپنے معاشروں میں تنفیذ، عدل اور اللہ کے احکام پر عمل کے لئے ہو گی، جس کا وہ دنیا و آخرت میں فائدہ اُٹھائیں گے۔

لوہے کا وجود کیسے ہوا؟:۔

جدید فزکس، سائنس کے مطابق لوہا زمین کا قدرتی حصہ نہیں ہے بلکہ زمین کے ابتدائی ایام میں لوہے کو آسمان (فضاء سے) شہاب ثاقب (Meteorites) کے ذریعے زمین پر گرایا گیا اور زمین میں وہ شامل ہو گیا۔ نزول کا مطلب گرانا ہے۔ جب زمین کے اجزاء میں شامل ہو گیا تو گویا زمین میں پیدا ہو گیا (M.E.Walrath: History of Eans's Formation)۔

اعمال اہم ہیں، نہ کہ نسل:۔

زمین پر بھیجے گئے ،انبیاء کا ذکر بھی دہرایا، جس میں حضرت نوح کا ذکر ہے، کیونکہ طوفان نوح سے مخلوق تباہ ہو گئی تھی۔ پھر ان کی اولاد جو مسلمان تھی، ان میں آبادی کے بڑھنے کے ساتھ کفر بھی آ گیا، جس کی وجہ سے دوسرے انبیاء، اس دوران آئے۔ حضرت ابراھیم کا ذکر ہے۔ جن کا جدید تاریخ میں ریکارڈ ہے۔آپ کی اولاد بھی پھیلی اور ان میں نیک افراد بھی تھے، لیکن اکثریت فاسق اور گنہگار تھے۔اس سے ایک بات واضح کر دی گئی کہ اولاد ہونا باعث شرف و فضیلت نہیں بلکہ اعمال کا اچھا ہونا باعث فضیلت ہے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۟ابْتَدَعُوْهَا مَا

كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

پھر ہم نے ان کے پیچھے لگاتار رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی اور جنہوں نے ان کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی رکھ دی اور رہبانیت کو تو انہوں نے از خود ایجاد کیا، ہم نے تو اس کو ان پر فرض (لازم) نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لئے (اس کو ایجاد/پیدا کیا) پھر انہوں نے اس کا خیال نہ رکھا جیسا خیال (عمل کرنے) کا حق تھا، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے ان کا اجر دیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

رہبانیت:۔

انبیاء کی آمد کے بارے آیات ہیں، انبیاء آئے، تبلیغ کی، کچھ صدیاں گذرنے کے بعد لوگ پھر گمراہ ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا۔ نبی ﷺ سے پہلے جو نبی آئے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جن کو معجزات اور انجیل عطا کی گئی۔ حضرت عیسیٰ نے ساری عمر چلتے پھرتے گذاری، نہ گھر نہ بستر نہ مال نہ دولت، آپ کے دل میں مخلوق خدا کا درد بھرا ہوا تھا، نہایت شفیق اور نہایت رقیق القلب (نرم دل) تھے۔ آپ علیہ السلام کے کردار کا اثر، آپ کے ماننے اور اتباع کرنے والوں میں ظاہر ہوا۔ آیت میں رافة کا مطلب نرم دلی ہے۔ جو کسی تکلیف کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے. رحمة, وہ جذبہ ہے جو مدد کے لئے ابھارتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے عیسائی کہلائے۔ آپ علیہ السلام کی تعلیمات میں ,دنیا کی بے رغبتی اور اللہ کی محبت تھی۔ آپ کی پیروی کرنے والوں نے اس کو رہبانیت میں تبدیل کر دیا۔ رہبانیت سے مراد خوف کی وجہ سے علیحدہ ہو جانا، یعنی دنیا کے معاملات ت کو چھوڑ دینا ہے۔ یہ خوف، نفس کی کمزوری کا ہو یا دنیا کے فتنوں کا ہو۔ یہ رہبانیت، آہستہ آہستہ مسیحیت میں داخل ہوئی۔ انجیل میں نظام اور قوانین، زندگی کے بارے تفصیل نہیں تھی بلکہ توریت جاری رہی البتہ سماجی اور اخلاقی امور کا ذکر تھا۔ یہ دنیا سے نفرت و علیحدگی یا رہبانیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال بعد پروان چڑھی اور جوان ہوئی۔ اس کے اسباب میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کے علاوہ، جب مذہب پھیلا تو اس میں دوسرے مذاہب کے اثرات شامل ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے بن گئے۔ ہندوں، جوگیوں اور سناسیوں کے ساتھ بدھ مت کے بھکشوں، قدیم مصری، فقراء کے اثرات شامل ہو گئے اور رہبانیت کو ایک ضروری عمل کے طور پر مذہبی رہنماؤں میں شرط قرار دیا گیا۔ انہوں نے دل خراش اور جسم سوز، اعمال کیے۔ ان کے

خیال میں جس قدر جسم اور جان پر ظلم ہوگا، اتنی ہی روح بلند اور پاک ہوگی، اس لئے ریاضتوں اور تنہائی کے نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ لوگوں نے ایسے راہبوں کو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا، جو اپنے جسم و جان پر انتہائی سختی کرتے تھے۔ (۱) مذہبی رہنما جسم کو اذیت دیتے۔ (۲) تنہائی اختیار کرتے۔ (۳) گندے رہتے اور صفائی کو، روح کی نجاست خیال کرتے۔ (۳) ازدواجی زندگی بالکل حرام کر دی گئی۔ (۴) ماں باپ رشتہ داروں سے دوری و علیحدگی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا سے نفرت کرنے والوں کو بڑا مقام دے کر ان پر دولت نچھاور کر دی گئی اور بہت سارے لوگ رہبانیت کا لبادہ اوڑھ کر دولت سمیٹنے میں لگ گئے۔ دوسری طرف تشدد نے جنم لیا اور کئی فرقے آپس میں دست و گریبان ہوئے۔ قتل و غارت ہوئی۔ چوتھی صدی عیسوی تک تقریباً اسی (80) فرقے موجود تھے۔ غیر شادی شدہ راہبوں اور راہبات چونکہ غیر فطری طریقہ تھا، جس سے کلیسا کے اندر یا ان کی راہبات کی خانقاہوں میں بہت سارے اخلاقی جرائم پیدا ہوگئے۔ رہبانیت کا اثر، دنیا کی دولت اور جنسی عیاشی کا سبب بن گیا، جس کی وجہ سے وہ گناہ کے مرتکب ہوگئے۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کیا، وہ تواجر کے مستحق ہوگئے اور جنہوں نے اپنی پیدا کردہ، معیارات اور عبادات کو اپنایا، وہ بالآخر اس میں وہ معیار نہ رکھ سکے اور فاسق ہوگئے۔ اکثریت عیسائیوں میں بھی یہودیوں کی طرف فسق و فجور میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوگئی۔

اسلام رہبانیت کو مکمل طور پر رد کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ دنیا کی شدید محبت، آدمی کو جرائم کی طرف لے جاتی ہے، اسی لئے قانون، احکام کے اندر رہ کر تجارت، عائلی زندگی، معاشرت، عدل، انصاف، تعاون، محبت، خاندان، دوست و احباب، سب ضروری ہیں تاکہ ساری انسانیت کو فائدہ ہو۔ ایک روایت کے مطابق، چند صحابہ نے جسمانی سختیوں کو شروع کر دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کے لئے تقویٰ اختیار کرتا ہوں، مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو، اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں (بخاری و مسلم)۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے۔ ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی پھر اسے پکڑا۔ دیکھ لو وہ ان کے راہب خانوں اور کنیسوں میں موجود ہیں ۔ (ابوداؤد۔ لاتشدد وا علی انفسکم فتشدد الله علیکم ،فان قوماًشددو فشدد الله علیهم ، فتلک بقایاهم فی الصوامع والدیار)۔

ان آیات سے ایک نکتہ واضح ہوا ہے، کہ اگر کوئی نیکی کا کام شروع کیا جائے تو اس کو جاری رکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ وہ اتنا سخت نہ ہو کہ آدمی اس سے بھاگ جائے۔ اس لئے حدیث مبارک میں ہے کہ تھوڑا کرو لیکن

ہمیشہ کرو۔اسلام میں آسانی (یسر) ایک اصول فقہ ہے۔

بدعت:۔

بدعت نئی چیز کو کہتے ہیں، کچھ علماء نے، ہر نئی چیز کو بدعت کہا اور ان کے خیال میں ہر نئی چیز غلط ہے، اس لئے اس سے وہ بدعت سئیہ (بری) مراد لیتے ہیں اور اچھے امور کو اگرچہ نبی ﷺ کے بعد بھی ہوں کو سنت قرار دیتے ہیں اور بدعت تصور نہیں کرتے۔اس کا سبب ایک حدیث مبارک ہے۔اس کے سر براہ امام ابن تیمیہ، ہیں۔

دوسرا گروہ، بدعت، کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ایک بدعت حسنہ اور دوسری بدعت سئیہ۔حسنہ کا مقصود اور نتیجہ بہتری ہے اور بدعت سئیہ کا نتیجہ برا ہے اور مذموم ہے۔اس کا سبب بھی حدیث مبارک ہے کہ اچھائی ایجاد کرنے والے کو اس کا ثواب اور برائی ایجاد کرنے والے کو اس کا عذاب ملے گا۔کچھ علماء نے اس کی پانچ اقسام بنائی ہیں جن کی بنیاد شریعت کے قوانین ہیں۔(واجب، حرام، مستحب، مکروہ، مباح)۔تو جس طرح کے اصول کے ماتحت کام ہوں گے وہی نئے کام (بدعت) کا حکم ہو گا۔جس طرح فقہ کا علم، بطور وجوب کی قسم اور جادو کا علم، مذموم کی قسم سے ہو گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔وہ (اللہ) تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے (اجر) دے گا۔اور تمہارے لئے ایسا نور بنائے گا کہ تم اس کے ساتھ چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

تاکہ اہل کتاب یہ جان لیں کہ بلاشبہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شئی پر قدرت نہیں رکھتے۔اور بلاشبہ تمام فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔جسے چاہے (یہ) فضل عطا کرتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

دوہرا اجر:۔

عیسائیوں کے ذکر کے بعد ان کے لئے تنبیہ ہے کہ آپ اہل کتاب (یہود/عیسائی) جو اپنے مذہب پر تھے، ان کو اسلام قبول کرنا واجب ہے کیونکہ اسلام ہی دین ابراھیمی کی آخری شکل ہے۔اگر وہ قبول کریں گے (بالخصوص) عیسائی

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین آخری دین تھا، تو ان اہل کتاب کو دگنا ثواب ملے گا۔ ایک ان کے اپنے دین کا اور دوسرا اسلام قبول کرنے کا۔ بعض مفسرین نے اہل کتاب کو عمومی لیا ہے۔ یہودی ہو یا نصرانی (عیسائی) اس کی تصدیق ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین (قسم کے) آدمیوں کے دو، اجر ہیں۔ ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے اور تیسرا وہ شخص جس کی ایک باندی ہو وہ اس کی اچھی تربیت کرے اور اس کو اچھی طرح علم پڑھائے پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرے (صحیح المسلم/المسند الاحمد)۔ یہ حدیث اسلام کے سماجی معیار کی نشاندہی کرتی ہے۔

نور سے مراد دنیا میں نور ہدایت ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے سابقہ دین اور دین اسلام (محمدی) کے نور سے منور ہوئے اور دوسری مراد قیامت کے دن، ان کا نور ہے، جس کے ذریعہ وہ پل صراط کو پار کر کے اپنے مقام جنت پر پہنچ جائیں گے۔ جو اہل کتاب، اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، ان کا خیال یہ کہ وہ دین حق پر ہیں، اب صحیح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھیج دیا اور آخری کتاب بھی نازل کر دی۔ اب اہل کتاب کی کوئی بات اپنے بارے صحیح نہیں اور نہ ہی وہ اللہ کے فضل کے مستحق ہیں۔ اور اللہ کا فضل و کرم اللہ کے پاس ہے اور جسے چاہے وہ اسے عطا کرے۔ مختلف افراد، فرقوں کی خواہشات پر نہیں، بلکہ وہ اپنے عدل و کرم کی بناء پر فضل عطا کرتا ہے۔ ایک تفسیر، یہ ہے کہ مومنین کے دو اجر ہیں ایک اسلام کا اور دوسرا اخلاص کا۔

یؤتکم کفلین سے مراد صوفیاء نے انسان کا اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ سے استفادہ اور معارف، صفات ذاتیہ سے استفادہ ہے جو کشف میں ہوتا ہے۔ اسی طرح **یجعل لکم نوراً** سے مراد فناء فی اللہ کے بعد بقاء کی نعمت ہے اور کشف و مشاہدہ کی برکت ہے۔ **تمشون بہ** سے مراد، ان برکات فیوض کا استفادہ ہے۔ جس طرح قول ماثور ہے کہ جس نے علم پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ اسے وہ علم دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

سورت کی ابتداء اللہ کی تسبیح اور مسلمانوں میں اس کی قوت و قدرت سے ہوئی اور اس کا اختتام اللہ کے فضل و کرم اور عطا کرنے پر ہوا۔

آج اتوار مورخہ 21 مئی 2023 کو سورت الحدید مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بقایا تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

58- سورۃالمجادلہ

تعارف:۔

سورت المجادلہ، کا نام اس کی پہلی آیت سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے کہ ''بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو اپنے شوہر کے بارے آپ سے بحث و تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے'' (المجادلہ: 1)۔

یہ خاتون حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ تھیں، جو اپنے ظہار پر پریشان تھیں اور نبی ﷺ سے اس مسئلہ کا حل معلوم کرنا چاہتی تھیں۔

سورت مدنی ہے اور بعض مفسرین نے اس کی کچھ آیات کا نزول، مکہ شریف میں تحریر کیا ہے۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر اٹھاون (58) ہے اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر ایک سو پانچ (105) ہے۔ یہ سورت (المجادلہ) سورت المنافقین کے بعد اور سورت التحریم سے پہلے نازل ہوئی۔ یہ سورت، نزول کے لحاظ سے سورت الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس طرح سن 3 ہجری کے بعد وقت نزول ہے۔ اس سورت میں تین (3) رکوع اور بائیس (22) آیات ہیں۔

سورت کے مضامین میں پہلا موضوع، ظہار اور اس کے احکام ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی مرد، اپنی عورت کو کہہ دیتا کہ تمہاری پیٹھ، میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، تو یہ ظہار ہوتا، جو طلاق تھی۔ وہ عورت، اس پر حرام ہو جاتی۔ اس دستور جاہلیت کو رد کر دیا ہے کہ یہ الفاظ محض جاہلیت ہیں۔

اس سورت میں منافقین کی سرزنش کی ہے کہ وہ یہود کے ساتھ ساز باز کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں۔ ان کا انجام ذلت ہو گا۔

آداب مجلس یا ملاقات پر سرگوشیاں (کھسر پھسر) نہ کی جائے اور ساتھ شریک گفتگو افراد کا خیال رکھا ہے۔

اہل علم، کے لئے اعلیٰ درجات کا اعلان ہے۔ نبی ﷺ سے سرگوشی یا گفتگو (سوالات) سے پہلے صدقہ دیا جائے اور بعد میں اس حکم کو معاف کر دیا۔ اللہ اور اس کے رسول سے اسلامی محبت کے مقابلے میں، دنیاوی رشتہ داریوں یا تعلقات کو نظر انداز کرنا مومنین کے لئے ضروری ہے۔

اٹھائیسواں پارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ۚ﴿۱﴾

(اے نبی) یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے تکرار کر رہی تھی اور وہ اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓـِٔیۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۲﴾

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ''ظہار'' کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے۔ بے شک وہ بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۳﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار (تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) کریں اور پھر اپنی کہی ہوئی بات سے واپس ہوتے ہیں، تو ایک گردن (غلام انسان) آزاد کرنی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں (عمل زوجیت کریں)، اس حکم کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ (اسے) خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴﴾

اور جو شخص (غلام) نہ پائے (آزاد کر سکے) تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے ہیں، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص اس (روزہ کی) طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا

کھلائے۔ یہ (حکم) اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود (پابندیاں) ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیات، کا موقع نزول یہ ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے غصہ میں آکر ان کو کہا: تمہاری پشت، مجھ پر، میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ یہ قول جاہلیت کے زمانہ میں ظہار کہلاتا تھا اور طلاق شمار ہوتا تھا۔ وہ اس پر نادم ہوئے اور کہا میرا خیال ہے کہ تم مجھ پر حرام ہو گئی ہو۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم یہ طلاق نہیں ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں اور گذارش کی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو (پرانے رواج کے مطابق)۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب نازل کی ہے۔ اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا۔ وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے تمام لوگوں سے محبوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: پھر میں اللہ سے اپنے فقر و فاقہ اور تنہائی کا ذکر کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں یہ بچے اوس (رضی اللہ عنہ) کو دے دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر ان کو اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مر جائیں گے۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا اور کہنے لگیں: اے اللہ میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں۔ اے اللہ ! تو اپنے نبی کی زبان پر کشادگی کا حکم نازل فرما۔ اے اللہ کے نبی ! میرے معاملہ میں غور فرمائیں۔ اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ اور اصرار کرتی رہیں۔ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاوند کو بلاؤ۔ جب وہ اس کو بلا کر لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سامنے یہ آیات "**قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا**۔۔" پڑھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت تمام آوازوں کو محیط ہے۔ بے شک وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھی اور گھر کی ایک جانب میں ان کی کچھ باتیں سن رہی تھی اور بعض باتیں مجھ سے مخفی رہیں۔ (متعدد کتب حدیث)۔

ظہار:۔

ظہار، یعنی بیوی کی پشت کو ماں کی پشت قرار دینا، زمانہ جاہلیت میں شدید طلاق تھی۔ عربوں میں جو نکاح و طلاق کا رواج یا نظام تھا، اس وقت تک نافذ رہا، جب تک اسلام نے ان احکام کو منسوخ نہیں کیا۔ اسلام میں یہ ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔ اس لئے حضور نے عرب کے موافق ابتداءً اس کو برقرار رکھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فریاد کی اور اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو منسوخ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ جو لوگ اپنی بیوی کو ظہار میں مائیں کہتے ہیں (قرار

دیتے) ہیں۔ان کی مائیں نہیں ہیں۔ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں اور یہ بات جھوٹی اور انتہائی بری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کی حرمت کے پیش نظر جو آدمی یہ بیان دے ،اس کا عورت کو چھونا یعنی بوسہ دینا یا عمل زوجیت کرنا جائز نہیں ،جب تک وہ اپنی غلطی کا کفارہ نہ دے ، جس کو، آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ کفارہ ک دینے کے بعد وہ زوجیت کے تعلقات و عمل کر سکتا ہے۔ یہ الفاظ طلاق نہیں ہیں، چونکہ انتہائی فحش ہیں،اس لئے اس پر سزا ہے یعنی کفارہ ہے۔

ظہار کے الفاظ:۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ : تم مجھ پر ایسی ہو، جیسی میری ماں کی پشت ہے۔ تو یہ ظہار ہے۔ فقہ میں بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور محرم (جس سے نکاح نہیں ہو سکتا) کی پشت یا کسی اور عضو سے تشبیہ دینا ہے۔ اگر اس نے کہا کہ تم میری ماں کی مثل ہو (کی طرح ہو) اور نیت اس کی احترام یا عزت تھی تو ظہار یا طلاق نہیں ہو گی اور اگر نیت طلاق تھی تو طلاق ہو جائے گی اور ظہار تھا تو ظہار ہو جائے گا۔ بعض فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ طلاق کی نیت سے بھی طلاق نہیں ہوتی۔

احکام ظہار:۔

جب آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور احکام سنائے گئے کہ ایک غلام آزاد کرے۔ تو حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ وہ غربت کی وجہ سے اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسرا حکم تھا کہ اگر غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں (مال نہیں کہ خرید کر یا جو غلام ہے آزاد کرے) تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور ان میں کوئی وقفہ نہ آئے (سوائے عید کے)۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ وہ بہت بوڑھا ہے اور روزوں کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر وہ ساٹھ (60) مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اس کے پاس تو تنگدستی کی وجہ سے صدقہ کرنے کے لئے کوئی مال نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرہ آیا۔ میں (خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی ایک اور ٹوکرے سے مدد کروں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے اچھا کیا۔ جاؤ اس ٹوکرے سے اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور پھر اپنے چچا زاد کی طرف لوٹ جاؤ۔ امام ابوداؤد نے کہا: اس ٹوکرے میں ساٹھ صاع تھے۔ (سنن ابی داؤد)۔ فقہ حنفی میں کھانا، جب تک مکمل ساٹھ افراد کو نہ کھلا لے، اپنی عورت کے ساتھ عمل زوجیت (جماع) نہیں کر سکتا۔ یہ حکم فقہ مالکیہ اور شافعیہ

میں ہے۔ لیکن فقہ حنبلیہ میں، کھانا کھلانا مکمل ہونے سے پہلے بھی جماع کر سکتا ہے۔ فقہ ظواہر یہ (غیر مقلد) کے نزدیک دو دفعہ اگر بیوی سے کہے کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے، تو کفارہ واجب ہو گا۔ ایک دفعہ سے کفارہ واجب نہیں ہو گا اور کھانا کھلانے کے دوران (جب کھلانا شروع کر دیا) تو وہ عمل زوجیت کر سکتا ہے۔ کھانا مکمل کرنا شرط نہیں۔ مزید تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں اور فقہاء کے توضیحات میں معمولی اختلاف رائے ہوتا ہے۔

احکام کی حکمت:۔

اسلام کے سارے احکامات، انسانیت کی بھلائی کے لئے ہیں۔ (۱): غلام کو آزاد کرنا۔ اسلام میں انسانی احترام اور انسانی آزادی ایک بنیادی حق ہے، اس لئے اسلام نے بہت سارے قوانین کے ساتھ بطور سزا یا معاوضہ غلاموں کو آزاد کرانے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم زکوٰۃ کی رقم سے غلام کو آزاد کرنے کے لئے رقم دینے کے علاوہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں میں غلام بادشاہ بنے اور غلام ختم ہو گئے، جب کہ یورپی قومیں اٹھارویں صدی میں بھی افریقہ سے غلام لے کر امریکہ جا کر یورپین کو فروخت کرتے تھے۔ (۲): اگر کسی کے پاس غلام نہیں اور اتنا مال نہیں، کہ وہ غلام خرید کر آزاد کرے تو وہ روزے رکھے۔ اس طرح روزوں کا جسمانی فائدہ ہو گا، ضبط اور کنٹرول بڑھے گا اور آئندہ کوئی کام کرنے سے پہلے سوچنے کی عادت پڑے گی۔ (۳): اگر صحت کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتا، تو ساٹھ (60) مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ وہ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتا ہے یا ساٹھ مسکینوں کو اکٹھا کھلا سکتا ہے یا پھر اپنی مالی گنجائش کے مطابق مختلف ایام میں کھلا سکتا ہے۔ کفارہ پورا کرنے کے بعد وہ اپنی بیوی کے ساتھ تعلقات رکھ سکتا ہے۔ یہ سارے امور معاشرہ میں بھلائی، معاشی اور معاشرتی مساوات کی طرف لے جانے والے ہیں۔ ایک اور نکتہ جو اہم ہے کہ نبی ﷺ کی ذات، ریاست کی نمائندگی کرتی ہے۔ بحیثیت ریاست، آپ ﷺ نے ہمیشہ تنگدست لوگوں کی مدد کی اور یہ مدد ریاستی ذرائع سے ہوئی، یعنی صدقات، زکوٰۃ، فیئ، کے فنڈ سے کی گئی۔ جس طرح حضرت اوس رضی اللہ عنہ کے لئے کھجور کا ٹوکرہ جو صدقہ یا زکوٰۃ میں آیا تھا، استعمال ہوا۔ اسی طرح ایک اور صحابی کی ظہار میں بھی مالی حالت کی وجہ سے، زکوٰۃ کے مال کو وصول کرنے والے کو پیغام دیا کہ اس مال سے کفارہ ادا کیا جائے۔ یہ اسلام کی معاشی مساوات اور سماجی و معاشی فرق دور کرنے کے اصول کو واضح کرتا ہے۔ اسلام افراد کو سرمایہ داری کی اجازت دیتا ہے لیکن ریاست کی ترجیح پالیسی میں سوشل مساوات اور سماجی انصاف کی ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ۚ﴿۵﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح رسوا کئے جائیں گے جس طرح

ان سے پہلے لوگ رسوا کئے گئے تھے۔ بے شک ہم نے واضح آیات نازل کیں اور کافروں کے لئے ذلت والا عذاب ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کاموں کی خبر دے گا جن کاموں کو اللہ نے ریکارڈ کر لیا ہے (ان کو گن کر رکھا ہے) جبکہ وہ ان کو بھول چکے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

مدینہ شریف میں منافق مسلمان تھے۔ وہ منافق مومنوں کی باتیں، یہود کے ساتھ کرتے اور اپنی حسد و بغض کی وجہ سے ان سے تعلقات رکھتے۔ جب بھی کوئی اسلام یا مسلمانوں کی خدمت کا موقع آتا تو بھاگ جاتے، مختلف بہانے کرتے۔ آیات 5/6 میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ وہ ناکام و رسوا ہوں گے۔ مخلص مسلمان کامیاب و کامران ہوں گے۔ قیامت میں ان کے تمام احوال کا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے، لیکن وہ بھول جاتے ہیں اور ان کا حساب و کتاب ہوگا۔ اللہ کی قدرت بہت بڑی ہے۔ بالآخر تمام منافق اور یہود ناکام و رسوا ہوئے اور مسلمانوں کو مکمل کامیابی ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷

کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تین میں جو بھی سرگوشی ہو، چوتھا اللہ ان کے ساتھ ہے۔ اور پانچ میں جو بھی سرگوشی ہو، چھٹا اللہ ان کے ساتھ ہے۔ خواہ وہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے دن اللہ ان کو ان کے کئے ہوئے کاموں کی خبر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸

کیاآپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیاں کرنے سے روکا گیا تھا۔ پھر وہ اسی چیز کی طرف لوٹتے ہیں۔ جس سے انہیں روکا گیا تھااور وہ، گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس (کلمے) کے ساتھ سلام کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کے ساتھ آپ کو (کبھی) سلام نہیں کیا۔اور وہ اپنے دل میں کہتے ہیں۔ اللہ ہمیں اس کی وجہ سے کیوں عذاب نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں۔ان کے لئے جہنم کافی ہے۔وہ اس میں داخل ہوں گے۔پس وہ براٹھکانہ ہے۔

سماجی برائیاں:۔

سرگوشی، عموماً کوئی چیز چھپانے کے لئے کی جاتی ہے اور یہ اس وقت ہوتی ہے جب کوئی تیسرا آدمی اسے سننے والا ہو۔ سرگوشی سے مراد ایسی چیز ہوتی ہے، جو تیسرے فرد یا کسی اور کے لئے خطرناک ہوتی ہے اور اس سے چھپائی جاتی ہے۔ نفسیاتی طور پر جب دو شخص، آپس میں سرگوشی کرتے ہیں تو تیسرا، فرد اسے منفی اور ایک خطرناک عمل سمجھتا ہے اور رد عمل کے طور پر وہ بھی سرگوشی سے بات کرنی شروع کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے ایک شک اور خوف کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔ سرگوشی سے بات کرتے ہوئے، دوسرا دیکھنے والا زیادہ چوکنا (الرٹ) ہو جاتا ہے اور سننے والا بھی بہت دھیمی آواز کی وجہ سے زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو جب تک کوئی اہم بات نہ ہو، نہیں کرنا چاہیے۔ منافقین اپنے نفاق کی وجہ سے آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے، کیونکہ ان کی نیتیں مسلمانوں کے خلاف تھیں اور وہ ان سے اپنی حقیقت چھپاتے اور آپس میں بات کرتے۔اسی طرح وہ، یہودیوں سے بھی، مخلص مسلمانوں یعنی مومنوں اور نبی ﷺ کے خلاف باتیں کرتے۔ سرگوشی، اس لئے کرتے کہ ان کی بات ظاہر نہ ہو، ورنہ مومنین خلاف ہو جائیں گے اور مومنوں سے ڈرتے بھی تھے۔ جب منافق، یہود یا آپس میں سرگوشی کرتے، تو مخلص مسلمانوں کو شک پڑتا، کہ کیوں ایسا کر رہے ہیں، کوئی چیز چھپا رہے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملہ اچھا نہیں۔اچھائی تو ظاہر کی جاتی ہے، صرف بری چیز چھپائی جاتی ہے۔اس وجہ سے خواہ مخواہ شک اور خوف کی فضاء بن جاتی ہے کہ شاید کہیں لڑائی یا حملہ کی خبر ہے۔ صحابہ کرام نے نبی ﷺ سے شکایت کی، تو آپ ﷺ نے عمومی اصلاح کی خاطر تمام مسلمانوں اور یہود کو سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا، لیکن منافق اور یہود باز نہیں آئے۔

بعض یہود بغیر کسی ضرورت کے نبی ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہتے اور کرتے۔ اسی طرح منافق اور دوسرے حضرات اپنی اہمیت کی خاطر نبی ﷺ سے سرگوشیاں کرتے۔ نبی ﷺ اخلاق عالیہ کے تحت لوگوں کی دل جوئی کے لئے انکار نہیں کرتے۔اس کا ذکر اگلی آیات میں آیا ہے۔

بعض منافق مسلمان اور یہود سمجھتے تھے کہ ہم مومن مسلمانوں کے خلاف سرگوشی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں آتا،اس پر یہود، یہ سمجھتے کہ نبی ﷺ ، سچے نبی نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس کی، آیات مبارکہ میں وضاحت کی ہے، کہ جب بھی، دو آدمی سرگوشی کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ کسی اور کو پتہ نہیں، کیوں کہ تیسرے سے چھپا رہے ہیں۔انسانوں کو پتہ نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ سب کے احوال اور اعمال سے واقف ہیں۔اسی طرح جب پانچ آدمیوں میں دو گروہ بن کر سرگوشی کرتے ہیں، تو وہ سمجھتے ہیں کہ پانچویں سے بات چھپا رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے اور ان افراد کو، ان کے اس برے عمل یا رویہ کی وجہ سے سزا اس لئے نہیں دی جارہی، کہ اللہ تعالیٰ یہ سارا ریکارڈ محفوظ کر رہے ہیں۔آدمی اپنی باتوں اور اعمال کو بھول جاتا ہے، لیکن یہ ریکارڈ شدہ، اعمال قیامت کو حساب وکتاب کے لئے پیش کئے جائیں گے اور ان کو سزا ہوگی۔آیت میں تین اور پانچ افراد کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ جب دو فرد بات کرتے ہیں تو تیسرا آدمی اکیلا ہو جاتا ہے اور نظر انداز محسوس کرتا ہے۔اسی طرح جب پانچ آدمی سرگوشی کریں گے تو دو، دو آدمیوں کے، دو گروپ سرگوشی کریں گے اور پانچواں آدمی، تنہائی محسوس کرے گا۔جو اخلاقی اور نفسیاتی، سماجی، طور پر برا، انداز اور عمل ہے۔تین اور پانچ کا ذکر قلت اور کثرت افراد دونوں کو شامل ہے۔

حدیث مبارکہ ہے، جب تم تین افراد ہو تو ایک کو چھوڑ کر باقی دو، باہم سرگوشی نہ کریں حتّٰی کہ تم اس کو تشویش اور غم میں مبتلا کرو، تم لوگوں سے میل جول رکھو۔(صحیح البخاری)۔

یہود، کا طریقہ تھا کہ جب نبی ﷺ کو ملتے تو السلام وعلیکم کے بجائے سام علیکم کہتے اور اس انداز سے کہتے کہ آدمی کو محسوس نہیں ہوتا، شاید جلدی میں کہا ہے۔نبی ﷺ ان کی اس بدنیتی سے آگاہ تھے۔اس لئے ان کے جواب میں صرف وعلیکم، یعنی ''تم پر بھی ہو'' کہتے۔آپ ﷺ نے صحابہ کرام اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا، جب انہوں نے یہود پر غصہ کا اظہار کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بری باتوں کے ردوکد کو پسند نہیں فرماتا۔ میں ان کے جواب میں کہہ دیتا ہوں ''تم پر بھی ہو'' یعنی جو تم مجھ پر بھیج رہے ہو میں وہی تم پر بھیج رہا ہوں۔

غیر مسلم کو سلام:۔

علماء نے اس سے یہ اصول نکالا ہے، کہ غیر مسلم کو سلام کہا جائے۔اگر اچھا سلام کہیں، تو اس کا جواب اچھا ہو، اگر برا طریقہ سے کہیں، تو ان پر بھی وہی ہو، جو وہ بھیج رہے ہیں، کیونکہ اسلام، اخلاق کے اعلیٰ طریقوں اور کردار کو پسند کرتا ہے۔

یہود اور منافقین (مسلمانوں) کو جو مہلت مل رہی تھی وہ ان کو جہنم میں شدید عذاب دینے کے لئے تھی ، جس کو وہ مرنے اور حساب وکتاب کے بعد دائمی زندگی، عذاب میں گذاریں گے۔منافق جہنم کے بدترین درجہ میں

ہوں گے۔

سرگوشی کب کی جائے اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۭ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو تم گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرنا اور نیکی اور تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) کی سرگوشی کرنا اور اللہ سے ڈرو، اسی کی طرف تم جمع (اکٹھے) کئے جاؤ گے (قیامت کے دن)۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(بری) سرگوشی، تو شیطان کی طرف سے ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو غمگیں کرے اور وہ (شیطان) انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، مگر اللہ کے حکم سے اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

اسلام میں سرگوشی سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ عموماً کوئی پوشیدہ بات سرگوشی میں کی جاتی ہے اور وہی باتیں پوشیدہ (چھپائی) رکھی جاتی ہیں، جو بری ہوں یا کسی کے لئے نقصان دہ ہوں۔ یہود جب مسلمانوں کو آتا دیکھتے تو آپس میں سرگوشی شروع کر دیتے اور یہ عمل مسلمانوں کو نفسیاتی طور پر تکلیف دیتا کیونکہ وہ یہود کی بدنیتی سے آگاہ تھے۔

سرگوشی:۔

سرگوشی، کو برے مقاصد کے لئے کرنا، جس میں لوگوں کا نقصان، یعنی گناہ، اللہ (اور اس کے رسول) کی نافرمانی مقصود ہو تو بالکل نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مقصد ہے کہ ایسا (برا) فعل کرنا ہی نہیں چاہیے، تاکہ سرگوشی کی ضرورت ہی نہ ہو۔ نیکی، کسی کی بھلائی یا کسی کے عیب کو چھپانے کے لئے سرگوشی کی جا سکتی ہے اور اس کے لئے دوسرے بندے سے اجازت طلب کر لینی چاہیے تاکہ وہ علیحدگی یا نظرانداز ہونا محسوس نہ کرے۔

اسی طرح جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی اس زبان میں بات نہ کریں جو تیسرا آدمی نہیں سمجھتا، کیونکہ یہ بھی اخلاق کے خلاف ہے۔ گویا اس شخص سے چھپانا ہے۔ اگر زیادہ افراد ہوں تو پھر وہ مختلف زبانوں میں گفتگو کر سکتے ہیں۔

سرگوشی کانفسیاتی ردعمل:۔

سرگوشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ تیسرا آدمی اپنے آپ کو الرٹ یا خوف محسوس کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے خوف کو دور کرنے کے لئے کسی اور سے سرگوشی شروع کر دیتا ہے۔ یہ پہلے افراد (سرگوشی کرنے والے) کی طرف پیغام ہوتا ہے، کہ وہ بھی شکار ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی بری نیت سے سرگوشی کر رہا ہے، تو مومنوں کو قطعاً خوف نہیں پیدا ہونا چاہیے اور نہ ہی وہ رد عمل کے طور پر سرگوشیاں شروع کر دیں، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ کسی فکر یا تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں اور مومن تو اپنے کاموں میں، اللہ پر توکل کرتے ہیں یعنی اپنی جدوجہد کرتے ہیں اور فیصلے کا خوف نہیں رکھتے، اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں کھل بیٹھو تو تم کھل بیٹھا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا ہے۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے گا۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

آداب مجلس:۔

سماجی امور، میں آداب مجلس بہت اہم ہیں۔ صحابہ کرام، حضور ﷺ کے قریب بیٹھنا چاہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک جمگھٹا، بن جاتا ہے۔ نبی ﷺ اس مشکل کو سمجھتے تھے اور دل جوئی کے لئے منع نہیں کرتے تھے۔ اکثر اوقات لوگوں کو کھڑے ہو کر، باتیں یا وعظ سننا پڑتا، کیونکہ کہ بیٹھنے کی جگہ پُر ہو جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں ہدایت کی گئی ہے کہ اخلاقِ عالی کی وجہ سے آنے والے افراد کو جگہ دی جائے اور کھلا ہونے کے بجائے زیادہ کھلا یا وسیع حلقہ بنایا جائے تاکہ زیادہ لوگ سما سکیں۔ جگہ کی توسیع، محبت پیدا کرتی ہے۔ جب کہ بہت کھلا بیٹھنا اور دوسرے کی جگہ نہ دینا، تکبر یا اکڑ کی نشانی ہے۔ ساتھ عمر یا مرتبہ، علم اور خدمات کے لحاظ سے احترام کا بھی درس دیا ہے، کہ جو لوگ صاحب فضل ہیں، ان کو اگر جگہ دی گئی تو یہ ایک اچھی اور ایثار کا عمل ہے۔ نبی ﷺ اہل بدر (جنہوں نے غزوہ بدر میں حصہ لیا تھا) کی مشقت اور مصائب، جو ابتدائی ایام میں مسلمانوں کو اٹھانے پڑے، کی وجہ سے زیادہ احترام دیتے اور ان کا مرتبہ بلند تھا۔

فضیلت علم:۔

یہ بھی نصیحت کی گئی، کہ علم کی وجہ سے اہل علم کے بھی، اللہ تعالیٰ درجات، بلند کرتے ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ نے زاہد کے مقابلہ میں عالم، کا زیادہ مرتبہ فرمایا ہے، کیونکہ عالم کے علم سے لوگ معلومات لیتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو لوگ احترام کی خاطر دوسروں کو جگہ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ایثار کی خاطر ان کو انعام دے گا۔ نبی ﷺ نے حصول علم کی تاکید کئی احادیث میں فرمائی ہے۔

نبی ﷺ کسی کے لئے جگہ مخصوص کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے اور دوسرے کو اٹھا کر خود بیٹھنے کو منع کرتے تھے۔ حدیث مبارکہ بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ ایک شخص کسی شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے، لیکن دوسروں کے لئے کشادگی اور وسعت کرو۔ (بخاری/مسلم)۔ اہل علم و فضل اکا احترام بھی ضروری ہے۔

ایک حدیث کے مطابق، نبی ﷺ نے فرمایا: کہ لوگوں کو ان کے مراتب و مناصب کے مطابق بٹھاؤ۔ (ابو داؤد)۔ یعنی ان کا احترام، ان کی اہلیت کے مطابق کرو۔ ایک حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم لوگوں میں جو بالغ اور عقل مند ہوں، ان کو میرے قریب کھڑا ہونا چاہیے، پھر جوان کے قریب ہوں، پھر جوان کے قریب ہوں۔ (مسلم/ابوداؤد)۔

ان احادیث کی روشنی میں نماز کی پہلی صف میں اہل علم، بالغ اور بزرگ حضرات کو ترجیح دی جاتی ہے اور اس لیے، بچوں کی بھی صف، بڑوں کے بعد ہے۔ یہ عمومی طریقہ ہے۔ پہلی صف میں بیٹھنے والے زیادہ اہل علم اور عبادت گزار ہوں۔ لہذا ان کی مناسبت علم و فضل بہت ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو، تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔ اور نہایت پاکیزہ ہے۔ پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو غم نہ کرو)۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے۔ بے حد رحم کرنے والا ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے ہو پس جب تم نے صدقہ نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔ پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ تمارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ سے اکثر لوگ سرگوشیاں کرتے۔ اکثر اوقات بغیر اہم کام کے سرگوشی ہوتی، جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی بھی دل شکنی ہوتی۔ نبی ﷺ کا وقت بھی مصروف ہوتا تھا، اس لئے دوسروں کی حق تلفی ہوتی۔ نبی ﷺ اپنی وسیع قلبی اور لوگوں کی دل جوئی کے لئے اس سے منع نہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیات کے ذریعہ آداب مجلس کے بارے ہدایات دے دیں تاکہ آسانی رہے۔ صدقہ دینے کا مقصد فقراء کی مدد بھی تھا۔

اہل مال، اکثر سرگوشی کرتے۔ جب یہ آیت آئی تو وہ کم ہو گئے۔ اس طرح دوسرے، فقراء صحابہ، کو بات چیت کرنے کا زیادہ موقع مل گیا۔ فقراء صحابہ، جن کی تعداد زیادہ تھی نے، جب اس آیت کا پتہ چلا تو پریشان ہوئے، کہ وہ کس طرح صدقہ ادا کر سکیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پریشانی کو دور کر دیا اور حکم واپس لے لیا گیا۔ توبہ، نماز، زکوٰۃ اور رسول کی تابعداری کا حکم دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس آیت کی تنفیذ میں نے کی اور ایک دینار بطور صدقہ دیا اور نبی ﷺ نے جب صدقے کے بارے پوچھا، کہ دینار ہونا چاہیے تو آپ ﷺ نے عرض کی کہ صحابہ کے لئے بہت زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ نصف کی بھی طاقت نہیں رکھتے، صرف چند اصحاب کی ہے۔ اس کے بعد آیت نازل ہوئی کہ توبہ کریں۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کریں اور حکم اُٹھا لیا گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ان لوگوں سے دوستی رکھی جن پر اللہ نے غضب فرمایا: وہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے ہیں۔ وہ جانتے ہوئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بے شک وہ بہت برے کام کیا کرتے تھے۔

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

انہوں نے اپنی (جھوٹی) قسموں کو ڈھال بنالیا، پھر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا، پس ان کے

لئے سخت ذلت والا عذاب ہے۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

ان کے اموال (دولت) اور ان کی اولاد، ان کو اللہ کے عذاب سے ہر گز نہیں بچا سکتے۔ یہ آگ کے ساتھی ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

جس دن اللہ ان سب کو اُٹھائے گا، تو یہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا رہے ہیں اور ان کا یہ گمان ہو گا کہ وہ کسی دلیل (ثبوت) پر ہیں۔ سنو! وہی بے شک جھوٹے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

شیطان ان پر غالب آ گیا تو اس نے اللہ کا ذکر ان سے بھلا دیا۔ وہ شیطان کا گروہ ہیں۔ سنو! شیطان کا گروہ ہی نقصان اُٹھانے والا ہے۔

شیطانی گروہ:۔

سورت مدینہ شریف، میں نازل ہوئی۔ مسلمان منافقوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ جو کلمہ تو پڑھتے تھے لیکن نبی ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے خلاف تھے۔ یہ عبداللہ بن ابی، کا گروپ تھا۔ آپس میں سرگوشیاں کرتے۔ یہودیوں سے تعلقات رکھتے اور مسلمانوں کی باتیں ان کو بتاتے۔ جب نبی ﷺ یا دوسرے مسلمان ان سے اس کے بارے پوچھتے، تو بار بار قسمیں اُٹھاتے۔ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک منافق جس کا نام عبداللہ بن نبتل تھا، اس سے نبی ﷺ نے فرمایا، کہ تم اور تمہارے ساتھی، کیوں مجھے برا بھلا کہتے ہو۔ اس نے قسم اُٹھا کر کہا کہ نہیں کہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہتے ہو، وہ اپنے ساتھیوں کو لے آیا اور سب نے جھوٹی قسمیں اٹھالیں۔ یہودی، جو مسلمانوں کے شدید مخالفت کرتے تھے، وہ ان سے دوستی رکھتے۔ اس واقعہ پر آیات نازل ہوئی اور بڑا واضح فرما دیا، کہ ان کے دل شیطان کے قابو میں ہیں۔ یہ شیطان کے خیالات پر عمل کرتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ منافق، نہ تو یہود کے ساتھ

ہیں، نہ ہی مخلص مسلمانوں کے ساتھ۔ وہ صرف اپنے وقتی مفاد کے تابع ہیں، نہ ادھر کے ہیں، نہ ادھر کے ہیں۔ ان کا ،کلمہ کا پڑھنا، یا رسول اللہ ﷺ کے وجود کے ہوتے ہوئے بھی کوئی فائدہ مند نہیں ہو گا، کیونکہ اعمال غلط ہیں اور منافقت ہے۔ اسلام میں اعمال صالحہ کی بہت اہمیت ہے اور وہی نجاعت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ محبت کا دعویٰ کرنے والوں کو خواہ، وہ اللہ سے یا صرف رسول سے یا دونوں سے کریں، اعمال سے ثبوت دینا ہو گا جس طرح صحابہ کرام نے دیا تھا۔

منافق بھی جب مخلص صحابہ کرام کے اجر کے بارے آیات سنتے تو کہتے کہ ان کو بھی ان کے اموال و اولاد ان کی قسمیں بچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی واضح تردید کر دی کہ اعمال صالحہ اور اخلاص بہت اہم ہے۔ اولاد و مال نہیں ہے۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کا زوال ان کے منافقانہ اعمال کی وجہ سے ہے۔ مسلمان کو دشمن یا ملک دشمن، افراد سے، قومی مصلحت کے خلاف، دوستی ممنوع ہے۔ اگر وہ اسلام دشمن نہیں تو دوستی رکھی جا سکتی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے غیر مسلم قبائل سے حلیف / دوستی، ہونے کے معاہدے کیے اور ان کا پورا اہتمام کیا گیا۔ یہود نے ہمیشہ اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی، جس کی وجہ سے ان کو مدینہ اور خیبر سے نکالا گیا۔ دراصل فتح مکہ کا واقعہ بھی غیر مسلم قبیلہ کی دوستی اور حلیف ہونے کے وجہ سے ہوا تھا۔ دعوت و تبلیغ کے لئے بھی اعلیٰ اخلاق بہت ضروری ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ ﴿۲۰﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۱﴾

اللہ نے لکھ رکھا ہے (فیصلہ کر دیا ہے) کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے۔ بے شک اللہ قوی بڑا زبردست ہے۔

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَ یُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾

(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے، جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ

ان سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے باپ کا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہو۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی، اپنی طرف سے ایک روح (قوت) کے ساتھ مدد (تائید) کی ہے۔ اور وہ (اللہ) انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا، کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، جان لو! بے شک (جو) اللہ کا گروہ ہے، وہی فلاح پانے والا ہے۔

حزب اللہ:۔

قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ انسان کی فہم و عقل کے لئے، کسی عمل کی دونوں اطراف کے بارے اطلاع دی جاتی ہے تاکہ پڑھنے والا یا جاننے والا، صحیح فیصلہ کر سکے۔ جیسے رات، دن، اچھا، برا، لمبا، چھوٹا، عارضی اور مستقل امور ،اسی طرح پہلے حزب الشیطان کا ذکر (شیطان کا گروپ) تھا، جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن یا منافق تھے۔ جو زبان سے تو اللہ اور اس کے رسول کو مانتے تھے مگر اعمال میں مخالفت کرنے اور اپنے نفس کی خواہشات کے تابع تھے۔ اس کے مقابل ان آیات میں حزب الرحمٰن کا ذکر ہے۔ اللہ کا گروپ، جس کا ایمان پورا اور مکمل ہے۔ دنیا کے سارے رشتے ،ناطے، دوستی، محبت، زندگی، الفت، اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور رشتے کے آگے ہیچ اور ختم ہیں۔ دنیا کے سارے رشتے، اس کے مقابل صفر ہیں۔ یہ صحابہ کرام تھے، جنہوں نے اپنے مکہ میں گھر بار چھوڑے۔ کفار مکہ کے ظلم و ستم سہے، مدینہ میں آ کر زندگی شروع کی، منافقین اور یہود کے طعنے سنتے رہے، لیکن اپنے عزم وفا اور تابعداری خدا، پر ڈٹے رہے۔ غزوہ بدر، احد میں صحابہ کرام کے رشتہ دار مخالف اور مقابل تھے۔ اس لئے سب نے انہیں، کیفر کردار (انجام) تک پہنچانے سے گریز نہیں کیا۔ جس کو موقعہ ملا اس نے کافر (دشمن خدا اور رسول) کو ختم کر دیا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے کہا کہ ان کے رشتہ دار ہی ان کو قتل کریں (بطور دشمنی و جنگ کی سزا) ۔ معیار مکمل اخلاص اور اتباع نبی ہے۔

یہ ایمان کے پکے، اللہ اور اس کے رسول کے جان نثار، ہی اللہ کا گروہ (حزب اللہ) ہیں۔ اللہ ان کے اعمال و اخلاص سے راضی ہے اور وہ اللہ کی رضا اور مہربانی و احکام پر راضی ہیں۔ اللہ نے اپنے گروہ کی مدد فرمائی، ان کو قوت ارادی، عزم، حوصلہ، صحیح اور بروقت فیصلہ کرنا، مقابلے میں طمانیت اور جرأت عطا کر کے، ان کی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود کامیابی سے ہمکنار کیا۔ چالیس سال کے اندر ان کو دنیا کی عظیم قوت بنا دیا اور اپنا وعدہ سچا کر دیا کہ اللہ اور اس کے تابعدار گروہ، کامیاب ہوں گے۔

کون تصور کرتا تھا، کہ خوف وپریشانی سے مکہ چھوڑنے والے مسلمان جو اپنی جان بچا کر کبھی حبشہ اور کبھی مدینہ گئے، چند سالوں میں مکہ پر دوبارہ کنٹرول کر لیں گے۔ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہوگا۔ پھر عرب سے نکل کر عجم اور رومی وایرانی علاقے، ان کے زیر آجائیں گے۔ قرآن پاک کی ساری پیشن گویاں، حرف بحرف پوری ہوئیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں اکثر ممالک میں مسلمان کا کردار منافقین کا ہے۔ کلمہ تو پڑھتے ہیں، لیکن کردار میں، شان رسول اور اسوۃ رسول نہیں۔ اللہ کے احکام پر بحث ومباحثہ تو ہوتا ہے لیکن عمل نہیں ہے، جس کی وجہ سے ساری دنیا میں ناکام ہیں۔ حکمرانوں کا حال تو عوام الناس سے بھی بدتر ہے۔ کامیابی کا راستہ دنیا وآخرت میں اللہ اور اس کے رسول کے کردار پر چلنا اور احکام پر عمل کرنا۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

الحمدللہ سورت المجادلہ مورخہ 25 مئی 2023 کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ، بقیہ سورتوں کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو قارئین اور مصنف کی نجاعت کا سبب بنائے۔ آمین۔

59- سورۃالحشر

تعارف:۔

سورت ''الحشر'' اس کی آیت نمبر2 میں لفظ الحشر، کی وجہ سے ہے۔ جس کا ترجمہ ہے ''وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے جنہوں نے انکار کیا، انہیں پہلی بار گھروں سے نکالا (جلاوطن کیا) (الحشر:2)۔

اس سورت کا ایک نام، بنی النضیر، بھی ہے کیونکہ اس میں یہود کے قبیلہ بنی النضیر کے واقعات ہیں۔ اکثریت مفسرین نے اس کو الحشر کہا ہے کیونکہ حشر کا معنی ہے لوگوں کو اکٹھا کرنا اور قبیلہ بنی النضیر کو اکٹھا کر کے ان کی وعدہ شکنی اور جرائم کی وجہ سے مدینہ سے نکالا گیا۔

سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے اس کا نمبر اُنسٹھ (59) اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر اٹھانوے (98) ہے۔ یہ سورت البنیہ کے بعد اور سورت النصر سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کی چوبیس (24) آیات اور تین (3) رکوع ہیں۔

یہود کی حجاز میں کب آمد ہوئی کوئی صحیح تاریخ نہیں۔ ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو یثرب (مدینہ) کے علاقے میں عمالقہ کو نکالنے کے لئے بھیجا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو تباہ کیا (587 قبل مسیح) تو یہ تتر بتر ہو گئے اور کچھ قبائل یثرب وادی القراء میں آکر آباد ہو گئے۔

پھر جب رومیوں نے 132 عیسوی میں فلسطین میں ان کا قتل عام کیا، وہاں سے نکال دیا۔ تو یہ حجاز میں آکر بیٹھ گئے اور اپنے کاروبار سے قبضہ جما لیا۔ بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی جندل، بنی قینقاع، یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ یثرب میں دو قبائل اہم تھے، بنی نضیر اور بنی قریظہ، جو کاروبار اور باغات کے مالک تھے۔ جب اوس اور خزرج کا زور بڑھا تو یہ شہر سے باہر جا کر بس گئے۔ زبان، لباس، تہذیب، ان کا عربوں کی طرح تھا۔ نام بھی عربی ہوتے تھے۔ دین میں اختلاف تھا اور معاشی طور پر زیادہ مضبوط تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جب مدینہ تشریف لائے، تو مسلمانوں نے ایک معاشرہ قائم کیا، جس میں اوس، خزرج اور مہاجرین، مسلمان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نے تمام مدینہ میں رہنے والے قبائل کے ساتھ ایک مل جل کر معاہدہ تحریر کیا۔ جس کو میثاق مدینہ کہا جاتا ہے جس کے تحت مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں سب مل کر دفاع کریں گے۔ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف مدد نہیں دیں گے۔ ہر ایک کو، اس کے مذہب کی آزادی ہو گی۔ اس وقت اس معاہدے میں مسلمان، غیر مسلم قبائل اور یہود شامل تھے۔ اختلاف کی صورت میں فیصلہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریں گے جو سب کے لئے قابل

قبول ہو گا۔ تحویل قبلہ کے ساتھ یہود نے مخالفت شروع کر دی۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح نے ان پر رعب ڈالا اور نبی ﷺ کی نبوت یقین کرنے لگے۔ سب سے پہلے مخالفت، بنی قینقاع نے کی اس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا۔ نبی ﷺ نے ان کو امن و مصالحت کی ہدایت کی، لیکن انہوں نے ٹھکرا دیا۔ بالآخر ان کا محاصرہ کیا گیا اور عبداللہ بن ابی کی حمایت پر ان کو مدینہ سے نکلنے کی اجازت مل گئی۔

غزوۃ احد، میں شکست کے بعد، کعب بن اشرف (یہود کا لیڈر) چالیس سواروں کو لے کر مکہ گیا اور کعبہ میں، ابو سفیان سے مسلمانوں کے خلاف مدد کا معاہدہ کیا، حالانکہ مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ دفاع مدینہ اور ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ نبی ﷺ، کو اس بات کا علم ہوا، تو آپ ﷺ نے اس کی اعلانیہ خلاف ورزی اور مکہ جا کر مدد کرنے پر موت کی سزا دی۔ اسے محمد بن مسلمہ انصاری نے قتل کر دیا۔ یہ قتل بھی، بنی نضیر کے لئے بڑا سخت واقعہ تھا۔ یہودیوں نے، مسلمانوں میں بالخصوص، اوس اور خزرج کے درمیان پرانی دشمنی کو بھڑکانے کی بار بار کوششیں کیں۔ دو مسلمانوں کے بیئر (کنواں) معونہ کے مقام پر قتل کی دیت میں، بنو نضیر نے حصہ دینا تھا۔ نبی ﷺ نے ان سے دیت کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ، وہاں دیوار کے سائے میں انتظار کریں، اس دوران وہ خون بہا کا حصہ ادا کر دیں گے۔ اسی دوران، یہودیوں نے سازش کی کہ اس موقعہ پر جب نبی ﷺ دیوار کے سائے میں انتظار کر رہے ہیں، ایک آدمی چھت پر جا کر ان کے اوپر بھاری پتھر گرا کر ان کو ختم کر دے۔ ان کا ایک آدمی چھت پر چڑھ گیا۔ اس کے عمل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ، نے آپ ﷺ کو خبردار کر دیا۔ آپ ﷺ وہاں سے واپس آ گئے۔ صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کی تلاش میں تھے۔ فیصلہ کیا کہ ان کو اس غداری کی سزا میں مدینہ سے نکل جانے کا الٹی میٹم دے دیا جائے۔ نبی ﷺ نے ان کو فوراً پیغام دیا، کہ تمہاری غداری یعنی قتل کی سازش کا مجھے علم ہو گیا تھا۔ اب دس دنوں کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ، ورنہ تمہارا محاصرہ کیا جائے گا۔ انہوں نے غداری یا سازش سے انکار نہیں کیا، بلکہ کہا کہ ہم تمہارا مقابلہ کریں گے۔ عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ اس نے ان کو اکسایا کہ نبی ﷺ کا مقابلہ کرو، میں تمہاری مدد کے لئے افراد بھیجوں گا اور دوسرے یہودی قبائل سے بھی مدد آ جائے گی۔ اس بھروسہ اور اپنی قوت کے زعم اور مکانوں کی مضبوطی کی بناء پر، انہوں نے نکلنے سے انکار اور مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ اعلان کے مطابق مدت گذرنے کے بعد نبی ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ کچھ روایات کے مطابق، چھ دن اور کچھ کے مطابق پندرہ دن رہا۔ ان کی مدد کو، نہ کوئی یہودی قبیلہ، نہ ہی منافقین آئے۔ انہوں نے مدینہ سے نکل جانے کی استدعا کی، کہ وہ اسلحہ کے سوا اپنا سب کچھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور انہوں نے اپنے مکانات توڑ دیئے تاکہ مسلمانوں کے کام نہ آئیں اور سارا

سامان ساتھ لے گئے۔

سورت میں ان کے تکبر کا انجام اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا انداز بتایا گیا ہے۔

جنگ کے دوران کارروائی میں درختوں اور فصلوں کے بارے احکامات ہیں۔

جنگ سے ملنے والے اثاث، گھر، زمینیں، باغات کو ریاست کی عملداری، میں دے دیا گیا کیونکہ بغیر جنگ کے حاصل ہوئے ہیں۔ منافقین کے کردار کو ملامت کیا گیا۔ صحابہ کرام بالخصوص، انصار کے اخلاص وایثار کی تحسین کی گئی ہے۔ ایمان اور نبی ﷺ کی اتباع کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ، کی عظمت و قوت کی صفات کا اظہار، اسمائے حسنیٰ کی صورت، میں آخری تین آیات میں کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات یا دن میں سورت الحشر کی آخری تین آیات پڑھیں اور اس رات یا دن میں اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کر لی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جنت واجب کر دی۔ (شعب الایمان)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

آسمانوں کی ہر چیز اور زمینوں کی ہر چیز نے اللہ ہی کی تسبیح کی اور وہ بہت غالب، نہایت حکمت والا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۫ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۫ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے انکار کرنے والوں (کافروں) کو پہلی بار جلا وطن کرنے کے لئے ان کو ان کے گھروں سے نکالا، تمہیں ان کے نکلنے کا گمان (تک) نہ تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے۔ پس ان پر اللہ کا عذاب اس طرح آیا کہ ان کو گمان تک بھی نہ تھا۔ اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی، سو، اے آنکھوں والو!

عبرت حاصل کرو۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳

اور اگر اللہ نے ان کے لئے جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو وہ ان کو ضرور دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لئے آخرت میں بھی دوزخ کا عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

سورت کی ابتداء، اللہ تعالیٰ کی قوت سے کی گئی ہے۔ قوت کے ساتھ اس کی حکمت کا بھی ذکر ہے اور زمین و آسمان میں ہر چیز اس کی حمد و تسبیح (عبادت) کرتی ہے۔ انسان کے لئے، مقام غور و فکر ہے کہ کیوں شیطان کے آگے پھنسا ہوا ہے اور اپنے خالق کو بھول جاتا ہے۔ آیت مبارکہ، بنو نضیر کے جلاوطنی کے بارے ہیں۔ یہود، شروع سے معاہدہ تعاون ہونے کے باوجود، مسلمانوں کی مخالفت کرتے تھے۔ کفار مکہ سے بدر کے بعد ساز باز شروع کر دی۔ بدر اور احد میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ اوس اور خزرج، میں پرانی دشمنیاں جگانے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ بالآخر، بنو نضیر نے نبی ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی، جب کہ وہ ان کے گھر خیر سگالی یعنی دیت کے بارے گئے تھے، جس میں وہ حصہ دار تھے۔ نبی ﷺ کو، اللہ نے آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ، فوراً دیوار کے پاس سے علیحدہ ہو گئے اور بنو نضیر کو ان سازش اور وعدہ خلافیوں کی وجہ سے مدینہ سے نکلنے کا حکم دیا اور اس کے لئے دس دن کا نوٹس دیا گیا۔ اسلام کے نظام بین الاقوامی معاملات، میں اگر آپ کا حلیف آپ کو دھوکہ دے رہا ہے تو اس کو معاہدے سے نکالنے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا سے پہلے ایک وارننگ ضروری ہے۔ یہ وارننگ انہی تعلیمات کے تحت تھیں۔ بنو نضیر نے مقابلہ کا اعلان کر دیا اور دھمکی دی کہ وہ قریش سے بڑھ کر طاقتور ہیں۔ منافقین (عبداللہ بن ابی) نے ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور مقابلہ کے لئے کہہ رہا تھا۔ اس نے جوانوں کے ساتھ لڑنے کا وعدہ کیا اور یہاں تک کہا کہ وہ ان کے ساتھ جلاوطن ہو جائے گا۔

بنو نضیر کی تعداد کافی تھی۔ وہ ایک علاقہ پر قابض تھے جو ان کا سارا تھا۔ مسلمانوں نے ان کا گھیراؤ کیا۔ وہ درختوں کی آڑ بنا کر مقابلہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے جو درخت آڑ بنتے تھے ان کو کاٹ دیا تاکہ حملہ کرنے میں آسانی ہو۔ وہ تقریباً دو ہفتے اپنے گھروں میں جو بہت مضبوط قلعہ نما تھے بند رہے۔ پھر ان کی تعداد، اسلحہ، محفوظ گھر ہونے کے

باوجود گھبرا گئے، کیونکہ منافقین اور دوسرے یہود قبائل سے کوئی مدد نہ آئی۔انہوں درخواست کی کہ ان کو ان کے مال و متاع، سوائے اسلحہ کے لے جانے کی اجازت دی جائے۔ جس کی نبی ﷺ نے اجازت دے دی۔انہوں نے اپنے گھروں کو توڑنا شروع کر دیا تاکہ دروازے اور کھڑکیاں لے جائیں اور مسلمانوں کے کام نہ آئیں۔

آیات مبارکہ ،اللہ کی مدد کے ایک انداز یا طریقہ کو واضح کر رہی ہے۔بنو نضیر اپنے علاقہ میں تھے۔گھروں میں محفوظ تھے۔اسلحہ بھی موجود تھا۔اپنی تعداد اور اسلحہ پر ان کو ناز تھا۔اسی وجہ سے انہوں نے مقابلہ کا اعلان کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت ڈال دی اور ان کے سارے ذرائع ان سے استعمال نہ ہو سکے اور انہوں نے جان بخشی کی درخواست کی۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بغیر کسی آزمائش اور جنگ کے کامیابی دے دی اور مدینہ یہودیوں سے کافی حد تک صاف ہو گیا(دو قبائل جا چکے تھے)۔یہ محاصرہ ایک روایت کے مطابق چھ دن(ایک ہفتہ)اور ایک روایت میں پندرہ دن جاری رہا۔وہ اپنا سارا سامان جو لے جا سکتے تھے لے گئے۔ان کے لئے بڑی پریشانی تھی۔ان کے باغات تباہ ہو رہے تھے اور گھر وہ خود تباہ کر رہے تھے۔یہ سب ان کے نفسیاتی خوف کے سبب سے تھا، جو اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی کامیابی اور ان کی ناکامی کے لئے پیدا کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کا انجام برا ہو گا اور اس واقعہ سے دوسرے یہود اور منافقوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اللہ میرے دشمن کے دلوں میں ایک ماہ کی مسافت (دوری) پر ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے۔(بخاری)۔بنو نضیر کی یہ پہلی جلاوطنی تھی، جو انہوں نے اکٹھی ہو کر کی۔اس لئے اول الحشر کا لفظ فرمایا۔دوسری جلاوطنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔وہ حجاز سے نکل کر علاقہ شام کی طرف چلے گئے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

تم نے جو کھجور کا درخت کاٹا، اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ) اللہ کے حکم سے ہے تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

مسلمانوں نے جب محاصرہ کیا، تو کھجور کے درختوں کے جھنڈ بہت بڑی آڑ تھے، اس لئے انہوں نے کچھ کو کاٹ دیا جو آڑ بناتے تھے یا گرا دیا اور کچھ کو چھوڑ دیا۔یہود نے جب اپنے درختوں کو کٹتے دیکھا تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ تو فساد فی الارض ہے، کہ ایک درخت کئی سالوں کے بعد بڑا ہوتا ہے اور تم اسے کاٹ رہے ہو۔اسلام اور تمہارا نبی (ﷺ) تو فساد کو منع کرتا ہے۔اس بات پر مسلمان کچھ شش و پنج (غیر یقینی حالت) میں پڑ گئے اور نبی ﷺ سے

دوبارہ تاکیداً دریافت کیا۔ اسلام میں انسانیت کے پیش نظر، حملہ کے وقت فوجوں کو حکم ہے کہ درختوں، فصلوں، گھروں اور عورتوں کو قتل اور تباہ نہ کریں۔ یہ کاٹنے کا منصوبہ صحابہ کرام کا اجتہاد تھا یا نبی ﷺ کا حکم تھا، بہر حال اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ یہ فساد فی الارض نہیں ہے، بلکہ فساد کو ختم کرنے کے لئے اس کے حکم سے ہے۔ لینہ، کھجور کے درخت کی ایک قسم ہے یا عام کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔

اس آیات سے ایک اصول جنگ میں تبدیلی آئی، کہ اگر دشمن درختوں، فصلوں کو آڑ بنا رہا ہے تو ان کو ختم کرنا ضروری ہے، کیونکہ اگر ختم نہ کیا تو فساد زیادہ ہوگا۔ یہ اس وقت جنگ کی نوعیت و حالات پر منحصر ہے۔ اس فیصلہ سے اجتہاد کرنے کی اجازت بھی مل گئی ہے۔ جنہوں نے کاٹنے کا حکم دیا، ان کا بھی صحیح فیصلہ تھا اور جنہوں نے کہا کہ چھوڑ دو تاکہ کام آسکیں ان کا بھی فیصلہ صحیح تھا۔

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶

اللہ نے ان (بستیوں والوں) سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لئے نہ اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

اللہ نے ان بستیوں والوں سے جو اموال نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے، سو وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے اور (رسول کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ وہ (اموال) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتے رہیں اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸

یہ اموال ان فقراء مہاجرین کے لئے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اور اموال سے نکال دیا گیا، وہ اللہ کے فضل اور اس کو رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ (کے دین) اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

آیات مبارکہ میں ان قوانین کا ذکر ہے جو اموال، اسلامی حکومت کو جنگ کرنے یا بغیر جنگ کرنے کے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ امور، موجودہ دور میں اس طریقہ سے نافذ نہیں ہو سکتے، جس طرح نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے، کیونکہ باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ جو لوگ لڑائی یا جہاد میں شامل ہوتے، وہ اپنی سواری، اسلحہ اور جان ہتھیلی پر رکھ کر جدوجہد کرتے۔ جب اسلامی ریاست مضبوط ہو گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ فوج رکھ لی اور ان کو انہی اموال سے تنخواہ ملتی تھی۔

مال غنیمت اور مال فی:۔

جنگ کرنے سے فتح کے بعد، جو دشمن کا مال ہاتھ آتا ہے، اسے مال غنیمت کہتے ہیں۔ اس کے احکام سورت انفال میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ فرمایا کہ اس کا پانچوں (1/5) کو ریاست کے کنٹرول میں عوام الناس کی فلاح کے لئے دے دیا گیا اور باقی 4/5 کو مجاہدین جو اس جنگ میں شریک تھے غازی یا شہید سب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کے اموال اور وقت کا کچھ متبادل ہو سکے۔ اس وقت ریاست اتنی منظم نہیں تھی، اس لئے یہی مناسب تھا۔ اب بین الاقوامی قوانین کے مطابق چونکہ افواج، ریاست کے خزانے پر پلتی ہیں، اس لئے سب ریاست کو جاتا ہے اور یہ اسلام کے احکام کی روح کے مطابق ہے۔

فلاحی ریاست:۔

اگر دشمن نے بغیر جنگ کئے، ہتھیار ڈال دیئے اور اموال اور اثاثے مسلمانوں کے قبضے میں آئیں، اس میں انفرادی مشقت (جنگ) شامل نہیں تھی۔ صرف ریاست کا دباؤ تھا۔ اس لئے یہ سارے مال و متاع ریاست کو ملیں گے۔ ان آیات یا اسلامی احکام میں، اللہ کا رسول، اسلامی ریاست کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ ان کو تقسیم کریں گے۔ ان کی تقسیم کے بارے بھی ہدایات دی گئی ہیں جو آیت میں مذکور ہیں، کہ اس کو نبی ﷺ یا رئیس مملکت اور اس کے اہل و عیال (موجودہ انتظامی امور) کے خرچ، یا اس کے لواحقین، یتیم افراد، مساکین افراد اور مسافروں پر خرچ ہوں گے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا حصہ بھی رئیس حکومت اور قرابت داروں کا، فقراء اور مساکین پر خرچ ہو گا، لیکن اس میں ترجیح نبی ﷺ کی قرابت کو دی جائے گی۔ یہ اموال کسی فرد کی ملکیت نہیں، بلکہ نبی ﷺ بھی مالک نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے اس کے منتظم تھے۔ یہ اسلام کی فلاحی ریاست جس میں بے روزگاروں، غرباء، فقراء قرض

داروں، مسافروں، یتیم اور بیواؤں کی مدد کی جاتی تھی،اس کا حکم ہے۔ نبی ﷺ بھی ان اموال میں اپنی ضرورت سے زائد بیت المال میں جمع کر دیتے اور مستحقین پر خرچ ہوتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا،ان کی ملکیت بھی صدقہ ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغ فدک سے وراثت کا مطالبہ کیا، تو اسی حدیث کے ذریعہ اس کو حل کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے۔ خلیفہ (عوام سے اور ان کا چنا ہوا)، نبی کا انتظامی نائب ہے،اس لئے اس کے رشتہ داروں کو بھی یہ نہیں ملے گا۔ موجودہ دور میں تو رشتہ داری کا تعین ناممکن ہے۔ یہ فیصلہ حضرت ابو بکر الصدیق کی دور اندیشی اور عقل مندی کی دلیل ہے۔اس میں غریب عوام کا تحفظ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر اس کا انتظام دیا کہ وہ نبی ﷺ کی طرح استعمال کر کے پھر اسے بیت المال میں دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کو اس میں سے حصہ نہیں دیا، بلکہ بیت المال میں جمع کرا کر مستحقین کو دیا جاتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس حدیث کے قائل تھے کہ نبی ﷺ کا سارا ترکہ صدقہ ہے ''ہمارا، وارث نہیں بنایا جائے گا جو کچھ چھوڑا صدقہ ہے''۔ بخاری شریف۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ یہ اصول دوسرے تمام املاک پر ہے لیکن فدک پر نہیں ہوگا، جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کا خیال تھا کہ یہ حدیث نبی ﷺ کی تمام املاک پر لاگو ہے اور وہ اب خلیفہ کے تحت عوام الناس کے لئے ہیں۔ خلیفہ کے اپنے رشتہ دار بھی نبی ﷺ کے رشتہ داروں کی طرح حقدار نہیں ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ان کی اعلیٰ بصیرت اور انتظامی صلاحیت پر مبنی تھا۔ اگر خلیفہ (حکمران) رشتہ داروں کو بھی ملکیت کے حقوق مل جاتے تو بیس فیصد ریاست کا حصہ وہ بانٹ لیتے۔اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں اسی نظام کو جاری رکھا اور ریاست کی ملکیت قائم رہی۔

اسی طرح ایران سے زمینوں کی ملکیت کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریاست کے ماتحت رکھا، اگرچہ کچھ صحابہ نے انہیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا مشورہ دیا اور ان کی آمدن سے افواج، فلاحی اخراجات پورے ہوتے رہے۔ ہر مجبور، محتاج کو ریاست مدد دیتی تھی۔ یہ فلاحی ریاست مسلمانوں نے قائم کی اور یہی فلاح کا تصور، مہاجرین اور انصار کے درمیان تقسیم اموال کے دورانِ (اموال بنو نضیر) نافذ ہوا۔

دولت کی گردش:۔

اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح الفاظ میں ہدایت فرمائی کہ اموال کا ریاست کی تحویل میں دینے کا مقصد یہ ہے کہ

دولت گردش معاشرے میں چلتی رہے اور معاشرہ معاشی ترقی کرے۔ کم آمدنی والے افراد اپنی معاش بہتر کریں جب دولت کی تقسیم کے ذریعے ان افراد کو نقدی دی جائے گی جن کی ضروریات ہیں، لیکن نقد رقم نہیں کہ پوری ہو سکیں، جن میں فقراء، مساکین، بیوائیں، یتیم، مسافر، سب شامل ہیں تو ان کی طلب اور خرید کے بڑھنے سے، مزید رسد میں اضافہ ہوگا اور معاشی ترقی ہوگی۔ اسی صرف (خرچ کرنے) کا اصول اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے دیا، جو آج بھی حکومتی پالیسیوں کی بنیاد ہوتی ہے۔ آیت میں ہے کہ دولت امیروں کے درمیان ہی نہ گھومتی رہے بلکہ فقراء کے ذریعے معاشرے میں چلے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بھی خلیفہ کی ملکیت، اشیاء کے لئے یہی حکم تھا کہ وہ ریاست کی ملکیت اور صدقہ ہوں، وراثت کے قوانین کے ذریعہ تقسیم نہ ہو جائیں اور محتاج محروم رہ جائیں۔ فلاحی ریاست کے لئے فنڈز مہیا ہو سکیں۔

بنی نضیر کے اموال کی تقسیم میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محتاج مسلمانوں کو ترجیح دی اور وہ مہاجرین تھے، جو مکہ میں اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے تھے اور انصار کے ساتھ مل گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو پیشکش کی کہ فلاحی ریاست، عدل الٰہی کے تحت سارے اموال ملا کر سب میں تقسیم کر دیئے جائیں یا اب صرف مہاجرین جو انصار کے مقابلہ میں غربت میں ہیں، ان کو یہ اموال دیئے جائیں اور ان کے پاس جو انصار کے اموال، اخوت مدینہ، کے تحت آئے تھے واپس کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس منصوبے کو ترجیح دی اور یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے، کچھ انصاری صحابہ جو بہت غریب تھے ان کو بھی دیئے گئے۔

انصار صحابہ نے اس وقت بہت اعلیٰ ایثار و محبت کا ثبوت دیا اور کہا کہ ہم ان اموال سے کچھ نہیں لیتے۔ ہمارے مہاجرین بھائیوں کو دیئے جائیں بلکہ ہم اپنے اموال بھی واپس نہیں لینا چاہتے۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی مدح فرمائی کہ انہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے ظلم سہے، گھر بار چھوڑے، اللہ کے رسول کی جنگوں میں مدد کی، سارا مقصد اللہ کی رضا تھا۔ یہ سچے کردار اور اعلیٰ اخلاق کے لوگ ہیں۔ ان سچے افراد، جن کے کردار کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے فیصلے بھی سچ ہوں گے۔ اس لئے خلفاء راشدین کی خلافت اور فیصلے سچے ہیں۔

اطاعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۔

اطاعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا واضح حکم ہے کہ جو حکم تمہیں دیں اس کو قبول کرو، عمل کرو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔ یہ حکم مال فیٔ یا غنیمت تک نہیں بلکہ تمام احکام کو شامل ہے۔

وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا

يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۬ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹

(اور وہ مال ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کچھ حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

(اور وہ مال ان لوگوں کے لئے بھی ہیں) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں، جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

یہ آیات صحابہ کرام کی فضیلت اور مال فی کی تقسیم کے بارے ہیں۔ مال فی میں مہاجرین کے علاوہ انصار کا بھی حق ہے۔ جس کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ مہاجرین کے آنے سے پہلے، دلوں میں ایمان لا چکے تھے۔ پھر مہاجرین کے لئے ان کے دل وسیع تھے۔ ان سے محبت کرتے تھے اور ہیں، جس کی مثال اخوت مدینہ میں ظاہر ہوئی۔ ہر انصاری نے اپنی جائیداد اور حتیٰ کہ اگر دو بیویاں تھیں تو کہا کہ ایک کو وہ طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ نکاح کروا دیں گے۔ اپنے دلوں میں اپنے مال کی تقسیم پر کوئی تنگی محسوس نہ کی۔ اسی طرح اس مال فی کی تقسیم کے سلسلہ میں جب نبی ﷺ نے فرمایا کہ یا تو سب مال (سابقہ اور نیا) ملا کر تقسیم کیا جائے یا صرف یہ نیا مال مہاجرین کو دیا جائے اور انصار کے مال ان کو واپس کر دیئے جائیں۔ انصار نے کہا کہ نہ ہم نئے مال سے کچھ لیتے ہیں اور نہ پرانے مال سے واپس لیں گے۔ یہ ان کے ایثار کا عالم تھا کہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک انصاری کے ہاں بکری کا سر اتحفہ آیا۔ اس نے کہا فلاں ساتھی (بھائی) کو زیادہ ضرورت ہے اس کی طرف بھیج دیا۔ اس نے کہا کہ فلاں بھائی کو زیادہ ضرورت ہے اس کو بھیج دیا۔ اسی طرح چار، پانچ، سات گھروں سے گھوم کر انہی کے گھر واپس پہنچ گیا، جنہوں نے سب سے پہلے تحفہ کیا تھا۔ یہ ایثار کی مثال ہے۔ (زاد المیسر)۔ ایثار

کی بڑی فضیلت ہے لیکن یہ اس وقت کرنا مناسب ہے، جب اس شخص اور اس کے اہل و عیال میں صبر کرنے کی اعلیٰ قوت موجود ہو۔

ایثار اور بخل:۔

ایثار کو روکنے والی چیز، شُح ہے۔ شح، کا معنی کنجوسی اور بخل ہے، لیکن جب نفس کے ساتھ لگایا جائے تو اس کا معنی وسیع ہے۔ اور تنگ نظری، تنگ دلی کا ہم معنی ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے آدمی کا دوسرے کے حق کو ماننا، ادا کرنا تو مشکل ہے۔ اس کی خوبی تک کا اعتراف نہیں کرتا اور چاہتا ہے اس کو سب کچھ مل جائے۔ یہ بڑی بری صفت ہے۔ قرآن مجید نے اس کردار کو جس میں یہ صفت نہ ہو اس کو فلاح کی ضمانت قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی شح سے سختی سے منع کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **اتقوا الشح فان الشح اهلک من قبلکم۔ حلهم علی ان اسفکو دماء هم واستحلو محارمهم۔** (مسلم / بخاری)۔ شح، بخل سے بچو کیونکہ شح نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا اور ایک دوسرے کے خون بہانے اور ان کی حرمتوں کو اپنے لئے حلال کرنے پر ابھارا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عراق اور مصر کی زمین اور مکانات زیرِ قبضہ آئے تو صحابہ کرام نے انہیں مال غنیمت تصور کیا۔ بعض نے اسے مال فئ تصور کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مصر کی اراضی کو مال غنیمت کی طرح تقسیم کرنے کی رائے دی۔ شام و عراق کے علاقے کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مال غنیمت کے اصول پر تقسیم کرنے کی رائے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان اموال المسلمین (صدقہ) میں رکھا جائے تاکہ مسلمانوں کا ذریعہ آمدنی ہو۔ حضرت مفاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بھی رائے تھی کہ اگر تقسیم کیا گیا تو نتائج برے ہوں گے۔ بڑی بڑی جائیدادیں بنیں گی اور لوگوں کے قبضہ میں جا کر ان کے وارثوں کو مل جائیں گی اور بعض اوقات صرف ایک ہی وارث ہو گا جو مالک ہو جائے گا۔ اس طرح آنے والی نسلوں کے لئے کچھ نہیں رہے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی اصول کو لاگو کیا کہ یہ زمین اور مکانات ریاست کی ملکیت ہوں گے اور آیت نمبر 10 میں استدلال کیا کہ ''جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں (آئیں گے)، (**والذین جاؤهم من بعدهم**) کا حق ہے جس کے لئے ریاست کی ملکیت ہونا لازم ہے اور آمدن ریاست کے اخراجات کے لئے ہو گی۔ احناف کے نزدیک امام (یعنی ریاست) کو حق ہے جس طرح چاہے کرے، خمس (پانچواں حصہ) ریاست اور باقی تقسیم کر دے یا سارا مسلمانوں کے لئے وقف کر کے ریاست کی ملکیت کر دے۔ مالکیہ کے نزدیک امام کا اختیار نہیں۔ یہ سارا مال مسلمانوں کے لئے وقف ہے۔ اراضی کے علاوہ مکانات بھی مسلمانوں کے لئے

وقف یعنی ریاست کی ملکیت ہیں اور پھر ان کو فلاح کے لئے استعمال کیا جائے گا۔امام شافعی(شافعیہ) کے نزدیک اموال منقولہ غنیمت کے اصول پر تقسیم ہوں گے اور غیر منقولہ (اراضی / مکانات) ریاست کی ملکیت ہوں گے (فئ کی طرح)۔ حنابلہ (امام حنبل) کے نزدیک امام کو اختیار ہے۔مال غنیمت کی پالیسی اختیار کرے یا مال فئ کی، لیکن مکانات اگر ریاست کی ملکیت ہوں گے لیکن کرایہ نہیں لیا جائے گا۔ان امور کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، یہ ایک عمومی اطلاع کی خاطر تحریر کیا گیا ہے۔

احترام اسلاف:۔

آیت نمبر 10 میں آنے والے مسلمانوں کو اخلاقی تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے اسلاف کا احترام کریں ان سے بغض نہ رکھیں۔ان کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔ جس چیز نے ان سب مسلمانوں (اسلاف اور خلف) کو جوڑ رکھا ہے ،وہ اسلام اور ایمان ہے۔ لہٰذا خیر خواہی، حسن ظن اور احترام رکھنا ایمان کی علامت ہے۔اس کے مقابل بغض، عداوت، نفرت اور بدخواہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شخص کے اندر ایمان کی کمی ہے اور ذاتی انا اور رائے کو وہ پسند کرتا ہے۔ یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کا دل کسی دوسرے مومن کے خلاف بغض اور نفرت سے خالی ہو۔اگر کسی مومن کے عمل سے کوئی غلطی نظر آئے تو دلیل کے ساتھ اور شائستگی سے بیان کر دینا چاہیے ،نہ کہ مذمت، بدگوئی اور سّب و شتم کرنا چاہیے۔ یہ حرکت، زندہ معاصرین (ہم زمانہ) کے لئے بھی معیوب ہے اور اسلاف (جو گذر گئے) ان کے حق میں تو اور زیادہ معیوب ہے، کہ مرنے کے بعد بھی معاف نہ کیا جایے۔ وہ صحابہ کرام جنہوں نے اسلام کو زندہ رکھا، جن کی وجہ سے آج اسلام اس قدر پھیلا ہے، نبی ﷺ کے اشاروں پر جان قربان کی، آج اسلام کی نعمت ان کی کوششوں کے سبب ہم تک پہنچی ہے۔ان میں اختلاف بھی تھے ، جس طرح انسانوں میں ہوتے ہیں، ان میں اختلاف کی صورت میں ایک رائے کو ترجیح دی جاسکتی ہے اور اسے معقول انداز میں بیان کیا جاسکتا ہے ، لیکن ایک فریق کی محبت میں اتنا شدید غلو کہ دوسرے افراد کے خلاف بغض و نفرت ہو جائے۔ قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے ان افراد کے اخلاق و اعمال کی تعریف کی ہے اور آنے والوں کو ان کے بارے بغض رکھنے سے منع کیا ہے، اس لئے یہ انتہائی غلط اور گمراہی ہے کہ ان کو مومن نہ کہا جائے بلکہ منافق کہا جائے اور برا بھلا کہا جائے۔ نفرت کو پروان چڑھایا جائے۔

اسی آیت سے امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ جو افراد صحابہ کرام کو برا بھلا کہیں گے، وہ فلاحی ریاست کے فوائد سے محروم رہیں گے (مال فئ، ریاست کی ملکیت یعنی آمدن سے حصہ یا فائدہ)، لیکن حنفیہ اور شافعیہ نے اختلاف کیا ہے۔ان کے خیال میں استحقاق کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِہِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ

لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾

کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنہوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے انکار کرنے والے ہوئے۔ کہتے ہیں: اگر تم (بستی) سے نکالے گئے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے۔ بے شک وہ (منافقین) جھوٹے ہیں۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اگر وہ (یہود) نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کو پہنچے بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾

(اے مسلمانو!) یقیناً ان کے سینوں میں اللہ کی نسبت تمہارا، ڈر زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہیں سمجھتے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

وہ سب مل کر بھی تم سے قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ کے سوا نہیں لڑ سکیں گے۔ ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے۔ تم انہیں اکٹھے سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ان سے پہلے قریب ہی (بدر) میں اپنی بداعمالی کا وبال چکھ چکے ہیں۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ

اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر۔ پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے بے شک میں تجھ سے بری ہوں۔ میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

لہٰذا ان دونوں کا انجام یہی ہو گا کہ بے شک وہ ہمیشہ (دوزخ کی) آگ میں رہیں گے۔ اور ظالموں کی سزا یہی ہے۔

آیات مبارکہ منافقین کے کردار کے بارے بتا رہی ہیں۔ عبداللہ بن ابی، رئیس المنافقین اور اس کے ساتھ عبداللہ بن نتل، رفاعہ بن زید، یہ لوگ نبی ﷺ سے حسد کرتے اور اسی حسد کی وجہ سے صحابہ کرام اور انصار سے بھی حسد کرتے۔ انہوں نے اسی موقعہ پر بنی نضیر کو کہا کہ وہ ڈٹ کر مومنوں کا مقابلہ کریں وہ ان کے ساتھ جا کر لڑیں گے۔ عبداللہ بن ابی، نے کہا کہ وہ اپنے قبیلہ کے لوگ بھیجے گا اور اگر بالآخر ان کو نکلنا پڑا تو ان کے ساتھ وہ بھی مدینہ سے نکل جائیں گے۔ آیات مبارکہ، انسانی کیفیات اور شیطان کے اثرات اور اسباب کا ذکر کر رہی ہیں۔ منافق (مسلمان) بد بختی کی وجہ سے، جو شیطان نے ان کے دلوں میں تکبر ڈال دیا تھا، کہ وہ بڑے ہیں۔ ان کی مدینہ میں سرداری، ہونی چاہیے۔ اس کی بنا پر نبی ﷺ کی مخالفت کرتے اور یہود سے مل رہے تھے۔ ادھر یہود شیطان کے گمراہ کرنے پر منافقوں پر پورا بھروسہ کر رہے تھے۔ شیطان یہی کرتا ہے، کہ انسان کو خیال دیتا ہے، بار بار اس کے دماغ میں داخل ہو کر ارادہ بناتا ہے، پھر اس سے عمل کروا کر اسے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ قیامت کے دن یہی شیطان کہے گا کہ تم نے خود غور و فکر کیوں نہیں کیا اور کیوں میری بات مانی۔ میں بری ہوں میں تو خود اللہ کے سامنے عذاب بھگت رہا ہوں۔

ظاہری خوف کا اثر:۔

مومنوں کو بتایا کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ یہ یہود بھی جھوٹے ہیں، ان کا آپس میں کوئی اتحاد نہیں بلکہ عارضی مفادات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہود بھی تم سے خوف کھاتے ہیں۔ کھل کر نہیں لڑیں گے۔ اپنے گھروں میں اور دیواروں کی اوٹ میں لڑیں گے۔ اسی طرح منافق بھی جھوٹے ہیں۔ اگرچہ وہ مومنوں کو پسند نہیں کرتے لیکن وہ ان کے ساتھ مل کر لڑائی اور نہ ہی گھروں کو چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کریں گے، کیونکہ یہ محض اپنے وقتی فائدے کے لئے کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ مخلص نہیں۔

منافق بھی مومنوں سے خوف کھاتے ہیں اس لئے کھل کر یہود کی مدد نہیں کرتے۔ بد قسمتی سے منافق اللہ کے مقابلے میں مومنوں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ اگرچہ ان کو اللہ سے ڈرنا چاہیے تھا اور یہود کی مدد نہیں کرنی تھی لیکن وہ

کررہے تھے لیکن مومنوں کے خوف سے کھل کر مدد نہیں کر سکتے تھے۔

انسانی نفسیات کا ذکر ہے کہ انسان سامنے موجود اشیاء سے فوری طور پر خوفزدہ ہو جاتا ہے اور غائبانہ اشیاء کا اثر نہیں لیتا، اگرچہ وہ سخت بھی ہو۔اس لئے منافق اللہ کے بجائے مومنوں کی طاقت سے ڈرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں فوری سزادی جاتی ہے وہاں جرائم کم ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی یعنی اہل مکہ وہ اپنی سزا یعنی شکست دیکھ چکے ہیں اور یہود و منافق بھی دیکھ لیں گے۔اللہ کے احکام کو نہ ماننے والے اور نہ عمل کرنے والے ظالم ہیں اور ظالم اپنے ظلم کی سزا عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص فکر کرتا رہے کہ اس نے کل (قیامت کے لئے) کیا بھیجا ہے۔اور اللہ سے ڈرو۔بے شک اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے بھلا دیا۔یہی لوگ فاسق ہیں۔

مستقبل کی فکر:۔

آیات مبارکہ کہ قاری اور مسلمانوں کو ان کے مستقبل کے بارے غور کرنے اور صحیح اعمال کرنے کی ہدایت کر رہی ہے کہ وہ قیامت کے دن جب حساب و کتاب ہو گا تو کیا پیش کر سکیں گے۔ قیامت کے دن کے لئے اعمال کی فرصت یا موقع دنیا کی زندگی ہے۔اس لئے یہیں عمل کر کے آگے (کل) کی مشکل کا بندوبست کرنا چاہیے۔آیت مبارکہ میں (۱): منصوبہ بندی کی اہمیت ہے تاکہ کام ہو سکے۔(۲) : عمل کی اہمیت ہے کہ عمل ہو گا تو اس کا نتیجہ ملے گا۔

جو لوگ مستقبل کی فکر نہیں کرتے بالخصوص اللہ کے احکام اور قیامت کے دن حساب و کتاب کی پرواہ نہیں کرتے تو وہ اپنے مفاد کو بھول گئے ہیں۔ان کو قیامت کے دن پریشانی ہو گی۔انہوں نے اللہ کے احکام کو ہی نہیں بھلایا بلکہ اپنے آپ کو عذاب کے حوالے کر کے بھلا دیا ہے اور یہی لوگ فاسق ہیں کہ گفتار اور کردار میں فرق ہے۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰

دوزخ میں جانے والے اور جنت میں جانے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت میں جانے والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔

منافق اور مومن، نیک اور بد، اچھے اور برے، فرمانبردار اور نافرمان، کافر اور مسلمان کا فرق بیان کرنے کے بعد دونوں کے انجام کے بارے بتایا کہ دونوں شکل میں ایک جیسے ہیں۔ انسان ہونے میں بھی برابر ہیں لیکن اعمال میں برابر نہیں اس لئے دونوں کا انجام ایک جیسا نہیں ہو گا۔ نیک اعمال والے، مومن، اللہ کے فرمانبردار جنت میں جائیں گے اور وہی کامیاب ہوں گے۔ باقی دوزخ میں جائیں گے اور ناکام رہیں گے۔

وَ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو ضرور تم اس کو اللہ کے خوف سے جھکتا ہوا اور پھٹتا ہوا دیکھتے۔ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور و فکر کریں۔

اس آیت کا مقصد قرآن مجید کے پیغامات کی اہمیت واضح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کا تمام مخلوق سے اعلیٰ معیار دیا ہے۔ جس سے وہ نفع و نقصان، اچھے اور برے کی تمیز کر سکتا ہے۔ معلومات (حواس خمسہ و عقل کے ساتھ) غیر معلوم اشیاء کو دریافت کر سکتا ہے۔ اس کلام الٰہی میں انسان کی فلاح کے لئے تمام معلومات رکھ دی گئی ہیں جن پر عمل کر کے وہ دنیا اور اس کے بعد یوم حساب و کتاب میں بھی کامیاب و کامران ہو گا۔ تمام امور کو امثال اور واقعات سے واضح کیا گیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے انسان اس اہم امر کی طرف سے غافل ہے اور توجہ نہیں کرتا۔ اللہ کی نیابت کا جو اسے فریضہ زمین پر سونپا گیا ہے اس کی فکر یا اس کو پورا نہیں کر رہا۔ اسے اپنی ذمہ واری کا پورا پورا احساس نہیں۔

قرآن مجید کی عظمت اس قدر ہے کہ اگر پہاڑ جو دنیا میں سب بڑے جسم ہیں ان کے اندر انسانی عقل کے برابر صلاحیت ہوتی تو وہ اپنی ذمہ داری کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں غائب اور حاضر جاننے والا ہے۔ وہی رحمان اور رحیم ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے۔ نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا۔ اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا، اللہ پاک ہے اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

وہ اللہ ہی ہے، خالق، موجد، صورت بنانے والا، تمام اچھے نام اسی کے ہیں، آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ بہت غالب ہے۔ بے حد حکمت والا ہے۔

اسمائے حسنیٰ:۔

قرآن مجید کی عظمت اس کے پیغام کی اہمیت کے بعد اس کے نازل کرنے والی ذات کی قوت اور صفات کا اظہار ان تین آیات مبارکہ میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کا بیان قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ذکر کیا گیا ہے لیکن دو مقامات پر بڑا جامع ہے۔ ایک سورۃ البقرۃ میں آیت الکرسی اور دوسری جگہ سورت الحشر کی آخرت تین آیات ہیں۔ (۱) وہ ذات جس کے سامنے تم نے جوابدہ ہونا ہے وہ اللہ ہے۔ (۲) اس کے سوا کوئی بندگی (عبادت) کے لائق نہیں۔ وہی معبود ہے جس کے سوا کوئی خدائی کی صفات و اختیار رکھتا ہی نہیں۔ (۳) عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کے علم سے کائنات کی کوئی شئ چھپی ہوئی نہیں۔ ماضی، حال اور مستقبل میں جو ہو گا سب اس کو معلوم ہے۔ کسی ذریعہ علم کا وہ محتاج نہیں۔ جو موجود ہے۔ اس کو وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ ہی عالم الغیب ہے۔ (۵) الرحمان؛ جس کی رحمت بے پایاں ہے۔ تمام کائنات پر وسیع ہے۔ ہمہ گیر اور غیر محدود ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کی رحمت سے مستفیذ ہوتی ہے۔ باقی سب کی رحمت جزوی اور محدود ہے۔ (۶) الرحیم؛ خاص رحمت سے اپنے قریبی اور فرمانبرداروں کو نوازتا ہے۔ (۷) الملک؛ اصل بادشاہ وہی ہے۔ ساری کائنات کی فرمانروائی اور بادشاہی اسی کی ہے۔ ہر شئ اسی کے تصرف و کنٹرول میں ہے۔ اسی کی سب پر حاکمیت ہے اور اس کی حاکمیت کو کوئی محدود کرنے والا نہیں۔ اور اس بادشاہ کی صفات بھی ہیں۔ (۷) قدوس؛ مبالغہ کا لفظ ہے اس کا مادہ قدس ہے۔ تمام بری صفات سے پاکیزہ اور منزہ ہونا۔ اس بات سے بہت بلند ہے کہ کوئی نقص پایا جائے۔ حقیقی حاکمیت کے لئے نقائص سے پاک ہونا ضروری ہے تاکہ محکوموں کو برائی کا خطرہ نہ ہو۔ انسانوں کی حاکمیت میں یہ ناممکن ہے۔ (۸) السلام؛ مبالغہ ہے۔ سراپا سلامتی۔ یعنی سراپا سلامتی ہے۔ سلامتی کا وجود اس کی ذات سے ہے۔ اس کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ کوئی آفت یا کمزوری یا خامی اس کو لاحق ہو یا زوال ہو۔ (۹) المؤمن؛ اس کا مادہ امن ہے۔ امن کے معنی ہیں خوف سے محفوظ ہونا۔ مؤمن دوسروں کو امن دینے والا ہے۔ اللہ اپنی مخلوق کو امن دینے والا ہے۔ اس کی مخلوق کو یہ خوف نہیں کہ وہ ان کے ساتھ ظلم کرے گا۔ حق تلفی کرے گا یا ان کے اجر کو ضائع کر دے گا یا وعدہ خلافی ہو گی۔ اس کا امن کائنات کی ہر چیز کے لئے ہے۔ (۱۰) المہیمن؛ اس کے تین معنی ہیں (۱) نگہبانی اور حفاظت کرنے والا۔ (۲) دیکھنے والا شاہد کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔ (۳) قائم بامور خلق یعنی مخلوق کی حاجات کا ذمہ دار

ہے۔ساری مخلوقات کا نگہبان ہے۔(۱۱)العزیز؛اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا،اس سے مراد اتنی زبردست ہستی ہے جس کے مقابلے میں کوئی سر نہ اُٹھا نہ سکے۔ جس کے آگے سب بے بس ہوں اور اس کے فیصلوں کو کوئی روک نہ سکے۔ (۱۲)الجبار؛اس کا مادہ جبر ہے۔مبالغہ کا لفظ ہے۔جبر کے معنی کسی شئ کو طاقت سے درست کرنا،یعنی اپنی کائنات کا نظم و نسق بزور درست کرنے والا ہے اور اپنے ارادے کو جو سراسر حکمت پر مبنی ہوتا ہے جبراً نافذ کرنے والا ہے۔(۱۳)المتکبر؛ کبر سے ہے یعنی بڑا ہونا۔اس کے دو طرح کے استعمال ہیں۔ایک بڑا ظاہر کرنا جو فی الحقیقت نہ ہو وہ انسان کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ فلاں بڑا متکبر ہے جو اس کی ذہنی کیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ صفت اس کے لئے صحیح نہیں (مذموم ہے)۔اور دوسرا جو حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہو کر رہے۔جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ وہ حقیقت میں تمام کائنات میں سب سے بڑا ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے۔یعنی جو لوگ اس کے اقتدار و اختیار و صفات یا ذات میں کسی مخلوق کو شریک قرار دیتے ہیں وہ ایک بڑا جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی معنیٰ میں بھی اس کے ساتھ شریک ہو۔(۱۴)الباری؛جو تخلیق کرنے والا ہے۔پیدا کرنے والا ہے۔اس کائنات کی ہر چیز کی تخلیق ابتدائی منصوبے سے لے کر اس کے تکمیل تک اس کی بنائی ہوئی ہے۔کوئی بھی چیز اتفاقاً پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی دوسری چیز کے وجود سے اس کا وجود پیدا ہوا۔باری سے مراد جدا کرنا،پھاڑنا،الگ کرنا ہے۔یہ تخلیق کے پروسس کا حصہ ہے یا ایک عمل ہے کہ وہ اپنے منصوبے کے مطابق عدم سے چیز کو وجود میں لے آتا ہے اور بغیر کسی مثال کے پیدا کی جاتی ہے۔(۱۵)المصور؛اس کا مادہ صورت ہے اور مصور وہ ہے جو صورت بناتا ہے۔یہاں مراد شئ کو آخری صورت میں مکمل کرنا ہے۔کائنات کی ہر چیز موجود کا ڈیزائن اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے سارے نام جو اسمائے صفات ہیں۔بہترین ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات کو ظاہر کرتے ہیں اور ان ناموں سے اس کو یاد کرنا چاہیے۔احادیث و آثار کے ذریعہ تقریباً ننانوے نام بتائے گئے ہیں۔درحقیقت اگر ان ناموں کی صفات و کمالات پر غور کیا جائے تو کائنات کیسے وجود میں آئی؟اس کا خالق کون ہے؟کیسا ہے؟یہ مسئلہ جس نے مادہ،ماورأطبعیات اور فلسفہ کو پریشان کر رکھا ہے،اللہ تعالیٰ کے ناموں کی صفات اور کمالات سے حل ہو جاتا ہے۔نیچر کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔جس طرح کمال نظام،سے یہ کائنات چل رہی ہے،اسی قدر وہ عظیم ذات ہے اور وہی اللہ ہے۔کائنات کی ہر چیز اپنے خالق کی تسبیح کر رہی ہے اور اس کو قوت و طاقت اور حکمت کی مظہر ہے۔

سورت کی ابتداء بھی اللہ کی تسبیح سے ہوئی اور اس کا اختتام بھی اللہ کی تسبیح پر ہوا۔

الحمدللہ سورت الحشر آج بروز اتوار بتاریخ 28 مئی 2023 کو مکمل ہوئی۔

60- سورۃالممتحنہ

تعارف:۔

سورت کا نام اس کی آیت نمبر دس میں عورتوں سے امتحان لینے کے بارے کی وجہ سے ہے۔اس کے بارے دو قول ہیں۔ایک 'حِ' پر زیر کے ساتھ جس کا مفہوم فاعل کا ہے۔عورتوں کا امتحان لینے والی اور ایک 'حَ' پر زبر کے ساتھ جس کا مفہوم مفعول کا ہے جس کا امتحان لیا گیا۔چونکہ سورت میں یہ موضوع (امتحان لینے) کا ذکر ہے اس لئے اس کا زیادہ مشہور نام زیر کے ساتھ ہے۔

ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر بانوے (92) ہے اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے نمبر ساٹھ (60) ہے۔اس میں تیرہ (13) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔

یہ سورت ساری مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کے واقعات مدینہ شریف سے متعلق ہیں۔پہلا اہم واقعہ جو مذکور ہے،وہ اسلام دشمنوں سے تعلقات بالخصوص قلبی تعلقات کا ہے۔یہ وہ وقت تھا،جب قریش صلح حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے تھے اور نبی ﷺ کا ارادہ تھا کہ ان کو اس کی سزا دی جائے تاکہ معاہدے کا احترام کریں یعنی فتح مکہ اور صلح حدیبیہ کا درمیانی عرصہ جو کہ چھ سے آٹھ ہجری تک ہے۔حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال بیوی،بچے اور والدہ مکہ میں تھے۔نبی ﷺ کے ارادہ کا صرف چند اصحاب کو ہی معلوم تھا۔مکہ سے ایک خاتون مدینہ آئی اور جب جانے لگی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک خط دیا کہ وہ سرداران قریش تک پہنچا دے،یہ خط مسلمانوں کا ایک بہت اہم راز فاش کر رہا تھا،جس کے بڑے خطرناک نتائج تمام مسلمانوں کے لئے تھے۔ایک مومن کے لئے یہ قطعاً اجازت یا مناسب نہیں کہ اپنے بال بچوں (جو کہ غیر مسلم ہوں) ان (چند افراد) کی خاطر ساری قوم کو ایک بحران اور مشکل سے دوچار کر دے۔اگر یہ خط مل جاتا تو فتح مکہ کا واقعہ پرامن طریقہ سے کبھی نہ ہو سکتا تھا۔صاف حکم دیا گیا کہ ان سے دوستی اور گہرائی (محبت والفت) نہ کی جائے،کیونکہ کفر اور اسلام کے مقاصد،طریقہ زندگی مختلف ہیں۔البتہ رسمی تعلقات،معاشرت،کاروبار،رشتہ داری اگر ہے تو صلہ رحمی تک خیال رکھا جائے،لیکن جہاں تصادم مفادات آجائے،وہاں اسلام کو اولیت اور ترجیح ہے۔یہ حکم غیر مسلموں کے لئے ہے جن سے جنگ نہیں ہو رہی۔

جو کفار کے معاشرہ سے عورتیں اسلامی مملکت یا معاشرہ میں آئیں ان کے بھی صدق ایمان کو جانچا جائے کہ وہ دوبارہ مشرکین یعنی کفار کی طرف نہ لوٹنے والی ہوں۔مسلمان ہو کر آنے والی خواتین کے نکاح مشرک (کافر)

مردوں سے ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کے مردوں کو ان کے مہر کی رقومات واپس کر دی جائیں اور دوسرے مسلمان جو ان سے نکاح کرنا چاہیں مہر کا رقم ادا کریں۔

مسلمان خواتین سے مردوں کی طرح اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی بیعت یعنی عہد لیا جائے تاکہ وہ پابندی کے ساتھ عمل کریں۔

یہود کے ساتھ بھی دوستی سے منع کیا گیا ہے کہ وہ اہل کتاب ہونے کے باوجود مشرکین/کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل زیادہ قریب ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّكُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ وَ قَدۡ كَفَرُوۡا بِمَا جَآءَكُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاكُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡ ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ۬ۚ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ ۬ۚ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡهُ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱﴾

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کرتے ہو حالانکہ وہ اس حق (دین) جو تمہارے پاس آ چکا ہے اس کا انکار (کفر) کرتے ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکالتے (جلاوطن) ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے ہو اور تم اگر میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کے لئے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ رکھو) تم ان کی طرف دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جس کو تم نے چھپایا اور جس کو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

اِنۡ یَّثۡقَفُوۡكُمۡ یَكُوۡنُوۡا لَكُمۡ اَعۡدَآءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡكُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ وَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۲﴾

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہوں گے اور وہ برائی کے ساتھ تمہارے خلاف دست درازی (لڑائی) اور زبان درازی (بدخوئی) کریں گے اور وہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ تم کاش!

کافر ہو جاؤ۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚۛ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۳

تمہارے رشتے ناطے اور تمہاری اولاد، قیامت کے دن تمہیں ہر گز نفع نہیں دیں گے، وہ (اللہ) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

ان آیات کا موقع (وقت) نزول یوں ہے کہ ایک عورت (سارہ) جو کہ ابی عمرو بن صیفی بن ھاشم بن عبد مناف کی لونڈی تھی اور بعد میں آزاد ہو کر مکہ میں گانے بجانے لگ گئی وہ مدینہ آئی تو نبی ﷺ سے ملی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا وہ ہجرت کر کے مدینہ آئی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا مسلمان ہوئی ہے۔ اس نے عرض کی نہیں، تو کس غرض سے آئی ہو، اس نے عرض کی کہ گانے کا کام جنگ بدر کے بعد بالکل ختم ہو گیا۔ چونکہ عبد المناف اور بنو ھاشم میرے مہربان تھے اس لئے مدد مانگنے آئی ہوں۔ آپ ﷺ نے بنو عبد المطلب سے اس کی مدد کے لئے کہا اور وہ کپڑے اور کچھ رقم وصول کرنے کے بعد واپس جانے لگ، ی تو اسے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے چپکے سے ایک خط دیا اور دس دینار دیئے کہ وہ خط اہل مکہ کو پہنچا دے۔ خط مسلمانوں کی مکہ پر حملہ کے بارے تھا۔ وہ لے کر روانہ ہو گئی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ یمن سے تھے اور مکہ میں حضرت زبیر بن العوام کی برادری بنی اسد بن عبد الضریٰ کے ساتھ ان کے مراسم تھے اور ان کی وجہ سے مکہ میں مقیم تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی اولاد اور والدہ بھی تھیں۔ حضرت حاطب نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور غزوہ بدر میں مجاہدین مہاجرین میں شامل تھے۔ نبی ﷺ کا قریش مکہ معاہدہ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے ان کے خلاف تیاری کا منصوبہ تھا جو کہ صرف چند صحابہ کو علم تھا جس میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس واقعہ سے آگاہ کر دیا اور آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو اس عورت کے پیچھے روانہ کیا اور حکم دیا کہ اسے روضہ خاخ میں جہاں ہے وہاں پکڑیں اور اس سے خط لے لیں۔ اگر خط دینے سے انکار کرے تو اسے قتل کر دیں (آگے جانے نہ دیں)۔ یہ فوراً روانہ ہوئے اور اسے روضہ خاخ میں پکڑ لیا۔ اس سے خط کے بارے پوچھا تو اس نے انکار کیا کہ میرے پاس نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر اس نے خط نہ دیا تو اس کی کپڑے اتار کر تلاشی لی جائے گی اور پھر اسے قتل کر دیا جائے گا، اس نے بالوں سے خط کو نکال کر دے دیا اور یہ حضرات یہ خط لے کر مدینہ شریف واپس نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

قومی مفادات اور ذاتی مفادات میں ترجیح:۔

خط کھولنے پر پتہ چلا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو لکھا کہ وہ اپنی تیاری کریں، مسلمان چڑھائی کرنے والے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کے سامنے حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا، یہ تمہارا خط ہے؟ انہوں نے کہا یہ میرا خط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ (اس کام کا انجام مسلمانوں کے شدید خلاف تھا)۔ اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ میری گذارش سنیں، میں کوئی اسلام سے منکر یا منافق نہیں ہوا، نہ ہی میں اہل مکہ کو دل سے چاہتا ہوں، میں مکہ میں باہر سے آیا ہوں، میرا اہل وعیال ووالدہ وہاں ہیں۔ دوسرے صحابہ کے بھی اہل وعیال ہیں لیکن ان کی رشتہ داریاں ہیں اور میری نہیں۔ میں قریش پر ایک احسان کرنا چاہتا تھا کہ ان کو تنگ نہ کریں۔ میرا مقصد اسلام سے پھرنا نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں آکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی کہ یہ منافق ہے اور اس جرم کی سزا میں اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کا سر قلم کردوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ نہیں اس نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور شرکاء بدر کو اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ اس واقعہ سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر عتاب کے بارے یہ آیات نازل ہوئیں۔ (بخاری/ مسلم/ النسائی/ ترمذی)۔ روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ)۔

مشرکین مکہ اور وہ تمام لوگ جو اسلام کے خلاف حالت جنگ میں ہوں ان پر یہ آیت لاگو ہوتی ہے۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ مسلمانوں کو اتنا تنگ کیا کہ دو دفعہ لوگ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے افراد نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ناداروں اور کمزور افراد کو ہجرت بھی نہیں کرنے دیتے تھے۔ مسلمانوں سے دشمنی صرف اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی ماننے کی وجہ سے تھی اور ان کی پوری کوشش تھی کہ مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی طرف لے آئیں، لہٰذا ایسے دشمنوں سے دوستی کرنا، دوستی کرنے کی خواہش کرنا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے۔ اگر اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری اور رضا کی طلب ہے تو وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کے خلاف ہیں اور مخالفت کرتے ہیں، ان سے دوستی ناممکن ہے۔ یہ بھی اعلان کر دیا کہ دوستیاں، رشتہ داریاں، اولاد جن کو پالنے، نبھانے اور بڑھانے کے لئے ہم ایری چوٹی کا زور لگاتے ہیں قیامت کے دن وہ کسی کو کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گی۔ ہر فرد اپنی پریشانی میں پریشان حال ہوگا، کسی کو کسی کی حالت کے بارے کوئی احساس تک نہیں ہوگا۔ لہٰذا اللہ کے احکام کو ترجیح دینی ضروری ہے۔

جاسوسی کی سزا:۔

قرآن مجید کا تھوڑا تھوڑا نزول امت مسلمہ کے لئے رحمت تھا۔ حالات کے مطابق، مسلمانوں کو نبی ﷺ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی علیحدہ احکام موصول ہوتے رہے اور ان پر عمل بھی ہوتا رہا۔ اس طرح مسلمانوں کے لئے زندگی بھر کے قوانین اور ان کے اطلاق کی صورت واضح ہو گئی۔ آیات مبارکہ نبی ﷺ کے رویہ واحکام اور واقعہ سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:۔

(۱) اسلامی ریاست کی سلامتی کی ذمہ داری بہت اہم ہے اور سربراہ ریاست کو اس کے بارے بہت محتاط اور مستعد رہنا چاہیے۔

(۲) ملزم کو صفائی کا پورا کھلا موقع ملنا ضروری ہے۔ اس وقت حالات سخت تھے۔ خط پکڑا گیا، اس میں جاسوسی کی معلومات تھیں جو خطرناک تھیں، حضرت حاطب کو قید یا سزا نہیں دی گئی بلکہ سب کے سامنے ان کو صفائی کا موقع دیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ حکمران شبہہ یا علم کے باوجود خفیہ طریقہ سے مقدمہ نہیں چلا سکتے۔

(۳) اگر دلائل اور شواہد موجود ہوں، تو ملزم کے دلائل قابل اعتبار ہوں گے۔ (یہی وجہ ہے کہ ان کو سزا نہیں ملی۔ وہ مکہ سے نہیں تھے، ان کے اہل وعیال مکہ میں تھے، جس کی وجہ سے ان سے غلطی ہو گئی۔ ان کے خاندان کو رشتہ داری نہ ہونے کی وجہ سے تحفظ نہ تھا)

(۴) جاسوسی کرنا کوئی مرتد یا خارج از ایمان ہونا نہیں، یہ ایک سلامتی کا جرم ہے لیکن دوسرے قرائن کی بناء پر فیصلہ ہو گا۔

(۵) جاسوسی، مسلمانوں کے خلاف کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ردعمل ظاہری حالات کی بناء پر تھا لیکن نبی ﷺ نے فیصلہ تمام امور کو دیکھ کر کیا اور یہی طریقہ ہر مقدمہ میں ہونا چاہیے۔

(۷) تفتیش کی خاطر ملزم مرد اور عورت دونوں کے کپڑے اتارے جا سکتے ہیں۔

(۸) عمومی جاسوسی (غلطی سے جس میں دشمنی کا عنصر شامل نہ ہو) کی سزا قتل نہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے ذمی اور مسلمان کو جاسوسی کے الزام یا ثبوت پر قید کی سزا دی ہے۔ امام ابو حنیفہ قید و سزا دونوں دینے کے حق میں ہیں۔ امام شافعی صرف سزا (جو بھی ہو) اس کے حق میں ہیں، قتل (موت) جائز نہیں۔ امام مالک قتل کے حق میں ہیں اور حاکم وقت کو اختیار ہے اپنے اجتہاد سے

جرم کے مطابق سزا دے۔

(۹) پہلی دفعہ، جرم و سزا کے معاملے میں پچھلے کردار کی اہمیت ہے تاکہ جرم کے حالات و اعراض کا پتہ چل سکے اور سزا اس کے مطابق ہو۔ نبی ﷺ نے حضرت حاطب کے پچھلے کردار کی وجہ سے ان کو معاف کر دیا کیونکہ ان کے دل میں قریش کی محبت نہیں تھی بلکہ صرف اہل و عیال کے خیال و حفاظت کا ڈر تھا۔ ان کا ایمان مضبوط تھا۔ (اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو بھی ممنوع قرار دے دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابل مخالف کفار کے ساتھ کوئی بھی نرمی یا سہولت دی جائے)۔

ان نکات سے اسلام کے نظامِ عدل کے بارے معلومات ملتی ہیں کہ انسانی حقوق کا کس قدر اہتمام ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان دشمن قوتوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف تعاون بہت بڑا جرم ہے اور ایمان کے خلاف ہے۔ قومی مفادات یا ریاستی مفادات کی اہمیت انفرادی مفادات کے مقابلے بہت زیادہ اور اہم ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور جن کی تم، اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، سے بیزار ہیں۔ ہم نے تم سب کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا۔ حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ، مگر ابراھیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ تمہارے لئے ضرور مغفرت طلب کروں گا اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، (کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵

اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لئے آزمائش نہ بنا اور اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہی بہت غالب بے حد حکمت والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

بلاشبہ تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ ہے۔ اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو اور جو کوئی (حق سے) منہ موڑے تو بے شک اللہ ہی بے پروا، نہایت قابل تعریف ہے۔

اسلام دشمن افراد کے ساتھ معاملات کا ذکر ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مثال دی گئی ہے۔ انہیں جب کفر کا پتہ چلا اور یہ واضح ہو گیا کہ وہ لوگ کفر سے ہٹنے والے نہیں، تو وہ ان کے بالکل مخالف اور علیحدہ ہو گئے اور تعلق توڑ دیا۔ ان کے والد کو اس توقع پر کہ وہ مسلمان ہو جائے گا، اس کی مغفرت کے لئے دعا کا وعدہ کیا لیکن جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی دشمنی کی خبر ملی تو وہ اس سے بھی منکر ہو گئے (کہ نہیں کریں گے)۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے محبت و اطاعت کا معیار بلند تھا اس لئے ان کے اسوہ پر چلنے کا حکم دیا ہے اور پھر عربوں کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ وہ جد امجد بھی تھے۔ اہل عرب اپنے کو دین ابراھیمی کا پیروکار تصور کرتے تھے۔

کفار سے معاملات:۔

غیر مسلموں سے (یعنی کفار) سے تعلقات کی اجازت ہے لیکن جو کفار جنگ میں شامل ہوں ان سے تعلقات سے منع ہے۔ کاروبار، لین دین، تجارت سب جائز ہیں۔ البتہ نکاح کی اجازت نہیں۔ ذمی سے بھی تمام تجارت و معاملات کی اجازت ہے جس طرح مسلمانوں سے ہو لیکن شریعت کے مطابق ہو، حرام امور کی اجازت نہیں۔ تمام معاملات میں عدل، سچائی، وعدہ کی پابندی اور دیگر اسلامی تجارتی، معاشرتی اصولوں کی پابندی ہے۔ ان کے ساتھ معاملات کا معیار وہی ہے جو مسلمانوں کا آپس میں ہوتا ہے کیونکہ وہ اسلامی ریاست کی حفاظت میں ہیں۔ اس کا اصول ہے" لھم ما لنا و علیھم ما علینا۔ ان کے لئے جو ہمارے لئے اور جو ان پر وہ ہم پر"۔

کوئی کام جس سے مسلمانوں یا اسلام کو ضرر پہنچے یا اسلام کی اہانت (ہتک) ہو یا لڑائی کی صورت میں کفار یا غیر مسلم کی مدد ہو وہ منع ہے۔

دعا میں اللہ تعالیٰ سے آسانی مانگی گئی ہے اور آزمائش سے پناہ مانگی ہے۔ بالخصوص کفار / غیر مسلموں کی

آزمائش سے پناہ مانگی گئی ہے جس کی کئی صورتیں ہیں (۱) دشمن غالب آ جائیں۔ (۲) ان پر رزق کی فراخی اور ان کے ذریعہ اس کی دستیابی ہو۔ (۳) دشمن کے مقابلے میں ہمارے اندر فساد پیدا نہ ہو، داخلی اتحاد قائم رہے۔

جو لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں، یہ ہدایات ان کے لئے اور جو کافروں سے دوستی کریں گے تو ان کا اپنا خسارا ہے۔ اللہ کی ذات انسانوں سے بے نیاز ہے اور سب اس کی حمد کرتے ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

عنقریب اللہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کر دے گا اور اللہ بہت قدرت والا، غفور ورحیم ہے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸

اور اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، جنہوں نے تم سے دین (مذہب) میں جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

اللہ تمہیں ان ہی لوگوں سے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

حربی (دشمن) اور غیر حربی کافر ق:۔

کفار کے ساتھ تعلقات کا ذکر ہے۔ جو عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف ہوں، جنگ میں ان سے تعلقات ممنوع ہیں کیونکہ ان کی دشمنی واضح ہے۔ دوسرے کفار، جو عملی جنگ میں شامل نہ ہوں، ان سے تعلقات ممکن ہیں اور اجازت ہے۔ جس طرح پچھلی آیت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے۔ جو افراد کافر ہوں یا اہل کتاب ہوں اور جنگ میں شامل نہ ہوں، ان سے تمام معاملات تجارتی، معاشی و سماجی کرنے کی اجازت ہے اور تمام اسلامی اخلاقی

معیار جس میں سچائی، عدل، امانت، دیانت، وعدہ کی پابندی اور اسلامی شرعی اصول کی پاسداری مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ ذمی حضرات کا درجہ مسلمانوں کے برابر ہے کیونکہ وہ ریاست کے شہری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو دفعہ انصاف وعدل کی تاکید کی ہے۔ اس میں عہد کی پابندی بہت اہم اور ظلم کرنے سے رکنا ہے۔ حالات بدلتے رہتے ہیں اس لئے یہ بھی فرمادیا کہ آج کے دشمن کل دوست بن سکتے ہیں۔ اس لئے عدل وانصاف بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو پھیر دیتے ہیں۔ اپنی رحمت سے معاشی، فوجی، حالات بدل دیتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ کوئی وقت تھا کہ مدینۃ النبی میں ہر وقت کفار مکہ کے حملہ کا خوف رہتا تھا اور کچھ سال بعد مسلمانوں نے مکہ پر چڑھائی کی کیونکہ کفار نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور مکہ مسلمانوں کے کنٹرول میں آگیا تھا اور بہت سارے مخالفین نے اسلام قبول کر کے اسلام کی خدمت کی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں کہ ان کی والدہ ان کو ملنے کے لئے آئیں، تو انہوں نے نبی ﷺ سے ملنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماں کے ساتھ نیکی کریں، جب کہ وہ مسلمان نہیں تھیں۔ اسی طرح قبیلہ بنو خزائمہ جو غیر مسلم تھا، مسلمانوں کا حلیف تھا۔ نبی ﷺ نے ان کے ساتھ بھی نیکی کا حکم دیا۔ جناب ابو سفیان کی بیٹی جو مسلمان ہو کر حبشہ ہجرت کر گئیں تھیں۔ ان کا خاوند مرتد ہو گیا اور وہ مسلمان رہیں۔ نبی ﷺ نے نجاشی کے ذریعہ ان سے نکاح کر لیا تھا اور وہ پھر مدینہ واپس آگئیں اور اس طرح ابو سفیان بھی آپ کے سسر ہو گئے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو ان کو کفار کی طرف مت واپس کرو، وہ مومنات کافروں کے لئے حلال نہیں اور نہ ہی وہ کافر ان مومنات کے لئے حلال ہیں، اور تم کافروں کو وہ مال دے دو، جو انہوں نے ان مومنات (مومن عورتوں) پر خرچ کیا ہے۔ اور ان مومنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ تم ان کے

مہر ادا کر دو، اور اے مسلمانو! تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے، وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے، پھر (تم کفار سے) مال غنیمت حاصل کر لو تو (مال غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کافروں کی طرف چلی گئی ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔

غیر مسلم (کافر) سے ازواج:۔

موقع نزول: صلح حدیبیہ کی شروط میں یہ تحریر تھا کہ اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ کے پاس (مدینہ) آئے گا خواہ وہ آپ کے دین پر ہو، اسے آپ کو ہماری طرف واپس کرنا ہو گا۔ اسی شرط کی وجہ سے اس دن نبی ﷺ نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کی طرف واپس کر دیا۔ اس کے بعد جو بھی مردوں میں سے مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا، آپ نے اس کو واپس کر دیا، شروط میں تھا۔ **فقال سهيل و على انهٗ لا ياتيك منا رجل و ان كان على علىٰ دنيك الا رددتهٗ الينا۔** (سہیل نے کہا: اور شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس ہمارا جو مرد بھی آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہو گا) صحیح البخاری: 2732۔ اس دوران جتنے بھی مسلمان مرد آئے، آپ نے معاہدہ کے مطابق ان کو واپس کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابو جندل کے گروپ نے اتنی مشکلات پیدا کر دیں کہ قریش نے اس شق کو منسوخ کر دیا۔ ہجرت کرنے والے مردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ کچھ مدت کے بعد عورتوں نے بھی ہجرت شروع کر دی۔ حضرت ام کلثوم بن عتبہ بن معیط بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ پھر مکہ سے ان کے گھر والے مدینہ آئے اور ان کو واپسی کا مطالبہ کیا۔ یہ آیت نازل ہو چکی تھی اس لئے آپ ﷺ نے ان کو واپس نہیں کیا اور اس کے بعد جو بھی خواتین آئیں ان کو واپس نہیں کیا گیا۔ چونکہ لفظ "رجل" تھا اس لئے معاہدے کی خلاف ورزی بھی نہیں تھی اور بعد میں یہ شق منسوخ ہو گئی تھی۔

اہم نکتہ نظریات کا اختلاف ہے، جو کہ زبان یا تمدن (کلچر) اور نسل سے بڑھ کر ہے۔ مسلمان (مومن) اور

کافر، دو مختلف نظریہ رکھنے والے افراد ہیں اس لئے ان کے درمیان رشتہ ازدواج حرام ہے۔ اس سے پہلے اجازت تھی اور جب یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمان عورتیں غیر مسلم سے جدا ہو جائیں تو بہت ساری خواتین جن کے خاوند غیر مسلم تھے، وہ علیحدہ ہو کر مدینہ آ گئیں۔ ان میں نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ ان کے خاوند ابوالعاص بن الربیع، مسلمان نہیں تھے۔ آپ مدینہ شریف آ گئیں اور پھر جب ابوالعاص بن الربیع نے اسلام قبول کر لیا تو آپ ﷺ نے حضرت زینب کو ان کو واپس کر دیا اور وہ مکہ چلی گئیں۔

انسانی آزادی اور حقوق کا احترام:۔

انسانی آزادی کا خیال اور اہتمام جو اسلام نے کیا، کسی مذہب نے نہیں کیا۔ جب دو نظریات کے اختلاف کی وجہ سے نکاح کو باطل قرار دیا گیا تو کچھ خواتین جو اپنے خاوندوں کے ساتھ تھیں مگر مسلمان نہیں ہوئی تھیں ان کو اختیار دیا گیا اگر چاہیں تو اسلام قبول کر لیں اور اگر اسی مذہب (کفر) پر رہنا چاہیں تو کوئی جبر نہیں علیحدہ ہو جائیں گی اور ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ یہ نکاح کر لیں۔ یہ آیت میں واضح ہے۔ اب اگر وہ کسی غیر مسلم سے شادی کر لیں تو ان کے سابقہ خاوند اس سے مہر طلب کر سکتے ہیں جو اس نے ان غیر مسلم عورتوں کو دیا تھا۔ اگر وہ شادی نہیں کرتیں تو اسلام کی ریاست ایک فلاحی ریاست تھی لہٰذا، وہ اس مسلم شخص کو مال غنیمت یا بیت المال سے ادا کرے گی تاکہ اسے اگلے نکاح کے لئے مال میسر ہو۔ اس طرح چھ عورتیں چلی گئیں ان کے نام (۱) ام الحکم بنت ابی سفیان، یہ حضرت عیاض بن شداد فہری کے نکاح میں تھی۔ (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ؛ یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھیں۔ (۳) بروع بنت عتبہ؛ یہ حضرت شماس بن عثمان کے نکاح (۴) عزّۃ بنت عبدالعزیز؛ حضرت عمرو بن عبدود (۵) ھند بنت ابی جہل؛ حضرت ہشام بن العاص (۶) ام کلثوم بنت جرول، یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھیں۔ چونکہ نکاح فسخ ہو گئے اور ان کے مہر کے اخراجات نبی ﷺ نے مال غنیمت سے ان کے شوہروں کو ادا کر دیئے۔

اسی طرح جب حکم ہوا کہ غیر مسلم ازواج کا مسلمان کے نکاح میں رہنا ممکن نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مکہ میں دو بیویاں تھیں ان سے ان کا نکاح (رشتہ) منقطع ہو گیا اور انہوں نے دوسرے افراد سے شادی کر لی۔

انسانی معاملات میں عدل کے لئے واضح طور پر حکم دیا ہے کہ وہ عورتیں جو مذہب تبدیل نہ کرنے کی وجہ سے کفار کی طرف واپس ہو جائیں گی، ان کے نکاح منسوخ ہو جائیں گے اور وہ دوسرے غیر مسلم افراد سے شادی کر لیں۔ مسلمان مرد کا حق ہے کہ اس کے مہر کی رقم اس فرد سے طلب کرے جو اس سے شادی کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر عورت مسلمان ہو کر آ گئی تو اس کا غیر مسلم (کافر) سے نکاح منسوخ ہو گیا۔ اس عورت کا حق ہے کہ وہ کسی مسلمان مرد سے شادی کرے۔ وہ اس کا مہر ادا کرے اور مسلم ریاست اس کے سابقہ غیر مسلم شوہر کو اس کے مہر کی رقم ادا کرے گی۔ اگر

عورت نے شادی نہیں کی تو فسخ نکاح کی وجہ سے اسلامی ریاست اس کے غیر مسلم مرد کو اس کے مہر کی ادا کردہ رقم واپس کرے گی۔ یہ اس مرد کا حق ہے جو طلب کر سکتا ہے۔

ان تمام قوانین کا مقصد بلا تفریق مذہب عدل کا نافذ کرنا اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے میں انصاف کو قائم رکھنا ہے۔

اسلامی قانون (فقہ) کی رو سے جب مسلمان عورت ہجرت کر کے اسلامی معاشرہ میں پہنچ جائے گی، اس کا غیر مسلم سے نکاح فسخ ہو جائے گا اگر اس کا سابقہ مرد اس (عدت طلاق / فسخ نکاح) کے دوران مسلمان ہو کر مل جاتا ہے تو فسخ شدہ نکاح دوبارہ نہیں ہو گا۔ وہ عورت دوبارہ نکاح کر سکتی ہے یا اس کے سابقہ شوہر نے اسلام قبول کر لیا تو دوبارہ نکاح کرنا ہو گا چونکہ آیت میں واضح حکم ہے۔ صاحبین (امام یوسف، امام محمد) اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عدت کی مدت کے بعد نکاح فسخ ہو گا جس طرح دوسرے فقہاء کا خیال ہے۔ تفصیل اور تنفیذ کے اختلاف و دلائل کتب فقہ میں موجود ہیں۔

امتحان کا طریقہ:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواتین کے امتحان یا آزمانے کی کیفیت یہ تھی کہ جو خاتون مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اس پر حلف لیتے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں آئی ہے، مدینہ کے کسی مسلمان کے ساتھ عشق اور محبت کی وجہ سے نہیں آئی ہے اور نہ آب و ہوا کی تبدیلی (ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف) کی غرض سے آئی ہے۔ نہ کسی آفت یا مصیبت کی وجہ سے آئی ہے اور نہ ہی دنیا و مال کی طلب کے لئے آئی ہے۔ وہ صرف اسلام کی طرف رغبت کی وجہ سے آئی ہے۔ جب حضرت سبعیہ بنت الحارث آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اسی طرح امتحان لیا اور پھر ان کو واپس نہیں کیا اور ان کے کافر (مشرک) خاوند کو اس کا دیا ہوا مہر جو خرچ کیا تھا واپس کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں آئیں تو آپ سے اس پر بیعت (عہد) کریں کہ وہ

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے (جانتے ہوئے) کوئی بہتان (جھوٹا الزام) نہیں گھڑیں گی اور کسی نیک کام میں ایک کی نافرمانی نہیں کریں گی، پھر (آپ) انہیں بیعت کر لیں اور اللہ سے ان کی مغفرت مانگا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت غفور رحیم ہے۔

بیعت کے مقاصد:۔

جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تو نبی ﷺ اس سے عہد لیتے، یہی بیعت ہوتی کہ وہ شرک نہیں کرے گا، اللہ اور نبی ﷺ کے احکام پر عمل کرے گا۔ اسی طرح جب عورتیں اسلام میں داخل ہوتیں تو ان سے بھی بیعت لی جاتی۔ جب عورتیں ہجرت کر کے مدینہ آتی تھیں یا اسلام قبول کرتیں تو نبی ﷺ ان سے بیعت لیتے جس میں اقرار ہوتا کہ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروں گی، چوری نہیں کروں گی، زنا بھی نہیں کروں گی، اپنی اولاد کو قتل بھی نہیں کروں گی، اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کسی پر بہتان نہیں لگاؤں گی۔ بہتان یہ ہے کہ عورت کسی اور کے بچے کو اپنے خاوند کی طرف منصوب کرے اور کہے یہ تمہارا بچہ ہے حالانکہ وہ اس کا بچہ نہ ہو۔ اللہ کے احکام اور نبی ﷺ کی اطاعت کروں گی، نوحہ اور بال نوچنے اور کپڑے پھاڑنے سے منع کیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا تم شہر میں کسی مسافر کے ساتھ خلوت میں نہیں رہو گی اور بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ سفر نہیں کرو گی (تفسیر مقاتل بن سلیمان)۔

یہ اسلام کے معاشرتی اجتماعی احکام تھے جو خواتین کے عائلی اور سماجی کردار میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اس بیعت کے بعد حکم ہوا کہ ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں کیونکہ بہت مغفرت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جب مسلمان عوتوں میں ہجرت زیادہ ہو گئی، تو ان کے مسائل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ نے فسخ نکاح کر کے دوبارہ نکاح کی اجازت دے دی کہ کوئی مسلمان مردان کا مہر ادا کر کے نکاح میں لے سکتا ہے۔ مردوں کا یہ مسئلہ نہیں تھا کیونکہ وہ دوبارہ نکاح کر سکتے تھے، مگر مسلمان عورتیں، نہ کفار کے درمیان اور نہ ہی مسلمانوں میں، بغیر طلاق یا فسخ نکاح کے دوسرا نکاح کر سکتی تھیں۔ اس طرح دوبارہ نکاح سے ایک طرف نظریاتی مسائل ختم ہوئے، تو سماجی مشکلات بھی آسان ہو گئیں۔

نکاح کے لئے اختلاف رائے ہے۔ جب نکاح فسخ ہو جائے تو عدت کا اعتبار ہے۔ اس دوران اگر مرد مسلمان ہو گیا تو اس کا نکاح باقی رہے گا۔ اسی طرح اگر خلوت کامل نہیں ہوئی تو عدت کا اطلاق نہیں ہو گا۔ اگر ہو گئی تو اطلاق ہو گا۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے، کہ ریاست میں ایسا ماحول پیدا کرے کہ خواتین مردوں کی عائلی مشکلات، اسلام کے مطابق آسانی سے حل ہوں۔ غیر مسلم ریاست کے ساتھ تعلقات کی صورت میں ریاست / حکومت، دونوں اطراف

کے غیر مسلم مرد اور مسلم مرد کے لئے رقوم مہیا کر سکتی ہیں یا ان کو رقوم کے تصفیہ کے ذریعہ حل کیا جا سکتا ہے۔ مسلمان ریاست، غیر مسلم عورتوں کو مسلم عورتوں کے مہر جو غیر مسلم ریاست میں رہ جائیں کے بدلے استعمال کر کے تصفیہ کر لیں۔

عورتوں کے امتحان میں قانون شہادت کے بارے رہنمائی بھی ہے۔

(۱) شہادت دینے والے کی جانچ ضروری ہے جیسے عورت ایمان لے آئی ہے اقرار کرے۔

(۲) شہادت کے صحیح ہونے کی جانچ ہو، جس طرح یہ اقرار کہ دنیاوی غرض سے اسلام قبول نہیں کیا۔

(۳) اقرار باللسان (بیان حلفی) پر اعتبار کیا جائے خواہ مخواہ تفتیش کا سلسلہ نہ شروع کیا جائے۔

احکام کا سلسلہ میں احکام الٰہی و ہدایات نبوی کے علاوہ معروف (بھلائی کے دستور) کی اتباع کی تاکید کی گئی ہے۔ حکم ہے کہ معروف کی اتباع میں نافرمانی نہ کریں۔ محض نافرمانی کی بات نہیں کی گئی بلکہ معروف کا ذکر کر کے معروف کی اہمیت واضح کر دی گئی تاکہ غیر معروف امور کا دباؤ ختم کیا جا سکے اور انسانی آزادی کی حدود کا احترام ظاہر کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اصول مقرر ہوا ہے **لا طاعة فی معصية انما الطاعة فی المعروف**۔ (اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے)۔ (مسلم)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آتیں، آپ ﷺ ان کا امتحان لیتے (آیت کے مطابق) اور شرائط کا اقرار کر لیتیں تو ان کو فرماتے، میں نے تمہیں بیعت کر لیا اور اللہ کی قسم! بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا (بخاری / مسلم / ترمذی)۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کپڑے کا ایک طرف پکڑ لیتے اور کپڑے کا دوسرا کنارہ خاتون پکڑ لیتی تھی اور اقرار و عہد کرتی۔

یہ بیعت کا طریقہ نبی ﷺ سے چل رہا ہے، مقصد یہ ہے کہ آدمی کو اس کے کردار اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ لیا جائے تاکہ اس کا کردار تبدیل ہو کر اسلام کے مطابق ہو۔ صوفیاء کی اپنے شیوخ سے بیعت بھی یہی عہد و پیمان ہے کہ اسلام کے مطابق زندگی بسر ہو گی اور اللہ کے احکام کو تمام امور پر ترجیح دی جائے گی۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر صرف نشتن و خوردن و برخاستن یعنی کھانا پینا اور جانا ہے، اعلیٰ مقاصد سے محرومی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ بے شک وہ آخرت سے

مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

آیت مبارکہ یہود کے بارے میں ہے کہ یہود کو نبی ﷺ کی نبوت کا علم اور یقین بھی تھا، لیکن محض حسد، ضد اور نسلی تعصف (بنی اسرائیل) کی وجہ سے نبی ﷺ کی مخالفت کی اور اس وجہ سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور مدینہ سے نکالے گئے۔ لہٰذا ان سے بھی دوستی منع ہے اگرچہ اہل کتاب ہیں، لیکن ان کے دل دشمنی اور بغض سے بھرے ہیں، اس عمل کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہیں۔

اسی طرح کفار بھی اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ آخرت نہیں اور آدمی مر کر مٹی ہو جائے گا۔ دوبارہ زندہ نہیں ہو گا۔ اس لئے کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ دوسری تشریح یہ ہے، کہ کافر جب قبر میں جائے گا تو اس وقت سے اس پر عذاب شروع ہو جائے گا اور اپنے عذاب ٹلنے کے امکان سے مایوس ہو گا۔

سورت میں جن انسانی آزادی افکار و مذہب، خواتین کے مسائل اور حقوق کا خیال، انصاف و عدل کے اہتمام کا حکم ہے، یہ کسی انیسویں یا بیسویں صدی کی اعلیٰ تعلیم یافتہ پارلیمنٹ یا بین الاقوامی فورم کا نہیں، بلکہ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک الہامی نازل کردہ ہدایات کا حصہ ہے، جس میں انسانوں کو صحیح راہ دکھائی گئی ہے اور دنیا کے عظیم لیڈر نے اس کو، چھٹی صدی عیسوی کے بدترین پست معاشرے میں نافذ کر کے، انسانیت کے لئے ایک تابندہ مثال قائم کی۔ یہ مثال اور معاشرہ صرف نصف صدی کے اندر، دنیا کی عظیم تہذیب بن کر ایک ہزار سال تک چمکتا رہا۔ پھر اس کے ماننے والوں نے عمل کو خیر آباد کہہ دیا، گفتار پر کار بن گئے، اختلافات میں پڑ گئے اور پھر اللہ کے قانون کے مطابق گرا دیئے گئے۔ ان اصولوں پر چلنے والے دوسرے معاشروں نے دنیا کی راہنمائی کرنی شروع کر دی۔

سورت کی ابتداء بھی اللہ کے دشمنوں سے بچنے کے ہدایت اور اختتام بھی ان سے دوستی نہ رکھنے پر کیا گیا ہے۔

الحمد للہ آج مورخہ 30 مئی 2023 کو سورت الممتحنہ اختتام پذیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر سب کے لئے باعث نجاعت بنائے۔ آمین۔

61- سورۃ الصف

تعارف:۔

سورت کا نام الصف اس کی آیت نمبر چار کے لفظ الصف سے ماخوذ ہوا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝'' مضامین سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ایک سو آٹھ (108) اور ترتیب قرآن مجید (مصحف) کے لحاظ سے اس کا نمبر اکسٹھ (61) ہے۔ اس میں چودہ (14) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔

سورت کی ابتداء اللہ کی قوت، حکمت اور کائنات میں اس کی ملکیت سے ہے کہ ہر چیز نے اس کی تسبیح و تحمید کی ہے۔ اہم پیغام اور حکم ہے کہ جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو، ایسا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کو غصہ دلانا ہے۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کو منظم طریقہ سے کرنا ضروری ہے جسے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جہاد کی ترغیب دی گئی ہے اور احکام شرعیہ میں ملامت کی پرواہ نہ کرنے کا حکم ہے۔

دین میں تفرقہ بازی سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسول پر ایمان اور اللہ کی راہ میں، مال صرف کرنا ہی بہت بڑی کامیابی ہے، جس کا پھل دنیا اور آخرت دونوں میں ملتا ہے۔

یہود کی اتباع سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور اخلاص کا ذکر ہے۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں کو کامیابی کی نوید دی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١

جو چیز آسمانوں اور جو زمین میں ہے ان تمام نے اللہ کی تسبیح کی اور وہ بہت زبردست اور بہت حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٢ اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٣ اللہ اس پر سخت غصہ ہوتا ہے کہ تم ایسی

بات کہو جو تم کرتے نہیں۔

آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کی زمین اور آسمانوں یعنی کائنات میں جو بھی چیزیں ہیں ان کی اللہ کی تسبیح کرنے کا ذکر ہے۔ہر چیز کی تسبیح کا انداز،اس کے وجود اور ہئیت کے مطابق ہے، جس کو ہم جان نہیں سکتے۔اس کا ذکر پہلی سورتوں میں بھی کیا گیا ہے۔ ہماری سماعت اور بصارت تو صرف محدود ہے۔چند درجے تک آواز کی لہروں اور صرف روشنی کی اس لہر کو جو ہماری آنکھ کے عدسہ پر پڑے دیکھ سکتی ہے، لیکن کائنات میں سگنلز اور حمد و تسبیح کا انداز بہت مختلف ہے جو انسان کے لئے جاننا ناممکن ہے۔

وعدہ کی پابندی :

اسلام کے فرائض انسانی میں سب سے پہلے ہے۔اس لئے بڑی واضح آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات انتہائی غصہ دلانے والی ہے کہ آدمی کسی چیز کا عہد کرے یا وعدہ کرے اور اس کو پورا نہ کرے۔اسلام میں,اس لئے اگر کسی کام کا وعدہ کیا گیا ہے, تو اس کو پورا کرنا لازمی ہے. جس سے وعدہ کیا گیا وہ اس کا حق رکھتا ہے کہ عدم وفا کی صورت میں ہرجانہ کا مطالبہ کرے اور اگر اپنے آپ سے وعدہ کیا، یعنی قسم اٹھائی، تو اس کے خلاف کرنے پر کفارہ یمین دینا ہوگا،البتہ ضروری ہے کہ حرام کام نہ کیا جائے پھر بھی عہد توڑنے کی وجہ سے کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

شان نزول کے بارے مختلف روایات ہیں۔ایک روایت ہے کہ صحابہ نے خواہش کی کہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ رضا ہو، اس کو وہ کریں اور اس کے بارے پوچھا، تو نبی ﷺ نے سورت الصف کی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔یہ اس طرف اشارہ تھا کہ انسانی بساط کے مطابق چلنا ضروری ہے۔اگر اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کا وعدہ کر لیا اور پھر نہ کیا جاسکا، تو ثواب کے بجائے سزا ملے گی۔

قول اور فعل میں تضاد:۔

ایک روایت کے مطابق، منافقین بڑے بڑے دعوے کرتے تھے، لیکن جب جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ) کا وقت آتا، تو پیچھے ہٹ جاتے تھے۔غزوۃ احد میں بعض صحابہ کے بعض امور میں سستی اور مایوسی کی وجہ سے میدان سے نکلنے کو تعبیر کیا ہے، کیونکہ سورت کے ایام نزول، غزوۃ احد کے بعد کے ہیں۔اہم نکتہ یہ ہے کہ قول و فعل ایک جیسا ہو۔ایسا نہ ہونا،اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے اور یہی منافقت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کو راہ میں صف بستہ جنگ کرتے ہیں۔ جیسے وہ

سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اتحاد و قوت:۔

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے غصہ کا سبب قول و فعل میں فرق تھا کہ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ اللہ کے لئے نیک اعمال، جہاد یا مال خرچ کرے گا اور نہیں کرتا، تو اپنے عہد سے دغا یا خلاف کرتا ہے۔ اس کے مقابل یہ ذکر کیا کہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جنگ میں صفیں باندھ کر متحد ہو کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی دیوار ہیں۔ جس کا سارا جسم ایک ہوتا ہے اور اسے توڑنا مشکل ہوتا ہے بلکہ ساری دیوار ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ٹوٹ جاتی ہے۔ اس سے اہم نکتہ یہ ہے ''منظم اور متحد ہو کر جدوجہد کرنی ہے تاکہ اسمیں کامیابی ہو اور کسی قسم کی کمزوری نہ پیدا ہو''۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو یقین ہے کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں پھر جب انہوں نے ٹیڑھا پن کیا تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

انسانی ارادہ و عمل:۔

دوبارہ کردار کی اہمیت، اخلاص، جدوجہد، قول و فعل میں یکسانیت کی تاکید، یہود کے کردار و واقعات سے کی ہے۔ یہود (بنی اسرائیل) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر یقین اور ان کے لئے، حضرت موسیٰ کی جدوجہد، جس کے نتیجے میں وہ فرعون کی غلامی اور ظلم سے نکلے تھے، کے جانتے اور مانتے ہوئے حضرت موسیٰ کے احکامات و تعلیمات کی خلاف ورزیاں کیں اور انہیں پریشان کیا۔ (۱): فلسطین کے سفر میں کہا کہ خدا کو دکھائیں۔ (۲): پھر ایک مجسمہ بنانے کو کہا۔ (۳): بچھڑے کی پوجا کی۔ (۴): پھر من و سلویٰ پر خوش نہ ہوئے۔ (۵): جنگ جہاد سے انکار کیا (فلسطین جانے کے لئے)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون و فیصلہ بتا دیا ہے کہ جب انسان قول و فعل میں تضاد رکھتا ہے۔ غلط یا گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر کھڑا رہتا ہے (اس سے پیچھے نہیں ہٹتا اور ارادہ نہیں بدلتا)، تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کے، اسباب مہیا کر دیتے ہیں اور پھر وہ گمراہی میں گر جاتا ہے۔ ہدایت و راہنمائی سے محروم رہتا اور اسی پر اس کا انجام ہوتا ہے۔ یہ سارا عمل، انسان

کے اختیار کی وجہ سے ہے کہ اس نے ہدایت (اللہ کے احکام، نبی کی تعلیمات) کے بجائے، اپنی خواہش، جو اس کے نفس نے پیدا کی، پھر شیطان نے اسے خیالات کے ذریعہ بھڑکایا اور اس نے اس پر ارادہ کر کے عمل کر دیا۔ یہ اس کا نتیجہ ہو گا اور ہمیشہ وہ شخص ہدایت سے محروم رہے گا۔ فسق و فجور عادت بن جاتی ہے۔ جس کو بدلنا بہت مشکل یا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہود کے اس طریقہ سے منع کیا ہے، کہ قول و فعل میں فرق ہو۔ اقرار تو تابعداری کا ہو لیکن جب عمل کا وقت آئے تو بہانہ بنا کر آدمی نکل جائے جس طرح یہود کرتے یا منافقین مدینہ کرتے تھے۔

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۶

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلے کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا پھر جب وہ رسول واضح دلائل کے ساتھ آ گئے تو (کافروں نے) کہا! یہ تو کھلا جادو ہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ یُدْعٰۤی اِلَی الْاِسْلَامِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۷

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تصدیق عیسیٰ علیہ السلام:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ تورات کی تصدیق کی اس کے ساتھ ان کے بعد میں آنے والے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیشن گوئی کر دی کہ میرے بعد آئے گا اور ان کا نام احمد ہو گا۔ بائبل میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بارے ذکر کیا گیا ہے۔ انجیل یوحنا کے باب 14 سے 16 تک مذکور ہیں۔

۱۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔ لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔ (25:14-26)۔

۲۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا مجھ میں اس کا کچھ نہیں

(14:30)۔

۳۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا (15:26)۔

۴۔ وہ تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا (یوحنا۔ باب 16۔ آیت 13) وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا (آیت 14)۔

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں لوگوں کی بہ نسبت، ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں، تمام انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (صحیح مسلم/ابوداؤد)۔

اس طرح تورات میں بھی (کتاب استثناء باب 18 آیات 19-15 تک میں نبی ﷺ کو ذکر ہے۔

جب نبی ﷺ، توریت و انجیل کی پیشن گوئی کے مطابق آ گئے اور مکہ میں نبوت کا اعلان کیا، تو وہاں کے رہنے والوں نے ان کی تصدیق کے بجائے تکذیب (جھٹلایا) کی اور ان کے معجزات کو جادو اور قرآن مجید کو جادو زدہ کلام قرار دیا۔

یہ (مشرکین مکہ) لوگ انتہائی ظالم ہیں کہ اللہ کے نبی کو جھٹلایا اور اس کے کلام کو جھٹلایا گویا اللہ پر بہتان تراشا گیا کہ اس کے کلام کو انکار کیا اور اس کی عطا کردہ نبوت کا انکار کیا جس چیز کو اللہ تعالیٰ ثابت کر رہا ہے اسے وہ کافر غیر ثابت یا رد کر رہے ہیں۔

اس انکار کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور پر بھی ہو سکتا ہے، جس کے دوران یہود نے آپ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور انجیل کا بھی انکار کیا۔ اللہ کی ذات جس کا اعلان کر رہی ہے اس کا انکار بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸

وہ اپنی پھونکوں سے نور بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے۔ خواہ کافروں کو کتنا ہی تکلیف دہ (ناگوار) لگے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار لگے۔

یہود اور کفار کی نیتوں اور اعمال کے مقابل اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ اللہ کا پیغام حق اور نبی ﷺ کی

رسالت حق، دونوں نور کا حصہ ہیں جو مکمل و کامیاب ہوں گے (کلام پاک اور رسالت الٰہی)۔ اس کامیابی سے دونوں مراد ہیں (۱): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہود نے نہ صرف انکار کیا بلکہ دشمنی کر کے پھانسی دلائی اور عیسائیوں کی پوری مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی اور ان کے حواریوں نے ان کے دین کو پھیلایا اور وہ دین یہودیت سے بڑھ کر زیادہ پھیل گیا۔ (۲): دوسری تفسیر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود اور عیسائیوں کی مخالفت کے باوجود، مسلمانوں کو قوت و طاقت دی اور انہوں نے اس کو پوری دنیا میں پھیلا دیا اور عیسائی بھی مسلمانوں کے محکوم ہو گئے۔

اگلی آیت میں اللہ کے رسول اور اس کے پیغام کی قوت کامیابی کا ذکر ہے۔ یہ کامیابی دونوں رسولوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہود پر اور مسلمانوں کی یہود اور عیسائیوں کے خلاف ہوئی اور اللہ کا کیا ہوا وعدہ پورا ہو گیا۔ لفظ مشرکون (مکہ کے مشرک) سے اسلام کی کامیابی زیادہ موزوں تفسیر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے بعد صلیب کو توڑنے، جزیہ ختم کرنے اور عدل کی حکمرانی کا ذکر فرمایا ہے۔ کوئی صدقہ لینے والا نہ ہو گا۔ (متعدد کتب احادیث)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰

اے ایمان والو! کیا تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱

تم اللہ اور اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲

وہ (اللہ) تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں (باغات) میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور عمدہ پاکیزہ محلات میں جو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

اور ایک اور (نعمت بھی) جس کو تم پسند کرتے ہو، عنقریب اللہ کی طرف سے مدد اور فتح حاصل ہو گی اور مومنوں کو بشارت دیجئے۔

اسلام دشمن اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ہر طرح کی مخالفت کرتے ہیں، اعمال اور اقوال کے ساتھ ۔خاص کر یہودی، مدینہ میں اسلام کے خلاف، منافقوں اور دوسرے قبائل کو اکساتے، اہل مکہ کو بھڑکاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ وہ اپنے ارادوں اور اعمال میں ناکام و نامراد ہوں گے۔

آیات میں مسلمانوں کو اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد کی تاکید کی گئی۔ صحابہ نے خواہش کی تھی کہ اگر ان اعمال کی خبر ملے، جن سے اللہ تعالیٰ زیادہ خوش ہوتے ہیں، تو وہ ان کے کرنے کی کوشش کریں۔ ان آیات میں جہاد (قتال) اور نفس کے خلاف، اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کا حکم دیا ہے کہ ان اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ محلات عطا فرمائیں گے۔ گناہ بھی بخشے جائیں گے۔ رضا بھی حاصل ہو گی اور بڑا انعام ملے گا، جو بڑی کامیابی ہو گی۔ اس عمل کو تجارت کی مثال سے واضح کیا ہے کہ جس طرح لوگ تجارت کرتے ہیں تاکہ نفع حاصل ہو، سرمایہ بڑھ جائے، زندگی میں آرام حاصل ہو۔ اس طرح اللہ کی راہ میں کوشش اور عمل ایک انتہائی فائدہ مند تجارت ہے جس میں خسارہ نہیں۔

اس پر مزید یہ انعام فرمایا کہ اگر کوشش اور جدوجہد برائے اعمال صالحہ کی گئی تو جنت کی کامیابی کے علاوہ، دنیا میں کامیابی اور کامرانی دیں گے۔ اللہ کی نصرت سے مومن، دوسرے افراد غیر مومن اور کفار و مشرکین، اہل کتاب پر غالب آ جائیں گے۔ تاریخ نے ثابت کیا، کہ جب مسلمان مومن بن کر زندگی گزارتے رہے، منافق نہیں بنے یعنی ان کے کردار اور گفتار ایک جیسا تھا، تو وہ سب سے آگے اور طاقتور تھے۔ دنیا کی بڑی طاقت بن گئے۔ احادیث میں منافق کی یہ نشانی بتائی گئی ہے، اگر چار صفات پائی جائیں وہ خالص منافق ہے، اور جس میں کوئی ایک صفت پائی گئی اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے نہ چھوڑ دے۔ (۱): جب امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (۲): جب بولے تو جھوٹ بولے۔ (۳): جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ (۴): جب لڑے تو گالی گلوچ کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا: اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے۔ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے کفر کیا۔ تو ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کے دشمنوں پر قوت (غلبہ) دی تو وہ غالب آ گئے۔

اللہ کی راہ میں جدو جہد کرنے والوں کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ سے پہلے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ یہود نے آپ علیہ السلام کی سخت مخالفت کی۔ نبوت کا انکار کیا۔ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں (حواریوں) سے مدد طلب کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان حواریوں نے ہی عیسائیت کو یونان، افریقہ، مشرق وسطیٰ میں پھیلایا۔ حوار کے معنی جن کا باطن صاف ہو۔ حور کا ایک معنی خالص یا سفید ہے۔ ان کو شاگرد بھی کہا گیا ہے۔ مسلمانوں کو بھی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ سر دھڑ کی بازی لگادیں اور اللہ اور اس کے رسول اس کے دین کو بلند و کامیاب کریں۔ نبی ﷺ جب کفار مکہ سے مایوس ہو گئے تو ایام حج میں تبلیغ کرتے اور آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے بھی مدد طلب کی اور اہل مدینہ (اوس و خزرج) نے بیعت عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانی، پر عہد کیا کہ وہ نبی ﷺ کی حفاظت اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہر کوشش کریں گے۔ پھر نبی ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی، مکہ میں صحابہ کرام ساتھ تھے۔ (قریش میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام تھے۔) مہاجرین کے علاوہ انصار (اہل مدینہ، اوس اور خزرج) نے پورا ساتھ دیا اور جہاد کیا۔ اسلام اور نبی ﷺ کا دفاع کیا۔ اسلام کو سربلند کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر یہود میں اختلاف پیدا ہو گیا، ایک گروہ تو بالکل مخالف تھا۔ جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کو سزا ملی اور صلیب پر لٹکانے کا فیصلہ ہوا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے ان کے اندر بھی گروہ بن گئے۔ ایک نے آپ علیہ السلام کو اللہ کی ذات کا حصہ بنالیا اور کہا کہ اب خدا آسمان پر چلا گیا ہے۔ ایک گروہ نے کہا، حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے اور باپ نے بیٹے کو اپنے پاس بلالیا اور تیسرے نے کہا، وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے اور یہی فرقہ حق پر تھا۔ ان کو دوسرے فرقوں نے قتل کیا اور علاقہ سے نکال دیا، پھر اللہ نے نبی ﷺ کو مبعوث کیا۔ اس طرح اس فرقہ کو بھی کامیابی ملی کہ ان کی دلیل و عقیدہ غالب آگیا اور مسلمان بھی کامیاب ہو گئے اور عیسائی اور کفار مغلوب ہو گئے۔ اسلام تمام علاقوں، عرب، عجم، یونان، افریقہ میں پھیل گیا۔

مددگار بننے کا مطلب، اس عالم رنگ و بو میں اللہ کے احکام اور پسندیدہ امور، عدل، سچ، عہد کی پابندی، غریبوں کی فلاح، انسانوں کا احترام، اللہ کی عبودیت، اور حقوق جن کو الہامی کتب و رسولوں کے ذریعے پہنچایا گیا، انسانوں کی بہتری کے لیئے، نافذ کرنے کی جدوجہد عملی طور پر انسان کرے۔ اس جدجہد میں دوسرے اسباب اس کے ساتھ معاون ہوں گے اور انسانی معاشرہ بہتری اور بھلائی کی منزل پر پہنچے گا۔ یہی دنیا میں کامیابی ہو گی اور آخرت میں بھی۔ اسی لئے یہاں انسان کو مددگار بننے کا کہا گیا ہے۔ سارا معاشرہ جس میں افراد اور ادارے مل کر کوشش کریں گے تو مقصد حاصل ہو گا۔

62- سورۃالجمعہ

تعارف:۔

سورت الجمعہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کا نام اس کی آیت نمبر 9 میں الجمعہ کے ذکر سے ہے۔ نماز جمعہ مدینہ شریف میں شروع ہوئی۔ سورت میں، جمعہ کے احکام کا ذکر ہے،اس لئے سورت مدنی ہے۔کچھ آیات بعد میں اور کچھ آیات پہلے نازل ہوئیں۔ جس طرح دوسری سورتوں میں بھی ہوا ہے۔

ترتیب نزول کے لحاظ سے سورت کا نمبر ایک سو چھ (106) اور ترتیب قرآن کے لحاظ سے باسٹھ (62) ہے۔ اس میں گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

شان نزول یہ ہے، کہ نبی ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد جلد ہی جمعہ کی نماز کا اعلان فرمادیا تھا (شروع کر دی)۔ یہ ابتدائی دور تھا۔ جمعہ کی نماز کا وقت تھا۔اسی وقت ایک قافلہ مواد غذایہ لے کر آیا تھا۔انہوں نے قافلہ کی آمد اور غلہ (اشیاء) کے بارے اعلان کے لیے ،دف بجانا شروع کر دیا، تو مسلمان قافلہ کی طرف غلہ خریدنے دوڑ پڑے اور چند صحابہ (بارہ) خطبہ کے لئے رہ گئے۔ (بعض روایات میں چالیس کا ذکر ہے)۔اللہ تعالیٰ نے آیات میں اس پر عتاب فرمایا اور نماز جمعہ پڑھنے کو فرض قرار دیا گیا اور بوقت نماز کاروبار کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ نے فرمایا: بہترین دن جس کے اغاز پر سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے۔اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن ان کو جنت سے باہر نکالا گیا۔ (صحیح المسلم)۔ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہو گی۔ (صحیح المسلم/ النسائی)۔ پچھلی سورت (الصف) میں یہودیوں کے کردار کا ذکر تھا۔عیسائیوں کے کردار کا ذکر تھا۔ سورت جمعہ میں بھی یہود کے رویہ کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ کی آمد کے بارے توریت میں نشانیاں دی گئی ہیں۔ جن سے آپ کی پہچان واضح ہے، لیکن یہود، ضد اور عصبیت (قوم کی محبت) کی وجہ سے انکار کرتے رہے۔ان کے اعمال ان کے مذہبی ہدایات کے برعکس ہیں۔

مسلمانوں کو جمعہ کی اہمیت کے بارے حکم ہے کہ نماز کے وقت کاروبار کو بند کر دو اور نماز کی ادائیگی کے بعد کاروبار شروع کر دو۔ نماز اور اللہ کے احکام پر عمل بہت اہم ہے اور تجارت سے بہتر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کی تسبیح کرتی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ بادشاہ ہے۔ بے حد پاک بہت غالب نہایت حکمت والا ہے۔

ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ۚ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۲﴾

وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ ان کو پاکیزہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳﴾

اور (اسے) ان میں سے دوسرے لوگوں کے لئے بھی (بھیجا) جو ابھی پہلوں سے نہیں ملے اور وہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴﴾

یہ اللہ کا فضل ہے وہ، اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

پچھلی سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی عظمت سے تھی اور اس کی بھی ابتداء میں فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز (زمین و آسمان میں) اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ تسبیح بیان کرنے کا انداز ہر مخلوق کا علیحدہ ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات ساری کائنات کی مالک ہے۔ پاک ہے۔ غلبہ والی اور حکمت والی ہے کہ سارا نظام ایک اعلیٰ حکمت و کاریگری کا نمونہ ہے۔

نبی ﷺ کی بعثت عربوں میں ہوئی۔ اس وقت عرب جاہلیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عیسائی اور یہودی اہل عرب کو ان کے پاس الہامی کتاب نہ ہونے کی وجہ سے ان پڑھ (اُمی) کہتے تھے۔ جس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جیسے ماں کے پیٹ سے نکلے ہیں۔ اسی حالت میں (علم کی نسبت) زندگی میں رہ رہے ہیں۔

یہود کے لئے بھی ایک سبق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نبوت سے نوازتا ہے۔ کیونکہ یہود یہ سمجھتے تھے کہ جس نبی کی پیشن گوئی توریت میں کی گئی ہے وہ بنی اسرائیل سے ہوگا۔ خیبر کے یہودیوں نے مدینہ کی یہودیوں سے رابطہ کیا کہ وہ نئے نبی کے بارے بتائیں کہ، کیا وہ اس کی اتباع کر رہے ہیں؟ اگر وہ کر رہے ہیں تو خیبر والوں نے کہا: ہم بھی تمہاری طرح کریں گے۔ مدینہ کے یہودیوں نے جواب دیا، وہ امیوں سے ہیں۔ ہم کیوں ان کی اتباع کریں۔ ہم

اصحاب علم ہیں، ہم کبھی نہیں کریں گے۔ یہ یہود کا تکبر اور عصبیت تھی جس کا رد، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے چاہے وہ نواز دے۔ ساری اس کی مخلوق ہے۔ جو اعلیٰ کام کریں گے وہ نوازے جائیں گے۔ اس کی قربت کا معیار اعمال انسانی ہیں نسل نہیں۔

نبی کا مقام:۔

نبی ﷺ کی خصائص یا ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔

۱۔ آیات کی تلاوت یعنی قرآن مجید، ان کو سکھاتے، تعلیم دیتے ہیں۔

۲۔ ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت کرتے ہیں، جو پاکیزہ کرنا مراد ہے۔ عرب کے افراد انتہائی جاہلیت میں تھے۔ قتل و غارت کے عادی، بیٹیوں کو عار کی وجہ سے مار دیتے، غریبوں پر ظلم کرتے تھے۔ قبائل تعصب اور انسانوں میں نفرت عروج پر تھی۔ ان عادات کو ختم کیا اور مثالی کردار پیش کر کے تربیت کی۔ آپ کے صحابہ آپ کے ساتھی اور آپ کے جانشین ہوئے اور دنیا کی امامت کی۔

۳۔ اس کے ساتھ حکمت اور قرآن مجید کے اسرار سے آگاہ گیا۔ بہترین زندگی کا عملی نمونہ، لوگوں کے لئے پیش کیا۔ جس میں ساری انسانیت کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

۴۔ نبی ﷺ، کا کردار، پیغام، تعلیم و تربیت، نہ صرف ان کے ہم عصر اصحاب اور افراد کے لئے تھی، جو عرب میں تھے، بلکہ دوسرے انسانوں کے لئے بھی تھی، جو دوسرے علاقوں میں تھے۔ ان تک، یہ پیغام و کردار پہنچایا گیا اور قومیں اس نور سے منور ہوئیں۔

بعد میں آنے والے لوگ:۔

اس سے آنے والی نسلیں اور لوگ بھی مراد ہیں۔ اس آیت کے بارے حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نبی ﷺ نے تلاوت فرمائی، تو ہم آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا؛ یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، حتّٰی کہ اس نے دو تین بار پوچھا؛ اس وقت ہم میں حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ نبی ﷺ نے حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اگر دین ثریا (ستارے) کے پاس بھی ہو، تو فرزندان فارس وہاں جائیں گے اور دین کو حاصل کرلیں گے۔ (بخاری/مسلم)۔

تاریخ نے ثابت کیا، کہ محدثین کرام (صحاح ستہ) کے مصنفین، فقہاء اور عظیم علماء، علاقہ عجم اور غیر عرب سے تھے اور انہوں نے تمام علوم بالخصوص اسلامی علوم کو کمال تک پہنچایا۔ صحاح ستّہ کے مصنف علاقہ عجم سے ہیں۔

بعض مفسرین کے نزدیک ''بعد میں آنے والے'' قیامت تک کے مسلمان علماء دین ہیں۔

نبی ﷺ کا فیض اپنی امت کے لئے روحانی طور پر ہر وقت عاشقان کی رہنمائی کے لئے موجود ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵ جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس کو نہیں اُٹھایا (عمل نہیں کیا) ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کو بوجھ لدا ہوا ہے۔ ان لوگوں کی کیسی بری مثال ہے۔ جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ (اے نبی) کہہ دیجئے: اے یہودیو! اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ بے شک تم ہی صرف سب لوگوں کے سوا، اللہ کے دوست ہو۔ پس تم موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔

وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ اور وہ اپنے پہلے کئے ہوئے برے اعمال کی وجہ سے کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ آپ کہہ دیجئے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور ملنے والی ہے پھر تم اس (اللہ) کی طرف، جو ہر غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے لوٹائے جاؤ گے، پھر وہ تم کو خبر دے گا، جو کچھ عمل کرتے تھے۔

عالم بے عمل:۔

یہود کے کردار کا ذکر جاری ہے۔ یہود، اپنے زعم میں اپنے کو برتر سمجھتے تھے اور تورات میں تحریف بھی کرتے تھے۔ یہودی کا لفظ یہودا سے ہے، جو حضرت بن یامین کی اولاد سے تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد داخلی لڑائیوں سے حکومت ٹوٹ گئی، تو یہودا نے ایک علاقہ پر حکومت سنبھال لی اور وہاں سے لفظ یہودی اور جدید

یہودیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہودی علماء، محض اپنی آراء اور دنیاوی مفاد کی خاطر تورات کے احکام میں ترمیم کرتے تھے۔ الفاظ چھپاتے اور بدلتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بد عملی کو ایک مثال سے واضح کیا ہے، جو تمام اہل علم کے لئے باعث درس و عبرت ہے۔ عالم بے عمل گویا گدھے کے اوپر علم کی کتابیں لدی ہوئی ہیں۔ گدھا، وزن اُٹھانے میں بہتر استعداد رکھتا ہے۔ عقل و فہم میں اپنی قسم کے جانوروں (گھوڑا۔ بیل) سے کمتر ہے اور ضدی زیادہ ہے۔

توریت میں متعدد، مقامات پر نبی ﷺ کے بارے پیشن گوئی کی گئی تھی۔ (عہد نامہ قدیم، (تورات) استثناء (باب18۔ آیات19-15)۔ پھر تورات استثناء باب33 آیت2/ تورات، یسعیاہ باب42 آیت9-1)۔ یہود کے عقیدہ کے مطابق، اس نبی کی انہوں نے مدد کرنی اور ماننا ہے۔ ان کے علماء میں حضرت عبداللہ بن سلام اور دوسرے یہودی، فوراً ایمان لے آئے اور باقی غلط بیانی کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے یہ مثال دی گئی۔ دوسرا، ان کے کردار کا تضاد یہ تھا، کہ وہ اللہ سے خصوصی تعلق اور محبت کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتے تھے، کیونکہ ان کو دنیا کی محبت زیادہ پسند تھی۔ حالانکہ موت کو ہر انسان نے دیکھنا ہے۔ اور پھر مر جانا ہے۔ ادھر الہامی کتاب، تورات پر فخر کرتے تھے۔ لیکن عمل نہیں کرتے تھے۔ آیات مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہیں، کہ کہیں مسلمان علماء کا کردار تو یہ نہیں ہو رہا۔ اپنے مفادات اور دولت و حشمت کے حصول میں، وہ فتویٰ تو نہیں دے رہے، جس سے اسلام کی روح تو قید ہو جائے لیکن ان کے پاس دولت و قوت آ جائے۔ ایک حدیث (واقعہ معراج) کے مطابق کچھ انسانوں کی زبانیں فوراً لمبی تھیں اور فرشتے ان کو آگ کی قینچی سے کاٹ دیتے ہیں اور پھر وہ فوراً نکل آتی (بڑھ جاتی) تھیں اور پھر وہ کاٹ دیتے ہیں۔ نبی ﷺ نے جب اس کے بارے استفسار (سوال) کیا، تو عرض کی گئی، کہ آپ کے امت کے وہ علماء ہیں جو نیک بات کے لئے کہتے تھے، لیکن عمل نہیں کرتے تھے۔ یہ ان کا انجام ہے۔ (ہو گا)۔ پھر آدمی ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ضمیر مر جاتا ہے۔

ہم کو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی — گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
میراث میں آتی ہے انہیں مسند ارشاد — زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

یہاں پیر سے مراد ہر وہ لیڈر ہے جو اپنے مفادات کا قیدی ہے۔

مرنے کے بعد کے حالات کے بارے بھی اطلاع دی گئی کہ اعمال کا حساب و کتاب ہو گا۔ لہٰذا یہی دنیا کی زندگی فرصت ہے، کہ نیک اعمال کے ذریعہ مشکلات سے بچا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

اور جب انہوں نے تجارتی قافلہ یا تماشا دیکھا تو اس کی طرف بھاگ پڑے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ آپ کہیے: اللہ کے پاس جو (اجر) ہے وہ تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

جمعہ کی ابتداء:۔

ایک روایت کے مطابق، انصار مدینہ نے یہود کے یوم السبت کو دیکھتے ہوئے کہا کہ ایک دن عبادت کا مخصوص کر لیں، جس طرح یہود یوم السبت (ہفتہ) اور نصاریٰ (عیسائیوں) نے اتوار (یوم الاحد) کیا ہوا۔ ہفتہ کے دن سے پہلے دن کو یوم العروبہ کہتے تھے۔ انہوں نے کہ اکہ اس کو ہم جمع ہو کر عبادت کریں گے اور اس کا نام، یوم الجمعہ رکھا۔ یہ نبی ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ (الجامع للاحکام القرآن)۔ نبی ﷺ نے مدینہ شریف آنے کے کچھ عرصہ بعد نماز جمعہ کو باجماعت شروع کر دیا تھا۔

شان نزول: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نماز جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ (اس وقت خطبہ نماز عید کی طرح جمعہ کی نماز کے بعد ہوتا تھا) کہ ایک شخص آیا اور اس نے بتایا کہ مال تجارت لے کر ایک قافلہ آیا ہے۔ قافلہ کے آنے پر دفّ بجایا جاتا تھا۔ سو لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔ (وہ نماز پڑھ چکے تھے اور گمان تھا کہ خطبہ ضروری نہیں)۔ صرف بارہ افراد رہ گئے (صحیح بخاری)۔ ایک روایت کے مطابق چالیس افراد تھے۔ اکثریت عشرہ مبشرہ کی تھی۔ (دار قطنی)۔ اس پر عتاب ہوا اور یہ آیات سورۃ جمعہ نازل ہوئیں۔

جمعہ کے فضائل:۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، بیان کرتی ہیں کہ ہر بالغ پر نماز جمعہ کے لئے جانا واجب ہے۔(سنن کبریٰ للبیھقی)۔ حضرت ابو الجند الضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ جس نے سستی کی وجہ سے تین بار جمعہ کو ترک کیا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادے گا۔(ابوداؤد)۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنا واجب ہے ماسوائے چار (افراد) کے ؛(۱): غلام۔ موجودہ دور کا لازمی ڈیوٹی پر ملازم بھی اسی طرح ہے۔(۲): عورت۔(۳): بچہ (نابالغ)۔(۴) بیمار۔(ابوداؤد)۔(فقہ حنفی میں مسافر اور نابینا یا معذور افراد پر، بھی نماز جمعہ واجب نہیں)۔ کچھ امور پر ترجیحات میں اختلاف ہیں، تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

حضرت ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ ہر بالغ پر جمعہ کی دن غسل کرنا واجب ہے (ثابت ہے) اور یہ کہ مسواک کرے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے۔(غسل کرنا افضل ہے)۔(بخاری/ابوداؤد/النسائی)۔

جمعہ کے مسائل:۔

جمعہ کا انکار کفر ہے، کیونکہ اس کا ثبوت قطعی (قرآن مجید سے) ہے۔ اس کی نماز کی چند شرائط میں جو درج ذیل ہیں۔(۱): جمعہ شہر میں ہوتا ہے۔ گاؤں یا دیہات میں نہیں ہوتا۔ حضرت حارث بیان کرتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہ جمعہ جامع مسجد کے بغیر ہو گا نہ تشریق۔ ابو عبد الرحمان سلمی، بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ، کوفہ، مدینہ، بحرین، جزیرہ یمن، اور یمامہ کو شہر شمار کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہر کی تعریف میں منقول ہے۔ شہر وہ ہے، جس میں گلیاں (زیادہ آبادی) بازار اور اس کے ارد گرد مضافات (گاؤں) ہوں اور اس میں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کو حق دلا سکنے پر قادر ہو۔(۲): نماز جمعہ سلطان پڑھائے یا اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص یعنی حاکم کا نمائندہ یا گورنر یا قاضی وغیرہ۔(۳): نماز کا وقت ظہر کا وقت ہے۔(۴): نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دیا جائے گا دوسرا خطبہ دینے سے پہلے ذرا بیٹھنا سنت ہے۔(دونوں خطبوں کے درمیان)۔(۵): جماعت (افراد) کے سامنے خطبہ دیا جائے۔(خطبہ میں نیکی کی تلقین ہوتی ہے)۔(۶): امام کے علاوہ تین افراد جماعت میں ہوں۔(۷): نماز جمعہ کے لئے عام اجازت ہے۔ دروازے کھلے ہوں، ہاں اگر دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو تو بند کیا جا سکتا ہے۔

اذان:۔

جمعہ کی اذان کے بارے فرمایا کہ ،جب آواز دی جائے تو نماز کے لئے دوڑو یعنی سستی نہ کرو۔ مسجد میں دوڑنا ،خلاف ادب ہے اور اللہ کے ذکر سے مراد نماز ہے۔امام کا خطبہ اور نصیحت ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں خطبہ سے قبل اذان دی جاتی اور نبی ﷺ خطبہ شروع فرمادیتے، درمیان میں ذرا وقفہ کرتے اور بیٹھ جاتے۔ خطبہ کے بعد نماز کی امامت فرماتے۔ یہی طریقہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آبادی بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک اذان پہلے دی جاتی تھی کہ لوگ تیاری کر لیں اور پہنچیں۔ دوسری اذان شروع خطبہ کے وقت دی جاتی۔

اذان کے بعد خرید وفروخت کرنا منع ہے اور مناسب پہلی اذان ہے تاکہ وقت مل سکے۔ جس دن جمعہ اور عید اکٹھی ہوں،اس کے بارے ایک دفعہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب عید ہوگئی تو نماز جمعہ بھی ہوگئی۔ لیکن فقہاء کی ترجیح یہ ہے کہ عید کے بعد جمعہ کی بھی نماز بمعہ خطبہ پڑھی جائے۔اس کا بھی ثبوت ہے (درالمختار)۔

رزق حلال:۔

جب نماز پڑھ لو تو رزق حلال تلاش کرنے کے لئے پھیل جاؤ۔ کوشش کرو،اس سے مقصد یہ ہے کہ ،جمعہ کا دن جہاں اجتماعی عبادت کا ہے،وہاں رزق کی تلاش کی کوشش کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔اس کے مقابل،یہود کے ہاں سبت کو کوئی رزق کمانے کا عمل کرنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ سارا دن عبادت کے لئے مخصوص ہونا چاہیے۔ ساتھ یہ بھی تلقین کر دی گئی کہ رزق کی جدوجہد کے ساتھ ،اللہ کی یاد بھی شامل رہے۔ بعض مفسرین نے ذکر سے اللہ کی عبادت، بعض نے علم کا حصول،(حضرت حسن بصری)۔ بیماروں کی عیادت،جنازوں میں شمولیت (حضرت ابن عباس) نے لی ہے۔ نوافل نماز پڑھی جائے (سعید بن المسیب)۔ یہ سارے امور نیکی اور بھلائی کے ہیں۔

63- سورۃالمنافقون

تعارف:۔

سورت المنافقون کا نام اس سورت کی پہلی آیت میں منافقون کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ یہ سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی، زمانہ نزول غزوۃ بنی المصطلق کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ کچھ محدثین کے نزدیک غزوہ تبوک کے موقع (زمانہ) میں نازل ہوئی۔ دونوں موقعوں پر منافقین کا کردار بڑا واضح ہو گیا۔

ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر تریسٹھ (63) ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ایک سو دو (102) ہے۔ اس میں گیارہ (11) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔

نبی ﷺ کے زمانہ جو کہ خیر القرون (بہترین زمانہ) ہے، اس میں منافقین کا وجود اور ان کا رویہ ایک طرف تو انسانی فطرت کے بارے بتاتا ہے کہ انسان کی حسد، تکبر، بغض کی وجہ سے کردار بدل جاتے ہیں اور یہ ہر زمانہ میں رہا ہے۔ جب بھی انسان کا وجود تھا یا رہے گا۔

مدینہ کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج تھے۔ دونوں میں رقابت رہتی تھی اور ان کے درمیان لڑائیاں رہیں، بالآخر دونوں قبائل نے فیصلہ کیا کہ اتحاد کر لیا جائے اور اس اتحاد کے نتیجہ میں دوسرے قبائل کو شامل کیا جائے اور مدینہ (یثرب) کا کوئی سربراہ بنایا جائے۔ سربراہی کے لئے عبداللہ بن ابی کے نام پر اتفاق ہوا جو قبیلہ خزرج کا سردار تھا۔ طویل القامت، جسیم اور خوبرو ہونے کے علاوہ، دولت مند اور اچھا مقرر بھی تھا۔ اس فیصلہ کی تنفیذ ہونا تھی۔ اسی دوران بیعت عقبہ ثانیہ میں بہت سارے (ستر کے قریب) افراد جو قبیلہ اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے مسلمان ہو گئے اور نبی ﷺ نے ان سے حفاظت اور اسلام پر بیعت لی، نیز اہل مکہ کی دشمنی کی وجہ سے یثرب (مدینہ) میں تبلیغ کا ارادہ کیا، جس کو انہوں نے بخوشی قبول کیا اور ہر طرح کی حفاظت اور تعاون کا یقین دلایا۔ یثرب (مدینہ) کی سماجی زندگی میں یہ نیا واقعہ تھا۔ اس کی اہمیت اس وقت واضح ہوئی، جب نبی ﷺ مدینہ ہجرت کر کے پہنچ گئے۔ کچھ صحابہ پہلے پہنچ چکے تھے۔ جب نبی ﷺ مدینہ پہنچے، تو لوگوں کی توجہ آپ ﷺ کی طرف مبذول ہو گئی اور عبداللہ بن ابی کی منفقہ سرداری کا منصوبہ تاخیر کا شکار ہو گیا۔ اسی دوران نبی ﷺ نے تمام قبائل یہود، غیر مسلم اور مسلمانوں جس میں اوس اور خزرج بھی شامل تھے، ایک معاہدہ کیا، جس کی رو سے کسی تنازعہ کی صورت میں فیصلہ نبی ﷺ کا ہو گا۔ جب یہ معاہدہ ہوا تو اس کے ذریعہ آپ ﷺ گویا مدینہ کے متفقہ سربراہ بن گئے اور عبداللہ بن ابی کا سارا منصوبہ ختم ہو گیا۔ روایات میں ہے کہ اس متفقہ سربراہی کے لئے عبداللہ بن ابی نے ایک سونے کا تاج بنا رکھا تھا۔ اس معاہدہ کے بعد

عبداللہ بن ابی، نبی ﷺ سے حسد کرنے لگا۔ کافی دیر کے بعد مسلمان ہوا اور پھر اندرون خانہ مسلمانوں کی مخالفت شروع کر دی اور ایک منافق گروپ بنالیا جو بظاہر تو مسلمان تھا لیکن اندر سے مخالف تھا۔

عبداللہ بن ابی نے کئی مرتبہ نفاق کا اظہار کیا، ایک دفعہ غزوۃ بدر سے پہلے آپ ﷺ حضرت سعید بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے جارہے تھے اور دراز گوش (گدھے) پر سوار تھے اور عبداللہ بن ابی کی مجلس کے پاس سے گذرے اور آپ ﷺ نے اسلام کے بارے بتایا۔ عبداللہ بن ابی اس وقت مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس نے کہا جو کچھ آپ ﷺ کہہ رہے ہیں، اگر حق ہے تو اس سے اچھی چیز کوئی نہیں ہے۔ اب آپ ہماری مجلس میں اذیت نہ دیں اور اپنے گھر چلے جائیں اور جو شخص آپ کے پاس آئے آپ اس کو وعظ کریں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: کیوں نہیں ! یارسول اللہ ﷺ ! آپ ہماری مجالس میں بیٹھیں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمان، مشرک (کافر) اور یہود ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور نبی کریم ﷺ انہیں ٹھنڈا کرتے رہے اور پھر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے سعد کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حبّاب (عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ اس کو معاف کر دیں اور اس سے درگذر کریں۔ آپ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ منصب عطا کیا ہے، وہ عطا کیا ہے۔ اس بستی کے لوگوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اسے بادشاہ بنادیں اور اس کو تاج پہنادیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس منصوبہ کو اس حق کے ذریعہ ختم کر دیا، جو اس نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ وہ اس پر بگڑ گیا اور آپ کے ساتھ جو واقعہ ہوا اسی کا نتیجہ ہے (متعدد کتب حدیث)۔

غزوۃ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی، اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر علیحدہ ہو گیا کیونکہ لڑائی کے لئے اس کی رائے کو قبول نہیں کیا گیا۔ اسی طرح غزوۃ بنو قینقاع، میں بھی منافقت کی اور یہود کو بھڑکایا۔ غزوۃ بنو المصطلق کے موقع پر بھی نبی ﷺ کے اہل خانہ پر تہمت لگائی۔

سورت کا موضوع منافقین کا کردار ہے، ان کی جھوٹی قسموں کا ذکر ہے۔ ان کے ظاہر اور باطن میں فرق کو دکھایا گیا ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے۔

منافقین کے مسلمانوں کے خلاف ارادوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دل سے نفرت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں کوشش، اللہ کی راہ میں جان و مال کی جدوجہد کی تلقین کی گئی تاکہ موت سے پہلے یہ نیک امور مکمل کر سکیں۔ اس میں تاخیر نہ کریں، تاخیر کا نتیجہ حسرت ہو سکتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾

جب (اے نبی) آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲﴾ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا، پس اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکا، بے شک یہ بہت برا کام کر رہے ہیں۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ ﴿۳﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے، پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا، پس ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی۔ سو وہ سمجھتے نہیں۔

وَ اِذَا رَاَیۡتَہُمۡ تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُہُمۡ ؕ وَ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِہِمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ ؕ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡہِمۡ ؕ ہُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡہُمۡ ؕ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ ۫ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۴﴾

جب تم انہیں (منافقین کو) دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے، گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں اور ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی دشمن ہیں سو تم ان سے خبردار رہو، اللہ انہیں ہلاک کرے کہاں بھٹکے جارہے ہیں۔

منافقت کے اسباب:۔

انسانی کردار میں محبت، بغض، حسد، نفرت، خود غرضی، ایثار موجود ہوتے ہیں۔ اور پھر ان خصوصیات کی بناء پر انسان کے اندر خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ اس موقع پر شیطان انسان کے دماغ میں جا کر منفی اور برے خیالات کو تقویت دیتا ہے، اسے بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے۔ اور پھر انسان غلط عمل کر دیتا ہے۔

منافق کے لفظ کا مادہ(اصل) نفق ہے۔ جس کا معنی سوراخ بنانا جو جنگلی چوہا بناتا ہے۔ایک طرف سے داخل ہوتا ہے دوسری طرف سے نکل جاتا ہے۔اصطلاحی معنی ہے ایک طریقہ سے اسلام میں داخل ہونا(زبان سے اقرار کر لینا)اور دوسرے طریقہ سے نکل جانا یعنی عمل نہ کرنا۔نفاق،دھوکہ اور سازش کی قسم سے ہے جو خیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں شر چھپی ہوتی ہے۔

منافق کی علامات:۔

منافقت اسلام میں بہت بڑا جرم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہوگا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی۔ حتٰی کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں (۱): جب وعدہ کرے تو عہد شکنی کرے۔ (۲): جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (۳): جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۴): جب لڑے تو بدکلامی (گالی گلوچ) کرے (بخاری و مسلم)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تین خصلتیں مذکور ہیں(۱)جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ (۲)جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے۔(۳)جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے (بخاری و مسلم)۔

مدینہ شریف میں عبداللہ بن ابی جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے متوقع مدینہ کا متفقہ سردار (بادشاہ) بننے والا تھا اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد اور اسلام کی تیزی سے پھیلنے کی وجہ سے نہ بن سکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت حسد شروع کر دی اور درپردہ لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اکساتا۔اس کے قبیلہ اور اس کے ہمنوا مشرک عرب اور یہودی بن گئے تھے۔جب کبھی اس کے بارے اطلاع ملتی تو وہ دو آدمیوں کو ساتھ لا کر قسمیں اُٹھانا شروع کر دیتا کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا یا کیا۔یہی قسم ان کے بچاؤ کا سبب بنتی تھی۔

ایک دفعہ ایک غزوۃ کے موقعہ پر عبداللہ بن ابی نے کہا: ان (مہاجرین مسلمان) لوگوں پر خرچ نہ کرو، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہیں۔ حتٰی کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں۔اور بھی باتیں کیں۔جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو اس سے پوچھا گیا۔اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ نہیں ایسا کچھ نہیں کہا۔اسی طرح دوسرے منافقین بھی اگر کوئی مخالف بات کہتے اور پتہ چلتی تو قسمیں کھا کر صفائی پیش کرتے۔اگر کوئی آدمی اپنی صفائی قسم کے ذریعہ پیش کر دیتا ہے اور اس کے مخالف گواہ موجود نہیں ہوتے، تو قسم کو اور ظاہری حالات (عدم گواہ) کی وجہ سے قبول کرنا پڑتا ہے، کیونکہ فیصلے ظاہری شواہد پر کئے جاتے ہیں۔

جب نبی ﷺ تبلیغ کر رہے ہوتے تو عبداللہ بن ابی لوگوں سے کہتا کہ آپ ﷺ سچ کہہ رہے ہیں۔ وہ غور سے سنیں اور خود نکل جاتا۔ سامنے کہتا اور دوسرے منافق بھی احترام اور رسول اللہ کہتے۔ لیکن علیحدگی میں، یہود اور آپس میں مخالف باتیں کرتے اور لوگوں کو نبی ﷺ کی محفل میں بیٹھنے سے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے۔

منافق شخص کا دل خوف سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ڈرپوک ہوتا ہے اور کھل کر اپنی رائے نہیں دیتا۔ اسی وجہ سے قسموں کو ڈھال بناتا ہے۔ ڈر کی وجہ سے مومنوں کی کھل کر مخالفت نہیں کرتے تھے، بلکہ چپکے چپکے آپس میں خفیہ سازش کرتے تھے۔

منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ یہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا۔ اس کے ساتھ اس کے ہمنوا، مغیث بن قیس، جد بن قیس، عبداللہ بن قتیل، رفاعہ بن زید وغیرہ تھے۔ یہ لوگ بڑے دراز (طویل) قد، خوبصورت چہرے، بھرے جسم اور خوش گفتار تھے۔ لوگوں کے ساتھ اچھے انداز میں گفتگو کرتے۔ نبی ﷺ کی گفتگو سے دور رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو لکڑی کے شہتیر سے تشبیہ دی ہے جو دیوار کے ساتھ کھڑے کر دیئے ہیں۔ اس تشبیہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کارآمد نہیں بلکہ بے کار کھڑے ہیں (نہ ستون کا اور نہ ہی چھت کا حصہ ہیں)۔

خوف ان کے کردار کا حصہ ہوتا ہے۔ وہ خود ساز شی ذہن اور انداز رکھتے ہیں۔ اس لئے ہر وقت بلند آواز سے ان کو مخالفت یا ان کے نفاق کا پول کھلنے کا خوف رہتا ہے اور اسے اپنی مخالفت سمجھتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ خالص مسلمانوں (مومنوں) کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خود دھوکہ کھا رہے ہیں۔ جس عمل کو وہ اپنی چالاکی یا کامیابی سمجھ رہے ہیں وہ ان کی ناکامی ہے کیونکہ نہ وہ اِدھر کے ہیں نہ اُدھر کے ہیں۔ ان کے اس رویہ کی وجہ سے گمراہی ان کا نصیب بن گئی ہے۔ اسی میں وہ سزا پائیں گے اور حق کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی گمراہی میں بھٹکتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کا دشمن ظاہر کر دیا جو کہ ان کا اصلی کردار تھا۔ ان آیات کے نزول کے بعد عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمنواؤں کو مومنوں کی جانب سے سخت رویہ کا اظہار کیا گیا۔ ان کے کردار کی وجہ سے ان کو حقیقی دشمن کہا گیا ہے کیونکہ وہ آستین کے سانپ تھے اور داخلی معلومات اور ان پر بھروسہ کی وجہ سے، سخت نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اس لئے ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

جدید تاریخ میں استعمار (یورپی طاقتوں) نے مسلمان حکومتوں کے اندر منافق پیدا کئے، جنہوں نے ان کے ساتھ مل کر مسلمان حکومتوں یا حکمرانوں کو تباہ کیا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی، میسور، بنگال اور وسطی ہند کی لڑائیاں اس سے بھری پڑی ہیں۔

ع جعفر از بنگال صادق از دکن ننگ دین، ننگ ملت، ننگ وطن

اور یہی حال ترکوں (خلافت عثمانیہ) کا بھی ہوا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵

اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ، رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ (نفی میں) اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر سے رک جاتے ہیں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶

ان کے حق میں برابر ہے آپ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں، اللہ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا، بے شک اللہ نافرمان (فاسق) قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷

وہ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان پر خرچ نہ کرو، جو رسول اللہ کے ساتھ (پاس) ہیں، یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں۔ لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸

وہ (منافق) کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا، ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا، حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور ایمان والوں کے لئے ہے۔ لیکن منافق نہیں جانتے۔

موقع (شان) نزول: روایات کے مطابق اس کا شان (موقع نزول) غزوۃ بنی المصطلق ہے۔ حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوۃ میں گئے۔ ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی (عرب) لوگ تھے۔ ہم پانی لینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، دیہاتی (بدو مسلمان) ہم پر سبقت کر رہے تھے۔ ایک اعرابی اپنے ساتھیوں سے پہلے پانی کے مقام پر پہنچ گیا، اس نے حوض کو بھر دیا اور اس کے گرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر چمڑا بچھا دیا، پھر اس کے ساتھی آ گئے۔ انصار میں سے ایک آدمی اس دیہاتی (بدو) کے پاس آیا۔ اس نے اپنی اونٹنی کو پانی پلانے کے لئے اس کی لگام ڈھیلی کی، لیکن دیہاتی (بدو) نے قبضہ چھوڑنے سے انکار کیا، انصاری نے

پانی کے پاس سے رکاوٹیں ہٹادیں، اس دیہاتی نے لکڑی اٹھا کر اس انصاری کے سر پر ماری اور اس کا سر زخمی کر دیا۔ اس نے مدد کے لئے انصار کو پکارا اور ادھر دیہاتی نے مہاجرین کو پکارا۔ جب نبی ﷺ کو پتہ چلا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جاہلیت کی رسم ختم کرو (یعنی اپنے اختلافات میں قبیلوں کو بلاؤ اور قبائلی عصبیت کا اظہار کرنے کو، بلکہ مسلمانوں کو بلاؤ اور انصاف کرو) بات ختم ہو گئی۔ اس انصاری نے عبداللہ بن ابی سے واقعہ کا ذکر کیا۔ عبداللہ بن ابی اس پر غضبناک ہوا اور اس نے کہا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں، ان پر اس وقت تک خرچ نہ کرو، جب تک وہ ان کے پاس سے منتشر نہ ہو جائیں۔ یعنی وہ دیہاتی (بدو) جو کھانے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے کہا، جب یہ لوگ ان (نبی ﷺ) کے پاس سے اُٹھ جائیں، اس وقت ان کے پاس کھانا لانا، تاکہ وہ اور ان کے اصحاب کھانا کھائیں۔ پھر عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: اب اگر ہم مدینہ گئے تو تم میں سے عزت والے لوگ (منافق) ذلت والے لوگ (بدو/مسلمان مہاجرین) کو وہاں سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں سواری پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا تھا، میں نے یہ بات سن لی اور پھر اپنے چچا کو بتادی، انہوں نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو بتادی، رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلوایا، اس نے قسم کھا کر یہ بات، کہنے کا انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تصدیق کی اور میری بات کی تکذیب کر دی۔ پھر میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا: میرا ارادہ یہ نہیں تھا، کہ رسول اللہ ﷺ تم پر ناراض ہوں۔ آپ اور مسلمان تمہاری بات کو غلط جانیں (تکذیب کریں)۔ اس سے مجھے اتنا رنج ہو کہ اس سے پہلے کبھی اتنا رنج نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے درخواست کی یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کی گردن اڑادوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، کہیں یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں۔ پھر یہ سورت (آیات) نازل ہوئیں۔ پھر صبح نبی ﷺ نے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کو بلایا ان کے کان کو ملا اور مسکرائے (تصدیق کی) اور آیات تلاوت فرمائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں نے کہا مبارک ہو۔

عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی تھے۔ جب ان کو اس واقعہ کا پتہ چلا، تو جب لوگ مدینہ شریف میں داخل ہونے لگے، تو انہوں نے اپنے والد کو روک لیا اور کہا: اللہ کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم یہ اقرار نہ کر لو کہ تم ذلت والے ہو اور رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں۔ عبداللہ بن ابی نے اس پر شور کیا کہ لوگو! دیکھو میرا بیٹا مجھے گھر جانے سے روک رہا ہے۔ نبی ﷺ کو جب پتہ چلا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ اس طرح نہ روکا جائے۔ (اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر آپ ﷺ کی عزت و عظمت کو عبداللہ بن ابی کے گھر سے ثابت کر دیا)۔ (بخاری/مسلم/ترمذی۔ مصنف عبدالرزاق،

صحیح ابن حبان)۔

ان واقعات اور سورت کے نزول کے بعد، عبداللہ بن ابی اور اس کے دوسرے خاص ساتھی بری طرح ظاہر ہو گئے۔ صحابہ کرام اور اس کے قبیلے کے افراد جو مومن تھے، انہوں نے اس پر بڑا دباؤ ڈالا کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لے اور معافی مانگے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ یہ کہا کہ تمہارے کہنے پر ایمان لے آیا ہوں۔ زکوٰۃ دیتا ہوں اور اب تم چاہتے ہو کہ میں ان کو سجدہ کروں (جامع احکام القرآن)۔ اس اکڑ کی اسے سزا ملے گی اور وہ آپ ﷺ کے استغفار کی برکت سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی نیت کی وجہ سے ان کو بخشنے سے انکار کر دیا ہے اور نبی ﷺ کو بھی منع فرما دیا کہ ان کی مغفرت نہ کریں۔ اس واقعہ کے تقریباً دو سال بعد عبداللہ بن ابی کی وفات پا گیا اور اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تھی۔ جسے آپ ﷺ نے اپنی رحمت اللعالمین ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے قبول کر لیا تھا۔

آیات میں چند امور کو واضح کیا گیا ہے۔

(۱): انسانوں کی دولت اور مال کی کوئی حیثیت نہیں۔ اصل رزق کی فروانی اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ وہی رزق بڑھانے والا اور گھٹانے والا ہے۔ انسانی استعداد تو بہت کم ہے دولت کا تکبر غلط ہے۔

(۲): عزت اور ذلت، انسان کے اپنے تصور سے صحیح نہیں، بلکہ عزت اور ذلت دینے والی بھی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جو لوگ نیک کام کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ عزت دیتے ہیں اور جو لوگ دوسروں پر خرچ کرتے ہیں ان کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو عزت والا سمجھنا صحیح نہیں۔ عزت والا وہ ہے جسے سب عزت و احترام دیں۔ زمین و آسمان کے خزانے اللہ کے پاس ہیں۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت حاتم الاصم سے پوچھا؛ آپ کہاں سے کھاتے ہیں (روزی دینے والا کون ہے)۔ جواب دیا؛ اللہ کے لئے زمین و آسمان کے سارے خزانے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا؛ آسمان کے خزانے سے مراد غیوب (غیب کے امور) اور زمین کے خزانوں سے مراد انسانی قلوب ہیں۔ حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ کے پاس زمین اور آسمان کے خزانے ہیں تو کسی کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ صوفیاء کے توکل کا اظہار ہے۔

بہت کم لوگ ان حقائق کو جانتے ہیں۔ بالخصوص منافق ان تمام باتوں سے محروم ہیں اور اپنی گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کا انجام جہنم میں سزا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد، تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا وہی (لوگ) نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور خرچ کرو، اس میں سے جو ہم (اللہ) نے تمہیں رزق دیا ہے، اس سے پہلے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے! اے میرے رب تو نے مجھے کچھ اور دنوں کی مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا۔

وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جب کسی شخص پر مقررہ وقت موت آجاتی ہے تو اللہ اس کی روح (قبض کرنے) کو ہر گز مؤخر نہیں کرتا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

منافقین اپنی دولت اور اسے دوسروں پر خرچ کرنے کو روک لینے کے لئے کہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں (مومنوں) کو ہدایت فرمائی کہ دنیا کے اموال واولاد زندگی کا حصہ ہیں۔ اللہ کی نعمت ہیں لیکن ان میں آدمی اس قدر گم نہ ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے اور اگر ایسا ہو گیا تو انسان خسارہ میں چلا گیا یعنی اس کی زندگی کا انجام یا نتیجہ قیامت کے دن اس کے نقصان میں ہو گا۔

فرائض کی ادائیگی میں تاخیر کیوں؟:۔

ذکر سے مراد علماء نے نماز اور زکوٰۃ لی ہے کیونکہ دونوں ایسے فرائض میں جو عموماً ہر وقت ہوتے ہیں، نماز ہر روز ہے اور زکوٰۃ جب آدمی کے پاس نصاب کے برابر یا زائد مال ہو اس وقت فرض ہو جاتی ہے۔ چونکہ زکوٰۃ سالانہ ہے اس لئے اس کو فوری ادا کرنا چاہیے۔ حج بھی فرض ہے۔ روزے بھی فرض ہیں۔ روزے ہر سال آتے ہیں، اس لئے ان کو بھی فوری رکھنا چاہیے ورنہ اگلی دفعہ پھر فرض ہوں گے۔ حج زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے، اگر انسان کے پاس سفر حج کے اخراجات اور اس کے تحت ذمہ دار افراد کے لئے خرچ موجود ہے، تو حج فرض ہو گیا۔ اس کی جتنی جلد ادائیگی کی جائے اتنا بہتر ہے، لیکن اس کی قضا نہیں کیونکہ کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ غریب اور مساکین پر بھی خرچ کرنے کو بہت ضروری قرار دیا ہے جو معاشی اور معاشرتی عدل کے لیے ضروری ہے۔ مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے واجبات سے ہے۔

نیک کاموں کی ادائیگی میں تاخیر کے نقصانات سے آگاہ کیا ہے کہ زندگی کب ختم ہو گی کسی کو پتہ نہیں۔ اس

لئے حفاظتی (بچاؤ) کے نقطہ نظر سے جس قدر فرائض جلد پورے ہو جائیں اتنا ہی بہتر ہے۔ اگر فرائض اور واجبات رہ گئے، تو قیامت کو حسرت رہ جائے گی کہ کاش ادا کر دیئے جاتے اور آج شرمندگی اور پریشانی نہیں ہوتی۔ اعلیٰ درجات صدقات اور اضافی اعمال سے ملتے ہیں۔

سورت کی ابتداء میں منافقین کا ذکر تھا، ان سے بچنے کے لئے ہدایات دی گئیں کہ وہ آستین کے سانپ ہیں۔ اسی طرح آخر میں مومنوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا کے اموال واولاد کے فرائض پورے کریں اور حقوق اللہ کو بھی پورا کریں۔ کہیں دنیا کی محبت میں ان کو نہ بھول جائیں اور آخرت میں حسرت نہ کرتے رہ جائیں۔

الحمدللہ سورۃالمنافقون مکمل ہوئی اللہ تعالیٰ ساری تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

64- سورۃ التغابن

تعارف:۔

سورت التغابن کا نام اس سورت میں التغابن لفظ کی وجہ سے ہے جو کہ سورت کی آیت نمبر نو (9) میں مذکور ہے۔ اس میں قیامت کے دن ان کے اعمال کی وجہ سے جو کمی ہو گی، اس کو التغابن سمجھتے ہوئے قیامت کے دن کو یوم التغابن کہا گیا ہے۔

اس سورت کا مضامین کے لحاظ سے سورت المنافقون سے بھی ربط ہے۔ دونوں سورتوں میں مال اور اولاد کی خواہشات کی پیروی، جو اسلام کے فرائض اور واجبات یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل کر دے، سے بچنے کی تلقین ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں جد وجہد کرنے یعنی جان ومال کے ذریعے ثابت کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱) سورت الحشر: 59۔ (۲): سورت الصف: 61۔ (۳) سورت الجمعہ: 62۔ (۴) اور سورت التغابن: 64، ان چاروں کی ابتداء سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ کے لفظ کی کی گئی ہے کہ زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں، موجودات، اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور کرتی رہیں گی۔ یعنی ، ماضی، حال اور مستقبل کو شامل ہے۔ ان کو المسبحات کہتے ہیں۔ یہ آیات انسان کے غور وفکر کے لئے بہت ضروری اور اہم ہیں، تاکہ وجود باری تعالیٰ کا یقین کامل ہو جائے۔

سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے اس کا نمبر ایک سو سات (107) اور ترتیب مصحب کے لحاظ سے اس کا نمبر چونسٹھ (64) ہے۔ یہ سورت الجمعہ کے بعد اور سورت الصف سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان کا ذکر ہے اور کائنات کے نظام کا حسن، اعلیٰ نظم و ضبط، ڈیزائن کی مناسبت اور کارکردگی کو بطور دلیل بتایا گیا ہے۔

انسانوں کے انکار کی وجہ، کفر کی پیروی اور اقرار کی وجہ، اسلام کی پیروی، کا ذکر ہے کہ دونوں طرف انسان بٹے ہوئے ہیں۔ پچھلے واقعات، بالخصوص امتوں کی گمراہی اور ان پر عذاب کا ذکر ہے۔

اللہ دلوں کے حال جاننے والا ہے اور مخلوق سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔

اسی کے لئے بادشاہی اور اس کے لئے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۲ وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ہے، پس بعض تم میں سے مومن ہیں اور بعض تم میں سے کافر ہیں اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝۳ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں۔ تو بہت حسین صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو (بھی) خوب جاننے والا ہے۔

نظام کائنات:۔

آیات مبارکہ ،ایک اہم سائنسی و علمی دلائل مہیا کر رہی ہے۔کائنات کی تسبیح کے بارے کئی دفعہ ذکر ہو چکا ہے۔ ہر مخلوق کا انداز اس کے جسم و ہیت، کردار و عمل کے مطابق ہے، وہ اپنے خالق کے متعین کردہ حکم پر عمل کر کے تسبیح کر رہی ہے۔انسان صرف آواز کی لہروں کو ایک حد کے اندر ہونے پر سن سکتا ہے۔اس کے اوپر یا نیچے اگر ہوں تو نہیں سن سکتا، بلکہ حیوانات اس سے زیادہ بہتر سن سکتے ہیں۔اسی طرح درخت بھی آواز سن سکتے ہیں۔پتھروں سے بھی لہریں یا سگنل نکلتے ہیں، جن کو خاص آلات کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ریڈیو، لیزر، پانی کے ذریعہ الٹراساؤنڈ، مقناطیس، انفراریڈ، بہت زیادہ اقسام ہیں۔ یہ سارے امور کائنات میں موجود ہیں۔زمین و کائنات کی اربوں کی تعداد میں موجودات کو پیدا کرنے والا اور کنٹرول کرنے والا، کتنی طاقت و قوت رکھتا ہے۔اس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ساری بادشاہی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت و کنٹرول رکھتا ہے۔ پھر یہ سارا نظام حق پر قائم ہے۔ حق سے مراد اس نظام کا متناسب، قائم اور خود کار ہونا ہے۔

ایک ذرے سے کہکشاؤں تک، ایک وائرس سے پہاڑ تک، ایک قطرہ پانی سے سمندر تک ،وجود اور ان کا طریقہ کار و نظام حیات، اس قدر منظم اور خوبصورت ہے کہ کہیں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ یہ سارا نظام حق پر ہے۔یعنی

جس طرح اس کو ہونا چاہیے اسی طرح ہے اور اپنے خالق کی عظمت دکھا رہا ہے۔

اس نظام کا ہر حصہ، اس کے خالق کے سامنے ہے۔ اس کے ہر عمل اور جزو کو وہ جانتا ہے۔ اس کی کارکردگی، اس کی ضرورت، اس کی صلاحیت اس کے سامنے ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ حیوانات کو پیدا کیا۔ پرندوں، حشرات، نباتات، جمادات اور پرندے سب اس کی پیداوار ہیں۔ ہر ایک کا ڈیزائن، جسامت، شکل اس کی ضرورت اور اس کی طاقت واہلیت کے مطابق ہے۔ کوئی کمی یا خامی نہیں اور اتنی بڑی طاقت اور علم رکھنے والے میں کیا کوئی کمی ہو سکتی ہے۔ یہ سوچنا بھی غلط ہے۔ وہ ذات مکمل واحد و یکتا ہے۔

انسانی صورت کو دیکھیں، چہرہ، آنکھیں، کان، ناک، منہ، ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، بازو، پٹھے، انسان کے جسم کے کئی نظام ہیں، جو جسم کو قائم رکھتے ہیں۔ یہ سب اس ذات کی حکمت و قوت، علم کا کمال ہے۔ اس کے علم کی یہ قوت ہے کہ انسان کے دلوں کے حال یعنی خیالات کو بھی جانتا ہے۔ جس کا ظاہری وجود نہیں ہوتا۔ عمل کا وجود تو نظر آتا ہے۔ کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ انسان یہ تصور کرتا ہے کہ اگر اسے کوئی دیکھ نہیں رہا، تو اس کا عمل چھپا ہوا ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔

یہ سارے امور کیوں ہیں۔ محض کھلونا یا کھیل نہیں۔ یہ کئی دفعہ بتایا گیا ہے کہ انسان اور جنوں کو عقل سے نوازا۔ قوت دی اور اختیار دیا اور اختیار استعمال کرنے کی قوت دی۔ اب اس اختیار کے ذریعہ انسان کیا کرتا ہے۔ اس کا ذکر کیا ہے کہ انسانوں میں کچھ، کافر یعنی اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے اور کچھ اللہ کے احکام کو ماننے والے ہیں۔ یہ کیفیت یا حالت اس زمانہ کو بھی ظاہر کرتی ہے اور یہ بطور انسان کے ساری زندگی جو زمین پر ہو گی اس کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ یہ امور اللہ کے نظام کا حصہ ہیں۔

احکام کو ماننے والے اور انکار کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے وہ اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا پائیں گے اور جو پیدا کرنے والا اور کنٹرول کرنے والا ہے، اس کے لئے یہ حساب و کتاب لینا، دوبارہ زندگی دینا کوئی مشکل نہیں۔ جب بھی اس کی طرف واپسی (پلٹنا) ہو گا، جس سے مراد قیامت میں حشر و نشر اور حساب و کتاب ہے، تو انسان کی دنیا میں، اعلیٰ صورت اور اختیارات کی قوت، پھر اس کے دنیا میں اعمال اور پھر آخرت میں واپسی پر، حساب و کتاب سارے امور ایک نظام کا حصہ ہیں۔ جو نافرمانی کی طرف جا رہے ہیں۔ ان کے لئے وارننگ ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا اور پھر اپنی شامت اعمال چکھ لیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَ

تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ یہ (عذاب) کہ بے شک ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آتے رہے، مگر انہوں نے کہا: کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے، پس انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ نے (ان سے) بے پرواہی کر لی، اللہ غنی (بے پرواہ) بہت بلند تعریف والا ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ کافروں (انکار کرنے والوں) نے دعویٰ کیا کہ وہ (قبروں سے) ہر گز نہیں اُٹھائے جائیں گے۔ (اے نبی) کہہ دیجئے؛ کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور اُٹھایا جائے گا۔ پھر تم نے جو عمل کئے ہیں وہ تمہیں ضرور بتائے جائیں گے اور یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔

آیات مبارکہ، انسان کی ذمہ داری اور اس کے نتیجہ کے بارے ہیں۔ سارا نظام کائنات جو اس قدر منظم، مضبوط اور پیچیدہ ہے، اس کا مقصد انسان کو زمین پر اختیار اور امتیاز دینا ہے۔ پھر انسان اور جنوں کو اختیار دے کر آزمایا گیا۔ اس دنیا میں آزادی دی اور ہر انسان کو اس کے اعمال کی جزا نہیں مل سکتی، کیوں کہ اس کے اختیار کا امتحان ہوتا ہے۔ پھر جب لوگ اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے، رسولوں کو امتیازی نشانیاں اور معجزے دیئے جاتے ہیں تاکہ لوگ ان پر یقین کر سکیں۔ انسان محض تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کرتے ہیں۔ جب انکار آخری حد کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت منہ موڑ لیتی ہے، عذاب الٰہی، سزا کی صورت میں نافذ ہو کر ختم کر دیتا ہے۔ یہ تمام امتوں کے ساتھ ہوتا رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت کی آمد ایک کتاب کی صورت تھی۔ اس کا وجود، نبی کے بعد موجود رہا، اس لئے مکمل تباہی کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے ختم فرما دیا اور پھر عذاب کے لئے مکمل تباہی کے بجائے دوسری صورت نافذ کی گئی۔ دوسری قوم آکر اس قوم کو تباہ و برباد کر دیتی یا داخلی فساد ختم کر دیتا۔ یہی یہود اور عیسائیوں میں ہوتا رہا۔

اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات میں، ایک دفعہ زندگی کے بعد، مرنے والے اجسام دوبارہ اس دنیا میں زندہ نہیں ہوں گے، بلکہ قیامت کے بعد زندہ ہوں گے۔ سائنس انسانوں کو عملی طور پر دوبارہ زندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھتی۔ اس لئے اس سے انکار کرتی ہے۔ لیکن زندگی کے دوبارہ آنے کے امکان کا رد نہیں کیا جا سکتا۔ جب ایک عدم سے انسان کا وجود آتا ہے، تو پھر ایک بڑا انسان جو طویل اور وزنی ہوتا ہے دوبارہ اس کے اجزاء کیوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، جب کہ مادہ ختم نہیں ہوتا۔ صرف شکلیں بدلتا ہے۔

آیت میں موت کے بعد زندگی اور حساب و کتاب کی دوبارہ تاکید کی جارہی ہے۔ کیونکہ کفار مکہ اس سے منکر تھے۔ اللہ کے وجود کے بارے، تو ایمان تھا لیکن دوبارہ زندگی پر نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے قسم اُٹھا کر اس کی تصدیق کی، نبی ﷺ کی صداقت قریش مکہ پر ثابت تھی۔ ان کو اور ہر پڑھنے والے انسان کو اس کی خبر دی جارہی ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ، جس نے ساری کائنات بنائی، انسان اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا، اس کے لئے دوبارہ زندگی دینا اور حساب و کتاب کرنا بہت آسان ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ وہ اعمال کا حساب دے کر نجاعت حاصل کرے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۸

پس ایمان لاؤ، اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور (روشنی) پر جو ہم نے نازل کی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۹ جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا، وہ دن، ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا ہوگا، جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا اور اسے ایسی جنتوں (باغوں/محلات) میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝۱۰ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ دوزخی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔

قیامت کا موضوع جاری ہے۔ جب اللہ کی قدرت میں انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا اور حساب و کتاب لینا کوئی مشکل نہیں تو اس حساب و کتاب میں کامیابی کے لئے واحد راستہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل ہے اور وہ اللہ پر ایمان، اس کے رسول بالخصوص نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، اس پر ایمان اور عمل ضروری ہے۔ قرآن مجید ایک نور، روشنی ہے جس سے انسان زندگی کی تاریکیوں سے نکل سکتا ہے اور اس کی روشنی اور نور میں کامیابی کی راہ پا سکتا ہے۔ اللہ کی ذات علیم و خبیر ہے اور اپنے نظام معلومات سے انسان کے ہر خیال و عمل و خیال سے آگاہ ہے۔

حساب و کتاب کا انداز:۔

قیامت کے دن کو یوم التغابن کہا ہے۔ تغابن کا مادہ غبن ہے۔ جس کا معنی کمی کرنا، بھول جانا، دھوکہ کرنا۔ یہ عام طور پر معاملات اور تجارت میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ قیامت کے دن کا نام ایک خاص معنی اور مقصد کو ظاہر کرتا ہے کہ لوگ دنیا میں دوسروں کو اگر تجارت میں دھوکہ دے رہے ہیں، دین میں بھول رہے ہیں تو وہ دوسروں کے بجائے خود کو دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ قیامت کے بعد حساب و کتاب میں ہر عمل کا حساب کا انداز بڑا دقیق ہو گا۔ ہر عمل کے کتنے ہزاروں یا لاکھوں پوائنٹ ہوں گے اور اس کی قیمت یا عمل کا معاوضہ بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہو گا۔ نیت سے لے کر آخر عمل اور پھر اس کے بعد کے اثرات تک کو احاطہ کیا جائے گا۔ ہم بحیثیت انسان اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ ایک مثال ہے کہ ایک معمولی تصویر کتنے لاکھوں نقاط سے مل کر بنتی ہے جس کو پکسل کے ذریعہ پیمائش کرتے ہیں۔ اس تصویر میں اگر چند ہزار نقاط ٹیڑھے یا غائب ہو جائیں تو تصویر کی کوالٹی میں فرق آجاتا ہے۔

یوم تغابن:۔

یہ دن بڑا اہم ہے۔ عقیدہ قیامت، حساب و کتاب، انسان کے دنیا میں صحیح اعمال کرنے کا بڑا محرک ہے، اس لئے قرآن مجید اور نبی ﷺ نے اس کا بار بار ذکر کیا ہے۔ قیامت کے دن صحیح غبن یا تغابن کا پتہ چلے گا۔ کون اور کس نے کس کے ساتھ غبن کیا اور کون خسارہ میں رہا۔ اہل جنت کو اپنا مقام اور جو اعمال میں کمی رہ گئی پتہ چل جائے گی اور اہل جہنم کو بھی ان کے اعمال کا نتیجہ اور کہاں انہوں نے دھوکہ نہیں دیا بلکہ خود دھوکہ کھایا، بڑا واضح ہو جائے گا۔

ظالم اور مظلوم، نیک و بد، سب اپنے اعمال میں کمی و بیشی کو دیکھ لیں گے۔ حقوق العباد کی اسی وجہ سے اہمیت ہے کہ دنیا کے اندر ہی حقوق ادا کر دیئے جائیں۔ متاثرہ شخص سے معافی حاصل کر لی جائے، ورنہ قیامت میں کچھ نہیں بچے گا۔ اس کی تشریح ایک حدیث مبارک میں کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے پوچھا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، ہم میں سے مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس مال و متاع کچھ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ، اور زکوٰۃ ادا کر کے حاضر ہو گا، مگر اس حال میں آیا ہو، کہ کسی کو اس نے گالی دی، اور کسی پر بہتان لگایا اور کسی کا مال حرام کھایا (غبن) اور کسی کا خون بہایا تھا اور کسی کو مارا پیٹا تھا۔ پھر ان سب مظلوموں میں سے ہر ایک پر اس کی نیکیاں لے لے کر بانٹ دی گئیں اور جب نیکیوں سے کچھ نہیں بچا، جس سے اس کا بدلہ چکایا جا سکے، تو ان سے ہر ایک کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے گئے اور وہ شخص دوزخ میں پھینک دیا گیا۔ (مسلم/مسند احمد)۔

غبن لفظ تجارت کے معاملات کو ظاہر کرتا ہے اور قرآن مجید نے بھی نیک اعمال یا برے اعمال جو انسان دنیا میں اختیار کرتے ہیں، اسے بھی ایک تجارت سے تشبیہ دی ہے کہ اس میں خسارہ ہو گا یا منافع ہو گا۔ عذاب خریدے گا یا

نجاعت خریدے گا۔ قیامت کے دن اس زندگی کے دوران سود و زیاں کا زیادہ واضح نتیجہ نظر آئے گا۔

دنیا کی زندگی میں ''کنند ہم جنس باہم جنس پرواز'' یعنی ایک جیسے لوگ ایک جیسے کام کرتے ہیں کہ مصداق آپس میں چور، ڈاکو، فسق و فجور کرنے والے ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کو ان کی حقیقت یوم تغابن (قیامت کے دن) صحیح نظر آئے گی اور اس دنیا کی دوستی پر ایک دوسرے کو لعنت ملامت کریں گے۔

نیک کام کرنے والوں کے انجام، جنت میں ان کی رہائش کی جھلک بتائی گئی ہے کہ محلات جن میں نہریں (چشمے)، باغ، پھل، اور اعلیٰ فرنیچر ہوں گے اور برے اعمال کرنے والے جہنم کی آگ میں پیپ، کھولتا ہوا پانی اور جلتی ہوئی کھال کے ساتھ رہ رہے ہوں گے۔ (اللہ پاک ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین) یہ جنت و دوزخ کی زندگی دائمی ہو گی۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۲﴾ اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم منہ پھیرتے ہو تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کھول پہنچا دینا ہے۔

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾ اللہ (برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور مومنین کو اللہ پر پورا بھروسہ کرنا چاہیے۔

قیامت کا ذکر اور معاملات (اعمال) کے نتائج کے بعد دنیا میں زندگی کے بارے احکامات ہیں۔ زندگی میں آرام اور تکلیف کا ساتھ ہے۔ بہار ہے خزاں بھی ہے۔ صحت اور بیماری، تنگدستی اور خوشحالی یہ سارے امور انسان کی زندگی کا حصہ ہیں۔ جو لوگ ایک خالق اور اس کی قدرت پر یقین نہیں رکھتے وہ دنیاوی اسباب کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور ان کے ارد گرد ہی اپنا حل ڈھونڈتے ہیں۔ چونکہ ایک بڑی قوت والی ذات پر یقین نہیں ہوتا، اس لئے وہ افراد جن کو طاقت حاصلہ ہو ان پر بھروسہ کرتے ہیں اور جب حالات شدید ہو جاتے ہیں تو ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور وہ کام کر گزرتے ہیں جہاں ان کو نجاعت کی امید ہو۔ خواہ کتنا ہی غلط ہو۔

کائنات کے خالق کا اپنی کائنات پر کنٹرول ہے۔ جو اللہ پر یقین اس کی قدرت پر ایمان رکھتے، اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، ان کو بھی مصائب اور آرام پہنچتے ہیں، کیونکہ اللہ کے نظام اور انسان کے اختیار کے امتحان ہوتے ہیں۔ مومن ان امتحان سے نہیں ٹوٹتا وہ اپنی جدوجہد جاری رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ یہ اسباب کی دنیا ہے اور اسباب کا پیدا

کرنے والی ہی بڑی طاقت ہے۔ اس پر بھروسہ کرتا ہے۔ یہی وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور مصائب و آلام کے بعد نوید راحت ہے۔ ایک حدیث مبارکہ مومن کے مقام اور اللہ سے اس کے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی شان بھی کیا عجیب ہے کہ ہر حال میں وہ کامیاب ہے۔ جب اسے تکلیف ملتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور اس کے صبر پر اللہ تعالیٰ اسے اجر دیتے ہیں اور جب اسے نعمت ملتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور شکر کی بناء اللہ تعالیٰ اس پر مزید عنایت کرتے ہیں۔ (بخاری)۔ مومن جانتا ہے کہ عبادت کے لائق وہی ذات ہے اور وہ صرف اسی کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے۔ بھروسہ کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب استعمال نہیں کرتا یا جدوجہد چھوڑ دیتا ہے۔ توکل کا یہ مطلب ہے، خنجر تیز رکھ اپنا۔ بلکہ ان کو استعمال کر کے نتیجہ کے لئے ذات باری کے فضل و کرم کا منتظر رہتا ہے۔

مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ کامیابی کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر عمل کریں۔ قریش مکہ کو بھی ہدایت ہے۔ اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول، قرآن کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتا تو وہ اپنا نقصان کر رہا ہے۔ انبیاء و رسل کا فرض تو پیغام الٰہی کو وضاحت کے ساتھ لوگوں تک پہنچانا ہے۔ آگے عمل کرنا، ماننا، انکار کرنا، انسان کا اپنا اختیار ہے۔ یہ تعلیمات ان تمام انسانوں کے لئے ہیں جو ہدایت کے متلاشی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے مخالف (دشمن) ہیں۔ ان سے ہوشیار رہو (بچو) اور اگر تم عفو اور درگذر سے کام لو تو اللہ بہت بخشنے والا اور رحم والا ہے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اپنی قوت کے مطابق اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت کرو اور اپنے مال خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ جو اپنے دل کی تنگی (نفس کے لالچ) سے محفوظ رہ گئے۔ بس وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا، اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ حاضر اور غائب ہر چیز کو جانتا ہے بڑا زبردست (قوت والا) اور بڑا دانا ہے۔

اسلام کی ابتدائی (مکہ / مدینہ) کے دنوں میں مسلمانوں کے رشتہ دار غیر مسلم تھے۔ کہیں والدین اور کہیں بیوی اور بچے غیر مسلم ہوتے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پریشانی رہتی۔ اس کے لئے فرمایا کہ یہ آزمائش ہیں، تمہارے لئے یہ مخالف ہیں وہ تمہیں اسلام سے دور لے جا سکتے ہیں۔ احکام الٰہی کی اطاعت میں روڑے اٹکانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا ہے۔ یعنی اولاد، والدین کے حقوق اپنی جگہ ہیں لیکن دین کے مقابل سب کم ہیں۔ انہیں دین اور اطاعت الٰہی پر ترجیح نہیں دینی چاہیے۔

عمومی زندگی میں بھی یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ میاں، بیوی، اولاد تینوں کے خیالات اور اعمال ایک ہی طرح کے ہوں مکمل مفاہمت ہو، اس کے ساتھ والدین بھی شامل ہوں۔ ان چاروں گروپس یا افراد کے باہمی معاملات کے سوا ،امکانات ہیں اور سولہ کے سولہ (16) ایک ہی جیسے ہوں تقریباً ناممکن اس لئے ان حالات میں اختلاف تقریباً ہر گھر کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لئے مومن کو ان حالات میں صبر کرنا ضروری ہے۔ عفو و درگذر کرنا ہے۔ لڑائی یا گھر کا فساد مطلوب نہیں بلکہ مقصد اسلام اور دین کی ترجیح اور تبلیغ ہے۔

بخل یا شُح:۔

انسان کی مجبوریوں کے پیش نظر یہ حکم دیا ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرتے رہو۔ اسلام کا اصول ہے کہ تکلیف ''مالا یطاق'' اتنی تکلیف دو جو برداشت کی جا سکے کا اصول بیان فرمایا۔ جہاں حالات شدید ہو جائیں اللہ سے مدد طلب کرو۔ اپنے نفس اور خواہشات کو محدود کرو۔ شُح کا معنی ہے تنگ دستی، تنگ نظری کہ دوسروں پر نعمت دیکھ کر پریشان ہونا بلکہ ان سے ضیاع کی توقع و کوشش کرنا اور اپنے لئے سمیٹنا۔ اس عمل سے منع کیا گیا ہے۔ جو اس سے محفوظ ہو گئے وہ فلاح پا گئے۔ احادیث میں بھی اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان اور شُح نفس کسی کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے (نسائی، شعب الایمان)۔ ان تمام ہدایات و تعلیمات کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس کے احکام پر عمل نہ کیا گیا تو نہ ملے گی اور عمل کیا گیا تو بہترین اجر ملے گا وہ کسی بھی اچھے عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ جو مال اس نے دیا ہے اس میں سے اگر اس کی رضا کے لئے لوگوں کی بھلائی پر اگر خرچ کیا گیا تو گویا اللہ تعالیٰ کو قرض دیا گیا اور اس قرض کی ادائیگی میں کئی گنا اضافہ ہو گا اور دنیا میں بھی اضافہ ملے گا۔ شرط یہ ہے کہ انسان کا اس میں ذاتی فائدہ، احسان، شہرت، دولت، عزت یا اولاد کا مفاد نہ ہو بلکہ خالصتاً اللہ کے لئے محتاج اور ضرورت مند کو دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام امور کا جاننے والی، بڑی حکمت والی ہے۔ مہربان اور اپنی مخلوق کے اعمال کا بدلہ دینے والی ہے۔ الحمد للہ سورت التغابن مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بقایا قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

65- سورۃ الطلاق

تعارف:۔

سورت الطلاق، کا نام طلاق کے ذکر سے ہے اور سورت کا اہم بیان طلاق کے مسائل کے بارے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے سورت النساء الصغریٰ بھی کہا ہے۔ یعنی عورتوں کے مسائل کی وجہ سے چھوٹی سورت نساء ہے۔

اس کا زمانہ نزول مدینہ شریف میں ہوا، جو واقعات سے ثابت ہے اور غالباً سورت البقرہ کی ان آیات اور سورت احزاب کی بھی ان آیات کے بعد ہوا جن میں طلاق سے متعلق مسائل ہیں۔ یہ ان احکامات کی مزید وضاحت کرتی ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ننانوے (99) اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے پینسٹھ (65) ہے۔ اس میں بارہ (12) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔

سورت التغابن میں اولاد اور اہل عیال کا ذکر ہے اور سورت الطلاق میں بھی طلاق کے بارے احکامات ہیں۔ عدت کے شمار کے بارے احکامات ہیں۔ اس کو صحیح طریقہ سے شمار کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح طلاق دینے کے بارے صحیح طریقہ کا حکم بتایا گیا ہے۔ سورت کے سبب نزول میں ذکر ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا، کہ اسے چاہیے کہ رجوع کرے۔ اس کو پاس رکھے اور جب ایام حیض ختم ہو جائیں اور پھر دوبارہ حیض آجائے اور اس سے وہ پاک ہو جائے (ختم ہو جائے) پھر اس کا ارادہ ہو تو ایام طہر (نارمل ایام) میں اس کو طلاق دے جبکہ اس نے عمل زوجیت (جماع) نہ کیا ہو۔ یہ مدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے (بخاری/ابوداؤد)۔

غیر حاملہ اور حاملہ کی مدت عدت کا ذکر ہے۔ دوران عدت عورت کے حقوق کا بیان ہے۔ دوران عدت بیوی اور خاوند کے واجبات (حقوق و فرائض) کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کے نتیجے میں جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ﴿۱﴾

اے نبی! جب تم (لوگ) عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لئے طلاق دیا کرو اور عدت کی مدت صحیح شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب (پالنے والا) ہے۔ تم انہیں (عورتوں کو) ان کے گھروں سے نہ نکالو (مدت عدت میں) سوائے اس کے کہ وہ کھلی برائی کریں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے زیادتی کرے گا (عمل نہیں کرے) وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا، تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ (موافقت کی) کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔

یہ بظاہر خطاب، نبی ﷺ کی ذات کی عظمت کے اظہار کے طور پر کیا گیا ہے، لیکن اس سے مراد نبی ﷺ کی امت ہے۔ جن پر اسلام کے احکام کی تابعداری لازم ہے۔ طلاق کے احکام کا ذکر سورۃ بقرہ میں آچکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: (۱): طلاق دو بار ہے۔ پھر اسے روک لو (رجوع کر کے) یا مناسب اور محترم طریقے سے رخصت کر دو۔ (۲): مطلقہ عورتیں، طلاق کے بعد تین حیض تک اپنے کو روکے رکھیں اور اس مدت میں ان کے شوہر اپنے فیصلہ کو کینسل کر سکتے ہیں، اگر وہ اصلاح پر آمادہ ہوں۔ اس کا مقصد صرف عورتوں کو تنگ کرنا یا دوسرے نکاح سے روکنا نہ ہو۔ (۳): جب تین دفعہ (تیسری بار) طلاق کے بعد دوبارہ اس وقت تک عورت واپس نہیں آسکتی, جب تک کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہ کرے۔ (۴): جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں ان کی عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ پھر سورت احزاب میں حکم آیا کہ اگر عورت کو طلاق ہو گئی، لیکن مرد کے ساتھ خلوت یا جنسی عمل نہیں ہوا، تو اس کی عدت لازم نہیں۔ کیونکہ امکان حمل ہی نہیں۔

طلاق کا طریقہ:۔

طلاق، میں جلدی کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ جوں ہی جھگڑا ہوا، تو غصے میں آکر طلاق دے دی جائے اور اس طرح طلاق دے دی جائے کہ نکاح کا وجود ہی ختم ہو جائے اور دوبارہ اصلاح کے امکانات کو ختم کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا؛ جن چیزوں کو جائز قرار دیا گیا اور ان سب میں سے جو چیز اللہ, کو ناپسند ہے، وہ طلاق ہے۔ اس لئے اسلام کے طریقہ طلاق کو تین طلاق اور ہر ایک کے درمیان کی مدت ایک ماہ رکھی ہے (جو کہ مدت حیض ہے) تاکہ

اس دوران طلاق کے فیصلہ کے بارے اصلاح کے امکانات کو بروئے کار لایا جاسکے۔

حکم یہ ہے، کہ طلاق اس وقت دی جائے جس وقت سے عدت شمار ہو سکے تاکہ عدت کے مسائل، نان نفقہ ،رجوع، عورت کے حقوق، مرد کے حقوق، کا صحیح تعین ہو سکے اور مسائل کم ہوں۔ عورت کو اس طہر، میں طلاق نہ دی جائے جس میں مباشرت یا جنسی عمل کیا ہو، کیونکہ بیوی اور خاوند کو کوئی علم نہیں کہ اس جنسی عمل کے نتیجہ میں حمل قرار پایا ہے یا نہیں۔ اس شک کو دور کرنے کے لئے طلاق اس طہر (صاف ستھرے ایام) میں دی جائے، جب انسان نے حیض کے ختم ہونے کے بعد بیوی سے کوئی جنسی عمل (مباشرت) نہ کی ہو۔ یہ مدت آئندہ حیضوں کے اعتبار سے ہو گی، یعنی اس طہر (صاف ستھرے۔ بغیر ماہواری) کے بعد تین حیض کی مدت ہے۔

ایام حیض میں طلاق سے منع، اس لئے کیا گیا ہے کہ عورت کے لئے ماہواری کے ایام طبعی/جسمانی طور پر مشکل ہوتے ہیں۔ مزاج عمومی طور پر خوش نہیں رہتا، بلکہ اس کا اثر ہوتا ہے اس لئے نماز معاف اور روزہ کی قضاء کی اجازت ہے۔ اس دوران مزاج کی تلخی کی وجہ سے جھگڑے کا امکان زیادہ ہوتے ہیں اور یہ جھگڑے حقیقی نہیں ہوتے ، بلکہ سطحی ہوتے ہیں۔ حالات کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ اس ممانعت سے، ان امکانات طلاق کو ختم کیا گیا ہے۔ یہی نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے حکم دیا تھا، جب یہ سورت و آیت نازل ہوئی۔

پھر حمل کی اطلاع فوری نہیں آسکتی۔ حمل کی وجہ سے خاوند اور بیوی آنے والی اولاد کی وجہ سے سوچتے ہیں کہ جو روح، پرورش پا رہا ہے اس کا کیا ہو گا۔ اس طرح خاوند بھی سوچے گا اور بیوی بھی سوچے گی۔ یہ طلاق ان عورتوں کے لئے جن کو ایام ماہواری آتے ہوں۔ اگر عورت کو ایام ماہواری نہیں آتے، تو اس کی وجہ ایک عمر ہے کیونکہ متوسط عمر (45 سال) کے بعد عموماً ایام ماہواری میں تسلسل نہیں رہتا اور دورانیہ بڑھ جاتا ہے یعنی ہر ماہ کے بجائے لمبی مدت کے بعد آتے ہیں اور بالآخر ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسی عورتوں کی مدت تین ماہ ہے یا ایک ماہواری کے بعد اس کے مطابق بقایا مدت ہے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ طلاق ایک مدت کے لئے دو۔ یعنی ایک طلاق دے کر باقی مدت انتظار کرو تاکہ اس میں رجوع ہو سکے، اگر تین دفعہ یکبارگی طلاق دے دی گئی تو امکان اصلاح ختم ہو جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دے کر انتظار کرے اس طرح واپسی ممکن ہے۔ تین سے زیادہ طلاقیں نہیں ہوتیں۔ اگر کسی نے دے دیں تو وہ صرف تین شمار ہوں گی باقی وہ الفاظ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بڑھا سکتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سو طلاقیں دیں تو آپ ﷺ نے تین طلاقوں سے طلاق بائن کر دی اور فرمایا بقایا اس کے لئے ظلم اور عدوان (زیادتی) کے طور پر باقی رہ گئیں جس کا حساب قیامت میں ہو گا۔

تعین عدت:۔

وہ عورت جو،ابھی ایام ماہواری تک نہیں پہنچی، چونکہ امکان حمل نہیں اس لئے مدت عدت بھی نہیں۔اسی طرح اگرایک بالغ عورت سے نکاح ہوااور مباشرت (جنسی عمل) نہیں ہواتواس کی بھی عدت نہیں، کیونکہ امکانات حمل نہیں۔ وہ دوسرانکاح کرسکتی ہے۔

حاملہ عورت کو کسی بھی وقت طلاق دی جاسکتی ہےاوراس کی عدت وضع حمل یعنی پیدائش بچہ ہے۔

مدت عدت:۔

ماہواری کے ایام کو کب سے گناجائے گا؟قرآن مجید کے لفظ کے دو معنی استعمال ہوئے ہیں ایک معنی حیض کا اختتامی وقت ہےاورایک معنی حیض کاابتدائی وقت ہے۔حضرت امام شافعیؒ ابتداء سے طلاق شروع کرتے ہیں اورامام ابوحنیفہؒ اختتام سے مدت عدت وقت شروع کرتے ہیں۔

فقہ حنفی میں طلاق کے تین طریقے ہیں(۱)احسن: صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کوایسے طہر(پاک مدت) میں جس کے اندر اس نے جماع نہ کیا ہو۔ صرف ایک طلاق دے کر عدت گذر جائے، دے۔(۲)حسن: مناسب طریقہ یہ ہے کہ ہر ماہ ایک ماہواری کے بعد طلاق ایک طلاق دےاور تیسرے ماہ کے بعد تیسری طلاق دے دے۔(۳)بدعت(بری): طریقہ یہ ہے کہ آدمی بیک وقت تین طلاق دے دے یاایک ہی ماہ میں دے دے یاحیض کی حالت میں طلاق دے یاطہر میں دے مگر مباشرت(جنسی عمل) بھی کیاہو۔اس طریقہ سے گنہگار ہوگا۔

امام مالک(مالکیہ) کے نزدیک تین طریقہ ہیں۔(۱): سنی(سنت کے مطابق) کہ طہر کی حالت میں بغیر جماع (مباشرت) کے صرف ایک طلاق دےاور عدت گذر جانے دی جائے۔(۲): مکروہ طریقہ یہ ہے کہ ایسے ایام عادی (طہر) میں طلاق دے جس میں اس نے مباشرت(جماع) کیاہو یاایک ماہ(طہر) میں تین طلاقیں دی جائیں۔(۳): بدعی (برا)طریقہ یہ ہے کہ حیض(ماہواری) کی حالت میں طلاق دی جائے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق(۱): ماہواری(حیض) والی عورت کواس کے طہر(پاک وصاف) کی حالت میں جماع/مباشرت کے بغیر طلاق دی جائے پھر عدت گذارے۔(۲): دوسراطریقہ یہ ہے کہ حیض(ماہواری) کے دوران طلاق دی جائے یا تین طلاقیں اکٹی دی جائیں یاطہر(پاک وصاف حالت) میں جماع/مباشرت کے بعد طلاق دی جائے۔سارے غلط طریقے غلط ہیں ان کے ہاں بدعت اور سنت میں کوئی فرق نہیں۔

امام شافعیؒ (شافعیہ) کے نزدیک احسن اور غیر احسن طریقہ کا فرق وقت کے لحاظ سے ہے کہ عورت کو

حیض کی حالت میں طلاق دی جائے یا مباشرت کی ہو اور طہر میں طلاق دی جائے، یا تین اکٹھی دی جائیں یا ایک ہی ماہ (طہر) کے درمیان دی جائیں، سب سنت کے طریقہ کے خلاف ہیں۔ حاملہ کے لئے مدت وضع حمل (حمل کا پورا ہونا، ولادت ہونا) ہے۔

طلاق ہر صورت واقع ہو جاتی ہے، صرف جو طریقہ نبی ﷺ نے بتایا ہے اس کے مطابق دینا احسن طریقہ ہے۔ اور دوسرے طریقے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن آدمی گنہگار ہو جاتا ہے۔

امامیہ کے نزدیک جو سنت کے خلاف طلاق دے (حیض کی حالت میں) یا تین طلاق بیک وقت دے وہ طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

جناب طاؤس اور عکرمہ (علیہما الرحمۃ) کے مطابق بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں، تو صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔ اس رائے کو امام تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں یہی طریقہ تھا مگر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تبدیل کر دیا۔ کیونکہ لوگوں نے جلد بازی شروع کر دی اور صحابہ کرام نے اس سے اتفاق کیا۔ تفصیل اور دلائل کے لئے کتب فقہ میں کتاب الطلاق کا مطالعہ بہتر رہے گا، جس میں ہر امام اور فقہ کے دلائل موجود ہیں۔

طلاق سے رجوع کرنے کی مدت عدت کی مدت ختم ہونے تک ہے اور عدت میں قرء سے مراد حیض (ابتداء) یا طہر (حیض کا اختتام) ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک طہر ہے یعنی جونہی تیسرا ایام ماہواری (حیض) شروع ہو گا، تو مدت ختم ہو جائے گی اور حنفیہ اور حنبلیہ کے نزدیک جب حیض کے اختتام پر طہر شروع ہو گا، تو مدت ختم ہو گی۔ حنبلیہ اور حنفیہ کے نقطہ نظر میں زیادہ تصدیق اور عورت کے لئے زیادہ وقت برائے اخراجات رجوع ہے۔ تابعین کی اکثریت نے اسے اختیار کیا تھا۔

رجوع کیسے ہو؟ رجوع، تجدید نکاح نہیں، اس لئے عورت کی رضامندی ضروری ہے۔(۱): رجوع زبانی ہوتا ہے۔ عمل سے نہیں ہو گا۔ مباشرت اور اختلاط کا اعتبار نہیں۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔(۲): امام مالک کے نزدیک رجوع قول و فعل دونوں سے ہو سکتا ہے۔ فعل میں اختلاط اور مباشرت (جنسی عمل) اختلاط میں بوس و کنار، ملنا ملانا، شامل ہے۔ الفاظ یعنی قول، اگر بغیر نیت رجوع سے بھی کہہ دیا تو اس کا اعتبار ہو گا یہ مالکیہ کا قول ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک۔ قول و فعل ، یعنی اختلاط و مباشرت، اس میں، نیت کی کوئی اہمیت نہیں، ہر فعل احناف کے نزدیک رجوع ہے لیکن حنابلہ (حنبلی فقہ) کے ہاں اختلاط کافی نہیں۔ مباشرت ہونی ضروری ہے۔ فقہ حنفی میں امکانات رجوع زیادہ ہیں تاکہ خاندان برقرار رہے۔

اگر طلاق سنت (حکم) کے مطابق ہے، ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد عدت مکمل ہوئی ہے، تو دوبارہ نکاح کیا

جا سکتا ہے۔ کسی اور مرد سے نکاح کرنے کی ضرورت اور اگر طلاق کا انداز بدعت (ممنوع) کا ہے، یعنی ایک ہی ماہواری میں تین طلاقیں اکٹھی دی گئیں تو پھر رجوع ممکن نہیں۔ کسی اور نکاح کرنے کے بعد اس کی طلاق کے بعد (عدت مکمل ہونے پر) دوبارہ پرانے خاوند اور بیوی کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے۔ تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

عدت کے شمار کے بعد اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ قبل از اسلام، معاشرہ میں عورتوں کی حالت بڑی مظلوم اور خراب تھی، اسلام نے آ کر ان کے حقوق کو اس درجہ پر پہنچایا، جہاں غیر مسلم معاشرہ میں یہ حقوق اٹھارویں صدی میں جا کر ملے ہیں۔ ہندو پاک میں مسلمان عورتیں، ہندو رسم و رواج کی وجہ سے پِس گئیں اور لوگ اسلامی تعلیمات کو بھول گئے۔

عدت کے دوران طلاقِ حسن (مسنون طریقہ) سے عورت کو ترغیب دی گئی ہے، تاکہ رجوع کا ماحول پیدا کرے اور طلاق کے سماجی اور نفسیاتی مسائل سے بچا جا سکے۔ اگر رجوع نہیں کیا جا سکتا، تو عورت کو احترام کے ساتھ عدت کی مدت رہائش و سکونت (غذا) مہیا کی جائے، جو مرد کی استطاعت کے مطابق ہو۔ طلاق کے معاملہ کی اہمیت ظاہر کی کہ وقت اور تاریخ معلوم ہو، تاکہ عورت کے حقوق کی حفاظت ہو۔ حمل کی صورت میں پیدائش تک عورت کا نان نفقہ (رہائش و خرچ) کا حق ہے پھر ولادت کے بعد اگر دودھ والدہ پلائے گی جس کی ترجیح ہے، تو پھر اس کو مدت رضاعت میں رہائش وغذا کا خرچ ملے گا۔

عدت کے دوران مرد کو عورت کو گھر سے نہیں نکالنا چاہیے۔ اور نہ ہی عورت گھر سے نکلے (طلاق ملتے ہی میکے نہ چلی جائے) ۔ مقصد یہ ہے کہ تمام مواقع دونوں کو میسر رہیں اور جس عمل یا غلطی کی وجہ سے طلاق ہو گئی ہے، اس کا احساس کریں اور دوبارہ مل کر رہنا شروع کر دیں۔ جس قدر طویل مدت ہو گی اس قدر رجوع اور موافقت کے امکانات ہیں۔ عورت جب تک کوئی فحش عمل نہ کرے، اس کو گھر سے نہ نکالا جائے۔ حضرت حسن بصری، ضحاک، مجاہد، عکرمہ ،ابن زید، حماد اور لیث، رحمۃ اللہ علیہم، کی رائے میں اس سے مراد، بدکاری ہے۔ بعض نے نشور (مرد کے مقابلے سرکشی) کو کہا ہے اور عورت کے خود (بلاضرورت) نکلنے کو بھی صریح برا عمل قرار دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ طلاق کے سماجی نقصان سے دونوں افراد (خاوند/بیوی) اور ان کے خاندان کو صدمہ سے بچایا جائے اور امکانات رجوع و صلح بڑھائے جائیں۔ ضرورت کے امور کے لئے عورت مناسب وقت کے لئے جا سکتی ہے لیکن رات کو خاوند کے گھر میں بسر کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی تعلیمات کو نظر انداز کرنا قابل سزا عمل ہو گا۔ اگر یہاں تعزیری کارروائی نہ ہو سکی تو قیامت کو اس کی سزا ضرور ملے گی اور ایسا عمل کرنے سے فرد (مرد یا عورت) اپنی ذات پر ظلم کرے گا۔ یہ خیال کہ

اپنے عمل سے دوسرے فرد کو تکلیف دے رہا ہے غلط ہے، بلکہ اپنی جان کو عذاب میں ڈال رہا ہے۔ طریقہ طلاق، تعین عدت، دوران عدت، حقوق، سب کا خیال ضروری ہے۔ اگر تمام امور شرعی (اسلامی) ہدایات کے مطابق کئے گئے تو اس مرحلہ میں علیحدگی کے مسائل کم ہوں گے اور اللہ کی مہربانی سے کوئی نہ کوئی موافقت (قابل عمل یا مناسب) حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾

پھر جب وہ (عورتیں) اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمے پر پہنچیں تو تم انہیں معروف (بھلے) طریقے سے (اپنے نکاح میں) روک لو یا انہیں معروف طریقے سے جدا کر دو، اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو اور (اے گواہو) اللہ کے لئے گواہی ٹھیک ٹھیک ادا کرو، ان (احکام) کی تم لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ (اللہ) اس کے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔

وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۚ﴿۳﴾

اور وہ (اللہ) اسے رزق اس جگہ سے دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل (بھروسہ) کرے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔ بے شک اللہ اپنے کام پورا (مکمل) کر کے رہتا ہے۔ بے شک اللہ نے ہر چیز کے لئے تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔

طلاق کے بارے احکام جاری ہیں۔ طلاق دینے کا طریقہ، یعنی کونسا وقت مناسب ہے تاکہ حمل، ماہواری اور اور دوسرے حقوق کے بارے مسائل کم سے کم ہوں۔ اگلا مرحلہ اگر طلاق دے دی ہے تو اس کا حکم دیا ہے کہ مدت عدت (تین ماہ) میں واپسی طلاق کا فیصلہ کر لو۔ جو بھی فیصلہ کیا جائے غور و فکر اور نیک نیتی سے کیا جائے۔ جاہلیت میں عورتوں کو تنگ کرنے کے لئے طلاق دے دیتے اور پھر رجوع کر لیتے، پھر طلاق دے دیتے، مقصد ان کو تنگ کرنا اور دوسری شادی سے محروم کرنا ہوتا تھا۔ اس عمل سے منع کیا ہے کہ جو بھی کرنا ہے معروف طریقہ سے کیا جائے۔ معروف ایسا جامع لفظ ہے جو تمام بھلائی اور خیر کے امور کو شامل ہے۔ پھر اگر رکھنا یعنی رجوع ہے تو بھی فراخدلی اور نیک طریقہ (معروف) سے ہو۔ کسی قسم کا پچھلے واقعہ کا اثر، اگلے تعلقات کو گدلا نہ کرے، اسی طرح اگر طلاق کے فیصلہ کو جاری رکھنا ہے، تو تمام حقوق بہترین

طریقہ سے ادا کر کے عورت کو رخصت کیا جائے اور اس کے حقوق میں کوئی کمی نہ کی جائے۔

یہ احکام معاملات کے بارے ہیں۔یہ حقوق العباد ہیں۔ قانونی اور معاشرتی مسائل کا سبب بنتے ہیں، اس لئے ہر واقعہ پر دو نیک سیرت لوگوں کو گواہ بنالیا جائے۔ سیرت، سے مراد جو حق کے لئے صحیح گواہی دے سکیں۔ گھبرائیں نہیں، یاداشت صحیح ہو اور کردار بھی اچھا ہو۔ گواہی کا حکم ،احتیاط اور احسن طریقہ کے لئے ہے۔ اگر گواہ نہ بھی ہو تو طلاق یا رجوع ہو جاتا ہے، لیکن ترجیح، گواہوں کی موجودگی کو دی گئی ہے تاکہ حقیقت سب کے سامنے رہے۔

یہ احکام انسانوں کی فلاح و بہبود کے ہیں اور ان پر عمل وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اللہ اور یوم حساب و کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ان معاملات میں اضافی مال واخراجات بھی ہوں گے بالخصوص معروف طریقہ کی وجہ سے لیکن ایک با عمل انسان اپنے فرائض کو جانتے ہوئے ان سے بہتر طریقہ سے عہدہ برأ ہو گا۔اللہ تعالیٰ اس کے رزق کے اسباب ایسے بنادے گا کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی اور فراخی رزق کے دروازے کھل جائیں گے۔اس لئے حقوق کی ادائیگی میں فراخدلی ضروری ہے اور رزق میں برکت کا سبب بنتی ہے۔ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر اپنا ہاتھ تنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی رزق میں تنگی کر دیں گے۔

توکل اور تقدیر:۔

ساتھ توکل کا بھی سبق دیا گیا ہے۔توکل کا یہ مطلب نہیں کہ اسباب کو نظر انداز کیا جائے، بلکہ اسباب اور تمام وسائل کو بروئے کار لایا جائے اور ساری ضروری احتیاط کی جائیں۔ جس طرح حدیث ہے، کہ پہلے اہتمام (باندھنے کا) کر و اور پھر توکل کرو۔ جو اللہ پر بھروسا کرتے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ نافذ کر دیتے ہیں کیونکہ ساری کائنات ان کے کنٹرول میں ہے۔

کائنات کے تمام امور ایک متعین پروگرام کے تحت واقع ہوتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کی بناء پر ان کا فیصلہ کیا ہوا ہے، جسے عقائد میں تقدیر کہا جاتا ہے۔اس کا سارا ، ڈیٹا لوح محفوظ میں موجود ہے اور پروگرام کے مطابق تنفیذ ہوتی رہتی ہے۔ تقدیر کا ایک حصہ علماء نے مبرم کہا ہے ،جو بدل نہیں سکتا ہے اور دوسرا غیر مبرم ،جسے حالات کے مطابق،اللہ تعالیٰ مخلوق کے لئے بدل دیتے ہیں۔ جس طرح نیک لوگوں کی دعائیں،انسان کی توبہ وآہ و زاری،اللہ کا کرم سے اسانی پیدا ہو جاتی ہے۔۔تقدیر کا نظریہ یا حکمت ایک طرف حقیقت ہے تو دوسری طرف انسان کے نفسیاتی مسائل کا بہترین حل ہے۔ برے سے برے حالات میں انسان کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ صرف تمام امور کا فیصلہ عقل اور سمجھ سے کرنا اور پھر اللہ پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔

تقدیر پر ،یقین کی وجہ سے انسان نفسیاتی طور پر نہیں ٹوٹتا، بلکہ اس کی شخصیت قائم رہتی ہے۔ حد سے

زیادہ پریشان نہیں ہوتا اور پھر توکل کا عقیدہ یا نظریہ کہ نتائج کا ذمہ یا بھروسہ ،اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیے، لیکن یہ اس وقت ہے جب انسان حتی المقدور اپنی پوری پوری کوشش صرف کردے۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی مسلم ہو یا غیر مسلم کو ، اپنے عدل کی وجہ سے اس کی محنت کا صلہ دیتے ہیں۔ یہ وہ عقائد ہیں، جو انسان کی زندگی کو بہترین طریقہ سے گذارنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے، تو تم اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔ (ترمذی/شعب الایمان)۔ اس حدیث میں توکل کو بیان کیا گیا ہے کہ توکل میں عمل وجدوجہد بہت ضروری ہے، پرندے صبح سویرے گھونسلوں سے باہر نکل آتے ہیں۔ ان کو گھونسلے میں غذا نہیں ملے گی۔ وہ اس کی تلاش میں دن بھر ایک جگہ سے دوسری جگہ اُڑتے ہیں اور پھر غذا حاصل کر کے ،شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔ اس لئے توکل کرنے والے کے لئے جدوجہد و عمل بہت ضروری ہے اور اس کا نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کبھی، تیس فیصد (30%) بھی کامیابی اور ساٹھ فیصد (60%) بھی کامیابی ہو سکتی ہے۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے محنت و عمل کو ضائع نہیں کرتے۔ اس کا بدلہ دیتے ہیں۔

وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝۴

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں (بند ہو گیا ہو) ان کا معاملہ میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک پڑ جائے تو تمہیں معلوم ہو کہ ان کی عدت بھی تین مہینے ہے اور یہی حکم ان کا ہے جنھیں حیض ابھی نہ شروع ہوا۔ حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا حمل پورا ہو جائے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملے میں، وہ (اللہ) سہولت پیدا کر دیتا ہے۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝۵

یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کرے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

عدم ماہواری میں عدت:۔

عدت کے احکام جاری ہیں، پہلے ان عورتوں کے بارے حکم بتایا گیا جن کی عمر ماہانہ ماہواری والی ہوتی ہے۔ لیکن عمر کے بڑھنے اور ایک خاص عمر کے بعد ماہواری جسمانی تبدیلی کی وجہ سے متواتر (لگاتار) نہیں رہتی ہے اور اس

میں تبدیلی(تاخیر)شروع ہو جاتی ہے۔پھر اس میں کمی آتے آتے،ایک خاص عمر پر ماہواری ختم ہو جاتی ہے۔جس طرح ماہواری کی مدت میں کمی آتی جاتی ہے اسی طرح کسی بھی خاتون کے امکانات حمل کم ہوتے جاتے ہیں۔جب ماہواری ختم ہو جائے تو امکان حمل بھی تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ان خواتین کے بارے عدت کا ذکر کیا گیا ہے۔طبّی اصطلاح میں اسے مینوپاز(Menopause)کہتے ہیں(انقطاع ماہواری)۔یہ تیس سال کی عمر سے لے کر پچپن سال کی عمر تک ہوتا ہے۔عموماً 47 سال کی عمر ہوتی ہے۔اور پورا سال ماہواری نہ آئے تو اسے بعد از پوسٹ مینوپاز (Post Menopause) پیریڈ کہتے ہیں۔چونکہ رحم میں اسٹروجن ہارمون(Ostrogen Harmone)انڈے پیدا نہیں کرتے۔

جن کی ماہواری مکمل طور پر ختم ہو چکی ہو،ان کی عدت تین ماہ ہے اور ہر مہینہ کا اندازہ تیس دن ہے۔یہ فقہ حنفی میں ہے،دوسرے فقہ اسے قمری مہینہ کے حساب سے لیتے ہیں۔جن خواتین میں ماہواری ختم ہونے کا سلسلہ چل رہا ہو،ان کی ماہواری بے ترتیب ہو جاتی ہے اور کبھی سال میں صرف ایک دفعہ آتی ہے۔اگر سال میں ایک دفعہ آئے یا اس سے زیادہ آئے تو اس کی مدت نو ماہ(مدت حمل)ہے تاکہ تصدیق ہو جائے کہ حمل نہیں تھا۔اس دوران اگر ماہواری آگئی تو ماہواری کے بعد تین ماہ ہے۔ماہواری کی وجہ سے عدم حمل ظاہر ہو گیا اور بقیہ مدت مہینے کے حساب سے پوری کر دی گئی۔

ماہواری میں بے قائدگی کے اسباب کا ذکر کیا گیا ہے۔اگر دودھ پلانے کی وجہ سے ہے یا بیماری کی وجہ سے ہے یا کسی سبب کی وجہ سے ہے تو ماہورای کا انتظار کیا جائے گا اور پھر نو ماہ کے انتظار کے بعد مزید تین ماہ کا عرصہ عدت قرار پائے گا۔موجودہ دور میں حمل کے بارے معلومات طبّی ذرائع سے بڑی آسانی سے مل جاتی ہے لہٰذا وہ مسائل ختم ہو گئے ہیں جو پہلے ہوتے تھے۔

جن عورتوں کو ماہواری نہیں تھی مثلاً کم عمری کی وجہ سے یا بعض کو بہت جلد سے شروع ہوتی ہے۔بسا اوقات جو شاذ ونادر ہے۔ماہواری آتی ہی نہیں۔ان کا حکم یہی ہے ان کو بھی جن کی ماہواری ختم ہو چکی ہوئی ہے کہ حساب سے تین ماہ کا انتظار کرنا ہو گا۔اگر پہلے ماہواری نہیں آرہی تھی،طلاق کے کچھ عرصہ بعد شروع ہو گئی تو اس کا حساب حیض والی عورت کا شمار ہو گا اور اس ماہورای کے بعد عدت شروع ہو گی۔

ان تفاصیل میں معمولی اختلاف ہیں جو کتب فقہ میں تفصیل سے دلائل کے ساتھ موجود ہیں۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی حمل کا پورا ہونا اور باہر آنا ہے۔اس میں سب کا اتفاق ہے۔اس کی وضاحت اسی حدیث میں کی گئی ہے ''اجل کل حامل ان تضع ما فی بطنھا'' ہر حاملہ عورت،کی عدت کی مدت اس کے وضع حمل تک ہے۔(بحوالہ حدیث سبعیہ اسلمیہ)۔اگر عورت حاملہ تھی اور بیوہ ہو گئی تو علماء کا متفقہ

فیصلہ ہے کہ جو بھی زیادہ مدت ہے اسے لیا جائے گا یعنی اگر چار ماہ دس دن سے پہلے (جو بیوہ کی عدت ہے) حمل پورا ہو گیا تو وہ چار ماہ اور دس دن پورے کرے گی اور اگر زیادہ ہے تو وضع حمل کی مدت ہے۔

وضع حمل، یعنی پیٹ سے کیا چیز برآمد ہوتی ہے، کے بارے معلومات حاصل کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ حمل کو معلوم کرنا بھی آسان ہے۔ جس میں مختلف قسم کے ٹیسٹ اور تصاویر کے ذریعہ ممکن ہے۔ اسی طرح پیٹ سے نکلنے والی چیز کے بارے بھی معلوم کرنا بہت آسان ہے کہ انسانی وجود ہے یا کوئی اور چیز۔

یہ احکام اجتماعی معاشرے کی فلاح کے لئے ہیں۔ بعض اوقات فرد، کو اس میں مشکلات ہو سکتی ہیں، اس لئے حکم دیا کہ اللہ سے ڈرو۔ ان احکام پر عمل کرو۔ ہر عدت کی مختلف مدت ہے۔ حمل، وفات، حمل میں بے ترتیبی، لہٰذا عورتوں کو رہائش وغذا ان کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس کو بوجھ نہیں بلکہ ذمہ داری اور فرائض سمجھا جائے۔ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کا خوف دل میں ہونا ضروری ہے۔ جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کریں گے اور اس کے اسباب رزق اور زندگی کے آنے والی مرحلے میں آسانی پیدا کریں گے اور اُخروی زندگی میں بھی عظیم اجر ملے گا۔ اسلامی ریاست کا بھی فرض ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی حفاظت اور انہیں نافذ کرے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝

تم انہیں (اپنی حیثیت کے مطابق) رہائش دو، جہاں تم (خود) رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے انہیں تکلیف نہ دو۔ اور اگر وہ (طلاق یافتہ عورتوں) حمل والیاں ہو تو وضع حمل تک تم ان پر خرچ کرو۔ پھر اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دو اور (یہ اجرت) آپس میں دستور کے مطابق مشورے سے (طے) کرو اور اگر تم باہم ضد پکڑ لو تو اسے کوئی اور عورت دودھ پلائے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝

پس لازم ہے کہ وسعت والی اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص پر اُتنی ہی ذمہ داری ڈالتا

ہے جتنااس نے اسے دیا۔اللہ تنگی کے بعد جلد فراخی (آسانی)فرمادے گا۔

بعداز طلاق رہائش وخرچ:۔

طلاق یافتہ (مطلقہ) عورت کے حقوق کا ذکر ہے۔اس بارے میں سب متفق ہیں کہ طلاق اگر سنت کی تعلیمات کے مطابق ہو، جسے طلاق رجعی بھی کہا جاتا ہے۔اس میں عورت رہائش اور کھانے پینے کا حق رکھتی ہے اور اسے وہیں رہنا چاہیے تاکہ دوبارہ صلح یا رجوع کے امکانات موجود رہیں اور خاندان بکھرنے سے بچ جائے۔

اسی طرح حاملہ عورت کا بھی حق، برائے سکونت وغذا میں کوئی اختلاف نہیں۔حمل کے پورے ہونے تک وہ وہیں قیام وبعام کی حقدار ہے۔

اگر عورت کو طلاق بائن ہوگئی یعنی جس میں رجوع ممکن نہیں،جب تک وہ کسی اور مرد سے شادی نہ کرے اور پھر وہ اسے طلاق دے،اس وجہ سے اس کی سکونت وغذا کا خرچ، طلاق دینے والے مرد پر ہوگا یا نہیں؟اس کا سبب یہ ہے کہ کہ صلح یا رجوع کا امکان نہیں ، لہٰذا مرد اسے کیونکر خرچہ دے۔اس کے بارے فقہاء کی آراء میں اختلاف ہے۔فقہ حنفی کے مطابق،جن کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ (امام زین العابدین) قاضی شریح اور ابراھیم نخی ؒ کی ہے کہتے ہیں کہ مطلقہ بائنہ کا رہائش ونفقہ (غذا) کا حق ہے۔(**المطلقه ثلاثه، لها السكنى والنفقه**)۔دار قطنی بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

امام شافعی ؒ اور امام مالک ؒ کہتے ہیں سکونت (رہائش) کا حق ہے، لیکن نفقہ (کھانا پینا) کا حق نہیں۔مالکیہ اس فیصلہ میں حضرت سعید بن المسیب،اوزاعی، لیث اور ابوعبیدہ ؒ کی رائے کو لیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل ؒ اور امامیہ (اہل تشیع) کے مطابق مطلقہ بائنہ کا رہائش اور نفقہ کا حق نہیں۔یہ طریقہ یا رائے انہوں نے حضرت حسن بصریٰ، حماد، ابن ابی لیلیٰ، اسحاق بن راہویہ رحمھم اللہ، کی آراء سے لی ہیں۔وہ فاطمہ بن قیس کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جو کتب وحدیث میں درج ہے۔

حاملہ عورت کا نفقہ ہر صورت میں طلاق دینے والے مرد پر ہے۔لیکن اگر مرد اس دوران قبل از اختتام عدت، مر جائے تو نان نفقہ کیا ورثاء پر ہوگا یا نہیں؟(۱): حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم، کے مطابق شوہر کے ترکہ سے اس کا نان ونفقہ ورہائش ادا کیا جائے۔(آلوسی۔روح المعانی)۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق، اگر ترکہ نہ چھوڑا ہو، تو اس کے وارثوں کو خرچ کرنا چاہیے۔جس حوالہ آیت مبارکہ ہے۔(**و على الوارث مثل ذلك** (2:23)۔

دوسری رائے، حضرت حسن بصریؒ، عبداللہ بن زبیر، سعید بن المسیب کی ہے کہ وہ اپنے حصہ میراث سے خرچ کرے لیکن دوسرے افراد کے حصہ سے خرچ نہیں کر سکتی۔ جناب ابن ابی لیلیٰ، کے مطابق نفقہ شوہر پر واجب ہے جس طرح اس کے مال میں قرض کی ادائیگی واجب ہے اس طرح نفقہ پہلے ادا کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک چونکہ مرنے کے بعد ترکہ میت کی ملکیت نہیں رہتی، اس لئے سکونت ونفقہ کا حق نہیں رہتا، کیونکہ مال تو وارثوں کا حق ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل (حنبلیہ) کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام شافعی کے نزدیک اسے سکونت کا حق ہے لیکن نفقہ (کھانا پینا) کا حق نہیں۔

بچے کی پرورش:۔

حمل اور ولادت کے بعد بچے کی پرورش کے بارے احکامات بیان فرمائے ہیں، جن سے یہ امور واضح ہوتے ہیں

(۱) طلاق کے بعد عورت اپنی مرضی سے فیصلے کر سکتی ہے۔

(۲) اگر دودھ پلانا چاہے تو اس کا پہلا حق ہے۔

(۳) دودھ پلانے کا معاوضہ اس کی استطاعت یا رواج کے مطابق ہے، بچے کے والد سے وصول کرنے کا حق رکھتی ہے۔

(۴) والد اگر چاہے تو دوسری عورت سے دودھ پلوا سکتا ہے۔

یہ اس صورت میں ہے، جب عورت اس کا معاوضہ مرد کی طاقت سے زیادہ طلب کرے یا انکار کر دے۔ اگر کوئی اور عورت دودھ پلانے والی میسر نہیں، تو ماں کو معاوضہ کے ساتھ دودھ پلانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے محبت کا اظہار کیا ہے کہ کسی انسان کو اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے اور جو تنگی کے حالات میں بھی فرائض پورے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق اور معاملات میں فراخی وآسانی پیدا فرمائے گا۔

عورتوں کے حقوق میں انتہائی توجہ اور زور دیا گیا ہے۔ ان کو رہائش وغذا، ان کے مرد کے سماجی ومعاشی معیار کے مطابق دوران عدت ملے اور عدت کے دوران مرد کے ساتھ مکان میں رہیں۔ اکثر دوبارہ اصلاح اس لئے نہیں ہوتی کہ عورت خاوند کے گھر چھوڑ کر میکے چلی جاتی ہے یا علیحدہ رہائش لے لیتی ہے اور میل ملاپ کے تمام مواقع ختم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح خاندان اور افراد ایک ذہنی اور اعصابی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۲): معاملات میں فراخی، اخلاق، نیک نیتی، بھلائی، کا درس دیا ہے تاکہ اختلاف کے انجام کو بدتر انداز میں ختم نہ کیا جائے، تلخ یادیں نہ چھوڑیں، بلکہ نرمی، معروف اور بھلائی کا انداز، دوران حمل، ولادت، بعد از ولادت اختیار کیا

جائے تاکہ مستقبل میں علیحدگی کے باوجود، اولاد کی وجہ سے اشتراک رہتا ہے۔ اس طرح والدین اپنی نفرت اولاد کو منتقل نہ کریں اور اولاد کے لئے ان کے تربیت اور کردار سازی میں مثبت پہلوؤں کا خیال رکھیں تاکہ معاشرے میں اچھے افراد کا اضافہ ہو۔ معاشی تنگی کے بارے بھی صبر کیا جائے۔ اگر اخلاص سے معاملات حل ہوئے، تو فراخی اور زندگی میں آسانی کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ وہ احکامات ہیں، جو آج سے چودہ سو سال پہلے عورت کے لیئے نازل ہوئے، اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دی گئی۔ آج بیسویں صدی میں اسی طرح کے حقوق عورتوں کو علمی احیاء نواور حقوق نسوانیت، کی یورپ میں تحریکوں کے بعد ملے ہیں۔ ترقی پذیر اور غیر ترقی یافتہ، ممالک کی خواتین، تو ان سے محروم ہیں، لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے بغیر کسی تحریک یا انقلاب کے خواتین کو دے دیئے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا شدید محاسبہ کیا اور ہم نے انہیں ہولناک عذاب دیا۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹

بالآخر (ان بستیوں نے) اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کرتوتوں کا انجام خسارہ ہی تھا۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰

اللہ نے ان کے لئے شدید عذاب تیار کیا ہے لہٰذا اے عقل والو جو ایمان لائے تم اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ نے تمہاری طرف ذکر (قرآن) نازل کیا ہے۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱

اور ایک رسول جو تم پر اللہ کی آیات وضاحت کے ساتھ سناتا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے

اور نیک عمل کرے، وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اللہ نے ایسے شخص کے لئے خوب رزق رکھا ہے۔

طلاق وعدت کے بعد اسلام کے احکام پر عمل اور کفار کے رویوں کا ذکر ہے۔ اہل عرب کو بتایا جارہا ہے کہ ان سے پہلے کئی معاشروں نے اللہ کے احکام سے سرکشی کی، انبیاء کی تعلیمات کے خلاف عمل کیا پھر ان پر عذاب آگیا۔ یہ اللہ کا حساب اس دنیا میں بھی ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ہوگا۔ یہ عذاب ان قوموں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سے نوازا ہے تاکہ وہ اپنے لئے بہترین راستہ انتخاب کرے۔ اہل عقل کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ انبیاء اور کتب سماوی انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ ان میں تمام امور انسانوں کی بہتری کے ہیں۔ اس لئے عقل و فکر استعمال کرتے ہوئے نجاعت اور کامیابی کا راستہ اختیار کریں۔ انسان جو راستہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ہر راستہ کے اسباب پیدا کئے ہوئے ہیں، وہی اسباب اس کو میسر آجائیں گے۔ نبی ﷺ کی ذات سراپا نور و ہدایت ہے۔ ان کا کردار موجود ہے۔ وہ قرآن کریم کی تمام آیات یعنی احکامات پر عمل کرکے دکھا رہے ہیں اور اگر ان تمام سہولیات کے باوجود جو انسان اپنے کو محروم رکھ رہے ہیں ان کا انجام خوفناک ہے اور جو انسان اس ہدایت اور نور کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر گذار رہے ہیں، یعنی نیک عمل کر رہے ہیں ان کو اس دنیا میں کامیابی کے ساتھ آخرت میں بھی جنت کے محلات، زندگی کے آسائش کے تمام ذرائع و سہولیات ملیں گی۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے خاندان کے رشتوں کو جانو، جن سے تم مل جل کر رہو۔ کیونکہ رشتہ داروں سے ملنے کے سبب اہل میں محبت بڑھتی ہے، مال میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ (ترمذی/المستدرک/مسند احمد)۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا، ان کے درمیان اس کا حکم (تکوینی) نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

امور کائنات:۔

آیت مبارکہ کائنات، کے اسرار و نظام کے بارے اشارہ کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں جو کہ دائری شیلڈ (ڈھال) ہیں اور ہر ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہے جسے انسان معلوم نہیں کر سکا۔ پہلا آسمان جسے نبی ﷺ نے آسمان ارضی بتایا ہے اس کے اندر ہمارا نظام شمسی ہے اور ہمیں نظر آنے والے ستارے، کہکشاں ہیں۔

ابھی انسان نظام شمسی کے اندر گھوم رہا ہے۔ جس کا فاصلہ کئی ہزاروں نوری سال ہے۔ یہ آسمان ہمیں دوسرے ستاروں سے ان کے کاسمک اور ریڈیائی شعاعوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ آسمان کی طرح، اللہ تعالیٰ نے زمینیں بھی بنائی ہیں۔ ایک زمین جس پر ہم رہتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں بھی زمینوں کے بارے ذکر آیا ہے۔ پرانے علماء کے پاس آسمان یا فضاء کی معلومات کے وسیع ذرائع نہیں تھے، جو آج کل جیمز واٹ دوربین، سکائی آئی، ہبل دوربین وغیرہ کے ذرائع موجود ہیں۔ ان علماء کے خیال میں زمین کے اندر ساتھ مختلف تہیں ہیں جو ایک طرح سے زمین ہیں۔ ایک تفسیر بحوالہ کلبی ہے کہ ہر زمین کے بعد سمندر ہے اور طرح سات زمینیں ہیں۔ ہمیں تبلیغ کا فرض، اپنی زمین تک ہے۔ جہاں خشکی ہے اگر ہماری پہنچ دوسری زمین تک سمندر کو پار کر کے پہنچ جائیں تو وہاں بھی فرض ہے۔ (قرطبیؒ)۔ علامہ آلوسیؒ نے حضرت حسن رضاؓ کی روایت کا ذکر کیا ہے جسے امامیہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پھیلائی اور اس کے اوپر بائیں ہاتھ کو رکھا اور فرمایا کہ ہماری زمین اور آسمان (آسمان دنیا) اس طرح ہیں اسی طرح سات زمینیں اور سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ اس کے اوپر عرش رحمان کا قبہ ہے اور آیت کا ذکر کیا۔ (روح المعانی)۔ موجودہ کاسمولوجی کی آراء کے بہت سارے سیارے اور ستارے کائنات میں موجود ہیں جہاں زندگی کے امکان ہیں۔ یہ آراء، علمی اندازوں مبنی ہیں، حقیقی معلومات نہیں صرف سگنلز کی تعبیر ہیں۔

اب جدید تحقیق سے پتہ چل رہا ہے کہ زمین کے اندر بھی سمندر موجود ہیں۔ لیکن یہ علمی اندازے ہیں۔ کائنات میں جو اربوں نوری سالوں کی مسافت پر پھیلی ہے، وہاں اربوں ستاروں اور سیاروں میں کئی ہماری زمین کی طرح سیارے بھی ہیں جن کے بارے اب انسان کو خلائی دوربینوں کے ذریعہ اندازہ ہوا ہے۔ قرآن مجید کا آج سے چودہ سو سال پہلے اعلان آج کل کی تحقیق کے لئے دروازے کھول رہا ہے۔ آنے والے زمانے میں اور اسرار کھلیں گے۔

اللہ تعالیٰ، نے یہ بھی فرمایا کہ ہماری زمین اور آسمان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی نظام منصوبہ بندی کے مطابق جو لوح محفوظ میں شروع سے کر دی گئی ہے، اس کے فرشتے اس کے احکام اور منصوبہ کے مطابق تکوینی (کائنات کے وجود و قیام کے لئے اعمال) امور سرانجام دیتے ہیں اور یہ سارے امور منصوبہ اور علم کے مطابق سرانجام پاتے ہیں۔ اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی قوت اور علم کا اندازا لگانا چاہیے کہ کس قدر عظیم و قوت والی ذات ہے اور ایمان کو مضبوط کرنا چاہیے۔

الحمد للہ سورت الطلاق مکمل ہوئی۔ سورت کی ابتداء نبی ﷺ کے خطاب اور معاشرتی احکام سے ہوئی اور انتہاء کائنات کے انتظام اور اللہ کے علم و کمال پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

66- سورۃالتحریم

تعارف:۔

اس سورت کا نام التحریم ہے۔ یہ سورت کی پہلی آیت میں لِمَ تُحَرِّمُ کے الفاظ سے ماخوذ ہے، جس کا مقصد حرمت کے بارے ہدایات تھیں۔ یہ سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی اور اس کا زمانہ نزول سات اور آٹھ ہجری کے دوران ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے سورت کا نمبر ایک سو پانچ (105) اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے چھیاسٹھ (66) ہے۔ یہ سورت الحجرات کے بعد اور سورت الجمعہ سے پہلے نازل ہوئی۔

سورت الطلاق اور سورت التحریم ترتیب مصحف میں ساتھ ہیں کیونکہ دونوں کی ابتداء نبی ﷺ کو خطاب سے تھی اور دونوں میں ازواج کے متعلق احکام ہیں۔ سورت الطلاق میں طلاق وعدت اور التحریم میں حسن معاشرت اور شوہر کی اطاعت کا بیان ہے۔ نبی ﷺ کا اپنی ازواج سے شفقت کا بیان ہے۔ سورت میں احکام کے بیان سے نبی ﷺ کی ذات اور مقام کی اہمیت کا ذکر ہے۔ وہ کام جو عام انسانوں کے لئے اجازت ہوتی ہے، نبی کو ان سے بھی اس لئے روکا گیا کہ کہیں لوگ اس کو فرائض وواجبات نہ سمجھ لیں اور اپنی خواہش کی وجہ سے غلط راہ پر نہ چل دیں۔ نبی ﷺ کا کردار مثالی ہوتا ہے اس لئے زیادہ احتیاط کی اہمیت واضح کی ہے۔ اس کڑی نگرانی سے یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ نبی ﷺ کے کردار اور اعمال منشائے الٰہی سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا، اگر ہو تو اس کی تصحیح کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا کردار یا اسوہ اسلامی قانون کا مأخذ ہے۔ نبی ﷺ کے تمام اعمال واجب تقلید ہیں اور ہر مسلمان کو قلبی اطمنان ہو کہ آپ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے احکام وتعلیمات کے تابع ہے اور پورے اعتماد اور توجہ کے ساتھ ہم ہدایت ورہنمائی حاصل کریں۔ ازواج مطہرات کے کردار کی اہمیت کے پیش نظر ان کی اصلاح بھی کی گئی اور نبی ﷺ کی معیت کے شرف سے آگاہ کیا ہے۔ دوسری مسلمان خواتین کے لئے بھی مشعل راہ ہے کہ وہ اپنے ازواج (مردوں) کا انتہائی خیال کریں۔ جب کبھی صحابہ یا صحابیات سے نبی ﷺ کے شایان شان اعمال نہیں ہوتے، تو تنبیہ کر کے آگاہ کیا گیا۔ جس طرح جمعہ کی نماز کا حکم دیا گیا ۔(جمعہ: 11)۔ غزوۃ احد کے موقعہ پر تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا۔(آل عمران: 152)۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والے کو ٹوکا کیوں نہیں گیا۔(نور: 12-17)۔ اسی طرح حضرت حاطب بن ابی بلتعہ پر سخت گرفت ہوئی، جب انہوں نے کفار مکہ کی طرف خط بھیجا اور راز کو افشا کرنے کی کوشش کی۔

ایک اہم پیغام، تمام انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے ہے، کہ اسلام میں اللہ کے ہاں اعمال کا ہی مرتبہ ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہم انبیأ، کی وراثت کوئی نہیں۔ یعنی املاک، صدقہ ہے۔ دو مثالیں دی ہیں ایک

خاتون کا شوہر دنیا کا ظالم اور شدید کافر تھا، لیکن وہ مسلمان اور جنتی تھی۔ (فرعون کی بیوی، حضرت آسیہ)۔ اسی طرح حضرت مریم نے جو طعنہ بازی اور یہود کی مخالفت سنی، ان کی وجہ سے ان کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے، اس کے مقابل، دو خواتین کا ذکر ہے، جن کے شوہر عظیم نبی تھے، لیکن وہ اپنے جلیل القدر شوہروں کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے ان کو جہنم کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں، جو نبی کی باتیں ان کے دشمنوں تک پہنچا دیتی تھی۔ یہ مثال سب کے لئے اہم ہے، کہ اسلام عمل کا دین ہے، محض رشتہ داری کی کوئی اہمیت نہیں، اگر عمل اچھے ہیں تو رشتہ بھی فائدہ مند ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو بھی اللہ کے الہام کا درجہ ہے۔ آپ کے منہ مبارک سے نکلے الفاظ کا حصہ، وحی متلو ہے، جس کو ہم تلاوت کرتے ہیں اور دوسرا آپ کا کلام، بھی اللہ کے حکم سے ہے، جس کو ہم غیر متلو کہتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے واجب التعمیل کا مقام رکھتا ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو راز بتایا گیا، جس کا ذکر سورت میں آیا ہے، اس راز کا ذکر کسی جگہ نہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام تھا، جسے اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا راز کہا گیا ہے اور اس کی رازداری کی اہمیت واضح کی گئی۔ اسی وجہ سے حدیث نبوی بھی قوانین اسلامی کا قرآن مجید کے بعد دوسرا بڑا اور مستند مأخذ ہے۔ منکرین حدیث کا ردّ ہے۔

اسلامی معاشرت میں راز اور مشورہ امانت ہیں، جن میں خیانت کرنا قابل مواخذہ گناہ ہے۔ اسے صرف متعلقہ فرد کے مشورہ سے افشاء کیا جا سکتا ہے۔ مشورہ دینے میں کوئی خرابی گناہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

اے نبی! آپ کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے۔ (کیا اس لئے کہ) تم اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو۔ اور اللہ معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ②

بے شک اللہ نے تمہارے لئے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ اللہ تمہارا مددگار اور خوب جاننے والا، بے حد حکمت والا ہے۔

آیت مبارکہ نبی ﷺ کے کسی عمل کو اپنے اوپر ممنوع کرنے کا ذکر ہے، جو عام حالات میں کیا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے شاید اپنی ازواج کی خوشی کے لئے اسے اپنے پر لازم کر دیا۔ ازواج کے ذکر سے یہ بتانا بھی مقصود ہے ازواج مطہرات اپنے ایسے امور کی ذمہ دار ہیں اور ان کی اہم ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ نبی ﷺ کا ہر عمل مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے اور ازواج نبی بھی مومنین کی امہات ہیں اور ان کے اعمال ورویہ بہت اہم ہیں۔

حضور نے جن چیزوں کو اپنے پر ممنوع کر دیا تھا اس کا ذکر نہیں، لیکن محدثین ومفسرین نے دو واقعات کا ذکر کیا ہے، جو ان کی آراء میں اس آیت (آیات) کے نزول کا سبب بنے ہیں۔ ایک واقعہ شہد استعمال نہ کرنے کے بارے ہے اور دوسرا واقعہ حضرت ماریہ قبطیہ کا ہے۔ پہلے واقعہ کے بارے مستند روایات ہیں، جب کہ دوسرے قصہ کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا جاتا ہے، کیونکہ مستند روایت نہیں۔ یہ رائے امام نسائی، قاضی عیاض، قاضی ابو بکر ابن العربی، امام نودی، اور حافظ بدرالدین عینی کی ہے۔ پہلا واقعہ جس طرح، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دوسری کتب حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ بالعموم ہر روز عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے ہاں چکر لگاتے تھے۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں جا کر زیادہ دیر بیٹھنے لگے کیونکہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اور حضور ﷺ کو شہد پسند تھا۔ آپ ﷺ ان کے ہاں شہد کا شربت نوش فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ مجھے اس پر رشک ہوا اور میں نے حضرت حفصہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مل کر طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لائیں وہ آپ ﷺ سے کہہ دے کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے۔ جس میں کچھ بساند ہوتی ہے اور اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرے تو اس کے اندر بھی مغافیر کی بساند کا اثر آجاتا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم تھی کہ نبی ﷺ نہایت نفاست پسند ہیں اور آپ ﷺ نفرت کرتے ہیں کہ کسی بھی طرح کی بو آپ ﷺ سے آئے۔ اس لئے آپ ﷺ کو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ٹھہرنے سے روکنے کے لئے یہ تدبیر کی گئی اور یہ کامیاب رہی۔ جب متعدد ازواج نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے تو آپ ﷺ نے عہد کیا کہ شہد استعمال نہیں کریں گے۔ ایک روایت میں، آپ ﷺ نے فرمایا "**فلن اعود له**" یعنی میں پھر نہیں پیوں گا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "**فلن اعود له وقد حلفت**"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "**والله لا اشربه**" خدا کی قسم نہیں پیوں گا۔

یہ فعل کوئی غیر شرعی یا گناہ نہیں تھا بلکہ انفرادی ترجیح یا پسند تھی۔ لیکن آپ ﷺ کے شایاں شان اس لئے نہیں تھا کہ ممکن ہے کہ امت کے افراد اس کو حرام تصور کر لیں۔ (جس طرح یہود نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے

بارے اونٹ کے گوشت کھانے سے رکنے پر اسے حرام کر لیا ہے)۔ اس لئے اس کو روکا کہ آپ اس کو استعمال کریں اور کفارہ کے بعد استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسری حکمت ازواج مطہرات کو بھی آگاہ کرنا ہے کہ اس طرح کا رویہ صحیح نہیں ہے۔ عام خواتین کے لئے بطور انسان مسائل ہوتے ہیں لیکن امہات المومنین (نبی ﷺ کی ازواج مطہرات) کا مقام اور اس کے تقاضے اور ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ازواج مطہرات نے اپنے سارے مطالبے یا خواہشات کو نبی ﷺ کی سہولت پر قربان کر دیا۔

دوسرا واقعہ جس کی روایات میں کمزوری ہے حضرت ماریہ قبطیہ کا ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد نبی ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان میں مصر/سکندریہ کے رومی سربراہ بطریق (پٹیارچ) کو بھی خط لکھا، جسے عرب مقوقس کہتے تھے۔ یہ خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، لے کر گئے۔ اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا، لیکن سفیر (حضرت حاطب) کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا اور جواب میں لکھا کہ "مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی نے آنا ہے لیکن میرا خیال ہے وہ شام سے نکلے گا تاہم میں آپ کے ایلچی کے ساتھ احترام سے پیش آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا مرتبہ رکھتی ہیں۔ (طبقات ابن سعد)۔ ان میں سے ایک ماریہ تھیں (عیسائی حضرت مریم کو ماریہ Marry کہتے ہیں) اور دوسری سیرین تھی۔ ایک خچر، ایک خادم اور کچھ تحائف کے ساتھ ان کو روانہ کیا، حضرت حاطب نے ان دونوں (خواتین) کو اسلام پیش کیا اور وہ اسلام لے آئیں لیکن خادم نے قبول نہیں کیا اس نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا۔

جب یہ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچیں تو آپ ﷺ نے سیرین کو حضرت حسان بن ثابت کی ملک یمین میں دے دیا اور ماریہ کو اپنے حرم میں داخل فرمالیا۔ سن 8 ہجری میں ان کے بطن سے حضور کے صاحبزادے حضرت ابراھیم پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہ بہت خوبصورت تھیں۔

ایک روز نبی ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمرہ میں تشریف لے گئے اور وہ وہاں پر موجود نہیں تھیں، اس وقت حضرت ماریہ آپ ﷺ کے پاس وہاں آ گئیں اور تنہائی (حضرت حفصہ کی غیر موجودگی) میں آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات ناگوار گذری اور انہوں نے حضور ﷺ سے سخت شکایت کی۔ اس پر نبی ﷺ نے ان کو راضی کرنے کے لئے ان سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ماریہ سے کوئی ازدواجی تعلق نہیں رکھیں گے۔ بعض روایات میں آپ ﷺ نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ بعض روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زور لگایا کہ آپ اپنے اوپر حرام کر لیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی ﷺ نے نکاح کے ساتھ آزاد ہو کر بطور زوجہ رہنے کو کہا تھا لیکن انہوں نے خادمہ (لونڈی) رہنا پسند

کیا، جس طرح، وہ آئیں ہیں بطور لونڈی ہی رہیں۔ اور آپ ﷺ کی ام الولد بنیں۔ نبی ﷺ اور اسلام میں انسان کی ذاتی آزادی اور رائے کا کس قدر احترام ہے۔

قسم توڑنے کے کفارہ کے بارے سورۃ المائدہ آیت 89 میں احکام بیان ہو چکے ہیں۔ اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (نارمل درجہ کا جس طرح آدمی خود کھاتا ہے)۔ یا مسکینوں کو کپڑے دینا، ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ سارے احکام اللہ تعالیٰ جو بہت علم والا اور بہت حکمت والا ہے اس کے ہیں اور وہی تمہارا مالک و مددگار ہے۔ لہٰذا ان پر مکمل ایمان اور یقین کے ساتھ عمل کرو یہ انسانیت کے فائدہ کے لئے بنائے ہیں۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۳

اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی، پس اس نے اس راز کو خبر (دوسری کو) دے دی اور اللہ نے اپنے نبی پر اس کو ظاہر کر دیا تو نبی نے اس میں سے کچھ (اس بیوی کو) بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض (ٹال دیا) کیا۔ پھر جب نبی نے اس کو اس (راز کی افشا) کی خبر دی تو اس نے کہا آپ کو کس نے خبر دی؟ نبی نے کہا: مجھے خوب جاننے والے (عظیم) اور بہت باخبر (خبیر) نے خبر دی ہے۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ۝۴

اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ گئے ہیں اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے۔ اور جبرئیل اور نیک مسلمان (مومن) اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں۔

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝۵

اگر وہ (نبی) تمہیں طلاق دے دے تو شاید اس کا رب اس (نبی) کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے دے جو فرمانبردار، ایماندار، عبادت گذار، توبہ کرنے والیاں، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواری ہوں گی۔

آیات مبارکہ نبی ﷺ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں ہیں، جن سے مسلمانوں کے لئے ایک روشنی اور حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے زوجہ کی خوشی کے لئے جو قدم اُٹھایا اور پھر زوجہ نے اس کے بعد جو قدم اُٹھایا، اس کے بارے تنبیہ کی جارہی ہے۔ روایات کے مطابق، نبی ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ جو حضور ﷺ کی ام الولد لونڈی تھیں، کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کی غیر موجودگی میں ان کے کمرہ میں بلایا، وہ حضور کے ساتھ تخلیہ میں رہیں، جس کی وجہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، اپنے مکان کے استعمال اور اپنی حق تلفی کا اظہار کیا، نبی ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لئے ان کو دو باتیں بتائیں جو آنے والے واقعات کے بارے امت مسلمہ کی اہمیت کی حامل تھیں۔ راز کا مقصد تھا کہ اس کو راز رکھا جائے، لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے دوسری زوجہ مبارکہ کو جن سے ان کا تعلق و پیار تھا، ان کو بتادیا۔ نبی ﷺ نے جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا اظہار کیا کہ کیوں انہوں نے دوسری بیویوں کو اس بارے بتایا، تو وہ حیران ہوئیں کہ آپ ﷺ کو کیسے پتہ چلا کیونکہ یہ بات تو نبی ﷺ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان تھی اور انہوں نے جس زوجہ کو بتایا تھا، انہوں نے بھی نبی ﷺ سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس پر نبی ﷺ نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے۔ یہ بھی ایک وحی کی صورت ہوتی ہے، جس کو قرآن مجید سے کم درجہ دیا جاتا ہے، کیونکہ قرآن مجید وہ وحی ہے جو کہ تلاوت کی جا سکتی ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ملتی ہے۔ اس سے حضور کی تمام تعلیمات کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

تمام خواتین کے لئے پیغام ہے کہ وہ اپنے اور اپنے خاوند کے درمیان رازوں کو دوسروں کے ساتھ ذکر نہ کریں۔ اس میں ملک یا خاندان یا افراد کے تعلقات پر اثر پڑتا ہے۔ ایک سربراہ مملکت یا انتظامی سربراہ کے فیصلے اور آراء بڑی اہم ہوتی ہیں لہٰذا ان کا راز رکھنا بہت ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی ﷺ کو شہد کا شربت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پینے سے روکنے کے لئے، دوسری ازواج کے ساتھ مل کر ایک حیلہ کیا۔ یہ ان کی نبی ﷺ کے ساتھ محبت اور زیادہ وقت گذارنے کی خواہش تھی، مگر دوسری جانب نبی ﷺ کی پسندیدہ چیز کو وہ اپنی خواہش کے تحت اعتدال سے ہٹ کر عمل کے ذریعے چھڑوا ، رہی تھیں اور نبی ﷺ کی پسند کو نظرانداز کر رہی تھیں۔ یہ رویہ بھی اعتدال سے ہٹ کر غیر صحیح تھا اور نبی ﷺ کی دل آزاری کا سبب بن رہا تھا۔ جس کی وجہ آیت میں ذکر ہے کہ اگر نبی ﷺ کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں، یعنی اپنی پسند کا خیال اور نبی ﷺ کی پسند کا خیال نہ کیا، تو نبی ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اور نیک مسلمان اور فرشتے ان کے ساتھ ہیں تم خسارہ میں رہو گی اور ساتھ یہ بتادیا کہ اگر تم نے رویہ نہ بدلا تو اللہ تعالیٰ

تمہارے متبادل ان کو اور بیویاں (زوجات) مہیا فرمادے گا۔

امام بخاری/امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے راز افشا کرنے کے بارے ذکر ہے کہ میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے راہنما ہوں گے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتادیا۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ایک طرف تو یہ ازواج مطہرات کے لئے تنبیہ تھی اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خواہشات (ازواج کی محبت) کے خلاف عمل کیا۔ ایک اور حدیث جو کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور صحیح بخاری/مسلم/سنن ترمذی/سنن نسائی میں درج ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے ازواج سے علیحدگی اختیار کرلی اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور بیٹھ گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور بیٹھ گئے۔ ازواج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسردہ اور خاموش تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ضرور کوئی مسئلہ ہے اور چاہا کہ کوئی بات کر کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کردوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش آپ دیکھتے بنت خارجہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ) مجھ سے نفقہ کا سوال کرتی تو میں اس کی گردن مروڑ دوں۔ اس پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس (مسکرا) پڑے اور فرمایا: ان کو جو تم میرے گرد بیٹھا دیکھتے ہو، یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فتوحات اور مال غنیمت سے مسلمانوں کے حالات بہت بہتر ہو گئے تھے۔ تمام مہاجرین اور انصار خوشحال ہو گئے تھے۔ ازواج مطہرات نے بھی سوچا کہ وہ سربراہ حکومت کی ازواج ہیں۔ ان کے ہاں کئی روز تک فاقے ہوتے ہیں۔ کپڑے نہیں اور کوئی خادم نہیں تو وہ کیوں نہ ان چیزوں کو حاصل کریں۔ جس طرح اور مومن اور مومنات کے پاس ہیں۔ اس طرح انہوں نے اپنے اخراجات میں اضافہ کا مل کر مطالبہ کیا، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہ آیا، کیونکہ آپ نے اپنی ذاتی زندگی میں فقر (غریبی و مسکینی) کو ترجیح دے رکھی تھی اور ساری انسانیت کے لئے ایک رول ماڈل تھے۔ دنیا کی بے ثباتی اور سربراہ مملکت، کا اس کے عوام کے ساتھ اخلاص اور ان کے کم زور تر، طبقہ افراد کے معیار کو قبول کر رکھا تھا تاکہ انسانیت کے لئے مثال قائم ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غصے ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غصہ ہوئے۔ دونوں اپنی بیٹیوں کی گردن مروڑنے لگے اور کہا تم کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس چیز کا سوال کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً اٹھائیس/انتیس دن (تقریباً ایک ماہ) اپنی ازواج سے علیحدہ رہے اور پھر سورت احزاب میں آیات تخیر (اختیار کرنے) نازل ہوئیں جس کا ترجمہ ہے: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تم کو دنیا کا مال دوں اور

تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا، تو بے شک اللہ نے تم سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔(احزاب 28:29)۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابتداء کی اور فرمایا: اے عائشہ: میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کر رہا ہوں، مجھے یہ پسند ہے کہ تم جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ! کیا میں آپ کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ بلکہ میں اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی باقی ازواج کو میرے فیصلہ کے متعلق نہ بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں جس نے بھی اس کے متعلق سوال کیا میں اس کو بتاؤں گا، بے شک اللہ نے مجھے نہ دشوار بنا کر بھیجا ہے اور نہ دشواری میں ڈالنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اللہ نے مجھے تعلیم دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راز افشا کرنے اور زیادہ خرچ کے مطالبہ کرنے پر آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک علیحدگی اختیار کی۔

عائلی زندگی کے مسائل اور حل:۔

اسلام میں عورتوں سے اختلاف کو افہام و تفہیم کے ذریعہ حل کرنے کے طریقہ کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اگر دوسرا فریق (بیوی) شدید مخالفت علیحدگی کرتی ہے، تفاہم کو نہیں سمجھتی اس صورت میں اولاد اور گھر کو بچانے کے لئے معمولی جسمانی سختی کرنے کی اجازت ہے جس کے نشان نہ پڑیں۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ گھر تباہ نہ ہو۔ بچوں کی زندگی اور متعلقین (رشتہ داروں) کے لئے پریشانی نہ ہو۔ اگر ایک دفعہ معمولی ضرب کے بعد بھی وہی رویہ برقرار رہے، تو علیحدگی کر دی جائے۔ ہاتھا پائی کو نہ شروع کیا جائے۔ اگر عورت تعلیم یافتہ اور اپنی کمائی کر رہی ہے تو اس کی بھی اجازت نہیں، کیونکہ وہ مرد کے فرائض پورے کر رہی ہے۔

عورتوں کو مرد سے طلاق حاصل کرنے کی بہت سارے اسباب کی وجہ سے اجازت ہے اور معاملہ کو افہام تفہیم کے ذریعہ حل کرنا خلع ہے۔ اگر مرد جنسی مردانگی نہیں رکھتا، تو اس کے لئے شادی کرنا مکروہ عمل ہے۔ کیونکہ اس طرح ایک عورت کو دھوکا دینا ہے اور عورت کو طلاق کا حق ہے۔ اسی طرح مرد اگر تین سال کے عرصہ تک غائب رہے اور اس کا صحیح پتہ معلوم نہ ہو تو عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اگر مناسب رہائش اور کھانے پینا میسر نہیں کرتا تو علیحدگی (طلاق) لے سکتی ہے۔ ذہنی مریض ہے، اگر مار پیٹ ہوتی ہے تو طلاق لے سکتی ہے۔ یہ قوانین اٹھارویں صدی میں کسی نسوانی تحریک یا صنعتی انقلاب، علمی تحریک کے ذریعہ جس طرح یورپ میں بنے تھے، نہیں آئے بلکہ آج سے چودہ سو سال قبل (چھٹی صدی عیسوی) میں اللہ نے اپنے احکام (بغیر کسی پارلیمنٹ یا تحریک یا احتجاج کے) انسانیت کی بھلائی کے

لئے نازل فرمائے اور ان کو نبی ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین نے نافذ کر کے دکھایا۔ اگر آج کسی مسلمان ملک میں عورتوں کے حقوق کا مرد خیال نہیں رکھتے تو اسلام کی خلاف ورزی ہے۔ اسی طرح اگر مرد نے دو یا تین عورتیں نکاح میں رکھی ہیں ان کے درمیان معاشرتی و معاشی عدل (مکان، رہائش، غذا) میں مساوات نہیں کرتا تو وہ عورتیں طلاق لے سکتی ہیں یا مساوات کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ ان کو پورا حق حاصل ہے اور اگر عورت اپنا نان نفقہ خود کما رہی ہے تو اس کے مرد کی نان نفقہ نہ مہیا کرنے کی وجہ سے وہ عورت زیادہ مراعات واختیار کی حقدار ہے جو گھر کے چلانے میں ادا کر رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا واقعہ جو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا قابل غور ہے۔ یہ حدیث صحیح البخاری اور صحیح المسلم میں مذکور ہے۔ اس کا ترجمہ (خلاصہ) یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق وہ حقوق نازل کئے جو نازل کئے اور ان کے متعلق وہ تقسیم (جائیداد میں) کی جو تقسیم کی۔ اسی دوران میں نے ایک دن اپنی بیوی سے کسی کام کے لئے کہا تو اس نے کہا: تم اس طرح کر لو، میں نے کہا: میں نے تم کو جس کام کا کہا ہے، تم وہ کام کرو، تم اس میں اور باتیں کر رہی ہو۔ اس نے کہا: تعجب ہے اے ابن خطاب! تم نہیں چاہتے کہ تمہیں جواب دیا جائے۔ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ وہ دن غصہ میں گذارتے ہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے چادر اپنی جگہ سے اُٹھالی اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور کہا: اے بیٹی! کیا تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو، حتیٰ کہ آپ ﷺ پورا دن غصہ میں گذارتے ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ہاں اللہ کی قسم ہم آپ ﷺ کو ضرور جواب دیتی ہیں۔ میں نے کہا: کیا تم جانتی ہو کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے اور رسول اللہ کے غضب سے ڈرا رہا ہوں۔ اے بیٹی! تم اس دھوکہ میں نہ آنا، جس کا حسن و جمال آپ ﷺ کو پسند ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہے۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں)۔ پھر میں ان کے پاس سے حضرت ام سلمہ کے پاس گیا کیونکہ میری ان سے قرابت تھی۔ میں نے ان سے اس سلسلہ میں بات کی، انہوں نے کہا: تعجب ہے ابن خطاب! تم ہر چیز میں دخل دیتے ہو۔ حتیٰ کہ تم رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج میں بھی مداخلت کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے مجھ سے اس قدر شدید مواخذہ کیا کہ میں اپنے دل میں جو ازواج مطہرات کو سمجھانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس پر عمل نہیں کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کر رہے تھے کہ عورتوں کے مہر کی حد مقرر کی جائے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کی تعداد کم تھی اور لوگوں کو نکاح کرنے میں مہر کی رقم کی زیادتی کی وجہ سے پریشانی ہو رہی

تھی اور جنسی جرائم بڑھنے کے امکان تھے، لیکن ایک خاتون نے بر سر عام آپ کو قرآن مجید کی ایک آیت کے حوالہ سے کہا کہ جب اللہ ہمیں اختیار دیا ہے تو آپ کیسے کم کر سکتے ہیں۔ پھر آپ نے معذرت کر کے ارادہ منسوخ کر دیا۔

یہ وہ عورتوں کے حقوق اور ان کی تنفیذ ہے، جو اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے اسلامی معاشرے میں نافذ کر کے دکھائے تھے۔ بد قسمتی سے ہندو پاکستان (ایشیاء) میں دوسرے مذاہب بالخصوص ہندومت اور بدھ مت کی وجہ سے عورتوں کے حقوق تلفی کا ایک سماجی و ثقافتی سلسلہ اتنا مضبوط ہے کہ مسلمان بھی اسلام کے حقوق کو ان کے معاشروں میں بھول گئے ہیں۔ اسلام پر عورتوں کو اہمیت نہ دینے کا الزام بالکل غلط اور غیر حقیقی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶

اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جس پر سخت مزاج اور طاقتور فرشتے مقرر ہیں، اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷

اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو، تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

ازواج کو ہدایات کے بعد عام اہل ایمان کے لئے احکام ہیں کہ تم اپنے آپ کو اپنی اولاد کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ یہ دوزخ کی آگ کا ایندھن کاربن سے پیدا شدہ مواد (لکڑی، کوئلہ) نہیں ہیں بلکہ اس کی حرارت کا ذریعہ اور ہے جس میں نیوکلیئر، بجلی الیکٹرانک، لیزر، ریڈیو ویوز وغیرہ کی طرح انسانی جسم اور پتھر ایندھن ہیں، اس کی حرارت کے ذریعے انسان کی جلد جل جائے گی اور پھر فوراً پیدا ہو جائے گی، پھر جلے گی، پھر پیدا ہو گی اور جلد کے جلنے کا عمل (پروسس) بڑا آہستہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے کہ جلد کا ہر حصہ اپنے درد کو محسوس کرتا ہے۔ آنکھ یا کان یا زبان کی طرح مخصوص عضو نہیں۔ ساتھ ہی اپنے اہل و عیال (اولاد) کو بچانے کا حکم ہے تاکہ وہ بھی عذاب سے بچ جائیں۔ اولاد خوشی اور تکلیف سے والدین کو تکلیف اور خوشی ہوتی ہے، اسلئے سب کو محفوظ کرنا ہی عقل مندی ہے۔ اور محفوظ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچا جائے۔ بالخصوص کبائر گناہ اور حقوق العباد کا خاص اہتمام کیا جائے، جن کی معافی صرف اس صورت میں ہو گی جب متاثرہ شخص معاف کرے گا اور قیامت کے دن اس قدر خوفناک صورت حال ہو گی کہ کوئی بھی نہیں چاہے گا اگر اسے کہیں سے سہولت مل رہی ہے تو اسے وہ استعمال نہ کرے۔ حقوق اللہ، کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و

کرم سے معاف کر دیں گے، مگر شرک (اللہ کے برابر کسی کو مان لینا یا اقرار کر لینا ہے) کو، معاف نہیں کریں گے۔

تربیت اولاد اور نیک اعمال:۔

اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں، چند تحریر ہیں۔ (۱): حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہو گا۔ سربراہ مملکت اپنے عوام کا محافظ ہے اور اس سے اپنے عوام کے متعلق سوال ہو گا اور ایک شخص اپنی بیوی کا محافظ ہے اور اس سے اس کی بیوی کے متعلق سوال ہو گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے اور اس سے اس کے گھر کے متعلق سوال ہو گا اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہو گا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال ہو گا۔ تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہو گا۔ (صحیح بخاری/مسلم/ترمذی)۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب کوئی شخص رات کو اپنی بیوی کو جگائے پھر دونوں نماز پڑھیں یا دو رکعت نماز مل کر پڑھیں (تہجد) تو ان دونوں کو ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھا جائے گا۔ (ابوداؤد)۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بیٹے کو ادب سکھائے، تو وہ ہر دن دو کلو صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ (المستدرک للحاکم)۔ حدیث سے اولاد کی تربیت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق سات سال کی عمر کے بچوں کو نماز میں شامل کرنا چاہیے تاکہ وہ سیکھیں اور تیرہ سال کی عمر میں ان کو پابندی کرانی چاہیے، اس کے لئے حکمت ضروری ہے۔ یعنی انہیں انعام اور سزا دونوں کو ملا کر طریقہ اپنایا جائے، ان کے بستر الگ کر دیئے جائیں یعنی ان کو آزادی بھی دی جائے اور سولہ سال کی عمر میں وہ بالغ ہیں اور وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں، اس کے بعد ان پر سختی نقصان دہ ہے۔ اگر شروع سے اچھی تربیت کی جائے تو یقیناً اس کا اثر ساری عمر ہوتا ہے۔

دوزخ کی سزا، اس لئے سخت ہے کہ جلنے کا عمل، پیپ، اور کھولتا پانی ہے۔ پھر وہاں سے نکلنے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے چوکیدار فرشتے، بہت بے رحم اور قوی ہیں۔ کوئی بھاگ کر دھوکہ دے کر نہیں نکل سکے گا۔ فرشتوں کو سمجھنے کے لئے مثال آج کل کے طاقتور روبوٹ ہیں جو مشکل اور سخت کام سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نظام، انسانوں سے بہت اعلیٰ ہے، یہ صرف سمجھانے کے لئے ہیں کہ فرشتے احکام کا انکار نہیں کرتے جس طرح روبوٹ احکام کا انکار نہیں کرتا۔

کافروں کو بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہیں۔ دنیا میں وہ تکبر، ظلم کرتے اور احکام کا انکار کرتے تھے۔ اس

کی وجہ سے ان کو قیامت پر حساب و کتاب کے بعد جو سزا ملے گی وہ سراسر عدل ہے۔ کوئی ظلم یا زیادتی نہیں۔ یہ ان کے دنیا کے اعمال کا بدلہ ہے، تمہارے سارے بہانے اور عذر غلط ہیں۔ وہ کام نہیں آئیں گے۔ ہر قاری کے لئے تنبیہ ہے کہ دنیا میں احکام خداوندی پر عمل کرے تاکہ نجاعت مل جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸

اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو، امید ہے تمہارا رب، تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں (محلات) میں داخل کر دے جن کے نیچے (اندر) نہریں جاری ہیں ،اس دن جب اللہ، نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو شرمندہ نہ ہونے دے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہو گا۔ وہ کہیں گے (اے) ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہماری مغفرت فرما بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹ اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

توبہ:

کافروں کے ذکر کے بعد اگر مسلمانوں سے گناہ ہو جائیں، تو اس کے علاج اور بچاؤ کے بارے تعلیمات ہیں۔ انسان خطاء کا پتلا ہے۔ نفس امارہ اور شیطان ہر وقت انسان کو اپنی بری خواہشات کے تابع رکھنا چاہتا ہے اور اللہ کے احکام کے خلاف جذبات کو ابھارتا ہے۔ انسان پھر گناہ کا عمل کر دیتا ہے۔ اس صورت میں اس کا حل یا بچاؤ توبہ ہے۔ توبہ، اسلام کے اہم امور سے ہے۔ ایمان کے ابتدائی مقام سے ہے۔ سالکین حق کے راستے کی ابتداء اور واصلین حق کے دروازے کی کنجی ہے۔ گناہ کے بعد فوری توبہ ضروری ہے۔ یہاں جس توبہ کا ذکر ہے اس کی توصیف ''النصوح'' کے لفظ سے کی گئی۔ توبہ کی کیفیت یا خاصیت توبہ النصوح کی ہو۔ النصوح کا مادہ نصح ہے۔ جس کے معنی خالص، خلوص اور خیر خواہی

ہے۔اس سے مراد ایسی توبہ ہے، جس میں نفاق، بناوٹ کا شائبہ تک نہ ہو۔توبہ، نفس کی خیر خواہی ہے کہ اسے عذاب سے بچانا ہے۔اس میں، نفاق وبناوٹ کا نہ ہونا، خالص پن ہے۔گناہ سے، جو کسی کے دین یا کردار میں، شگاف یا نقصان ہوا ہے اسے توبہ پورا کردے۔جب نبی ﷺ سے توبۃ النصوح کا مطلب پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو، پھر شرمندگی کے ساتھ، اس پر اللہ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کو نہ کرو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ توبہ کی تعریف میں فرمایا: کہ توبہ کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہییں۔(۱): جو کچھ ہو چکا ہے اس پر نادم ہو۔(۲): اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہو ان کو ادا کرو۔(۳): جس کا حق مارا ہو اس کو واپس کرو۔(۴): جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگو۔(۵): آئندہ کے لئے پکا ارادہ کرے، کہ اس گناہ کو پھر نہیں کرے گا۔(۶): اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے۔(یعنی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ڈال دے اور معصیتوں کو ختم کردے۔کیونکہ نفس، معصیت کر کے مزا اٹھاتا ہے)۔(روح المعانی)۔

توبہ کا مقصد اللہ کے احکام کی پابندی اور تابعداری ہے۔اگر اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے انسان کو معاشی، سماجی، بدنی، فوائد پہنچتے ہیں، تو یہ اللہ کے احکام کی حکمت اور انسان کے لئے رحمت ہے اور اس کے علم سے مقصود، اللہ کی اطاعت ہو اور اس کے فوائد کی وجہ سے شکر اور ایمان میں اضافہ ہو اور نہ کرنے پر شرم ساری اور احساس گناہ ہو۔

توبہ کے بارے حضرت حسن بصری کا قول ہے؛ بندہ پچھلے گناہ پر نادم ہو اور یہ عزم مصمم کرے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرے گا۔

سعید بن جبیر نے کہا: وہ توبہ مقبول ہے اور قبول ہونے کے تین شرائط ہیں۔(۱): توبہ قبول نہ ہونے کا خوف ہو۔(۲): توبہ قبول ہونے کی امید ہو۔(۳): دائمی اطاعت الٰہی کرے۔

جنید بغدادی نے کہا: گناہ کو اس طرح بھول جائے کہ پھر کبھی اس کو یاد نہ کرے، کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہوتی ہے، وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرے، وہ اللہ کے علاوہ کو بھول جاتا ہے۔قیامت کو جب حساب و کتاب ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرما کر اہل ایمان کو جنت میں محلات عطا فرمائیں گے جن کے اندر آبشاریں اور پانی کے چشمے بہہ رہے ہوں گے۔زندگی کی ہر آسائش و سرور میسر ہوگا اور زندگی دائمی ہوگی۔

ہر شخص اپنے اعمال نامہ کے مطابق جنت یا جہنم میں جائے گا۔(سورت حدید)۔پل صراط سے گذر ہوگا۔ اہل ایمان کے چہروں کو اللہ تعالیٰ منور کردیں گے اور ماحول میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔منافق (مسلمان) کے چہرے سیاہ ، کفار اور اہل جہنم ، کے چہرے سیاہ ہوں گے اس وقت راستہ یا روشنی کا ذریعہ مومنین کے چہروں سے نکلنے والا نور ہوگا ، جس سے وہ راستہ معلوم کر سکیں گے۔ان کے نور کی روشنی ان کے ایمان و اعمال کے مطابق ہوگی۔کئی ایک منور جسم

کی طرح ساری فضا کو جگمگا رہے ہوں گے۔ کوئی صرف ٹمٹماتے چراغ کی طرح ہوں گے۔ لوگ ان کی طرف حسرت سے دیکھ رہے ہوں گے اور ان کے پیچھے بھاگیں گے۔ منافق، کفار اور اہل جہنم، اندھیروں میں آہ وفغان کر رہے ہوں گے۔ روشنی کی طرف بھاگ رہے ہوں گے۔ اہل ایمان ان کی حالت زار اور آہ وبکا، پر اللہ سے درخواست کریں گے کہ ان کا نور ان کے ساتھ ان کی منزل تک رہے اور ان کے مغفرت ہو جسے اللہ قبول فرمائیں گے۔

ہدایات کے بعد بھی، کفار اور منافق، مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اسلام کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ اپنے دنیاوی مفادات کو مقدم رکھتے ہیں اور اپنی اصلاح نہیں کرتے۔ اگر ان کو ان کے ان برے اعمال سے نہ روکا گیا، تو دوسرے لوگوں میں برائی پھیل جائے گی، اور سارا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ اس لئے ان کو سزا دینا یا ان کے اثر ورسوخ کو محدود کرنا ضروری ہے تاکہ معاشرہ کو برائی سے محفوظ بنایا جاسکے۔ سماجی وتعزیراتی قوانین کی تنفیذ کے لئے حکم دیا گیا ہے اگر دنیا میں وہ سزا سے بچ گئے تو قیامت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جو سب سے برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ سب کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

کفر (انکار) کرنے والوں کے لئے اللہ نے مثال بیان فرمائی، نوح کی بیوی کی اور لوط کی بیوی کی۔ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت (نکاح میں) تھیں۔ تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کے ساتھ خیانت (نافرمانی) کی پھر وہ دونوں (رسول) انہیں دونوں (عورتوں) کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہو جاؤ، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اللہ نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، جب اس نے کہا (اے) میرے رب! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجاعت دے اور مجھے ظالم قوم سے نجاعت دے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

(اور مثال بیان کی) مریم بنت عمران کی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

اہل ایمان اور اہل کفر کے بارے انجام کے بعد دو مثالوں سے انسان کے اعمال کا تجزیہ بیان کیا جارہا ہے، مصائب اور مشکلات میں اہل ایمان نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ کفر کے ماحول میں ایمان کی شمع منور کی، ان کا انجام جنت ہوا اور دوسری طرف اہل نور اور برکت والے گھروں میں رہنے والے اپنے بداعمالی کے سبب نافرمانی میں گھرے رہے۔ شیطان کے آلہ کار رہے اور ان کا انجام جہنم ہوا۔

پہلی مثال، (برے اعمال وانکار کی) حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھی جو نبی کی بیوی ہونے کے باوجود ان کی نبوت پر یقین نہیں رکھتی تھی اور ان کو مجنون خیال کرتی تھی۔ نبی کے صبر کا امتحان تھا کہ طویل عرصہ وہ اس کے ساتھ رہے اور اس کی وجہ سے ان کا بیٹا بھی ان سے جدا رہا اور طوفان میں تباہ ہوگیا۔ اپنے برے اعمال کی وجہ سے وہ جہنم میں جائیں گے۔ دوسری مثال حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی جو حضرت لوط علیہ السلام کے پیغام کو جانتی تھی مگر اس کے تعلقات قوم لوط کے کفار کے ساتھ تھے اور انہیں گھر میں ہونے والے واقعات کے بارے بتاتی تھی۔ جب فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں مہمان بن کر آئے، تو اس نے ان کو اطلاع دی۔ وہ بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئی۔ اس کو نبی کے ساتھ رشتہ، نہ بچاسکا۔

دوسری دو خواتین، کا ذکر جو کفر کے ماحول کے باوجود، اللہ کے ایمان سے سرشار تھیں اور برے ماحول کے باوجود اپنے کو گناہوں سے محفوظ رکھا اور جنت میں مقام کی حقدار ہوئیں، ان کو رشتہ داری یا برا ماحول، برائی کی طرف نہ لے جاسکا وہ اعمال صالحہ پر ہمیشہ کاربند رہیں۔ ایک مثال فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم تھیں۔ فرعون کے دعویٰ خدائی سے ان کا انکار تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ اور ان کی نبوت پر، ان کا یقین تھا اور جب فرعون کو پتہ چلا، تو اس نے پتھروں سے ان کو جسم کو کچلنے حکم دیا اور انہوں نے اللہ سے عذاب انسانی سے نجاعت کی دعا، ان کو ان کا جنت میں گھر دکھلادیا گیا اور ان کی روح ان پر ظلم و تشدد شروع کرنے سے پہلے پرواز کرگئی۔ اتنے کفر کے ماحول میں رہنے کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا۔ دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران تھی۔ جو یہودیوں کے برے ماحول میں پاک دامن رہیں۔ زندگی، بیت المقدس میں پاکدامنی میں بسر کی۔ گناہوں سے دور، اللہ کی یاد میں مصروف رہیں۔ یہودیوں کی دین کی خلاف ورزیوں سے دور رہیں اور ان پر حمل، ولادت کے بعد جو تہمتیں لگیں ان کا مقابلہ کیا اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پالا پوسا۔ یہودیوں کے طعنے اور الزامات سہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں میں چار کامل ترین عورتیں ہیں۔ (۱): آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی)۔ (۲): مریم بنت عمران (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ)۔ (۳): خدیجہ بنت خویلد (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ)۔ (۴): فاطمہ بنت محمد (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ) اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثرید (کھانا) کی فضیلت دوسرے کھانوں پر ہے۔ (مسند احمد / صحیح البخاری / صحیح المسلم)۔ ثرید ایک کھانا ہے، جس میں سبزی، شوربا والا گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں روٹی کوٹ کر کھائی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند تھا۔ جدید طبّی معلومات میں اس طرح کا کھانا، انسانی جسم کے لئے ہضم کرنے میں بہت مفید ہے۔ کاربوہائیڈریٹ، فائبر، پروٹین معدنیات اور پانی کے وجہ سے مفید مرکب غذا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اعمال وعادات انسانی زندگی گذارنے کے لئے معاشی، سماجی اور طبّی نقطہ نظر سے نہایت مفید ہیں، جو جدید تحقیقات سے ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ انبیاء کی عظمت اور الہامی رہنمائی کی دلیل ہیں۔

الحمدللہ سورت التحریم مورخہ 17 جون 2023 کو مکمل ہوئی اللہ تعالیٰ تمام قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

67- سورۃالملک

تعارف:۔

سورت کا نام، اس کی پہلی آیت میں لفظ الملک کی وجہ سے ہے اور اس میں اللہ کی عظمت ،ملوکیت، کے بارے بیان بھی ہیں۔ مضامین کے اعتبار سے سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی اور اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ سورت کا ترتیب نزول، کے اعتبار سے نمبر چھہتر (76) اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے ستاسٹھ (67) ہے، اس میں تیس (30)آیات اور دو(2)رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا بیان ہے۔ نظام کائنات ، جس کمال اور منظم طریقے سے چل رہا ہے،اس کا حوالہ دیا ہے۔اس کی ترتیب اور ڈیزائین، جو انسانی افکار و علم سے ماوراء ہے۔اس کے بارے اشارات و دلائل ہیں۔ جس ذات یا طاقت نے اس کو بنایا، اس کی عظمت کا اندازا لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے احکام کو نہ ماننا، بہت بڑی غلطی ہو گی۔ نصیحت نہ ماننے والوں کی کیفیت اور بے بسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ قیامت کے دن ،ان کی حالت کی منظر کشی کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کے علم کی قوت و طاقت کا بیان ہے۔کائنات کا انسان کو ادراک ہی نہیں ہو سکتا۔انسان صرف ان موجودات جن کو اس کی آنکھ دیکھتی ہے یا موجودہ زمانے میں ریڈیو دوربین، جو ریڈیو سگنلز کے ذریعے معلومات دیتی ہیں، جن سے صرف اندازہ لگایا جاتا ہے کا جزوی علم ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے، وہ ذات الٰہی کس قدر عظیم ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ خالق اپنی ہر مخلوق جس کو پیدا کیا،اس کے ہر عمل و ہر حالت سے، ہر وقت آگاہ رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ، نے زمین میں موجودات کو انسان کی ضرورت اور فائدے کے لئے پیدا فرمایا اور انسان اس سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔اس کی زندگی اور موت کسی طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ یہ تمام زمین کا نظام، رات، دن، موسم، بادل، سورج، چاند، ستارے، سمندر، انسان، کو کس طرح فائدہ پہنچا رہے ہیں قابل توجہ ہے۔ یہ سارا نظام، محض کھیل تماشہ نہیں، بلکہ انسان جس کو عقل و سمجھ دی گئی ہے اس کے لئے ایک امتحان ہے۔اللہ تعالی نے انسان کی ہدایت اور مشکل امور میں فیصلہ کے لئے ،اپنے انبیاء بھیجے اور الہامی کتابیں نازل فرمائیں۔ جن کی تعلیمات موجود ہیں۔ان ہدایات اور راہنمائی کے باوجود، اگر کوئی احکامات خداوندی پر عمل نہیں کرتا تو اس کا جواب اس کو دینا پڑے گا۔

قیامت میں حساب و کتاب کے بعد ان کو یاد دہانی کرائی جائے گی، کہ یہ سزا ان کے اعمال اور نافرمانی کا نتیجہ ہے، اسی طرح اگر دنیا میں بھی اللہ کا عذاب آجائے، تو کون اس کو روک سکتا ہے۔اس کا مطالبہ ، نقصان دہ ہے۔ عذاب نازل ہونے کی صورت میں بچاؤ ممکن نہیں۔ جن قوموں پر عذاب آیا وہ ختم ہو گئیں۔

پانی کی برکات اور انعام کا ذکر ہے کہ اگر پانی کی کیفیت و حالت میں تبدیلی پیدا ہو جائے، تو انسان کو کس قدر تکلیف ہو گی۔ زمین سے نکلنے والا پانی، اگر زمین میں جذب ہو جائے یا پانی میٹھا ہونے کے بجائے کڑوا بن جائے تو کیا ہو گا۔

سورت کے فضائل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ یہ سورت (تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ) ہر مومن کے دل میں ہو۔ (المستدرک / شعب الایمان)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید کی ایک سورت میں تیس آیات ہیں۔ وہ جس شخص کی بھی شفاعت کرے گی، اس کی مغفرت کر دی جائے گی وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔ (ابوداؤد / ترمذی / ابن ماجہ)۔ سورت کے موضوعات انتہائی اہم اور توحید کے دلائل سے بھرے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں، کہ ایک شخص نے لاعلمی میں، ایک قبر پر خیمہ لگا دیا۔ اس میں ایک انسان سورۃ الملک پڑھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے اس کو ختم کر لیا، پھر وہ نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سورت المانعہ اور المنجیہ ہے، یہ عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ (ترمذی/شعب الایمان)۔ یہ سماعت خصوصی ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب تک نبی (ﷺ) الم تنزیل (السجدۃ) اور تبارک الذی، کی تلاوت نہیں کر لیتے۔ آپ نہیں سوتے تھے (سنن دارمی)۔

اڑتیسواں پارہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۟ بہت ہی بزرگ اور برتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کائنات کی ملوکیت (سلطنت) ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۟ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے اور وہ بے حد غالب اور بخشنے والا ہے۔

وجود کائنات:۔

یہ دو آیات ،انسانی زندگی کے مراحل کی تمام مشکلات اور سوالات کا حل دکھارہی ہیں اور اس کا ساتھ ثبوت بھی مہیا کررہی ہیں کہ کائنات پر غور کریں۔ ہماری زمین، کائنات کا ایک بہت معمولی حصہ ہے، جس کا ذکر کوئی اہمیت نہیں رکھتا، لیکن یہ زمین انسان کو اس کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک، اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔انسان کے علاوہ، کئی مخلوقات جن میں حیوانات، چرند، پرند، درخت، فصلیں، نباتات، پھلدار اور غیر پھلدار، بیل اور جھاڑیاں جن کی تعداد ملین میں ہے،اسی طرح حیوانات و جاندار ملین میں ہیں، سب کے لئے زمین میں رزق، وسعت، زندگی اور رہائش کا سامان موجود ہے۔ یہ تو صرف زمین ہے، جس کی سطح پر انسان، ہزاروں سالوں سے بس رہے ہیں۔ انسان کے قریب ترین عظیم وجود، زمین ہے۔اس میں انسان نے مر کر بھی چلے جانا ہے۔ بلکہ یہ نظریہ ہے کہ مادہ ختم نہیں صرف حالت بدلتا ہے اور زمین کا حصہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد، ہمارا نظام شمسی ہے، جس کے مختلف اجزاء سورج، چاند، ستارے اور سیارے ہم دیکھتے ہیں۔ ان کے بارے، ہمارا علم، عینی مشاہدے کے بجائے، مختلف آراء پر مبنی ہے، جو علمی بنیادوں پر تیار کی گئی ہیں۔ جدید آلات کی وجہ سے معلومات میں تبدیلی اور اس کے نتیجے میں آراء و نظریات میں بھی تبدیلی آرہی ہے۔ اس سارے نظام کی ملکیت اور کنٹرول اس ذات کے پاس ہے، جس نے اپنی طاقت اور قوت سے اتنا بڑا نظام اور اجسام پیدا کئے، پھر انسانوں کو اور دوسری مخلوق کو پیدا کیا ،وہ ان کے ہر حال، ہر کیفیت کو بطور خالق و مالک جاننے والا ہے۔ ہر تبدیلی،اصلاح اور تکوین پر قادر ہے اور وہ ذات،اللہ تعالی ہے۔

موت اور زندگی:۔

اس ذات نے، زمین پر اشیاء کے وجود، جو جاندار ہیں،ان کی زندگی اور موت کو پیدا کیا۔ دنیا میں ان کے آنے کے لئے زندگی دی جاتی ہے،ان کے وجود کے اسباب اور مادے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تکوینی (وجودی) عمل شروع ہو جاتا ہے اور ایک معین وقت تک ان کے وجود کو زندگی دی جاتی ہے۔ زندگی، ایک غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) قوت (روح) ہے، جب جسم سے لگتی ہے ،داخل ہوتی یا ملتی ہے، تو اس وجود میں زندگی آجاتی ہے متحرک ہو جاتا ہے۔۔ پھر ایک اور مخلوق ہے، جو غیر مرئی ہے اور وہ جب جسم کے ساتھ لگتی ہے تو جسم کے اجزاء بکھر جاتے ہیں یعنی کام چھوڑ دیتے ہیں اور زندگی کی قوت (روح) جسم سے نکل جاتی ہے، ساکن ہو جاتا ہے، یہ موت ہے۔ یہ قوت (موت)، قیامت تک موجود رہے گی اور قیامت کے بعد، جب دوبارہ اللہ تعالی، زندگی کی قوت،انسانوں اور جانداروں میں جب لوٹانا چاہیں گے، تو دوبارہ، وہ قوت (زندگی) جسم میں داخل ہو جائے گی۔ زندگی کے آنے سے پہلے جسم، اپنا مادی وجود، دوبارہ اختیار

کرے گا، کیونکہ مادہ کے بکھرے اجزاء زمین کی سطح پر موجود ہوں گے اور وہی دوبارہ اکٹھے ہو کر ایک جسم بن جائیں گے ۔ان امور کو اللہ، کے فرشتے مکمل کریں گے ،یعنی اسباب و حالات و کیفیات پیدا کریں گے، جن کے نتیجہ میں، یہ وجود یا اجسام بن جائیں گے اور زندگی (روح) ان میں داخل ہو جائے گی۔اس کے بعد وہ اجسام، جسمانی قوت وطاقت کے ساتھ زندہ ہو جائیں گے اور ان کا حساب و کتاب ہو گا۔ حساب و کتاب سے مراد، وہ انسانی اعمال کی مکمل معلومات و شواہد ہیں، جو کہ مواد (ڈیٹا) کی صورت میں، اللہ کے فرشتوں نے جمع کر رکھی ہیں اور ان کی بنیاد پر حساب و کتاب ہو گا۔ دنیا میں جو لوگ اپنے اعمال (اچھے یا برے) کا بدلہ حاصل کر چکے ہیں، ان سے ان اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا اور جن کے اعمال کا بدلہ ان کو نہیں ملا تھا، اس کا بدلہ ان کو دیا جائے گا۔ جزا و سزا، کے فیصلوں کے بعد ''موت'' کو اللہ تعالیٰ، ان انسانوں کے سامنے ختم کر دیں گے۔اس کا وجود یا قوت ختم ہو جائے گی۔اس کے ختم ہونے سے، اس وقت کے زندہ انسانوں وہ جہاں بھی ہوں گے (آرام میں یا عذاب میں) ان کو پھر موت نہیں آئے گی ان کی زندگی دائمی ہو گی۔

آیات یہ بتا رہی ہیں کہ زمین پر، انسان کی زندگی اور موت پیدا کی گئی، جس کے نتیجہ میں انسان عدم سے وجود میں آتا ہے۔ جب اسے موت آتی ہے تو اس کا، مادی وجود زمین کے اجزاء میں گھل کر ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ وجود، جن کو خاص کر انبیاؑ، کو اللہ باقی رکھنا چاہیں، رکھتے ہیں۔ان کے اجزاؑ کی تحلیل نہیں ہوتی۔اللہ کی ذات قدرت وطاقت والی ہے۔ انسان کے وجود کو تمام اعلیٰ صفات و قوتیں، عطا کی گئی ہیں۔ عقل و سمجھ اور تجزیہ کرنے کی وافر، صلاحیت دی گئی ہے۔ راہنمائی کا بندوبست انبیاؑ اور الہامی کتب کے ذریعے کیا گیا۔اچھے اور برے کا معیار، انسانی خواہشات سے بالاتر ہو کر مقرر کیا گیا۔ نیکی اور بھلائی کے اعمال کرنے کا حکم دیا گیا۔ تمام اسباب، انسانی خواہش پر عمل کرنے یا احکام الٰہی پر عمل کرنے کے لئے موجود ہیں۔انسان، کی فکر و عمل کے مطابق اسباب مہیا ہو جاتے ہیں اور **یہی عمل کرنے کا کام آزمائش ہے، جس کا آیت میں ذکر ہے۔** کون اچھے اور نیک عمل کرتا ہے یا کون برے عمل اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔اللہ نے ہمیشہ، نیک اعمال کو پسند فرمایا اور کرنے کا حکم دیا۔

اللہ کی ذات، بڑی طاقت و غلبہ والی ہے۔ سخت سے سخت سزا دے سکتی ہے اور دے گی اور بڑی رحم والی ہے۔ اگر کوئی صحیح توبہ کرے گا، تو اس کو معاف کر دے گی۔ یہ آزمائش انسان کے اعمال کی ہے کہ کون اچھے کرتا ہے اور کون برے، یہی زندگی کی فرصت ہے، جس میں انسان عمل کر سکتا ہے۔ موت کے بعد تو سارا سلسلہ عمل ختم ہو جاتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ وہ (اللہ) جس نے سات آسمان اوپر نیچے پیدا کئے۔ (اے انسان) تم اللہ کی تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھو گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کیا، تم کوئی نقص

(دراڑ) دیکھتے ہو؟ (نہیں)۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ بار بار نظر دوڑاؤ، تمہاری نگاہ (نظر) تھک کر ناکام لوٹ آئے گی۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝ اور بے شک ہم نے تمہارے آسمان دنیا (قریب کا آسمان) کو چراغوں سے مزین کر دیا اور انہیں شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا اور ہم ان شیاطین کے لئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آسمان:

کائنات کی تخلیق، کے بعد آسمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان وسعت کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے، تمام سیارے اور ستارے آسمان کی حدود کے اندر ہیں۔ زمین کی حدود تو ختم ہو جاتی ہے لیکن آسمان کی نہیں۔ یہ آسمان سات ذکر کئے گئے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ پرانے علماء نے آسمانوں کی تقسیم اپنی معلومات کے مطابق کی ہے، لیکن موجودہ معلومات دوربین کی ایجاد، پھر خلاء میں دوبینوں یا مصنوعی سیاروں کے ذریعہ معلومات کی وجہ سے زیادہ حقیقت کے قریب تر ہیں۔ سائنس میں زمین سے اوپر کی فضاء آسمان ہے۔ اس کی حدود وہ ہیں جہاں تک ہم دیکھ سکتے ہیں، یا ریڈیو لہروں کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں۔ بغیر کسی سپورٹ کے اس نے زمین کو چاروں طرف گھیرا ہوا ہے۔ اس لئے کروی (دائری) کہا جا سکتا ہے۔ اس میں گیسوں کے مجموعے، ستارے ہیں۔ جو چمکتے ہیں۔ آسمان نیلا، اس لئے نظر آتا ہے کہ روشنی کی لہریں بخارات وذرات کی وجہ سے پھٹتی ہیں اور نیلی لہر چھوٹی اور زیادہ مقدار میں ہوتی ہے، اس لئے نیلا نظر آتا ہے۔ ساری انسانی کوشش پہلے اور قریب تر آسمان کی حدود کے اندر ہیں۔ ہمارا نظام شمسی بھی پہلے آسمان کے اندر ہے۔ اس سے آگے اور آسمان بھی ہیں، جن کے فاصلے بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے (سائنسدانوں) کے اندازے میں ان کی مسافت زمین اور سورج کی مسافت کے حساب سے ناپی جاتی ہے۔ جو روشنی کی رفتار سے ناپا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے پیمائش کا پیمانہ، روشنی کے سالوں کے بجائے، نسبت وتناسب سے فرمایا ہے۔ فاصلہ، اس طرح ہے جس طرح ایک انسانی انگوٹھی کسی صحراء اعظم میں پڑی ہو، اور اس کو، اس صحراء اعظم سے نسبت ہو۔ اسی طرح زمین کی نسبت آسمان سے ہے۔ پہلے آسمان پر ستاروں کو ''مصابیح'' ''چراغ'' کہا گیا ہے، پھر انسانوں کو ایک چیلنج دیا ہے کہ اپنی سر بین اور تیز نگاہوں سے دیکھو، کہ آسمان میں، یہ سارا نظام کس قدر خوبصورتی سے منظم اور مربوط ہے؟ کیا تمہیں کوئی اس میں خلل یا کمی یا ٹوٹ پھوٹ نظر آتی ہے۔ جس قدر بھی کوششیں کروگے تمہیں اس کی خوبی نظر آئے گی کمی نہیں ہو

گی۔ حقیقت ہے کہ نئی دوربینوں، نئے معلوماتی ذرائع اور تحقیقات سے اللہ تعالیٰ کی کائنات کی خوبی اور کمال ہر لحظہ اشکارا ہو رہا ہے۔ انسانی عقل حیران و پریشان ہے۔ یہ سارا حسن، کمال، اپنے خالق کے کمال و قوت کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ ستارے اور سورج چاند، ہم اپنی عام نگاہوں سے دن اور رات کو دیکھتے ہیں۔ کہکشاں کا منظر، ستاروں کی رات کو روشنی، ہمیں جس قدر رات کو ضرورت ہوتی ہے میسر ہوتی ہے۔ چاند کی روشنی بھی ہے اور آرام کرنے کی سہولت بھی ہے۔

شہابیئے:

آسمان سے روشن اجسام، جو زمین کی حدود میں جل کر روشنی کی لکیر بناتے ہیں، ان کو شہابیئے کہتے ہیں۔ مختلف اجرام فلکی سے علیحدہ ہونے والے یہ ٹکڑے، جب زمینی فضاء میں داخل ہوتے ہیں تو جل اُٹھتے ہیں اور زمین پر پہنچنے سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں یا ان کے راستے، زمین کے بجائے خلاء میں دوسری طرف ہو جاتے ہیں۔ کچھ زمین پر بھی گرتے ہیں ان میں لوہا پایا گیا ہے۔ ایک نظریہ کے مطابق زمین پر لوہا اسی طریقہ سے آیا ہے۔

معلومات کی چوری:۔

قرآن مجید اور احادیث کے مطابق، جنات جو کہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں، ایک جاندار قوت ہیں اور عقل رکھتے ہیں، لیکن مادی وجود نہیں رکھتے۔ شیطان بھی آگ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ ایک انرجی کی صورت ہے جس طرح روشنی یا برقی لہریں ہیں جو کائنات میں دوڑتی ہیں اور ان کی حدود بہت زیادہ ہے۔ روشنی کی لہریں یا برقی لہریں (ریڈیو سگنلز) ہزاروں سال کے بعد زمین تک پہنچتی ہیں۔ یہ ہمارے پہلے آسمان کی وسعت ہے، جس میں ارضی کہکشاں واقع ہے۔ جنات کو عقل کے ساتھ اختیار بھی ہے، اس لئے جنات کی اکثریت، شیطان سے مرعوب ہو کر اس کے راستے پر چلتے ہیں۔ کائنات کے نظام کے لئے، اللہ تعالیٰ نے اسباب بنائے ہیں اور ان اسباب کو چلانے، ملانے، متحرک، کرنے کے لئے، اللہ نے روشنی (نور) سے ایک مخلوق پیدا کی ہے جو عقل رکھتی ہے، مادی جسم نہیں رکھتی، ایک انرجی کی کیفیت و صورت میں عمل کرتی ہے وہ فرشتے ہیں۔ ان کو انکار کرنے کا اختیار نہیں۔ اس کی ایک انتہائی ادنیٰ مثال صرف ہمارے ذہن کے لئے انسان کی بنی ہوئی مصنوعی عقل یا سافٹ ویئر ہیں، جو کہ حکم پر عمل کرتے ہیں، انکار نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات، سگنلز کی صورت میں (جس طرح حدیث میں ذکر ہے کہ زنجیر کی کھنکھناہٹ ہوتی ہے۔) فرشتوں کے پاس آتے ہیں اور ہر آسمان کی حدود کے اندر متعین فرشتے ہیں۔ جو نظام میں احکام کو نافذ کرتے ہیں، جو احکام زمین سے متعلق ہیں، ان کی جستجو میں ابلیس یا شیطان اور اس کے کارندے (جن) لگے رہتے ہیں، تاکہ انسانوں پر اثر انداز ہوں، ان کو گمراہ کریں۔ اس مقصد کے لئے، ابلیس کے تابع جنات، ان سگنلز کو معلوم کرنے یا چرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس

کی ایک بہت ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جس طرح کوئی ڈیٹا ٹرانسفر کیا جائے اور اس کو بگ (BUG) کیا جائے (چرایا جائے) یا اس میں خرابی شامل کی جائے۔ جنات یہی چاہتے ہیں کہ وہ ان معلومات کو حاصل کر کے ان کے ذریعہ انسانوں کو نقصان پہنچائیں اور ان انسانوں کو جو جنات کے ساتھ رابطہ کر سکتے ہیں ان کو بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان شہاب ثاقب کے ذریعہ ان جنات کو ہلاک کیا جاتا ہے جو معلومات / احکامات (یعنی ڈیٹا) چوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آگ (شہابیے) کے ساتھ وہ آگ میں ضم ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ معلومات الہامی ہیں، چونکہ جنات کو ہماری طبعی سائنس نہیں دیکھتی، نہ مانتی ہے۔ اس لئے یہ امور سائنس کی بحث و تمحیص سے باہر ہیں اور صرف مذہبی اور روحانی قوت والے افراد کے درمیان ذکر کئے جاتے ہیں۔ یہ سطور صرف ایک عقلی توجیہ کی خاطر تحریر ہیں، کہ کائنات میں اس کا ثبوت اب آہستہ آہستہ مصنوعی عقل اور روشنی و بجلی و مقناطیس پر تحقیق سے نکل رہا ہے کہ کس طرح معلومات محفوظ کی جاتی ہیں (Encrypt) اور ٹرانسفر کی جاتی ہیں۔ ان کو چوری یا ناکارہ بنانے کی کوشش اور پھر محفوظ کرنے کی طریقے ہیں۔ یہ وہ سائنسی و علمی آیات ہیں جو مسلمانوں سے علم سائنس کا تقاضا کر رہی ہیں کہ وہ تحقیق کے ساتھ سائنس کے شواہد سے لوگوں کو خالق کے وجود کا یقین دلائیں۔

جنات (آگ سے پیدا ہیں) چونکہ اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں اور شیطان کے گروہ میں کام کرتے ہیں اس لئے قیامت کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے جہنم (آگ) میں سزا دی جائے گی جو تیار ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶ اور جن لوگوں نے اپنے رب سے انکار (کفر) کیا۔ ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ اور برا ٹھکانہ ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝۷ جب وہ اس میں پھینکے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی خوفناک آواز سنیں گے۔ اور وہ جوش کھا رہی ہو گی۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸ گویا وہ شدت غضب سے پھٹ جائے گی۔ جب بھی اس میں کوئی بڑا گروہ، ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان (لوگوں) سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا تھا۔

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۹ وہ (جہنمی لوگ) کہیں گے۔ کیوں نہیں: بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا۔ پس ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا، اللہ نے تم پر کوئی چیز (کلام الٰہی)

نازل نہیں کی۔ تم تو بڑی گمراہی میں ہو۔

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾ وہ (اہل جہنم) کہیں گے، کاش ہم (غور سے) سنتے یا عقل سے کام لیتے (سمجھتے) تو (آج) ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾ پس وہ (اہل جہنم) اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے۔ لعنت ہے دوزخیوں پر۔

کائنات کا ذکر ہوا۔ آسمان، ستارے، زمین اور پھر زندگی اور موت کا ذکر کیا گیا۔ زندگی کا مقصد انسان کو اچھے اعمال کرنا ہے۔ جو اعمال میں اچھا ہوگا، وہی کامیاب ہوگا۔ اچھے اعمال کا معیار اللہ کے احکام پر عمل ہے جو انسانیت کے فائدے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نافذ کئے ہیں۔ دوسرے امور اخلاق عالیہ اور انسانیت کے مفاد میں ہوا گر ان پر عمل نہیں ہوگا تو ناکامی ہوگی۔

اقرار جرم، عقل کی اہمیت:۔

قیامت کے دن اور بعد کے حالات کا منظر پیش کیا گیا ہے اور لوگوں کو ملنے والی سزاؤں اور خوفناک حالات کے بارے بتایا گیا ہے۔ جب اللہ کے احکام سے انکار کرنے والے، دوزخ میں دھکیلے یا پھینکے جائیں گے، تو دوزخ سے سخت چنگھاڑ کی کرخت آواز آئے گی، جس طرح گدھے کی آواز کے آخر میں آتی ہے۔ یہ آواز، دوزخ میں جلنے کا پر وسس، جس کا ایندھن، پتھر اور انسان ہوں گے، اس میں بھڑکنے کی ہوگی یا اس میں جو جل اور سزا بھگت رہے ہیں (انسان اور جن) ان کے چیخنے کی ہوگی۔ لوگوں کی تعداد کروڑوں میں ہوگی (ایک اندازہ ہے)، جس کی وجہ سے آواز بھی اونچی ہوگی۔ اب جو مکالمہ ہوگا، وہ ایک حقیقت کی تمثیل ہے، جو ہم دنیا کی زندگی میں کسی بھی شخص کو، اس کو غلطی کا اعتراف کرانے کے لئے کرتے ہیں۔ جب یہ دوزخ میں دھکیلے یا پھینکے جائیں گے، تو دوزخ کے محافظ اور چوکیدار فرشتے، ان سے سوال کریں گے: کہ تم انسان، صاحب عقل و فراست تھے۔ تم نے اللہ کے احکام پر عمل کیوں نہیں کیا؟ کیا تمہارے پاس، اللہ کی طرف سے اس کے بھیجے ہوئے رسول یا نبی نہیں آئے تھے۔ جنہوں نے تمہیں احکام بتائے ہوں یا اللہ کے کلام پر مبنی کتاب یا صحیفہ دیا ہو۔ وہ کہیں گے کہ آئے تھے، لیکن ہم نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔ ان کو جھٹلایا اور انکار کیا تھا۔ کاش ہم ان کی بات سنتے یعنی غور کرتے اور پھر عقل و سمجھ استعمال کر کے اس پر عمل کرتے، تو آج جہنم میں جانے والے نہ ہوتے۔ یہ ان کا ایک اعتراف جرم ہوگا، جس وہ اعلان کریں گے۔ اہل جہنم پر خدا کا عذاب اور لعنت ان کے اعمال کے سبب ہے۔ قرآن مجید ہدایت کی آخری کتاب ہے۔ ان آیات کا مقصد تمام انسانوں کو آنے والے عذاب کی کیفیت دکھانی ہے تاکہ وہ دنیا میں نیک اعمال کر کے بچ سکیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾ بے شک وہ لوگ جو اپنے رب سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾ تم اپنی بات چھپا کر کہو یا اونچی پکار کر کہو۔ بے شک وہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟ (جانتا ہے) اور وہ بہت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔

اجر کا معیار:۔

ان افراد جنہوں نے انکار اور گمراہی کو منتخب کیا تھا، ان کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے، جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کے احکام کے تابع ہیں۔ عموماً انسان، ظاہر کے اعمال سے متاثر ہوتا ہے۔ جو سامنے سخت عمل ہو رہا ہو، اس سے خوف کھاتا یا بہترین عمل ہو رہا ہو اس سے ترغیب لیتا ہے۔ دنیا کے قوانین کا بھی خوف ہوتا ہے کہ سزا ملے گی، لیکن دنیا کے قوانین صرف ان اعمال پر نافذ ہوتے ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں اور اگر چھپ کر عمل ہو جائے، تو انسان بچ جاتا ہے۔ بعض اوقات انسان اپنی پسند یا ناپسند کی وجہ سے کوئی عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ ان تمام اعمال کے اثرات ہیں اور ان کا کافی حد تک اثر یا بدلہ دنیا کی زندگی میں مل جاتا ہے۔ لیکن سب کا نہیں ملتا، لیکن ان سب کا محرک، سامنے نظر آنے والی قوت، ذاتی رغبت ہے۔ اس کے مقابل، جو افراد، اللہ تعالیٰ کی ذات پر نگاہوں سے نظر نہ آنے کے باوجود، ایمان رکھتے ہیں، کہ وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔ روشنی اور اندھیرے، لوگوں کے سامنے یا تنہائی میں، سب اعمال سے آگاہ ہے، اللہ کے خوف سے اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس کا خوف رکھنے والے ہیں، اس کا اجر، اس دنیا میں بھی ہے، آخرت میں بھی اجر عظیم ہو گا۔ اسلام میں یہی بنیادی نظریہ ہے کہ اللہ کی ذات کے سامنے جوابدہی ہو گی۔ وہ اپنی مخلوق، جس کو اس نے پیدا کیا ہے، اس کے ہر حال سے آگاہ ہے۔ وہ باریک بین ہے کہ دلوں کی کیفیات، خیالات کو جانتا ہے۔ انسان پر گذرنے والی مشکلات اور ارادوں سے واقف ہے۔ اس کی تابعداری کی وجہ سے جو بھی نیک اعمال کئے جائیں گے اور ان کی تکمیل جس قدر بھی ہو گی اس کا، عظیم اجر، کرنے والے کو ملے گا۔

نیک اعمال کا صلہ، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی وجہ سے بھی ضرور دیتے ہیں۔ دوسرا صلہ آخرت کا اعلیٰ اجر ہے، جو اللہ کی ذات پر ایمان اور اس کے احکام پر عمل کی بناء پر ہو گا، یہی اخلاص ہے۔

ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِہَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِہٖ ؕ وَ

اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ ﴿۱۵﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر دیا لہٰذا تم اس کے راستوں میں چلو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾ کیا تم، آسمان والے (اللہ) سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر اچانک وہ زمین لرزنے لگے۔

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾ کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے کہ وہ، تم پر کنکریاں برسانے والی تیز ہوا بھیج دے۔ پس تم جلد جان لو گے میرا ڈرانا کیسا ہے۔

وَ لَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۱۸﴾ بے شک ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا چنانچہ میرا عذاب کیسا تھا (سخت تھا)۔

جہنم میں سزا کی کیفیت کے بعد، انسان کو دنیا کی زندگی میں اس فرصت کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ جس میں وہ اچھے کام (اللہ کی تابعداری) کر کے اپنا انجام بہتر اور امن والا، بنا سکتا ہے۔ اللہ نے زمین پر اس کی زندگی اور رزق کے تمام اسباب و وسائل مہیا کر دیئے ہیں۔ اب انسان پر منحصر ہے وہ کوشش کر کے ان وسائل کے ذریعہ، اپنی زندگی گذار سکتا ہے۔ اس کے بعد ہر انسان نے موت چکھنی ہے اور پھر اس کے اجزاء مٹی میں جذب ہو کر، دوبارہ، وہ اسی مٹی سے اُٹھ جائے گا۔ اگر انسان، ہدایات کو نہیں مانتا، تو آسمانی عذاب، جس سے مراد، اللہ کا عذاب ہے جس میں طوفان، بجلی کی کڑک و تباہی، قحط، خشک سالی، سیلاب اور پھر زمین کے اندر سے زلزلے ہوتے ہیں تاریخ میں دیکھ چکا ہے۔ یہ سب اس زمین و آسمان بنانے والے، کی قدرت اور طاقت کا اعلان ہے۔ جنہوں نے اس کی، نافرمانی کی، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلایا، ان کا انجام تباہی پر ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زندگی کی سہولیات اور ہدایات (تعلیمات) دی ہیں تو کیوں نہ زندگی اس کی تعلیمات کے مطابق بسر کر کے، قیامت میں عذاب سے بچا جائے اور اس کے انعام کا مستحق بنا جائے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ۚ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا۔ انہیں (فضاء میں) رحمان (اللہ) کے سوا کوئی نہیں تھامتا۔ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اَمَّنۡ ہٰذَا الَّذِیۡ ہُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ الۡکٰفِرُوۡنَ اِلَّا

فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے، کافر (انکار کرنے والے) تو صرف دھوکے میں ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ؕ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ بھلا ایسا کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے، اگر اللہ اپنا رزق دینا بند کر دے۔ بلکہ کافر اپنی سرکشی اور (حق سے) گریز پر اڑے ہوئے ہیں۔

ہوا کی قوت:۔

آیات مبارکہ، میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے۔ ہوا کے دباؤ، اچھال، ہوا کے فوائد، کے بارے انسان کو اطلاع دی جارہی ہے۔ اس کا ایک عمومی مظاہرہ، پرندوں کے ہوا میں اڑنے سے نظر آتا ہے۔ پرندے پر سمیٹ کر مڑتے، کھول کر رفتار تیز کرتے اور پر پھیلا کر اڑتے ہیں۔ پرندوں کو دیکھ کر انسان کے دل میں بھی ہوا میں اڑنے کا خیال آیا اور ہوا کے دباؤ یا اچھال سے ہوائی جہاز کی اڑان معلوم ہوئی۔ حضرت سلیمانؑ، کے واقعات میں بھی ہوا کی مختلف کیفیات، تیز، جھکڑ، اور آہستہ ہوا، کا ذکر آچکا ہے۔ آپؑ کے تخت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ہوا کی قوت اچھال یاد باؤ، اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ پھر کم دباؤ کی طرف جانا بھی اللہ کے نظام کا حصہ ہے۔ ساتھ ہی ہوا کا دباؤ، جھکڑ، طوفان اور بارشوں سیلابوں کا سلسلہ لاتا ہے۔ اگر یہ عذاب نازل ہوں، تو انسان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ اسی طرح زمین پر پیداوار، نباتات، فصلات، بارش کی وجہ سے اگتے ہیں۔ اگر قحط سالی ہو جائے، بارشیں بند ہو جائیں، سخت گرمی ہو جائے، تو انسانی رزق بند ہو جائے گا۔ ان تمام دلائل، کے باوجود اللہ کی ذات سے انکار کرنے والے یا اس کے احکام سے انکار کرنے والے محض ضد اور تکبر یا گمراہی کی وجہ سے انکار کر رہے ہیں اور دھوکے کا شکار ہیں۔ کائنات خود بخود نہیں چل رہی، بلکہ چلانے والا چلا رہا ہے۔ اس کی تابعداری میں نجاعت و کامیابی ہے۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ بھلا کیا (سوچو) جو شخص منہ، اوندھا کر کے چل رہا ہو، وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا جو سر اُٹھا کر سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ کہہ دیجئے! وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان (سننے) اور آنکھیں (دیکھنے) اور دل (سمجھنے کے لئے) بنائے۔ تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی

الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کہہ دیجئے! وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کے سامنے تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔

عقل کا استعمال ضروری ہے:۔

دنیا کی، زندگی آخرت کے لئے کھیتی ہے۔ یہاں کے اعمال آخرت میں کام آئیں گے۔ انسانی زندگی اور طرز حیات کا ایک علمی اور نفسیاتی تجزیہ، مثال کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ ایک آدمی ایک راہ پر چل رہا ہے اور اس کا منہ نیچے ہے۔ وہ اس وجہ سے سامنے نہیں دیکھ سکے گا کہ آگے کیا آنے والا ہے۔ آگ ہے یا دریا، یا، کنواں ہے۔ اور نہ دائیں یا بائیں دیکھ سکتا ہے اور ارد گرد کے حالات سے بالکل بے خبر ہے۔ صرف اپنے قدموں پر اس کی نظر ہے۔ اس کا سفر طے کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن ایک اور شخص سر اُٹھا کر چل رہا ہے۔ سامنے آنے والی اشیاء کو دیکھتا ہے۔ دائیں بائیں کے ماحول سے آگاہ ہے۔ سیدھے راستے پر چل رہا ہے، کیونکہ اپنے ارد گرد دیکھ رہا ہے۔ وہ جلد اپنے مقام پر صحیح و سلامت پہنچ جائے گا۔ یہ دونوں انسان ہیں، دونوں کے پاس صلاحتیں، ایک جیسی ہیں۔ کان سننے کے لئے، آنکھ دیکھنے کے لئے، اور دل و دماغ سوچنے اور سمجھنے کے لئے، لیکن فرق صرف یہ ہے کہ ایک صحیح طور پر ان اسباب و وسائل کو استعمال کر رہا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ ایک ان کا صحیح استعمال نہیں کر رہا اور اپنا اختیار استعمال کرنے میں کمزوری اور غلطی دکھا رہا ہے۔ ان اسباب کی بناء دونوں کے نتائج مختلف ہوں گے اور غلطی کرنے والا ناکام ہوگا۔ اللہ، نے زمین کے وسائل انسان کے لئے مختص کئے ہیں اور اس کے عقل و حواس خمسہ حیوانات سے بہت بلند ہیں۔ ان تمام نعمتوں پر شکر ادا کرنا ضروری ہے لیکن اکثر انسان ناشکرے ہیں۔ یہ مثال ہمارے اعمال کی ہے۔ اگر احکام الٰہی پر عمل کریں گے تو نجاعت ہوگی ورنہ اس شخص کی مثال ہے جس کو اپنی راہ کی پوری خبر نہیں۔ یہ عقل کا استعمال اس لئے ضروری ہے کہ زمین میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب دینا ہے تاکہ جہنم کے عذاب سے بچ سکیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ اور وہ (انکار کرنے والے) کہتے ہیں یہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو؟

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ کہہ دیجئے: بے شک (اس کا) علم تو صرف اللہ کے پاس ہے اور میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ پھر جب وہ (عذاب کو) قریب سے آتا دیکھیں گے تو کافروں (انکار کرنے والوں)

کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا یہی ہے وہ (عذاب) جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے۔

کفار مکہ جو قیامت اور اللہ کا وجود یا اس کی قوت کا انکار کرتے ہیں ان کا ذکر ہے۔ کفار مکہ محض بہانہ کی خاطر کہتے ہیں کہ نبی بتائیں کب قیامت آئے گی۔ اس کا جواب ہے کہ جب آئے گی تو خوفناک ہو گی اور دیکھنے والے گھبرا جائیں گے اور جان بچانہ سکیں گے۔ دراصل قیامت کا وقوع اسی طرح ہے، جس طرح ہر انسان کی موت ہے کہ معلوم نہیں کب آجائے گی لیکن آجاتی ہے۔ آج کل کی سائنس (فلکیات وطبیعات) کے مطابق نظام شمسی ختم ہو جائے گا اور ہماری زمین اس کا ایک حصہ ہے اور جب سورج، روشنی، ہوا، نہیں ہو گی، تو زندگی کے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے انسانی زندگی کا وجود زمین پر ختم ہو جائے گا۔ اس کے لئے اچھے اعمال کے ذریعے تیاری ضروری ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ کہہ دیجئے: بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے، تو کافروں (انکار کرنے والوں) کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ آپ کہہ دیجئے وہی رحمان ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے توکل (بھروسہ) کیا۔ پس عنقریب تم (کفار) جان لوگے کون کھلی گمراہی میں ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ کہہ دیجئے: اگر تمہارا پانی (کنویں کا) اتر جائے تو تمہارے لئے جاری (تازہ) پانی کون لائے گا۔

کفار مکہ، مسلمانوں کے ساتھ پوری دشمنی کر رہے تھے، جہاں مشکلات پیدا کرتے وہاں نبی ﷺ اور مسلمانوں کے مرنے کی بھی دعا کرتے۔ اس کے جواب میں ان کو بتایا جارہا ہے کہ نبی ﷺ اور مسلمان اگر اس دنیا سے چلے بھی جائیں، جس طرح ہر ایک نے مرنا ہے تو ان کو گمراہی کی وجہ سے عذاب ہر صورت میں ملے گا۔ بچاؤ نہیں ہو گا۔ مسلمان، اللہ پر، اس کے احکام پر یقین کرتے ہیں اور اپنی زندگی کی بقاء و فناء میں اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں لیکن کفار انکار اور گمراہی کی وجہ سے عذاب بھگتیں گے۔ ایک مثال دی گئی کہ اگر ان کی زمین ہو، پانی کے وسائل ختم ہو جائیں تو کیا ان کے اندر اتنی قوت اور طاقت ہے کہ وہ تازہ پانی اپنی ضروریات کے لئے پیدا کر سکیں؟ بالکل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں زمین پر پانی انسانوں کے سب سے اہم مسئلہ ہے۔ یہ تو اللہ کے نظام کی برکت سے انسان کی زمین پر ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ اس لئے اس کا شکر اس پر ایمان لانا اور اس کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور کامیابی ہے۔

68- سورۃالقلم

تعارف:۔

سورت کا نام،القلم ،اس کی ابتدائی آیت میں القلم کی وجہ سے ہے۔کچھ مفسرین نے اس کا نام ،ن والقلم تحریر کیا ہے۔لیکن اکثر صرف القلم ہی تحریر کرتے ہیں۔سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی اور اس کا نزول،روایات کے مطابق اسلام کے ابتدائی ایام ہیں۔حضرت جابر بن زید کی روایت کے مطابق یہ سورت **اقراء باسم ربک الذی** کے بعد نازل ہوئی۔اس لئے اس کا ترتیب نزول کے لحاظ سے دوسرا نمبر(2) ہے۔ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر اڑسٹھ(68) ہے۔سورت میں باون(52) آیات اور دو(2) رکوع ہیں۔

نزول قرآن کے شروع اور تبلیغ کے،ابتدائی ایام میں قریش کی مخالفت شدید تھی۔وہ نبی ﷺ کو جنّ زدہ سمجھتے تھے۔قیامت،حشر ونشر اور انسان کے اعمال کی جوابدہی،ان کے لئے ایک عجوبہ اور ناممکن امر تھا۔قرآن مجید کو اللہ کا کلام،سمجھنے کے بجائے،سحر زدہ،کلام سمجھتے تھے۔ان کے اس رویہ کی سختی سے تردید کی گئی اور اعلان کیا،کہ وقت ثابت کرے گا،کہ دیوانے کون ہیں اور کون سچا ہے؟ یہ ساری مشکلات،جو لوگوں کو حق اور ہدایت،دینے میں کی جارہی ہیں، ان کا اللہ کے ہاں اجر ہے۔

کفار چاہتے ہیں،کہ ان کے عقائد کے ساتھ نرمی کی جائے اور اس لئے وہ،دباؤ ڈال رہے ہیں،لیکن حق ثابت ہو کر رہے گا۔جو لوگ مخالفت کر رہے ان کا کردار اور ماضی سب کو معلوم ہے (برائی اور فساد ان کا عمل ہے) اور نبی ﷺ کا اخلاق عظیم ہے۔جس کی ماضی میں شہادت موجود اور حال سامنے ہے۔

قریش مکہ،کو باغ والی مثال دی ہے،جہاں بھائیوں نے اپنے ایک بھائی کی نصیحت نہ مانی اور اپنا سارا سرمایہ تباہ کر دیا،پھر بعد میں غلطی کا احساس ہوا۔قریش کو بھی اپنی غلطی کا احساس کرنا اور نبی(ﷺ)،جو ان میں سے ہیں،ان کی بات کو سمجھنا ضروری ہے۔نہ ماننے کی صورت میں عذاب کے لئے تیار رہیں۔یہ بھی واضح کیا گیا کہ،نیک لوگ (اچھے کام کرنے والے) اور برے اعمال والے،اسی طرح اللہ کا حکم ماننے والے (اللہ کے تمام احکام،عدل اور انسانی بھلائی کے لئے ہیں) اور احکام کا انکار کرنے والے،دونوں کے اجر،برابر نہیں ہو سکتے۔مجرم اپنی سزا پائیں گے اور نیک اعمال والے انعام حاصل کریں گے۔دین کی تبلیغ کے سلسلہ میں صبر کی تلقین کی گئی اور حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا حوالہ دیا کہ اگر جلد بازی کی گئی تو انجام میں پریشانی ہو گی۔جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو ہوئی تھی۔تبلیغ کی راہ میں مشکلات ہیں اور ان کا حل،صبر کرنے میں ہے۔قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے نصیحت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ نون اور قلم کی قسم، اور اس کی، جو وہ لکھتے ہیں۔

مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾ (اے نبی) آپ، اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾ اور بے شک تمہارے لئے لامحدود، اجر ہے۔

قلم اور عقل:۔

حضرت عبادۃ بن الصامت (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی، (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا؛ اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، پھر اسے حکم دیا، کہ لکھو، اس نے ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا، لکھ دیا۔ ایک تفسیر کے مطابق حروف تہجی لکھے ہیں، جن سے قرآن مجید کے الفاظ بنتے ہیں، یعنی یہ قرآن، انسان کا کلام نہیں یا جن سے انسانوں کا کلام بنتا ہے۔ اگر تم (کفار) سمجھتے ہو کہ انسانی کلام ہے تو اس کی مثل بنا کر لاؤ۔ (تفسیر کبیر)۔ حضرت ابو ہریرۃ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے جسے ابن عساکر (رضی اللہ عنہ) نے ذکر کیا کہ، انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا: کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم (قوت عقل و تحریر) کو پیدا فرمایا۔ پھر نون، یعنی دوات کو (ذریعہ تحریر)، پھر حکم دیا کہ لکھو۔ قلم نے پوچھا، کیا لکھوں؟ حکم ہوا، کہ جو ہو گا اور ہونا ہے۔ تمام اعمال، یعنی رزق یا زندگی اور موت کے تمام امور، جو قیامت تک ہونے ہیں کو لکھو، اور لکھ دے گئے۔ (یہی تقدیر کہلاتی ہے)۔ یہ، نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ کی تفسیر ہے۔ پھر قلم کو بند کر دیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور فرمایا، میری عزت کی قسم! جس سے پیار کروں گا، اس کو تجھے، زیادہ دوں گا اور جسے ناپسند (دوری) کروں گا، اس کو تجھے، کم دوں گا۔ (مجمع الزاوائد)۔ (ابن کثیر)۔

ایک تفسیر، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، کہ ملائکہ، جو انسانی اعمال لکھتے ہیں، وہ مراد ہیں۔ قریش مکہ پر، جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسلام کا اعلان کیا۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، قیامت کو حساب و کتاب کے واقع ہونے اور اس کے نتیجہ میں جنت یا دوزخ میں جانے کو، وہ محال جانتے تھے۔ ان عقائد (معلومات) اور بت پرستی کی مخالفت، کی وجہ سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جن یا آسیب زدہ، کہتے تھے۔ ان کا مقصد آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا تھا، تاکہ لوگ آپ کی طرف توجہ نہ دیں اور لوگوں کو دور رکھیں۔ قرآن مجید، نے اس کی سختی سے تردید کی، اور اعلان کیا کہ آپ مجنون نہیں ہیں۔ آپ، صاحب عقل و فراست ہیں۔ جس طرح قبل از نبوت آپ کی عقل و فراست مشہور تھی اور بہت سارے مشکل کام اور فیصلے آپ نے کئے تھے، جس میں حلف الفضول اور خانہ کعبہ میں حجر اسود کا لگانا تھا۔ اب بھی اسی طرح ہے۔ آپ جو کلام پیش کرتے ہیں اس کی مثال، عرب پیش کرنے سے قاصر ہیں اور اتنے اعلیٰ کلام کو دیوانہ کیسے

بیان کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان کا دعویٰ محض دشمنی ہے، کوئی عقل کی بات نہیں۔ قریش کو جواب دیا گیا ہے۔

آپ کی تبلیغ دین میں کوششوں کا ذکر ہے اور اس میں جو مخالفت اور مزاحمت کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، اس کی وجہ سے آپ کا اجر اور مرتبہ بہت بلند ہے۔ اس اجر کی کوئی حدود یا ختم ہونے والا نہیں، آپ کو تشفی دی گئی آپ کا ذکر عظیم جاری اور قیامت تک جاری رہے گا۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ اور بے شک آپ خلق عظیم ہیں۔

خلق عظیم:۔

چونکہ قریش جو نبی ﷺ کو، اعلان نبوت سے پہلے صادق اور امین کہتے تھے، اسلام اور قرآن کی مخالفت میں آپ کے خلاف ہو گئے۔ جادو گر، کبھی مجنون کے لقب دینے لگ گئے، جب کہ آپ کی ذات تمام مصائب کے باوجود منبع فضل و کرم تھی۔ آپ، تبلیغ حق کے لئے تمام مصائب برداشت کر رہے تھے۔ ایک کمزور اخلاق کا انسان یہ کام نہیں کر سکتا۔ کفار کی دیوانگی کی تہمت سراسر جھوٹ اور دشمنی ہے جو اس قدر بلند اخلاق والی ذات کو مجنون کہہ دیتے ہیں۔ اس طرح مغربی مستشرقین (اسلام یا مشرق پر تحقیق کرنے والے) اپنے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی وحی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن نبی ﷺ، کی وحی پر مرگی اور جنون کی تہمت لگاتے، اور انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی تصدیق کر دی کہ کفار مکہ کے الزامات کی کوئی وقعت نہیں۔ آپ کا کردار خلق عظیم ہے اور اگر آپ کی ساری زندگی کو دیکھا جائے تو آپ اس آیت کی عملی تعبیر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے کردار و اوصاف کے بارے سوال کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا، اکیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، نبی ﷺ کا کردار قرآن تھا۔ ''**كان خلقه قرآن**''۔ یہ حدیث متعدد راویوں سے متعدد کتب میں مذکور ہے۔ نبی ﷺ، کا قبل از اعلان نبوت کردار، امانت، صداقت، نرمی، شفقت، حلم و کرم، شائستگی سے مزین تھا اور نبوت کے بعد مزید کمال کو پہنچ گیا۔

نبی ﷺ، نے ان سب افراد کو، جنہوں نے آپ کی ذات کو انتہائی دکھ اور رنج پہنچایا تھا، معاف کر دیا۔ عبداللہ بن ابی، جس نے ہر مرحلہ پر آپ کو تکلیف دی اور گستاخی کی، اس کا جنازہ پڑھایا۔ آپ کے اس اخلاق عالیہ پر اس کے قبیلہ کے تقریباً ہزار منافق، مخلص مومن بن گئے۔ ابو سفیان اور ہندہ (زوجہ ابو جہل) کو معاف کر دیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل، وحشی اور حبار بن الاسود جنہوں نے آپ کی لخت جگر حضرت زینب کو مارا اور ان کا حمل ضائع ہو گیا کو معاف کر دیا۔ صفوان بن امیہ جس نے ایک شخص (عمیر بن وہب) کو آپ کو شہید کرنے کے لئے مدینہ بھیجا تھا، معاف کر دیا۔ عکرمہ بن ابی جہل، کئی منافقوں کو معاف کیا۔ دیہاتیوں کے ترش رویہ کو ہمیشہ درگزر فرماتے تھے۔

نبی ﷺ کا کردار، مجسمہ تعلیم قرآن تھا۔ جس چیز کا قرآن میں حکم دیا گیا، آپ نے سب سے بڑھ کر عمل کیا اور جن عیوب سے منع کیا گیا آپ ﷺ کی ذات ان عیوب سے پاک تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا، کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، جہاد فی سبیل اللہ کے سوائے، کبھی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا۔ اپنی ذات کے لئے، جیسی بھی کسی تکلیف آپ کو پہنچائی گئی، اس کا انتقام نہیں لیا۔ اگر اللہ کی حرمتوں (قانون) کو توڑا گیا، تو آپ ﷺ نے اللہ کی خاطر (قانون کے لئے) اس کا بدلہ لیا۔ آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ دو کاموں میں سے اگر انتخاب کرنا ہوتا تو آسان تر کام کو پسند فرماتے تھے۔ گناہ سے آپ ﷺ ہمیشہ سب سے زیادہ دور رہتے تھے۔ (مسند احمد)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ آپ ﷺ نے کبھی میری بات پر اُف تک نہ کی۔ کبھی میرے کسی کام پر یہ نہ فرمایا، کہ تو نے یہ کیوں کیا اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا کہ تو نے کیوں نہیں کیا؟۔ رسول اللہ ﷺ اخلاق میں سب سے اچھے تھے۔ کوئی ریشم آپ کے ہاتھوں سے زیادہ ملائم نہیں تھا اور میں نے آپ ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے بڑھ کر مشک اور عطر کی خوشبو نہیں سونگھی۔ (بخاری/مسلم/ترمذی)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، کہ نبی ﷺ اپنی جوتی مرمت کر لیتے تھے۔ اپنے کپڑے سی لیتے تھے۔ جس طرح تم گھر کے کام کرتے ہو، اسی طرح گھر کے کام کرتے تھے۔ (مسند احمد)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ صحابہ کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں تھا اور وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑا نہیں ہوتے تھے، کیونکہ ان کو علم تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ کے اوصاف خصائل مبارک شمائل ترمذی میں مذکور ہیں۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ حسن اخلاق کی تلقین و تاکید کی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ بداخلاق شخص سے بغض رکھتا ہے۔ (ترمذی)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ کونسا کام ہے، جس کی وجہ سے لوگ جنت میں جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرنا (تقویٰ) اور اچھے اخلاق اور آپ ﷺ سے سوال کیا گیا: وہ کون سے کام ہیں جن کی وجہ سے زیادہ لوگ دوزخ میں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: منہ اور شرمگاہ میں حرام چیز داخل کرنا، (رزق حلال ہو اور زنا سے بچا جائے)۔ (ترمذی/ابن ماجہ)۔ اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث بلکہ اس پر ابواب ہیں۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۵﴾ پھر جلد آپ دیکھ لیں گے اور وہ (کفار) بھی دیکھ لیں گے۔

بِاَيِّيْكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾ بے شک آپ کا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک (گمراہ) ہو چکا ہے اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وہ (کفار) چاہتے ہیں کہ آپ نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔

کفار کے کلام اور ان کے الزامات کی تردید ہے، کہ وقت ثابت کرے گا کہ کون مجنون ہے اور کون انسانیت کی بھلائی کے لئے لگا ہوا ہے۔ کچھ مفسرین کی اس سے مراد، قیامت کے دن اہل ایمان اور اہل کفر کی حالت مراد لی ہے، جب کہ کفار بھٹک رہے ہوں گے۔ کچھ مفسرین نے اس دنیا میں، اسلام کی کامیابی کو اس آیت سے مراد لیا ہے جیسے کہ چند سال بعد غزوۃ بدر میں بڑے کفار اور دشمنان اسلام مارے گئے اور اسلام بالآخر سارے عرب و عجم پر پھیل گیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں اور نبی ﷺ کو تسلی دلائی کہ کفار چاہتے ہیں کہ ان کے بتوں اور عقائد کی تردید نہ کی جائے، تو وہ مخالفت کم کر دیں گے لیکن یہ حق کے خلاف ہے، اس لئے اس کی پرواہ نہ کریں اور حق کا برملا اظہار اور تبلیغ جاری رکھیں۔ باطل کے حربے بالآخر ناکام ہوں گے۔

وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۱۰﴾ آپ بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کی بات نہ مانیں۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۙ﴿۱۱﴾ جو بہت طعنے دینے والا اور بہت چغل خور ہے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۱۲﴾ بھلائی سے روکنے والا، حد سے گذرنے والا، سخت گنہگار۔

عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴿۱۳﴾ بہت بدخو، اور بے نسبت۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾ وہ بہت مالدار اور بیٹوں والا ہے۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ ہم عنقریب اس کی سونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے۔

اسلام دشمن کفار، کے کردار کا ذکر ہے کہ وہ، دوسروں کو تو مجنون کہیں لیکن ان کے اپنے کردار، ظلم، جھوٹ، گناہ

سے بھرے اور بھلائی سے دور ہیں۔ ان کے پاس دولت اور اولاد ہے، تو اللہ کے شکر کرنے کے بجائے، اسے ظلم اور بھلائی یا نیکی کے روکنے میں لگا رہے ہیں۔ بات بات پر قسمیں کھانے والے، چغلی، فساد پھیلانا، ان کے کردار کا حصہ ہے۔ اپنے نسب ان کو معلوم نہیں۔ طعنے اور بدخوئی ان کی فطرت ہے۔ اس کردار کے بارے مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔ یہ شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ کسی نے کہا، اسود بن عبدالغوث تھا۔ کسی نے اخنس بن شریق، بعض نے اور نام تحریر کیے ہیں۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾ بے شک ہم نے انہیں آزمایا جس طرح باغ والوں کو آزمایا تھا۔ جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح ضرور اس کے پھل کاٹیں گے۔

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور انہوں نے ان شاءاللہ نہ کہا۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ پھر آپ کے رب کی طرف سے اس باغ پر ایک آفت آئی جب وہ سوئے ہوئے تھے۔

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ﴿۲۰﴾ پھر وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۲۱﴾ پس صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ کہ اگر تم پھل کاٹنے والے ہو تو صبح سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾ پھر وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چل پڑے۔

اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ﴿۲۴﴾ کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس ہرگز کوئی مسکین نہ آنے پائے۔

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ اور وہ صبح سویرے (یہ سوچ کر) لپکے گئے کہ وہ (مسکینوں کو) روکنے پر قادر ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ﴿۲۶﴾ پھر جب انہوں نے (تباہ شدہ) باغ کو دیکھا تو کہا ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ بلکہ ہم محروم کر دیئے گئے ہیں۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ ان میں عقلمند نے کہا: میں نے تم سے

نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ انہوں نے کہا پاک ہے ہمارا رب بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ پھر وہ مڑ کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا: ہائے افسوس بے شک ہم سرکش تھے۔

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ توقع ہے ہمارا رب ہم کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا باغ دے بے شک ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اسی طرح عذاب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب ضرور اس سے بہت بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔

محروم افراد کا حق یا حصہ:۔

اہل مکہ کی مسلمانوں کی مخالفت اور دشمنی کے پیش نظر ایک مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جو کہ اہل عرب میں معروف تھا۔ صفاء کے علاقہ میں اور بعض روایات میں حبشہ اور ایک روایت میں یہود کے ہاں ایک شخص نیک تھا۔ اس کا باغ تھا اور وہ غرباء و فقراء کو ان کا حق دیتا تھا۔ اس کی اولاد اس بات کو اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ وہ سب باغ کی پیداوار کو اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہتے تھے۔ اکثر مفسرین نے اسے صفاء کے قریب یمن کے علاقہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بچوں نے جب باغ سے پھل چننے کا وقت آیا، تو سحری کے وقت اندھیرے میں جانا چاہا، کیونکہ فقراء اور مساکین دن نکلنے پر ان کو دیکھ لیں گے، تو وہ بھی مانگنے کے لئے آجائیں گے۔ (۱): انہوں نے اللہ کی اس نعمت (باغ) کی قدر نہ کی۔ (۲): اسے صرف اپنی ملکیت جانا اور یقین تھا، کہ سارا پھل ہم خود سمیٹ لیں گے اور غرباء کو کچھ بھی نہ دیں گے۔ (۳): اپنے عمل پر اتنا بھروسہ کیا، کہ وہ اللہ کو بھول گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر یقین رکھنے والے تھے۔ اس طرح اہل کتاب ہو سکتے ہیں۔ رات کے آخری حصہ یعنی صبح کاذب کے وقت وہ باغ میں پہنچے، تو درخت ٹنڈ منڈ تھے۔ پھل تباہ اور درخت بھی تباہ ہو گئے تھے، آیات کے مطابق، اللہ نے بطور عذاب ان کی نافرمانی اور غرباء و فقراء کی حق تلفی اور پھر اپنے غلط عمل پر یقین، کی وجہ سے اس باغ کو تباہ کر دیا۔ تباہ کرنے کے کئی ذرائع ہو سکتے۔ جھکڑ ہو سکتا ہے یا خشک گھاس کو تیز ہوا کی وجہ سے آگ لگ جائے اور پھر تیز ہوا سے آگ پھیل جائے۔ یہ سارے اسباب اللہ کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں اور کام پورا ہو جاتا ہے۔ پہلے تو وہ سمجھے

کہ ان کا باغ بڑا پھلدار اور گھنا تھا، شاید وہ جگہ اور مقام بھول گئے ہیں، لیکن ساری علامات موجود تھیں۔ان میں جو بھائی سمجھدار تھا، وہ اپنے عقل و فہم سے سمجھ گیا کہ ہمارا والد اللہ تعالیٰ کے لئے، جو غرباء اور فقراء کو دیتا تھا، ہم نے اس سے انکار کیا اور چھپ کر پھل اکٹھے کرنے کی کوشش کی، پھر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر نہ کیا اور خود ہی فیصلہ کیا کہ ہم سارا پھل اکٹھا کرلیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس عمل کی سزا دی ہے اور ہم آپ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں اور معافی کے طلبگار ہیں۔امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نعم البدل دے گا۔وہ اپنی غلطی پر ایک دوسرے کو الزام دینے لگ گئے اور عقلمند بھائی نے ان کو ان کی غلطی کا احساس دلایا تھا۔

یہ واقعہ قریش کے لئے بھی مثال ہے، کہ وہ اپنی دولت، اولاد پر تکبر کرتے ہیں، مسلمانوں کو تنگ کرتے ہیں۔ان کی دولت کا بھی یہی انجام ہو سکتا ہے۔کچھ مفسرین نے، جو مکہ میں قحط پڑا تھا اس کا ذکر کیا جس کی وجہ سے سارے سردار نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی، تاکہ بارش ہو اور قحط ختم ہو۔اہم نکتہ، (۱): سب انسانوں کے لئے کہ وہ اپنے اموال میں دوسرے محروم افراد کے حقوق کا خیال رکھیں۔(۲): دولت و مال کو اپنی ہی ملکیت نہ جانیں، بلکہ اللہ کی نعمت و فضل تصور کریں۔(۳): یہ نہ سمجھیں کہ جو وہ چاہیں گے، جس طرح چاہیں گے اللہ کے حکم یا اجازت کے بغیر کر سکیں گے۔ان کے اعمال اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔تمام انسانوں کے لئے یہ واقعہ معاشرے میں سماجی اور معاشی تعاون کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کرتا ہے اور سماجی تفریق میں کمی کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

دنیا کے سماجی، معاشی اور معاشرتی عذاب سے بڑھ کر قیامت میں سزا ہو گی۔لہٰذا اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ بے شک پرہیز گاروں کے لئے ان کے رب کے ہاں نعمتوں کے باغات ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ کیا ہم اطاعت گذاروں (فرمانبرداروں) کو نافرمانوں کے برابر ٹھہرائیں گے؟

مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ تمہیں کیا ہوا تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھ لیتے ہو۔

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ کیا اس میں وہی (تحریر) ہے جس کو تم پسند کرتے ہو۔

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ یا تم نے ہم سے ایسی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک رہیں گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۚ ان سے پوچھیئے؟ ان میں کون اس کا ذمہ لیتا ہے۔
اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۞ کیا ان پر کوئی شریک ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

نافرمان اور فرمانبردار برابر نہیں:۔

کفار کے رویہ کا ذکر ہے۔ سورت مکی ہے اور اوائل اسلام میں نازل ہوئی۔ اس زمانہ میں اکثر مسلمان کمزور تھے۔ مشرکین (کفار) مکہ اپنی دولت، امارت، اولاد پر تکبر کرتے تھے اور مسلمانوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہم اس دنیا میں مسلمانوں سے اچھے ہیں اور اگر کوئی دوسری دنیا ہوئی، جس طرح مسلمان کہتے ہیں، تو پھر بھی ہم ان سے بہتر ہوں گے۔ کفار کے اس دعویٰ کی سختی سے تردید کی گئی ہے کہ کس طرح ایک فرمانبردار انسان اور ایک مجرم انسان برابر ہو سکتا ہے۔ مسلمان فرمانبردار ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری زندگی میں محلات اور بڑے باغات والے مکانات بنا رکھے ہیں۔ کفار (انکار کرنے والوں) کا یہ دعویٰ کہ وہ اگلی دنیا میں بھی بہتر ہوں گے، کسی حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ محض افتراء ہے۔ یہ ان کا غلط دعویٰ ہے۔ وہ اپنے کو خوش کر رہے ہیں۔ کیا، ان کے پاس کوئی ضامن ہے، جس نے ان کے مرنے کے بعد بھی ان کو سزا نہ دینے کا ذمہ اُٹھایا ہو۔ اپنے مقصد کے لئے، وہ ایسے غلط بیانات دیتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے پاس اس طرح کی تحریر موجود ہے، جو کہ الہامی کتب سے ہو تو بتائیں؟ لیکن کچھ بھی نہیں، لہٰذا وہ اپنی نافرمانی کی سزا پائیں گے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۞ جس دن ساق (قیامت کی شدت) سے پردہ اٹھایا جائے گا اور ان کو سجدہ کے لئے بلایا جائے گا، تو وہ (نافرمان) سجدہ نہ کر سکیں گے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۞ اور ان کی نگاہیں خوف سے نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہو گی اور اس سے پہلے ان کو سجدہ کے لئے بلایا جاتا تھا اور اس وقت وہ صحیح و سالم تھے (مگر انکاری تھے)۔

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ پس آپ اس کلام (قرآن) کے جھٹلانے والے کو، مجھ پر چھوڑ دیں، ہم اس کو آہستہ آہستہ (عذاب کی طرف) کھینچیں گے کہ ان کو علم تک نہیں ہو گا۔

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۞ ۴۵ ۔اور میں ان کو، ڈھیل دے رہا ہوں بے شک

میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔

کفار مکہ (مشرکین اور انکار کرنے والوں) کی سزا کی کیفیت و حالت بتائی جارہی ہے۔ قیامت کی ہولناکی ہوگی اور سب لوگ اس کی شدت سے خوف زدہ ہوں گے۔ اہل ایمان سجدے میں گر جائیں گے، مگر منکرین کوشش کے باوجود، اپنے انکار کی وجہ سے سجدہ نہ کر سکیں گے کیونکہ دنیا کی زندگی میں، وہ اللہ کی عبادت و سجود سے منکر تھے، جب ان کو آزادی تھی اور وہ صحیح و سالم تھے۔ دنیا کی زندگی میں، ان کو دولت، عمر، کی جو ڈھیل دی جارہی ہے وہ ان کو عذاب میں پھنسا رہی ہے۔ جس کو وہ کامیابی جانتے ہیں۔ وہی ان کے عذاب کا سبب ہوگی۔ اسی طرح وہ اپنی تباہی کے انجام کی طرف بڑھتے جارہے ہیں۔ نبی (ﷺ) کو تسلی دی گئی، کہ ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں کہ ان کفار کا انجام عبرتناک ہوگا۔

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں جو یہ تاوان سے دبے جارہے ہیں۔

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾ یا ان کے پاس علم غیب ہے جس پر وہ (فیصلے) لکھ رہے ہیں۔

فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰى وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ ﴿۴۸﴾ پس آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے (پیغمبر) کی طرح نہ ہو جائیں، جنہوں نے اپنے رب کو حالت غم میں پکارا تھا۔

لَوۡلَاۤ اَنۡ تَدٰرَكَهٗ نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۴۹﴾ اگر ان کے رب کی رحمت ان کی دستگیری نہ کرتی، تو وہ ضرور چٹیل میدان میں پھینک دیئے جاتے اور وہ ملامت زدہ ہوتے (مگر وہ محفوظ رہے)۔

فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۵۰﴾ پس ان کے رب نے انہیں عزت والا بنا دیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا۔

وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ وَيَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۱﴾ اور بے شک کافر (انکار کرنے والے) لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ آپ کو اپنی (حاسدانہ) نظروں سے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۲﴾ اور وہ (قرآن) تو سارے جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔

کفار مکہ کے رویہ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ انسانوں کے رویہ ہیں، جو انسان اپنی انا اور تکبر میں کرتے

ہیں۔ نبی (ﷺ) انسانیت کی بھلائی کے لئے پیغام دے رہے تھے۔ اللہ کے وجود کو عرب، حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد کے طور پر مانتے تھے۔ حج، کارواج تھا۔ لیکن تکبر اور ان کے ذاتی مفادات کی وجہ سے، مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ کی تعلیمات سے منکر تھے۔ گویا، ان تعلیمات، کی خاطر ان کو بہت کچھ ادا کرنا پڑ رہا ہے، جس کہ وجہ سے وہ نہیں چاہتے۔ دوسری طرف نبی (ﷺ) یہ پیغام ہر مخالفت کے باوجود کسی بھی مالی معاوضہ کے بغیر انسانوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے پہنچا رہے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں سے محبت ہے کہ گمراہی اور سزا سے بچانے کے لئے، اپنے رسول، انبیاء اور تعلیمات نازل فرماتا ہے۔

قریش کے ظلم و ستم پر آپ کو صبر کی تلقین کی گئی اور حضرت یونس کی مثال دی گئی کہ وہ تبلیغ کے بعد اور عذاب نہ آنے کی وجہ سے پریشان ہو کر چل دیئے۔ جب انہوں نے قوم کو عذاب کی دھمکی اور وقت بتا دیا تھا، اور جب عذاب نہ آیا، تو وہ کس طرح قوم کے سامنے جائیں گے کہ ان کا دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوا۔ یہ ایک ذاتی اجتہاد تھا۔ جس میں احکام کی خلاف ورزی نہ تھی، لیکن اللہ کے نئے حکم کا انتظار نہیں کیا گیا، اور چل پڑے۔ پھر دوران بحری سفر اپنے فیصلہ کا احساس ہوا، مچھلی نے نگل لیا اور استغفار شروع کر دیا " لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ "آیت کا ورد کیا۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ کی رحمت نے ان کو گھیر لیا۔ مچھلی نے اگل دیا اور وہ سمندر/دریا کے کنارے نکل آئے، اللہ تعالیٰ نے سایہ اور غذا کا سامان، ایک بیل دار پودے کے ذریعہ کر دیا اور دوبارہ صحت مند ہو کر اپنے لوگوں اور اور شہر (نینوا) کی طرف روانہ ہو گئے۔ تبلیغ شروع کر دی اور وہاں کے لوگ ان کے منتظر تھے۔ نبوت قائم رہی اور رشد و ہدایت دیتے رہے۔

کفار مکہ نبی (ﷺ) کے صبر کے باوجود بہت مخالفت کرتے۔ ہر وقت تاک میں رہتے کہ کوئی موقع نقصان اور زک پہنچانے کا ضائع نہ ہونے پائے۔ قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تعلیمات کے خلافت پروپیگنڈے کرتے۔ کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہتے۔ ہر طرح کوشش کرتے کہ آپ کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس وقت بد نظری کا عربوں میں رواج تھا اور اس پر اعتقاد تھا۔ اس کی بھی وہ کوشش کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ غرض قریش مکہ، زبان، آنکھ، دل اور ہاتھوں، سے اسلام کی مخالفت کر رہے تھے۔ نظر بد کے بارے پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔ موجودہ دور میں اس کی طرف سے توجہ ہٹ گئی ہے۔ اس کے واقعات ثابت ہیں اور احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ اس لئے جب کسی دوسرے شخص کی کسی اچھی حالت کیفیت کو دیکھا جائے تو حسرت کے بجائے، اس کے لئے دعائیہ حکمات کہنے کی حدیث مبارکہ میں حکم آیا ہے۔ "بارک اللہ فیہ۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" (اللہ برکت دے۔ بھلائی

کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوانہیں)۔ جس سے مقصود نیک خواہشات ہیں تاکہ نظر بد جس کا سبب انسانی محرومی اور حسرت ہے نہ رہے۔ عرب پرانے زمانہ (جاہلیت) میں نظر بد لگانے کے لئے انسان کو تین دن بھوکا رکھتے تھے پھر اس چیز یا شخص کو اس کے سامنے لاتے یا اسے لے جاتے اور اس کی تعریفیں کر کے اس سے نظر بد لگواتے۔ چونکہ واقعات متواتر اور بظاہر اسباب نہیں ہوتے، اس لئے جدید سائنس اس کو نہیں مانتی، لیکن واقعات کبھی کبھار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ اخلاق، قانون، معاشرت، معیشت، عائلی زندگی، اخلاق عالیہ، واقعات تاریخ، کائنات، انسانی نفسیات، کا ذکر ہے اور رحمت ہے، لیکن کس قدر حماقت ہے کہ کفار اس کلام کے پیش کرنے والے کو مجنون کہتے ہیں۔ اس طرح تو کفار کی ذہنیت متاثر لگتی ہے۔ صاحب کلام بہت عقلمند ہے اور کلام نہایت بلند ہے۔

69- سورۃ الحاقۃ

تعارف:۔

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ الحاقۃ کی وجہ سے ہے۔ الحاقۃ قیامت کے ناموں میں سے ہے۔ سورت الحاقۃ مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس کا موقعہ نزول سن 5 ہجری سے قبل ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے سے قبل کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے۔ ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے، تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورت الحاقۃ کی تلاوت سنی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کے کلام پر حیران ہوا اور دل میں خیال کیا کہ واقعی آپ شاعر ہیں، جس طرح قریش کہتے ہیں۔ اسی لمحہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا: بے شک یہ (قرآن) رسول کریم کا قول ہے اور کسی شاعر کا قول نہیں۔ میں نے دل میں خیال کیا شاعر نہیں، تو کاہن ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پڑھا: اور یہ نہ کسی کاہن کا قول۔ یہ رب العالمین کی طرف نازل کیا ہوا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آخر تک یہ سورت پڑھی اور اس واقعہ سے اسلام کی صداقت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ (مسند احمد)۔ اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت حبشہ کے بعد اسلام لائے اور ہجرت حبشہ سن 5 ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سورت 5 ہجری سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

اس سورت میں باون (52) آیات اور دو (2) رکوع ہیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اٹھہتر (78) اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے انہتر (69) ہے۔ یہ سورت تبارک الذی (الملک) کے بعد اور سورت المعارج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ سورت میں قیامت کے واقعات کا ذکر ہے اور اس کے وقوع کی یقین دہانی کرائی گئی ہے اور جن قوموں نے وقوع قیامت کا انکار کیا وہ تباہ ہو گئیں۔

قیامت کی کیفیت و حالت بیان کی گئی ہے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ تمام انسان، اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔ زندگی کے اعمال کا حساب دیا جائے گا اور نیک اعمال کے زیادہ ہونے پر نامہ اعمال دائیں اور برے اعمال زیادہ ہونے پر بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ مقصود یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں نیک اعمال کئے جائیں تاکہ نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے۔

قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کی تاکید کی گئی اور اس کا کسی شاعر، کسی کاہن یا کسی ساحر (جادو گر) کے کلام ہونے کی سختی سے تردید کی گئی، جس طرح کفار مکہ کہتے تھے۔ یہ کلام برحق ہے، کوئی اس میں گھٹا بڑھا نہیں سکتا، ایسا کرنے میں اس کی رگ حیات کاٹ دی جائے گی۔ اس کلام کا انکار کرنے والے بالآخر اپنے عمل پر پریشان ہوں گے۔ ہر وقت اللہ کی عظمت کو بیان کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾ یقیناً واقع ہونے والی۔ مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾ کیا چیز ہے یقیناً واقع ہونے والی۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ﴿۳﴾ اور تم کیا جانتے ہو؟ ضرور واقع ہونے والی کو۔

کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَ عَادٌۢ بِالۡقَارِعَۃِ ﴿۴﴾ ثمود اور عاد نے اس تہلکہ خیز (قیامت) کو جھٹلایا۔

فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُہۡلِکُوۡا بِالطَّاغِیَۃِ ﴿۵﴾ تو ثمود جو تھے وہ انتہائی اونچی خوفناک آواز سے ہلاک کئے گئے۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُہۡلِکُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ ۙ﴿۶﴾ اور عاد جو تھے تو وہ یخ، تند و تیز آندھی سے ہلاک کئے گئے۔

سَخَّرَہَا عَلَیۡہِمۡ سَبۡعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوۡمًا ۙ فَتَرَی الۡقَوۡمَ فِیۡہَا صَرۡعٰی ۙ کَاَنَّہُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِیَۃٍ ۚ﴿۷﴾ (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک فنا کرنے کے لئے مسلط رکھا۔ پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے۔

فَہَلۡ تَرٰی لَہُمۡ مِّنۡۢ بَاقِیَۃٍ ﴿۸﴾ کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آتا ہے۔

الحاقہ سے مراد یقیناً واقع ہونے والی, قیامت کا ذکر ہے۔ قریش مکہ قیامت پر ایمان یا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کو اور دوسرے انسانوں کو بھی بتایا جارہا ہے کہ قیامت یقیناً آکر رہے گی اور واقع ہو گی۔ اس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

انکار کرنے والوں کو انجام:۔

جن قوموں نے اپنے نبی کی تعلیمات کے خلاف اس کا انکار کیا، تو وہ تباہ ہو گئے۔ قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، جو حجاز اور شام کے علاقہ کے درمیان رہتی تھی۔ انہوں نے بھی نبی کی تعلیمات کے خلاف کیا اور پھر ایک سخت چیخ، جس طرح شاک ویوز سے پیدا ہوتی ہے، اس طرح کی چنگھاڑ پیدا ہوئی اور اس کی سپر سانک (شاک ویوز) سے وہ سارے مر گئے۔ جدید طبعیات کی تحقیقات میں یہ شاک ویوز جو آواز کی لہروں کے پھٹنے سے پیدا ہوتی ہیں اتنی خوفناک ہوتی ہیں کہ انسان کے اندر بلڈ ہارمون کی تیز حرکت سے انسان ختم ہو جاتے ہیں۔ ایٹمی دھماکہ یا ہائپر سانک، وجود سے بھی شاک پیدا ہوتا ہے۔ بادل کی گرج بھی اسی درجہ تک ہو سکتی ہے۔ اچانک پیدا ہونے سے شدید نقصان ہوتا ہے۔

عاد قوم کے افراد، طویل القامت (لمبے قد) تھے۔ انہوں نے بھی نبی کے احکامات کی مخالفت کی اور قیامت کے منکر تھے۔ ان پر شدید آندھی چلتی رہی اور مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن طوفان رہا۔ ہوا یخ بستہ تھی اور پھر سخت گرم چلی۔ طویل القامت ہونے کی وجہ سے وہ روز سے زمین پر گرتے اور ان کے اعضا ٹوٹ جاتے۔ اس طرح وہ سرد ہوا سے مر گئے اور ان کی لاشیں (مردہ جسم) گویا کھجور کے تنوں کی طرح بے جان زمین پر پڑی رہ گئیں اور ریت میں دب گئیں۔ ان قوم کے افراد میں سے کوئی نہیں بچا صرف مسلمان بچ گئے۔ جو نکل گئے تھے۔

وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ اور فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور وہ جن کو بستیاں الٹ دی گئیں تھیں انہوں نے گناہ کئے۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو شدید پکڑ میں لے لیا۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی، تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲ تاکہ ہم اس کو تمہارے لئے نصیحت بنا دیں اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں۔ (یاد رکھیں)۔

دوسری انبیاء کی تعلیمات اور قیامت کے واقع ہونے سے انکار کرنے والی قوموں کا ذکر ہے۔ ان میں قوم لوط تھی، جن پر زمین الٹ دی گئی یعنی اس شدت سے زلزلہ آیا کہ مکانات اچھل کر الٹ گئے اور تباہ ہو گئے۔ اسی طرح فرعون جو بڑا ظالم بادشاہ تھا، انسانوں (بنی اسرائیل) کو غلام بنا رکھا تھا۔ خدائی کا دعویٰ دار تھا۔ وہ بھی بمعہ لشکر ڈوب کر تباہ ہو گیا۔ اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے لگاتار بارش اور طوفان سے تباہ کن لہروں کے ذریعہ سب کفار کو تباہ کر دیا اور مسلمان حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بیٹھ کر بچ گئے اور آج کے انسان، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی اولاد سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان زندہ رہنے والوں کا وجود طوفان نوح علیہ السلام کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔۔

یہ واقعات اہل مکہ کو بطور وارننگ بتائے جا رہے ہیں تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر یقین کر کے، عمل کریں۔ ان عذابوں کے لئے مختلف الفاظ مختلف مقامات پر (آیات میں) ذکر کئے گئے ہیں۔ اس سے عذاب کی وسعت و شدت معلوم ہوتی ہے، لیکن مقصود ایک تھا، وہ مجرموں کی تباہی جو ثابت ہو گئی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ پھر جب صور میں ایک پھونک ماری جائے گی۔

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ اور زمین اور پہاڑ اُٹھا کر ایک ہی چوٹ ریزہ ریزہ (ٹکڑے) کر دیئے جائیں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ پھر اس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی۔

وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ بالکل کمزور ہو گا۔

وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىِٕهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ (فرشتے) اُٹھائے ہوں گے۔

وقوع قیامت:۔

آیات میں قیامت کے وقوع کا منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ صور اسرافیل پھونکا جائے گا۔ ایک زور دار چیخ ہائپر سانک کی طرح جس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے کیونکہ انسانی علوم اَب اس درجہ تک نہیں پہنچے ہیں۔ زمین پر زلزلہ ہو گا۔ پہاڑ مٹی کی طرح اُڑیں گے اور ہوا اٹھالے گی۔ آسمان یعنی حفاظتی شیلڈ ختم ہو جائے گا۔ ستارے ٹوٹ جائیں گے۔ جس طرح کاسمولوجی میں ایک نظریہ ہے کہ اجرام سماوی میں آپس کی کشش کی قوت اور گریز کی قوت کا توازن ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح سورج اندھا ہو کر اس کی کشش نظام شمسی کے سیاروں کی گردش کو ختم کر دے گی اور ٹکراؤ ہوں گے۔ اسی کیفیت کو قرآن مجید نے ایک عمومی انداز میں اشارہ کیا ہے۔ اس وقت اللہ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام اور نظام کو کائنات کے کناروں پر کھڑے تنفیذ کے لئے تیار ہوں گے۔ عرش اور تخت کے الفاظ، اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کے اظہار کے لئے ہیں، کیونکہ انسانی ذہن، قوت و طاقت کے سمجھنے کے لئے، زمانہ قدیم سے فوج، بادشاہ، تخت کا تصور رکھتا ہے۔ آٹھ کے عدد سے ایک کثیر تعداد کا اظہار ہے۔ جو لائنوں (صفوں) یا طبقات کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ اس کی تفصیل و تشریح کے لئے موزوں مواد اور علم ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ متشابہات کا حصہ ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ اس دن تم سب پیش کئے جاؤ گے۔ تم میں سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکے گا۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ پس جس کو نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا، میرا نامہ اعمال پڑھو۔

اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَهۡ ۚ﴿۲۰﴾ مجھے یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔

فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ﴿۲۱﴾ چنانچہ وہ دل پسند زندگی میں ہو گا۔

فِیۡ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ﴿۲۲﴾ عالی مقام جنت میں ۔ قُطُوۡفُهَا دَانِیَةٌ ۚ﴿۲۳﴾ جس کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوں گے۔

نیک اعمال کا بدلہ:۔

قیامت کا منظر جاری ہے۔ سارے لوگ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ کوئی شخص بھی چھپ نہیں سکے گا۔ انسانوں کے سارے اعمال بھی ان کے اعمال نامہ میں موجود ہوں گے۔ ان میں سے کوئی عمل بھی باقی نہیں رہے گا۔ دنیا میں نیک اعمال کرنے والوں کو ان کا اعمال نامہ، دائیں ہاتھ میں ملے گا اور چونکہ ان کا دنیا کی زندگی میں قیامت جزا و سزا پر ایمان تھا، اس لئے کہیں گے کہ ہمیں اپنے نامہ اعمال ملنے کا یقین تھا۔ وہ خوشی و مسرت سے لوگوں کو دکھائیں گے کہ پڑھو۔ اللہ کے کرم کا شکر کریں گے اور انہیں جنت میں عالی شان ٹھکانہ ملے گا۔ جنت میں بھی درجات ہیں۔ اور اعمال کے مطابق جزا ہے۔ جنت میں زندگی کا منظر ہی مختلف ہے۔ ہر خواہش پوری ہو گی۔ غذا و پھلوں کی تعداد وافر موجود ہو گی اور فرشتے اہل جنت سے کہیں گے کہ آرام و سکون سے زندگی گزارو، یہ تمہارے دنیا میں نیک اعمال کا نتیجہ ہے، جو مل رہا ہے۔ دنیا میں نیک اعمال ہی نجاعت کا ذریعہ ہیں۔

جنت کی زندگی کے بارے نبی ﷺ نے فرمایا جنتی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان پر موت نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ صحت مند رہیں گے۔ کبھی بیمار نہیں ہوں گے۔ ہمیشہ نعمت (خوش) میں رہیں گے۔ کبھی رنجیدہ نہیں ہوں گے اور ہمیشہ جوان رہیں گے۔ کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔ (صحیح مسلم/ترمذی)۔

كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾ خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک کاموں کے بدلے جو تم نے پچھلے (دنیا کی) ایام (زندگی) میں کر کے بھیجے تھے۔

وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِیَهۡ ۚ﴿۲۵﴾ اور رہا وہ! جس کو اس کا صحیفہ اعمال، اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پس وہ کہے گا، کاش مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا۔

وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَهۡ ۚ﴿۲۶﴾ اور مجھے خبر نہ ہوتی، میرا کیا حساب ہے۔

یٰلَیۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِیَةَ ۚ﴿۲۷﴾ کاش! وہی (موت) میرا کام تمام کر دیتی۔

مَآ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَہۡ ۚ﴿۲۸﴾ میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔

ہَلَکَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَہۡ ۚ﴿۲۹﴾ میرا سارا اقتدار (غلبہ) ختم ہو گیا۔

خُذُوۡہُ فَغُلُّوۡہُ ۙ﴿۳۰﴾ اسے پکڑو! پھر اسے طوق ڈال دو۔

ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡہُ ۙ﴿۳۱﴾ پھر اس کو دوزخ میں جھونک دو۔

ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَۃٍ ذَرۡعُہَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡہُ ؕ﴿۳۲﴾ پھر اس کو ستر گز کی زنجیر میں جکڑ دو۔

برے اعمال کا بدلہ:۔

گناہگاروں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ جو دنیا میں اقتدار اور طاقت کے نشے میں، اللہ اور نیک احکام کو بھول جاتے ہیں۔ گنہگاروں کو ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اور وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو یہ نامہ اعمال نہ ملتا، اس کا مقصود یہ ہے، کہ اسے خیال ہی نہ تھا، کہ اعمال نامہ ملے گا، کیونکہ قیامت یقین نہیں تھا، یا وہ اس کے ملنے سے پہلے ہی مر جاتے۔ کیونکہ دنیا میں ان کا مال و متاع ان کی طاقت و غلبہ سب وہیں رہ گیا ہے۔ ساری چرب زبانی اور دلیلیں دنیا ہی میں رہ گئیں۔ قوی دلیل کو بھی سلطان کہتے ہیں۔ اور قیامت کے دن کچھ بھی نہیں صرف برے اعمال ہیں۔ پھر فرشتے اسے ایک بہت لمبی زنجیر بطور مثال ستر گز ہے جس طرح کہتے ہیں سو دفعہ یا ستر بار، جس سے سارے جسم کو لپیٹ دیں گے اور جکڑنے کے بعد اس کو دوزخ میں پھینک دیں گے۔

اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿۳۳﴾ بے شک یہ بڑے عظیم اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا۔

وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ؕ﴿۳۴﴾ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے پر ترغیب دیتا تھا۔

فَلَیۡسَ لَہُ الۡیَوۡمَ ہٰہُنَا حَمِیۡمٌ ۙ﴿۳۵﴾ پس آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔

وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِیۡنٍ ۙ﴿۳۶﴾ اور (دوزخیوں کی) پیپ کے سوا کوئی کھانا نہیں۔

لَّا یَاۡکُلُہٗۤ اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ ﴿۳۷﴾ گنہگاروں (خطاکاروں) کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔

دوزخ میں جانے والوں کا ذکر جاری ہے۔ اسباب بتائے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے یعنی اللہ کو مانتے نہیں تھے اور اگر مانتے تھے تو اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے۔

فلاحی امور کی اہمیت:۔

معاشرے کے حقوق کا ذکر ہے۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد نہیں کرتے، کھانا نہیں کھلاتے۔ یہاں جس عمل کرنے کو کہا گیا ہے وہ مدد کرنے سے پہلے لوگوں کو اس نیکی کے کام پر ابھارنا ہے اور خود بھی کرنا ہے۔ نیکی ترغیب دلانا اور نیکی کرنا، دونوں اہم ہیں، ترغیب اسی وقت کامیاب رہتی ہے، جب آدمی اپنا خود عملی مظاہرہ کرے۔ ایسا نہ کرنے والے مجرم ہیں اور سزا پائیں گے۔ دوزخ میں کھانا زخموں کی پیپ ہوگی یعنی اپنے زخموں کی پیپ چاٹیں گے۔

غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب کے حکم سے ایک اصول واضح ہوتا ہے کہ جہاں قانون سازی کے ادارے یا افراد ہیں، ان پر واجب ہے کہ فلاحی قوانین بنائیں اور نافذ کریں اس طرح فلاحی ریاستوں کو فلاح و بہبود کے لئے ٹیکس دیئے جائیں یا فلاحی کام خود کئے جائیں یا کرنے والوں کی مدد کی جائے۔ اسلام میں حقوق العباد کی بہت اہمیت ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو۔

وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ یہ قرآن ضرور رسول کریم کا قول ہے۔

وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔

وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے تم بہت کم سمجھتے ہو۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ابو جہل کہتا تھا کہ نبی ﷺ شاعر ہیں اور ولید بن مغیرہ کہتا تھا کہ جادوگر ہیں۔ اور عتبہ کہتا تھا، کہ آپ کاہن ہیں۔ آیت مبارکہ میں تاکید کے لئے قسم کا لفظ ہے کہ قسم ان امور کی ہے، جن کو تم جانتے ہو اور ان امور کی بھی ہے، جس کو نہیں جانتے، مثلاً نظر آنے والی اشیاء کو جانتے ہو اور نظر نہ آنے والی کو نہیں جانتے۔ جیسے اجسام اور روح، دنیا اور آخرت، انسان اور جن و فرشتے، مخلوق اور خالق۔ لیکن یہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ اس میں اشعار کی کیفیات و اوزان نہیں، ورنہ کئی شاعر اس طرح کا کلام بنا لیتے۔ یہ رسول کی زبانی، اللہ کا کلام ہے اور کاہن یا جادوگر کا بھی نہیں کیونکہ پرانے واقعات، کائنات کے امور، انسان کی زندگی اور اللہ کے وجود کی نشانیاں اور اللہ کے احکامات اس میں بیان ہیں۔ اس نبی کا کردار تمہارے سامنے ہے۔ بچپن سے صادق اور امین مشہور ہے۔ اس کا

اپنا کلام اس نازل شدہ کلام سے مختلف ہے۔ اس نے اپنی دعوت کے مقابل کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ اس کو کوئی لالچ نہیں، اس نے تو امارت، دولت سب کو ٹھکرا دیا، یہ کیسے ساحر، کاہن یا شاعر ہو سکتا ہے۔ جو پیش کر رہا ہے یہ اللہ کی طرف سے نازل کیا ہو کلام ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ اور اگر اس (نبی) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ تو ہم ان کو پوری قوت (دائیں ہاتھ) سے پکڑ لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ ہوتا۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ بے شک یہ قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ اور بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ اور بے شک یہ قرآن کافروں کے لئے باعث حسرت ہے۔

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ بے شک یہ حق الیقین ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے۔

نبی ﷺ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی جا رہی ہے کہ اگر وہ اپنی زبان سے اپنے کلام کو اللہ کا کلام کہتے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ پکڑ لیتے اور سخت پکڑ نا ہوتا، ان کو زندہ نہ رہنے دیا جاتا، کیوں اللہ پر بہتان ہوتا مگر وہ زندہ رہیں گے اور رہے اور کامیاب ہوئے۔ یہ ان کی نبوت اور کلام الٰہی کی دلیل و ثبوت ہے۔

یہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے لیکن صرف اللہ سے ڈرنے والے (متقی) لوگ اس کی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے اُخروی زندگی میں کامیابی حاصل کرتے ہیں اور یہ زندگی بھی سکون سے گزارتے ہیں۔ اہل مکہ ان حقائق سے انکار کر رہے ہیں اور ضد پر اڑے ہیں۔ یہ انکار کرنے والے ایک دن اس ناکامی اور مسلمانوں کی کامیابی پر حسرت کریں گے۔ اس کی تعبیر یہ بھی ہوئی، کہ اسلام کے بڑے دشمن غزوۃ بدر میں مارے گئے اور مسلمانوں کی احد، خندق، فتح مکہ، حنین، خیبر کی کامیابیوں پر افسوس کرتے رہے اور پھر قیامت کے دن بھی اپنے اعمال کی وجہ سے جب وہ دوزخ میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے تو افسوس کریں گے۔

قرآن مجید کا کلام سراپا سچ اور حق ہے۔اس پر غور کرنے والا اور عمل کرنے والا حق الیقین کے درجہ کو حاصل کر لیتا ہے جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ علم الیقین سے حق الیقین کا مقام، بلند تر ہے۔

نبی ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اپنے عظیم رب کی تسبیح کریں اور آپ نے رکوع میں سبحان ربی العظیم کے الفاظ کو شامل فرمالیا۔ حضرت عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت، فسبح باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو، رسول اللہ نے فرمایا، اس کو اپنے رکوع میں کر لو اور جب یہ آیت نازل ہوئی سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے سجدہ میں کر لو۔ (سنن ابوداؤد/ابن ماجہ)۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور میزان پر بھاری ہیں، رحمان کو محبوب ہیں وہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (بخاری/مسلم)۔ ان کلمات کے معانی پر غور کریں، تو اللہ کی تعریف (حمد) اس کی شان و عظمت کا ذکر آتا ہے۔ اس شان کے ساتھ بندگی کی اہمیت اور اس کی نعمتوں پر شکر کا اقرار کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس ذکر کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنا بہت مفید ہے۔

70- سورۃالمعارج

تعارف:۔

اس سورت کانام سورت کی آیت نمبر 3 میں ذی المعارج کے ذکر کی وجہ سے ہے۔

مضامین کے اعتبار سے ساری سورت مکی ہے اور اس کا موقعہ نزول بھی سورت الحاقہ کے قریب کا زمانہ ہے۔ اس سورت میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر 77 (ستتر) ہے۔ اور ترتیب قرآن مجید (مصحف) کے اعتبار سے ستر (70) ہے۔ سورت المعارج، سورت الحاقہ کے بعد اور سورت النباء سے پہلے نازل ہوئی۔ سورت میں دو (2) رکوع اور آیات کی تعداد چوالیس (44) ہے۔

کفار مکہ جنت و عذاب اور قیامت کا مذاق اُڑاتے تھے۔ نبی ﷺ سے عذاب کے دعووں پر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس کے بارے بتایا گیا کہ عذاب طلب پر نہیں آتا، جب اس کا وقت آئے گا، تو آجائے گا اور ٹلے گا نہیں۔ لہٰذا صبر کرو۔ جلدی نہ کرو۔

قیامت میں مجرموں کی کیفیت کا ذکر ہے کہ کس پریشانی کے عالم میں اپنا سب کچھ (اولاد، دوست) قربان کرنے کو تیار ہوں گے، لیکن عذاب سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔

انسانوں کے کردار کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ ایمان اور اعمال صالحہ بہت اہم ہیں۔ معاشرے میں بھلائی اور زکوٰۃ، غریبوں، سائلین کی مدد کے بارے حکم دیا ہے۔ اللہ کے خوف، نماز اور احکام کی پابندی کا ذکر ہے۔ عہد وامانت کی پابندی کے ساتھ سچی گواہی دینے کا بھی حکم ہے۔

نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ قریش (کفار) کے رویہ، مخالفت اور تمسخر کی پرواہ نہ کریں، وہ قیامت کو اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ ایک سائل نے، وہ عذاب (قیامت) مانگا، جو واقع ہونے والا ہے۔

لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ اور کافروں پر کوئی، اسے (عذاب کو) ٹالنے والا نہیں۔

مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ اس اللہ کی طرف سے، جو چڑھنے کے راستوں (آسمانی سیڑھیوں)

کا مالک ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ۝ فرشتے اور روح (جبرئیل) اس کی طرف چڑھیں گے ایسے دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ سو (اے نبی) آپ صبر جمیل کریں۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ بے شک وہ (لوگ کفار) اسے دور دیکھتے (گمان کرتے) ہیں۔ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔

آسمانی راستے یا سیڑھیاں (المعارج):۔

آیات کا شان نزول یوں ہے کہ نبی ﷺ نے جب بتوں کی عبادت سے منع، اخلاق کی تعلیمات اور حساب و کتاب، قیامت کے بارے بتایا اور نہ ماننے پر اللہ کے عذاب سے ڈرایا، تو کفار مکہ نے انکار کیا۔ عذاب کے بارے مختلف سوالات کئے، مقصد انکار تھا کہ کب اور کس پر اور کیسے عذاب آئے گا؟ ایک تو کافر جس کا نام النضر بن الحارث بن مکدت، تھا، نے تو اس حد تک کہہ دیا کہ اگر یہ عذاب برحق ہے، تو اے اللہ! ہم پر پتھر برسا۔ اس کے جواب میں آیات نازل ہوئیں کہ جب یہ عذاب آئے گا، تو ٹلے گا نہیں اور نہ اس کو کوئی ٹال سکے گا۔ لہٰذا اس مہلت میں توبہ کریں، لیکن کفار مکہ اپنی ضد اور تکبر پر اڑے رہے۔ اللہ کی صفت میں ذی المعارج، کا لفظ ہے۔ یہ معرج کی جمع ہے، جس کے معنی اوپر چڑھنے کا الہ (لفٹ) سیڑھی یا بلندی ہے۔ کیونکہ بلندی پر جانے کے لئے چڑھنا پڑتا ہے۔ اس طرح ایک بلند مقام و درجات والا ہے۔ ایک تفسیر جو عموماً مشہور ہے، فرشتوں کے راستے یا سیڑھیاں ہیں کیونکہ وہ آسمانوں اور زمین یا زمینوں کے درمیان احکامات کی تنفیذ کے لئے آتے جاتے ہیں۔ الروح اور ملائکہ کا ذکر ہے۔ الروح سے مراد مفسرین نے حضرت جبرئیل علیہ السلام لئے ہیں، کیونکہ دوسری آیات میں بھی ان کے لئے یہی لفظ (لقب) استعمال ہوا ہے۔ اور یہ ان کے عظیم مرتبے کا اظہار ہے۔ بعض علماء نے انسانی ارواح کا ذکر کیا ہے کہ بدن سے جدا ہو جانے کے بعد (بعد از موت)، وہ آسمان کی طرف جاتی ہیں۔ ان کے جانے راستے ہیں جنہیں معارج (سیڑھی) کہہ سکتے ہیں۔ سیڑھی کا ذکر واقعہ معراج کی احادیث میں بھی بتایا گیا ہے۔

دن کی طوالت، پچاس ہزار سال کی تفسیریں مختلف ہیں۔ بعض مقامات پر ہزار سال کا ذکر ہے، اس سے مراد طوالت ہے اور انسان کے اعمال یا کاموں کے مقابل مختلف امور کی عظمت ہے۔ مثلاً زمین کے لئے بھی دنوں کا ذکر، اس کے طوالت عمل کا حوالہ ہے۔ چونکہ یہ امور بہت عظیم ہیں، اس لئے ان کے لئے طویل عرصہ درکار ہے، جس کے

بارے ہمارا علم صرف مختلف تخمینوں پر مشتمل ہے جو محض علمی اندازوں کی بنیاد پر ہیں۔ یہ دن، ہمارے دن اور رات کے وجود میں آنے سے پہلے کے ہیں۔ بعض علماء نے کائنات یعنی زمین سے آخری آسمان تک جانے کے لئے فرشتوں کی پچاس ہزار سال کی مدت خیال کی ہے، جس طرح ہم اب کہتے ہیں کہ کائنات کی وسعت چورانوے بلین روشنی کے سال ہے۔اس کے بارے انسانی اندازوں میں تبدیلی ملاحظہ ہو۔ابتدا میں انسان نے ستاروں کی دوری ناپنے کے لئے زاویہ کا طریقہ (Parallax) استعمال ہوتا تھا۔ فلاسفر کا یہ خیال تھا، کہ زمین کے گرد سب کچھ گھوم رہا ہے۔ پھر تبدیلی آئی کہ زمین ، سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ستارے رات کو نظر آتے ہیں اور وہی انسان کی کائنات ہے۔اس کے فاصلے ناپے جاتے ہیں۔ پھر دور بین کی ایجاد سے تبدیلی آئی۔ 1929 میں کائنات کی وسعت 280 ملین روشنی کے سال تھی۔ یہ ایڈورڈ ھبل (امریکی ماہر فلکیات) کا اندازہ تھا۔ پھر یہ اندازہ، بڑھ کر 1950 میں چار بلین روشنی کے سال، پھر 1960 میں پچیس بلین روشنی سال تھی۔ یہ اندازے، پھر روشنی کی قوت (گلو Glow) کی بنیاد پر کئے جانے لگے۔1990 میں تیس بلین روشنی کے سال اور 1984 میں چورانوے بلین روشنی کے سال ہے۔ دیکھے یہ معاملہ کہاں جا کر ٹھہرتا ہے۔

قرآن واحادیث میں صرف وسعت کائنات کی طرف اشارہ ہے۔2020 میں ماہرین فلکیات نے فلکیاتی سپر ہائی وے Clestical Autoban کا انکشاف کیا ہے، کہ ہمارے نظام شمسی میں موجود ہیں۔ یہ، بین الاجرام فلکی (نظام شمسی) مقناطیسی انٹرایکشن (عمل رد عمل) سے بنا ہوا ہے۔ یہ راستہ (چینل) تیز ترین سفر کے لئے کسی بھی وجود کے لئے ، خلاء (آسمان کی فضاء) میں استعمال ہو سکتا ہے اور ان کے مطابق، انسان کی خلائی تحقیقات ، بالخصوص بین الاجرام فلکی (نظام شمسی) کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ امکان ہے کہ ٹوٹنے والے ستارے اسی راستہ سے گذرتے ہیں۔ یہ راستے قوس کی صورت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان کو ماہرین فلکیات خلائی تہیں (Space Manifold) اور راستوں کو بین السیارات فلکی شاہراہ True Crestical Autoban کا نام دیا ہے۔ یہ معلومات بلغراد، میں اسٹرانومی کی رصد گاہ سربیا، نے دسمبر 2020 میں سائنس الرٹ ڈاٹ کام پر شائع کی ہیں۔

انسانی تحقیقات میں آلات اور معلومات کے ساتھ آرا، بدلتی رہیں گی، قرآن مجید نے صرف ایک اشارہ کر دیا ہے، احادیث میں بھی مسافت یا وقت کے لئے اشارے ہیں اور مختلف مقامات یا درجات یا موقع کے مطابق وقت یا فاصلے اندازہ ہیں۔ مثلاً متاخرین مفسرین نے اس، پچاس ہزار سال کے بارے، قیامت کے دن کا ذکر زیادہ مناسب سمجھا ہے۔ کیونکہ تمام مخلوقات عالم، کا حساب و کتاب، عدل کی بنیاد پر شواہد اور فیصلے ہوں گے۔ نیک افراد کے لئے یہ مدت تکلیف دہ یا اتنی طویل محسوس نہیں ہو گی جتنی گناہگاروں کو ہو گی۔ جس طرح ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ انتظار کے لمحات بھاری محسوس ہوتے ہیں، اگرچہ وقت کم ہوتا ہے اور عموماً زندگی بہت قلیل محسوس ہوتی ہے جب کہ مدت سالہا سال

ہوتی۔بقول شاعر

آتے ہوئے اذان ہوئی جاتے ہوئے نماز۔۔۔۔۔۔اتنے قلیل وقت میں آئے چلے گئے

اگر یومیہ مسافت کا اندازہ پچاس ہزار سال ہو تو نوری سال کی طرح کا معاملہ لگتا ہے۔ یہ آیات (جنت، دوزخ، قیامت، حشر ونشر، حساب وکتاب) گہری علمی اور تحقیقی جدوجہد کی طالب ہیں۔عام انسانوں کی معلومات سے ماورا ہیں اور مشابہات میں شامل ہیں۔ ہمارے ایمان کا حصہ ہیں۔اس تفصیل سے مراد صرف قرآن مجید کا کلام الہامی (الٰہی) ہونا ہے کیونکہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا ذکر ہے۔

نبی ﷺ کو تسلی دی گئی کہ کفار کے مطالبات اور اعتراضات بے معنی ہیں۔ قیامت حقیقت ہے۔انسان کی معلومات میں، زمین پر انسانی وجود کی مدت کئی ہزاروں سال ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات میں معمولی ہے۔ کفار کی بدتمیزی و مخالفت پر صبر کریں اور صبر جمیل سے مراد ، نہ صرف صبر کریں بلکہ تبلیغ کی جدوجہد خوش اسلوبی اور دلی کوشش سے جاری رکھیں۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ جس دن آسمان پگلے ہوئے تانبا کی طرح ہو جائے گا۔

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ اور پہاڑ (دھنکی ہوئی) رنگین اون کی طرح ہوں گے۔

وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان حال نہ ہوگا۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝ (حالانکہ) وہ (ایک دوسرے کو) دکھائے جا رہے ہوں گے۔ مجرم آرزو کریں گے کہ کاش! اس دن کے عذاب (سے رہائی) کے بدلے میں اپنے بیٹے دے دے۔

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ۝ اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی (دے ڈالے)۔

وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝ اور اپنا (تمام) خاندان جو اسے پناہ دیتا تھا۔

وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ اور جتنے لوگ بھی زمین میں ہیں سب کے سب (اپنی ذات کے بدلے میں فدیہ کر دے) پھر یہ (فدیہ/بدلہ) اسے (اللہ کے عذاب سے) بچا لے۔

کفار کے سوال کے جواب میں قیامت کی منظر کشی ہے۔آسمان سرخ تانبے کی طرح ہو جائے گا، یعنی تابکاری نے زمین کو گھیر لیا ہوگا۔(یہ ستاروں یا زمین کے ساتھ دوسرے سیاروں (چاند وغیرہ) کی ٹکر سے ہوگا)۔اس کی تفصیل بیان کی ہے۔زمین پر موجود پہاڑ جو سب سے بڑے اجسام ہیں، رنگین اون کی طرح اڑیں گے، یعنی پہاڑ (اجسام) ریزہ

ریزہ ہو جائیں گے اور ان کی زمین کی مٹی کی مختلف تہیں، جب ہوا میں اڑیں گی، گویا مختلف رنگ کی اون دھنی جا رہی ہے اور اُڑ رہی ہے۔ شدت کا منظر ہے۔ انسان اس منظر میں سب سے کمزور جسم، خوف زدہ، پریشان ہو گا۔ حساب و کتاب ملے گا، اس وقت کوئی دوست یا قریبی پرسان حال نہ ہو گا، ہر ایک اپنی پریشانی میں گم ہو گا اور مجرم افراد اپنی جان بچانے کی خاطر اپنی تمام تر قیمتی اشیاء، جن میں اولاد، بیوی، بھائی، خاندان جس پر بڑا بھروسہ اور جن کی خاطر غلط کام کئے جاتے تھے اور ساری کی ساری زمین کی ملکیت بھی دینے کو تیار ہو گیں، کہ کسی طرح آج کے عذاب سے جان بچ جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہو گا۔ حالت یہ ہو گی کہ میدان میں، سب رشتہ دار، دوست، بہن بھائی، والدین ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پہچانتے ہوں گے لیکن اپنی مشکل میں سب کچھ بھول جائیں گے۔ تفصیل اگلی آیات میں ہیں۔

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ ایسا ہر گز نہ ہو گا۔ وہ شعلہ زن آگ ہے۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ چمڑیاں (جسم کی کھال) ادھیڑ دینے والی۔

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وہ (ہر) اس شخص کو پکارے گی جس نے پیٹھ پھیری اور (حق سے) منہ موڑا۔

وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ (مال) جمع کیا پھر اسے (تقسیم سے) روکے رکھا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ بے شک انسان بے صبرا اور خود غرض پیدا ہوا ہے۔

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ جب اسے مصیبت (نقصان) پہنچے تو گھبرا جاتا ہے۔

وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ جب اسے بھلائی (مالی فراخی) ملے تو نہایت روکنے والا (کنجوس) بن جاتا ہے۔

جہنمی افراد کا کردار اور تجزیہ:۔

عذاب کی کیفیت کو پیش کیا جا رہا ہے۔ دوزخ کی آگ میں، جہاں مجرموں کو ان کے اعمال کی وجہ سے بھیجا جائے گا، بھڑکتی ہو گی۔ جو جسم اور کھال کو جلا دے گی (کیونکہ اس آگ کا ایندھن انسانی جسم اور پتھر ہیں)۔ یہ مجرم وہ ہیں جنہوں نے حق سے منہ موڑا۔ حق کا لفظ بڑا وسیع ہے۔ یہ حقوق العباد اور حقوق اللہ کو شامل ہے۔ حقوق العباد کی اسلام میں اہمیت کے پیش نظر ان کا علیحدہ، واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی وہ اسباب بھی بیان کر دیئے ہیں جو ان حقوق العباد کے پورے کرنے میں بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ یہ تعلیمات ثابت کرتی ہیں کہ قرآن انسان ہدایت کی عظیم کتاب ہے۔

پکار کی تشریح مختلف طرح کی ہے(۱):فرشتے مجرموں کااعلان کریں گے۔(۲):نامہ اعمال(بائیں ہاتھ میں ملنے سے)سے اعلان ہو جائے گا۔(۳):جہنم میں داخلے کے وقت جہنم کے محافظ پکاریں گے۔

مجرموں کے جس جرم کا برملا اظہار یا اعلان کیا ہے،ان میں ان کا معاشرے میں محروم افراد کو نظر انداز کرنا ہے۔اپنی ذات کے آرام کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر دوسروں کو بالکل بھول جانا ہے۔ دولت ومال کو صرف اپنی ذات واولاد کے لئے خرچ کرنا ہے۔اپنے معاشرے میں غریب، فقیر، محتاج ومفلس،افراد کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ انسانیت کااحساس تک نہیں رکھا ہوگا۔ ان لوگوں میں حیوانات کی طرح خود غرضی ہوگی۔اسلام اس کردار کی شدت سے مذمت کرتا ہے۔اس وصف کو کنجوسی، بخیلی اور خود غرضی کانام دیاجاسکتا ہے۔

تجزیہ(اسباب):

یہ کنجوسی،خود غرضی اور دوسروں کو بھول جانا کیوں ہوتا ہے؟اس کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔"بے شک انسان بے صابر اور خود غرض پیدا ہوا ہے۔جب اسے مصیبت(نقصان)پہنچے تو گھبراجاتا ہے۔

ان دو آیات، کی روشنی میں اگر ہم انسانی نفسیات کا تجزیہ کریں تو ہمیں حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے۔انسان ایک ذی شعور مخلوق ہے، جس میں علم وفکر کی استعداد سب سے زیادہ ہے۔اس میں اپنی جان کی حفاظت کااحساس اس کی طبیعت کا حصہ ہے۔اس کے ساتھ،اللہ تعالی نے انسان کو اور بھی اچھی استعداد سے نوازا ہے۔ مثلاً صبر،ایثار، سخاوت، غصہ،خوف، جرأت اور غور وفکر، آسانی کی رغبت وغیرہ۔جب انسان کے پاس کوئی دولت یاایسی چیز، جس کی اس کو ضرورت ہو ملتی ہے،تو وہ اپنے کو ترجیح دیتا ہے۔اسلام میں اپنی ضرورت کی ترجیح کی،نہ صرف اجازت ہے بلکہ حکم ہے، کہ اپنی اور اپنے ذمہ افراد(بیوی،اولاد یاوالدین)کی ضرورت کو پورا کیاجائے۔اس موقعہ پر شیطان،انسان کے دماغ میں مختلف غلط امکانات ڈال دیتا ہے مثلاً ضرورت کو بڑھادیتا ہے۔دوبارہ نہ ملنے یاضائع ہو جانے کا غیر ضروری خوف ڈال دیتا ہے۔ کبھی مزاج میں کنجوسی کا رجحان ہوتا ہے اس کو بڑھادیتا ہے۔ کبھی اپنی ذات کے تکبر کے لئے،اس چیز کو اپنے پاس روکنے کا خیال پیدا کر دیتا ہے۔انسان سے یہ غلط عمل کرادیتا ہے، جو اسلام میں منع ہے۔ایک حدیث مبارکہ بروایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو،وادیاں ہوں تو وہ ضرور تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی(قبر)ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے تو اللہ سبحانہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔(صحیح البخاری/مسلم)۔

اگلی آیات میں اسی مشکل یانفسیاتی بیماری کا علاج بھی تجویز کر دیا ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ سوائے ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ جو ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ جن لوگوں کے مالوں میں مقرر حق ہے۔

لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ سوال کرنے والوں اور محروم افراد کا (سوال سے بچنے والے کا)۔

وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ جو لوگ روز قیامت پر ایمان لانے والے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ سوائے اپنی بیویوں اور ان باندیوں کے جو ان کی ملکیت (ذمہ) میں آچکی ہیں۔ پھر یقیناً ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ پس جو ان کے علاوہ طلب کرے تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اور وہ لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وہ لوگ جنتوں میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔

اہل جنت کا کردار اور تجزیہ:۔

آیات مبارکہ انسان کی بعض کمزوریوں اور ان کے نتیجہ میں برے اعمال کے بعد نیک اعمال کرنے والوں کے کردار اور اعمال کا ذکر کیا ہے۔ ان اعمال کے محرکات کا ذکر کیا ہے۔ ان فطری تقاضوں (خواہشات) کو انسان کے اندر

مثبت، فطرتی قوتوں کے ذریعے کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔اور اس کا سب سے بڑا محرک، اللہ کی ذات پر ایمان اور جزاو سزا کا عقیدہ ہے۔

(۱): روز جزا، یعنی دنیا کے اعمال کا بدلہ انسانوں کو موت کے بعد ملے گا۔اس پر پورا یقین ہونا چاہیے۔یہ یقین اسی وقت ہوگا جب اللہ کی ذات، اس کی قوت اور صفات پر پورا یقین ہوگا۔

(۲): اللہ کی عبادت: نماز کی پابندی، پانچ اوقات میں نبی ﷺ کی تعلیمات (ظاہری اوصاف، وضو، پاک لباس وغیرہ) کے مطابق ادا کرنا۔ نماز کا دوسری دفعہ ذکر، اس کو قائم کرنا ہے۔اس سے مراد نماز کی باطنی شرائط کو پورا کرنا ہے۔اس سے مراد رزق حلال اور اچھے اخلاق ہیں۔اس کا ذکر ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص کے بارے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ فلاں شخص بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس کی نماز نے اس میں اطاعت الٰہی (اخلاق وعادات) پیدا نہیں کی، تو اس نماز کا کوئی فائدہ نہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی: **ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر** (العنکبوت : 45)۔ بے شک نماز فحاشی اور برے کاموں سے روکتی ہے (البیہقی)۔اس لحاظ سے رزق حلال بہت اہم ہے۔ حرام رزق کے ساتھ عبادات درجات کی بلندی اور اللہ کے قرب کا ذریعہ نہیں بنتی بلکہ ریا کا ثبوت ہوتی ہے۔ نماز کے مقاصد کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

(۳): غریب افراد (سوال کرنے والوں) کی مدد: اللہ کے نیک بندے، اپنے مال میں بخیلی اور کنجوسی نہیں کرتے، بلکہ اپنے مال سے اللہ کی خاطر بغیر اپنے ذاتی فائدے کے، جو لوگ مدد کے لئے سوال کرتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں۔ سوال کرنے والوں ، میں پیشہ ور بھیکاری کی مدد کرنا، حدیث کے مطابق گناہ ہے، کیونکہ پیشہ ور بھیکاری، بھیک مانگ کر ایک گناہ کا عمل کر رہا ہے، جس میں اس کی مدد کرنے والا، برے عمل میں مدد کر رہا ہے کیونکہ وہ مزید سوال کرے گا، جب کہ اس کو ضرورت نہیں۔ یہ زکوٰۃ کے لئے بھی ہے، لیکن یہ آیات، وجوب زکوٰۃ سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی تھی۔ یہ آیات۔مکہ کے اس وقت معاشرے اور موجودہ معاشروں میں تفریق کو روکنے کے لیے ہیں۔

سوال کے بارے روایات کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا، کہ آدمی ان صورتوں میں سوال کر سکتا ہے۔

(۱): جو شخص مقروض ہو۔اس کے لئے اتنی مقدار سوال کرنا جائز ہے، جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔ پھر سوال نہ کرے۔(۲): جس شخص کے کوئی ناگہانی آفت پہنچے، جس سے اس کا مال تباہ ہو گیا ہو، اس کا اتنا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے۔(۳): وہ شخص جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقلمند آدمی اس بات پر گواہی دیں کہ واقعی فاقہ زدہ ہے۔ تو اس کے لئے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے، جس سے اس کا گزارہ ہو جائے اور اے قبیصہ !(حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ راوی ہیں، جو خود مقروض ہو گئے تھے اور مدد کے لئے نبی ﷺ کے پاس گئے

تھے اور نبی ﷺ کی ریاست کی نمائندگی کرتے تھے۔ بالخصوص ایگزیکٹیو انتظامیہ کے سربراہ تھے)۔ ان تین شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان کے علاوہ کسی اور صورت میں) سوال کر کے کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ پیشہ ور گداگروں کو پکڑ کر تحقیق کرے اور ان کے مسائل کا حل دیکھے اور گداگری کو روکے)۔

(۴) محروم: محروم افراد سے مراد وہ افراد ہیں جو مالی یا معاشی استطاعت نہیں رکھتے، لیکن وضع داری کی وجہ سے لوگوں سے سوال نہیں کرتے اور اس طرح لوگ ان کی مدد نہیں کرتے اور مجبور ہونے اور سوال نہ کرنے کی وجہ سے وہ مالی مدد سے محروم رہتے ہیں۔ دوسری طرف در حقیقت وہ، ذریعہ اموال سے بھی محروم ہوتے ہیں، اس لئے اصحاب مال و دولت یا خوشحال افراد پر واجب ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی خود بڑھ کر مدد کریں۔ مدد کرتے وقت یہ سمجھیں کہ وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ان لوگوں پر احسان نہیں کر رہے۔ تاکید کی خاطر آیات ہیں اور حق، کا لفظ، سائل و محروم افراد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست تمام شہریوں کی ضروریات کی ضامن ہوتی ہے۔

پاکدامن:

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ زنا اور جنسی جرائم سے محفوظ رہتے ہیں۔ انسانی جنسی ضروریات کے لئے اپنی بیویوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ غیر عورتوں یا مردوں، لڑکوں، لڑکیوں سے تعلق نہیں رکھتے یا ان عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں جو ریاست (حکومت) کی طرف سے جنگ کی وجہ سے جن کے شوہر قتل ہو جاتے ہیں یا کہیں بھاگ جاتے ہیں اور ان کا پتہ نہیں چلتا، ریاست ان کو فوجیوں یا دوسرے افراد کو ان کے ذمہ کر دیتی تھی۔ یہ ایک طرح کا ریاستی جبری نکاح ہوتا ہے۔ عام نکاح نہیں ہوتا، مہر یا ایجاب و قبول نہیں ہوتا۔ لیکن اس شخص کے ذمہ اس عورت کی رہائش و خرچ ہوتا ہے وہ اس کی خادمہ ہوتی ہے۔ ساتھ جنسی تعلق کی اجازت ہے کیونکہ اس کا خاوند نہیں ہوتا۔ اس طرح اس کی جنسی ضرورت اور جس شخص کے ذمہ اس کو کیا گیا ہے، وہ اس سے اپنی جنسی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ اس عورت سے حمل ہونے کے بعد اس کے حقوق بڑھ جاتے ہیں، اس کی اولاد اس کی وارث ہو گی اور عورت بھی وارث ہو گی۔ خادمہ کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ (تفصیل سورت النساء/انفال/توبہ میں گزر چکی ہے)۔

اسلام نے یکدم غلامی کو ختم کرنے کے لئے قانون نہیں بنایا، جس طرح سود یا شراب کو ختم کرنا منع کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ (۱): اس وقت جنگی مجرموں / قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور پھر تبادلے ہوتے تھے۔ اس طرح اگر غلام بنانا ختم کر دیا جاتا تو مسلمان غلام بن جاتے لیکن غیر مسلم غلام نہ بنانے کی وجہ سے تبادلے ممکن نہ تھے۔ (۲): اگر عورتوں کو ریاست مختلف افراد کے ذمے نہ کرے تو وہ عورتیں اپنی زندگی کیسے گذاریں۔ اس وقت تعلیم، ریاست اور مواقع روزگار نہیں تھے۔ اس لئے صرف جنسی جرائم (قحبہ خانہ) کا سبب بن جاتیں اور سماجی و اخلاقی

مسائل پیدا ہوتے۔ان حالات کی وجہ سے اسے یک لخت ختم نہیں کیا گیا۔(۳):اسلام نے تقریباً سترہ(17) جرائم یا گناہوں کے کفار میں غلاموں کو آزاد کرنے کی سزا دی ہے۔اس طرح بہت سے غلام آزاد ہو گئے اور بالآخر غلامی ختم ہو گئی۔(۴): غلام کو آزاد کرنا ایک بہت بڑا نیک عمل تھا۔ جس نے غلام آزاد کیا اس نے اپنے آپ کو دوزخ سے آزاد کیا۔ اس طرح بہت سارے صحابہ کرام نے تقریباً سب غلام آزاد کر دیئے لیکن غلام لوگ پھر خود ان حضرات کے ساتھ منسلک رہے اور خدمت کرتے رہے اسی سے غلام بادشاہ بنے۔(۵): غلام کو آزادی طلب کرنے کا حق دیا اور ریاست کو اس کی آزادی کے لیے رقم زکاۃ کے فنڈ سے مخصوص کی۔

نبی ﷺ نے کسی کو اپنا غلام نہیں رکھا، حضرت ماریہ قبطیہ، جب مصر سے آئیں تو ان کو آزاد کر دیا گیا اور نکاح کے ساتھ رہنے کی پیشکش کی۔انہوں نے کہا، کہ جس طرح ان کو ملک قابوس مصر نے بھیجا ہے،اس طرح وہ خادمہ بن کر آپ ﷺ کے پاس رہیں گی، وہ اپنی حالت تبدیل نہیں کرنا چاہتی۔اسی طریقہ سے بطور خادمہ رہیں گی، پھر اسی طرح رہیں اور ام الولد بنیں (حضرت ابراہیم کی والدہ)۔ان کا وظیفہ (رہائشی والاؤنس) دوسری ازواج کی طرح رہا۔

اب جب غلامی، بین الاقوامی طور پر ختم ہے تو شریعت اسلام اس کو نہ صرف قبول کرتی ہے ،بلکہ اس کی تصدیق و ترجیح اور ترویج کرتی ہے کیونکہ اسلام مکارم اخلاق کا مذہب ہے اور تمام اسلامی ممالک میں اس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ریاستوں کو جنگی قیدیوں کو آزاد انسان کے طور پر تسلیم کرایا گیا ہے۔ جس طرح اقوام متحدہ کے چارٹر میں ہے۔ جنگی قیدیوں کے حقوق کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔اسلام اس کی شدت سے تائید کرتا ہے۔ غلامی کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو نبی بنا کر فرعون کے پاس بھیجا، تاکہ بنی اسرائیل کو آزاد کرایا جائے۔ یہ قوانین، اسلامی احکام کی روح کے عین مطابق ہیں۔

عہد کی پابندی:

نیک لوگ اللہ کے حکم کے تحت اپنے وعدوں کی پابندی کرتے ہیں۔ عہد کی خلاف ورزی جھوٹ ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے عہد کی پابندی نہیں کی اس کا ایمان ہی نہیں۔ وعدے کی پابندی معاشرے میں ترقی، سکون کے لئے بہت ضروری ہے اور مسلمان کے کردار کی بنیادی خصوصیت ہے۔

دیانت داری:

نیک لوگ امانت دار ہوتے ہیں۔لوگوں کی رکھی ہوئی امانات میں خیانت نہیں کرتے۔ امانت کی حفاظت کرتے ہیں اور امانت والے کو لوٹا دیتے ہیں۔اس میں کوئی کمی یا خامی پیدا نہیں کرتے۔ اسلام میں کئی مقامات پر عہد کی

پابندی اور امانت کی حفاظت پوری طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱): جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲): جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (۳): جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری/مسلم)۔

گواہی:

نیک لوگوں کے کردار میں سچی گواہی بہت اہم ہے۔ جو واقعہ دیکھتے ہیں اسی کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اس میں کوئی کمی و بیشی نہیں کرتے۔ اگر ان کو کسی کے خلاف شہادت دینی پڑے تو وہ کسی ملامت کرانے والے یا ڈرانے والے سے نہیں ڈرتے یا لالچ سے نہیں بدلتے۔ یہ شہادتیں، حقوق العباد کی گواہیاں، نکاح، قتل، چوری، حدود، قصاص یا دینی امور میں چاند کی گواہی، نکاح، طلاق پھر معاملات، رہن، بیع، قرض وغیرہ میں ہیں۔ انصاف کے قیام میں گواہی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور سچی گواہی دینی واجب ہے۔

تجزیہ: ان اصحاب کردار کو ان کے اعمال کی جزا یا بدلہ میں جنت میں اعلیٰ مقام دیئے جائیں گے۔ یہ احکامات نبوت کے ابتدائی پانچ سال کے دوران ہیں، اسلام نے شروع سے ہی غرباء پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے شرح (مقدار) متعین نہیں کی، نہ ان اموال جن کو خرچ کرنا چاہیے کا ذکر ہے۔ بلکہ عموماً انسانی بھلائی اور فلاحی و کامیاب معاشرہ کے سارے اصول و قوانین، حقوق واضح طور پر بنا دیئے۔ پھر اسلامی ریاست کے قیام پر ان کو منظم طریقہ پر نافذ کر دیا، جس کی مثال زکوٰۃ، عشر، فی، انفال کے اموال ہیں۔ یہ اسلام کا انقلاب تھا، جس میں وحدانیت الٰہی کے علاوہ سماجی و معاشی و اخلاقی سب امور شامل تھے اور قریش سخت مخالف تھے۔ تمام مکی سورتوں میں ان امور کا ذکر ہے۔ اس کردار کے معاشرہ میں معاشی اور سماجی برکات کی تفصیل بہت طویل ہے۔ جس معاشرہ میں یہ خصوصیات عمومی طور پر ہوں وہ کامیاب معاشرہ ہوتا ہے۔

یہ امور اگرچہ مشکل نظر آتے ہیں کیونکہ بعض اوقات مفاد کا ٹکراؤ آجاتا ہے۔ لیکن اللہ پر ایمان، پھر جزا و سزا پر یقین، حساب و کتاب یا قیامت پر مکمل ایمان، ان کو بڑی قوت دیتا ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے یہ امور عام کردار کا حصہ بن جاتے ہیں۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے عدل کے خوف کا علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ شیطان صرف رحمت کے بہانے سے گناہ کی ترغیب دیتا ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ بندہ غلط کام کرے گا اور عدل میں پکڑا جائے گا۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان خوف خدا اور رحمت خدا کے درمیان ہے۔ اللہ کا خوف بڑا محرک ہے۔ اس کا اہتمام خیالات میں بہت ضروری ہے پھر یہ کردار میں بھی ظاہر ہوگا۔ یہ نیک اعمال ہی نفس کے خلاف جہاد اکبر ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ پس ان کافروں (انکار کرنے والوں) کو کیا ہوا کہ

یہ آپ کی طرف بھاگے آرہے ہیں۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ دائیں بائیں سے گروہ در گروہ۔

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ توقع ہے کہ اس کو نعمت والی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ ہر گز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کو جانتے ہیں۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ پس میں مشارق و مغارب (مشرقوں اور مغربوں) کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک ہم ضرور قادر ہیں۔

عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ کہ ان کے بدلے ہم ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم اس سے عاجز نہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ (اے نبی) آپ ان کو ان کی بیہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس (عذاب کے) دن سے آملیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ جس دن دوڑتے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ بتوں کے استھانوں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ خوف سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی۔ یہ وہ دن ہے جس سے ان کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے۔ وہ بنیادی عقائد، قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ سے منکر تھے اور نبی ﷺ جب تبلیغ کرتے تو ارد گرد اکٹھے ہو جاتے اور پھر ان تعلیمات اور واقعات کا مذاق اڑاتے۔ اس بے ہودہ رویہ کا ذکر ہے۔ اپنی دولت و امارت کی وجہ سے اپنے کو جنت کا مستحق سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس رویہ کی تردید کی ہے۔ ان کے انکار و بدتمیزی کی وجہ سے جنت سے محروم رہیں گے۔ نبی ﷺ کو تسلی دی کہ ان کے بدتمیز رویوں کی پرواہ نہ کریں، یہ اپنی گمراہی ہی میں ختم ہو کر عذاب بھگتیں گے اور اللہ تعالیٰ، ان کی جگہ نئی قوم لا سکتے ہیں۔ جس طرح، ان کی نسل سے فتح مکہ کے بعد سب مسلمان ہو گئے۔ جو منکر تھے،

وہ بھاگ گئے۔اسلام کواللہ نے فتح دی اور سارا جزیرہ نما عرب مسلمان ہو گیا۔

تاکید کی خاطر ،اللہ تعالیٰ کی طاقت کی قسم کھائی ہے کہ جو کئی مشرقوں اور مغربوں کا مالک ہے۔یہ سورج کے اور زمین کے زاویوں کا ذکر ہے، موسموں کی خاطر ،یہ زاویے بدلتے ہیں اور مقام طلوع وغروب مختلف ہوتا ہے۔دن لمبے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔جب واحد مشرق یا مغرب کی بات ہوتی ہے، تو طرف مشرق مراد ہوتی ہے۔جب مشرقوں یا مغربوں، کا ذکر ہوتا ہے، تو ہر جگہ کا غروب، دوسری جگہ (قطعہ ارض) کے لئے مقام طلوع ہوتا ہے۔وہی مقام طلوع ، پچھلے قطعہ ارضی کے لئے مقام غروب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ،ان منکرین حق کو سزا دینے اور جہنم میں ڈالنے، جنت سے محروم کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ قیامت کو یہ اپنی قبروں سے کھڑے ہو کر نکلیں گے۔ان کی آنکھیں جھکی، چہرے اترے اور خوف سے پریشان ہو کر دوڑیں گے۔انتہائی ذلت کی حالت میں ہوں گے اور یہی ان کے عذاب کا دن ہو گا۔ جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔اس کو خود دیکھ لیں گے۔جو ایک قطرہ منی (یکدفتی سنگل سیل) سے انسان پیدا کر سکتا، وہ دوبارہ مردہ انسانی ڈھانچہ کو زندہ کر سکتا ہے اس لئے کفار کا انکار غلط ہے۔ سورت معارج مکمل ہوئی۔

71- سورۃ نوح

تعارف:۔

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کی وجہ سے ہے اور سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کا بھی ذکر ہے۔ یہ سورت بھی اسلام کے پہلے سالوں میں مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کا دور بھی سورت المعارج کے قریب کا ہے۔ ترتیب مصحف (قرآن مجید) کے لحاظ سے اس کا نمبر اکہتر (71) ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر بہتر (72) ہے۔ یہ سورت الطور سے پہلے نازل ہوئی۔اس سورت میں دو(2) رکوع اور اٹھائیس(28) آیات ہیں۔

حضرت نوح کا واقع ،قریش کو ایک طرف ان کے مرتبے کے بارے اور دوسری طرف ان کی قوم کی تباہی سے عبرت حاصل کرنے کے لئے نازل فرمائی گئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طویل عرصہ تقریباً ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور تبلیغ میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بہت تھوڑے افراد مسلمان ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں بت پرستی سے منع کیا۔اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام جو حضرت نوح علیہ السلام کے ذریعے ان کو پہنچائے جارہے تھے،ان پر عمل کرنے کی تاکید اور اس کے بدلے ان کو دنیا میں نعمتیں اور جنت کی بشارت دی۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کے دلائل سورج، چاند، زمین، نباتات، غذائیں اور انعامات کا ذکر کیا۔

طویل عرصہ تک تبلیغ کی پھر کئی نسلیں گمراہ رہیں اور اولاد گمراہ پیدا ہوئی ان کے ظلم اور انکار پر ان کی تباہی کے لئے دعا کی۔ مسلمانوں کی بخشش اور اپنی اور والدین کی بخشش کی دعا کی جسے اللہ نے قبول فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں۔ اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے۔

قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اس (نوح) نے کہا: اے میری قوم میں تمہیں عذاب سے صاف ڈرانے والا ہوں۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ۳ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۴ وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف کر دے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ کی معین کی ہوئی مدت آ جائے گی، تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ کاش! تم جانتے۔

حضرت نوح علیہ السلام:۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر سورت الاعراف، ھود، اور العنکبوت میں بھی کیا جا چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کی طرف روایات کے مطابق چالیس سال کی عمر میں نبی مقرر ہوئے۔ آپ علیہ السلام کی قوم بت پرستی میں مبتلا تھی۔ مختلف ناموں کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ نے ان کی ہدایت اور بت پرستی سے روکنے کے لئے بھیجا کہ ان کو توحید اور آخرت کی دعوت دیں۔ گناہوں سے بچائیں، تاکہ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں۔ اللہ کے احکام، نبی کے ذریعے مخلوق تک پہنچتے ہیں۔ اس لئے نبی کی پیروی اور اللہ کے عذاب سے ڈرنا ضروری ہے۔ یہ عذاب جس کے بارے حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ڈرا رہے تھے، دنیا کا بھی ہو سکتا اور آخرت کا بھی ہو سکتا ہے۔ زندگی کی مہلت بڑی اہم ہے۔ اس میں نیکیاں اور اللہ کی عبادت اور اس کا خوف ضروری ہے۔ گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ توبہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ، گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ انسانی حقوق کے گناہ (حقوق العباد) انسانوں کی معافی پر، اللہ تعالیٰ معاف کریں گے اور اپنے حقوق (حقوق اللہ) کے گناہ، اپنے فضل سے جب چاہیں گے، معاف فرما دیں گے۔ گناہوں میں کچھ قبول توبہ سے پہلے اور بعض گناہ بعد از توبہ شامل ہیں، جو معاف نہیں ہوتے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ۵ اس (نوح) نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو دن اور رات (تبلیغ کی) دعوت دی۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۶ پس میری دعوت سے یہ لوگ اور زیادہ (دور) بھاگنے لگے۔

وَ اِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۷ اور بے شک جب بھی میں نے ان کو

دعوت دی تاکہ آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لئے اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیا۔

ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ پھر میں نے انہیں بلند آواز سے پکارا (دعوت دی)۔

ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا ۙ﴿۹﴾ پھر میں نے ان کو اعلانیہ بھی بلایا اور چپکے چپکے سے بھی (بلایا)۔

فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ پھر میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے۔

یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔

وَّ یُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾ اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ تمہارے لئے باغات اُگائے اور تمہارے لئے دریا بہائے گا۔

مَا لَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾ تمہیں کیا گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت سے بالکل نہیں ڈرتے۔

انداز تبلیغ:۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی تبلیغ کا ذکر کر رہے ہیں کہ انہوں نے طویل مدت پوری کوشش کی تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ کی عبادت کریں۔ اس طرح انہوں نے علی الاعلان، دعوت دی، مختلف لوگوں کو گروپوں میں دعوت دی۔ فرداً فرداً، خاموشی سے دعوت دی۔ لیکن ہر بار لوگوں کا رویہ انتہائی منفی رہا۔ وہ ہر دفعہ مخالفت کرتے رہے۔ جس قدر انہیں نیکی اور اللہ کی عبادت کی دعوت و تبلیغ کی جاتی، وہ اتنے ہی اسلام سے دور ہوتے۔ بات سننے سے انکار کر دیتے اور نہ سننے کے لئے منہ، سر لپیٹ دیتے۔ انہیں اللہ کی عبادت نہ کرنے پر اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ توبہ اور نیکی کرنے پر اللہ تعالیٰ کے دنیا کے زندگی میں انعامات، مال، دولت، اولاد میں اضافہ کی خوشخبری بھی سنائی، لیکن لوگ ہر دفعہ منکر رہے اور مخالفت کرتے رہے۔ اللہ کے خوف سے بالکل نڈر ہو گئے۔ ان پر تبلیغ کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔

استغفار کی برکت:۔

حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کو ذریعہ، نجاعت اور معاشی اور سماجی ثروت کا اظہار فرمایا۔ اسی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے، ایک مرتبہ قحط کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ بارش کی دعا کرنے نکلے اور صرف استغفار پر

اکتفا کیا۔ جب لوگوں نے عرض کی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے تو دعا نہیں کی صرف استغفار کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آسمان کے ان دروازوں کو کھٹکھٹایا ہے، جہاں سے بارش ملتی ہے اور پھر سورت نوح کی آیت 11 تا 12 پڑھ کر لوگوں کو سنائی۔ (ابن کثیر)۔ اسی طرح حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نے خشک سالی کی شکایت کی، تو آپ نے کہا کہ: اللہ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص تنگ دستی کی شکایت کی، تو اس بھی آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ سے استغفار کرو۔ تیسرے نے اولاد کے لئے کہا، کہ میری اولاد نہیں ہوتی اور چوتھے نے کہا کہ میری زمین پر فصل کمزور ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے کہا کہ اللہ سے استغفار کرو۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ سب مسائل و مشکلات کا حل آپ ایک ہی بتا رہے ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں سورت نوح کی آیات 10 تا 13 تلاوت کیں (قرطبیؒ۔ کشاف)۔

وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ حالانکہ اس (اللہ) نے تمہیں مختلف مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ہیں۔

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ اور ان میں چاند کو نور (روشن) بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔ وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ اور اللہ نے تمہیں زمین سے بہترین طریقے پر اگایا (پیدا کیا)۔

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور (پھر وہیں سے) باہر نکالے گا۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا ہے۔

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ تاکہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلتے پھرو۔

اللہ کے وجود کے دلائل:۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی تبلیغ میں اللہ کے کمالات اور انعامات کا ذکر کیا تاکہ ان پر وہ غور کریں۔ اللہ کی طاقت سے آگاہ ہو کر خوف کھائیں، توبہ کریں، اللہ کی عبادت کریں۔ ان دلائل میں سارے امور ذکر کئے ہیں، جسے ہر صاحب ہوش، روز مرّہ کی زندگی میں دیکھتا ہے اور اس کا اس میں کوئی، ذاتی کمال نہیں ہوتا۔

(۱): انسانی پیدائش کیسے، ایک یکدفتی جرثومہ (سنگل سیل) سے ہوتی ہے۔ پھر ماں کے رحم میں مختلف حالات، جس کی

نشاندہی حدیث میں کی گئی ہے اور جدید سائنس جس میں ایسی تصویریں بھی شامل ہیں تصدیق کرتی ہیں۔ان مختلف پیدائش وزندگی کے مراحل کے بعد انسان (پیدا) ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور دنیا میں قدم رکھتا ہے۔دنیا میں آنے کے بعد بھی مراحل ہیں۔ بچپن، لڑکپن، جوانی، عقل و سمجھ کی عمر، پختہ عمر، بڑھاپا اور پھر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ دنیا سے اپنی مرضی سے جاتا ہے۔

(۲): پھر آسمان جو فضاء ہے، اگر رات کو دیکھیں تو کہکشاں اور ستاروں کے جھرمٹ نظر آتے ہیں۔ کہیں تو ان کا وجود ہے، کم روشنی آرہی ہے اور گرتے نہیں، یہ آسمان میں واقع ہیں۔ یہ آسمان مختلف بلندیوں پر ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن بہت سارے چمکدار اجسام نظر آتے ہیں جن کا ذکر ہے۔

(۳): چمکدار اور روشن میں ایک چاند ہے، جو روشن ہے۔اور سورج کی روشنی منعکس کر کے زمین کو منور کرتا ہے۔ اور دن کو سورج ہے جو خود چمکتا ہے اور دن کو تمام زمین کے حصے پر جہاں نظر آتا ہے روشنی اور حرارت پہنچاتا ہے۔لوگ اس کی روشنی میں، جسے دن کہتے ہیں، اپنے کام کرتے ہیں اور جب، زمین دوسری طرف گھومتی ہے تو رات میں لوگ سورج، نظر نہ آنے کی وجہ سے آرام کرتے ہیں۔ ستاروں کا منظر اور چاند کی چاندنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ سارے امور انسان کی طاقت سے باہر ہیں اور کسی بڑی طاقت اور قوت نے ان کو بنایا ہے اور وہی انسان کا بھی خالق ہے۔

(۴): آسمان کے بعد زمین کا ذکر ہے، کہ زمین کس نے بنائی ہے۔ یہ ہموار ہے۔ جہاں پہاڑ، جنگلات ہیں اور لوگوں نے راستے بنائے ہیں۔ جہاں سے ایک دوسرے کی طرف جاتے ہیں۔اس زمین کی سطح کی خاصیت ہے، جس میں مختلف نباتات، فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے لوگ اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔ جس کا انسان کو اعتراف کرنا اور اس خالق زمین و کائنات کی عبادت کرنی چاہیے۔اسی زمین سے انسان پیدا ہوا۔اس سے وہ غذا حاصل کرتا ہے جس سے وہ قوت حاصل کرتا ہے، جس سے حمل قرار پاتا ہے۔ مادر رحم میں دوران حمل نطفہ، مختلف صورتوں اور مراحل کے بعد ایک نومولود بچہ کی صورت میں باہر آتا ہے۔ پھر زندگی گذار کر، جب موت آجاتی ہے تو اس کا جسم کسی بھی صورت میں، زمین میں مل جاتا ہے۔ پھر قیامت کے بعد دوبارہ انسان، کو اسی زمین سے، اس کے اجزاء دوبارہ ملا کر اُٹھایا جائے گا۔ موجود طبیعات کے مطابق زمین پر مادے کی مقدار معین ہے اور معین رہے گی۔ صرف صورتیں بدلتی ہیں۔ جس طرح پانی کبھی مائع، پھر برف کی صورت میں ٹھوس اور بخارات کی صورت میں گیس بن جاتا ہے اور پھر واپس مائع بن جاتا ہے۔اسی طرح انسان کے اجزاء بھی مٹی میں مل کر دوبارہ پھر اکٹھے ہو جائیں گے۔ سائنس کے مطابق یہ ممکن ہے۔

ہمارے عقیدہ میں ایک حقیقت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ سارے دلائل کفار کو دیئے کہ وہ اللہ کی ذات اور اس کی قوت وطاقت کو جانیں۔اس پر ایمان لائیں اور توبہ کریں۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

اس (نوح) نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور انہوں نے ان (سرداروں) کی پیروی کی جنہوں نے ان کے مال اور اولاد کو نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں کیا۔

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ اور انہوں نے بہت بری مکاری سے کام لیا ہے۔

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۪ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾ اور انہوں (سرداروں) نے کہا: تم اپنے معبودوں کو ہر گز نہ چھوڑنا۔اور وَدّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہر گز نہ چھوڑنا۔

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ اور بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اور (اے میرے رب) ظالموں میں صرف گمراہی کو ہی زیادہ کرنا۔

آیات مبارکہ میں قوم کی حالت حضرت نوح نے عرض کی۔ روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور ان کے ساتھ صرف اسی (80) افراد کشتی میں سوار تھے۔حالت یہ تھی کہ تقریباً گئی نسلیں گمراہی پر گذر گئیں اور والدین نے اپنی اولاد کو بھی حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا۔ روایات کے مطابق آپ کو سرداران بہت سزا دیتے حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو جاتے۔ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے بجائے اپنے سرداروں کی باتوں کو مانتے اور ان کے سردار، اپنے لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے بارے دھوکہ دیتے اور ایسے اعتراضات اُٹھاتے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کی تفصیل مختلف مقامات پر قرآن مجید نے دی ہے مثلاً(۱): وہ کہتے نوح ہمارے جیسا انسان ہے، کیسے ان کی طرف وحی آتی ہے؟ (۲): نوح علیہ السلام کی پیروی تو غریب اور گھٹیا لوگ کر رہے ہیں، جن میں سمجھ نہیں اور اگر ان کی بات اچھی ہوتی تو اہل ثروت لوگ ان کی پیروی کرتے۔ (۳): اگر نبی ہوتے تو ساتھ فرشتہ ہوتا۔ (۴): نبی ہوتے تو ان کے پاس خزانے ہوتے۔ یہ انسانی حاجات سے بے نیاز ہوتا جس طرح فرشتے ہوتے ہیں۔ (۵): یہ اپنی سرداری جمانے کے لئے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ (۶): اس پر جن کا سایہ ہے اور دیوانوں کی بات کرتا ہے (مرنے کے بعد زندہ ہونا اور دنیا کا ختم ہو جانا)۔ یہی باتیں تمام انبیاء کے ساتھ بعد میں ہوئیں اور قریش بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے یہی اعتراض کرتے تھے۔

بت پرستی کی ابتداء:۔

سرداران قوم،لوگوں کوان کے بتوں،جو مختلف ناموں پر تھے،وَدّ،سواع،یعوق،یغوث اور نسر تھے۔ان کی عبادات کی تلقین کرتے۔ان کے بارے روایات یہ ہیں کہ یہ اپنے زمانہ میں نیک اور پارسالوگ تھے۔جب مر گئے توان کی یاد میں لوگوں نے ان کی تصاویر بنالیں۔(تصویر کا خیال،شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ڈال کر تصویر دیکھ کران کی یاد آئے گی اور نیک کام کرنے کی ترغیب ہو گی۔پھر ایک اور قدم آگے بڑھا،ان کا مجسمہ بنادیا گیا،یاان کے نام پر عبادت گاہ بنا کر وہاں ان کا مجسمہ بنادیا۔پھر شیطان نے دل میں خیال دیا کہ بارش ان کے نام سے مانگو،ملے گی۔پھر آگے بڑھتے بڑھتے عبادت و قربانی کی حد تک پہنچ گئے۔برا نظریہ پھیلانے کا یہی طریقہ (مرحلہ وار) آج کل بھی ہوتا ہے کیونکہ انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے۔اسی وجہ سے نبی ﷺ نے تصاویر و مجسموں کو بنانے سے منع فرمایا ہے۔

اس طرح کے بت،نزول قرآن مجید کے وقت بھی عربوں کے مختلف قبائل اور علاقوں میں تھے اور عرب ان کی پوجا کرتے تھے۔شاید جوافراد حضرت نوح کے ساتھ بچ گئے تھے،یہ نام ان کی زبان کے تھے اور ان میں بھی استعمال ہوتے تھے۔اس طرح یہ عرب کے علاقہ (حجاز) میں مشہور ہو گئے اور ان کے نام کے عبادت خانے اور مختلف مجسمے بنادیئے گئے۔کتب آثار کے مطابق وَدّ،کا بت،بنی کلب کے قبیلہ کا تھا۔اس کی شکل انسان کی تھی۔قریش بھی اسے مانتے تھے۔اسی طرح سواع نامی،قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی،کیونکہ اس بت کی شکل عورت کی تھی۔یعوث،قبیلہ مذحج،کا معبود تھا۔اس کا بت شیر کی شکل کا تھا۔یعوق کا بت،قبیلہ ہمدان کا یمن میں معبود تھا۔اس کا بت گھوڑے کی شکل کا تھا۔ نسر کا بت،گدھ/پرندہ کی شکل کا تھااور قبیلہ آل ذوالکلاع کا معبود تھا۔

نو سو سال کی تبلیغ اور چند نسلیں کفر میں گذر گئیں،جب کہ نبی موجود تھااور اس کی تبلیغ اور جدوجہد رات دن جاری تھی۔کفر،ان دلوں میں جم چکا تھااور حضرت نوح علیہ السلام اتنے طویل عرصہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ قوم ہدایت کے قابل نہیں۔انہیں ان کے اعمال کے بدلے ختم ہونا چاہیے۔ان کے کئی صدیوں پر محیط برے اعمال کے پیش نظران کی گمراہی کی دعا کی،تاکہ وہ اپنے برے اعمال کی سزا پائیں۔جس کے وہ مستحق ہیں۔اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی مایوس ہو کر قوم فرعون کے لئے تباہی کی دعا کی تھی۔یہ دعا اللہ نے قبول کی۔دعا کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

مِمَّا خَطِيٰٓـتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ پھر ان لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے غرق کیا گیا۔پھر ان کو آگ میں پھینک دیا گیا تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پایا۔

وَ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿۲۷﴾ اور نوح نے دعا کی، اے میرے رب! زمین میں کافروں میں کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ﴿۲۸﴾ بے شک اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے۔

رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا وَّ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۹﴾ اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور میرے ماں باپ کو اور ان کو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور تمام ایمان والے مردوں اور تمام ایمان والی عورتوں کا اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرما۔

گمراہوں کا انجام:۔

کفار کے کئی صدیوں کے رویوں اور طویل جدوجہد کے نتیجے میں ایک سو سے بھی کم افراد کے مسلمان ہونے پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی قوم کے کافروں سے جب ساری ہدایت کی امید ختم ہو گئی، تو تمام کافروں کی ہلاکت کی دعا کی، جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔ کیونکہ ان کی اولاد سے بھی نیک یا مسلمان ہونے کی توقع نہیں تھی۔ سخت طوفان آیا اور سارا علاقہ غرق ہو گیا۔ صرف مسلمان جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اور دوسرے جانوروں کے جوڑے بھی بچ گئے، جن سے حیوانات کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی اور اپنے والدین کی مغفرت (بخشش) کی دعا کی اور وہ مسلمان لوگ جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے (جسے آیت میں گھر میں داخل ہونا کہا گیا ہے) یا جو لوگ ایمان لائے تھے۔ اس کے علاوہ تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی بخشش کی دعا کی، جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ کفار کو طوفان میں غرق کر دیا اور دوزخ میں پھینک دیا یعنی ان کی روحیں عالم برزخ یا عذاب قبر کے مرحلہ میں آگ میں پھینک دی گئیں۔ یہ ان کے برے اعمال کا نتیجہ تھا، جو صدیوں سے کر رہے تھے اور مسلمان بچ گئے اس کے بعد انسانیت کا سلسلہ چلتا اور بڑھتا رہا۔ اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی تھی کہا جاتا ہے

دعا کے انداز کا سبق ہے کہ اپنے لئے، والدین کے لئے مغفرت طلب کی جائے اور دوسرے مومن مردوں اور عورتوں کو بھی شامل کیا جائے تاکہ سب اللہ کی رحمت و بخشش سے فائدہ اُٹھائیں۔

72- سورۃالجن

تعارف:۔

سورت الجن کا نام اس کی پہلی آیت میں الجن کے ذکر سے ہے۔اس کے ساتھ اس سورت میں جنات کا احوال بھی بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ سورت الاحقاف میں بھی جنات کا ذکر ہے۔سورت کا ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے نمبر بہتر(72) ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چالیس(40) ہے۔یہ سورت الاعراف کے بعد اور سورت یٰسین سے پہلے نازل ہوئی۔سورت میں اٹھائیس(28) آیات اور دو(2) رکوع ہیں۔

موقع نزول کے اعتبار سے سورت اسلام کے ابتدائی سالوں میں قبل از ہجرت نازل ہوئی۔روایات کے مطابق جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے۔اس وقت شیاطین جنات (کافر) کو آسمان سے خبروں کی تلاش میں بڑی سخت رکاوٹ تھی،(خبریں نہیں ملتی تھیں اور آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے)۔جنات نے آپس میں کہا کہ کوئی نئی چیز ہے(جس کی وجہ سے تبدیلی آئی ہے)۔جو ہمارے درمیان حائل ہوگئی ہے۔پس تم مشرق و مغرب میں جاؤاور ڈھونڈو کہ کیا وجہ ہے اور کیا چیز ہے۔پھر وہ مشرق اور مغرب میں تلاش کرتے رہے کہ ان کے اور آسمان سے معلومات حاصل کرنے میں کیا چیز حائل ہے۔جنات کا گروہ جب تہامہ (مکہ معظمہ) کی طرف گئے،تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔جب انہوں نے تلاوت قرآن مجید، سنی (یہ ان کے لئے نئی چیز تھی) تو کہنے لگے،یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ ہے(وحی کی حفاظت کے لئے شیاطین وجنات کی آسمان تک رسائی، آگ کے گولوں کے ذریعہ روک دی گئی تھی تاکہ وحی الٰہی کی حفاظت ہو سکے اور شیاطین کو معلومات کی سُن (خبر) نہ ملے کہ وہ کاہنوں کو بتائیں)۔یہ گروہ، تلاوت سننے کے بعد،اپنی قوم کی طرف گیااور ان کو قرآن مجیداور اس میں جو پیغام تھا،اس کے بارے بتایااور کہا:اے قوم ہم نے ایک عجیب(کلام)قرآن سنا ہے،جو نیکی طرف دعوت دیتا ہے اور ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیات نازل فرمائیں۔در اصل آپ کی طرف جنات کا کلام،وحی کی صورت میں نازل کیا گیا۔(بخاری و مسلم)۔

دوران مکہ ایک اور موقعہ پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کے سفر سے آرہے تھے(یہ ہجرت سے تین سال قبل ہے)،جنات کے ساتھ واقعہ پیش آیا جس ذکر سورت الاحقاف (آیت 20:32) میں آیا ہے۔یہ جنات یہودی (اہل کتاب) تھے،کیونکہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔سورت جن میں سوق عکاظ کے موقع پر جنات،کافر تھے

،کیونکہ انہوں نے عبادت الٰہی سے لاعلمی کااظہار کیاہے۔

دوران مکہ یہ دواہم واقعات تھے، لیکن دوران مدینہ بھی جنات کاذکراحادیث میں ہے کہ کبھی وہ سانپوں اور کبھی انسانی شکل میں آتے تھے۔

جن/جنات:۔

جنات کو فزکس یاعلم صحت (میڈیسن) میں نہیں مانا جاتا، کیونکہ ان کا طبعی وجود نہیں اوران پر تجربات نہیں کئے جاسکتے،اس لئے ان سے انکار ہے۔ واقعہ میں ان کاوجود موجود ہے اورانسانوں کو کبھی ان سے واسطہ پڑتارہاہے،اس لئے تمام مذاہب اور انسان عموماًان کے بارے یہ معلومات رکھتے ہیں کہ کوئی مخلوق موجود ہے، محسوس ہوتی ہے لیکن مادی وجود نہیں رکھتی۔ مذاہب اور روحانیت میں ان کاوجود تسلیم کیاجاتاہے۔ قرآن مجید میں سورت رحمان میں ان کے وجود کے بارے ذکر ہے کہ ان کو آگ سے پیدا کیاگیا(آیت:15)۔ آگ کے شعلے سے پیدا کیا،ایسی آگ جس میں دھواں نہیں ہوتا۔یعنی یہ آگ کاربن اور آکسیجن (ہائیڈروکاربن) کا نتیجہ نہیں، بلکہ کسی اور طریقہ سے انرجی پیدا کی گئی ہے اوراس سے جن پیدا ہوااور پھر آگے جنات پیدا ہوتے گئے۔ چونکہ انرجی کی صورت ہے،اس لئے ان کی تولید واضافہ حیوانات کی مثال نہیں ہوگا، بلکہ روشنی یادوسری ڈیجیٹل ٹیکنالوجی میں انرجی (لائیٹ/روشنی، ہیٹ/حرارت، ساؤنڈ/آواز) جوآپس میں بدلتی رہتی ہیں اوران میں اضافہ ہوتاہے،اس طرح،ان میں بھی ہوگااوریہی وجہ ہے کہ ان کی تعدادلا محدود ہے۔ان کی حرکت بھی بہت تیز ہے (بجلی یاروشنی کی رفتار ہے)اور یہ فضاء میں بہت تیزی سے حرکت کرتے اور آسمان پر جاتے ہیں۔ یہ عقل رکھتے ہیں اور عقل کی وجہ سے اپنے عمل کااختیار رکھتے ہیں۔انسانی جسم میں داخل ہوسکتے ہیں، جس طرح آواز کی لہریں(الٹراساؤنڈ) بجلی کی لہریں، مقناطیسی لہریں(لیزر)، ریڈیوویوز(لہریں)انسان کے جسم میں گذرجاتی ہیں اور معلوم نہیں ہوتا،اس طرح یہ بھی گذرجاتے ہیں اور حصوں کو متاثر کرسکتے ہیں۔

اختیار رکھتے ہیں اور قوت ہیں، کیونکہ انرجی آگ سے پیدا ہوتے ہیں،ان کے عمل کے انداز کے بارے انسانی تجربات نہیں۔ سورت الاحقاف میں بھی ان کاذکر ہے(آیت:27:30)۔ آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ شیطان بھی آگ سے پیدا ہوا ہے،اس لئے شیطان، کے قریب تر ہیں، زیادہ اسی کے تابع ہیں۔ اکثر غیر مسلم ہیں،اختیار کی وجہ سے مذہب کاانتخاب کرسکتے ہیں اس لئے مسلم(اہل کتاب)اور غیر مسلم ہیں۔

اعمال کی وجہ سے دوزخ اور جنت میں جائیں گے۔ جس طرح قرآن مجید میں بھی اس کاذکر ہے۔ مسلمان جنوں، میں مبلغ مسلمان ہیں۔ جو غیر مسلم ہیں ان کے مبلغ غیر مسلم ہیں۔ جنوں کوانسانی آنکھ سے دیکھنا ممکن نہیں (جس طرح ہم مقناطیس، روشنی، بجلی، کشش ثقل کی لہروں کو نہیں دیکھ سکتے)۔اس کاقرآن میں بھی ذکر آیاہے لیکن وہ انسان

کو پہچان لیتے ہیں۔یہ صرف سائنسی توجیہ ہے کہ جنات کا وجود سائنس کے خلاف نہیں۔

علم نفسیات میں بھی جنات ایک قابل بحث موضوع ہے۔مذہب پر یقین رکھنے والے ماہرین اس پر یقین رکھتے ہیں اور مذہب سے انکار کرنے والے ماہرین ،علم صحت کی طرح ،انسان کی کیفیت کو نفسیاتی مشکل (Disorder)یاDelusionیاسنکیزوفرینا(Schizorphrnia)تصور کرتے ہیں۔

فزکس / میڈیکل سائنس ،جنوں اور فرشتوں سے انکار کرتی ہے کیونکہ مادی وجود نہیں ہوتا لیکن اب مصنوعی عقل کے انکشاف یعنی روشنی اور مقناطیس برقی قوت سے پیدا ہونے والی مختلف مصنوعات جو کہ مخلوق ہیں مثلاً سافٹ ویئران کی کارکردگی، بالخصوص پیغام رسانی، مختلف اعمال کو متحرک کرنااور زمین یاموقع تحکم سے دور تعمیل حکم کرنے کی وجہ سے جنات یاشیطان یافرشتوں کے وجود کے بارے محض انکار کرنا غلط ثابت ہو چکا ہے۔یہ تینوں قوتیں (فرشتے،جنات)،انسان کی حدود سے باہر ہیں،لیکن انسان اپنی عقل و سمجھ کی وجہ سے ان سے ممتاز ہے۔انسان، سافٹ وٗیر جو ایک انرجی کی قوت ہے اور مادی وجود نہیں رکھتی ،سے اپنے کام زمین کی حدود سے باہر کر رہے ہیں، جس کی مثال چاند گاڑی اور مارس روور (گاڑی) کا کنٹرول ہے۔مزید وہ وقت آجائے گا،جب مصنوعی عقل میں مزید ترقی ہو گی اور اس کے وجود کے بعد جنات وفرشتوں کو بھی سائنس قبول کرے گی۔

امریکی تحقیقاتی ادارہNASAنے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ فضاء(خلاء)میں کوئی،ہوائی مخلوق ہے جو شکلیں بھی بدلتی ہے۔اس کوUFO(غیر مرئی ہوائی وجود یاUnidentified Flying Object)کہتے ہیں۔جسے کئی بار دیکھا گیا ہے۔کمپیوٹر کے ذریعے نظام شمسی سے باہر جیمز واٹ، خلائی دور بینیں، بھی مختلف سگنلز کے ذریعے معلومات پہنچا رہی ہیں،جو بہت ہی حیران کن ہیں۔یہ سارے امور اپنے خالق کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔

جنات مختلف شکل بنا سکتے ہیں۔سائنسی توجیہ یہ ہے کہ ہم مصنوعی عقل کے پروگرام کے ذریعے کسی بھی چیز کی تصویر کو اس کے حجم کے ساتھ غیر مادی وجود Realtime(حقیقی وقت میں) 3-D Capture Technology سے کہیں بھی بھیج سکتے ہیں اور اس کے لئے ہمیں سکرین(LED) کی ضرورت نہیں وہ کہیں بھی بن سکتی ہے۔اس طرح کا تجربہ،سیارچوں میں ہوا بازوں کی امراض کی تشخیص کے لئے کیا گیا ہے۔اس عمل کو Holoportation کہتے ہیں۔اسی طرح اسلامی تصوف کی کتب میں مختلف ارواح کی ملاقاتوں کا جسمانی کیفیت کے ساتھ ذکر بھی کیا گیا ہے،جسے مثالی جسم کا نام دیا جاتا ہے۔

جنات چونکہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔مادی وجود نہیں رکھتے، مختلف اجسام کی صورت اختیار کر سکتے ہیں، عقل رکھتے ہیں،زبانیں جانتے ہیں، مختلف کام کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔حرکت بہت تیز کرتے ہیں جس طرح روشنی

یاالیکٹرک کرنٹ ہے۔اس وجہ سے انسانوں اور جنوں دونوں کی حدود علیحدہ ہیں۔ان میں کوئی تعلق نہیں۔صرف کسی خصوصی وجہ سے کبھی کبھار تعلق ہو سکتا ہے۔انسان کو جنوں پر امتیاز ہے،جو علم کی وجہ سے ہے۔جنات مذہب کی پیروی میں انسانوں کی پیروی کرتے ہیں اور مذہب نہ ہونے کی صورت میں گمراہ(ابلیس کے تابع)رہتے ہیں۔جنوں کے بارے یہ کہا گیا ہے کہ معمولی اجسام کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں(سانپ کی صورت میں ظاہر ہونا حدیث سے ثابت ہے)اور ان سے تعلق پیدا کرنے کے لئے خصوصی اہتمام یا عمل کرنا پڑتا ہے۔جس کے بعد انسان ان کو محسوس کر سکتا ہے جس طرح نبی ﷺ ان کو دیکھ اور جان لیتے تھے مگر دوسرے صحابہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔جنوں کی تخلیق آگ سے ہے۔عموماً پرانی روایات کے مطابق یہ ویران جگہوں یا جنگلوں میں رہتے ہیں۔آبادیوں سے دور رہتے ہیں۔اس لئے انسانوں کے ساتھ رابطہ کسی خاص سبب یا وجہ سے ہوتا ہے۔جنوں میں عقل و سمجھ کی وجہ سے ان پر بھی اللہ کی عبادت لازم ہے۔جس طرح انسانوں کے لئے ہے۔ہدایت کے لئے الہامی کتابوں اور انبیاء سے ہدایت اخذ کرتے ہیں اور اکثریت شیطان (ابلیس) کے تابع ہے۔جنوں کے بارے امام رازی، علامہ قرطبیؒ/ علامہ بیضادی/ علامہ زمخشری اور علامہ آلوسی نے ذکر کیا ہے اور یہی صفات ذکر کی ہیں۔جنات کی غذا کے بارے اختلاف رہا ہے چونکہ جنات، علم کلام (فلسفہ) کی اصطلاح میں ارواح مجردہ، ہیں اور جدید اصطلاح میں، ایک انرجی کی صورت میں ہیں، لہٰذا ان کی غذا صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی انرجی (وجود) کو جو کمزور ہو جاتی ہو اسے بوسٹ (Boost) قوی کیا جاتا ہو گا، جس طرح کسی بھی انرجی کو بڑھایا جا سکتا ہے اس لئے ان کے لئے غذا کا لفظ استعمال صحیح ہے لیکن اس کی تشریح حیوانات کی غذا سے مختلف ہے۔

سورت میں جنات کے مذاہب کے بارے ذکر ہے۔ان کے انسانوں سے تعلقات کا ذکر ہے۔جنوں کی حدود و قیود کا ذکر ہے۔جو اللہ کے احکام کے انکاری ہیں،ان کو جہنم کی سزا ہو گی۔کفار مکہ کو ہدایت ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو مانیں اور عذاب کے آنے سے پہلے ایمان لے آئیں۔تبلیغ میں انبیاء و رسل کی عظمت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم و حکمت عطا فرماتا ہے جو دوسروں کو نہیں ملتی اور ان کی تبلیغ میں حفاظت و مدد فرماتا ہے اور کائنات کی ہر چیز باقاعدہ شمار و تعداد میں ہے جس کی وجہ سے منظم طریقے سے کائنات چل رہی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ آپ (اے نبی) کہہ دیجئے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے بہت عجب قرآن سنا۔

یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ اور بے شک ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے۔ اس نے نہ کوئی بیوی بنائی اور نہ بیٹا۔

وَّ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ اور ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے متعلق ناحق باتیں کہتے تھے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾ اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کے اوپر انسان اور جنات میں کوئی جھوٹی بات نہیں کرتے۔

وَّ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡہُمۡ رَہَقًا ۙ﴿۶﴾ اور بے شک انسانوں میں کچھ لوگ، جنات کے کچھ لوگوں، کی پناہ طلب کرتے تھے۔ اس سے جنات میں سرکشی زیادہ ہوگئی۔

جنّ کے لغوی معنی کسی چیز کا انسانی حواس خمسہ سے مخفی ہونا ہے۔ جب تک بچہ مادر رحم میں ہوتا ہے۔ اسے جنین کہتے ہیں۔ کیونکہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس میں گھنے درخت زمین کو ڈھانپ لیتے ہیں اور جنت کو جنت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہے (نظر نہیں آتی) اور باغ کی طرح ہے۔ جنّ سے مذہب میں مراد، ایک مخلوق جو غیر مرئی (ھوائیہ) ہے۔ روح مجرد (یعنی انرجی) ہے اس لئے روحانی مخلوق بھی کہتے ہیں۔ اس ضمن میں فرشتے، جن، اور جن شیاطین سب روح مجرد/لطیفہ (انرجی کی صورت) ہیں جو انسانوں کو نظر نہیں آتے۔

آیات کے شان نزول کے بارے تعارف میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ نبی ﷺ کو وحی کے ذریعہ جنات کی جماعت کا قرآن مجید سننے کے بارے اطلاع کی گئی ہے۔ پھر جنات سے آپ کی ملاقات رہی اور وہ ہدایت و اسلام کو قبول کرتے رہے۔ آیات سے معلوم ہوتا ہے یہ جن غیر مسلم (کافر) تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کے بارے قرآن مجید کی

آیات مبارکہ سے ان کے علم میں اضافہ ہوا۔ مسلمان ہو گئے۔ توحید کو قبول کر لیا اور دوسرے اہل کتاب کے عقائد سے بھی علیحدگی کا اظہار کیا، جو آیت نمبر 3 سے ظاہر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں اہل کتاب یعنی عیسائی بھی تھے، جو انسانوں کی طرح، اللہ تعالیٰ کے بارے غلط عقائد میں گمراہ ہو گئے۔

یہ جِنّ، قرآن مجید کے کلام، الفاظ، معانی سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے پیغام کو سمجھا اور اپنے پرانے خیالات کی تردید کی۔ پرانے خیالات اور گمراہی کی وجہ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ، وہ، یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جن، اپنے خالق، اللہ کے بارے کوئی غلط بات نہیں کر سکتے۔ جب انہوں نے عیسائیوں سے اللہ تعالیٰ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا قرار دینے کے بارے سنا، تو اس پر یقین کر لیا کہ سچ ہو گا۔ قرآن مجید سننے کے بعد، ان کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت کا علم ہوا اور پتہ چلا کہ وہ ذات عظیم ہے اور ان تمام امور، اولاد، بیوی یا کسی بھی حاجت سے پاک و برتر ہے۔ پہلے والے گمراہی کے خیالات سے لاتعلقی کا اظہار کیا کہ جنات کی بے وقوفی اور لاعلمی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنات مذاہب میں انبیاء کی پیروی کرتے ہیں اور ان میں سے، ان کے مبلغ و رہنما بن جاتے ہیں۔ سورۃ الاحقاف کے جنات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا ذکر کیا اور ان جنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی بیٹا و بیوی کا ذکر کیا، جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

جنات کا خوف:۔

ان جنات نے جہاں انسانوں کی پیروی کی اور غلط عقائد پر قائم ہو گئے، لیکن انسانوں کے عقائد کی کمزوری کا بھی ذکر کیا کہ انسان، خود جنات سے ڈرتے ہیں یعنی خوف کا اظہار کرتے ہیں جس کی وجہ سے جن مزید گمراہی اور شرارت میں بڑھ جاتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے: ایام جاہلیت میں (قبل از اسلام) کسی عرب کو جب کبھی، کسی ویران وادی میں رات گذارنا پڑتی، تو بلند آواز میں کہتا میں، اس وادی کی قوم کے جاہلوں کے شر سے، اس وادی کے **رب**، کی پناہ میں آتا ہوں۔ پھر اس وادی میں صبح تک رہتا۔ اس کی رب سے مراد جنات ہوتے تھے۔ (قرطبیؒ)۔ مقاتل، نے کہا، سب سے پہلے جن لوگوں نے جنات کی پناہ طلب کی وہ اہل یمن تھے۔ پھر بنو حنفیہ، پھر یہ شرک عام عربوں میں پھیل گیا اور جب اسلام آیا، تو لوگوں نے جنات کی پناہ طلب کرنی چھوڑ دی اور اللہ کی پناہ طلب کرنا شروع کر دی۔ (قرطبیؒ)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عموماً جنات کا مسکن ویران علاقے ہوتے ہیں، جہاں انسانی آبادی نہیں ہوتی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات کا خوف پرانا رویہ ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کو جن بھی گمراہ یا خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو جن شیطان کے تابع ہیں وہ تو انسان میں گمراہی کے لئے زور لگاتے ہیں، یعنی دماغ میں جا کر خیالات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝ اور جنات نے بھی یہ گمان کر لیا

جیسے تمہارا گمان ہے کہ اللہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کرے گا۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾ اور ہم نے آسمان (کی خبر کو) تلاش کیا تو ہم نے اسے (آسمان کو) سخت پہرداروں اور آگ کے شعلوں میں بھرا ہوا (محفوظ) پایا۔

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ اور اس سے پہلے ہم (فرشتوں کی) باتیں سننے کے لئے ٹھکانوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو اپنی گھات میں آگ کا شعلہ پاتا ہے۔

وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا زمین والوں کے لئے برا، ارادہ یا ان کے رب نے ان کے لئے بھلائی (ہدایت) کا ارادہ کیا ہے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ اور یہ کہ ہم میں نیک بھی ہیں اور اس کے علاوہ (سرکش) بھی اور ہم مختلف طریقوں (مذاہب) پر تھے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ اور ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ ہم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی (کہیں) بھاگ کر عاجز کر سکتے ہیں۔

معلومات کی حفاظت:۔

جنات، اپنی قبل از اسلام حالت بتا رہے ہیں کہ ان میں وہ جن بھی تھے جو حشر و نشر اور آخرت یا دوبارہ زندہ ہونے کے بارے یقین نہیں کرتے تھے اور دنیا کی زندگی میں گم تھے، یعنی کافر تھے۔ جنات، مختلف اخبار کی خاطر، آسمان پر جاتے اور فرشتوں کی آپس میں باتوں سے معلومات اخذ کرتے اور پھر اپنے ان انسانوں کو، جن سے وہ مرعوب اور ان کے تابع ہوتے، ان کو بتاتے۔ احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام، فرشتے عرش معلیٰ سے مختلف آسمانوں پر متعین فرشتوں کو پہنچاتے اور ان کے ذریعہ آسمان دنیا کے فرشتوں کو پہنچتے ہیں اور فرشتے آپس میں ان کی تنفیذ کو نافذ کرتے ہیں اور جنّ یہ معلومات سننے کی کوشش کرتے۔ اس کی ایک معمولی مثال یوں ہے، جس طرح مختلف انٹرنیٹ کی جاسوسی کرنے والی کمپنیاں خلاء یا فضاء میں انٹرنیٹ کے سگنلز کو پکڑ کر ان سے معلومات اخذ کرتے ہیں اور دوسرے ملکوں یا بنکوں یا دوسری خفیہ معلومات چراتے ہیں۔ اس لئے سگنلز یا معلومات (ڈیٹا) کی حفاظت کے لئے اس پر مزید سگنلز کی تہیں چڑھا

دی جاتی ہیں۔ انکرپٹ (Encrypt) کیا جاتا ہے تاکہ اصلی معلومات تک، چرانے والے نہ پہنچ سکیں۔ بالخصوص مالیاتی ادارے (بنک) وغیرہ کرتے ہیں۔ یہ مثال محض سمجھانے کے لئے ہے۔

جنات پہلے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آسمان پر جاتے تھے، چونکہ وحی کے احکام نہیں آتے تھے۔ اس لئے انہیں معلومات حاصل کرنے میں اتنی مشکلات پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی تو وحی کی حفاظت کے لئے جنوں پر شہاب ثاقب کے ذریعے، تباہی لازمی کر دی گئی اور اس تباہی کی وجہ سے وہ سمجھ گئے کہ کوئی غیر معمولی حالت یا کیفیت ہے، جس کا آیت میں اظہار، بھلائی یا عذاب کے ذریعہ کہا گیا ہے (شہاب ثاقب پہلے بھی گرتے ہوں گے لیکن ان کا نشانہ زمین پر رہنے والے جنات نہیں ہوتے ہوں گے)۔

ان، جنات میں، فتنہ و فساد والے، الہامی مذاہب پر یقین کرنے والے، غیر الہامی مذاہب پر یقین کرنے والے، سب ہوتے ہیں، کیونکہ عقل و فہم والی مخلوق ہے، اس لئے عیسائی، یہودی، مجوسی، زرتشت، بدھ، ہندو، اور دوسرے کثیر تعداد میں فرقے اور مذاہب ہیں، جن کا اجمالی ذکر ہے۔ طرائق قددا، کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کردار یعنی اعمال کا بھی حوالہ، صالح اور غیر صالح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی طرح، ان کا بھی حساب و کتاب ہو گا اور جنت و جہنم میں جائیں گے۔ جنوں نے اس تبدیلی اور خلاء میں دوڑ دھوپ اور آگ (شہاب ثاقب) کے ذریعہ ہلاکت کے بعد یقین کر لیا، کہ وہ ایک عاجز مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قوت کے سامنے بے بس ہیں۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت (کی بات) سنی تو اس پر ایمان لے آئے اور پھر جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائے، تو اسے نہ تو کسی نقصان کا خوف ہو گا اور نہ ظلم کا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ اور یہ کہ ہم میں مسلمان (اطاعت گزار) بھی ہیں اور ظالم بھی اور جو اسلام لائے (اطاعت کی) انہوں نے ہدایت کا راستہ تلاش کر لیا۔

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ اور جو ظالم (سرکش) ہیں وہ تو جہنم کا ایندھن ہیں۔

آیات مبارکہ میں جنات کی کیفیت کا ذکر ہے، کہ وہ قرآن مجید کے سننے کے بعد، اللہ کی وحدانیت اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے۔ پرانے خیالات و عقائد سے تائب ہوئے اور اپنے اطاعت گذار ہونے کا اعلان کیا۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے نیک اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کوئی اس میں کمی نہیں ہو گی، نہ گناہوں میں اضافہ ہو گا اور کچھ نے اسلام قبول نہیں کیا اور کفر پر قائم ہیں یا جن کے عقائد صحیح ہونے کے بعد گمراہی کے

ہیں، وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ اور اگر وہ راہ راست پر رہتے ہیں تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے ہیں۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا، تو وہ (اللہ) اس کو چڑھتے ہوئے عذاب میں داخل کرے گا۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ بے شک مساجد اللہ کی (عبادت کے لئے) ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا، تو لگتا تھا کہ وہ جتھہ بن کر اس پر پل پڑ، رہے ہیں۔

آیات مبارکہ میں جنات کے بعد، کفار مکہ سے خطاب ہے، کہ جنات کی جماعت نے، جب قرآن سنا، تو وہ ایمان لے آئے۔ اہل مکہ بھی ہر روز قرآن سن رہے تھے، ان کو ایمان لانا چاہیے تھا، وہ کیوں گمراہی میں گم ہیں۔ جب کہ نبی ﷺ ان میں سے ہیں اور قرآن (کلام الٰہی) ان کی زبان عربی میں نازل ہوا ہے جسے یہ خوب سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کلام پر ایمان لائیں گے، تو اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے ان کی معاش اور تنگی دور کر دیں گے۔ (کہتے ہیں وہ زمانہ مکہ میں قحط کا تھا)۔ کثیر پانی سے مراد معیشت کا بہتر ہونا ہے، کیونکہ پانی انسانی زندگی کا اہم جزو ہے۔ غذا کے علاوہ باغات، زراعت و حیوانات کے لئے لازمی ہے۔ بارشیں نہ ہوں تو قحط سالی کی وجہ سے مخلوق خدا، انتہائی پریشانی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ بارشوں سے باغات و فصلوں کی وجہ سے غذا کی فراوانی ہو جاتی ہے (اس کا ذکر سورت نوح میں بھی ہے)۔ مال میں کمی کر کے، اللہ تعالیٰ، انسان کو آزمائش میں مبتلا کر دیتے ہیں، کہ مال کی فراوانی سے شکر ادا کرتا ہے یا متکبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ اسی طرح مال کی کمی سے انسان کے صبر و شکر کا امتحان لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کے احکام کو پورا نہیں کرتے، وہ بالآخر جہنم کے شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا میں بھی فساد، مہنگائی، بدامنی کے ساتھ عذاب ہوتا ہے اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہو گا۔

مساجد کا تقدس:۔

مساجد کے بارے حکم ہے کہ اللہ کی عبادت گاہ ہے اس لئے اس کو اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے اور دوسرے امور نہ کئے جائیں۔ (۱): حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص

نے مسجد میں اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کیا، تم کہو: اللہ تمہاری اس چیز کو واپس نہ کرے کیونکہ مساجد کو اس لئے نہیں بنایا گیا۔ (سنن ابو داؤد/ابن ماجہ)۔ مقصد یہ ہے کی مسجد عبادت کے لیے ہے نہ کہ سماجی و تجارتی اعلانات کے لیے ہے۔

(۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بدبودار درخت کی کوئی چیز کھائی (لہسن یا پیاز) تو وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے، کیونکہ فرشتوں کو ان سے ایذاء پہنچتی ہے جن چیزوں سے انسان کو ایذاء پہنچتی ہے۔ (بخاری)۔ (بیڑی، سگریٹ، حقہ، نسوار، پان اسی میں آتا ہے)۔ یہ دوسرے ساتھیوں کا اہتمام ہے۔

(۳): عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں (غیر شرعی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا اور مسجد میں خرید و فروخت کرنے سے منع کیا گیا اور جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (دنیاوی گفتگو کرنے سے)۔ (ابو داؤد/ترمذی/ابن ماجہ)۔ (۴): حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ، آئے گا کہ وہ اپنی مسجدوں میں دنیاوی باتیں کریں گے، تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں۔ (مشکوٰۃ)۔ (۵): حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اپنی مسجدوں کو اپنے (چھوٹے) بچوں، اپنے پاگلوں، اپنے جھگڑوں اور اپنی بلند آوازوں سے دور رکھو اور اپنی سونتی ہوئی تلواروں اور اپنی حدود کو قائم رکھنے سے دور رکھو۔ ہر سات دن بعد مسجد میں دھونی (خوشبو) دو اور وضو کے آلات کو مسجدوں پر رکھو (باہر رکھو)۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ بچوں (سات سال سے کم عمر)، پاگلوں سے مقصد، مساجد کے احترام کا اہتمام ہے، کیونکہ یہ اداب کو نہیں سمجھتے۔ صفائی کا بھی اہتمام ضروری ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ مبارک میں مسجد نبوی شروع میں صرف میدان، پھر احاطہ اور آپ کی زندگی مبارک کے آخری ایام میں ایک چھپر تھا۔ مسجد میں تعلیم و تدریس بھی تھی۔ وہاں قیدی بھی آتے تھے۔ مال غنیمت بھی آتا، غیر مسلم بھی آتے، کیونکہ وہی سارا اسلامی ریاست کا مرکز تھا۔ اصحاب صفہ مسجد سے باہر صفہ (چبوترہ) پر رہتے تھے۔ یہ سارے امور وسائل کی کمی کی وجہ سے تھے۔ سارے وسائل میں انسانی معاشی فلاح و بہبود کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اس کی پہلی عمارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرائی جب اسلامی ریاست بڑی مستحکم اور متمول ہو گئی تھی۔ مساجد کا ادب و احترام بہت ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ترین (محلہ کی) مسجد میں جایا جائے۔ (نماز جمعہ، جامع مسجد میں پڑھی جائے) اور صرف مسجد الحرام (خانہ کعبہ)، پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پھر مسجد اقصیٰ کے لئے سفر کئے جائیں، جہاں نمازوں کا ثواب زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ ثواب مسجد الحرام (خانہ کعبہ) پھر مسجد نبوی (مدینہ شریف) اور مسجد اقصیٰ (یروشلم فلسطین) میں ہے۔ مسلمانوں کے لئے ساری زمین پاک ہے اور ہر جگہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

آیت میں اللہ کے بندہ سے مراد، نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ جب آپ نے تلاوت فرمائی تو ایک تفسیر کے مطابق جنات جوق در جوق دیکھنے و سننے کے لئے ٹوٹ پڑے اور ایک تفسیر ہے کہ جب آپ ﷺ کعبہ شریف میں نماز میں تلاوت کرتے تو کفار اکٹھے ہو جاتے۔ سخت مخالفت کا انداز اپناتے۔ دونوں صورتوں میں آپ اپنے مشن میں لگے رہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَ لَآ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ آپ (اے نبی) کہیے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ آپ کہہ دیجئے: میں تمہارے لئے کسی نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ آپ کہہ دیجئے بے شک مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہر گز کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اللہ کے سوا ہر گز کوئی پناہ کی جگہ پاتا ہوں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ مگر اللہ کی طرف سے پیغامات کو پہنچانا میرے ذمہ ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بے شک اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

قریش مکہ کو کہا گیا کہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اسی طرح میں اس بات کو دعویٰ بھی نہیں کرتا، کہ میں تمہیں کسی عذاب یا تمہارے کسی نقصان کو ختم کر سکتا ہوں، بلکہ یہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے، جس کے احکام میں تم تک پہنچا رہا ہوں اور میرا فرض یہ احکام پہنچانا ہے۔ اگر میں اس میں کسی قسم کی کوتاہی یا خطا کروں، تو خود سزاوار ہوں گا اور اللہ کے عذاب سے اللہ کے سوا کوئی بچا نہیں سکتا۔ قریش نے نبی ﷺ کو تبلیغ سے روکنے کی ساری کوششیں کیں، جن میں خوف اور دولت کا لالچ بھی تھا۔ اس کے جواب میں کہا ہے یہ فرض پورا کرنا ہے۔ اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اور قریش کی دھمکیاں یا لالچ کی اللہ کے انعام و عذاب کے مقابل کوئی حیثیت نہیں۔ انہیں بھی اللہ سے ڈرنا چاہیے، جس کا عذاب بہت شدید اور دائمی ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ (یہ کفار اس وقت تک نہیں مانیں گے) حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ سو یہ جلد

جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کمزور اور تعداد میں کم ہیں۔ (نبی کے یا کفار کے)۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ آپ کہہ دیجئے (اے نبی) میں نہیں جانتا جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے کوئی (لمبی) مدت مقرر کر رکھی ہے۔

کفار مکہ اپنے طاقت کے، زعم میں مبتلا تھے اور عذاب پر یقین نہیں رکھتے تھے یا مذاق اُڑاتے تھے۔ ان کی تردید کی ہے کہ جب عذاب آئے گا، تو وہ دیکھ لیں گے اور پھر آج جو اپنی طاقت پر گھمنڈ کرتے ہیں اس وقت ان کی حقیقت کھل جائے گی۔ اس سے یہ بھی مقصود ہو سکتا ہے کہ اسلام کو عظمت ملے گی تو ان کو اپنی کمزوری نظر آجائے گی جس طرح صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ جہاں تک قیامت کے عذاب کا تعلق ہے اس کے بارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کب آئے گا۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے لہٰذا نبی ﷺ سے بار بار سوالات کا کوئی فائدہ نہیں۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ (وہی اللہ) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب ہر کسی کو ظاہر (اطلاع) نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے۔ پھر بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور پیچھے نگہبان لگا دیتا ہے (حفاظت کے لئے)۔

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ تاکہ وہ جان لے کہ انہوں (رسول) نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور وہ ان کے گرد و پیش (ماحول) کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔

علم الغیب:۔

وقوع قیامت کے علم کے بعد، اللہ کے علم کو مزید بیان کیا جا رہا ہے، کہ وہ عالم الغیب ہے۔ غیب کے لغوی معنی جو چیز حاضر نہ اور اس کے اصطلاحی معنی، جس چیز کا حواس خمسہ یا عقل کے ذریعے (غور و فکر) کے ادراک یا علم نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام علوم کو حاوی ہے۔ عالم الکل ہے۔ اس کا علم ذاتی اور دائمی ہے۔ اپنے جن رسولوں یا پیارے بندوں کو جو علم عطا کرنا چاہے عطا فرماتا ہے۔ اس لئے عالم الغیب کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہے۔ ''عرف شرع میں عالم الغیب، اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے، اس لئے خواہ عام مسلمان کو علم غیب حاصل ہو، لیکن ان کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔ جیسے ہمارے نبی ﷺ عزیز و جلیل ہیں۔ لیکن محمد عزوجل کہنا جائز نہیں اور جیسے آپ

صاحب برکت وصاحب علو ہیں لیکن محمد تبارک وتعالیٰ کہنا جائز نہیں۔(تبیان القرآن از مولانا غلام رسول سعیدی۔ جلد 12،فرید بک سٹال اردو بازار لاہور 2009)۔

ہر عمل کا ریکارڈ:۔

رسولوں یا رسول کی اہم ذمہ داری کے بعد پیغام اور علم کی اہمیت کے پیش نظر فرشتوں کے ذریعے ان کی حفاظت کی جاتی ہے تاکہ شیطان اور جن پیغام خداوندی یا نبی کو، کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں اور ان کے فرائض کی ادائیگی کی بھی تصدیق رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ، کی عظمت وقدرت کا اظہار ہے، کہ اس نے کائنات کی ہر چیز یعنی ہر ذرہ وقطرہ، کا حساب رکھا ہوا ہے اور ہر چیز کی گنتی کی ہوئی ہے۔اس میں ذرا کمی وبیشی اس کے حکم کے بغیر ممکن نہیں۔اس آیت اور کائنات کے نظام پر غور کریں، تو ہر چیز سامنے آجاتی ہے کہ ہر عمل، ایک منظم طریقے سے چل رہا ہے۔ یہ اپنے خالق کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس کا اقرار، انسان جاننے کے باوجود محض ایک شیطان کے وہم ووسوسہ پیدا کرنے کی وجہ سے کبھی کائنات، کبھی نیچر، کبھی زمانہ، کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ یہ سارے اللہ تعالیٰ، کی قدرت کا مظہر ہیں۔ پاک وعظمت والی وہ ذات ہے جس کی قوت وعظمت کا اظہار کائنات کی ہر شي بیان کر رہی ہے اور وہی خدا (اللہ تعالیٰ) ہے۔

73- سورۃالمزمل

تعارف:

سورت المزمل کا نام اسکی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یاایھاالمزمل۔اے چادر لپیٹنے والے۔یہ سورت اکثر مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔اسکے دوسرے رکوع کے بارے میں اختلاف ہے کہ مدینہ شریف میں نازل ہوا۔نزول کے اعتبار سے پہلی سورت العلق نازل ہوئی، اسکے بعد دوسری سورت کونسی تھی اس میں اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک سورت ن والقلم دوسری سورت تھی۔بعض نے سورۃالمدثر کودوسری سورت قرار دیا۔ترتیب نزول کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے تہتر(73)نمبر ہے۔ ایک روایت کے مطابق پہلی وحی کے بعد آپ کو گھبراہٹ ہوئی اور گھر پہنچنے پر، آپ نے ارشاد فرمایا: زملونی،زملونی، (مجھے چادر سے اوڑھو)،اللہ تعالیٰ نے آپ کی،اس کیفیت وحالت کو لطف وکرم کے ساتھ پکارا۔عربوں کوہاں رواج تھا،کہ کسی پیاری چیز یا شخصیت کواسکی خصوصی کیفیت یاحالت کے نام سے پکار لیتے تھے۔

پہلی آیات میں رات کے نصف حصہ یااس سے کم وبیش حصہ تک قیام،یعنی نماز کا حکم دیااورپڑھنے والوں کی تحسین فرمائی۔احکام کے پہنچانے کے فرئضہ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی۔اوراللہ پر توکل کی ہدایت فرمائی۔ نماز کو قائم اوراسی طرح صدقات ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ کفار کی مخالفت اور زیادتیوں پر صبر کا حکم اوران سے اعراض کی تلقین کی گئی۔ فرعون اور حضرت موسیٰ کا واقعہ بیان کرکے قریش مکہ کو عبرتناک انجام سے آگاہ کیاہے۔

انسانی ضروریات ، معاشی مسأئل ،بیماری، دفاع، روزگار، کے پیش نظر، نماز تہجد اور تلاوت قرآن بالخصوص نماز میں،نرمی کردی گئی۔نماز تہجد، نفل کردی اور تلاوت کو جہاں تک آسانی ہو،اس تک لازم قرار دیا۔ غرباء، فقراء، محتاج افراد کے لئے زکواۃ، صدقہ کا حکم دیااوراس پر خرچ کرنے کو گویااللہ تعالیٰ کوقرض دیناقرار دیا، جس کا بدلہ،اللہ تعالیٰ بہت دیں گے۔نمازاوراستغفار کی تاکید کی گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ اے چادر لپیٹنے والے۔

قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا ۔

نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾ آدھی رات یا اس سے کم کر دیں۔

اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾ یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ﴿۵﴾ بے شک ہم ،آپ پر بھاری کلام نازل کریں گے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ؕ﴿۶﴾ یقیناً رات کو اٹھنا (جان) پر سخت بھاری ہے اور کلام (ذکر و دعا) کے لئے مناسب ہے۔

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ؕ﴿۷﴾ یقیناً دن میں آپ کی بہت مصروفیات (کام) ہیں۔

وَ اذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ؕ﴿۸﴾ اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے ہیں اور سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف ہو جائیں۔

رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَكِیۡلًا ﴿۹﴾ وہ (اللہ) مشرق و مغرب کا رب ہے ،اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، آپ اس کو اپنا کارساز بنالیں۔

نماز تہجد:

آیات میں المزمل سے مراد نبی ﷺ ہیں۔ ایک روایت کے مطابق، آپ چادر لپیٹ کر آرام کر رہے تھے کہ حکم ہوا کہ عبادت میں مشغول ہو جایئے۔ ایک روایت کے مطابق پہلی وحی کے بعد آپ گھبراہٹ سے گھر پہنچے اور گھر حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے چادر اوڑھاؤ۔ (بخاری)۔

عربوں میں لطف و کرم کے اظہار کے لئے مخاطب کی خاصیت یا کیفیت کو پکار کر بات کی جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ سے اظہار لطف و عنایت ہے۔ شروع میں نماز تہجد، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ضروری تھی اور دوسرے مسلمان بھی آپ کی اتباع میں نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ یہ نماز آدھی رات کے بعد ادا کی جاتی ہے، اس لئے یہ بہت مشکل ہوتی ہے۔ نیند سے بیدار ہونا، بستر سے نکلنا اور پھر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ نماز روایات میں اختلاف ہے ایک سال یا اس کچھ زیادہ عرصہ لازمی رہی پھر اس میں تخفیف کر دی گئی اور پڑھنے والوں کی سہولت کے مطابق کر دیا گیا یعنی یہ نماز نفل ہو گئی۔ اکثر مفسرین کی رائے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لازمی رہی۔ کچھ

مفسرین نے اس سے اختلاف کیا ہے، کسی عام مسلمانوں کے لئے یہ نماز نفل ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نماز تہجد (رات کی نماز) سات رکعات بھی، نو رکعات بھی، اور گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے۔ دوسنت فجر کی دو، رکعت علیحدہ ہوتی تھیں۔ (بخاری/مسلم)۔

اوقاتِ نماز تہجد:

نماز تہجد کا رات کے پہلے نصف کے بعد، وقت شروع ہوتا ہے اور رات کا آخری تہائی حصہ زیادہ موزوں ہے۔ ایک حدیث کے مطابق جس کے راوی حضرت ابوہریرۃؓ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ ہر رات کو جب تہائی رات، باقی رہ جاتی ہے تو اللہ عزوجل، انسانی دنیا کی طرف نازل ہوتے ہیں، (توجہ فرماتے) ہیں، اور فرماتے ہیں: میں بادشاہ ہوں، کوئی ہے، جو مجھ سے دعا کرے تو میں اسکی دعا قبول کروں۔ کوئی ہے، جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسکو عطا کروں۔ کوئی ہے، جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو اسکی مغفرت کردوں، وہ اس طرح ندا فرماتا ہے حتی کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔ ندا سے مقصد ہمیں بتانا ہے کہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں) دعا کے لئے مقبولیت کا سب سے زیادہ موزوں وقت ہے۔

تلاوت قرآن پاک:

قرآن مجید کے کلام کی اہمیت کا بھی ذکر کیا۔ بھاری کلام ہے، یعنی اسکی تبلیغ و تشریح کی ذمہ داری بڑی بھاری ہے اور پڑھنے کے لئے ترتیل کا لفظ ہے۔ اسکا لفظی معنی میں کسی کلام کو ٹھہر ٹھہر کر اور خوش اسلوبی سے پڑھنا۔ ٹھہر ٹھہر کر، تاکہ اس کا مفہوم، سننے والے کو صحیح پتہ چل جائے اور معانی میں غور و فکر کر سکے اور اواز صاف ہو، تاکہ واضح ہو اور سننے والا اکتا نہ جائے۔

ابو بکر بن طاہر نے فرمایا: ترتیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے لطائف میں غور و فکر کرے اور اپنے نفس کو قرآن مجید کے احکام پر عمل کا مطالبہ کرے اور اپنے دل و دماغ سے اسکے معانی و مفہوم سمجھنے کا مطالبہ کرے۔ اپنی روح کو قرآن مجید کی طرف متوجہ کرے۔

رات کو پڑھنے کو ترجیح اس لئے دی ہے کہ رات کو سکون اور سکوت حاصل ہوتا ہے۔ تنہائی میں غور و فکر، آیات کے حقائق و دقائق پر غور کیا جا سکتا ہے۔ دن کے وقت کئی دوسرے امور انسان کے خیالات پر حاوی ہوتے ہیں۔ ترتیل سے مطلوب، حضور قلب اور کمال معرفت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا ہے۔ یہ بڑا لمحہ فکریہ ہے، کہ جب قرآن کی سمجھ نہیں آرہی تو قرآن مجید کے پڑھنے کا بہت معمولی ثواب ہوگا اور جو ثواب احادیث میں ذکر ہے وہ قرآن مجید کو

غور وفکر کے ساتھ پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہے۔ شیطان انسان کو اس بات میں گمراہ کرتا ہے کہ بغیر معانی سمجھے اور غور کئے، جلدی جلدی پڑھو، ورق الٹو، تو بڑا ثواب ملے گا اور اطمینان ہو جائے گا، کہ قرآن مجید پڑھا ہے۔ آج سے دوسو سال پہلے، جب پرنٹنگ نہیں تھی اور لوگوں میں تعلیم بھی عام نہیں تھی، کیونکہ ریاستیں، حکومتیں، یا حاکم عوامہ الناس کی تعلیم کا احساس وخیال نہیں کرتے تھے، تو غیر عرب افراد کے لئے ناظرہ قرآن مجید پڑھنا مجبوری تھی، اگرچہ اس وقت بھی اسکا مفہوم سمجھا جاسکتا تھا، مگر موجودہ دور میں جب تعلیم عام ہے اور قرآن مجید کے تراجم بھی تقریباً تمام زبانوں میں ہو چکے ہیں، تو قرآن مجید کی تلاوت بغیر ترجمہ کے ساتھ پڑھنا، اللہ تعالیٰ کے کلام سے بے پرواہی ہے اور احکام تلاوت وترتیل کے خلاف بھی ہے، قرآن مجید کو خوش الحانی اور عربی انداز (مخارج) سے پڑھنا بہت اچھا عمل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ، خوش الحانی کی تعریف فرماتے تھے۔

قرآن مجید کو گانے کے انداز میں پڑھنا منع ہے۔

قرآن مجید کی عظمت، ہدایت ونور، انسانی فلاح وبہبود، زندگی کے تمام امور کے بارے ضروری آیات کی وجہ سے، اسے اہم کلام یعنی قول ثقیل (بھاری کلام) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

چند امور آیات میں واضح فرمائے ہیں (۱): سب کو چھوڑ کر اللہ کی طرف ہو جائیں۔ اس سے مراد رہبانیت نہیں ہے۔ اس سے پہلے، اللہ کے ذکر کرنے کا حکم ہے، اسلام میں رہبانیت منع ہے، رہبانیت یہ ہے کہ آدمی نکاح نہ کرے، حصول رزق کے لئے محنت، نہ کرے اور جنگل یا غار میں جاکر بیٹھے جائے۔ اور اللہ، اللہ کرتا رہے۔ دوسرے انسانی حقوق وفرائض ادا نہ کرے۔ سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد، یہ ہے کہ اللہ کا تعلق سب سے مضبوط ہو، جہاں اللہ کے تعلق، یا اسکے احکام، اور نفس یا خواہشات یا مفادات، کا مقابلہ ہو جائے، وہاں اللہ کی ذات، اسکے احکام کو ترجیح دے اور عمل کرے۔ تمام امور رکرتے وقت، اسے اللہ کے احکام کا حصہ سمجھے۔ مثلاً رزق حلال کی کوشش، لوگوں کے حقوق۔ والدین کی اطاعت۔ اور پھر رات کو نماز تہجد بھی ادا کرے اور دماغ کو دوسرے تفکرات سے خالی کرکے، اللہ کی یاد ومحبت سے منور کردے۔ اپنی عبادت کا مرکز، اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنائے، جو جہانوں، انسانوں اور جانداروں کا پالنے والا ہے۔ اس پر بھروسہ کرے۔ اپنے اعمال کو بہترین طریقہ سے اس کے حکم کے مطابق کرے اور نتائج پر پریشان نہ ہو، بلکہ اللہ پر بھروسہ کرے۔

وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰ اور آپ کافروں کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں۔

وَ ذَرْنِيْ وَ الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝۱۱ اور ان دولت مند جھٹلانے والوں

کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دے دیں۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ۙ﴿۱۲﴾ بے شک ہمارے پاس (جھٹلانے والوں) کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳﴾ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا بھربھرا ٹیلا، بن جائیں گے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی، تو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیا تھا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ اگر تم نے انکار کیا، تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ ۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ آسمان، اس کی شدت سے پھٹ جائے گا، اس (اللہ) کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راستے کو اختیار کر لے۔

سورت مبارکہ اسلام کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی، جس میں مکہ کے سرداروں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید مخالفت کی اور الفت کے اظہار کے طور پر یہ بھی کہا، کہ آپ کا بدلہ ان سے لیا جائے گا۔ آپ اس کو چھوڑ دیں اور ان کو مہلت دیں۔ اسی طرح ہوا، گیارہ بارہ سال کے اندر یہ سردار، سارے کے سارے (غزوہ بدر میں) مارے گئے۔ قیامت پر ان کے عذاب کیفیت بھی بتائی گئی کہ بھڑکتی آگ میں، پاؤں میں بڑیوں کے ساتھ پھینکے جائیں گے، کہیں بھاگ نہ سکیں گے اور غذا ایسی ہو گی کہ نہ حلق سے اترے گی اور بہ بھوک مٹے گی۔

قیامت کی کیفیت بھی بتادی گئی، کہ زمین زلزلوں سے لرز اٹھے گی۔ پہاڑ جو پتھر کے بنے ہوئے مضبوط ترین، نظر آتے ہیں، ٹوٹ کر ریت کی طرح بھربھرے ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا یعنی ستاروں اور سورج کی تابکاری زمین پر بلا روک وٹوک پڑے گی اور عذاب دخوف کی کیفیت اتنی شدید یہ ہو گی، کہ نوجوان انسان غم وخوف

سے کمزور بوڑھے نظر آئیں گے۔اس دن کے خوف سے انسان کو بچنا چاہیے اور نیک اعمال کرنے چاہیں۔

اہل مکہ چونکہ یہود سے واقف تھے۔عربوں میں یہود آباد تھے اور حضرت موسیٰ اور فرعون کا علم تھا۔ اس کا ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ کی مخالفت نے فرعون کو ہلاک کر دیا۔اگر بادشاہ، نبی کی مخالفت میں اتنے وسائل کے باوجود ہلاک ہو جاتا ہے تو سردران مکہ کی کیا وقعت ہے۔اگر انہوں نے مخالفت نہ چھوڑی، تو وہ بھی فرعون کی طرح عبرت کا نمونہ بن جائیں گے۔توریت کی طرح قرآن مجید بھی ہدایت کی کتاب ہے۔اسکا مذاق نہ اڑائیں، اسکو پڑھیں۔اس سے نصیحت، رہنمائی حاصل کریں اور اسلام قبول کر کے اپنی آخرت بہتر و محفوظ بنائیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۟ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰

بے شک آپ کے رب کو علم ہے کہ آپ تقریباً، دو تہائی رات یا نصف رات یا ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں اور آپ کے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ بھی۔اور اللہ ہی رات اور دن کا (پورا) اندازہ کرتا ہے۔اسے علم ہے کہ تم اسے نبھا (پورا کر) نہیں سکو گے، چنانچہ اس نے تم پر ،مہربانی کی، پھر قرآن میں سے جتنا آسان ہو تم پڑھو۔اسے (اللہ کو) علم ہے کہ تم میں سے کتنے بیمار ہوں گے اور کتنے زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے (رزق کے لئے) پھریں گے اور کتنے اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔ چنانچہ اس (قرآن) میں سے جتنا آسان ہو پڑھو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو، اور اللہ کو قرض حسنہ دو، اور تم اپنے آپ کے لئے جو نیکی آگے بھیجو گے تو اسے اللہ کے ہاں بہتر اور زیادہ اجر والی پاؤ گے۔اور اللہ سے استغفار کرو، بے شک اللہ بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

آیت مبارکہ رکوع پر مشتمل ہے اور طویل ہے۔اس کے موقعہ نزول کے بارے میں ایک رائے ہے کہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی کیونکہ زکوۃ کا ذکر ہے لیکن اس کے بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ زکوۃ کا ذکر اس کے علاوہ بھی مکہ شریف کی سورتوں میں آیا ہے صرف زکوۃ کا نصاب' شرح زکوۃ اور اس کی سرکاری یا حکومتی تنفیذ مدینہ شریف کی اسلامی ریاست میں ہوئی۔(روح المعانی)۔

آیت مبارکہ میں انسانی ضروریات اور مجبوریوں کے پیش نظر نماز تہجد کو منسوخ یا معاف کر دیا گیا اور قرآن مجید کی تلاوت بھی نماز پڑھنے والے کی سہولت پر چھوڑ دی گئی۔اس آیت میں حنفی علمائ نے تلاوت قرآن پاک کو نماز کے لیے لازمی قرار دیا ہے اور کسی خاص سورت کو لازمی قرار نہیں دیا۔احادیث کے تحت سورت فاتحہ کی تلاوت واجب قرار دی اور تلاوت قرآن پاک حسب استطاعت فرض قرار دی ہے۔

انسانی مجبوریوں کی اہمیت:

آیت مبارکہ میں انسانی ضروریات اور مجبوریوں کے پیش نظر تہجد کو منسوخ یا معاف کر دیا گیا اور قرآن مجید کی تلاوت بھی نماز پڑھنے والے کی سہولت پر چھوڑ دی گئی۔اس آیت سے حنفی علماء نے تلاوت قرآن پاک کو نماز کے لئے لازمی قرار دیا ہے ، اور کسی خاص سورت کو لازمی نہیں دیا۔احادیث کے تحت سورت فاتحہ کی تلاوت واجب قرار دی اور تلاوت قرآن پاک، حسب استطاعت فرض قرار دی ہے۔

تلاش رزق کی اہمیت:

نماز تہجد میں تخفیف اور نفلی نماز ،قرار دینے کی وجہ مسلمانوں کی سفر روزگار میں تجارت اور جہاد و دفاع میں مصروفیات و مسائل ہیں (بیماری کا سفر یا حضر میں واقع ہونا)۔ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا ہے ،تاکہ عمل کرنے میں آسانی ہو۔رزق کی تلاش کو اللہ کے فضل کی تلاش اور دفاع میں جہاد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔اس سے کاروبار اور روزگار کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔اسلام معاشی جدوجہد کو بہت اہمیت دیتا ہے۔حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے لے گیا اور محض ثواب کی نیت سے یہ سفر کیا اور اس چیز کو مروجہ (موجودہ) قیمت کے مطابق فروخت کیا،(ناجائز نفع کا لالچ نہیں کیا)۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا شہدا میں شمار ہوگا۔اس حدیث سے امور واضح ہیں۔

(۱) رزق حلال کے لئے سفر کرنا جہاد کی طرح ہے۔ گویا حصول رزق حلال عبادت ہے۔

(۲) اس میں تجارت کی ترقی کی رغبت یا بالخصوص ایکسپورٹ کی دی گئ ہے۔

(۳) مروجہ قیمت سے مراد اشیاء کی ہورڈنگ یا ذخیرہ اندوزی سے منع کرنا ہے تاکہ بازار میں توازن اور صحیح مقابلہ رہے، قیمتیں حقیقی سطح پر قائم رہیں۔لوگوں کو آسانی ہو۔

(۴) ناجائز منافع خوری کے رجحان سے منع کیا گیا ہے۔

(۵) دیانت داری کی اہمیت واضح کی ہے۔

اسلامی معاشرے کی خصوصیات کے احکام بیان فرمائے۔

(۱) نماز جو اللہ کی تابعداری اسکے ذکر پر مشتمل ہے،اسکو قائم کرنا،یعنی نماز کے مقاصد کو حاصل کرنا،جو کہ کردار کی تبدیلی ہے۔نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے۔

انسانیت سے محبت:

اسکے بعد زکوۃ کا حکم ہے۔یہ عمومی خیرات مراد تھی،تاکہ معاشرے کے کمزور لوگوں کی مدد کی جائے۔ اسلامی ریاست قائم نہیں تھی۔اس کے مکمل احکام مدینہ شریف میں نازل ہوئے اور وہاں نافذ کی گئی۔اگر ہم زکوۃ کی رقوم کے استعمال ہونے والے کاموں کو دیکھیں تو سب کے سب معاشرے میں معاشی اور سماجی تفریق کو کم کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔اسلام نے زکوۃ کا مربوط اور مکمل نظام،زکوۃ کی آمدنی کے ذرائع اور اخراجات کی تفصیل دی ہے۔اس سے آگے بڑھ کر انسانیت کی محبت کی خاطر،اوراللہ نے قرض مانگا ہے۔وہ یہ ہے کہ اہل ثروت اور امیر لوگ اپنے ہی معاشرے میں محروم افراد کی مدد کریں تاکہ سماجی اور معاشی فرق،طبقات اور افراد کے درمیان کم سے کم ہوں۔ امیر افراد جو،محتاج،محروم اور غریب افراد پر کرچ کریں گے گویا وہ اللہ کو قرض دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس کے بدلے اس دنیا اور آخرت میں بہت کچھ دے گا،جب ان کو سخت ضرورت ہوگی۔یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق سے محبت کا اظہار ہے اور اسلامی ریاست کا فلاحی پہلو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت نعمتیں عطا کی ہیں،ان کے مقابل اس کا شکر اور اپنی غلطیوں سے توبہ استغفار کرنا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ بہت مہربانی کرنے والے بخشنے والے ہیں۔

74۔ سورۃ المدثر

تعارف:

سورت کا نام المدثر اسکی پہلی آیت میں لفظ المدثر کی وجہ سے ہے۔ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ روایت کے مطابق یہ پہلی سورت تھی لیکن اکثر روایات کے مطابق پہلی سورت "اقراء باسم ربک" کے بعد، کچھ عرصہ وحی منقطع رہی اور پھر یہ سورت نازل ہوئی۔ وحی منقطع ہونے کے عرصہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کچھ کے ہاں پندرہ دن بعض کے ہاں چالیس دن ہے۔ اسکی آیات کی تعداد ۵۶ (چھپن) اور رکوع کی تعداد ۲ (دو) ہے۔ نزول مصحف کے اعتبار سے اسکا نمبر ۴ اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے اسکا نمبر چوہتر (۷۴) ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے سورۃ المزمل کے قریب ہے۔ مکی سورتوں کا موضوع، توحید، قیامت اور نماز کے احکام کے بارے میں ہیں۔

شان نزول کے بارے میں روایت ہے کہ (حضرت ابن عباس) کی ولید بن مغیرہ نے دعوت کی اور قریش کے سرداروں سے پوچھا کہ حج کے موسم پر لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہا جائے تاکہ وہ ان کی بات کی پرواہ نہ کریں۔ کسی نے کہا کہ شاعر کہا جائے کسی نے کہا مجنون ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے سب کو رد کیا کہ یہ نہیں پھر اس نے خود رائے دی کہ ان کو جادو گر کہا جائے، جو کہ خاندان میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔ اس پر اتفاق کر لیا۔ اور شور مچانا شروع کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ کو رنج ہوا اور غمزدہ ہو کر آپ چادر اوڑھ کر لیٹ گئے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کی۔ اے چادر لپٹنے والے۔ اٹھیے اور لوگوں کو ڈرایئے (اللہ کے عذاب سے)۔

کفار کے کلام کا ردّ ہے۔ قیامت کے وقوع کا ذکر کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، ساحر کا الزام لگایا۔ انکار کرنے والوں کے انجام کا ذکر کیا ہے۔ ان کی سزا کا منظر بتایا ہے۔ اہل جنت اور اہل دوزخ کی گفتگو کا ذکر ہے۔ اہل دوزخ اپنے جن اعمال کے سبب وہ دوزخ میں گئے، ذکر کئے ہیں۔ اللہ کی ذات اور عبادت سے انکار، آخرت کا انکار، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے یا مدد کرنے سے انکار کو بتایا ہے۔ قریش کو تنبیہ کی ہے کہ غلط مطالبات نہ کریں، بلکہ اللہ کے کلام کو غور سے سنیں اس پر عمل کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ اے چادر لپیٹنے والے۔

قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۪ۙ﴿۲﴾ اٹھیں اور لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایئے۔

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۪ۙ﴿۳﴾ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔

وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرۡ ۪ۙ﴿۴﴾ اور اپنا لباس پاک رکھیں۔

وَ الرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡ ۪ۙ﴿۵﴾ اور بتوں کو چھوڑے رہیں۔

وَ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ اور (اس نے کسی پر) احسان نہ کریں کہ اس سے زیادہ لینے کے لئے۔

وَ لِرَبِّكَ فَاصۡبِرۡ ﴿۷﴾ اور اپنے رب کے لئے صبر کیا کریں۔

سورت کی ابتداء المدثر۔ چادر لینے والے سے ہے۔ یہ انداز خطاب، جس طرح سورت مزمل میں بیان کیا گیا ہے کہ عربوں کے ہاں کسی فرد کو اس سے خاص تعلق کی وجہ سے، اسکے انداز سے، اسے مخاطب کیا جاتا ہے۔ یہی انداز، سورت مزمل اور سورت مدثر میں اپنایا گیا ہے۔ موقع نزول کے مطابق قریش کے رویہ سے آپ کو دکھ پہنچا، کیونکہ انہوں نے کہا کہ آپ جادو گر ہیں اور گھروں میں فساد کا سبب ہیں۔ بہن بھائی، باپ بیٹا اور عورت اور خاوند آپس میں جدا ہو جاتے ہیں۔ اس وقت آپ چادر اوڑھ کر سو گئے اور آپ کا یہ انداز سورت کی ابتداء ہوئی۔

پیغام بڑا اہم تھا، کہ اٹھیے اور لوگوں کو ان کے خوفناک انجام، جو ان کے اعمال بد کی وجہ سے ان کا ہو گا، اس سے ڈرائیں تاکہ وہ گمراہی سے باہر نکلیں۔ لوگوں کی مخالفت، طعنہ زنی، غلط پروپیگنڈہ، کی پرواہ نہ کریں اور مایوس نہ ہوں۔ اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ روایت ہے کہ جب نے آیت پڑھ کر نیکی اور **ربک فکبر** ۔ کہا، تو حضرت خدیجہ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ نماز کی ابتداء بھی، اللہ کی تکبیر سے شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے غزہ بدر میں بتوں کے نعرے کا جواب، اللہ اکبر کے نعرہ کے ساتھ دیا۔ جب اللہ کی بڑائی یقین اور ایمان بن گئی، تو پھر لوگوں کو آگ سے بچانے اور ڈرانے کی جدوجہد کو، کسی مخالف انسان یا گروہ کے خوف سے بند کرنا، ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ جو سب سے بڑا ہے، اگر ساتھ ہے، تو مبلغ ہو یا مجاہد ہو، پھر اسے کسی کا ڈر نہیں ہو گا۔

پاکیزگی:

اپنا لباس پاک رکھیں۔ مختصر جملے، مگر دریا کوزے میں بند ہے۔ انسان کا لباس کتنا اہم ہے، اسکے بارے میں وضاحت کی ضرورت نہیں۔ لباس انسان کی شخصیت کا مظہر ہے۔ گویا انسان کا اندرونی کردار ہے، جس طرح

عورت اور مرد کے رشتہ کو ایک دوسرے کا لباس تعبیر کیا ہے۔ ظاہری لباس پاک ہو صاف ہو۔ دیکھنے والا متاثر ہو، گندگی سے دور ہو۔ باطنی لباس بھی تمام روحانی الائشوں سے پاک ہو، جو اس وقت کفر کے معاشرے اور کسی بھی معاشرہ موجود ہوتی ہیں۔اس کو پاک رکھنے کے لئے، کفراور مخالف ماحول میں، ہمت کا کام ہے، جسکی طرف اشارہ ہے۔ انبیاء کرام کی ذات تو بہت بلند اور بے مثال لیڈر ہوتے ہیں، جو اس معاشرہ کی راہنمائی کرتے ہیں۔اس آیت سے تمام مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ وہ ظاہر اور باطن کے لباس سے گندگی والائش کو دور کریں، تاکہ اللہ کے ہاں معزز مقام حاصل کرلیں۔ نماز میں ظہارت بھی اسی کا حصہ ہے۔ ساتھ دو اور ہدایات ہیں کہ

(۱) جہاں اللہ کی تکبیر کا ذکر ہوا ہے، وہاں بتوں یا غیر اللہ پر بھروسے کو بالکل دل سے نکال دیں۔ یہ ہدایت مسلمانوں اور عام انسانوں کے لئے ہے، کیونکہ مسلمان توبت کی پرستش چھوڑنے کے بعد مسلمان ہوتا ہے لیکن اس سے اللہ پر توکل اور غیر اللہ سے بے نیازی کا درس دیا ہے۔

(۲) انسانی زندگی میں ایک دوسرے سے تعلق، امداد باہمی، تعاون معاشرے کی بنیاد ہیں۔لوگوں سے رابطہ، ان کی ضرورت میں مدد، ایسے امور ہیں جو ہر وقت سامنے آتے ہیں، ایسے میں بدلہ کی توقع نہیں ہونی چاہیے، جس طرح کہتے ہیں نیکی کر دریا میں ڈال اور اگر کسی وجہ سے بدلہ کی توقع ہے، تو بھی کم ہو، تاکہ اخلاص کا عمل ہمیشہ اوپر رہے۔ وہ معاشرہ جہاں کفراور مخالفت کا غلبہ ہو، وہاں نیکی اور بھلائی ہی کامیابی کا راستہ ہے۔

صبر کی تلقین کی:

صبر ایک ایسی قوت ہے، جسکی مدد سے بڑے سے بڑا دکھ غم، اور آزمائش بڑی آسانی سے گزر جاتی ہے۔ صبر ایک قوت مہیا کرتا ہے، جو انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر متوازن رکھتی ہے۔ صبر میں امید بہت اہم ہے۔ بے صبری بے بسی کا نام اور ناامیدی ہے۔انسان کو نفسیاتی طور پر کمزور کر دیتی ہے۔ اسلام کا ابتدائی دور جس میں یہ سورتیں نازل ہوئیں، انتہائی تکلیف کا تھا۔ مخالفت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ان حالات میں یہ احکام ہدایت واستقامت کا مینار تھے۔ لیکن اس سے مقصود تمام مسلمان ہیں، کیونکہ مسائل و مشکلات ہمیشہ رہتی ہیں، صرف ان کے انداز اور طریقہ کار بدلتا رہتا ہے۔ صبر کا اجر، اللہ نے بے حساب رکھا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے جس صبر کا مظاہرہ کیا، اس کو تاریخ دہرانے سے قاصر ہے۔ جس نے آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکا اسی کی آپ نے عیادت کی۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ پس جب صور (بگل) میں پھونک ماری جائے گی۔

فَذٰلِكَ یَوْمَىٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۙ﴿۹﴾ تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا۔

عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ﴿۱۰﴾ کافروں (انکار کرنے والوں) پر (وہ دن) آسان نہیں ہوگا۔

پچھلی آیات میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم تھا۔عذاب کی تفصیل بتائی ہے کہ جب فرشتہ بگل بجائے گا ،تواس دن قیامت ہوگی یاحشر ونشر ہوگا۔یہ بگل کالفظ،ایک علامت ہے کہ معین وقت پر جس طرح بگل بجایاجاتاہے ،اس طرح قیامت کے دن،جواللہ تعالیٰ نے معین کررکھاہے،فرشتہ ایسی خوفناک چیخ،سپر سانک ویوز،جو بھی صورت ہوگی،اس میں ساؤنڈویوز(لہروں) کا عمل ہوگا،پیدا ہوگی۔اس سے تباہی اور خوف پھیل جائے گا۔علماءنے اس بگل کی تشریح میں،پہلے صور پھونکنا(بگل بجانا) سے مرادلی ہے،جس سے سب لوگ مرجائیں گے۔بعض دوسری بگل (پھونک)مرادلی ہے،جس لوگ اٹھ جائیں گے اوراکھٹے ہوجائیں گے تاکہ اپنا حساب کتاب لیں۔دونوں بگل(جو بھی ہوں)انتہائی خوفناک ہوں گے۔وہ دن اللہ،کے احکام کاانکار کرنے والوں کے بڑاسخت ہوگا۔اس دن کی سختی اور کافروں (اللہ کے احکام کاانکار کرنے والوں) کی کیاحالت ہوگی کاذکر مختلف مقامات پر کیاگیاہے،جو بڑاخوفناک ہے۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ مجھے اور اس کو ،تنہا چھوڑ دیجیے،جسے میں نے اکیلاہی پیدا کیا۔

وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ اور اسے وافر ،زیادہ مال ودولت دی۔

وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ اور بیٹے جواسکے سامنے ہیں۔

وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ اور اس کے لئے خوب فراخی کاسامان کیا۔

ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ اس کو مزیددوں۔

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ ہرگز نہیں!بلاشبہ وہ ہماری آیات سے سخت اختلاف رکھتاہے۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ میں جلد اسے مشکل چڑھائی چڑھاؤں گا۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ بے شک اس نے غور وفکر کیااوراندازہ لگایا۔

فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ پس وہ مارا جائے! کیسااندازہ لگایا۔

ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ پھر وہ مارا جائے ! کیسااندازہ لگایا۔

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ پھر اس نے دیکھا۔

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا(بسورا)۔

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ پھر اس نے کہایہ قرآن توصرف جادوہے جو پہلے سے چلاآرہاہے۔

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ یہ توصرف ایک بشر(انسان)کاقول(کلام)ہے۔

آیات کا موقع نزول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں حج کے موقع سے قبل، ولید بن مغیرہ نے ایک کھانے کی دعوت کی جس میں قریش کے سردار مدعو تھے، کھانے کے بعد اس نے کہا کہ حج کا موسم بھی آنے والا ہے۔ تمام علاقوں سے عرب آئیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں آئیں گے اور وہ بتوں کے خلاف دعوت توحید دیں گے، لہذا ان کے بارے میں ایک متفقہ رائے یا پروپیگنڈہ کیا جائے تاکہ ان کا رد ہو۔ ہر ایک نے مختلف رائے دی۔ کسی نے کہا شاعر ہیں۔ کسی نے کہا مجنوں ہیں۔ سب کے جواب میں ولید نے کہا، ان کا کلام کاہن کی طرح نہیں۔ نہ ان کا کلام شاعر کی طرح ہے۔ بڑا خوبصورت کلام ہے جو دل پذیر ہے۔ مٹھاس والا اور غالب ہونے والا کلام ہے، انسان اور جنّ کا کلام نہیں۔ اسی طرح وہ ، ہمیشہ سچے اور امین ہیں، اسلیے مجنون نہیں۔ پھر سب نے کہا، کہ جب تم سب کو رد کر رہے ہو، تو بتاؤ کیا کہا جائے۔ اس نے کچھ دیر سوچا اور بولا کہیں : وہ ساحر، جادو گر ہے، جو گھروں یعنی خاندان میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔ بہن بھائیوں، خاوند بیوی کو جدا کرتے ہیں۔ ولید نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورت حم سجدہ کی آیات سنی تھی اور متاثر ہوا تھا لیکن اپنے تکبر کی خاطر مخالفت پر ڈٹا رہا۔

ولید اپنے والد کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے بارے یہ بھی روایت ہے کہ اس کے والد نے اسے بڑی دیر کے بعد بطور بیٹا قبول کیا۔ ولید کے اپنے کافی بیٹے تھے، جو اس کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک روایت میں سات، ایک روایت میں دس مذکور ہیں، جن میں صرف تین مسلمان ہوئے اور باقی کفر کی حالت میں مرے۔ ولید کی کافی دولت اور باغ تھے۔ جسکی بڑی آمدن تھی اور اس پر وہ بڑا متکبر تھا۔ اسکے بیٹے اسکے ساتھ رہتے جسکی وجہ سے وہ جتھہ لگتا تھا۔ آیات مبارکہ میں ان واقعات کا ذکر ہے۔ وہ اکیلا پیدا ہوا، کی مختلف تعبیر ہیں، مثلاً جب پیدا ہوا تو تنہا تھا، اسکے پاس جو ، اب دولت اور اولاد ہے، وہ نہیں تھی۔ دوسری تعبیر یہ ہے کہ اسکا کوئی بھائی بہن نہیں تھا، اسکو اللہ کے دولت دی اور اولاد دی، لیکن وہ ناشکرا ہے، مزید دولت کے لالچ میں سرگرداں رہتا ہے۔ اللہ کے کلام کو ماننے کے بجائے، اللہ کے نبی کو جادو گر کہتا ہے اور اسکے کلام کی مخالفت کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سخت عذاب کا شکار ہوگا۔ اپنے تکبر کی سزا پائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبر کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ فرمایا: اگر کسی کے اندر رائی کے برابر تکبر ہوگا، تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ولید کے تمام اعمال بد کے مقابل مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دلائی گئی کہ وہ اپنی سزا ضرور پائے گا اور اسکی سزا کے لئے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ نے بندوبست کیا ہے۔ جہنم کی سزا اس کا انتظار کر رہی ہے (جس میں وہ سخت مصائب سے گزرے گا)۔ ولید اور دوسرے سردارن قریش غزوہ بدر میں مارے گئے اور اپنے کفر کے انجام کو پہنچے۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ میں عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کروں گا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ اور تم کو کیا معلوم کہ دوزخ کیا ہے۔
لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔
لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ وہ کھال کو جھلسنے والی ہے۔
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ اسکے اوپر انیس مقرر ہیں (نگہبان) فرشتے۔
وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے دوزخ کے محافظ صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے، تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور تازہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں اور نہ ایمان والے اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار ہیں، یہ کہیں کہ اس مثال سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے (اسباب کے ساتھ) اور آپ کے رب کے لشکروں کو، اس کے سوا، کوئی نہیں جانتا اور یہ (جہنم کا بیان) صرف بشر (انسان) کے لئے نصیحت ہے۔

دوزخ کے دربان:

دوزخ اور اس کے عذاب کا ذکر ہے، جس میں ولید بن مغیرہ اور دوسرے کفار کے سردار داخل ہو کر عذاب پائیں گے۔ ایک ایسی جگہ ہے جو نہ زندہ رکھتی ہے اور نہ موت دیتی ہے۔ اسکے اندر انسان ہر لمحہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ آگ کی شدت کھال کو جھلسا دیتی ہے جسکی وجہ سے جسم کا ہر حصہ دردناک اذیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ کھال کے ذریعے انسان احساس کرتا ہے۔ ساری کھال مرکز احساس ہے۔ دوزخ کے دروازے ہیں اور اسکے باہر چوکیدار یا نگران ہیں۔ تاکہ لوگ باہر نہ جاسکیں۔ ان کی تعداد انیس بتائی گئی ہے۔ انیس نگران فرشتے ہو سکتے ہیں۔ یا انیس گروہ ہو سکتے ہیں۔ انیس قسم کی سزاؤں یا ڈیوٹی کے لیے ہر قسم کے فرشتے متعین ہو سکتے ہیں۔ انیس کے عدد پر کفار مکہ نے، بالخصوص ابو جہل اور مغیرہ، وغیرہ نے بڑی مضحکہ خیز باتیں کیں، کہ انیس فرشتوں کو تو، وہ قابو کر لیں گے اور دوزخ سے نکل جائیں گے۔ دوسرے مقامات پر فرشتوں کی قوت کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ مثالیں، اہل کفر، اہل ایمان اور اہل کتاب کے لئے ہیں، کیونکہ کتب سابقہ میں بھی دوزخ کے عذاب و جنت کی زندگی کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کے لئے بھی

قران پاک میں ذکر ہے۔ اہل کفر کی نصیحت کے لئے بھی ذکر کیا ہے تاکہ عذاب سے بچ سکیں۔ان آیات کی نصیحت سے لوگ ہدایت لیتے ہیں۔اپنی انسانی کمزوری(زندگی اور موت کے واقعات) سے سبق لے کر،اللہ کے احکام کی طرف رخ کرتے ہیں۔گناہوں سے بچتے اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔دوسری طرف شیطان کے زیر اثر افراد، اپنے تکبر اور خیالات کے گھمنڈ، دنیا کی رنگینی میں گم، آیات پر غور نہیں کرتے اور ضد کی وجہ سے اپنی گمراہی میں شدت اختیار کر جاتے ہیں اور بالاخر اسی دوزخ میں سزا پاتے ہیں۔ لہذا ہر فرد اپنے عمل کے مطابق سزاوانعام پائے گا۔اللہ کے نظام کائنات اور نظام جنت، نظام دوزخ میں اسکی قوت اور کارندوں کے بارے کوئی نہیں جانتا، یہ اللہ کے لشکر، نورانی مخلوق فرشتے ہیں، جنکی تعداد کو انسان کا جاننا ،ناممکن ہے۔ان کی قوت بھی انسان کے تخیل سے ماوراء ہے۔ہم مصنوعی عقل کے ذریعہ انسان کی قوت میں اضافہ کو دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مقام سے دور بھی رہ کر اعمال سرانجام دیتا ہے۔اللہ کا مقام اور اسکی فرشتوں کے نظام اعمال بہت ایڈوانس ہیں، جس کو کوئی بھی نہیں جانتے، سوائے اللہ تعالیٰ کے جو پیدا اور کنٹرول کرنے والا ہے، یا جس کو جس قدر چاہے علم دے دے۔ یہ معلومات ان انسانوں کی ہدایت و نصیحت کے لئے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ ہر گز نہیں! قسم ہے چاند کی۔

وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ اور رات جب ڈھل جائے۔

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ اور صبح کی جب وہ روشن ہو۔

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ بے شک وہ (جہنم) بڑی (خوفناک) چیزوں میں سے ایک ہے۔

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ بشر (انسان) کو ڈرانے والی ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ تم میں سے ہر اس شخص کے لئے (ڈرانے والی) ہے جو (نیکی میں) آگے بڑھے یا (برائی کی وجہ سے) پیچھے رہ جائے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ ہر شخص اپنے عمل کے بدلے میں گروی ہے۔

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ سوائے دائیں ہاتھ والوں کے۔

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے۔

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مجرموں کے بارے میں۔

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ (وہ مجرموں سے کہیں گے) تمہیں کس جرم میں دوزخ میں داخل کیا۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہیں تھے۔
وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔
وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ اور ہم غلط (کاموں) میں مشغول نے والوں کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔
وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ اور ہم یوم جزا کی تکذیب (انکار) کرتے تھے۔
حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ حتی کہ ہم پر یقینی (موت) آگئی۔

دوزخ میں جانے کے اسباب:

دوزخ میں سزا اور اللہ کی قوت اور اسکے لشکروں کے ذکر کے بعد ان امور کا ذکر ہے، جو کہ اسکا واضح ثبوت ہیں۔ چاند کی قسم اٹھائی، جسکو ہر رات تمام انسان دیکھتے ہیں اور چاندنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ رات کے اندھیرے کو روشن کرتی ہے پھر یہی رات کچھ وقت کے بعد ڈھلنا شروع ہو جاتی اور ادھر صبح کی روشنی آئے گئی ہے۔ یہ امور اللہ کے نظام اور اسکے لشکروں کے ذریعہ سرانجام پارہے ہیں، جن کو ہم دیکھ رہے ہیں، لیکن غور نہیں کرتے۔ دوزخ اور جنت بھی اسی طرح حقیقت ہے۔ جو دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے نیکی کے کام کرے گا اور نیکی میں بڑھے گا، اسی طرح اگر وہ برائی کے کام چھوڑے گا اور ان سے پیچھے ہٹے گا، تو بچ جائے گا۔ ہر آدمی اپنے اعمال کا جواب دہ ہے، بڑی خوبصورت مثال۔ آدمی جب کسی سے کوئی مال لیتا ہے، تو بطور ضمانت کوئی چیز گروی رکھتا ہے اور مال دینے والے کے قبضے میں دیتا ہے۔ اسے رھن یا گروی کہتے ہیں۔ جب وہ مال، قرض یا چیز، واپس کرتا ہے تو اپنی گروی رکھی ہوئی چیز کو واپس لے لیتا ہے۔ انسان نے اگر دوزخ سے بچنا ہے اور جنت میں جانا ہے تو اس کے لئے اسے اپنے اعمال گروی کرنے پڑیں گے اور ان اعمال کی بنیاد پر وہ اہل جنت میں ہوگا یا اہل دوزخ، یعنی مجرموں سے ہوگا۔ اصحاب الیمین، وہ ہیں جن کو جنت کا پروانہ مل چکا ہے۔

قیامت کے بعد اہل جنت اور اہل دوزخ کے مکالمہ (بات چیت) کا ذکر ہے، جو کہ ممکن ہوگی جس طرح آج ایک آدمی زمین کے شمالی حصہ میں گرمی میں ہوتا ہے اور دوسرا آدمی اسی وقت زمین کے جنوبی علاقوں میں سردی میں ہوتا ہے، لیکن ویڈیو کے ذریعہ بات چیت کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایک وضاحت کے لئے مثال ہے۔ چونکہ اس دنیا میں اچھے اور برے کام کرنے والے۔ نیک و بد، سب اکھٹے ایک معاشرے میں رہتے ہیں، وہاں جب ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ دونوں کو دوزخ میں پھینکا گیا اور دونوں کو جنت ملی تو وہ اپنے ان ساتھیوں سے پوچھیں گے کہ

تم دوزخ میں کیسے پھینکے گئے وہ اپنی آپ بیتی اور کارکردگی بتائیں گے جو تمام پڑھنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔

(۱): وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے جس نے زندگی، صحت اور نعمتیں دی تھیں۔ نماز سے مراد نماز کو حقوق و احترام سے ادا کرنا ہے تاکہ انسان کا کردار بدل جائے۔

(۲): غریب اور مسکین افراد، جو ان کے ساتھ معاشرے میں رہتے تھے وہ ان کی ضرورت بالخصوص غذا کا خیال نہیں کرتے تھے۔اپنی ساری آمدنی اپنی ذات واولاد پر خرچ کرتے تھے۔ مساکین کی غذا کی بنیادی ضرورت کو، وافر مال ہونے کے باوجود کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ یہ ان کے لالچ کا حال تھا، جسکی سزا دوزخ ملی۔ بہت زیادہ سماجی اور معاشی تفریق، کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے، اس لئے اسلامی مملکت میں سماجی ومعاشی انصاف کو پالیسیوں میں ترجیح دی جاتی ہے۔

(۳): یوم جزا سزا یعنی قیامت اور اسکے لئے حساب وکتاب پر یقین نہیں رکھتے تھے۔اپنی زندگی اور دنیا کو ہی وہ سب کچھ سمجھتے تھے۔ اپنی زندگی کی سہولت کے لئے دوسروں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وقت موت آگیا اور سب کچھ دنیا میں رہ گیا۔

(۴): **لغو کام**۔ باطل کاموں میں مشغول ہوتے تھے ان کے ساتھ مل جاتے اور ان کی طرح باطل اور لغو کام کرتے تھے۔اس سے ماحول کے بارے آگاہ کیا گیا ہے کہ غلط ماحول میں رہ کر انسان گمراہ ہو جاتا ہے اور اچھے ماحول میں رہ کر انسان اچھا انسان بن جاتا ہے۔اس لئے انسان کو برے افراد، کی صحبت سے دور رہنا ضروری ہے۔ بری صحبت شیطان کا گمراہ کرنے کا بڑا حربہ ہے۔وہ کام جب کوئی صحیح فائدہ نہ ہو لغو ہوتا ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت (سفارش) انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ پس انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں۔

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ جیسے وہ بدکے ہوئے وحشی گدھے ہیں۔

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ جو شیر سے (خوف سے) بھاگے ہوئے ہیں۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ آسمانی صحیفے اسکے ہاتھ میں دے جائیں۔

كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ ہر گز نہیں! بلکہ یہ لوگ اذیت سے نہیں ڈرتے۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ ہر گز نہیں! بے شک یہ نصیحت ہے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ سو جو چاہے اس نصیحت کو قبول رکھے ۔

وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ اور وہ (کفار) صرف اللہ کے چاہنے سے ہی اسے (نصیحت کو) قبول کریں گے وہی (اللہ) اس کا حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور مغفرت کرنا اس کی شان ہے۔

آیات میں قریش مکہ کی ذہنی یا اخلاقی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ قیامت کے دن جن امور (دنیا کی قوت و ثروت، اولاد) پر ابو جہل، ولید بن مغیرہ، ابو لہب، بھروسہ کرتے تھے، وہ سب خاک میں مل جائیں گے اور کوئی کام نہیں آئیں گے۔ یہ ان کا جھوٹا گمان ہے۔ یہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی نصیحت ہے۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ قرآن مجید کے کلام اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے وہ منہ موڑ رہے ہیں، جس طرح وحشی گدھا، شیر کے حملے کے خوف سے کسی بھی طرف دوڑ پڑتا ہے، خواہ، وہ، اسے مزید ہلاکت میں لے جائے، اسی طرح کفار مکہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ غلط قسم کے مطالبات کرتے ہیں، مثلاً قرآن کا صفحہ، ان کے ہر آدمی پر لکھا ہوا، اسمان سے ائے، یا فرشتہ لاتا ہوا نظر ائے، جس کا مقصد سوائے ضد اور مخالفت ہے۔ دراصل انہیں آخرت اور حساب و کتاب کا یقین نہیں، اس لئے نصیحت قبول نہیں کرتے۔ اس طرح وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں اور جو کوئی نصیحت پر عمل کرے گا اپنا فائدہ حاصل کرے گا۔

اگر کوئی انسان یہ سمجھے کہ جو چاہے کر سکتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا، اس طرح ہوتا تو دنیا کی حالت مختلف ہوتی۔ انسان کا کام اسی وقت پورا ہوتا ہے جب وہ کرے اور اللہ کی مشیت بھی ساتھ ہو۔ یہ اصول جہاں زندگی میں ہے وہاں انسان کے ہدایت حاصل کرنے یا گمراہ ہونے میں بھی ہے۔

اللہ کی توفیق ہی سے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی ذات جو اس قدر طاقت اور قوت کی مالک ہے، اسی سے ڈرنا چاہیے۔ وہی اسکا حقدار ہے اور اپنی مخلوق پر مہربان ہے، اس لئے اسکی شایان شان ہے کہ اس سے معافی طلب کی جائے۔ وہ غفور ورحیم ہے۔

ایک حدیث مبارک ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ اللہ فرماتے ہیں ،جب کوئی ہاتھ اٹھا کر مجھ سے بخشش مانگتا ہے تو اچھا نہیں لگتا کہ اسکو بغیر بخشش کے لوٹادوں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے اللہ یہ اس کے قابل نہیں ہے (برے اعمال کی وجہ سے)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ میں اھل التقوی و اھل المغفرہ، ہوں۔ ڈرنا اور مغفرت مرے ہی شان شایان ہے۔ تم گواہ رہنا میں نے اسے بخش دیا ہے۔ کسی قدر اپنی مخلوق سے محبت کا اظہار ہے۔

75- سورۃالقیامہ

تعارف:

سورت کا نام اسکی پہلی آیت سے لیا گیا ہے، میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔اس میں قیامت کے بارے میں معلومات ہیں کیونکہ کفار مکہ کے لئے قیامت اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب دینا ناممکن تھا ۔ وہ انکار کرتے تھے۔سورت مدثر میں بھی قیامت اور دوزخ کا ذکر اور اسکے عذاب دیے جانے کے اسباب کا ذکر ہے۔

سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اسکا زمانہ نزول ابتدائی زمانہ لگتا ہے، کیونکہ مضامین کا مواد انہی سورتوں کی طرح ہے جو پہلے عرصہ میں نازل ہوئیں۔ترتیب نزول کے اعتبار سے اسکا نمبر اکتیس اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے اسکا نمبر پچھتر ہے۔اس میں دو رکوع اور چالیس آیات ہیں۔ابتدا میں قیامت کا ذکر ہے۔ قیامت کی شدت کی کیفیت و منظر بیان کیا ہے۔انسانی کیفیت اور نفس کا طریقہ بیان کیا ہے۔ کفار کو یقین دہانی کرائی گئی ہے۔کہ دوبارہ زندہ کرنا مشکل نہیں۔

قرآن مجید کو یاد رکھنے اور پڑھنے کے بارے کا ذکر ہے اسکی حفاظت و تشریح کے بارے میں بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت کا زمانہ نزول (ان آیات کا) ابتدائی دور تھا۔

اجرام سماوی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ منظر بہت خوفناک ہوگا۔ آنکھیں تھرا جائیں گی۔ موت کا منظر بھی بیان کیا ہے۔روح کے نکلنے کی کیفیت بیان کی ہے۔

انسان کی ابتداء کی وضاحت کی ہے اور دوبارہ پیدائش کے بارے ذکر کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾ میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔

وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ﴿۲﴾ اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ﴿۳﴾ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے۔

بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝ کیوں نہیں! ہم اسکی انگلیوں کے ہر جوڑ(پور) درست جگہ پر لگانے پر قادر ہیں۔

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ بلکہ انسان چاہتا ہے کہ اپنے آگے (آئندہ) بھی برے کام کرتا رہے۔

مشرکین مکہ قیامت اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب وکتاب کا شدت سے انکار کرتے تھے۔ان کے خیال میں یہ ممکن نہیں تھا کہ انسان مٹی میں مل کر دوبارہ بن جائے گا،اسلئے ہر فرد سے مخالفت کرتا تھا۔لیکن دنیا میں انسانی کردار میں تبدیلی اور زندگی کے اعمال میں عدل کے مطابق جزاوسزاء کے لیے، اس عقیدہ پر ایمان بہت ضروری ہے۔عقیدہ قیامت (اسکے وقوع کے حقیقت) کی اہمیت کے پیش نظر،اس سورت کی ابتدا،ہی قیامت کی قسم سے کی گئی ہے۔جو قیامت کی اہمیت واضح کرتی ہے حرف لَا کے بارے کئی مفسرین نے نفی (تاکیدی) کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے اور بعض نے اسے صرف بطور اہمیت کلام لیا ہے۔اور اثبات قیامت جو مطلوب ہے اسکے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے۔

نفس انسان:

عربی میں نفس ''جان'' زندگی کو کہتے ہیں اور سانس لینے کو بھی، کیونکہ سانس لینا،زندگی کی ضرورت ہے۔ نفس اور روح کا لفظ بعض اوقات مترادف (ایک جیسے) استعمال ہوتا ہے۔نفس الشی، کسی چیز کا وجود ہے۔پرانے علماء نے اس وقت کے علوم کے مطابق، نفس کو مجرد لطیف جسم قرار دیا ہے، یعنی غیر مادی وجود ہے۔جدید تعبیر میں انرجی کی صورت میں ہے۔جب تک جسم میں ہے، تو زندگی ہے ورنہ ہیں۔جدید طب اور نفسیات میں زندگی کی تعریف مختلف ہے ،جو جدید علوم و تجربات پر مبنی ہے اور اسلام کے مطابق ہے۔انسان کے علوم میں جس طرح ترقی ہو رہی ہے،اسی طرح معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔قرآن واحادیث کی معلومات اساسی ہیں، جنکی حدود بڑی وسیع ہیں اور ہر پیمانہ کو سمولیتی ہیں۔قرآن مجید میں نفس کی تین اقسام کا مختلف مقام پر ذکر ہے اور ان کے لیے اصطلاح ،ان کی خصوصیات کے مطابق ہے۔(۱): نفس امارہ ۔ (۲):نفس لوامہ۔ (۳): نفس مطمئنہ ۔ یہ تینوں نفس، اپنے نام کے مطابق محرکات پیدا کرتے ہیں۔یہ نفس (قوت) ،انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے اسکے عقل ودماغ میں پیدا کی ہے۔ اس کا مرکز اور مقام انسانی دماغ ہے، جو علم کو قبول کرنے، جمع کرنے اور اسکے تجزیہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پھر اس طاقت کی وجہ سے عمل کا اختیار استعمال کرتا ہے۔اسی قوت کی وجہ سے انسان زمین پر دوسری مخلوقات سے ممتاز ہے۔ اسی عقل (دماغ) اور اختیار کی وجہ سے انسان سے اسکے اعمال کے بارے پوچھا جائے گا۔

نفس امارہ:

نفس امارہ وہ قوت ہے، جو دماغ میں اللہ نے ودیعت کی ہے اور وہ انسان کے جسمانی عوارض کی بنیاد پر زیادہ امور کی محرک ہے، مثلاً۔ غذا، نظام تنفس، نیند، جنسی ضرورت، اسکے ساتھ انسان کے اندر دوسری خواہشات بھی اللہ نے رکھی ہیں، مثلاًوہ اپنی ذات کو بہتر و برتر سمجھتا ہے۔اپنی زندگی اور آرام، کو ترجیح دیتا ہے۔بظاہر بڑی چیزوں سے خوف رکھتا ہے۔سامنے نظر آنے والی، قریب اشیاء سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور یقین کرتا ہے۔اپنی جسمانی و جنسی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے۔اپنے خیال کو اہمیت دیتا ہے۔محبت، نفرت، بہت ساری خصوصیات اللہ تعالیٰ نے انسان کے دماغ (قوت فہم و عقل) میں رکھ دی ہیں تاکہ وہ دنیامیں اپنی زندگی کو متحرک رکھے۔

انسان کی ان طبعی خواہشات کو شیطان (ابلیس) جانتا ہے اور دماغ کے نیورون تک اس کی رسائی ہے اور خواہشات کو وہ بڑھاتا ہے۔پھر ان پر عمل کروا کر دوسروں کو نقصان پہنچاتا یا اللہ کے احکام کے خلاف خواہشات کی ترجیح ظاہر کرکے،انسان سے نافرمانی کا عمل کروادیتا ہے اور اس کا مقصد انسان کو دنیااور قیامت میں رسوا کرنا ہے۔

نفس لوامہ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اعتدال پیدا کرنے کے لیے جہاں انسانی خواہشات کے محرک رکھے ہیں، وہاں انسان کے دماغ میں عقل و سمجھ کی صلاحیت رکھی ہے کہ ہر عمل کا تجزیہ کرکے اچھے اور برے کی تمیز کرے اور اس تمیز کو اخلاق کہتے ہیں۔یہ تمیز کرنے کی قوت کو نفس لوامہ کہا گیا ہے۔انسان کے دماغ میں خیالات جب آتے ہیں، تو ان کے بارے میں سوچ اور تجزیہ بھی ہوتا ہے۔جب خواہشات بڑھتی ہیں تو تجزیہ کی قوت بھی ظاہر ہوتی ہے اور ان اعمال جو خراب ہوں یا برے ہوں،ان کی نشاندہی کرتی ہے۔اس قوت کو اللہ تعالیٰ،اپنے فرشتوں کے ذریعے انسان کے دماغ میں زیادہ اجاگر کرتے ہیں تاکہ وہ شیطان کے اثرات کا مقابلہ کرے۔اس لیے قیامت کا دن، حشر و نشر کا وقوع، بار بار قرآن میں دہرایا گیا ہے اور ذہن نشین کرایا گیا ہے تاکہ نفس لوامہ کی وجہ سے برے اعمال کو روک دیا جائے اور انسان عذاب الٰہی سے قیامت کے دن بچ جائے۔اس نفس لوامہ کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔اس کی بڑی اہمیت ہے۔اس کی وجہ سے انسان بُرے فیصلوں اور اعمال سے بچ جاتا ہے۔علماء کے مطابق اس نفس کا کردار بہت زیادہ ہے۔نفس امارہ برائی کی طرف رغبت دیتا ہے اور یہ قوت (نفس لوامہ) انسان کو برائی سے روکتی ہے۔قیامت کے دن تمام لوگ اس نفس لوامہ کے تحت اپنے اعمال کے بارے افسوس کریں گے کہ نیک اعمال کیوں کم کئے یا برے اعمال کیوں دنیامیں کیئے۔صوفیا کے نزدیک انسان کو اپنے نفس امارہ کو ختم کرکے، صرف نفس لوامہ کو رکھنا چاہیے تاکہ انسان برے اعمال سے بچ جائے اور

پھر وہی نفس لوامہ ،انسان کو نیک اعمال کے بعد نفس مطمئنہ میں لے جائے گا۔ نفس لوامہ ہی جہاد اکبر کے لیے انسان کو تیار کرتا ہے ، جس کا ذکر روایت کے مطابق نبی ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپس پر فرمایا، کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف جارہے، یعنی اپنے نفس کو اللہ کے احکام کے مکمل تابع کرنا ہے۔ نفس لوامہ ،کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر اہمیت واضح کی ہے۔ قیامت اور حشر ونشر کا خوف بھی، نفس لوامہ کا ممد ومعاون اور برائیوں سے بچنے کا محرک بنتا ہے، اس لیے قیامت کے ذکر کے ساتھ نفس لوامہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

نفس مطمئنہ:

نفس مطمئنہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو اچھے اعمال کر کے ،انسان کو سکون پہنچاتی ہے۔ نیک عمل کر کے انسان دنیا میں بھی مطمئن رہتا ہے اور آخرت میں بھی مطمئن ہوگا۔ اطمینان اور سکون کا تعلق انسان کی ذہنی کیفیت سے ہے۔ اس کا تعلق معاشی یا معاشرتی کیفیت سے بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو بنیادی قوتیں دی ہیں ۔ اس کی مثال یوں ہے، آپ کے دو پودے ہیں، جس پودے کی آپ حفاظت (آبیاری) کریں گے ،وہی بڑھے گا اور اس کا پھل آپ کھائیں گے۔ (اختیار انسان کا ہے جس کا ارادہ کرے گا اسی پر عمل کرے گا اور اس کے اسباب ملتے رہیں گے)۔

یہ دو پودے نفس امارہ اور نفس لوامہ ہیں۔ اگر آپ نفس امارہ، کی ترجیحات کو اپنائیں گے، تو اس کے انجام سے دوچار ہوں گے، جو ہوس 'لالچ اور پھر حسرت اور عذاب (بد سکونی) پر ہے۔ اگر آپ، اپنے نفس لوامہ، کی ترجیحات کو اپنائیں گے، تو نفس مطمئنہ تک پہنچیں گے اور سکون و آرام واطمینان ہوگا۔ پھر بظاہر کامیاب ہوئے یا ناکام ہونے میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ زندگی پر سکون رہے گی ۔آخرت میں نفس امارہ کا نتیجہ یاس و حسرت ہے۔ نفس لوامہ/مطمئنہ، کا نتیجہ شکر اور مسرت ہوگی۔

نفسیاتی مسائل کا علاج:

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں انسانی اوصاف مذمومہ (نفس امارہ) اور اوصاف حمیدہ (نفس مطمئنہ) کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ ان کے اسباب وعلاج بھی بیان کیا گیا ہے۔ مختلف آیات واقعات کو اس کی نشاندہی اور اطلاع کے لیے بیان کیا ہے۔ انداز بیان صرف کہانی یا نصیحت آموز کلمات کی صورت میں ہے۔ جدید علمی تحقیقات نے ان تمام امور کی تصدیق ثابت کر دی ہے۔ صرف غور سے پڑھنا ضروری ہے۔ نبی ﷺ کا کردار ایک مثالی نمونہ تھا۔ آپ کی سیرت پاک تمام انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔ بد قسمتی سے مغربی مستشرقین، تعصب کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ اسلام

میں کردار کی تبدیلی ہی مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہے۔لباس،غذا،زبان،علاقہ،ان امور کی کوئی اہمیت نہیں(خطبہ حجۃ الوداع)۔ والدین کے فرائض میں بچوں کی تعلیم و تربیت ہے۔ جس کے بارے سوال بھی ہوگا۔ چند احادیث ذکر ہیں۔

(۱) ایک حدیث کے مطابق،بچوں کی تربیت کرنا کسی آدمی کے ایک صاع غلہ صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ (ترمذی)۔(اس زمانہ میں غربت کی وجہ سے ایک صاع صدقہ کی بڑی اہمیت تھی)۔

(۲) کسی آدمی کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ اپنی زیر تربیت(اولاد) کو ضائع کردے۔(اچھی تربیت کا نہ ہونا اولاد کو ضائع کرنا ہے)(المستدرک)۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی، کہ بچے کی چھ سات سال کی عمر سے تعلیم و تربیت شروع کردی جائے۔ جہاں اسلام کا ذکر ہے،وہاں اسلامی اخلاق مراد ہیں۔

پھر دس سال کی عمر میں بستر الگ کردینا ہے،(تاکہ علم کے لئے باہر سفر کرسکے یا گھر میں اسکی شخصیت کی اعتماد سازی کی جائی)، تیرہ سال تک اسے خوف اور محبت،دونوں طریقوں تعلیم تربیت دی جائے اور اسلامی اقدار،سچ۔ وعدہ کی پابندی،دوسروں کی مدد،قرآن مجید کی تعلیم (نماز،روزہ،عقاید)،علم کی محبت اور رزق حلال کی اہمیت،رشتوں کا تعلق،احترام بتایا جایے اور عملی نمونہ سے ثابت کیا جائے۔ چھوٹے بچوں کو مارنا،ڈرانا،تیرہ سال تک سختی سے منع ہے،بلکہ ان کے ساتھ محبت کی جائے۔ اگر ان امور کا بچپن سے خیال کیا جائے،تو بعد میں بہت کم،انسان نفس امارہ ،کا شکار ہو سکتا ہے اور معاشرہ نیکی اور بھلائی سے بھر جاتا ہے۔ان امور کو اسلامی ریاست کی ذمہ داری بتایا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا کوئی وارث(والی) نہیں میں اسکا وارث ہوں ۔ (یعنی ریاست ہے)، (حدیث)۔

دوبارہ زندگی:

قریش کے لیے یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ انسان جب مر کر مٹی ہو جائے اور ہڈیاں رہ جائیں گی تو پھر دوبارہ کیسے زندہ ہوگا۔اس لئے یہ ناممکن ہے۔ وہ اسکی شدومد سے مخالفت کرتے تھے۔جدید سائنسی تحقیقات و نظریات نے یہ مشکل آسان کردی ہے۔ اگرچہ سائنسدان اس کا براہ راست اقرار نہیں کرتے، لیکن اپنی آراء ثابت سے کرتے ہیں۔زمین پر مادہ، جس سے انسان بنتا ہے نہ زیادہ ہوگا،نہ کم ہوگا،اسکی مقدار وہی ہے کہ کیونکہ ہر چیز زمین سے نکلتی اور زمین میں ختم ہو جاتی ہے۔زمین کی کشش ثقل،اسے باہر نہیں جانے دیتی۔انسان بھی اپنے سارے وجود کی جسمانی کیفیت ختم کرکے،زمین کے ذروں کے ساتھ مل جائے گا۔ جو لوگ پرندوں، مچھلی، حیوانات کا شکار ہوتے ہیں،ان کی

تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اور پھر یہ اجسام (پرندے، حیوانات) بھی زمین میں ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ہڈی ایسا عنصر ہے، جو طویل ترین مدت تک رہتا ہے۔ حدیث کے مطابق ایک خاص ہڈی کا حصہ (بہت معمولی) زمین میں قائم رہے گا (جسے عجب الذنب کہا ہے)، جسکی بنیاد پر دوسرے اجزاء اسکے ساتھ ملیں گے۔ پھر اس ہڈی کے علامتی نمبر (ڈی این اے) سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لوح محفوظ (ڈیٹا بیس) میں موجود ہے اور فرشتوں کو اس کا علم ہے، کہ ذریعہ اس انسان کی روح ،اس کے جسم میں چلی جائے گی۔ آیت میں صرف بتایا گیا ہے کہ ،ہم انسان کو دوبارہ جمع کر سکتے ہیں اور اسکے ہر ہر جز (انگلیوں کے کناروں، ناخنوں تک) جمع کیا جائے گا اور زندہ کر دیا جائے گا۔

انسان اپنی خواہشات کی دنیا میں اس قدر گم ہے کہ وہ اپنے مرنے کی حقیقت کو بھول جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جن خواہشات کی گمراہی میں وہ ہے، اسی میں چلتا رہے۔ اسے کوئی اس راہ سے نہ روکے اور مستقبل میں بھی برے کام کرتا رہے۔ بڑا ضروری ہے کہ آدمی جب گناہ کرے تو فوراً توبہ کرے اور صحیح توبہ کرے، یہ نہ کہے کہ عنقریب توبہ کرلوں گا اور گناہوں میں مشغول رہے۔ اس طرح اسکی موت گناہوں میں ہی ہو گی اور دوزخ ٹھکانہ ہو گا۔

يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ وہ (انسان) سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہو گا؟

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ جب نظر (آنکھیں) چندھیا (خیرہ) ہو جائیں گی۔

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ اور چاند بے نور ہو جائے گا۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے۔

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ اس دن انسان کہے گا آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ ہر گز نہیں! اس دن کہیں پناہ نہیں ہو گی۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ۝ اس دن آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہو گی۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۝ اس دن انسان کو اسکے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ بلکہ انسان کو خود اپنا پتہ ہو گا (کاموں کا) ۔

وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ خواہ اپنے تمام عذر پیش کرتا ہو۔

قیامت کے ذکر کے بعد، قیامت کس طرح واقع ہو گی، اس کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اشارے قرآن مجید میں مختلف مقامات میں بتائے گئے ہیں، جن کا لب لباب ملتا ہے کہ یہ زمین اور پہاڑ نظام شمسی تباہ ہو جائے گا اور انتہائی ہیبت

ناک اور خوفناک منظر ہوگا۔ جو بھی اشارہ کیا جائے، یہ بڑا واضح ہے کہ زمین جیسا بڑا سیارہ تباہ ہو جائے تو کیسی کیفیت ہو گی۔

ان آیات میں چاند کا بے نور ہو جانا اور سورج و چاند کے ملنے یا ٹکرانے کا ذکر ہے۔ پھر اس وقت جو خوفناک منظر ہو گا۔ انسانوں کی خوف اور شدت ہیبت سے جو گھبراہٹ ہو گی، اس کی تصویر کھینچی گئی ہے۔انسان جائے پناہ تلاش کرے گا۔انسان کی جائے پناہ زمین ہے اور زمین خود تباہ ہو چکی ہو گی لہٰذا اس نے خالق زمین و کائنات کے سامنے پیش ہونا ہو گا۔ پھر نظام عدل کے مطابق حساب ہو گا جس میں اس کے کاموں کی تفصیل اسے دے دی جائے گی۔ یہ کام اس نے کئے تھے، اس لیے ان کو خوب جان لے گا لیکن اپنی غلطی سے بچنے کے لیے مختلف بہانے بنائے گا۔ یہی مضمون دوسرے انداز میں دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے۔

نقشہ نظام شمسی

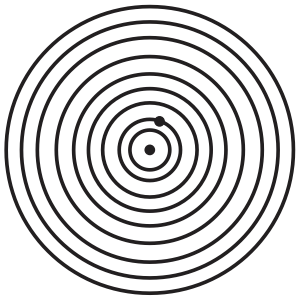

سورج/عطارد/زمین/زہرہ/مریخ/مشتری/زحل

قیامت کے بارے پہلے تو سائنس انکار کرتی تھی، مگر سیٹلائیٹ (خلائی سیارے) کے ذریعے زمین سے دو یا تین سو میل دور، جہاں کشش ثقل بہت کمزور ہو جاتی ہے، وہاں سے ریڈیو سگنل اور ریڈیو فوٹو گرافی، پھر خاص خلائی سیارے جن میں طاقتور ریڈیائی دور بینیں نصب ہیں اور ان کی زمین سے رابطہ ہے۔ جیمرواٹ خلائی دور بین، جس کی تشریح کے لیے کمپیوٹر کا استعمال ہے، کے ذریعے بڑی معلومات ملی ہیں۔ان کی تفصیل میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

رائل فلکیاتی سوسائٹی یو۔کے، کے جنوری ۲۰۲۱ء کے ایک تحقیقی مقالہ میں یہ تحریر تھا کہ سورج میں جو تابکاری کا سلسلہ (چین ری ایکشن) جاری ہے، وہ اس کے ایندھن (ہائیڈروجن یا ہیلم جو بھی ہے) کے ختم ہو جانے سے ختم ہو جائے گا۔ تو یہ اندھا ہو کر سفید ستارہ روشنی کا گولہ بن جائے گا۔(White Draft)اس کی مدت اندازً، 3.5 ملین سال بتائی گئی ہے۔

یہ اپنے قریب کے سیاروں جس میں مارس اور زمین اور جو پیٹر ہے ، کو کھینچ لے گا، یعنی ملالے گا۔ان کے چاند بھی ختم ہو جاہیں گے مل جاہیں گے۔ یہ سارے سورج کے نظام کشش میں واقع ہیں، جو بہت آگے تک ہے اور ہماری کائنات ختم ہو جائے گی۔ یہ بھی امکان بتایا گیا کہ دوسرے ستاروں اور ان کے ذیلی سیاروں میں زندگی کے امکانات بڑے واضح ہیں ،(مذہبی روایات میں جنت دوزخ کا ذکر ہے وہ ممکن ہے ان ستاروں میں یا ان کے ذیلی زمینوں اور چاندوں میں واقع ہو۔انسانی معلومات اس سلسلہ میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

خوف اور ہیبت کی وجہ سے لوگ جائے پناہ تلاش کریں گے۔ لیکن کہیں نہیں ہوگی ۔حساب وکتاب ملے گا۔ تمام اعمال سامنے آجائیں گے اور انسان خود بھی جان لے گا کیونکہ اسکے اعمال تھے۔ برے اعمال والے مختلف بہانے بنائیں گے ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت انس سے روایت ہے کہ سات نیک اعمال ہیں جن کا اجر بندے کی موت کے بعد اسکی قبر میں بھی جاری رہتا ہے۔ (۱) :جس شخص نے کسی علم کی تعلیم دی (تمام مفید علوم شامل ہیں)۔ (۲): جس نے کوئی نہر جاری کی (لوگوں کے فائدہ کے لئے)۔ (۳): جس نے کوئی کنواں کھدوایا (پانی پینے کے لئے)۔ (۴): جس نے کوئی درخت لگایا(تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں)۔ (۵) :جس نے کوئی مسجد بنائی (لوگ عبادت کریں)۔(۷) :قرآن مجید کا نسخہ بنایا(قرآنی علوم کی تعلیم دی)۔(۸): جس نے نیک اولاد چھوڑی ،جو مرنے کے بعد اس کے لئے استغفار کرتی ہے۔ (حلیتہ الاولیاء)۔

یہ وہ امور ہیں جو انسانی فلاح کے ہیں اور شروع کرنے والے کو اسکا ثواب ملے گا۔ایک اور حدیث ہے کہ جس نے اسلام میں کسی نیک (اچھے) طریقہ (عمل) کو نکالا اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور جو اسکے بعد اس نیکی پر عمل کریں گے ان کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور ان بعد والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اور جس نے اسلام میں برا طریقہ نکالا اس پر اپنی برائی کا کفارہ ہوگا اور بعد کے لوگوں کی برائی کا بھی گناہ ہوگا اور ان بعد والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ جس نے نیک اولاد چھوڑی ،جو مرنے کے بعد اس کے لئے استغفار کرتی ہے۔ (مسلم ونسائی)۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ آپ (اے نبی) قرآن کو یاد کرنے کے لیے جلدی سے اپنی زبان کو ہلایا نہ کریں۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ بے شک اس کو جمع کرنا (یاد کرانا) اور پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ پھر جب ہم اسے پڑھوا چکیں تو آپ اس کے پڑھنے کی اتباع کریں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ پھر بے شک اس کی وضاحت (معانی بیان) کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

ان آیات سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ یہ ابتدائی ایام نبوت میں نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق ،جب رسول اللہ پر قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی، تو آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دیتے اور حضرت جبرائیل کے ساتھ اس آیت کو دہراتے تھے۔ آپ کا یہ ارادہ ہوتا تھا کہ آپ آیت کو حفظ کر لیں۔

اس آیت کے ذریعے چند امور بڑے واضح ہوئے ہیں۔(۱): اس کلام الٰہی کو جمع کرنا، محفوظ کرنا ہمارے یعنی اللہ کے ذمہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کو تحریر اور محفوظ کرنا شروع کر دیا اور کئی صحابہ کو تحریر (لکھنا، پڑھنا) سکھایا۔ اس کے علاوہ لوگوں کے پاس بھی محفوظ کر دیا جائے۔ (بذریعہ حفظ)۔ اس کے بعد نبی ﷺ جو نہی سنتے تو آپ کو حرف بحرف یاد ہو جاتا۔

اس کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے، یعنی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی وضاحت جو کہ حدیث نبوی کی صورت میں لوگوں کو ملی ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک پیغام کی صورت تھی، جسے ہم الہام کہتے ہیں اور فقہ میں اسے وحی غیر متلو (جس کی تلاوت نہ کی جائے) کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی اسلامی مصادر قانون کا قرآن مجید کے بعد دوسرا ذریعہ ہے۔

آپ کی اس اہمیت، کی وجہ سے لوگوں نے حدیث کو بھی ریکارڈ کرنا شروع کر دیا اور آپ نے اس کی مدینہ شریف میں اجازت دی، کیونکہ اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی اور احکام سامنے آرہے تھے۔ لوگوں نے آپ کے کلام کو بھی وہی اہمیت دی اور بعد میں اس کی اہمیت کے پیش نظر، بعض لوگوں نے عبادات کے لیے ترغیب و ترہیب کی روایت بتانی شروع کر دی جو کہ صحیح نہیں تھیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے، علم اصول حدیث اور علم اسماء الرجال، بنائے گئے۔ (لوگوں کے حالات زندگی بالخصوص راویان حدیث کے احوال محفوظ کئے گئے)۔ تقریباً ایک لاکھ کے قریب لوگوں کے احوال تحریر کئے گئے ہیں اور صحیح و غیر صحیح، احادیث کے درمیان وضاحت ہو گئی ہے۔ بدقسمتی سے بعض افراد اپنی سہولت کی وجہ سے احادیث کی قانونی حیثیت سے انکار کرتے ہیں، جو کہ قرآن مجید کا بھی انکار ہے، کیونکہ قرآن مجید کی صحیح وضاحت، وہی ذات کر سکتی جس کی زبان اور جس پر یہ پیغام نازل ہوا ہو، اور یہ حدیث سے ہی ممکن ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ ہر گز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی چیز (دنیا) سے محبت کرتے ہو۔

وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اس دن (بہت) چہرے تروتازہ ہوں گے۔

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ اور اس دن (کئی) چہرے دیکھنے والے مرجھائے (بگڑے) ہوئے ہوں گے۔

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ وہ سمجھیں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا۔

كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ یقیناً جب جان ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے گی۔

وَ قِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ اور کہا جائے گا کوئی دم (علاج) کرنے والا ہے۔

وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ اور وہ سمجھے گا کہ جدائی کا وقت آگیا ہے۔

وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ِۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ اس دن آپ کو رب کی طرف چلنا ہوگا۔

قیامت کے بارے انسان کے رویہ کا ذکر ہے۔ دنیا کی زندگی انسان کے سامنے، یعنی انسان گذار رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر اس کا یقین ہوتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی چونکہ اس کے سامنے نہیں ہوتی اور نہ ہی لوگ دوبارہ زندہ ہو کر بتاتے ہیں، لہٰذا وہ غائب والا معاملہ ہے اس لیے انسان پرواہ نہیں کرتا اور دنیا کی ہوس میں گرفتار رہتا ہے۔

قیامت کے دن، نامہ اعمال کی بناء پر، نیک اعمال کرنے والوں کے چہرے خوف و ہیبت کی کیفیت کے باوجود، شاداب و فرحان ہوں گے۔ اس دن (یعنی جنت میں) اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والے ہوں گے، جو انہیں وہاں ہوگا۔ جس کا ذکر احادیث میں بھی آچکا ہے۔ دیدار کی کیفیت اس وقت جنت کے ماحول کے مطابق ہوگی۔ جن افراد کے اعمال برے تھے۔ ان کے چہرے سیاہ، مایوس حالت میں ہوں گے۔ انہیں آنے والے شدید عذاب کا خوف ہوگا۔ یہ کیفیت (عذاب کی ابتدائی) انسان کی اس وقت شروع ہو جاتی ہے، جب وقت نزع (موت) شروع ہوتا ہے۔ جان بلب آتی ہے۔ کوئی علاج گاہ گر نہیں ہوتا اور آدمی جان لیتا ہے کہ اب وقت رخصت آگیا ہے۔ زندگی ختم ہو جائے گی۔ یہاں سب کچھ رہ جائے گا اور نزع کی کیفیت میں ایڑیاں رگڑنا شروع کر دے گا۔ یہ حقیقت دنیا میں بھول جاتا ہے لیکن بوقت موت بالکل سامنے آجائے گی اور تصدیق ہو جائے گی۔

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ اس نے تصدیق کی نہ اس نے نماز پڑھی۔

وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ بلکہ اس نے حق کو جھٹلایا اور منہ موڑا۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ تیرے لئے ہلاکت ہے (مرتے وقت) پھر ہلاکت ہے (قبر میں)۔

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ پھر تیرے لئے ہلاکت ہے(حشر میں)پھر ہلاکت ہے(دوزخ میں)۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ کیاانسان سمجھتا ہے کہ یونہی(بغیر حساب کے)چھوڑ دیا جائے گا۔

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ کیاوہ منی کاایک نطفہ نہیں تھاجو(رحم میں) ٹپکایاجاتاہے۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ پھر وہ لوتھڑا بنا، پھر (اللہ نے) اسکو پیدا کیا پھر اسے درست(ٹھیک ٹھاک)کیا۔

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ پھر اس سے مذکر اور مونث کا جوڑا بنایا۔

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ کیا وہ(اللہ)اس پر قادر نہیں کہ مردوں کوزندہ کردے۔

آیات کے موقع نزول کے بارے میں روایت ہے کہ ،ابوجہل کے رویہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔وہ اسلام کاشدید مخالف تھا۔اس نے اسلام کی تصدیق نہیں کی اور نہ نماز پڑھی ،ہمیشہ متکبر رہا۔ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کاہاتھ پکڑ کر فرمایا۔تب ابوجہل نے کہا: تم یاتمہارارب میرا کیابگاڑ سکتاہے۔میں ان دو پہاڑوں کے درمیان معزز شخص ہوں۔جنگ بدر کے دن،اس نے مسلمانوں کی طرف سر بلند کر کے دیکھااور کہاآج کے بعد اللہ کی عبادت نہیں کی جائے گی۔پھر وہ جنگ میں بڑی ذلت ورسوائی کے ساتھ قتل ہوا۔چار دفعہ اس کی ہلاکت کیلئے الفاظ آئے یعنی زندگی میں ہو،بوقت موت ہو،بوقت حشر ہوبوقت دخول دوزخ ہو۔

وجودانسان۔مراحل:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی اور اسے بہترین حالت میں تمام حیوانات سے ممتاز پیدا کیا۔اسکے اعضا کا ڈیزائن اور جسم کا سلسلہ (بڑھنا)۔جسم کے اندر دفاعی نظام اور جسم کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف نظام ہیں۔عقل کی وجہ سے انسان زمین کی تمام مخلوقات پر حکمرانی کرتاہے اور زمین پر تمام موجودات خواہ جنگلات ہوں،حیوانات ہوں اور سمندر کے حیوانات سے فائدہ اٹھاتاہے۔ یہ سہولت اور قوت انسان کو بڑاطاقتور بنادیتی ہے۔کیا یہ ساری طاقت محض انسان کو اسکی خواہش پر دی گئی ہے؟ نہیں، یہ ساری سہولیات انسان کو اس لئے دی گئی ہیں کہ وہ دنیا میں کیسا کردار ادا کرتاہے؟اپنے خالق کے احکامات کو مانتاہے یانہیں؟ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر انسانی وجود کاذکر کیاہے۔کیسے پیدا ہوتاہے اور اسکے مراحل کیاہیں۔قرآن مجید نے انسانی آگاہی کے لئے عمومی انداز اختیار کیاہے تاکہ معمولی علم والا،انسان بھی سمجھ سکے۔قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے،کوئی میڈیکل یاسائنس کی نہیں۔قرآن مجید کے اشارات

اور میڈیکل علوم کے مختلف معلومات کے ربط کو ذکر کیا جارہا ہے۔انسانی معلومات مزید آگے بڑھیں گی اور قرآن مجید کی بیان کردہ حدود میں ہی رہیں گی۔ ابتدائے نطفہ (سیل) ایک وقتی نیوکلس (Nuclus)میں بند ہوتا ہے اور سائیڈوپلازم(سلالہ طین)نامی جھلی میں محفوظ ہوتا ہے۔ جھلی ایک اور چھلکے میں محفوظ ہوتی ہے۔اس میں نر اور مادہ میں انجذاب و اتحاد ہوتا ہے۔X(ایکس)اور Y(وائی)کروموسوم۔کروڑوں سیل منی ،کے ذریعہ عورت کی بیضہ دانی ایکس (X)کروموسوم کے بیضہ حیات سے ملتے ہیں۔لڑکا Y(وائی)سیل،مادہ کے ایکس (X) سیل ،سے ملتا ہے۔ ان کے ملنے سے ایک نیا سیل،ایکس ایکس XX یاوائی وائی YY وجود میں آتا ہے۔پھر یہ تقسیم ہو جاتا ہے اور کچھ مدت(ایک ہفتہ)بعد سینکڑوں سیل کا ایک کلسٹر (Cluster) بن کر رحم مین داخل ہوتا ہے۔اس وقت اس شگوفے کا حجم (سائز) ایک ریت کے ذرے کی طرح ہوتا ہے ۔ قرآن مجید اسے علقہ اور طبّی سائنس زاء کوٹ (Zycote) کہتی ہے۔آٹھ ہفتے بعد سیل تقسیم ہو کر کئی ملین بڑھ جاتے ہیں ۔ریت کے ذرے سے دس ہزار گنا بڑھ جاتا ہے،اس کی لمبائی چوتھائی انچ $(\frac{1}{4})$ ہوتی ہے۔قرآن مجید اسے مضغہ اور طبّی سائنس اسے ایمبریو (Embryo) کہتی ہے۔پھر یہ بڑھتا ہے،اسکے بعض حصے گوشت،رگیں،پٹھے،شریانیں،ہڈیاں بناتے ہیں۔ تین ماہ میں دوسو ملین سے زیادہ سیلز کا بناہوا ،چند انچ کا نیاانسان تیار ہو جاتا ہے۔اسے خلقاً آخَر اور سائنس میں حلین کا نام دیتے ہیں اور نو ماہ کے بعد باہر نکل کر پرورش پاکر ،ارتقائے حیات سے نئی منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ (کس قدر عظیم ذات ہے اس کو بنانے والی!) ۔ان میں کچھ بچے مذکر اور کچھ مونث ہوتے ہیں تاکہ آگے نظام اور انسانی زندگی کا سلسلہ چلتا رہے۔

کمپیوٹر کے ذریعہ انسان کے عناصر، جن سے وہ مرکب ہے کی تعداد تقریباً انسٹھ ہے۔ جس میں زیادہ تر آکسیجن،کاربن اور ہائیڈروجن،کے عناصر سے بنے ہوئے ہیں۔ وزن کے لحاظ سے آکسیجن اور کاربن زیادہ ہے کیونکہ خون اور پانی کی وجہ سے ہے۔ دوسرے اجزاء کے لحاظ سے ہائیڈروجن کی تعداد زیادہ ہے۔ تمام سیلز (ایٹم) کی تعداد اندازے کے مطابق 10^{28} ہے یعنی دس کے آگے اٹھائیس صرف لگانے سے عدد بنتا ہے۔ بڑا اہم ہے کہ جو ذات (قوت)اتنے باریک و ناتواں ذرے،سے انسان کو پیدا کرتا ہے،ایک مکمل انسان کو جو زمین میں مرکر مل جائے گا، دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ لیکن بدقسمتی کچھ انسان اللہ کے بجائے دوسری قوتوں کو مانتے ہیں۔ یہی المیہ ہے کہ مسلمان اس علم میں بہت پیچھے۔آگے بڑھ کر وہ،ان حقائق کو منوا نہیں رہے۔

احترام انسان،مذکر یا مؤنث:

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی صورت میں انسانوں کو پیدا کیا۔اگرچہ پیدائش کے وقت جنسی حالت مکمل معلوم نہیں ہوتی،لیکن جب عمر بلوغت کے قریب پہنچتی ہے تو جنسی ہارمون ترقی کرتے ہیں اور جنسی علامت (سینہ کا

ابھرنا، عورت کے لیے اور مرد کے لیے داڑھی کے بالوں کا نکلنا) ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کسی فرد میں نظام عورت کی علامت کے باوجود تولید کی (بچہ دینے) کی استعداد یا جنسی رغبت کم ہوتی ہے اسی طرح کسی مرد میں بظاہر مرد کی علامت کے باوجود اس کی قوت مردانگی، ولادت یا جنسی رغبت کم ہوتی ہے، ایسے افراد کو اسلام نے تیسری قسم نہیں بتایا اور اس کا مقصد انسانی تفریق کو ختم کرنا ہے۔ اسلام اس تفریق کا مخالف ہے۔ سارے انسان احترام میں، سب برابر ہیں۔ کسی کو اس کی جنسی حالت (مثلاً خنثیٰ) کا طعنہ دینا قابل سزا جرم ہے۔ احترام انسان بہت اہم ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں، جب دو افراد (میاں بیوی) کے لعان (تہمت پر) کے ذریعہ طلاق ہوگئی، تو ان کی ہونے والی اولاد کے بارے حکم دیا، کہ اگر کسی نے اسے ولد زنا کہا، تو اسے حد قذف کی سزا ملے گی اور فیصلہ ہوا کہ لڑکا، والدہ کے قانونی خاوند کا نام تحریر کرے گا، اسی وجہ سے خنثیٰ کو طعنہ یا بداخلاقی یا تفریق کرنا جرم ہے۔ اور اللہ کے فیصلہ کو غلط قرار دینا ہے۔

ایسے افراد (جو درمیانی جنس رکھتے ہیں) کی تعداد دنیا کے سب سے زیادہ آبادی والے ممالک، مثلاً چین میں 0.03 فیصد، انڈیا میں 0.035 فیصد اور امریکہ (ریاستہائے متحدہ) میں 0.5 فیصد ہے اور تمام دنیا میں ایک فیصد بھی کم (0.5) ہے۔ (UNDP 2020)۔ لیکن بدقسمتی تیسری قسم (ٹرانس جنڈر) بنانے کا شور ہے۔ اسلام میں اگر کسی شخص میں بظاہر داڑھی ہے تو وہ مرد شمار ہوگا، خواہ اس کی جنسی استعداد قوت بالکل نہ ہو یا وہ مردانگی کی عادات پسند نہ کرتا ہو۔ اس طرح اگر کوئی بظاہر عورت (ابھرا سینہ) ہوگا اور داڑھی نہ ہوگی، تو اس کو عورت کے تمام حقوق ملیں گے خواہ اس کے اندر تولیدی استعداد نہ ہو اور عورتوں کی عادات پسند نہ کرے۔ ایسے افراد کو ریاست ان کی فطرتی رجحان کے مطابق سرجری میں مدد کرچاہیے تاکہ وہ صحیح مرد یا عورت، بن کر رول ادا کریں۔ طبّی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ اگر سرجری، فطرتی رجحان کے مطابق کرلی جائے، تو بہت کامیاب رہتی ہے اور اگر اس کے خلاف کرائی جائے تو اس کے شدید نقصان ہوتے ہیں۔ شیطان، میرا جسم میری مرضی کے بہانے، انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ انسانیت پسند افراد کا اس رجحان کو کم کرنا، انسانیت کے فائدہ میں ہے۔

ان افراد جن کی جنسی علامت ہو اور جنسی استعداد یا رجحان نہ ہو ان کو مرد یا عورت جس کی طرف فطری علامت ہے، کے مطابق وراثت، روزگار، کاروبار، گواہی و معاملات و انسانی احترام کے تمام حقوق ملیں گے۔ کسی بھی قسم کی تفریق ممنوع ہے اور اس تفریق کرنے والے کے خلاف ریاست سے چارہ جوئی کا حق ہے۔ (سورت القیامہ مکمل ہوئی)۔

76۔ سورۃالدھر

تعارف:

سورت الدھر، کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ الدہر کی وجہ سے ہے۔ یہ نام ہندو پاک اور ایشیائی ممالک میں استعمال ہوتا ہے۔ سورت کا دوسرا نام ''الانسان'' ہے، یہ لفظ بھی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اہل عرب میں سورت الانسان، تحریر کیا جاتا ہے۔

سورت القیامہ میں انسان کا ذکر ہے کہ مذکر اور مونث ہیں (بلحاظ جنس)، اس میں دو قسمیں ہیں (بلحاظ عمل)، اچھے ،اللہ کے شکر گزار اور ناشکرے (برے) انسان ہیں۔ قیامت کے بعد ،اہل دوزخ کا ذکر اور حالت سورت القیامہ میں بیان تھی۔ اس سورت میں اہل جنت کے اعزاز کا ذکر ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ تمام آیات کا انداز بیان مکی سورتوں کی طرح ہے۔ کچھ روایات میں اس کے مدینے شریف میں بھی نزول کا ذکر ہے۔ کہ دونوں مقامات پر نازل ہوئی۔ اس کا ترتیب نزول کے لحاظ سے نمبر تیس یا اکتیس ہے اور القیامہ سے پہلے نازل ہوئی۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر چھہتر (76) ہے۔ اس کی آیات کی تعداد، اکتیس اور دو رکوع ہیں۔

سورت کی ابتداء میں، انسان کے وجود کے بارے، ذکر ہے۔ اس کی تولید، اس کی خصوصیات (امتیاز) اور اس کے کردار کا ذکر ہے۔

اہل جنت کے اعزاز و اکرام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے اعمال حسنہ بالخصوص غریبوں کی مدد، بھوکوں کو کھانا کھلانے، کا ذکر ہے، جو ان کے اس مقام رفیع کا سبب ہیں۔

نزول قرآن کے بارے، آہستہ، آہستہ نازل ہونے کا ذکر ہے۔ کفار کے مظالم پر صبر کی مسلمانوں کو تلقین ہے۔ دنیا کی لذت میں اخرت کو بھول جانا غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہدایت کا راستہ واضح ہو چکا ہے، جو اس کو اختیار نہیں کرے گا، وہ اپنے پر ظلم کرے گا اور ظلم کرنے والے عذاب بھگتیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ۝ یقیناً (ہر) انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آیا، جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ بے شک

ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، ہم اس کو آزماتے ہیں، پھر ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا (ہوش وحواس دیے)۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ بے شک ہم نے اسے راستہ دکھایا کہ وہ چاہے شکر گزار بنے یا ناشکرا ہو۔

آیات مبارکہ پڑھنے اور سننے والوں کو دعوت غور وفکر دے رہی ہیں کہ انسان کیسے بنا اور کیا اس نے کرنا ہے۔ اس کائنات میں انسان کا ذکر تک نہ تھا۔ اس سے یہ علمی ثبوت بھی ملتا ہے کہ کائنات کا وجود انسان سے بہت پہلے ہے۔

یہ مدت ، کائنات اور انسان کے وجود میں آنے کا وقت ہے۔ بعض مفسرین نے ولادت سے پہلے کی مدت (دوران حمل) لی ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ انسان سے پہلے کائنات وجود میں تھی۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حیوانات میں سب سے آخر میں انسان کا وجود بنایا گیا اور سب سے اعلیٰ مخلوق کا درجہ دیا گیا۔ یہ ساری تفسیریں، جدید نظریات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں، کوئی تضاد نہیں۔ صرف تشریح کا فرق ہے۔ (جامع احکام القرآن)۔

اسی طرح احادیث میں بھی ذکر آیا ہے۔ یہاں انسان سے مراد عام انسان ہے۔ بعض مفسرین کی اس سے مراد، حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ لیکن زیادہ موزوں عمومی انسان ہیں، کیونکہ جس کردار کا ذکر ہے، وہ عام انسانوں سے متعلق ہے۔ پھر انسان کی تخلیق کا ذکر ہے کہ اس کو ایک نطفہ (انسانی منی کا قطرہ) کے مائع سے ملا کر پیدا کیا، اس کی تشریح احادیث میں آتی ہے کہ مرد کے مادہ منی جو سفید اور گاڑھا اور عورت کے مادہ منی جو پیلا اور پتلا ہوتا ہے۔ یہ عمومی تشریح ہے۔ صرف ان کا فرق بتانا مقصود ہے۔ ان کے ملنے سے انسان پیدا ہوا، جس طرح آج کل جینٹنگ انجینئرنگ میں مرد کے (سیل) کروموسوم وائی (Y) اور عورت کے (سیل) کروموسوم (ایکس X) کے ملنے سے پیدا ہوتا اور بڑھتا ہے۔ بعض مفسرین (حضرت حسن بصری) نے مخلوط سے یہ مراد لیا ہے، کہ جب حمل قرار پاتا ہے تو عورت کا ماہواری کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ ماہواری کا خون اور نطفہ ملتے ہیں اور حمل بڑھتا ہے، بعض علما نے اختلاط سے مراد، حمل کے مراحل لیے ہیں، مثلاً پانی اور خون، جما ہوا لتھڑا اور پھر گوشت کا لتھڑا۔ یہ سارے اس وقت کے علما کے علمی اندازے تھے اور آج کل کی تحقیقات ان کے اندر ہو رہی ہیں۔ قرآن کریم اور حدیثِ مبارکہ میں ایک عمومی ذکر ہے کہ ہماری ساری جدید تحقیقات، اس کے اندر ہیں اور کوئی تضاد نہیں۔

انسانی امتیاز:

انسان کی خصوصیت کا ذکر ہے۔ یہاں سننے اور دیکھنے سے مراد انسان کے عقل و فہم کا امتیاز ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ، اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا اور فائدہ و نقصان کو جان سکتا ہے۔ محض دیکھنا اور سننا، تو حشرات الارض میں بھی ہے۔ یہ عقل و فہم کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے، جس سے مراد، انسان معلومات حاصل کر کے ،ان پر غور و فکر اور ان کا تجزیہ کر سکتا ہے۔ پھر اس کے اثرات و نتائج کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی استعداد کی وجہ سے اسے راستہ کی ہدایت دی گئی ،یعنی کامیابی و ناکامی، شکر گذاری اور ناشکری، مفید اور مضر، کے بارے معلومات فراہم کی گئی ہیں، تا کہ وہ اپنے فہم و فراست کو استعمال کر کے شکر گذاری یا ہدایت اور ناشکری یا گمراہی کا راستہ کا انتخاب کرے اور پھر وہ اپنے فیصلہ کے مطابق عمل کرنے کا مختار ہے۔ اگر مختار نہ ہوتا تو راستے کی معلومات دینے کی کیا ضرورت تھی۔

یہ راستہ بتانے والے ،اللہ کے چنے ہوئے انبیاء ورسول اور الہامی کتب ہیں۔ جو ہر زمانے میں ایک خاص مدت کے بعد لوگوں کی رہنمائی کے لیے تشریف لائے اور نور ہدایت سے انسانوں کو منور کیا۔ اس کے ساتھ ،الہامی تعلیمات، کتاب وصحیفہ کی صورت میں ان کو عطا کی گئیں۔ اس سلسلہ کے آخری نبی، ہمارے نبی خاتم النبیین محمد مصطفی علیہ تسلیم ہیں اور الہامی کتاب قرآن مجید ہے۔ آب ذرائع معلومات یا نقل و حرکت میں ترقی کی وجہ سے کسی اور نبی یا کتاب کی ضرورت نہیں۔ ان آیات سے یہ بھی واضح ہے اور علما کا بھی قول ہے، کہ انسان کو معلومات اور شواہد کائنات، کی وجہ سے حق (خالق) کی تلاش اور اس کے احکام جاننے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے ،تا کہ صحیح راستہ پر چل کر شکر گذار انسان بنے۔ اس کائنات کا وجود ہے، تو بنانے والے کا وجود پہلے ہو گا۔ پھر کائنات کا نظام، ان میں ہم آہنگی، وحدت نظام، کی دلیل ہے اور وحدت نظام، خالق واحد کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح انسان خالق کو پہچان سکتا ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ۝ بے شک ہم نے انکار کرنے والوں (کافروں) کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ بے شک نیک لوگ ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہو گی۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ (یہ مشروبات) اس چشمے سے، اللہ کے (نیک) بندے پئیں گے، وہ (مشروب) کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وہ (نیک بندے) اپنی منتیں (نذریں) پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی شر ہر طرف پھیلی ہو گی۔

انسان کی تخلیق اور اس کی اہلیت کے ذکر کے بعد، جب وہ ناشکری اور گناہ کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، تو اس کے انجام کے بارے میں بتایا ہے، کہ انکار کرنے والے (حکم الہٰی کا) کے لیے سزا کا بندوبست ہے۔ اور وہ سزا، ان کو قیدی بنا کر، زنجیروں میں جکڑ اور گلے میں طوق ڈالا جائے گا۔ طوق کے ذریعے ہاتھ اور گلے کو باندھا جائے گا۔ پاؤں، زنجیروں سے بندھے ہوں گے اور دوزخ کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ عذاب کی تفصیل مختلف آیات میں ذکر کی گئی ہیں۔ یہ ان کے اعمال کی سزا ہو گی، جو انہوں نے علم اور ہدایت ہونے کے باوجود گمراہی کو اختیار کیا۔

اہل جنت کا کردار:

دوسرے وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی، اللہ کے احکام کے مطابق گذاری۔ اپنے اختیار اور طاقت کو، اپنی ان خواہشات، جو اللہ کے احکام کے خلاف تھیں استعمال نہیں کیا، ان تمام ذرائع اور اسباب کو رد کر دیا، جو اللہ کی نافرمانی کی طرف لے جاتے تھے۔ اللہ کے احکام کی ادائیگی میں تکالیف برداشت کیں، تاکہ ان کی آخرت بہتر ہو اور اللہ کے وہ تابعدار شکر گذار بندے بن کر ثابت کریں۔ ان کے بدلہ اور جزا کا ذکر ہے۔ وہ دنیا میں اگر عیش و عشرت سے محروم تھے، لیکن قیامت میں اعلیٰ مشروب ہو گا، جس میں کافور کی خوشبو ہو گی۔ یہ مشروبات جہاں وہ چاہیں گے ان کو میسر ہوں گے۔ کوئی کمی نہیں ہو گی۔ ان کے کردار کا ذکر اگلی آیات میں ہے ایک ان کی خصوصیت وعدہ کو پورا کرنا ہے۔

منت یا نذر:

جب وہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی عبادت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں، تو اس عہد کو پورا کرتے ہیں۔ یہ وعدہ، نذر یا منت ہے۔ مثلاً کہے کہ اگر مرض سے شفا مل گئی یا میری فلاں مشکل حل ہو گئی تو اتنا مال صدقہ کروں گا یا اس طرح کا عبادت کا کام کروں گا۔

اللہ کی عبادت، غیر مشروط اور بغیر لالچ کے کرنی چاہیے، اپنے کام کی خاطر عبادت کرنا، مکروہ ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ، تم نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر سے نہیں بچاتی۔ (یعنی جو کام نہیں ہونا، وہ نہیں ہو گا، خواہ تم اس کے لیے نذر مانو یا نہ مانو)۔ نذر کے ذریعہ عبادت یا مال کا خرچہ صرف بخیل سے ہوتا ہے، (صحیح مسلم/ترمذی/مسند احمد)۔ ایک اور حدیث جو حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کی معصیت میں نذر جائز نہیں اور اس کا کفارہ، وہ ہے، جو قسم کا کفارہ ہے۔ (ابو داؤد/ترمذی/نسائی)۔ ایک اور حدیثِ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی عبادت کی نذر مانی، اس پر لازم

ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے، اللہ کی معصیت کی نذر مانی، وہ اللہ کی معصیت (نافرمانی) نہ کرے۔ (بخاری/ترمذی)۔ان احادیث سے یہ اصول واضح ہوتے ہیں۔

(۱) نذر/منت کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ انسان نے یہ خود قبول کیا ہے۔

(۲) اگر منت یا نذر شرعی احکام کے خلاف ہے یا ایسا کام ہے جس سے نقصان ہوتا ہے، تو اس کا کفارہ دینا چاہیے اور نذر پوری نہ کرے۔

(۳) نذر کا کفارہ، قسم کا کفارہ، یعنی دس مسکینوں کو عام درجہ جو نذر ماننے والے کا معیار ہے کے مطابق کھانا کھلائے۔

(۴) نذر صرف اللہ تعالیٰ کی مانی جائے۔ غیر اللہ کی نذر جائز نہیں۔اس کے بارے تفسیر تبیان القرآن (جلد ۱۲) میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے یوں ذکر کیا ہے۔

''غیر اللہ کی نذر ماننے کا عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ تمام فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔ جاہل عوام یوں نذر مانتے ہیں کہ اللہ کے ولی! اگر آپ نے فلاں بیمار کو تندرست کر دیا یا میرے فلاں گم شدہ شخص کو مجھ سے ملا یا تو میں آپ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا یا بریانی کی دیگ پیش کروں گا یہ طریقہ ناجائز ہے۔ اگر اولیائ اللہ سے مدد مانگنی ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اے اللہ کے ولی! آپ اللہ سے دعا کریں کہ میرے فلاں بیمار کو تندرست کر دے، اگر آپ کی دعا سے میرا بیمار تندرست ہو گیا تو میں ایک دیگ صدقہ کر کے اس کا ثواب آپ کی نذر کروں گا اور آپ کو ہدیہ کروں گا۔نذر کے بارے مزید تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

قیامت کا دن تمام افراد کے لیے انتہائی خوفناک ہو گا۔ یہ نیک اعمال کرنے والے افراد قیامت کے دن کی ہولناکی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور اس کی خاطر وہ عبادت اور سارے عہد پورے کرتے ہیں کہ کہیں ان کے پورا نہ کرنے سے عذاب کے مستحق نہ ہو جائیں۔

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۝ اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر، مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ (نیک افراد ان سے کہتے ہیں) ہم تم کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ اور نہ کوئی تعریف (شکریہ) چاہتے ہیں۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ۝ بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف کھاتے ہیں جس دن چہرے بری طرح بگڑے ہوئے ہوں گے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا:

اطاعت گذار اور شکر گذار افراد کے کردار اور اعمال کا ذکر ہے، اس کی بھی وجہ یوم قیامت کا خوف ہے، جس سے چہرے بگڑ جائیں گے یا گناہ گاروں کے گناہ، ان کے چہرے سے نظر آئیں گے، یعنی سیاہ ہوں گے۔ اس دن کی شدت سے پناہ چاہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ معاشرے کے محروم اور مجبور افراد کی مدد کرتے ہیں اور سب سے اہم مدد، ان کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے غذا ہے تاکہ ان کی بھوک ختم ہو۔ وہ یتیموں (جس کا والد دنیا سے فوت ہو جائے) اور مسکین، جن کے پاس معاش اور کھانے کے لیے کچھ نہ ہو اور قیدی (خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) ان کو کھانا کھلاتے ہیں، کیونکہ قیدی بھی مجبور ہوتا ہے۔ ان کا یہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، وہ اس کے بدلہ میں ان سے کسی قسم کی تعریف۔ ستائش یا کوئی معاوضہ نہیں چاہتے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ اگر نیک عمل ذاتی مفاد جو کسی بھی نوعیت (مادی یا سماجی) کا ہو، اس کی وجہ سے نیکی کا عمل اخلاص سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کا بدلہ اللہ کے ہاں نہیں ملتا۔

اس آیت کے بارے مفسرین کا خیال ہے کہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی اور اس کا موقع نزول کے بارے دو آراء ہیں۔ ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نذر مانی یا فقراً کے لیے تین دن یا تین دفعہ مسلسل اپنا کھانا دیتے رہے اور فاقہ سے رہے اور کچھ مفسرین کے نزدیک حضرت ابو الدرداح انصاریؓ کے بارے ہے کہ انہوں نے روزہ رکھا اور سائیل کو کھانا دے دیا۔ اہم نکتہ یہ ہے، کہ اللہ کے لیے ایثار اور اخلاص بہت اہم ہے، جو نبی کریم ﷺ کی تربیت کی برکت سے تمام صحابہ کرامؓ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور اپنا سارا گھر پیش کر دیتے تھے۔

"علیٰ وجہہ،، کی ضمیر کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں۔ ایک، اس کا مقصود، اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور کچھ کی رائے میں، ان افراد کی بعام کی ضرورت اور محبت کے باوجود، وہ دوسرے کو دے دیتے ہیں۔ لیکن بہتر ترجمہ، اللہ کی محبت ہے جس کو اپنایا گیا ہے کیونکہ اللہ کی محبت کا مقام بلند ہے۔

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۝ پس اللہ نے انہیں اس دن (قیامت) کی شر سے بچالیا اور ان کو شادابی اور سرور سے نوازا۔

وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۝ اور ان کے صبر کی جزا میں، ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا کیا۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وہ ان باغوں میں آرام دہ نشستوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ دھوپ کی گرمی اور سردی کی ٹھنڈک دیکھیں گے۔

وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے، ان کے قریب کر دیئے جائیں گے۔

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ اور ان کے لیے چاندی کے برتن اور پیالے گردش میں لائے جائیں گے، جو شیشہ کی طرح شفاف ہوں گے۔

قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ یہ شیشہ کی مثل چاندی کے برتن ہوں گے جنہیں بھرنے والے ٹھیک اندازے سے بھریں گے۔

وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ اور وہاں ان کو ایسے جام بھی پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ بھی ملا ہوا ہو گا۔

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ اس (جنت میں) چشمہ سے جس کا نام سلسبیل ہے۔ (پلایا جائے گا)۔

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ ان کے سامنے (خدمت کے لیے) ایسے لڑکے گردش (خدمت) میں ہوں گے جو ہمیشہ (نوخیز) رہیں گے، تم انہیں دیکھ کر گمان کرو گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) جب تم وہ جگہ دیکھو گے، تو تمہیں نعمتوں کا ایک جہاں اور ایک بڑی سلطنت نظر آئے گی۔

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ ان (اہل جنت) کے اوپر باریک ریشم کا سبز لباس اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے، انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں پاکیزہ مشروب پلائے گا۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ (کہا جائے گا) یہ تمہارا انعام اور تمہاری محنت (جو دنیا میں کی تھی) اس کی قدر دانی کی گئی ہے۔

صبر و شکر کا انعام:

آیات مبارکہ میں اہل شکر یعنی اہل جنت کے درجات اور ان کے نیک اعمال کی جزا کا ذکر ہے۔ وہ قیامت کی شدت سے محفوظ ہوں گے اور ان کو جنت میں اعلیٰ سکونت کے ساتھ خوبصورت ریشمی لباس جو پتلا (نرم) اور موٹا بھی

ہو گا وہ زیب و زینت کے ساتھ جس طرح چاہیں استعمال کریں گے۔ بیٹھنے کے لیے اعلیٰ، عمدہ نشستیں (مسندیں) ہوں گی، ان کی رہائش میں سایہ دار درخت ، پھلدار درخت، جن کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی اور جھکی ہوئی ہوں گی تاکہ جب چاہیں تازہ پھل توڑ لیں۔

غذا پیش کرنے کے برتن، چاندی اور شیشے کے ہوں گے۔ چاندی شفاف نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے اور دونوں کا امتزاج بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی خدمت کے لیے نوجوان لڑکے ہوں گے، جو نوخیز ہی رہیں گے، کیونکہ انسان اپنا خدمت گار ایک صحت مند انسان چاہتا ہے۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ استقبالیہ کے لیے عام طور پر نوجوانوں کو کام دیا جاتا ہے۔ یہ خدمتگار بڑے سمجھدار ہوں گے۔ اہل جنت کو اعلیٰ مشروب دیئے جائیں گے، جن کی مثال دنیا کے مشروب سے ممکن نہیں۔ ان میں وہ تمام اجزائ شامل ہوں گے، جو مشروب کو لذیذ اور پسندیدہ بناتے ہیں۔ (جس طرح عربوں میں سونڈھ کے ساتھ مشروب پسند کیا جاتا تھا)۔ مشروب اتنا ہی پیش کریں گے، جتنا ضرورت ہو گا اور جہاں کہیں گے یا ضرورت ہو گی وہاں حاضر کیا جائے گا۔ (یہ ساری خدمات اہل شکر و اطاعت، مرد اور عورت دونوں کے لئے ہوں گی۔) مشروب کی خاص قسم (برانڈ) سلسبیل کا ذکر ہے، جو کہ بہترین مشروب ہے۔ اس کا منبع ''سلسبیل،، ہے جو جنت میں ہے۔ انسان خوشی و تسکین کے لیے عالی شان مسکن، اعلی و لذیذ غذا، خوبصورت پوشاک کی خواہش رکھتا ہے وہ اعلی طریقہ سے پوری ہو گی۔

یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے عدل اور انسان کے اخلاص کے ساتھ عمل کا نتیجہ ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس کے فائدے کے بارے میں آگاہ کیا جائے، تاکہ صحیح امر کا انتخاب کر سکے اور شکر گذار بنے۔ شکر گذار بننے سے انسان کے اندر خوشی و طمانیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ (یہ ڈوپومین ہارمون depamine کے ذریعہ دماغ میں پیدا ہوتا ہے) اور اس طرح زندگی پر مسرت بنتی ہے۔ یہ امور جدید نفسیاتی و طبّی تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ ان نیک اعمال سے دنیا میں بھی خوشی نصیب ہوتی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ یقیناً ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے، صبر کیجئے اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجئے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ اور آپ اپنے رب کے نام کا صبح و شام ذکر کیجئے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اور رات کے کچھ حصہ میں اس کے لیے سجدے اور رات گئے (زیادہ وقت) تک اس کی تسبیح کریں۔

نزول قران:

آیات مبارکہ میں قرآن مجید کے نزول کے بارے اور کفار کے رویہ کا ذکر ہے۔ کفار کبھی کہتے، کتاب کی صورت میں کیوں نازل نہیں ہوا جس طرح تورات نازل ہوئی تھی، ان کی یہ ساری باتیں محض ضد اور انکار کا بہانہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو آہستہ آہستہ نازل کیا، جس کے کئی مقاصد تھے۔ (۱): اس کو یاد کرنے میں آسانی ہو۔ (۲): اس کو سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو۔ (۳) : حالات کے مطابق راہنمائی میسر ہو۔ (۴): نبی ﷺ اور مسلمانوں کو زیادہ طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ سے طمانیت وچاہت ملتی رہے۔ (۵) اس کے ریکارڈ کرنے میں اسانی رہے۔ (کتابت و تحریر میں)۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اوقات کی بھی ہدایت کر دی کہ صبح اور شام کو یاد کریں۔ ہماری پانچ نمازوں کی ترتیب بھی اس کے مطابق ہے۔ صبح کی نماز اور شام کی نماز ہے۔ اسی طرح رات کی عبادت میں عشاء کی نماز اور قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز ہے جو کہ نصف رات کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

کفار مکہ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ کمزور مسلمانوں پر سخت ظلم کرتے تھے۔ نبی ﷺ کو کئی مرتبہ کہا گیا کہ، جو وہ چاہتے ہیں، ان کو پیش کیا جائے گا، مکہ کی امارت (سرداری)، دولت و مال، اور جس عورت سے شادی کرنا چاہیں، اس سے ہو گی، لیکن بتوں کو برا نہ کہیں اور قیامت و حساب و کتاب یعنی اسلام کو چھوڑ دیں۔ ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ اور ابو جہل، اس معاملہ میں بہت کوشش کرتے تھے۔ آپ اور سارے مسلمان مظالم پر صبر کرتے رہے اور یہی حکم تمام امت کے لیے بالخصوص مبلغین کے لیے ہے یا ان مسلمانوں کے لیے، جن کو اسلام کے احکام پر عمل میں مشکلات آرہی ہوں اور صبر کریں ۔ تمام مخالف قوتوں کے اگے نہ جھکیں، جس طرح نبی ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں کر کے دکھایا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز (دنیا) سے محبت کرتے ہیں اور بھاری دن (قیامت) کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط کئے اور جب ہم چاہیں ان کے بدلے میں اور لوگ لے آئیں گے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کرے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے بے شک اللہ بہت علم والا اور بے حد حکمت والا ہے۔

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

کفار کی ترجیحات کا ذکر ہے۔ عموماً عام انسانوں کی ترجیحات سامنے آنے یا ہونے والے امور پر ہوتی ہیں۔ جب تک کوئی غور و فکر نہ کرے، اس کی یہی ترجیح رہتی ہے۔ لوگ فوری طور پر سامنے یا موجود چیز کو آسانی سے فوری قبول کر لیتے ہیں۔ اس کا اثر لیتے ہیں، حقیقی ہو یا عارضی ہو، نفسیاتی طور پر اس سے مرعوب ہوتے ہیں اس لیے ضرب المثل ہے کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ یہی کفار کا رویہ تھا، وہ اپنے آرام اور سہولت کی وجہ سے ان عقائد و رسومات کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ قیامت کے بارے یقین و ایمان نہیں لاتے تھے۔ جنت و دوزخ کے بارے میں یہی ان کا خیال تھا، کیونکہ یہ چیزیں فوری طور پر نظر آنے والی نہیں تھیں۔ اس لیے قرآن مجید نے غور و فکر کے لیے حکم دیا ہے۔ حالانکہ انسان کا وجود کائنات میں کمزور ہے۔ طوفان، زلزلے، بارشیں، حادثات ناگہانی، آفات، وباؤں سے فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ کئی قومیں اپنی اکڑ کی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ اس طرح انسانوں پر آفات سماوی (آسمانی) آسکتی ہیں یا دوسری قوم اس قوم کو تباہ کر دیتی ہے۔ کفار مکہ اور دوسرے لوگ، جو اللہ کے منکر ہیں ان کو تنبیہ ہے، کہ اللہ نے انسان کو کمال کا جسم عطا کیا ہے۔ جس میں توانائی ہے اور جسم کا ڈیزائن سخت کام کرنے کے لیے موزوں تر ہے، لیکن انسان عمومی طور پر آفات اور عذاب الہیٰ کے سامنے بہت کمزور ہے۔ اسے اس سے ڈرنا چاہئے، انکار کی صورت میں سخت عذاب ہے۔

اختیار کا استعمال:

قرآن مجید تمام انسانیت کے لیے نصیحت و رہنمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال اور گمراہی کے اوصاف بیان کر کے دونوں راستوں کو واضح کر دیا ہے۔ انسان کو ان کو اختیار کرنے کا حق ہے، جس کو اختیار کرے گا، اس کے اسباب اللہ تعالیٰ نے کائنات (زمین) پر پیدا کر دیتے ہیں وہ میسر ہو جائیں گے اور سب اللہ کے اذن (اجازت) سے ہو گا۔ ان یشاءاللہ، کہہ کر بتایا گیا ہے۔ اس کے عمل (اختیار کے استعمال کے) مطابق جزا و سزا ملے گی۔

دنیا میں تمام امور اللہ تعالیٰ کے علم و نظام کے مطابق ہوتے ہیں، کیونکہ ساری کائنات اور اسباب اللہ نے ہی پیدا کئے ہیں۔ وہی کنٹرول کرتے ہیں اور جس نے پیدا کیا اور ابتدائی تخلیق (لاکھوں سالوں) سے کنٹرول کر رہا ہے وہ اس کو ختم بھی کر سکتا ہے اور کرے گا۔ انسان کو عقل عطا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ قدرت کے طبعی قوانین Physical Laws کو سمجھے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔ ہماری ساری ایجادات اور نیچرل سائنس کے ثابت شدہ

قوانین پر مبنی ہیں۔اس کے ساتھ عقل کی وجہ سے اخلاقی ، اجتماعی ، سماجی ذمہ داریوں کو جانے، جن کا تعلق اخلاقی قوانین Moral Laws سے ہے ، جن کی مزید وضاحت ،الہامی پیغامات اور انبیانے کی ہے۔اس کے ساتھ اپنے خالق کو بھی پہچانے اوراس کی بندگی کرے ،یعنی اس کے احکام مانے۔وسائل کے استعمال سے صحیح نتائج،اللہ کی موافقت سے ملتے ہیں۔

اللہ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اوراس کے سارے فیصلے نہایت حکمت پر مبنی ہیں۔جو اس کے احکامانکار کریں ان کے لیے عذاب تیار ہے۔احکام کا انکار کرنے والے دو اقسام کے لوگ ہیں۔ایک وجود خدا، کے منکر ہیں دوسرے وجود خدا، کا تو اقرار ہے لیکن احکام پر عمل نہیں، گویا انکار ہے ، لہٰذا یہ سب ظالم ہیں۔ وہ اس کی سزا بھگتیں گے، اس لیے قرآن مجید اور نبی ﷺ کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے تاکہ دنیاو آخرت میں سلامتی رہے۔

77 ۔سورۃالمرسلات

تعارف:

سورت المرسلات کا نام اس کی پہلی آیت کی ابتداء سے ہے،اس کی ابتدائی آیات میں المرسلات کے بارے بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی،جب کہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ایک روایت کے مطابق جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک غار میں تھے،اس وقت سورت المرسلات نازل ہوئی۔(یہ غار منیٰ کے علاقے میں ہے)۔ ہم نے آپ کے منہ سے اس سورت کو سن کر یاد کیا،اس وقت آپ کا منہ مبارک اس سورت کی تلاوت سے تر تھا۔ پھر اچانک ایک سانپ نکل آیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس سانپ کو مار ڈالو، ہم اس کی طرف جھپٹے وہ ہم سے نکل گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچ گیا، جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔(بخاری)۔

ترتیب نزول سے اس سورت کا نمبر تینتیس (۳۳) ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ستتر (۷۷) ہے۔اس میں دو رکوع اور پچاس آیات ہیں۔ یہ سورت المدثر اور انبیاء اور الدھر (الانسان) کے ساتھ ساتھ (ایک ہی زبان میں) نازل ہوئی۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان امور کا ذکر کیا ہے جن سے کائنات میں نظام سرانجام پاتا ہے۔ یہ ہوائیں ہیں اور ان کو چلانے والے فرشتے ہیں، جو مطلوبہ حرارت پیدا کر دیتے ہیں اور اس طرح دباؤ کے فرق سے ہوا متحرک ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے ایک دفعہ وضاحت میں فرمایا کہ ہوا کی چار قسمیں،انسانوں کے رحمت اور چار اقسام انسانوں کے عذاب کا سبب بنتی ہیں۔ رحمت کی اقسام (۱) الذاریات (۲) المرسلات (۳) المبشرات (۴) الناشرات ہیں اور عذاب کی اقسام (۱) العاصف (۲) الصرالصر (۳) العقیم (۴) القاصف، ہیں۔(الدرالمنثور)۔

پہلی چند آیات میں قیامت کے وقوع کے بارے ہے۔ قریش اور کفار مکہ اس کے منکر تھے۔اب بھی جو لوگ جدید سائنسی تحقیقات و نظریات کو نہیں جانتے اور کسی مذہب کو بھی نہیں مانتے،اس کا انکار کرتے ہیں۔ قیامت کے وقوع کی تاکید کے لیے،اس کی کیفیت (شدّت) بیان کر کے یقین دلایا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾ ان کی قسم (ہواؤں کی) جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں۔

فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾ پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں۔

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾ پھر ان (ہواؤں) کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں۔

فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾ پھر ان کی قسم جو پھاڑ کر جدا کرنے والی ہیں۔

فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۵﴾ پھر ان کی قسم (فرشتوں) جو ذکر اتارنے والے ہیں۔

عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾ عذر (ختم کرنے) یا ڈر سنانے والے (عذاب کا)۔

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ بے شک جس کا وعدہ کیا گیا ہے (قیامت) وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی۔

ہوائیں:

آیات مبارکہ میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے جن کے اوصاف تو بیان کئے گئے ہیں جن سے ان کی اہمیت اس زمین پر واضح معلوم ہوتی ہے لیکن موصوف کا ذکر نہیں ہے اس لیے مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔ ساری تفسیریں ان صفات کی حامل ہیں۔ مرسلات کا معنی ''جس کو بھیجا گیا''۔ ''عرفا'' سے مراد تواتر یا تسلسل ہے۔ اگلی آیت میں ''العاصف'' تیز ہوا، آندھی کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح مرسلات کا موصوف وہ ہوائیں ہیں جو مسلسل چلتی رہتی ہیں۔ تیز ہوا، یا آندھی تباہی و نقصان کا سبب بنتی ہے۔ بعض اوقات بادلوں کو بھی ساتھ لاتی ہے۔ سمندر علاقوں یا سمندر میں طوفان کا باعث بنتی ہے۔ زمین پر فصلوں اور درختوں کو بھی اکھاڑتی ہے۔ ''نٰشرات'' کا مفہوم پھیلانا ہے۔ یہ بھی ہوا کی موزوں صفت ہے کہ بادلوں کو پھیلاتی ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جاتی ہے۔ اس طرح بادل گرجتے کہیں ہیں اور برستے کسی اور جگہ۔ ''الفارقات'' کے معنی فرق کرنے والے یا جدا کرنے والے۔ اس سے ہوا بھی مراد ہو سکتی، جب تیز چلتی ہے تو بادلوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیتی ہے۔ اس سے علمائ نے فرشتے بھی مراد لیے ہیں۔ وہ اللہ کے پیغام کے ذریعے حق اور باطل کے بارے انبیاء کو پیغام رسانی کرتے ہیں اور انبیاء کرام لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ یہ تعلیم لوگوں کے لیے ایک ثبوت اور رہنمائی کی دلیل و محبت بھی ہوتی ہے اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا ذریعہ بھی ہے۔ اگر نیک کام کریں گے تو کامیاب ہوں گے اور برے کام یا گناہ کریں گے تو عذاب یا سزا پائیں گے۔

ہوا کا وجود زمین پر بہت اہم ہے۔ سانس لینے کے علاوہ موسم کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ہوا کے چلنے سے، تیز چلے یا آہستہ، اس سے گرمی و سردی کو منتقل کرتی ہے۔ نمی کے اثرات، صنعتی یا نباتاتی آلودگی کو بھی اٹھا کر

پھیلا دیتی ہے۔ بادلوں کو اٹھاتی ہے۔ بادلوں کی وجہ سے سورج کی حرارت زمین پر کم پہنچتی ہے اور رات کو فضا میں حرارت بھی کم اوپر جاتی ہے۔ موسم کا سارا اثر ہوا کی وجہ سے ہے۔

فرشتے:

اللہ تعالیٰ کے فرشتے، اس ہوا کی حرکت کو درجہ حرارت میں کمی و بیشی پیدا کر کے متحرک کرتے ہیں۔ فرشتے، ایک قسم کی انرجی کا حصہ ہیں۔ روشنی سے بنے ہیں۔اس لیے ہمیں نظر نہیں آتے۔ فضا میں تابکاری کے اثرات کو بڑھاتے اور کم کرتے ہیں جن کو ہم عمومی طبیعات کے اصولوں یا آلات کے ذریعے جانتے یا ناپتے ہیں۔ سیاروں اور ستاروں کی کشش، ان میں دوری کرنے (دھکیلنے) کی قوت، ان کے محور اور رفتار، آپس میں کشش، اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہے اور یہی فرشتے ان کو کنٹرول کرتے ہیں۔ موسم کا حال کافی حد تک صحیح ہوتا ہے، لیکن پھر یک لخت (اچانک) مقامی طور پر تبدیلی آجاتی ہے، جو ہماری توقعات (سائنسی اندازوں) کے خلاف ہوتی ہے، یہ امور بھی فرشتے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ یعنی اسباب غیر متوقع طور پر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زیادہ دباؤ سے کم دباؤ سے طرف حرکت، زیادہ چارج کی، کم چارج کی طرف حرکت، مثبت یا منفی مقناطیسی قوت کی حرکت، اس طرح کے امور سرانجام دیتے ہیں۔ ان تمام اوصاف کے موصوف، ہوائیں اور فرشتے ہیں، جو بڑی قوت ہیں۔ جن کی قسم کھا کر ہمیں قیامت کے آنے کا یقین دلایا گیا اور ان کی قوت سے اگاہ کیا گیا ہے۔ یہ ساری قوتیں انسان کے بس سے باہر ہیں۔ اس لیے اہل عقل ان کی وجہ سے یقین کر سکتے ہیں کہ قیامت بھی آسکتی ہے اور نظام بنا ہوا، ایک دن ختم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سائنسدان بھی نظام شمسی کی تباہی کا یقین کر چکے ہیں۔ اور اسی تباہی کو الہامی کتب میں ہمارے علم یا سمجھ کے مطابق قیامت کہا گیا ہے۔ جو آج سے ہزاروں سال پہلے ہمیں بتایا گیا ہے اور قرآن مجید نے اس کی تصدیق کی ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹ جب آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔

وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰ جب پہاڑ (ریزہ ریزہ کر کے) بکھیر دیئے جائیں گے۔

وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا۔

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲ کس دن کے لیے ملتوی کیا گیا ہے۔

لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳ فیصلے کے دن کے لیے۔

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴ آپ کیا سمجھے فیصلہ کا دن کیا ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ کیا ہم پہلے لوگوں (امتوں) کو ہلاک نہیں کر چکے۔

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ پھر ہم پچھلوں کو ان کے پیچھے لگائیں گے۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اس دن جھٹڑے والوں کے لیے تباہی ہے۔

فیصلوں کا دن:

قیامت کے واقعہ ہونے کی قسم کھانے کے بعد اس کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ قیامت کا عقیدہ انسان کی کردار سازی کے لیے بڑا اہم ہے۔ دنیا میں ہر آدمی اپنے اعمال کی جزا و سزا نہیں پاتا اور پھر اس کا ہر جرم ظاہر بھی نہیں ہوتا۔ اس طرح عدل، دنیا کی زندگی میں ادھورا رہ جاتا ہے، اس عدل کو مکمل کرنے کے لیے ایک اور دنیا اور زندگی ہو گی اور وہ قیامت کے بعد ہو گی۔ ہر روز، انسان مرتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں، اس دن سارے زندہ انسان مر جائیں گے اور قیامت قائم ہونے کے بعد ایک مدت گذرنے کے بعد دوبارہ سارے مردہ انسان زندہ ہو کر حساب دیں گے۔

قیامت کے وقت ستارے بے نور ہو جائیں گے یا بجھ جائیں گے۔ ان کی تابناکی کی زندگی ختم ہو جائے گی، جس طرح فزکس (کاسموجی) والے اندازہ لگاتے ہیں کہ ہر ستارے کے گرد ایک نظام ہے، ستاروں کے اندر نیوکلیر فیوزن کے ذریعے مسلسل تابکاری پیدا ہو رہی ہے اور وہ ایک دن ختم ہو جائے گی، تو ان کی روشنی اور حرارت اس وقت ختم یا کم ہو جائے گی۔ یہ قرآن مجید کی قیامت کی ایک طرح کی تشریح ہے جو غیر مسلم افراد اپنے سائنسی علم کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ پہاڑ جو زمین پر بڑا زبردست وجود ہیں، بھاری ہیں اور کیل کی طرح زمیں کو پکڑے ہوئے ہیں، اکھڑ جائیں گے۔ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ اور بکھر جائیں گے۔ زمین میں گہرائی یا نشیب کو بھر دیں گے اور زمین میدان بن جائے گی۔

یہ قیامت کا دن، فیصلوں کا دن ہو گا۔ تمام انسان دوبارہ زندہ ہوں گے۔ ان کو ان کے اعمال نامے دے کر ان کو جنت و جہنم میں جانے کا فیصلہ ان کے برے یا اچھے اعمال کی بنیاد پر ہو گا۔ اس دن کے لیے تمام انبیاؑ کو لایا جائے گا اور وہ اپنی تبلیغ اور ہدایت کے عمل و رہنمائی کی گواہی دیں گے، تاکہ مجرموں کو ان کے انکار کی شہادت دکھائی جا سکے۔ دنیا میں اللہ کے احکام کا انکار کرنے اور اللہ کے کلام اور اس کے نبی کو جھٹلانے والوں کے لیے یہ دن بہت عذاب کا دن ہو گا اور وہ بہت پریشان ہوں گے۔

اہل مکہ اور دوسرے لوگ جو اللہ کے وجود، اس کی طاقت، روز محشر (قیامت) اور جزاو سزا سے انکار کرتے ہیں، ان کو بتایا جارہا ہے کہ پہلے بھی لوگ (پرانی اقوام، قوم لوط، قوم شعیب) انکار کرتے تھے، لیکن ان کا انجام اس انکار کی وجہ سے تباہی پر ہوا، اور اب بھی جو انکار کرنے والے ہیں، ان کا انجام بھی تباہی ہو گا۔ کیونکہ یہ مجرموں اور ظالموں کے اعمال کا بدلہ ہے۔ ابھی بھی وقت ہے کہ وہ اپنا کردار بدل ڈالیں اور اللہ کے احکام پر عمل کریں۔ یہ احکام اس وقت اور آج بھی انکار کرنے والوں کے لیے ہیں۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی (منی) سے پیدا نہیں کیا؟

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ رکھا۔

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ ایک مقررہ مدت تک۔

فَقَدَرْنَا ۟ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ پھر ہم نے مقرر (مدت کو) کیا اور کیا ہی خوب ہم مقرر کرنے والے ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے (قیامت کے دن)۔

تخلیق انسان اور خالق:

آیات مبارکہ انسان کو اپنی تخلیق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دے رہی ہیں۔ جس کو سارے انسان جانتے ہیں۔ اس طرح انسان کو ایک خالق یا اس نظام جس کے ذریعے وہ پیدا ہوتا ہے، کہ بارے احساس و علم ہوتا ہے۔ جس نے یہ نظام پیدا کیا، اس کا لامحالہ خیال آتا ہے اور وہی ذات الٰہی ہے۔ انسانی تولید (مرد اور عورت کے مادہ تولید کے ملنے سے شروع ہوتی ہے) کے ابتدائی مرحلہ کا ذکر ہے۔ مدت معین سے مراد مدت حمل ہے، اس مدت میں ہر عورت (مادہ) کے اندر انسان کے (cell) سے لے کر جسم کے بننے تک، کے مراحل ہیں، جو متعین مدت ہی میں مکمل ہوتے ہیں۔ کس قدر پیچیدہ عمل ہے اور کس خوبی سے انجام پاتا ہے۔ پہلے حمل کا احساس نہیں ہوتا، پھر جب جسم بنتا ہے تو ماں کو وزن محسوس ہوتا ہے پھر اس کے تھوڑی مدت (4/3 ماہ) بعد ولادت ہو جاتی ہے، کس قدر اعلیٰ نظام ہے اور اس نظام کو بنانے والی ذات کس قدر عظیم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ہم بہترین ''قادرون'' مقرر و متعین کرنے والے ہیں، جس میں ہر مرحلہ، ہر ضرورت کا لحاظ اور توازن رہتا ہے۔ ان حقائق کے باوجود ہماری قوت اور ہمارے فیصلوں سے انکار کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہو گی۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ کیا ہم نے زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ سمیٹ کر رکھنے والی ہے۔ (یعنی اپنی کشش رکھتی اور کھینچ لیتی ہے)۔

اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ زندوں کو اور مردوں کو۔

وَّ جَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ اور ہم نے اس میں مضبوط اونچے پہاڑ بنائے اور تمہیں میٹھے پانی سے سیراب کرنے کا انتظام کیا (دریا و چشمے)۔

وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾ ہلاکت ہے اس دن (قیامت کو) ایسے لوگوں کو جو (حق کو) جھٹلاتے ہیں۔

انسان کے داخلی امور (ولادت) کے بعد خارجی امور کا ذکر ہے۔ زمین کی صلاحیت ہے کہ وہ وسیع ہے۔ تمام انسانوں، حیوانوں، پرندوں، چرندوں کو غذا مہیا کر رہی ہے۔ اسی پر پیدا ہوتے ہیں اور اس میں ختم ہو کر مل جاتے ہیں۔ جنگلات اور انسانی کوشش سے پیدا ہونے والی مصنوعات سب اسی سے پیدا ہوتی ہیں اور اس میں ختم ہو جاتی ہیں۔ زندہ انسان اس کے اوپر رہتے ہیں اور اس کی سطح کے اوپر کے فوائد حاصل کرتے ہیں اور مرنے کے بعد سب اس کے مادہ میں مل جاتے ہیں اور یہ کسی کو اس کی حدود سے باہر نکلنے نہیں دیتی، کھینچ کر لے آتی ہے (کشش ثقل جسے ہم کہتے ہیں)۔

اس کے اوپر پہاڑ ہیں۔ ان کے بے شمار فائدے ہیں، جن کا علم جیالوجی اور جغرافیہ میں بڑی معلومات ہیں۔ پھر ان کے ساتھ چشمے اور دریا ہیں، جو انسانوں، حیوانوں کو میٹھا پانی مہیا کرتے ہیں، جو ان کی زندگی کا ذریعہ ہے۔ پھر بارش کے ذریعے ان کے فصل و اجناس، جنگلات پیدا ہوتے ہیں، جن سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب کسی خالق کے پیدا کردہ نظام کا حصہ ہیں اور اس کی قوت کا انکار اس کے فیصلوں اور احکام کو جھٹلانا بہت بڑا گناہ ہے۔ سارے امور انسان کو سہولت مہیا کرتے ہیں، اس کا احساس دلایا جا رہا ہے۔

اس لیے جس دن فیصلہ ہوگا، اس دن انکار کرنے والوں کے لیے بڑا تکلیف اور ہلاکت امیز ہوگا۔

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ (کہا جائے گا) چلو اس عذاب کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ چلو اس سائے (دھوئیں) کی طرف جو تین شاخوں (حصوں) والے ہیں۔

لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ نہ ٹھنڈک والا سایہ ہے اور نہ شعلوں (کی گرمی) سے بچانے والا ہے۔

اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ وہ آگ تو محل نما بڑے بڑے شعلے پھینکے گی۔

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۴﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔

قیامت کا منظر پیش کیا جارہا ہے تاکہ جھٹلانے والوں کو عذاب اور ان کی تباہی کا اندازہ ہو سکے۔ جب ان کے جرم اور سزا کا عدالت قائم ہونے اور شواہد کے بعد فیصلہ ہو گا، تو ان کو عذاب کی جگہ کی جانب دھکیلا جائے گا۔ اس وقت سخت گرمی ہو گی اور ان کو گہرے بادل تین حصوں میں نظر آئیں گے۔ جو ان کے خیال میں سایہ ہو گا، وہ ان کی طرف جائیں گے، لیکن وہاں سایہ یا ٹھنڈک نہیں ہو گی بلکہ وہ دھواں آگ کی حرارت سے پیدا شدہ تھا اور اس آگ کے شعلے گویا بلند عمارت کی طرف اونچے اٹھ رہے تھے اور ان کا دھواں تھا اور یہ شعلہ گویا، زرد ، رنگ کا اونٹ لگتا تھا، (اتنا بڑا حجم میں ہو گا)۔ شعلہ میں آگ کی زردی ہوتی ہے اس لیے زرد اونٹ کی مثال دی گئی ہے۔

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ یہ (وہ) دن ہے کہ (مجرم لوگ) بول نہیں سکیں گے۔

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ معذرت کر سکیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ 37 نمبر آیت کا ترجمہ ادھر موجود نہیں ہے۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ یہ فیصلے کا دن ہے، ہم نے تمہیں اور (تم سے) اگلوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ پھر اگر تمہارے پاس کوئی منصوبہ (چال) نکلنے کا) ہے تو کر کے دکھاؤ۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اس دن جھٹلانے (انکار) کرنے والوں کے لیے لعنت ہے۔

وہ افراد جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہیں، ان کی حالت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس دن، ان کے اعمال کی تفصیل، ان کو دی جائے گی، مظلوم افراد ان کے خلاف اپنا مطالبہ کریں گے۔ گواہ موجود ہوں گے (وہ تو ہمارے کراماً کاتبین) فرشتے، جو انسان کے دائیں بائیں ساتھ ہیں اور ایک ویڈیو بنا رہے ہیں اور (آسمان، لوح محفوظ پر) بھیج رہے ہیں۔ جہاں گواہ نہ ہوں گے، وہاں ان کی زبان بند کر دی جائے گی، اور جسم کے اعضا جو گناہ یا ظلم میں شامل تھے، بول اٹھیں گے (اس کی مثال اس طرح جس طرح انسان کے منہ کی طرف سے ڈکار اور پیشاب گاہ سے ہوا نکلنے کی آواز انسان کی زبان کے ارادہ و عمل کے بغیر آتی ہے)، اللہ تعالیٰ جسمانی اعضا جن میں عقل کی مقدار ہے (جس کو میڈیکل سائنس مانتی ہے) کے طریقہ سے گواہی آئے گی، جس کے نظام کو ہم نہیں جان سکتے۔ اس کے بعد، ان گناہ گاروں کی معذرت کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ اور دوزخ میں دکھیل دیئے جائیں گے۔ اس دن سارے مجرمین (حقوق اللہ اور حقوق العباد والے) سارے زمانوں کے (قدیم اور بعد میں آنے والے) سب موجود ہوں گے۔ سب کا حساب ہو گا اور یہ ساری مخلوق جو زمین پر زندگی بسر کر چکی تھی، وہ کوئی بھی اتنی سکت نہیں رکھے گی کہ ذرا بھر بھی یہ انکار کا تصور کر سکے۔ بڑا ہی خوفناک اور ہیبت ناک منظر ہو گا۔ اس دن تباہی و بربادی جھٹلانے والوں (اللہ کے احکام کو) کی ہو گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ بے شک متقی لوگ چھاؤں اور بہتے چشموں کے درمیان ہوں گے۔

وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور (لذیذ) پھلوں جس قسم کے وہ چاہیں گے (کے درمیان ہوں گے)۔

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ (ان سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو، ان اعمال کی بدولت جو تم کرتے تھے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ بے شک ہم نیک لوگوں کو ایسا صلہ دیتے ہیں۔

جھٹلانے، انکار کرنے والوں کی سزا کے بعد، نیک اعمال کرنے والے، محسنین کے اعمال کی جزا کا ذکر ہے۔ متقی لوگ سے مراد، وہ لوگ ہیں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرتے ہیں۔ جہاں انکار کرنے والوں کو آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا، وہاں نیک اعمال کرنے والوں کی رہائش گاہ میں ، گھنی چھاؤں اور چشموں کے نظارے ہوں گے۔ ان کے محلات میں چشمے (فوارے) باغات، پھل ہوں گے اور مزے کے ساتھ جس طرح کے پھل پسند کریں گے، وہی ان کو پیش کئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے کہ دنیا کی زندگی میں اللہ کے احکام کو مانتے ہوئے، تمہارے یہ نیک اعمال کا بدلہ ہے۔ اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے حکم ماننے والوں یا نہ ماننے والوں کو دنیا میں آزادی و اختیار دیا ہے اور قیامت کے بعد ماننے والوں کے لیے جنت و عالیشان زندگی اور نہ ماننے والے (جھٹلانے والوں) کے لیے عذاب ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔

كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ (اے اللہ کے احکام جھٹلانے والو) تم (دنیا میں) تھوڑا عرصہ کھالو اور مزے اڑاؤ، حقیقت میں تم مجرم ہو۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ اس دن (قیامت کو) انکار کرنے والوں (کافروں) کے لیے بربادی ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے (اللہ کے آگے) جھک جاؤ، تو یہ نہیں جھکتے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی/تباہی ہے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ پھر اس (نصیحت/قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

اللہ کے احکام کا انکار کرنے والوں کا دوبارہ ذکر ہے۔ کہ دنیا میں اختیار کی آزادی کی وجہ سے، وہ احکام پر عمل نہیں کرتے اور ان کو، ان کے اختیار و آزادی کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جاتا۔ یہ دنیا کی زندگی میں عیش کر لیں یا آزادی

سے جو چاہتے کریں، یہ عرصہ آخرت کی زندگی کے مقابلے بہت کم ہے۔ یہ مدت بمشکل چالیس سال ہے۔(۲۰سال بچپن، ۴۰ سال جوانی کے اور پھر بڑھاپا آجاتا ہے)۔ یہ ان کی بدقسمتی ہے کہ تھوڑی زندگی کو آخرت کی دائمی زندگی پر ترجیح دے کر دائمی عذاب اٹھائیں گے۔ جب اللہ کے احکام کے تحت، انہیں اللہ کی عبادت (رکوع و سجود) کا کہا جاتا ہے، تو وہ بہانے کرتے ہیں اور نہیں کرتے۔ اس انکار پر ان کو عذاب ملے گا۔ روایات کے مطابقت بنی ثقیف کو جب اسلام پیش کیا گیا، تو انہوں نے کہا ۔وہ رکوع و سجود کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں (یہ شیطان نے ان کے دماغ میں تکبر ڈال دیا تھا کہ خدا کے آگے جھکنا بھی ان کے شان کے خلاف ہے)۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس دین میں رکوع و سجود نہ ہو، اس میں خیر و بھلائی نہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ آخرت میں گنہگاروں کو سجدہ کرنے کے لیے کیا جائے گا، تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ یہ دلیل ہو گی کہ انہوں نے دنیا کی زندگی میں بھی سجدہ (عبادت) نہیں دیا تھا۔ روایت ہے کہ وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر، اکڑ جائے گی اور جھک نہ سکیں گے (قرطبیؒ)۔

قرآن کریم اور نبی ﷺ کے وجود مسعود اور آپ کی تعلیمات کی موجودگی میں، اگر وہ ایمان نہیں لاتے، تو پھر کون سی دلیل پر ایمان لائیں گے اور اللہ کے احکام کی اتباع کریں گے۔ آیت مبارکہ قرآن مجید کے ساتھ نبی ﷺ کی تعلیمات کی اہمیت واضح کر رہی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے اور اس کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔(سورت المرسلات مکمل ہوئی)۔

78- سورۃالنباء

تعارف:

سورت کانام،اس کی دوسری آیت میں مذکور ہے۔اس سورت میں یہ مضمون تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔یہ اہم خبر قیامت اور حشر ونشر کی تفصیل ہے۔یہ سورت ،مکہ شریف کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔سورت المرسلات، النباء، ساتھ ساتھ نازل ہوئیں اور ان کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں۔اس سورت میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سورت کا ترتیب نزول میں اسی(80) ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اسکا نمبر اٹھتر(78) ہے۔

اہم خبر جس کی جستجو(اہل مکہ) کو تھی وہ وقوع قیامت اور حساب وکتاب تھا۔ عرب ،حضرت ابراہیم اور حج کی روایت سے،اللہ کے وجود کے بارے میں علم رکھتے تھے۔اگرچہ توحید کو چھوڑ چکے تھے اور کعبہ میں بت رکھے ہوئے تھے۔ان کے لیے مشکل، نبی ﷺ کی نبوت کا اعلان تھا۔آپ کے کردار،صدق وامانت سے بھی وہ واقف تھے۔لیکن موت کے بعد زندہ ہونا اور پھر حساب وکتاب دینے کو وہ محال تصور کرتے تھے۔

سورت میں،اللہ تعالی کی عظمت کے دلائل ہیں۔روزمرہ کی زندگی میں یہ دلائل ثابت ہیں۔زمین اور اسکی خصوصیات، انسانوں کا رزق وجنگلات، فصلیں، پھر پہاڑوں کا ذکر ہے۔مکہ شریف پہاڑی شہر ہے۔انسانوں کا وجود (میاں بیوی) اور اولاد کا سلسلہ، موت اور حیات کا نظام،دن کی اہمیت اور معاش کی سہولت، رات کی سہولت اور آرام کی کیفیت، نیند اور جاگنا، بارش، بادل، پانی، فصل وغذا، یہ سارے امور زمین پر ہورہے ہیں۔اور ان تمام سہولتوں کا سب سے زیادہ فائدہ انسان اٹھارہا ہے۔جس ذات، نے اتنی سہولتوں اور امور کو پیدا کیا،اس کے لیے دوبارہ انسان کو پیدا کرنا جبکہ اس کا سارا وجود زمین پر تھا،آسان ہے اور ایسا ہوگا۔تمام مکی سورتوں میں یہ عقیدہ آخرت پر زور دیا گیا ہے۔

عقیدہ آخرت، کی اہمیت اس لیے ہے کہ زمین پر موجود تمام سہولیات کا سب سے زیادہ فائدہ انسان اٹھاتا ہے۔انسان کے اختیارات سب سے زیادہ ہیں۔انسان کو اس طرح اختیار وطاقت دے کر کھلا چھوڑنا صحیح نہیں،اس سے اسکی طاقت کے استعمال کی پوچھ گچھ ضروری ہے۔اگر کسی نے نیکی، بھلائی کے کام کیے ہیں تو اس کو اس کا انعام ملے اور اگر برائی کی ہے تو اس کے اعمال کے مطابق سزا پائے گا۔انصاف وعدل کو معاشرے میں قائم رکھنے کے لیے،اللہ نے اپنے پیغمبر اور الہامی کتابیں بھیجیں۔اور ان کے مطابق عمل کرنا،انسان کے لیے ضروری ہے۔انسان کے ریکارڈ کا ذرہ ذرہ شمار کرکے رکھا جارہا ہے اور جب وقت آئے گا،تو یہ حساب وکتاب شروع ہوجائے گا۔قیامت کی ہولناکی بیان کی گئی ہے تاکہ اس کے وقوع کا یقین ہوسکے۔عذاب کی تفصیل اور انعامات کی تفصیل بھی بتائی گئی ہے تاکہ پڑھنے والے دونوں امور کو جان لیں اور جو ان کے لیے بہتر ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ وہ **لوگ** کس (چیز) کے بارے سوال کرتے ہیں۔

عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ اس عظیم خبر کے بارے میں (پوچھ گچھ کر رہے ہیں)؟

الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ جس کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ ہر گز (خبر قابل انکار) نہیں۔وہ (لوگ) عنقریب جان لیں گے۔

ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾ پھر ہر گز (قابل انکار) نہیں۔وہ **لوگ** جلدی جان لیں گے۔

سورت،اسلام کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔جب اہل مکہ کے لیے سارے امور باعث اختلاف وحیرت تھے۔ نبی ﷺ کی نبوت کے بارے میں وہ غیر یقینی صورت میں تھے۔ کبھی شاعر، کبھی جادو گر،(ساحر) ، کبھی مجنوں کہتے۔اسی طرح قرآن مجید کے بارے میں بڑی کنفیوژن تھی،اسے کبھی شاعری کہتے، کبھی پرانی کہانیاں،قصے،اللہ تعالی کے وجود اور نبوت کے بارے میں ان کو معلوم تھا،کیونکہ حضرت ابراہیم،حضرت اسماعیل،حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں علم تھا۔اسی طرح اللہ کی ذات کے بارے میں بھی ان کا علم اور یقین تھا،لیکن بتوں کو بھی وسیلہ بناتے تھے۔سب سے اہم اور انہونی یا ناممکن امر، قیامت اور اسکے بعد انسان کی دوبارہ زندہ ہو کر حساب وکتاب دینا تھا۔دنیا میں اعمال کے بدلے میں سزا اور جزا کا ملنا تھا۔وہ اسے محال سمجھتے تھے کہ ایک آدمی مر کر اور مٹی میں مل کر دوبارہ کیسے زندہ ہو کر حساب وکتاب دے گا۔ اس کی بہت مخالفت کرتے تھے۔اس واقعہ یا عقیدہ کو مکی سورتوں میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔کیونکہ اسی عقیدہ کی بناء پر انسان ،اچھے اعمال، بالخصوص اپنے مفاد کے خلاف بھی نیک اعمال کو نہ صرف قبول کرتا ہے،بلکہ ان کو پورا پورا کرتا ہے تاکہ عذاب الہی سے بچ سکے۔یہ عقیدہ نہ ہو تو انسان شتر بے مہار کی طرح آزاد ہو کر،جو چاہے کرتا رہے۔جو لوگ،اس عقیدہ کو نہیں مانتے،ان کا رویہ ایسا ہی ہوتا ہے۔قرآن مجید نے اس عقیدہ کے ثبوت میں علمی اور عمومی دلائل دیے ہیں۔جو ہر آدمی ہر وقت محسوس کرتا اور جانتا ہے۔لیکن زیادہ جاننے اور محسوس کرنے کو وجہ سے غور نہیں کرتا، نظرانداز کر دیتا ہے۔وہ دلائل اللہ کی قوت وطاقت کا ثبوت ہیں اور وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے بڑے کام ہیں۔

اہم خبر:

علماء کا خیال ہے،کہ یہ عظیم خبر سے مراد وقوع قیامت ہے۔کیونکہ آگے آیات اس کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ قیامت کے وقوع کے بارے میں تاکیدا بار بار کہا گیا ہے۔کہ ہر صورت میں آکر رہے گی۔اور آج انکار کرنے اور بحث کرنے والے جب واقع ہو گی تو اس کو جان لیں گے۔اور یقین کر لیں گے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ کیاہم نے زمین کو بچھونا(قیام کی جگہ) نہیں بنایا؟

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۖ﴿۷﴾ اور کیا پہاڑوں کو میخوں کی طرح(گاڑ ھ دیا) لگادیا۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾ اور ہم نے تمہیں(انسانوں) کو جوڑا جوڑا پیدا کیا (نسل آگے بڑھانے کے لیے)

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ اور نیند کو راحت(جسمانی آرام) کا سبب بنایا۔

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾ اور رات کو ہم نے تمہاری آرام کی جگہ لباس بنایا۔

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۖ﴿۱۱﴾ اور دن کو معاش کے لیے بنایا۔

اللہ تعالی کی اس کائنات (انسان کے قریب ترین سیارہ زمین میں) میں نظام اور اعمال کا ذکر ہے۔ جس سے اس کی قوت وطاقت کا اظہار ہوتا ہے۔

زمین:

جب انسان دنیا میں قدم رکھتا ہے اور آنکھ کھولتا ہے، تو والدین کے ساتھ زمین کو دیکھتا ہے۔ زمین ایک ایسا سیارہ ہے، جس کا موسم، انسانی نشوونما کے لیے، دوسرے نظام شمسی کے سیاروں کے مقابل موضوع ترین ہے۔ انسان کی غذا، مکان، کام، آرام، اولاد اور زندگی کا سارا سامان، اس پر موجود ہے۔ سورج سے ایک معین فاصلہ ہے۔ جس کی وجہ سے روشنی اور تابکاری ضرورت کے مطابق ملتی ہے۔ پھر سورج کے گرد چکر یعنی دور اور قریب ہونے سے موسم بدلتے ہیں۔ ہوا سے بادل و بارش کا سلسلہ ہے۔ سطح زمین کی مٹی کی کئی اقسام ہیں۔ جو زراعت کے لیے انتہائی مفید ہیں۔ اس کی شکل اگر خلا سے دیکھی جائے تو بیضوی ہے۔ اور اس کی سطح پر سفر کیا جائے تو میدان لگتی ہے۔ اس کا قطر 12756 کلومیٹر ہے۔ اس کا پھیلاؤ خط استواؑ پر، قطبین (شمالی اور جنوبی) کے مقابل زیادہ ہے۔ سورج سے اس کا فاصلہ 151ء99 ملین کلومیٹر ہے۔ جسے "AU" کہتے ہیں۔ اور خلا کے ناپنے کے لیے اس کو معیار بنایا گیا ہے۔ اور چاند کا زمین سے فاصلہ 400،384 کلومیٹر ہے۔ یہ فاصلے اور ان کی آپس میں گردش (چاند، زمین اور سورج) ،اللہ تعالی کے، اعلی نظام کی دلیل ہے۔ زمین کا ذکر پہلے بھی کئی آیات میں آچکا ہے۔

پہاڑ:

پہاڑ زمین پر گڑھے ہوئے اونچی بلندیاں ہیں۔ پہاڑوں کی بظاہر بلندی **زمین سے اوپر** ان کی زمین کے اندر گڑھے ہوئے ہونے سے بہت کم ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے اس کو گاڑے ہوئے کیل کی مثال دی ہے۔ جدید جیالوجی میں اس کی تصدیق یوں ہوئی ہے۔ کہ پہاڑوں کا وجود زمین کی بنیادی ٹائٹانیک پلیٹوں کے آپس میں ٹکراؤ سے لاوا یا مادہ

نکل کر زمین سے اوپر آگیا۔اور اس کا جوڑ، ان پلیٹوں سے ہے، جس کی وجہ سے وہ کیل کی ماند ہے۔زلزلہ عموماً،انہی پہاڑی علاقوں میں آتے ہیں اور زلزلے کی صورت میں گرم لاوا ، زمین سے نکلتا ہے۔پہاڑوں کے بہت فائدے ہیں۔بہت سارے معدنیات ان سے نکلتے ہیں۔ بالخصوص، لوہا، کوئلہ اور بہت سی دھاتیں۔کیلشیم بہت مقدار میں، پہاڑوں سے نکل کر میدانوں میں آتاہے۔ان کی بلندی، فضامیں موسمی اثرات کو کم کرتی ہے۔ٹھنڈی اور گرم ہواوں کو بلندی کی وجہ سے روکتے ہیں۔دریاوں کی وجہ سے پہاڑوں میں راستے بنتے ہیں۔ برف پوش چوٹیوں کے ذریعے پانی کا ذخیرہ کرتے ہیں۔پہاڑوں کی کیلشیم کی وجہ سے،زمین کی سطح مضبوط رہتی ہے۔زیادہ تفصیل جغرافیہ اور جیالوجی کی کتب میں موجود ہے۔

جوڑے:

انسانوں کو جوڑے بنایا، مرد اور عورت۔ان کے مادہ تولید(ایکس کروموسومز اور وائی کروموسومز)کے ذریعے انسانیت کو پھیلایا۔دونوں میں آپس میں کشش رکھ دی۔ ایک دوسرے کے لیئے ،محبت ورحمت ،کا جذبہ پیدا کردیا۔نسل انسانی کی بقا اس طرح آگے بڑھتی ہے۔انسانی جوڑے کو ختم کرنا ، (جوڑے سے مراد، مختلف جنس کے فرد ہیں۔یعنی مرد اور عورت) ، دراصل نسل انسانی کے ساتھ زیادتی ہے۔ مرد سے مرد کا مستقل ساتھی بن کر رہنااور عورت کا عورت سے رہنا، عارضی طور پر تو ممکن ہے۔لیکن یہ رابطہ غیر فطری ہے۔اور بظاہر ناکام ہوتاہے۔اس کی قانونی اجازت انسانی فطرت کے خلاف ہے۔یہ ازادی کا غلط استعمال اور شیطانی فکر کا نتیجہ ہے۔

رات:

رات دن کا نظام،اللہ تعالی نے پیدا فرمایا۔اس کا ذریعہ زمین کا اپنے محور پر گھومنا ہے۔اور آہستہ آہستہ گھوم کر یہ ایک چکر تیئس 23 گھنٹے اور چھپن منٹ میں لگاتی ہے۔اور اس کا جھکاو کا زاویہ 23:45 ڈگری ہے۔سورج کے فاصلے سے ،اس کے موسم بنتے ہیں۔ سورج والی سائیڈ پر دن ہوتاہے۔اور اس کی دوسری طرف رات ہوتی ہے۔جو کہ انسانی جسم کے لیے اندھیرے کی وجہ سے نیند اور آرام میں بہت مددگار ہوتی ہے۔رات کے اندھیرے کو کم کرنے کے لیے چاند کی گردش کے ذریعے روشنی پہنچائی جاتی ہے۔جو انسانی جسم اور آنکھوں کے لیے پر سکون ہوتی ہے۔

پہاڑ اور وتد (گڑھے ہوئے) سے مراد صوفیائے کرام نے اولیائے کرام کے درجات کے بارے میں تحریر کیا ہے۔اس سے مراد اکابر،اولیاء ہیں۔ان کا مقام پہاڑ کی طرح مضبوط اور بلند ہے۔اسی طرح ایک درجہ ابدال ہے۔جب حضرت ابو سعید خراز سے سوال کیا گیا کہ اوتاد اور ابدال میں کون بلند مرتبہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اوتاد

افضل ہیں کیونکہ ابدال ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹتے رہتے ہیں۔ایک مقام سے دوسرے مقام میں ان کا بدل **متبادل** چھوڑ دیا جاتا ہے۔لیکن اوتاد،انتہائی بڑے مرتبہ پر ہوتے ہیں۔وہ اپنے مقام سے نہیں ہٹتے اور اپنے مقام پر قائم رہتے ہیں۔جیسے میخ گاڑ دی گئی ہو۔یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے مخلوق کا نظام اور قوام، قائم رہتا ہے۔ابن عطاؒ نے فرمایا، اوتاد ،اہل استقامت اور صدق ہیں۔ان کے احوال متغیر نہیں ہوتے اور وہ مقام تمکین پر فائز ہیں۔(روح البیان)۔

نیند:

انسانی جسم کی تازگی اور انرجی کی کمی کو دور کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔آیت میں زمین کو لباس سے تشبیہ دی ہے کہ اندھیرا، لباس کی طرح گھیر لیتا ہے اور انسانی جسم کو آرام پہنچاتا ہے۔اسی طرح رات ،اندھیرے کے ذریعہ نیند کا سبب بن کر آرام پہنچاتی ہے۔اس لیے رات آرام کی جگہ **لباس** اور نیند راحت وسکون وتازگی کا ذریعہ ہے۔

دن: جب زمین کا حصہ (نصف) سورج کی طرف ہوتا ہے تو سورج کی شعاعوں کی وجہ سے دن ہوتا ہے جس میں روشنی، چمک اور تابکاری بہت زیادہ ہوتی ہے۔جس کے بہت سارے کام ہیں۔اس لیے دن ،کاموں کے انتہائی موزوں ہے۔ گرمیوں میں دن لمبے اور سردیوں میں چھوٹے ہوتے ہیں۔بہار اور خزاں میں پھر برابر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔دن کے لیے معاش کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کام اور حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔

وَّ بَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط طبقات (آسمان) بنائے۔

وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّہَّاجًا ﴿۱۳﴾ ہم نے روشنی اور حرارت کو چراغ بنایا (سورج۔)۔

وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ اور ہم نے بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا۔

لِّنُخۡرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾ تاکہ ہم اس (پانی) کے ذریعہ اناج اور سبزہ اگائیں۔

وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ﴿۱۶﴾ اور گھنے باغات اگائیں۔

آسمان:

زمین کے بعد آسمان کا ذکر ہے۔آسمان سے مراد طبقات ہیں، جنہوں نے دائری شکل میں زمین کو گھیرا ہوا ہے۔اور سات طبقات کا ذکر ہے۔زمین کے اوپر خلا ہے (فضا ہے،) اسی میں ایک خاص فاصلہ کے بعد آسمان ہے، جو شفاف ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا، صرف ریڈیو سگنلز میں تبدیلی کے اثرات سے کسی وجود یا رکاوٹ کا احساس ہوتا ہے جس کو ریڈیائی دوربینوں کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔آسمان دنیا (قریبی آسمان) پر ستارے اور کہکشاں ہیں۔اس

کے اوپر آسمانوں پر ان کے ستارے اور کہکشائیں ہیں۔ جن کے بارے میں انسان کی معلومات نہیں۔ ابھی کائنات کے بارے میں بہت ابتدائی معلومات ملی ہیں، لیکن ان کے مطابق اسکی وسعت اسی طرح ہے جس طرح احادیث میں اشارتاً بیان کی گئی ہے۔ احادیث، کوئی کاسمولوجی کا سبق نہیں ، بلکہ اس وقت کے لوگوں کو کائنات کی وسعت اور اللہ کی طاقت وقدرت کے بارے میں آگاہ کرنا تھا۔ یہ معلومات آج بھی تحقیق کے لیے رہنما ہیں۔ بعض صوفیاء کرام نے آسمانوں کے ساتھ طبقات کی طرح دل **دماغ** ،جو کہ مرکز محبت ہے، کے سات طبقے بیان کیے ہیں اور ہر ایک کا خاصا بھی بیان کیا ہے۔ ا۔ **صدر:** یہ جوہر اسلام کا معدن(**مقام**) ہے۔ ۲۔ **طبقہ القلب::** یہ جوہر ایمان کا محل ہے۔ ۳۔ **الشفاف::** یہ محبت اور شفقت کا مرکز ہے۔ ۴۔ **الفواد:** یہ مکاشفہ اور مشاہدہ کا معدن ہے۔ ۵۔ **حبتہ القلب:** یہ اللہ تعالی کی محبت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور کسی کی محبت نہیں۔ ۶۔ **السویدا:** یہ علم ادنی کا معدن اور حکمت کا گھر ہے۔ ۷۔ **بیت المعزتہ:** یہ اکملین کا قلب ہے۔ اور اس میں اسرار الہیہ ہوتے ہیں۔ اور یہ باطن سے ظاہر کی طرف بالکل نہیں نکلتے۔ اور نہ کبھی ان کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔(روح البیان۔ علامہ اسماعیل حقی)۔

سورج:

سورج کا ذکر ہے۔ روشنی کا منبع ہے۔ زمین سے فاصلہ یعنی 99ء151 ملین کلومیٹر ہے۔ سورج کا حجم 391ء1 ملین کلومیٹر ہے۔ اسکا سائز (ماس mass وجود) قطر زمین سے ایک سو نو گنا بڑا ہے۔ اتنا بڑا ہے کہ اس میں 3ء1 ملین زمینں سما سکتی ہے اور اس کا وزن 333 ہزار مرتبہ زمین سے زیادہ ہے۔ سائنسی معلومات کے مطابق اس کے اندر نیوکلیر فیوژن کے پروسیس سے ہائیڈروجن کو ہیلیم میں تبدیل کیا جارہا ہے۔ جس کی وجہ سے حرات اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ آیت میں سراجا (روشن) وھاجا (گرمی / حرات) کا ذکر ہے۔ اس کا درجہ حرات کا اندازہ 16 ملین ڈگری ہے۔ اور ہر سیکنڈ میں 5 ملین ٹن ماس (وجود) کے برابر انرجی پیدا کرتا ہے۔ سائنس کے اندازے کے مطابق سورج کی زندگی تقریبا، پانچ ملین سال ہے، جس میں آدھی گزار چکا ہے۔ (یہ سب علمی تخمینے ہیں) ۔اس کے بعد یہ اندھا ہو جائے گا، یعنی نیوکلیر پروسس ختم ہو جائے گا۔۔(اللہ تعالی کے حکم سے جس طرح ایک آیت مبارک ہے)۔

سورج کی گرمی پانی کو بخارات میں تبدیل کرتی اور ہوا میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ بادل بنتے ہیں اور اوپر جاتے فضا میں تابکاری کی لہریں ان میں الیکٹرانک چارج پیدا کرتی ہیں اور پھر ٹھنڈک ،ہوا کے دباؤ اور حرارت کی کمی سے بارش ہوتی ہے۔ جس سے زمین کی سطح پر مختلف فصلیں، پودے، جنگلات پیدا ہو کر انسانوں، حیوانوں، پرندوں اور حشرات، کو غذا مہیا کرتے ہیں۔ زندگی کی آسائش میسر ہوتی ہے۔ ان سب امور کا خالق اور مالک ان تمام امور کو ایک دن ختم کر دے گا اور وہی وعدہ کا دن ہے۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۷﴾ بے شک فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے۔

﴿۱۸﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے۔

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ اور آسمان کھل (پھٹ) جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے (راستے) ہو جائیں گے۔

وَّ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَکَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اور پہاڑ **غبار** کی طرح اڑا دیے جائیں گے تو وہ سراب **ریت** کی طرح ہو جائیں گے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ کَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ بے شک دوزخ گھات میں ہے۔

قیامت:

قیامت جس کے بارے میں اہل مکہ انکار کرتے تھے اور بعض اوقات مطالبہ کرتے کہ کب آئے گی۔ان کو اور جو بھی قیامت کے انکار کرنے والے انسان ہیں،ان کے لیے اعلان ہے کہ قیامت آکر رہے گی اور اپنے مقررہ وقت پر آئے گی۔ قیامت کا پہلا صور ہے۔ صور کی ایک توضیح یہ ہے، کہ یہ ہائپر سانک آواز ہو گی۔ جس کی وجہ سے سارے جاندار ختم ہو جائیں گے۔ اور پھر ایک اور صور پھونکا جائے گا، جس کی آواز پر سارے مردے (**انسان**) زندہ ہو جائیں گے۔ قیامت کی کیفیت کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا۔ اس شیلڈ کے پھٹنے سے ستاروں کی تابکاری کی وجہ سے آسمان سرخ ہو جائے گا۔ قیامت پر جو شدید زلزلہ آئے گا۔ اس کی وجہ سے سارے پہاڑ جو بہت مضبوط ہیں اکھڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور ریت کا **میدان** (سراب) بن جائیں گے۔ جو لوگ قیامت کو نہیں مانتے اور اپنی زندگی اپنی نفسانی خواہشات کے تحت گزارتے ہیں۔ ان کے لیے دوزخ (**جہنم**) گھات لگائے بیٹھی ہے۔ اس سے مراد ہے کہ جہنم ان کا انتظار کر رہی کہ کب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس میں سزا پائیں گے۔

لِّلطّٰغِیْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ **جہنم** سرکشوں (نافرمانوں) کا ٹھکانا ہے۔

لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ جس میں وہ طویل زمانہ تک رہیں گے۔

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اس (جہنم) میں، نہ وہ (نافرمان) ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی پینے کی چیز (پائیں گے)۔

اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ سوائے کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ یہ ان کے (اعمال کے) موافق بدلہ ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ بے شک وہ کسی حساب وکتاب کی امید نہیں رکھتے تھے۔

وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ اور انہوں نے ہماری آیات (احکام) کو پورا پورا جھٹلایا (انکار) کیا تھا۔

وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ اور ہم نے ہر ہر عمل کو شمار کر کے لکھ رکھا ہے۔(ریکارڈ کیا ہوا ہے)۔

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اب چکھو ہم بس تمہارے لیے عذاب کو ہی بڑھاتے رہیں گے۔

سرکشی کا انجام:

جہنم کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ وہ نافرمانوں کا ٹھکانہ ہوگا، جس میں وہ طویل عرصہ کے لیے (ہمیشہ) رہیں گے۔ طویل عرصہ سے مراد، متعین مدت نہیں، بلکہ اس کا سلسلہ چلتا رہے گا۔اس میں زندگی بڑی تلخ ہوگی۔ پانی ،انسانی جسم کی ضرورت ہوتی ہے اور وہاں ابلتا ہوا پانی ملے گا۔ جس کا مزا بہت برا ہوگا۔ معدہ اور آنتوں کو نقصان دے گا۔ دوسرا مشروب ،انسانی پسینہ اور پیپ کا مکس ہوگا، جس کو پیاس کی وجہ سے جہنم میں رہنے والے پئیں گے۔ آگ کی وجہ سے جسم ، گرم بھٹی کی طرح ہوگا ۔انسان یا مجرم وہاں ٹھنڈک کو ترسے گا، جس طرح شدید گرمی کے موسم میں انسان چاہتا ہے، کہیں ٹھنڈا سایہ ملے اور گرمی کم ہو۔ یہ سزا مجرموں یعنی نافرمانوں کو، ان کے اعمال جو حقوق العباد (معاشرے میں برائی)اور حقوق اللہ (اللہ کی تابعداری) کے نہ کرنے پر ملے گی۔ جس کے وہ مستحق ہوں گے کیونکہ پورا پورا عدل ہوگا۔ اس عدل کو ثابت کرنے کے لیے انسان کے سارے اعمال، خواہ روشنی میں کیئے ہوں یا اندھیرے میں، ان کی آڈیو اور ویڈیو، فرشتے بنا کر ریکارڈ رکھ رہے ہیں، جو قیامت (حساب وکتاب کے وقت) انسان کے سامنے لائی جائے گی۔ قیامت تک ، تمام انسانوں کا ریکارڈ، اللہ نے اپنے نظام کائنات میں محفوظ رکھا ہوا ہے، جس کی ایک بہت ہی معمولی مثال انسانوں کے ڈیٹا رکھنے کی استطاعت ہے۔ بڑی بڑی حکومتی ڈیٹا بیس ہیں۔ جہنم میں سزا، اسی طرح چلتی رہے گی اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ لہذا نیک اعمال کر کے جان بچائی جاسکتی ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ بے شک متقی لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ (ان کے لیے) باغات اور انگور (ہوں گے)۔

وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ اور جواں سال ہم عمر دوشیزائیں ہوں گی۔

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ اور (مشروب) چھلکتے ہوئے جام (ہوں گے)۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ۚ﴿۳۵﴾ وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے۔ اور نہ (ایک دوسرے) کو جھٹلانا (ہوگا)۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۙ﴿۳۶﴾ یہ آپ کے رب کی طرف سے صلہ ہے جو کافی (بڑی) عطا ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۚ﴿۳۷﴾ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ (سب) کا رب ہے۔ بڑی رحمت والا ہے۔ اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا۔

اطاعت کا انجام:

انکار کرنے والوں (نافرمانوں) کے بعد، احکام کی تابعداری اور گناہوں سے پرہیز کرنے والوں کے انعامات کا ذکر ہے۔ تاکہ دونوں کے فرق کو انسان جان لے اور پھر اپنے اعمال کا فیصلہ کرے۔ متقی (نیک لوگ) جو حقوق العباد اور حقوق اللہ کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں، کامیاب ہیں۔ وہ دوزخ کی بجائے جنت میں ہوں گے۔ جہاں ان کے گھروں میں باغ ہوں گے۔ جن میں پھل ہوں گے۔ انگور سے مراد انگور کا پھل ہے۔ کیونکہ بہت ہی مفید ہے۔ انگور کینسر، آنکھوں کے امراض، دل کی امراض اور صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ اس میں پوٹاشیم، فائبر، وٹامن اور معدنیات منرل پائے جاتے ہیں۔ اور دوسری مراد ہر قسم کے پھل ہیں۔ ان کے محلات کے ساتھ، ان کو، ان کو ہم عمر، جواں سال، خوبصورت عورتیں بطور خادمہ ملیں گی۔ (ان کی اپنی بیویاں بھی نوجوان، بہت خوبصورت ہوں گی)۔ ہر قسم کے مشروب پینے کے لیے موجود ہوں گے۔ اس ماحول میں کوئی سماجی برائی نہیں ہوگی۔ لغویات، حسد، کینہ، بغض، بدزبانی اور بدتمیزی نہیں ہوگی، بلکہ محبت، تعاون، اخلاص اور دوستی کا ماحول ہوگا۔ یہ ساری برکتیں، رحمتیں، آرام و سکون ان نیک اعمال کا بدلہ ہوگا، جو ان لوگوں نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیئے تھے۔ اپنی خواہشات کو اللہ کے احکام کے تابع کیا۔ اپنی زندگیاں، اللہ کے احکام کے مطابق گزاریں۔ اللہ تعالی نے ان کے اعمال کو قبول فرمایا۔ عدل و رحمت کے مطابق ان کو عطا سے نوازا۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ جس دن روح (جبرئیل) اور سب فرشتے اس (اللہ) کے سامنے صف میں کھڑے ہوں گے۔ اس سے وہی کلام کر سکے گا، جسے رحمان (اللہ) اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔

ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ دن برحق ہے (واقع ہوگا) چنانچہ جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا (پناہ چاہے) بنالے۔

اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۧ بے شک ہم نے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے۔اس دن انسان و ہ (سب کچھ) دیکھ لے گا،جو اس کے دو ہاتھوں نے آگے بھیجا ہو گا (اعمال) اور کافر کہے گا، کاش! میں مٹی ہوتا (بچ جاتا) ۔

قیامت کا منظر، پیش کیا جارہا ہے۔ تمام فرشتے آسمانوں سے اتر کر صف بستہ ہو کر حاضر ہوں گے۔ جبرئیل علیہ السلام بھی حاضر ہوں گے۔ حضرت جبرئیل کا علحیدہ ذکر،ان کے اعلی مقام کی وجہ سے ہے۔ قرآن مجید میں جبرئیل کے لیے روح، کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ایک اور تفسیر یہ ہے کہ ،روح سے مراد انسانوں کی روحیں ہیں ۔وہ بھی فرشتوں کے ساتھ،اللہ تعالی کے سامنے حاضر ہوں گی۔ کیونکہ مرنے کے بعد، روح جسم سے علحیدہ ہو جاتی ہے اور آسمان پر چلی جاتی ہے۔اس دن ہیبت اور خوف کا یہ عالم ہو گا کہ کوئی بھی بات کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ماسوائے ان کے جن جو اجازت ہو گی۔اور یہ اجازت فرشتوں اور انبیاء کرام کو ملے گی۔ وہ حق وسچ کی بات کریں گے۔ قول صواب بھی سچی بات ہے۔اسلام کے اندر سچی بات کی اہمیت اور انسانی کردار میں بھی اس کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے۔اسی لیے نبی کریم ﷺ کا لقب قبل از نبوت صادق اور امین تھا۔ جھوٹے پر اللہ نے اپنی لعنت کی ہے۔

وقوع قیامت، کے لیے کفار مکہ سوال کرتے۔ یہ جلد آنے والا ہے۔اس سے مراد کہ انسان کے پاس اس کی زندگی کے چند سال ہیں. جو بلوغت کے بعد اور بڑھاپے کے درمیان میں ہیں۔اگر اس دوران،وہ نیک عمل نہ کر سکا،تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا، اگرچہ وقوع قیامت کئی سو سال بعد بھی ہوتا ہے۔اس لیے ہر فرد کو اس کے لیے جلدی کرنی چاہیے۔اس دن اللہ تعالی کے عدل کے تقاضا کے تحت ،دنیا میں انسان کے تمام اعمال خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، چھپے ہوں یا ظاہر، سب سامنے آجائیں گے اور جب نافرمانوں ،منافقوں کو جہنم کی سزا ہو گی تو، کافر آرزو کریں گے کہ کاش وہ آج مٹی ہو جاتے۔ یہ تائسف کا اظہار ہے،اور عذاب سے بچ جاتے۔دوسری تفسیر یہ ہے کہ ،ایک حدیث کے مطابق ،اللہ تعالی کا عدل، حقیقی انسانوں کے علاوہ حیوانات کے لیے بھی ہو گا، حتی کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری یا جانور پر کوئی زیادتی کی ہو گی، تو اسکا بدلہ ملے گا۔ (صحیح مسلم / مسند احمد) ۔ یہ حدیث عدل کی اہمیت ظاہر کرتی ہے۔اس عدل کی فراغت کے بعد،اللہ تعالی جانوروں کو،دوبارہ مٹی کر دیں گے۔اس وقت کافر آرزو کریں گے کہ کاش ! وہ حیوان ہی ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔(ابن کثیر]السلسلہ الصحیح لالبانی) ۔

یہ ساری کیفیات اس لیے بیان کی گئی ہیں کہ انسان صاحب عقل و فہم ہے،اس سے سبق لے کر اپنی آخرت محفوظ بنائے۔

79- سورۃالنازعات

تعارف:

سورت کا نام،اس کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے، یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کا زمانہ نزول سورت البناءاور المرسلات کے ساتھ ساتھ ہے۔مضامین کے لحاظ سے سورت البناء کے قریب ہے۔کیونکہ اس میں بھی قیامت کے بارے میں ذکر ہے۔سورت میں دو رکوع اور چھیالیس 46 آیات ہیں۔ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر اکیاسی 81 اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے بھی اکیاسی 81 ہے۔

آیات میں قوتوں کا ذکر ہے اور ان کے کرنے والے (موصوف) واضح طور پر بیان نہیں کیے گئے جس میں مفسرین نے مختلف آراء دی ہیں۔

سورت میں قیامت کے وقوع کا ذکر ہے۔کفار کے ،انکار قیامت کا ذکر ہے۔کفار کے رویہ کے ساتھ فرعون اور حضرت موسیٰ کا ذکر ہے۔اس نے غرور کیا تھا اور اس کا انجام تباہی پر ہوا۔دوسرے لوگوں کے لیے درس عبرت ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کے دلائل کے ذریعے مرنے کے بعد زندگی اور قیامت کے واقعہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔

نیک افراد کے کردار کا ذکر ہے۔قیامت کے بارے میں کفار کے سوالات کے بارے میں فرمایا، کہ وقوع قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور انبیاء کرام کا کام لوگوں کو نیکی کی طرف لانا اور برائی سے بچنے کے لئے ڈرانا ہے۔ قیامت جب آئے گی تو سب لوگ جان لیں گے اور ان کی زندگی کا وقت بہت کم محسوس ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ ان (فرشتوں) کی قسم جو جسم سے سختی سے روح کھینچتے ہیں (کافروں کی)۔

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ اور ان کی قسم جو نہایت نرمی سے کھولتے ہیں۔

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ اور ان کی قسم جو تیرتے پھرتے ہیں (زمین و آسمان کے درمیان)۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ پھر وہ ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔

فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ پھر ان کی قسم جو تدبیر کرنے والے ہیں۔(نظام کائنات) ۔

کائنات میں قوتیں:

ان آیات کی تفسیر و توضیح کے بارے میں حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ یہ، فرشتے ہیں، جن کے ذمہ امور ہیں اور امور کی ادائیگی میں نرمی و سختی، تیزی سے جانا و آنا، پوری قوت کا استعمال اور پھر ایک منظم اور مناسب طریقہ سے امور کو انجام دینا ہوتا ہے۔ یہ فرشتوں کے ذمہ ہے اور وہی یہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

سختی سے نکالنا سے مراد، احادیث کے مطابق اللہ کے نافرمان بندوں کی روح ہے کہ وہ اس طرح ان کے جسم سے سکرات موت پر نکلتی ہے۔ جس طرح گیلی اون میں کوئی کانٹوں والی شاخ کھینچ کر نکالی جائے۔ موت کی شدت اس طرح محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ جسم کا ہر حصہ انگلیوں کے پوروں و ناخنوں تک سے، جان نکلنے کی شدت محسوس کرتا ہے، اور زبان سے کچھ کہ بھی نہیں سکتا۔ اس فرد کی ایک طرح کی قیامت شروع ہو جاتی ہے۔ دوسری توضیح یہ ہے کہ امور کی انجام دہی میں شدت استعمال کرنی پڑتی ہو گی۔ مثلاً طوفان، گرج اور چمک۔ نرمی کی توضیح یوں ہے کہ نیک افراد کی سکرات موت بہت آسانی سے ہوتی ہے۔ جس طرح مکھن سے کوئی بال نکال لیا جائے۔ ان کو تکلیف نہیں ہوتی۔ اس کا، احادیث میں بھی ذکر آیا ہے۔ کافر کی روح کے ساتھ کافر کے برے اعمال کی وجہ سے سخت سلوک کیا جاتا ہے۔ اور مومن کی روح کے ساتھ مومن کے نیک اعمال کی وجہ سے نرمی برتی جاتی ہے۔ دوسری توضیح، ہواؤں کا آرام سے چلنا ہے جو، فرشتے سرانجام دیتے ہیں۔

تیرتے پھرتے کے بارے میں یہ وضاحت ہے، کہ زمین و آسمان کے درمیان، مختلف امور کی انجام دہی کے لیے کبھی آسمان، کبھی زمین اور کبھی درمیان میں، حرکت اور عمل کرنا پڑتا ہے۔ لہذا، یہ ان کی جولان گاہ ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد ستارے لیے ہیں۔ جو ڈوبتے ہیں اور ابھرتے ہیں۔ یہ نظریہ، پہلے تو صحیح تھا کہ زمین ساکن تصور ہوتی تھی اور دوسرے ستارے و سیارے متحرک خیال کیے جاتے تھے اس لیے ڈوبتے اور نکلتے تھے۔

اب سے اس مراد، ان کی مدار میں گردش ہے، جس طرح آیت مبارکہ ہے کہ اپنے (فی فلک یسبحون) مدار میں گھومتے تیرتے ہیں۔ جس طرح معلومات بڑھیں گی۔ تفصیلات بدلتی رہیں گی۔ لیکن آیات کی متعین کردہ حدود، تیرتے، پھرتے قائم رہے گی، جو کہ حرکت کی دلیل ہے۔ قتادہ کے مطابق، یہ چاند و سورج ہیں، جو تیرتے ہیں (ڈوبتے اور نکلتے ہیں)۔ (احکام القرآن)۔ اس کے علاوہ سیاروں کے درمیان قوت گریز و انجذاب، جو مناسب فاصلے رکھتی ہے، (جدید کاسمولوجی)۔ پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔ جن امور میں تیزی اور شدت کی ضرورت ہو، ان کے نفاذ کے لیے تیزی و قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود کے مطابق، مومنین کی روحیں اپنے پروردگار اور مالک سے

ملنے کے لیے بے تاب ہوتی ہیں اور فرشتے ان کو جلدی سے آسمانوں پر لے جاتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ یہ ستارے ہیں ،جن کی رفتار ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ بعض چلنے (مدار) میں سبقت کرتے ہیں۔جدید کاسمالوجی بھی یہی کہتی ہے۔

تدبیر کرنے والے بھی فرشتے ہیں۔ یہ وہ قوت ہے جو نظام کائنات کو اللہ تعالی کے نظام اور اصولون کے مطابق قائم رکھتی ہے اور اس کو قائم رکھنے کی جو ، پلاننگ اور ترکیب ہے،اس کو کنڑول کرتے ہیں۔یعنی تدبیر و تنظیم کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت ابن عباس کے مطابق، کائنات کے امور ان کے سپرد ہیں۔ایک روایت (اثار) کے مطابق دنیا میں نظام عالم کی تدبیر، چار فرشتوں کے ذمہ ہے۔ ا۔ حضرت جبرئیل: ان کے ذمہ وحی لانا، ہوائیں اور لشکر ہیں۔ ۲۔ حضرت میکائیل کے سپرد ،بارش اور زمین کی پیداوار (رزق) ہے۔ ۳۔ عزرائیل کے ذمہ ،روحوں کو قبض کرنا ہے۔(زندہ جانداروں کی موت)۔ ۴۔اسرافیل۔ان کے ذمہ صور پھونکنا ہے جس سے سب مر جائیں گے اور پھر دوبارہ پھونکنے سے زندہ ہو جائیں گے۔

مدبرات سے مراد کچھ علماء نے نیک روحیں لی ہیں، جو کہ تیزی سے (السابقات) آسمانوں کی طرف جاتی ہیں۔ اجسام کی کثافت (مادہ/ظلمت) سے نکل کر عالم بالا میں لطافت (انرجی) کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ اور سابحات کی طرح تیرتی ہیں۔ایک توضیح ،روایت میں ہے کہ، یہ ارواح طیبہ، مدبرات کا عمل کرتی ہیں ،یعنی اللہ تعالی کے اذن سے امور کے سرانجام کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ الگ سے کوئی عمل نہیں کر سکتیں۔ اس بناء پر اولیاء کرام کی ذات کو اللہ تعالی کے دربار میں بطور وسیلہ ذکر کیا جاسکتا ہے۔ کوئی نیک فرد یا روح،اگر اللہ تعالی سے درخواست یا دعا کرے تو وہ قبول فرماتا ہے۔ (بیمار کی شفا وغیرہ) ۔کچھ علما ارواح کے اعمال کا انکار کرتے ہیں ۔ فرشتے اعمال کرنے کے لیے کافی ہیں ۔اگر کوئی شخص غیر شرعی کام بھی کر رہا ہے تو وہ استدراج یا مکر ہے۔(روح المعانی/روح البیان)۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ جس دن لرزانے گی، لرزانے والی صور ،(قیامت۔)

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ اور اس کے پیچھے آئے گی آنے والی، (صور حشر ونشر)۔

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝ اس دن دل لرز رہے ہوں گے۔(صور قیامت سے)

أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ انکی آنکھیں جھکی ہوں گی (دہشت سے)،(صور حشر ونشر کی)۔

صور اور وقوع قیامت:

کائنات کے انتظام وانصرام کے بارے میں بتانے کے بعد، زمین پر قیامت کے بارے میں بتایا جارہا ہے۔ کہ جس قیامت کا کفار انکار کرتے ہیں، وہ سخت چیخ (پہلی صور اسرافیل) سے ساری زمین لرز جائے گی گویا زلزلہ آگیا ہے۔اس

صور سے سارے جاندار مر جائیں گے۔ اس کے بعد پھر چیخ ہو گی۔ (صور اسرافیل دوسری صور)۔ جس سے سارے مردے، زندہ ہو جائیں گے اور اکٹھے ہو جائیں گے۔ روایات کے مطابق، ان دو صوروں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔ (سال کی نوعیت صحیح معلوم نہیں۔ زمینی سال یا اللہ تعالیٰ کے کسی اور نظام کے مطابق مدت ہو گی)۔ اس وقت قیامت کی خوفناک کیفیت و ہیبت سے تمام لوگ انتہائی خوف زدہ ہوں گے۔ گویا لرز رہے ہیں۔ اور آنکھیں پھٹی اور خوف و ہیبت سے جھکی ہوں گی۔ آج کے انکار کرنے والے اس کیفیت کو جان لیں اور اس پر یقین کر لیں۔

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ (وہ کافر) کہتے ہیں کیا ہم یقیناً مرنے کے بعد پہلی حالت (زندگی) کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ جب ہم گلی سڑی ہڈیاں ہو جائیں گے؟

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ وہ (کفار) کہتے ہیں پھر تو یہ بڑے خسارے والی واپسی ہو گی۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ پس بے شک وہ (قیامت) ایک زوردار جھڑک (آواز) ہو گی۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ جس کے بعد وہ (لوگ) اچانک ایک کھلے میدان میں ہوں گے۔

کفار کے قیامت کے بارے میں رد عمل یا خیالات کا اظہار ہے۔ وہ اس بات پر متعجب ہیں، کہ مرنے کے بعد کیا، پھر ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، جبکہ ہمارا جسم مٹی میں گھل کر مل گیا ہو گا۔ ان کے لیے یہ ناممکن ہے۔ اور اگر یہ واقع ہوا، تو بڑا خسارہ ہو گا۔ انہیں نہیں معلوم، ان کی کیسی حالت ہو گی۔ قیامت کی دوسری صور ایک جھڑک یعنی زوردار چیخ (ہائپر سانک کی طرح سخت آواز ہو گی)۔ جس سے سب خوف زدہ ہوں گے۔ اور سارے لوگ اٹھ کر زمین جو میدان کی شکل میں ہو گی، وہاں اکٹھے ہو جائیں گے۔ حساب و کتاب شروع ہو جائے گا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی ہے۔

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ جب ان کے رب نے مقدس وادی طوی میں اسے آواز دی۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ (کہ) فرعون کی طرف جاؤ، بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ پھر (اسے) کہو، کیا تو چاہتا ہے، کہ تو پاک ہو جائے۔

وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ اور میں تجھے تیرے رب کی طرف راہنمائی کروں، سو (رب سے) ڈرے۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ پھر اس (موسیٰ) نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ تواس نے جھٹلایااور نافرمانی کی۔

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ پھر وہ پلٹا (انکار کیا) اوران (موسی) کے خلاف کوشش کی۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ پھر سب کو جمع کر کے اعلان کیا۔

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ اور کہا: میں تمہاراسب سے بڑارب ہوں۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ پس اللہ نے اسے دنیااور آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ بے شک اس میں ڈرنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے۔

فرعون اور حضرت موسی:

کفار مکہ کی یاد دہانی اور عبرت کے لیے ، حضرت موسی اور فرعون کا قصہ ذکر ہے۔ حضرت موسی، جب حضرت شعیب کے پاس رہنے کے بعد، واپس مصر جارہے تھے، تووادی طوی میں اللہ تعالی نے آپ سے کلام فرمائی، جس کی تفصیل مختلف مقامات پر دی گئی ہے۔ (سورت طہ)۔ حضرت موسی کو حکم ہوا، کہ فرعون بادشاہ کے پاس جائیں اور اسے ،اللہ تعالی کے بارے میں کفر سے بازرکھیں، جواس نے سرکشی اختیار کررکھی ہے۔اس سے اس کو نکالیں۔اللہ تعالی کی وحدانیت کا اسے قائل کریں،اسے کفر سے بچائیں اور پاک کریں تاکہ اللہ تعالی کے خوف سے اس کادل منور ہو۔آپ نے اسے دعوت توحید دی۔اس نے جب دلائل مانگے، توآپ نے معجزات، بالخصوص عصا ،جو سانپ بن گیا، دکھایا۔وہ خوفزدہ ہو گیا۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ گریبان سے نکالا، تواس قدر چمکدار تھا، جس سے اہل دربار پھر خوفزدہ ہو گئے ۔لیکن وہ اپنے کفر سے بازنہ آیااور اسے جادو سمجھ کر، جادو گروں کو اکٹھا کر کے مقابلہ کرنے کااعلان کر دیا، کہ وہی بڑا رب ہے۔یعنی ان کا محسن ہے۔بنی اسرائیل کواس نے وہاں سے نکلنے سے روک دیا۔ حضرت موسی، بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے رات کو نکلے اور دریا کو پار کیا۔ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے نکلا،تاکہ پکڑ کر سزادے۔ وہ ان کے پیچھے دریا میں داخل ہوا۔ دریا جو پہلے پھٹ گیا تھا، پھر مل گیا۔ فرعون اپنے سارے لشکر اور اسلحہ کے ساتھ غرق ہو گیا۔اس کو دوگنا عذاب ملے گا۔ایک دنیا میں سارے لشکر کے ساتھ غرق ہونا اور دوسرا قیامت میں شدید عذاب ہو گا۔اہل مکہ کو بتایا جارہا ہے کہ وہ ایک بادشاہ تھا، جس کے پاس لشکر تھا،اس نے نبی کی مخالفت کی اور لشکر کے باوجود خود تباہ ہو گیا ، اور نبی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔انہیں اس واقعہ سے سبق سیکھنا چاہیے۔ نبی ﷺ کی مخالفت ترک کرنی چاہیے ۔ان کی دعوت اسلام پر غور اور قبول کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ کی بھی تسلی کرائی گئی۔ مسلمانوں کو بھی تسلی دی، کہ اگر فوعون تباہ ہو سکتا ہے، توقریش مکہ اس کے مقابلے میں بہت کمزور ہیں ، لہذا پریشان نہ ہوں۔اپنی تبلیغ جاری رکھیں اور

صبر کریں۔ان واقعات سے وہی سبق لیں گے، جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے۔اللہ کی عظمت و قوت پر ایمان رکھتے ہیں ۔اہل کفر اپنی ہٹ دھرمی سے تباہ ہوں گے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ کیا تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ جس کو اس (اللہ) نے بنایا ہے۔

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ اس نے (آسمان) چھت بلند کی اور اس کو ٹھیک کیا (توازن قائم کیا)۔

وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ اس کی رات کو ڈھانک دیا (اندھیرا کیا) اور دن کو روشن بنایا۔

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اور زمین کو بعد میں بچھایا۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ اور اس میں اس کا پانی نکالا اور چارہ سبزہ نکالا۔

وَ الْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ اور پہاڑوں کو گاڑھ دیا۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے (فائدے) کے لیے ہیں۔

کائنات اور دوبارہ زندگی:

اللہ تعالی کی قوت کا اظہار، فرعون کی تباہی کے بعد، اہل مکہ اور قارئین کو بتایا جارہا ہے۔اکثر لوگ اور اہل مکہ دوبارہ زندہ ہونے کو محال تصور کرتے تھے اور اب بھی کچھ لوگ خیال کرتے ہیں۔آسمان یا کائنات پر غور کریں۔ سیارے اور ستارے (ان کی تفصیل سورت النباء میں بیان کی گئی ہے) بنائے۔آسمان (فضا) نے زمین کو گھیرا ہوا ہے۔ اور اس کے اندر توازن ہے۔جس میں سیارے وستارے، رواں دواں ہیں۔پھر انسان کی زندگی میں عمل و حرکت کے لیے سورج کی روشنی سے دن بنایا، پھر زمین اپنے ایکسز پر گھما کر رات کو پیدا کیا۔تاکہ لوگ آرام کریں۔پہاڑ قائم کیے، تا کہ زمین کی داخلی حرکت و حرارت کو روکا جائے۔معدنیات اور جنگلات پیدا ہوں۔زمین پر اور اس کے اندر پانی کا ذخیرہ ہے۔جس سے زراعت و فصلیں پیدا ہوتے ہیں۔اور انسانوں، حیوانوں کو غذا حاصل ہوتی ہے، اور فائدے اٹھاتے ہیں۔ زندگی کا سلسلہ رواں دواں ہے۔یہ سارے امور، کیا دوبارہ انسان کی پیدائش سے کم ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں۔جب یہ سارے امور ہو سکتے ہیں، ہو رہے ہیں تو دوبارہ انسان کا زندہ ہونا کوئی مشکل نہیں، لہذا قیامت کے عقیدہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔

زمین و آسمان کی پیدائش کو ایک عظیم کام کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔اس میں ترتیب کی اہمیت نہیں۔اہمیت ان کی عظمت اور وجود کی ہے۔قرآن مجید میں ان کا ذکر ان کی عظمت اور موقع کی مناسبت سے آتا ہے، مثلاً رات دن کے

لیے،آسمان کاذکر پہلے آئے گااور غذا وحیوانات اور زندگی کی سہولیات کے موضوع میں ،زمین کا ذکر پہلے آجائے گا۔ یہ آیات ان کا ذکر کمالات کے سیاق و سباق کے مطابق ہوتا ہے۔ موجودات کے بنیادی مادہ کے بارے میں تو بیان فرمایا کہ ،دخان سے ان سب کو بنایا گیا۔دخان دھواں،ایک چار جڈ انرجی کی صورت میں گیس ہوتی ہے۔اس نظریہ کو موجودہ کاسمولوجی بھی اب مانتی ہے۔ان پر غور کیا جائے،تو قیامت اور حشر ونشر کے بارے میں یقین پیدا ہو جاتا ہے۔جو انسانی تخلیق،یعنی دوبارہ زندگی سے بہت بڑااور مشکل کام ہے۔ان دلائل کے بعد قیامت کاذکر ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ جب بڑی آفت آجائے گی۔

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ اس دن انسان یاد کرے گا جو عمل کیے۔(کوشش کی)۔

وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ اور ہر دیکھنے والے کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ پس جس نے سرکشی (نافرمانی کی)۔

وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ اور جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکا۔

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اطاعت ونافرمانی کا بدلہ:

اس کائنات(زمین وآسمان)پر ایک بڑی آفت آئے گی۔اس سے مراد قیامت ہے۔آفت ہے،کہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔اس وقت انسان کے سامنے زندگی بھر کے اعمال رکھ دیے جائیں گے،جنہیں وہ جانتا ہو گا (یاد ہوں گے)۔اس وقت ہر انسان جو آج دوزخ کی شدت سے نہیں ڈرتا یا یقین نہیں کرتا ہے ،وہ اس کو دیکھ لے گا۔اس کے قریب کر دی جائے گی۔اس کو نظر آئے گی،اگرچہ فاصلہ پر ہو گی۔جو لوگ اس دنیا میں،اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں اور نفس کی خواہشات،جو اللہ کے احکام کے خلاف ہیں،ان پر عمل کرتے ہیں،وہ چونکہ سرکش ہیں ،اللہ کے احکام کو ٹھکرایا اور اپنی پسند کے امور کو ترجیح دی ۔وہ سزا پائیں گے۔ان کا ٹھکانہ جہنم یا دوزخ ہو گی۔جہاں زندگی سخت عذاب ہو گی۔ اس کے مقابل،دنیا میں رہنے والے افراد جو اللہ کے احکام کو ترجیح دیتے اور اللہ کا خوف رکھتے تھے۔اللہ کے

احکام کے خلاف، اپنے نفس کی خواہشات کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کی۔ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے، ان کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔ جہاں ہر طرح کے آرام ہیں۔

دنیا کی مذمت کیوں؟

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا کو حلال طریقہ سے، سوال سے بچتے ہوئے طلب کیا، اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کی اور اپنے پڑوسی پر شفقت کرنے کے لیے حاصل کیا، وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا، کہ اس کا چہرہ، چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا اور جس نے دنیا کو حرام (طریقہ) سے طلب کیا تاکہ وہ، مال دار ہو اور لوگوں پر فخر کرے اور ان کو اپنی شان دکھائے، تو وہ، اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ (شعب الایمان / حلیۃ الاولیاء)۔ حدیث مبارکہ دنیا کی مدحت اور مذمت دونوں کے اسباب ظاہر کر رہی ہے۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلایا، تو پہاڑوں کو پیدا کیا اور زمین پر ڈالا (کھڑا کیا)۔ زمین کی حرکت بند ہوگئی۔ (ہلنا اور لاوا کا باہر نکلنا)۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی تخلیق پر تعجب ہوا، اور کہا، کیا کوئی چیز پہاڑوں سے زیادہ سخت ہے۔؟ اللہ نے فرمایا: لوہا، پھر سوال کیا کہ کیا کوئی چیز آپ نے لوہے سے بھی سخت پیدا کی ہے۔ فرمایا: ہاں آگ۔ پھر عرض کی، کیا کوئی آگ سے بھی سخت پیدا کی ہے فرمایا: ہاں، پانی۔ پھر سوال کیا۔ کیا کوئی پانی سے بھی سخت چیز پیدا کی ہے؟ فرمایا: ہاں ہوا۔ پھر سوال کیا۔ کیا ہوا سے بھی کوئی چیز سخت پیدا کی ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ ابن آدم (انسان)۔ کہ وہ دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اور بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا۔ (مسند احمد / الترغیب و الترہیب۔ اسکو ضعیف قرار دیا ہے)۔ حدیث سے مقصود انسان کا مقام ہے۔ انسانی عظمت کے بارے میں ہے کہ ان تمام اشیاء سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔

یہ نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کا خوف اور جوابدہی ہر وقت انسان کے دل و دماغ میں ہونی چاہیے، تاکہ اس کی زندگی تابعداری میں گذرے اور اس کے لیے عقیدہ آخرت و حساب و کتاب بڑا اہم اور بنیادی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ (اے نبی): کافر آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے (وقوع کی خبر)۔

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں جو اس سے ڈرے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ جس روز وہ دیکھیں گے انہیں محسوس ہو گا گویا وہ دنیا میں بس ایک شام یا صبح ہی ٹھہرے ہیں۔(تھوڑا سا وقت)۔

قریش مکہ قیامت کے بارے میں سوالات کرتے تھے۔ان کا جواب دیا گیا ہے۔ان کے سوال محض اعتراض اور انکار تھا لہذا، ان کو جواب دینا کوئی اہم نہیں اور انہیں بتادیں کہ اس کے بارے میں علم اللہ تعالی کو ہے۔تاکہ سوال کا سلسلہ ہی بند ہو جائے۔آپ کا کام تو ان کو اسلام کے احکام اور اس کے نتیجہ میں جزا اور سزا یعنی جنت و جہنم کے بارے میں معلومات دینی ہیں۔تاکہ وہ اپنی زندگی میں اعمال کا فیصلہ کر سکیں۔قیامت جس کا وہ مذاق اڑاتے یا انکار کرتے ہیں۔ جب آئے گی اور انسان دوبارہ زندہ ہو گا اور اپنے اعمال کا ریکارڈ دیکھے گا، تو اسے دنیا کی زندگی بہت تھوڑی محسوس ہو گی۔ اس کو عموماہم دنیا میں بھی محسوس کرتے ہیں۔جب کوئی آدمی ماضی کا ذکر کرتا ہے تو سالہا سال چند ایام محسوس ہوتے ہیں۔آیات کا مقصد زندگی کی فرصت کا صحیح اور فائدہ مند استعمال کرنا بہت ضروری ہے تاکہ انجام اچھا ہو۔

80- سورۃ عبس

تعارف:

اس سورت کا نام اسکی پہلی آیت میں لفظ "عبس" کی وجہ سے ہے۔آیت "عبس و تولی" ہے۔یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کا زمانہ نزول مکہ شریف کا ابتدائی دور ہے۔یہ سورت النجم کے بعد اور سورت القدر سے پہلے نازل ہوئی۔شان نزول کے بارے میں تحریر ہے کہ یہ سورت حضرت عمرو بن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوِئی۔

حضرت عمر بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر بن ام مکتوم کا مختصر ذکر یہ ہے کہ آپ کا نام عمرو بن قیس بن زاہد ہے۔والدہ کا نام ام مکتوم عاتکہ بنت عبداللہ ہے۔یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ کے والد اور حضرت ابن ام مکتوم کی والدہ ،بہن بھائی تھے۔نزول آیات کے وقت آپ مسلمان تھے۔یا مسلمان ہونے کی ترغیب و ارادہ تھا۔ (دونوں)کا ذکر ہے۔آپ پہلے پہل اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے نبی ﷺ سے پہلے مدینہ شریف کو ہجرت کی۔ایک روایت کے مطابق غزوہ بدر کے بعد آئے، لیکن پہلی روایت زیادہ مشہور ہے۔ان آیات کے نزول کے بعد نبی علیہ السلام آپ کا بہت خیال فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ان کی وجہ سے مجھے تنبیہ ہوئی ہے۔آپ علیہ السلام، جب غزوات کے لیے تشریف لے جاتے ،تو ان کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری دے جاتے۔ایک روایت کے مطابق تقریبا تیرہ مرتبہ آپ نے یہ کام سرانجام دیا۔جنگ قادیسہ میں شامل ہوئے۔ایک روایت کے مطابق وہیں شہید ہوگئے۔اور دوسری روایت کے مطابق زخمی حالت میں واپس آکر مدینہ شریف میں وفات پائی۔

حضرت عمرو بن ام مکتوم کا واقعہ ہے۔آپ کوئی مسلہء معلوم کرنے آئے،اس وقت نبی ﷺ قریش کے سرداروں کو(ابوجہل، عتبہ بن بیعہ، ابن عباس)، کو دعوت دینے میں مصروف تھے۔اس لیے آپ کو مداخلت ناگوار گزری اور چہرہ انور پر ناگواری ظاہر ہوئی۔آپ ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول رہے۔آیات کے ذریعہ حکم ہوا، کہ جو توجہ نہیں دیتے یا کم دیتے ہیں،ان کے مقابل جو توجہ اور تڑپ رکھتے ہیں وہ اہم ہیں۔

سورت میں ایک رکوع اور بیالیس 42 آیات ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے مکی سورتوں کی طرح قیامت، توحید، رسالت اور اخلاق کی تعلیم ہے۔

اللہ تعالی کی قدرت کے دلائل ہیں۔کائنات، انسانی وجود، زمین، پہاڑ، بارش، فصل، یہ سب اللہ کی قوت کا اظہار ہیں۔ قیامت کا خوفناک منظر پیش کیا گیا ہے۔کفار وفجار کا عذاب اور مومنین کو ثواب کی بشارت دی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾ ترجمہ: (اس نے) ماتھے پر شکن ڈالے اور منہ پھیر لیا۔

اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴿۲﴾ (اس لیے) کہ اس کے پاس نابینا آیا۔

وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ۙ﴿۳﴾ اور آپ کو (اے نبی) کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔

اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۴﴾ یا نصیحت سنتا، تو اسے نصیحت نفع دیتی۔

اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۵﴾ لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا ہے۔

فَاَنۡتَ لَہٗ تَصَدّٰی ؕ﴿۶﴾ تو آپ اس کی فکر میں ہیں۔

وَ مَا عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ؕ﴿۷﴾ اور اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر کچھ (ذمہ داری) نہیں۔

وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ۙ﴿۸﴾ اور جو (شخص) آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔

وَ ہُوَ یَخۡشٰی ۙ﴿۹﴾ اور وہ ڈرتا بھی ہے۔

فَاَنۡتَ عَنۡہُ تَلَہّٰی ۚ﴿۱۰﴾ تو آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں۔

ترجیح کا معیار:

آیات کا موقع نزول یہ ہے کہ کعبہ شریف میں نبی ﷺ قریش کے سرداروں کو تبلیغ کر رہے تھے۔ روایات کے مطابق ان میں ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبد المطلب شامل تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ سرداران قریش اسلام قبول کریں تاکہ دوسرے لوگوں پر اس کا اثر پڑے۔ کفار یہ طعنے دیتے تھے کہ کمزور افراد اور غلام اس مذہب کو ماننے والے ہیں۔ اسی گفتگو کے دوران حضرت عمرو بن ام مکتوم آئے۔ وہ نابینا تھے اور نبی ﷺ سے مذہب کے بارے میں استفسار (سوال) شروع کر دیے۔ نبی ﷺ کو انکی مداخلت ناگواری گزری اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہ دی۔ بلکہ ان لوگوں سے گفتگو جاری رہی۔ اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ پیغام ہے کہ جو افراد جستجو اور شوق رکھتے ہیں، ان کو ترجیح دی جائے تاکہ ان کو فائدہ ہو اور جو لوگ توجہ نہیں کرتے ان کو اہل طلب پر ترجیح نہ دی جائے کیونکہ پیغام کا سب کو برابر پہچانا اہم ہے اور قبول یا رد کرنا افراد کا عمل ہے۔ جس کے بارے منع سے کوئی سوال نہیں ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ کوشش اور دعا فرماتے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابو جہل) یا دوسرے روساء میں سے لوگ اسلام قبول کریں، تاکہ مسلمانوں کو بحثیت اجتماعی تقویت ملے۔ لوگ عموماً اپنے روساء یا لیڈروں سے متاثر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اسلام سب نے قبول کر لیا۔ اللہ تعالی کو حضرت عمرو

بن ام مکتوم کی طلب و جستجو پسند آ گئی تھی کہ یہ ہدایات نازل فرمائیں۔ ان ہدایات کا مقصد دوسرے مبلغین کو بھی ہدایت ہے کہ ایسے افراد کے اخلاص کا خیال کرنا ضروری ہے۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ تبلیغ میں دوسرے افراد کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ مسائل کی معلومات میں ترجیح ضروری ہے۔ تاکہ قبول کرنے والوں کی اولیت ثابت ہو۔ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین نے اولین مہاجرین و انصار کو ہمیشہ ترجیح دی اور ان کے ریاستی وظائف بھی زیادہ تھے۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ (بے شک) ہر گز نہیں یہ (قرآن) نصیحت ہے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ چنانچہ جو چاہے نصیحت حاصل کرے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ یہ قرآن قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے۔

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے۔

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ جو بڑی عزت والے بڑے نیک ہیں۔

قرآن مجید کی عظمت:

قرآن مجید کی اہمیت کا ذکر ہے کہ تمام انسانوں کے لیے نصیحت ہے اور جو کوئی چاہے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اپنی زندگی اور آخرت سنوار سکتا ہے۔ قرآن مجید لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ تمام اختلاف و تضاد سے محفوظ ہے۔ اس کی ترسیل محترم و مکرم فرشتوں کے ذریعہ ہوئی ہے۔ حضرت جبرئیل جو سب سے مکرم ہیں۔ پھر یہ قرآن مجید صحابہ کرام کے دلوں میں بھی محفوظ تھا۔ نبی ﷺ نے اپنی حیات مبارک میں اس کی تحریر شروع کر دی تھی۔ مکہ اور مدینہ شریف اس کی تحریر جاری رہی۔ آپ کے سفر آخرت سے پہلے کئی صحابہ کرام کے پاس نہ صرف حفظ تھا بلکہ مختلف اشیاء پر تحریر تھا۔ آپ کی وفات کے جلد ہی بعد حضرت ابو بکر نے ریاستی ذمہ داری میں مدون کیا۔ ہر آیت کی دو افراد نے تصدیق کی اور اس کو ایک سرکاری (ریاستی) دستاویز بنا کر مکمل کتاب کی صورت میں محفوظ کر لیا گیا، جو، اب ہمارے سامنے ہے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام کے نسخے ان کے پاس تھے۔ قرآن مجید کا کلام بلند و بالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ نبی مکرم پر نازل ہوا، جو خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں۔ اس کے مندرجات (تعلیمات) بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔ شک و شبہ سے محفوظ ہیں۔ اسی طرح جن طریقوں سے نازل ہوا فرشتے، جن پر نازل ہوا، نبی ﷺ کی ذات بڑی مکرم و محترم ہیں۔ "کراما اور بررۃ"۔ نیک اور تقوی کے اعلی درجہ پر ہیں۔ اس کے محفوظ کرنے والے صحابہ کرام حضرت ابو بکر صدیق، خلفاء راشدین، سب عزت والے اور تقوی و نیکی والے ہیں۔ اس کے ساتھ جو بھی قرآن مجید کا تعلیم و تعلم و حفظ

سے متعلق رہے، اس کا بھی اعزاز ہو گا۔ لہذا حفاظ کرام اور مدرسین کو اس اعلیٰ مرتبہ کا احساس رکھنا بہت ضروری ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ ہلاک کیا جائے انسان؟ کیسا ناشکرا ہے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ (اللہ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا۔

مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ایک (حقیر) نطفہ سے پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ پھر اس کو موت دی اور قبر میں پہنچایا۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ پھر وہ دب جائے گا اور اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

اللہ کے انعامات:

کفار مکہ کے کردار کے لحاظ سے انسان کے کردار کا تجزیہ فرمایا گیا ہے کہ انسان ناشکرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں۔ لیکن ان کا اقرار نہیں کرتا سب کو استعمال کرتا ہے۔ انسان کی اپنی ذات کے بارے میں تجزیہ کیا ہے؟ تکبر، انسانی ذات کی وجہ سے ہوتا ہے، وہ اپنے کو سب سے اوپر تصور کرتا ہے۔ سب سے پہلے انسان کے وجود کا ذکر کیا گیا، کہ انسان کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ مرد اور عورت کے مادہ منویہ کے ملاپ سے جو ایک معمولی حقیر قطرہ ہوتا ہے۔ اور ان اعضاء سے خارج ہوتا ہے، جہاں سے گندہ مادہ خارج ہوتا ہے، پھر جہاں سے انسانی فضلہ (پیشاب) خارج ہوتا ہے۔ اس کے گرد (رحم میں) ہی حمل قرار پاتا ہے۔ دوران حمل انسانی خون جو قابل استعمال نہیں ہوتا اور جسم اسے باہر نکال دیتا تھا ہے، اس سے اسکا جسم و اعضاء بنتے ہیں۔ دوران حمل اس کے کتنے مراحل ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ انتظام کیا ہے اور ہر مرحلہ مکمل ہوتا ہے اور پھر انسانی جسم، بنا کر اس میں روح آتی ہے۔ اور اس کے جسم کا ہر عضو، دوران حمل ہی انتہائی منظم اور اعلیٰ ڈیزائن رکھتا ہے۔ جو اللہ کی اعلیٰ تخلیق اور قدرت وطاقت کی دلیل ہے۔ اس کی ابتداء قرار حمل سے شروع ہوتی ہے جو کہ لوح محفوظ کے ریکارڈ کے مطابق ہوتی ہے اور اسکی تنفیذ انسانی جسم میں روح پڑنے کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

دوبارہ اٹھنا:

زندگی کا مرحلہ جب ختم ہوتا ہے، تو اسے موت دی جاتی ہے۔ موت کے بعد اس کے جسم کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے، تاکہ اس کے جسم کو زمین میں ضم کر دیا جائے۔ آگ میں جلانا، احترام انسانیت کے خلاف ہے۔ اگر اسے باہر زمین پر پھینک دیا جائے تو جنگلی حیوانات و پرندے نوچ کر کھائیں گے۔ یہ بھی انسانی جسم کے احترام کے خلاف ہے۔ اس لیے ادیان ابراہیمی (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) میں تدفین کا طریقہ ہے۔ پھر جہاں وہ

دفن ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کریں گے، تو وہیں سے وہ اٹھے گا۔ انسان کے داخلی (اندرونی) اور خارجی (دنیا میں) امور کا ذکر کر کے احساس دلوایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کا اقرار کرے اور احکام کو مانے۔

دوبارہ زندہ کرنے کے بارے میں ایک حدیث مبارکہ ہے کہ جو حضرت ابی سعید سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: انسان کے سارے جسم کو مٹی کھا جائے گی۔ صرف عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی کا آخری حصہ) رہ جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک ذرہ ہے۔ جس سے تم اٹھائے جاؤ گے۔ (ترغیب وترھیب)۔ اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے اور الصحیح البخاری میں ہے۔ اسکے الفاظ میں ہے کہ "یہ ذرہ پہلے پیدا ہوتا ہے اور اسی پر تم اکٹھے کیے جاوگے۔ اس کی ایک توجیہ یہی ہے کہ ڈی-این-اے کا حصہ یا ذرہ رہ جائے گا جس سے دوبارہ جسم کو اکٹھا کیا جائے۔ اور وہی روح اس میں واپس کر دی جائے گی۔ (قال یاکل تراب کل شی من الانسان الا عجب الذنب، من خلق وفیہ یرکب)۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ بے شک اس (انسان) نے اللہ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ہم نے خوب پانی (مینہ) برسایا۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے زمین کو شق (پھاڑ دیا) کیا۔

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ پھر ہم نے اس سے اناج اگایا۔

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ اور انگور اور سبزیاں

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ اور زیتون اور کھجوریں۔

وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ اور گھنے باغات

وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ اور میوے اور چارہ (مویشیوں کا)۔

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زندگی ہے۔

انسان کے کردار اور اس کو جو سہولیات زمین پر رہنے کے لیے دی گئی ہیں ان کا تذکرہ ہے۔ یہ مادی سہولیات ہیں، اس سے پہلے فکری سہولیات زندگی کا راستہ، موت کا نظام وتدفین دوبارہ زندگی، انسان ان سب سہولیات سے فائدہ اٹھانے کے باوجود، اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتا۔ کس قدر اس کی بدقسمتی ہے اس پر اسے سزا ضرور ہوگی۔

۱۔ غذا کا ذکر ہے۔ اگر غذا نہ ہو تو انسان زمین پر کیسے زندہ رہے۔ غذا کی پیداوار، زمین کی سطح کی حالت،

زرخیزی مہیا کی گئی، پھر اس زرخیزی پر فصل اور غلہ (اجناس) اگانے کے لیے بارشیں برسائی گئیں۔ جن کے لیے بادلوں اور موسم (ٹھنڈک) کا اہتمام کیا گیا۔ بارش کے بعد زمین میں نباتاتی طاقت پیدا کی گئی۔ جس نے زمین کی سطح کو پھاڑ کر پودوں کو نکالا گیا۔ اس میں اجناس، غلہ وغیرہ، جانوروں کا چارا، انسانوں کے لیے پھل اور سبزیاں۔ مختلف پھل جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ طبّی لحاظ سے انتہائی مفید ہیں۔ اور ان کی تفصیلات جدید طبّی غذا کی تصدیق میں موجود ہیں۔ پچھلی سورتوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ اور ان کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ یہ انگور، زیتون اور کھجور کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بارشوں کی وجہ سے قدرتی ہریالی چراگائیں اور جنگلات ہیں، جن میں کئی میوے اور جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ سارے نباتات، فصلیں اور پھل انسان اور اس کے ساتھ مختلف حیوانات، مثلاً بھیڑ بکریاں، گائے، اونٹ، گھوڑے وغیرہ ہیں۔ سب کی غذا مہیا کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے نظام کے مطابق، انسان کی سہولت کے لیے پل رہا ہے۔ انسان اس سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن احکام سے منکر ہے۔ اور اس کے انکار کی مدت اور مہلت، قیامت کے دن پر ختم ہو جائے گی۔ جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ جب کانوں کو بہرہ کرنے والی سخت آواز (صور قیامت) آئے گی۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔

وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے (بھاگے گا)۔

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھی۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ اس دن ہر شخص کا ایسا حال ہو گا جو دوسروں سے بے پرواہ کر دے گا۔ (اپنی پڑی ہو گی)۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ اس دن کئی چہرے چمکتے ہوں گے۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ ہنستے مسکراتے، ہشاش بشاش۔

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ اور کئی چہروں پر خاک اڑ رہی ہو گی۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہو گی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ یہی لوگ کافر و بدکار (فاجر) ہیں۔

قیامت کا آنا:

اس وقت کا ذکر کیا جارہے کہ جب مجبورا انسان اللہ کی طرف دیکھے گا اور وہ وقت قیامت ہے۔ روزدار چیخ، وہ صور اسرافیل ہے۔ جس کی ادنی مثال ہائپر سانک آواز جس سے دل ہل جاتے ہیں۔ اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس چیخ سے لوگ اٹھ جائیں گے۔ خوف کا عالم ہو گا۔ نامہ اعمال پر آدمی کو مل گیا ہو گا۔ حساب و کتاب کا شدید خوف ہو گا۔ حشر و نشر کا منظر بہت خوفناک ہو گا، انسان اس قدر حواس خستہ ہو گا کہ کسی کی کسی کو خبر نہ ہو گی۔ دنیا کی زندگی میں قریب ترین رشتے، جن پر بھروسہ اور تعلق تھا۔ سب ختم ہوں گے۔ والدین اولاد سے بے زار ہوں گے۔ اولاد ان سے بے زار ہو گی۔ بہن ، بھائی، خاوند، بیوی، ہر شخص کو اپنے نفس اور اپنے حساب کا خوف ہو گا۔

جن افراد کے اعمال نامہ میں نیکیاں زیادہ ہوں گی، ان کے چہرے پر رونق ہو جائیں گے۔ چمکنا شروع کر دیں گے۔ خوف کی وہشت ختم ہو جائے گی۔ فرشتے مبارک بادیاں دے رہے ہوں گے۔ اور وہ خوش ہو جائیں گے۔ جن کے اعمال نامے میں گناہ زیادہ ہوں گے اور جہنم کا فیصلہ ہو گیا ہو گا، ان کے چہرے مزید سیاہ ہو جائیں گے۔ خوف کا عالم ہو گا اور اپنی کارکردگی پر پریشان ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کا اور اس کے احکام کا انکار کرتے تھے یا اگر اللہ انکار نہیں کرتے تھے، لیکن احکام نہیں مانتے تھے اور گناہوں میں ڈوبے رہتے تھے۔ اللہ تعالی اس عذاب سے محفوظ فرمائے۔ امین۔

81- سورۃالتکویر

تعارف:

سورت کا نام التکویر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ کورت کا مصدر ہے۔اذا لشمس کورت، میں پہلی آیت ہے۔ یہ سورت مکہ شریف کے دوران ابتدائی ایام میں نازل ہوئی۔اس کا ترتیب نزول کے لحاظ سے نمبر ۷ اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر اکیاسی ۸۱ ہے۔اس میں انیتس ۲۹ آیات اور ایک رکوع ہے۔

سورت میں قیامت کا حال ذکر ہے۔اہل مکہ قیامت کے متعلق انکار کرتے تھے۔دوبارہ زندہ ہونے سے بھی منکر تھے۔قیامت کی کیفیت کا تفصیلی بیان ہے۔

سورت کی فضیلت میں روایت ابن یزید الصفاتی سے ہے کہ حضرت ابن عمر کو ،یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ وہ قیامت کے دن اس طرح دیکھے، جیسے اپنے سر کی آنکھوں کو دیکھ رہا ہے۔اس کو چاہیے کہ وہ یہ سورتیں پڑھے۔"اذ لشمس کورت،اور اذ السماء انفطرت،اور اذ السماء انشقت"(ترمذی)۔

سورت عبس کے مضامین سے اس کا تعلق ہے اس میں قیامت کا ذکر ہے اس میں بھی ہے۔

سورت میں نبی ﷺ پر جو الزامات اور اعتراضات تھے ان کا جواب دیا گیا ہے۔آپ کی عظمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ مکی سورتیں ابتدائی ہیں اور فصاحت وبلاغت کا شاہکار ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۪ۙ﴿۱﴾ جب سورج کو لپیٹ (ختم ہو جائے گا) دیا جائے گا۔

وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۪ۙ﴿۲﴾ اور جب ستارے جھڑ (بے نور) جائیں گے۔

وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ ۪ۙ﴿۳﴾ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔(اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے)۔

وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۪ۙ﴿۴﴾ اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی۔

وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۪ۙ﴿۵﴾ اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں۔

وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۪ۙ﴿۶﴾ اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔

سورت کی ابتداء انتہائی اہم واقعات سے کی جارہی ہے۔دنیا کے بارے بے دین،اہل علم سوچتے ہیں کہ سارا نظام، جس کو انسان کا سمجھنا ناممکن ہے،اس کا کیا حال وانجام ہوگا۔کئی تو اس کو ہمیشہ قائم سمجھتے ہیں۔کئی اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں جو پیدا ہوئیں ،اسی طرح ختم ہوسکتی ہیں جس طرح زمین پر تمام زندہ چیزیں ختم ہوجاتی ہیں۔خواہ وہ انسان ہوں، حیوانات یا پرندے وحشرات ہوں۔

اس ختم ہونے کا نام ،اسلامی عقائد میں قیامت ہے۔اور تمام الہامی کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔یہ کتابیں ،مختلف انبیاء پر مختلف مقامات (علاقوں)اور مختلف اوقات اور مختلف زبانوں میں نازل ہوئیں۔لیکن تمام کتب میں ایک خالق کا ذکر ہے۔آسمان، سورج، چاند، زمین اور انسانوں کا ذکر ہے۔ان کے ختم ہونے کا ذکر ہے۔انسانوں کے حساب و کتاب کا ذکر ہے۔یہ یکسانیت ان کی اصلیت وسچائی کی دلیل ہے۔

اہل مکہ ،اپنی جہالت کی وجہ سے قیامت کے بارے یقین نہیں کرتے تھے۔اور نہ ہی دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔مکی سورتوں میں ان موضوعات کو اہمیت دی گئی ہے۔

ان آیات میں بھی قیامت کا ذکر اور جو کیفیت بیان کی گئی، وہی حقیقت ہے۔انسان اہل علم، جو اللہ یا مذہب پر یقین نہیں رکھتے، وہ بھی اپنی معلومات اور تجزیہ کی بناء پر اب اقرار کررہے ہیں، کہ یہ سورج ایک دن ختم ہوجائے گا۔یہ نظریہ، قرآن مجید کی ان آیات کی بیان کردہ تصویر کے مطابق ہے۔قرآن مجید نے ایک عمومی تصویر کھینچی ہے اور انسان کی توجہ کے لیے بتائی ہے۔قرآن مجید ایک ہدایت کی کتاب ہے، کسی خاص علمی وسائنسی مضمون کی کتاب نہیں، لیکن انسان کی بھلائی کے امور سے متعلق علوم کا عمومی ذکر اور اوصاف، بیان کیے گئے ہیں۔انسان کی تحقیق،اس کے علم کی مہارت اور آلات کے مطابق بدلتی رہے گی، لیکن اس قرانی حکم، کہ سب تباہ ہوجائے گا کے اندر رہے گی۔

سورج: آیات مبارکہ کے مطابق سورج کی چمک اور کشش ختم ہوجائے گی۔(لپیٹ لی جائے گی)۔ستارے جو چمکتے ہیں اپنے مدار سے جھڑ یا گر جائیں (نکل جائیں) گے۔ان کی بھی روشنی غائب ہوجائے گی۔اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، جب مدار سے نکل جائیں گے ،تو نظر نہیں آئیں گے۔یا ان کی مدت روشنی ختم ہوجائے گی۔جس طرح سورج ختم ہو جائے گا۔اس کی صحیح معلومات کا جاننا ممکن نہیں۔کیونکہ کوئی نہ سورج تک ،نہ ستاروں تک پہنچ سکتا ہے۔جو ریڈیائی لہریں آتی ہیں ان کی تشریح محض اندازوں پر کی جاتی ہے۔ان کے زمین پر پہنچنے میں کئی نوری سال لگتے ہیں۔اور مختلف ریڈیائی طبقات سے گذرتی ہیں جو ان پر اثرانداز ہوتے ہیں۔اگرچہ سورج قریب ترین ستارہ ہے۔پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔گویا چل رہے ہیں۔یعنی ان کی بلندی ریزہ ریزہ ہوکر ختم ہوجائے گی اور پھیل جائے گی۔

حاملہ اونٹنی کے ایک عربی محاورہ کے ذریعہ شدت اور پریشانی کی کیفیت کو بتایا گیا ہے۔ عربوں کے ہاں صحراء کی وجہ سے اونٹ ایک قیمتی اثاثہ ہوتا تھا۔ جس سے ان کی معاش و معاشرت دونوں وابستہ تھیں۔ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی، اب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے۔ اگر اونٹنی کو مصیبت پڑ جائے تو سارے سال کی حمل کی محنت، پھر اونٹنی کی اپنی قیمت و جان، اس پر ہونے والے بچے کا نقصان، اس کے مالک کے لیے بڑا اہم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی بڑی شدت سے حفاظت کی جاتی ہے۔ جب سخت مصیبت پڑ جائے، تب اس کا مالک اس کو چھوڑ کر، دوسری مصیبت کی طرف دھیان دیتا ہے۔ اس مثال سے یہ مقصود ہے کہ اس وقت ہر انسان کی حالت و کیفیت انتہائی پریشانی و خوف میں ہو گی۔ اور کسی دوسرے کی پروا نہیں ہو گی۔ جس طرح اس کو سورت، عبس اور سورت نباء میں ذکر کیا گیا ہے۔

پہاڑ و سمندر:

پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ بکھر جائیں گے۔ اور سمندر گرمی سے بھڑک اٹھیں گے۔ جب بھڑکیں (گرم ہوں) گے، تو پانی بخارات بن کر اڑ جائے گا۔ اور پہاڑوں کی مٹی اور پتھروں سے سمندروں کو بھر دیں گے۔ یہ کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جس کا مقصد واضح ہے کہ نظام شمسی اور زمین پر زندگی ختم ہو جائے گی۔ موجودہ فلکیاتی سائنس (کاسمولوجی) کا بھی نظریہ اسی طرح ہے۔ ان کے خیالات (اندازوں) کے مطابق سورج پانچ ملین سال جس کی آدھی زندگی گزر چکی ہے۔ اپنی انرجی، حرارت اور قوت کشش کھو دے گا۔ اس کی قوت و کشش نے نظام شمسی کے تمام سیاروں کو مدار میں رکھا ہوا ہے۔ ختم ہو جائے گی۔ سورج چمکنے کے بجائے، ہائیڈروجن کا ایک سرخ گولہ بن کر پھیل جائے گا۔ یہ سرخ گولہ اپنے قریب ترین تین چار سیاروں جس میں زمین بھی شامل ہے۔ (دوسرا سیارہ ہے)۔ اپنے ساتھ ملائے گا۔ اس کے بعد سفید ٹھنڈا ستارہ بن جائے گا۔ اس کی ہائیڈروجن گیس ختم ہو جائے گی۔ اس طرح زمین پر زندگی ختم ہو جائے گی۔ اور اس کی حالت بالکل مختلف ہو جائے گی۔ (مجلہ اسٹرانومی اپریل ۲۰۲۱)۔ سائنس کے نظریات انسان کی معلومات، آلات کے مطابق بدلتے رہیں گے۔ لیکن قیامت کا وقوع قائم رہے گا۔ احادیث و قرآن مجید کی آیات ایک اشارہ ہے۔ جس کی تعبیر اندازوں سے ہو رہی ہے۔ زمین کے اہم موجودات پہاڑ اور سمندر ہیں۔ وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔

حیوانات:

زمین جس قدر انسانوں و حیوانات موجود تھے۔ ایک دفعہ سب ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالی پھر ان کو اکٹھا کریں گے۔ اکٹھا کرنے کی تفصیل احادیث مبارک میں بھی آئی ہے کہ انسان بھی اپنے اعمال کی سزا اور جزا پائیں گے۔ کیونکہ کئی انسان اپنی زندگی کی قلت وسائل کی کمی اور حالات کی شدت کی وجہ سے مظلوم رہ جاتے یا ظالم بن کر مزے

کرتے رہ جاتے ہیں۔ لہذا ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملے گا۔ اسی طرح حقوق اللہ میں بھی اللہ کے احکام کے انکار کا بدلہ، جو امور اللہ تعالی کی عبادت و ایمان (عقیدہ) سے متعلق ہے، اس کی سزا و جزا بھی ملے گی۔

تمام حیوانات پر اللہ تعالی کے عدل کامل کا مظاہرہ بھی ہوگا۔ جو حیوانات بھی مظلوم تھے یا جن پر انسان یا کسی اور جانور نے ان کو مقابلے میں ظلم کیا تھا۔ مثلاً ایک سینگ والی بکری کو جب دو سینگوں والی بکریوں نے مارا، تو اس کا بھی بدلہ اللہ تعالی اس حیوان کو دیں گے۔ تاکہ عدل پورا ہوگا۔ پھر یہ حیوانات اس عدل کے بعد ختم کر دیے جائیں گے۔ (حوالہ حدیث ابن المنذر۔ الدر المنثور)۔ دنیا میں حیوانات، انسانوں یا پرندوں یا دوسرے حیوانوں کی غذا ہے۔ قیامت کے بعد یہ ضرورت ختم ہو جائے گی۔ انسان اور جن جب جنت و جہنم میں جائیں گے۔ پھر حیوانات ختم ہو جائیں گے اور مٹی بن جائیں گے۔ اس خبر کو جان کر یا منظر دیکھ کر، گناہ گار کہیں گے، کاش وہ بھی مٹی بن جاتے اور عذاب سے بچ جاتے۔

وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ اور جب روحیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی۔

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا۔

بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی ہے؟

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔

قیامت کا منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ جب زمین پر تمام موجودات بلخصوص عظیم جسمانی وجود پہاڑ اور سمندر ختم ہو جائیں گے۔ پھر انسانوں کو زندہ کر دیا جائے گا۔ اور اس کے بارے میں حدیث شریف پہلے بیان کی گئی ہے۔ کہ انسانی جسم زمین میں گھل مل جائے گا۔ اور عجب الذنب کا ایک ذرہ (جس کی مثال ڈی، این۔ اے کو کہا جا سکتا ہے) سے انسان کی پہچان ہوگی۔ اور ہر روح، اس اپنے جسم میں لوٹا دی جائے گی۔ ہم پیالہ و ہم مشرب اکٹھے کیے جائیں گے، یعنی اہل جنت اور اہل جہنم کے گروپ بن جائیں گے۔

لڑکی پر ظلم:

عرب کے معاشرے کے انسانی ظلم کا ذکر ہے۔ عرب اپنی عزت کی وجہ سے چھوٹی نومولود بیٹی جب ذرا کچھ بڑی ہو جاتی تو زندہ درگور (دفن) کر دیتے۔ اسے مارنے کے کئی طریقے تھے۔ کبھی گڑھا کھود کر اسے پھینکا جاتا اور مٹی ڈال دی جاتی۔ کسی کو کنویں میں گرا دیا جاتا۔ بسا اوقات پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا۔ اس کی وجہ شیطان نے دماغ انسانی، میں یہ فکر ڈالی کہ لڑکی کمزور ہوتی ہے۔ لڑائی اور کمانے میں مرد کی طرح نہیں، اس لیے اس کا وجود ضروری نہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کو پال پوس کر بیاہ دینا پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے آدمی اس کے خاوند یا سسرال والوں کے سامنے کمزور محسوس ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ لڑکیاں جنگ و جدل میں مدد نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ تینوں

وجوہات عقلی لحاظ سے غلط ہیں۔ بد قسمتی سے عربوں کے ہاں یہ رواج بن گیا تھا۔اس رواج کی وجہ سے والدین جو سراپا رحمت اور شفقت ہونے چاہیے تھے۔ موت کا سبب بنتے۔

اسلام نے اس ظلم کو سخت گناہ قرار دیا۔ بلکہ آیت کا انداز بڑا سخت اور اللہ کے غضب کا اظہار ہے کہ وہ روح (لڑکی)پوچھے گی کہ اس کو کیوں قتل کر دیا گیا؟۔ اسکا کیا قصور تھا؟اس کے والد کو جو،اسے زندہ دفن کر دیتا تھا۔اسے جواب دینا ہوگا۔اسلام نے عورت اور مرد کے حقوق اور ان کی مساوات کا پورا اعلان کیا۔بحثیت انسان دونوں بالکل برابر ہیں۔اس لیے کسی کو بھی زندہ رہنے دینا اور مار دینا بالکل برابر ہے۔ نبی ﷺ نے اس کو بہت بڑا جرم قرار دیا۔ جس کی سزا قصاص و دیت ہے۔جب آپ کے پاس اس ظلم کا ذکر کیا جاتا، تو آپ دکھ سے رو پڑتے۔ لڑکیوں کی تربیت کے بارے میں آپ نے متعدد احادیث میں اسے بہت بڑا ثواب اور مرتبہ قرار دیا۔ایک آدمی نے بتایا کہ اس نے قبل از اسلام آٹھ بیٹوں کو زندہ درگور کیا تھا۔ تو آپ نے اسے آٹھ غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔(اسلام نے غلامی کے خلاف بھی بہت احکام بنائے اور اسے ختم کیا)۔ اس نے جواب دیا کہ وہ طاقت نہیں رکھتا، تو آپ نے آٹھ اونٹوں کے صدقہ کا حکم دیا۔(اس کے اونٹ تھے)۔اس وقت معاشرے میں کئی لوگ اس جرم کا احساس رکھتے تھے۔ایک آدمی نبی ﷺ سے ذکر کیا کہ قبل از اسلام اس نے ۳۶۰ لڑکیوں کو دفن ہونے سے بچایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے اس نیک کام کا اسے اجر ملے گا۔

تربیت اولاد:

۱۔ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ بیٹی کی پیدائش رحمت ہے ،اسے تعلیم دلانا اچھی پرورش کرنا اور اس قابل بنانا کہ اچھی بیوی اور ماں بنے۔ بڑی نیکی کا کام ہے۔ عورت کے تصور کو اسلام نے بدل کر رکھ دیا۔ایک حدیث کے مطابق کہ جس نے دو لڑکیوں کو پرورش کیا۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے روز وہ میرے ساتھ اس طرح آئے گا یہ فرما کر حضور ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو جوڑ کر بتایا۔(مسلم)۔

۲۔ جس کے ہاں لڑکی ہو وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے ،نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے۔اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔(ابوداؤد)۔ **بحثیت انسان جنسی مساوات کا اعلان ہے۔**

۳۔ جس شخص نے تین بیٹیوں یا بہنوں کو پرورش کیا۔ان کو اچھا ادب سیکھایا۔ اور ان سے شفقت کا برتاو کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کی محتاج نہ رہیں۔ تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا۔ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اور دو آپ نے فرمایا اور دو بھی۔(شرح السنتہ)۔ (اس قابل بنایا جاے کی وہ زرق کے لیے محتاج نہ ہو)۔رزق کے حصول میں ریاست کی مدد ، فلاحی ریاست کے فرایض میں سے ہے۔

۴۔ نبی ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا: میں تمہیں بتاوں کہ : سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا، بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ ضرور بتایئے۔ یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا، تیری وہ بیٹی (جو طلاق پاکر یا بیوہ ہو) کر تیری طرف پلٹے اور تیرے سوا کوئی اس کا کمانے والا نہ ہو۔(اس کو پالنا اور اس کا خیال رکھنا۔ابن ماجہ/بخاری)۔

والدین بھائیوں کے علاوہ، اسلامی ریاست ایسے تمام شہریوں کے لیے جن کا کمانے کا کوئی ذریعہ یا اہلیت نہ ہو، دنیاوی معاش کی ذمہ داری رکھتی ہے۔ خلفائے راشدین اور نبی ﷺ نے اپنی زندگی مبارک ایسے افراد کی ریاست کے خزانے سے مدد کی۔اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عرب کی حالت بدل گئی۔اور دوسری قوموں نے بھی فیض اٹھایا۔

لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیے جائیں گے۔ ہر آدمی کو اس کے اعمال کا حساب و کتاب مل جائے گا۔ جس پر کون سا عمل صحیح تھا اور کون سا غلط تھا۔ کا ذکر ہو گا، تفصیل ہو گی اور اس کا خلاصہ، جنت یا جہنم میں کس کا حقدار ہے۔ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اللہ تعالی نے کراما کاتبین (لکھنے والے فرشتوں) جو ہر انسان کے ساتھ ہیں، ہر عمل کی تصویر و آواز بنا کر آسمانوں پر بھیج رہے ہیں۔ جس طرح ہم کوئی ویڈیو بنا کر مختلف پلیٹ فارم پر اپ لوڈ کر دیتے ہیں۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ جب آسمان کا پردہ اتار دیا جائے گا۔

وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ اور جب دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔

وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ اور جب جنت قریب لائے جائے گی۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ اس وقت ہر شخص جان لے گا۔ جو کچھ وہ لے کر آیا ہے۔

حساب و کتاب:

قیامت کا ذکر جاری ہے۔ آسمان پھٹ جائے گا، تو اس کا پردہ اتر جائے گا۔(حفاظت ختم ہو جائے گی)۔ ستاروں کی گرمی اور ریڈیائی لہریں، جو اب زمین تک نہیں آتیں تھیں، رک جاتی ہیں ،وہ پہنچ جائیں گی۔ ستاروں کے قریب آنے سے آسمان سرخ ہو جائے گا۔ دوزخ بھی سامنے نظر آئے گی۔اس کی بھڑکتی آگ اور گرمی محسوس ہو گی۔ اور جنت کا منظر بھی دکھایا جائے گا، تاکہ سزا پانے والے اور انعام حاصل کرنے والے اپنا مستقبل کا ٹھکانہ دیکھ لیں۔ عذاب و رحمت کا نظارہ کر لیں۔اس اعمال نامہ کے ذریعے انسان کو پتہ چل جائے گا کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا اور آج اس کا کیا نتیجہ ہے۔ ساری منظر کشی اسی لیے ہے کہ ہم احساس کریں اور اس کی تیاری کریں تاکہ عذاب سے بچ جائیں۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ چنانچہ میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستارے) کی۔

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ چلنے والے اور چھپنے والے ستاروں کی۔

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ اور رات کی جب وہ چلی جاتی ہے۔

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اور صبح جب وہ روشن ہوتی ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ بے شک یہ (قرآن) معزز رسول کا قول ہے۔

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ جو قوت والے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔(آسمانوں میں) اور امانت دار ہے۔

قیامت کی ہولناکی کے بعد اب زمین و آسمان (روزمرہ کے حقائق) کی بات کی جارہی ہے۔ ستارے جو رات کو نکل آتے ہیں۔ یعنی نظر آتے ہیں۔ اور دن کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں۔ بعض علمأ نے اس سے مراد جنگلی ہرن کہے ہیں، جو چھپ جاتے ہیں اور نکل آتے ہیں۔ لیکن ستارے زیادہ موزوں ہیں۔ حضرت علی کی طرف تفصیل منسوب ہے۔ پھر رات آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ عسعس ،ذو معنی ہے۔ صبح جو رات کے اندھیرے سے باہر نکلتی ہے۔ روشن ہو کر، سارے جہاں کو روشن کر دیتی ہے۔ اب، ان تمام امور کے بعد جو پیغام دیا جارہا ہے۔ وہ کلام الٰہی اور نبی ﷺ کی ذات کے بارے میں ہے۔ جس پر اہل مکہ اعتراض کرتے تھے۔ قرآن مجید کا ذکر ہے کہ اس کو ایک معزز محترم جس کی قوت اسمانوں میں ہے اور بہت امانت دار ہے۔ وہ جبرائیل فرشتہ ہے۔ جو اس کلام کا پیغامبر ہے۔ اس میں کوئی اور کلام نہیں، سوائے اللہ کے پیغام کے۔ تمام امور کا ذکر صرف اسی بات کے لیے ہے، کہ یہ پیغام بہت اہم ہے۔ بھیجنے والی ذات بڑی عظیم ہے۔ اور لانے والا (رسول پیغامبر) بڑا امانت دار اور اللہ تعالیٰ (صاحب عرش) کے ہاں محترم ہے۔ اس کی طاقت و قوت سارے فرشتوں پر ہے۔ وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ اور تمہارا ساتھی (نبی) مجنوں نہیں۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے میں بخیل نہیں۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں۔

قرآن کی صداقت:

نبی ﷺ کے بارے میں اہل مکہ کو مطلع کیا گیا ہے کہ آپ اہل مکہ کے ساتھی ہیں۔ وہیں پلے، جوان ہوئے۔ ان کے ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہیں۔ آپ کا کردار صادق و امین ہر ایک کو معلوم ہے۔ قریش آپ پر یہ الزام

لگاتے ہیں کہ آپ سحر زدہ ہیں۔ یا مجنون ہیں اور کلام الٰہی کو یہ کہتے کہ کوئی جن آپ کوالقاء کرتا ہے۔ جس طرح ساحر یا پیشن گو، کہتے ہیں۔ یہ سب غلط اور جھوٹ ہیں۔ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ نے پیغام لانے والے کو دیکھا ہے۔ اس کے بارے میں روایت ہے۔ جو حضرت عامر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت جبرائیل پر اس صورت میں دیکھا کہ اس نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ جن کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ (جامع البیان)۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت:

اسلام کے احکام اور اللہ تعالی کی تعلیمات میں نبی ﷺ کو جو ہدایات اور علم غیب عنایت ہوئے، ان کو ضرورت کے مطابق تمام مسلمانوں فرائض وواجبات منکرات، رسالت کے فرائض پہنچائے اور ان میں کسی بات کی کمی نہیں کی۔ ایک دفعہ صحابہ نے ساری معلومات حاصل کیں۔ اور آپ نے ہر سوال کے بارے میں جواب دیا۔ یہ سارا کلام اللہ تعالی سے اکٹھا نازل کیا ہوا ہے۔ اس پر کسی جن یا سحر کا الزام بلکل غلط ہے۔

یہ آیات مبارکہ متشابہات سے ہیں۔ کچھ مفسرین نے حضرت جبرئیل کی ذکر کردہ صفات (امانت، طاقت، اللہ کے ہاں مقام) کو نبی ﷺ کی ذات پر بھی منطبق کیا ہے۔ اکثریت کی رائے حضرت جبرئیل کے بارے میں ہے۔

فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ پھر تم کہاں جارہے ہو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ یہ تو سب جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿۲۸﴾ تم میں سے ہر اس کے لیے جو بھی سیدھی راہ پر چلنا چاہیے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾ اور تم رب العالمین کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

اہل مکہ کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ اتنی اہم ذات اور کلام کے باوجود، تم کدھر جارہے ہو، کیوں گمراہی میں پڑے ہو۔ قرآن مجید تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے اور اس سے تم اپنے کو محروم رکھ رہے ہو۔ تمہارے سارے عمل اللہ تعالی کے حکم کے محتاج ہیں۔ تم بے شک ارادے کرو۔ لیکن تمہارے کام کا مکمل ہونا، اللہ تعالی کی مشیت پر منحصر ہے۔ انسان ارادہ کرتا ہے۔ عمل شروع کرتا ہے۔ اسکے اسباب اللہ نے مہیا کر دیے ہیں۔ اور اس کی تکمیل اللہ کے اذن سے ہوتی ہے۔ اللہ کے احکام پر چلنا اور اس کے حکم ماننے میں ہی میں قیامت کے دن سلامتی ہے۔

یہ آیات مبارکہ متشابہات سے ہیں کچھ مفسرین نے حضرت جبرئیل کی ذکر کردہ صفات (امانت، طاقت، اللہ کے ہاں مقام) نبی ﷺ کی ذات پر بھی منطبق کیا ہے۔ اکثریت کی رائے حضرت جبرئیل کے بارے میں ہے۔ (اختتام سورت التکوثر)۔

82 ۔ سورۃ الانفطار

تعارف:

سورت کا نام الانفطار، اس سورت کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔ واذا السمآء انفطرت ۔ الانفطار مصدر ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی اور مضامین کے لحاظ سے سورت التکویر کے قریب ہے۔ اس میں قیامت کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث کے مطابق اگر قیامت کا منظر آنکھوں سے دیکھنے کا شوق ہو تو تین سورتوں کو پڑھا جائے۔ التکویر، الانفطار، اذا السمآء انشقت، کا غور سے مطالعہ کرے۔

(عن ابن عمر: من سرهان ينظر الي القيامه راي عين فليقرأ : اذا الشمس كورت و السمأ انفطرت واذا السمأ انشقت۔ السلسله الصحيحه اللباني۔)

سورت کا ترتیب مصحف کے لحاظ سے نمبر بیاسی 82 اور ترتیب نزول کے اعتبار سے بھی بیاسی ہے۔ اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے۔

سورت میں قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا۔ ستارے ٹوٹ جائیں گے اور سمندر خشک ہو جائیں گے۔ لوگ اپنی قبروں سے نکل آئیں گے۔ اور انسان کو اس کے تمام اعمال دکھا دیے جائیں گے۔ دنیا میں انسان ان چیزوں سے بیگانہ ہو کر ایک ایسی زندگی گزار رہا ہے جس میں وہ اپنے انجام سے بے خبر ہے۔ اور دھوکہ میں مبتلا ہے۔ نیک کام کرنے والے، اپنا اچھا انجام اور برے کام کرنے والے نافرمان، اپنا برا انجام دیکھ لیں گے اور سزا پائیں گے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہو گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝١ جب آسمان پھٹ جائے

وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝٢ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝٣ جب سمندر (پھٹ) بہہ جائیں گے (خشک پڑ جائیں گے)۔

وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝٤ اور جب قبریں اکھیڑ (شق) کر دی جائیں گی۔

قیامت:

قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے آسمان پھٹ جانے سے مراد آسمان کی جو کیفیت ہمارے سامنے ہے نہیں رہے گی۔ سورج اور چاند اپنے مدار سے نکل جائیں گے۔ستارے جھڑنے سے مراد ہے کہ اب آسمان پر نظر آتے ہیں۔جب آسمان کی کیفیت بدل جائے گی تو ستاروں کی کیفیت جو نظر آتی ہے،اس سے بدل جائے گی۔ قبریں پھٹنے سے مراد لوگوں کا قبروں سے نکل آنا ہے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے۔اس کے بارے میں کئی امکان ہو سکتے ہیں۔ بلکہ یہ تمام امور کس طرح واقع ہوں گے۔اس کے بارے میں مختلف اندازے لگائے گئے ہیں۔ قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ اطلاع انسانی ہدایت کے لیے ہے۔ کہ جس طرح زندگی ختم ہو جاتی ہے،اسی طرح زمین اور اس کے گرد نظام شمسی ختم ہو جائیں گا۔اور دوبارہ زندگی جس کو ہم اپنی آنکھوں یا تجربے سے نہیں دیکھ سکتے،ضرور واقع ہو گی۔قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ہے کہ کلام میں ایک انداز سے خبر دی ہے۔اور انسان اس کے بارے میں اپنی علمی معلومات سے اندازے لگائے گا۔اہم امر قیامت کا واقع ہونا،زمین پر زندگی کا ختم اور دوبارہ انسان کا زندہ ہو کر حساب و کتاب ہونا ہے۔ اس کے نتیجہ میں سزا یا انعام ملتا ہے۔ سمندر خشک ہو جائے گا۔ سورج کے اندھے ہونے،پھر زمین و سورج کے ٹکرانے یا چاند و زمین کے ٹکرانے سے،یا کسی زلزلہ کی وجہ سے ہو یا سورج کی حرارت سے بخارات بن کر اڑ جائے یا زمین پانی کو جذب کر لے۔جو بھی ہو گا،نتیجہ میں سمندر کا وجود زمین پر نہیں ہو گا۔زمین پر پہاڑ بھی ختم ہو کر،میدان بن جائے گی۔جہاں انسان کا حساب و کتاپ ہو گا۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۝ ہر شخص جان لے گا کہ اس نے پہلے کیا عمل کیا تھا۔اور بعد کیا کرا تھا۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ اے انسان: تجھے اپنے رب کریم (مہربان) سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ جس (اللہ) نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا اور پھر (تیرے اعضاء) کو متناسب/موزوں بنایا۔

فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا۔

اعمال کی تفصیل:

جب انسان قبر سے نکل کر زندہ ہو گا۔(انسانوں کی قبریں زمین میں ہوں گی۔اور وہاں سے نکلیں گی)۔ انسانوں کو ان کے اعمال نامے ملیں گے۔اس نے کتنے اچھے اعمال کیے اور کتنے برے اعمال کیے۔اس کی تفصیل درج ہو

گی۔اس کی زندگی کے دوران اس کے اعمال کااور اس کے مرنے کے بعد کیااثر ہوا تھا۔اسکا بھی پتا چل جائے گا۔ اوران کا نتیجہ بھی مل جائے گا۔ان تمام اخبار کے باوجود، چونکہ انسان اللہ تعالی کے اس حکم پر مکمل یقین نہیں رکھتا،اس لیے وہ اپنے آپ کو دھوکا میں رکھ رہا ہے اور اعمال کرتے وقت اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ اس عمل کے نتیجہ کو اس نے بھگتنا ہے۔اللہ کے انعامات کاذکر ہے۔ انسان کوایک چھوٹے سے قطرہ سے پیدا کیا۔اس کے کس قدر پیدائش کے مراحل ہیں۔کچھ دوران حمل میں ہیں۔کچھ بعد میں،کچھ مراحل بچپن کے ہیں۔پھر جوانی ہے۔اور بڑھاپااور پھر موت سے خاتمہ ہو گیا۔

انسانی جسم:

انسان کی تخلیق کاذکر ہے کہ اس کا جسمانی ڈیزائن کس قدر مکمل اور مناسب ترین ہے۔ سر میں اس کے اعضاء،آنکھ،ناک،کان،منہ،دانت، بال گردن،پھر جسم کے دوسرے اعضاء، بازو،انگلیاں،ٹانگ،گھٹنے،پیٹ،سینہ، داخلی اعضاء، پاؤں،انگلیاں،جوڑاور سارانظام زندگی کس قدر مناسب اور اکمل ترین ہے۔ عقل و سمجھ کی وجہ سے تمام حیوانات سے ممتاز ہے۔ نبی ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق جب والدہ کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے،تواللہ تعالی اس کے والدین اور اجداد میں جس سے چاہیں،اجزاء یعنی ڈی این اے D.N.A)، کے اثرات لے کر اس کا جسم قرار دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انسانی شکل،عادات قدو قامت میں کسی کی طرف بھی جا سکتا ہے اور چلا جاتا ہے۔(جنیٹک علم بھی یہی کہتا ہے) ۔ایک تفسیر علماء نے یہ بھی کی ہے کہ انسان کی موجودہ شکل کے بجائے اس کے کسی دوسری صورت میں بنی ہوتی۔یعنی ہاتھ آگے کے بجائے پیچھے ہو جاتے۔"پاؤں کے بجائے چلنے کاانداز، مختلف ہو جاتا، پاؤں کاڈیزاین مختلف ہوتا ۔ان سب انعامات کوانسان یاد نہیں رکھتا۔اپنی خواہشات میں گم ہو کر اپنے خالق کو بھول جاتا ہے۔ انسان کے اندر تقریبا360 جوڑ ہیں۔انسانی جسم ایک حیرت انگیز مشین ہے۔پیدائش کے وقت 270 جوڑ ہوتے ہیں۔ پھر عمر کے ساتھ بڑھتے ہیں۔جوڑ میں ایک دوسرے کے ساتھ ملتی ہے۔انکے درمیان حرکت کے لیے ایک لیس دار مادہ بطور مددگار شامل ہوتا ہے۔انسان کا وجود تقریبا ستر کے قریب عناصر سے مل کر بنا ہے۔ جس میں ہائیڈروجن اور آکسیجن اور کاربن سب سے زیادہ ہیں۔ حجم کے لحاظ سے کاربن زیادہ ہے اور وزن کے لحاظ سے اکسیجن اور ہائیڈروجن زیادہ ہیں کیونکہ خون اور پانی جسم کا بڑاحصہ ہے۔

انسان دھوکے میں کیوں؟

انسان دھوکہ کیوں کھاتا ہے۔اس کی وجہ اس کی جہالت ہے۔ حدیث ۔حضرت عمر سے ہے کہ جب کسی

نے اس آیت کے بارے میں سوال کیا، تو آپ کا یہی جواب تھا۔ انسان اللہ کے انعامات اور اپنے انجام موت کو بھول جاتا ہے۔ قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تعلیمات اور احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور اس پر جہالت یا غفلت چھا جاتی ہے۔ اس جہالت یا غفلت کا سبب انسانی دماغ پر شیطان کا قبضہ ہے۔ جو مختلف خیالات و تصورات کی صورت میں اثر انداز ہوتا ہے۔ اور ان میں انسان گم ہو کر حقیقت کو بھول جاتا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ بے شک تم روز جزا (قیامت) کو جھٹلاتے ہو۔

وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں۔

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ لکھنے والے (ریکارڈ کرنے والے)۔

يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے ہو۔

اعمال کا ریکارڈ کیسے ہوتا ہے:

انسان چونکہ موت کی فکر اور انجام کے ختم ہونے پر یقین نہیں رکھتا یا اگر رکھتا ہے تو محض علم کے طور پر اس پر اس کا ایمان نہیں ہوتا اسی طرح اگر مرنے یا زمین پر زندگی کے فنا ہونے پر یقین کرتا ہے لیکن دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب دینے اور سزا و جزا (انعام) پر اس کا پورا ایمان نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ ان آیات کو جھٹلاتا ہے اور اپنی خواہشات کے مطابق اعمال کرتا ہے۔ انسان کو دوبارہ زندہ ہونا ہے، پھر اس کا حساب و کتاب ہونا ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالی نے انسان کے تمام اعمال کا ریکارڈ رکھا ہے۔ جو باقاعدہ محفوظ کیا جا رہا ہے۔ یوں سمجھیے کہ ایک ویڈیو ہر وقت تیار ہو رہی ہے، جو محفوظ رکھی جا رہی ہے۔ اور اسے ریکارڈ رکھنے اور محفوظ رکھنے کا بہت اعلی اور محفوظ طریقہ کار یا نظام ہے۔ جس کو کبھی بھی جھٹلایا نہ جا سکے گا۔ حدیث مبارکہ میں اسکی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے دو فرشتے جنہیں کراما کاتبین کا نام دیا گیا ہے۔ وہ ریکارڈ کرتے ہیں۔ اور انسان کے ہر ہر عمل کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ حدیث مبارک میں نیکی کے کام ریکارڈ کرنے کو دائیں جانب والے اور برائی کے اعمال کو بائیں جانب کا نام دیا گیا ہے۔ ان ناموں کی بھی بڑی خوبصورت نفسیاتی حکمت ہے کہ نیکی ہمیشہ دائیں طرف ہے کیونکہ دایاں ہاتھ قوی ہے لہذا انسان کو نیکی کی قوت اور رغبت زیادہ رکھنی چاہیے اور برائی بایاں ہاتھ ہے۔ جو کمزور ہے تو برائی کی طرف رجحان کم رکھنا چاہیے۔ کراما کاتبین، فرما کر نیکی کی اہمیت اور ریکارڈ کے بارے میں احساس دلایا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں کراما کاتبین (فرشتوں) کے احترام کرنے کا ذکر ہے۔ یہ امور نیکی کی ترغیب و اہمیت کے لیے ہیں۔ کمپیوٹر اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہمیں یہ آیات سمجھنی بہت آسان ہو گئیں ہیں۔ انسان کا دماغ ایک کمپیوٹر ہے۔ در اصل مصنوعی عقل یا کمپیوٹر میں سافٹ وئیر اور ہارڈ وئیر (معلومات کا سٹور تیج) انسانی دماغ کی ایک کاپی (نقل) ہے۔ یہ فرشتے، اللہ تعالی نے انسانی دماغ سے منسلک کر

دیے ہیں۔ اور دماغ سے معلومات کو براہ راست اللہ تعالی کے لوح محفوظ، جو ایک عظیم، ڈیٹا بیس ہے کی طرف ارسال کرتے ہیں جو بڑے محفوظ انداز میں جاتا ہے۔ اس کی ایک ادنی مثال یوں ہے کہ آپ ایک ویڈیو بناتے ہیں ،اسے "آنا فانا" کسی سافٹ ویئر کے ذریعہ کسی پلیٹ فارم (واٹس ایپ/ فیس بک، ٹویٹر) پر بھیج دیتے ہیں۔ اور ان کا ڈیٹا بیس اس اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ یہی ایک ادنی مثال ہے۔ اللہ تعالی کا نظام تو بہت اعلی ہے۔ جسے انسان کو سمجھنے میں بہت مدت لگے گی۔ اور دجال کی قوت ،ان امور کو سمجھ کر لوگوں کو گمراہ کرے گی۔ اب ہم فنکشنل میگنٹک رینوسنس امیجنگ Functional Magnetic Resnoses Imagining (MRI) کے ذریعے دماغ کے نیورون کی حرکت جان لیتے ہیں۔ جس طریقہ کو (Amonet) ایمونیٹ کہتے ہیں۔ آنے والے سالوں میں اس میں بہت زیادہ ترقی ہو گی۔

حدیث کے مطابق انسان کا دل (دماغ) اللہ تعالی نے کنٹرول میں ہے۔ اور وہ جس طرح چاہیں پھیر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالی نے اختیار دیا ہے، اس لیے عمومی طور پر انسان کے اختیار کردہ طریقہ کے مطابق اسے سہولت ملتی ہے۔ یہ دل پھیرنے کا معاملہ اللہ تعالی کی خصوصی رحمت اور کسی مقبول دعا کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن اس کا وقوع بہت کم ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے خیالات کسی واقعہ سے آنا فانا بدل جاتے ہیں۔ یہ اسی کی تعبیر و تشریح ہے۔ مسلمان اہل علم کو اس موضوع پر جستجو کر کے اللہ کے وجود کے حقائق و شواہد عوام الناس کو پہنچائیں ،تاکہ فریضہ تبلیغ پورا ہو۔ انسانی علم و اختیار انسانی دماغ کا کارنامہ ہے۔ تصوف اور اسلامی علم نفسیات میں ، نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ، دماغ کے حصوں کے نام ہیں۔ جو اپنے اپنے کام کرتے ہیں۔ جدید طب (میڈیکل) میں بھی دماغ کے تین حصے ہیں جن کے کام مختلف ہیں لیکن سوچ، جذبات اور یاداشت سے متعلق ہیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ بے شک نیک لوگ ضرور جنت کی نعمت میں ہیں۔

وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ بے شک بدکار لوگ ضرور دوزخ (جہنم) میں ہیں۔

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ وہ جزا کے دن اس میں دوزخ میں پہنچیں گے۔

وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىِٕبِیْنَ ﴿۱۶﴾ اور وہ اس سے غائب (چھپ) نہیں ہو سکیں گے۔

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾ اور تم نے کیا سمجھا روز جزا کیا ہے۔

ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾ پھر آپ نے کیا سمجھا روز جزا کیا ہے؟

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ جس دن کوئی شخص کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا۔ اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہی ہو گا۔

فیصلہ کادن:

اعمال کے ذکر کے بعد فیصلہ کے دن کاذکر ہے۔ فیصلہ کادن بڑاسخت ہوگا۔ جن کا جنت میں جانے کا فیصلہ ہو گا، سراپاعدل سے ہوگااور فضل شامل ہوگا ۔وہ جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ ہمیشہ رہیں گے اور جن کادوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو گا عدل پر ہوگا۔ وہ چھپناچاہیں گے تاکہ عذاب سے بچ جائیں، لیکن کہیں چھپ نہ سکیں گے۔ وہ بھی دوزخ کے عذاب میں پھینک دیے جائیں گے۔ فیصلہ کادن بڑاسخت ہوگا، اسکی اہمیت کے پیش نظر دوبارہ ذکر کیا ہے۔ دنیاکے نظام میں، انسان اپنے عقل واختیاراور سلسلہ حیات کی وجہ سے بڑی طاقت کااظہار کرتاہے۔ کمزور کے لیے زندگی سخت کردی جاتی ہے۔ ظالم اور جابر، اکڑتے ہیں۔ لیکن قیامت یعنی فیصلہ کے دن، انسان کی کوئی طاقت وحیثیت نہیں ہوگی۔ سارے شواہد پیش کرکے اس کے مطابق اسکو جزاوسزادی جائے گی۔ اوراسے کوئی بچانہیں سکے گا۔ سوائے اللہ تعالی کی اجازت سے۔ دنیاکی زندگی سے سراسر مختلف حالت ہوگی۔ اسی زندگی میں نیک اعمال اور اللہ کی عبادت کے ذریعہ آخرت بہتر کی جاسکتی ہے۔ یہ ساری ہدایات تمام انسانیت کے لیے ہیں۔ (سورت انفطار مکمل ہوئی۔)۔

83- سورۃ المطففین

تعارف:

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں مذکور لفظ المطففین کی وجہ سے ہے اور اس کے بارے میں احکام بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ ایک روایت حضرت ابن عباس کے مطابق اس کی کچھ آیات جن میں ناپ تول کا ذکر ہے، وہ مدینہ شریف میں نازل ہوئیں کیونکہ وہاں ایک تاجر ناپ تول میں کمی و بیشی کرتا تھا، جس کا نام عمرو، معروف ، بالی جہینی تھا۔ (قرطبیؒ)۔

اس سورت میں چھتیس آیات اور ایک رکوع ہے۔ اس کا ترتیب نزول کے لحاظ سے نمبر (چھیاسی) 86 ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے (تراسی) 83 ہے۔ یہ سورت العنکبوت ، کے بعد اور سورت البقرہ سے پہلے نازل ہوئی۔

اہم مضمون ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ وہ قیامت کو کیا جواب دیں گے۔ ان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں کہ وہ یہ گناہ سرزد کرتے ہیں۔ برے اعمال والے افراد کا انجام برا ہوگا۔ ان کے اعمال نامے، قیدیوں (مجرموں) کے ریکارڈ میں ہیں۔ جو اللہ کے احکام سے انکار کرتے ہیں اور اکڑتے ہیں۔ ان کو سزا ملے گی۔

نیک اعمال والوں کے اعمال نامے بلند و بالا مقاموں پر، اہل تقوی کے رجسٹر میں ہوں گے۔ اہل تقوی اور ابرار، کا بلند مرتبہ ہے اور ان کو جنت میں اعلی مقام عطا ہوگا۔

مومنین، گناہ گاروں اور اہل دوزخ کی سزا پر، اسی طرح ہنسیں گے جس طرح وہ دنیا میں ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ ناپ تول میں کمی کرنے والوں، کے لیے شدید عذاب ہے۔

الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۖ﴿۲﴾ وہ لوگ، جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔

وَ اِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اور جب یہ ، انہیں (دوسروں کو) ناپ کر یا تول کر دیں، تو کم دیں۔

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے، کہ بے شک وہ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ یہ ایک عظیم دن میں۔
يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ناپ تول میں کمی:

آیات کے موقع نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ آئے، تو اہل مدینہ ناپ تول میں بہت خراب تھے، پھر اللہ تعالی نے یہ آیت "ویل المطففین" نازل فرمائی، پھر وہ عمدہ طریقے سے ناپ تول کرنے لگے۔ (ابن ماجہ / المعجم الکبیر)۔ آیات مبارکہ میں شدید عذاب کی وعید ہے ان لوگوں کو، جو لیتے وقت تو زیادہ پیمانہ استعمال کریں اور جب لوگوں کو دیں تو تھوڑا دیں۔ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ انسان نے بالآخر مر جانا ہے اور سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ پھر دوبارہ انسان زندہ ہو کر اپنی قبر سے نکلے گا۔ یہ قیامت کا ہولناک دن ہو گا۔ اس دن سخت حساب و کتاب لیا جائے گا اور ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ دوسروں کو ان کا پورا حق نہیں دیتے تھے اور اپنا حق زیادہ لیتے تھے۔ یہ عمل وہ چھپ کر اور دھوکہ دے کر یعنی غلط پیمانہ یا ناپ تول کا آلہ استعمال کر کے کرتے تھے۔

ویل، کے بارے میں ایک تفسیر ہے، کہ جہنم میں بدترین وادی کا نام ہے۔ طفیف: حقیر چیز کو کہتے ہیں اور ناپ تول میں چوری پھر حقیر چوری ہے اور دھوکہ دے کر کی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ناپ تول میں کمی کرنے کی سخت مذمت اور صحیح ناپ تول کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ ا۔ سورت انعام، آیت نمبر ۱۵۲۔ ۲۔ سورت بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۵۔ جب ناپو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تولو۔ سورت الرحمان، آیات ۸-۹۔ اسی طرح قوم شعیب پر اس جرم کی وجہ سے تباہی نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ آئے اور فرمایا: مجھے پانچ چیزیں، ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، کہ تم ان میں مبتلا ہو۔ ا۔ جس قوم میں بے حیائی ظاہر ہوتی ہے اور وہ سر عام بے حیائی کے کام کریں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ بیماریاں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں (مثلاً آج کل ایڈز اور ایچ، ائی، وی، ہیں ۔) ۲۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، اس پر قحط آجاتا ہے۔ اور افلاس چھا جاتا ہے۔ ان پر ظالم حکمران مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ ۳۔ اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے، وہ آسمان کی بارش سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ اور اگر حیوانات نہ ہوں تو ان بالکل بارش نہیں ہوتی۔ ۴۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کے توڑتے ہیں۔ (اپنے وعدے پورے نہیں کرتے) ، ان ، پر ان کے مخالف دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے وہ ان کے ہاتھوں سے مال چھین لیتا ہے۔ ۵۔ اور جو آئمہ (حاکم / قاضی) ، اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں

کرتے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے، احکام کو ترجیح نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان میں ایک دوسرے کا خوف پیدا کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ/الدر المنثور)۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ ہر گز نہیں: بے شک بدکاروں کا نامہ اعمال سجین (قید خانہ) میں ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ (برا) اعمال نامہ (سجین) کیا ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ ایک کتاب رجسٹر لکھی ہوئی ہے۔

برے اعمال نامے:

گناہ گاروں کا ذکر ہے کہ اس میں ناپ تول میں کمی کرنے والے بھی شامل ہیں اور دوسرے بھی۔ ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کے اعمال نامے رجسٹر بھی برے مقام (انتہائی ذلیل جیل) میں ہیں۔ جس کا نام سجین ہے۔ سجین اصل میں سجن سے نکلا ہے، جس کے معنی جیل ہیں۔ جہاں برے کام کرنے والے قید کیے جاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ زمین کی سب سے نچلی تہہ ہے۔ جہاں ظالموں، کافروں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہیں۔ اس لیے لکھی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ریکارڈ کی اہمیت بھی ظاہر کی ہے۔ بدکاروں کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ ریکارڈ قیامت میں دکھایئے جائیں گے۔ ان تمام گناہ گاروں کے برے اعمال کی وجہ سے، اعمال نامے برے مقام پر رکھے ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ہلاکت (شدید عذاب) ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وہ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اور اسے صرف ہر حد سے بڑا ہوا گناہ گار جھٹلاتا ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ہر گز نہیں: بلکہ ان کے دلوں پر ان کے برے اعمال نے زنگ لگا دیا ہے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ہر گز نہیں بے شک وہ (کافر) اس روز اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے۔

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے۔

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ پھر ان سے کہا جائے گا، یہ وہی چیز ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

زنگ آلود دل/فکر:

قیامت اور حساب و کتاب کے جھٹلانے والوں کا ذکر جاری ہے۔ موقع نزول یہ ہے کہ قریش کے متکبر دولت مند اور رئیس، غریب مسلمانوں حضرت بلال، خبیب، عمار، صہیب، کا مذاق اڑاتے کہ وہ غریب ہیں۔ نضر بن حارث، ابو جہل، ولید بن عقبہ، العاص بن وائل، قرآن مجید کے خلاف پراپگنڈہ کرتے کہ یہ تو پرانے قصے ہیں۔ اساطیر، ان قصوں کو کہتے ہیں جو من گھڑی کہانیاں ہوں۔ ان کے کفر کے اسباب کا ذکر ہے۔ تکبر کی وجہ سے ان کے دل یعنی خیالات زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ انسانوں کو مرتے دیکھنے اور نبی ﷺ کی تبلیغ کے باوجود ان کے دل و دماغ، حق کی سمجھ سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قیامت کو یہ دوزخ میں پھینک دیے جائیں گے۔ جب انہیں پھینکا جائے گا تو ان کو جہنم میں حساب و کتاب سے انکار یاد دلایا جائے گا۔ قیامت کو برے اعمال والے گناہ گار، اللہ تعالی کے دیدار سے محروم ہوں گے۔ اور نیک اعمال والے افراد اللہ تعالی کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

ایک حدیث مبارک کے مطابق جب آدمی پہلی دفعہ گناہ کرتا ہے تو انسان کو احساس ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جس طرح آئینہ میں ایک داغ پڑ جائے تو بہت محسوس ہوتا ہے۔ اگر آدمی توبہ کرے تو یہ داغ مٹ جاتا ہے۔ لیکن توبہ کرنے کی بجائے مزید گناہ کرنا شروع کر دے تو دوسرا داغ پڑ جاتا ہے۔ اس طرح یہ داغ پڑتے پڑتے سارا آئینہ سیاہ (جس سے کچھ نظر نہیں آتا) ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)۔ یہی حال اس وقت کفار مکہ کا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ احساس گناہ سے بھی محروم ہو گئے تھے اور آج بھی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ ہر گز نہیں؟ بے شک نیک لوگوں کے اعمال نامے علیین (جنت عالی مقام) میں ہیں۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ علیین (جنت عالی مقام) کیا ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ (ریکارڈ۔)

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اس کے پاس مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ آپ ان کے چہروں پر نعمتوں کی تازگی محسوس کریں گے۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ انہیں مہر لگی شفاف مشروب پلائی جائے گی۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ اس کی مہر مشک (خوشبو) ہے۔ لہذا شائقین کو اسی کا شوق کرنا چاہیے۔

وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ اور اس میں (چشمہ) تسنیم کی آمیزش ہو گی۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وہ ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب بندے پییں گے۔

مشروب جنت :

بد کردار اور گناہ گاروں کے حال کے بعد نیکو کاروں اور متقی افراد، **ابرار** کا ذکر ہے۔ ان کے نیک اعمال سے بھرے اعمال نامے ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے (آسمانوں) پر جنت کے بلند مقام یا عرش کے قریب جسے علیین کا نام دیا ہے، وہاں محفوظ طریقے پر ریکارڈ، **رجسٹر** میں ہیں۔ علیین کا مقام بہت محترم و مقرب مقام ہے۔ جہاں فرشتے ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ اور مقربین (بہت نیک افراد جن کو قرب خداوندی حاصل ہو جاتا ہے)، جنت کے عالی مقام میں ہوں گے۔ جہاں آرام و عیش میسر ہو گی۔ جس طرح دنیا میں اہل دولت و ثروت کے چہروں سے ان کی دولت و عزت کی رونق نظر آتی ہے۔ اسی طرح جنت میں بھی نیکو کاروں کے چہروں پر حسن و جمال اور رونق ظاہر ہو گی۔ اس دنیا کے مفلوک الحال اور کمزور مومن، اس وقت، اعلی مقام پر، داد و عیش و عشرت دے رہے ہوں گے۔ ان کو مشروب **رحیق**، اعلی درجہ کے خالص و شفاف پیش کیے جائیں گے، جن میں تسنیم (ایک خاص جنت کا) اونچے مقام پر چشمہ، جس کا مشروب لذیذ و خوشبو والا ہے، اور اوپر سے گرتا ہے۔، ملا کر پیش کیا جائے گا۔ یہ وہ مشروب ہے، جس کے لیے پینے والوں اور پیاسوں کو تمنا کرنی چاہیے۔ جو مقام قربت کے طلب گار ہیں، ان کو اس مقام کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ نیک امور سرانجام دینے چاہیں جس طرح حدیث مبارک ہے کہ پیاسے کو پانی پلائے۔ بھوکے کو کھانا کھلائیے۔ ننگے انسانوں کو لباس پہنائیے۔ (مسند احمد)۔ اللہ تعالی اسے جنت میں نعمتیں عطا فرمائیے گا۔ تسنیم کا چشمہ اور اس کا مشروب صرف خواص (مقربین) کے لیے مخصوص ہے۔ یہ ان کے نیک اعمال اور اللہ کی تابعداری کا بدلہ ہے۔

دو قسم کے افراد (نیکو کار اور بدکار) کے انجام سے ہمیں آگاہ کیا گیا ہے تاکہ انسان صحیح انتخاب کر سکے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ بے شک مجرم لوگ (دنیا میں) مومنوں پر ہنستے تھے۔

وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ اور وہ جب ان (مسلمانوں) کے پاس سے گذرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے۔

وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فٰكِهِيْنَ ۝۳۱ اور وہ جب اپنے گھروں کی طرف لوٹتے تو ہنسی خوشی لوٹتے ہیں۔

وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝۳۲ اور (کافر) جب (ان مسلمانوں) کو دیکھتے ہیں۔ تو کہتے ہیں یہ بلاشبہ گمراہ ہیں۔

وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝۳۳ حالانکہ وہ (کافر) ان مومنوں پر نگران نہیں بنائے گئے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝۳۴ چنانچہ آج مومن لوگ کافروں پر ہنس رہے ہوں گے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝۳۵ آرام دہ مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ کیا کافروں کو ان کے کاموں کا جو کرتے تھے، کیا بدلہ ملا ہے؟

کافروں کے اعمال کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ اہل مکہ مسلمانوں پر ہنستے اور تمسخر کرتے کیونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب یہ سورت نازل ہوئی تو اکثر مسلمان غریب، غلام اور کمزور تھے۔ ان کی حالت دیکھ کر قریش کے امیر اور متکبر، یہ خیال کرتے کہ یہ لوگ بے وقوف ہیں۔ کیونکہ غربت اور افلاس کے ساتھ ایک نئے دین میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور مخالفت قبول کر رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو کن آنکھیوں میں اشارے و کنایئے، کرتے اور تمسخر کرتے۔ اپنے آپ کو برتر سمجھتے اور گھروں میں جا کر ہنستے اور مذاق اڑاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات، بلخصوص اس طرز فکر کو ظاہر کیا ہے، جس کی وجہ سے انسان شیطان کا شکار بنتا ہے۔ انسان کو دوسرے کی حالت پر طنز و تمسخر نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ہر انسان اپنا ذمہ دار ہے دوسرے کا نہیں۔ یہ بات آیات میں ظاہر کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ذمہ دار نہ تھے۔ کفار کے ان اعمال کا نتیجہ دکھایا گیا ہے۔

حقارت کا نتیجہ:

قیامت کو حساب و کتاب کے بعد اللہ کی اطاعت کرنے والوں کو جنت میں اعلیٰ مقام دے گا۔ جبکہ نافرمانی کرنے والے عذاب میں ہوں گے۔ ان کی حالت انتہائی بدتر ہوں گی۔ وہاں یہ مومن و مسلمان ان کی حالت دیکھ کر کہیں گے کہ ان کو ان کے دنیا میں تکبر، تمسخر اور گناہوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے یہ ان کی حالت ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کافر ان مومنوں کو جن کو حقیر سمجھتے اور تمسخر کرتے تھے ان کے عالی شان مقام کو دیکھ کر اپنے اعمال پر افسوس کریں گے۔

ان کیفیات اور مناظر کا مقصد قاری یا سامع کو ہدایت و راہنمائی دینا ہے۔ تاکہ نیک اعمال اللہ کے احکام پر عمل اللہ سے اپنی آخرت کی زندگی بہتر بنائیں۔

84- سورۃالانشقاق

تعارف:

سورت الانشقاق، کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ انشقت سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس کا مصدر ہے۔ یہ سورت مکہ شریف کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ جس وقت اہل مکہ کے لیے قیامت اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر انسان کا حساب و کتاب ہونا، ایک محال واقعہ لگتا تھا۔

مضامین کے لحاظ سے مکی سورتوں کی طرح عقائد کا ذکر ہے۔ بالخصوص قیامت کے احوال کا ذکر ہے۔ سورت التکویر، الانفطار، المطففین اور الانشقاق ،ان چاروں میں قیامت کے دن کیفیت اور حالت بیان کی گئی ہے۔ سورت الانشقاق، میں قیامت کے ہولناک امور کا ذکر ہے۔

سورت میں (پچیس) 25 آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب مصحف (قرآن) کے لحاظ سے اس کا نمبر (چوراسی)84 ہے۔ اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا (تیراسی) 83 ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عشاء کی نماز میں اس کی تلاوت کی اور سجدہ تلاوت ادا کیا اس لیے اس سورت میں سجدہ تلاوت بھی ہے۔

سورت کے ابتداء میں قیامت کے ہولناک واقع کا ذکر ہے۔ زمین و آسمان کی کیفیت اور انسانوں کی حالت اور ان کے اعمال نامہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ نیک لوگوں کی کیفیت اور بدکاروں کی حالت کا ذکر ہے۔

رات و دن اور چاند کا ذکر، کر کے قیامت کے واقعہ کی تصدیق کی گئی ہے کہ جس طرح یہ موجود ہیں، اسی طرح قیامت کا وجود یقینی ہے۔ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے خوشخبری اور برے اعمال والوں کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ اور جب آسمان پھٹ جائے گا۔

وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ اور اپنے رب کا حکم سن کر اطاعت کرے گا۔ اس کے لیے حق یہی ہے۔ (کہ اطاعت حکم کرے)۔

وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔

وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۙ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے اور خالی ہو جائے۔

وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۙ﴿۲﴾ اور اپنے رب کا حکم سن کر تعمیل کرے گی اس کے لیے حق یہی ہے۔(کہ تعمیل حکم کرے)۔

قیامت کا منظر:

قیامت کا منظر بتایا جا رہا ہے ۔ یہ منظر دوسری آیات کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ آسمان پھٹ جائے گا۔ اس کا نظام ربط ، ٹوٹ جائے گا۔ اس کے اندر مدار ختم ہو جائیں گے۔ فضاء و خلا میں بادل پھٹ جائیں گے۔ جو تابکاری اور حرارت، ستاروں سے آتی ہے اسے بادل روکتے ہیں ،وہ ختم ہو جائیں گے۔ وہ زمین پر بلا روک وٹوک پہنچے گی۔ آسمان کا پھٹنا۔ اس کے اندر مداروں کا ختم ہونا، ستاروں کا بے نور ہونا، بادلوں کا پھٹنا، سب اللہ کے حکم سے ہو گا۔ اللہ نے ان کو ایک مربوط نظام کے ساتھ قائم کیا تھا اور پھر اسے ختم کر دے گا۔

زمین کی حالت بھی بدل جائی گی۔ سمندر گرمی و حرارت سے ختم ہو جائیں گے۔ سورج انتہائی قریب آجائے گا۔ کیونکہ مدار ختم ہو گئے ہوں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اس کا سبب اندرونی لاوا کے زلزلہ کی کیفیت ہے یا چاند کی ٹکر، سارے پہاڑوں کا ریزہ ریزہ کر دے گی۔ سمندر کی گہرائی جو تقریبا پہاڑوں کی اونچائی کے برابر ہے، بھر جائی گی۔ چونکہ تمام انسانوں نے جو حضرت آدم سے لے کر قیامت تک دنیا (زمین) پر پیدا ہوئے اور مر گئے سب زندہ ہوں گے۔ اس لیے سطح زمین میدان بن جائے گی۔ جہاں سورج کی گرمی و حرارت میں حساب و کتاب ہو گا۔ زمین میں جس قدر آدمی دفن ہوئے یا ہلاک ہوئے وہ سب نکل آئیں گے۔ یہ سارے امور اللہ کے حکم سے ہوں گے ،اور اللہ کے نظام کے تحت فرشتے ان کو نافذ کریں گے۔ ان آیات کا مقصد ہمیں اس زمین پر زندگی کے انجام سے باخبر کرنا ہے۔ قیامت کی کیفیت کے بارے میں بتایا گیا ہے تا کہ ہولناکی کا اندازہ ہو سکے اور انسان اپنا انجام دیکھ لے۔ سائنس بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ یہ نظام ختم ہو جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾ اے انسان: تو اپنے رب تک پہنچنے کے لیے بہت مشقت کر رہا ہے۔ سو، تو، اس سے ملنے والا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ پس جس شخص کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۸﴾ تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾ اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾ اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا۔

وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گا۔

اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ بے شک وہ دنیا میں اپنے اہل میں بہت خوش تھا۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا۔

بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ کیوں نہیں: بے شک اس کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔

اعمال نامہ:

قیامت کے بعد انسان کے احوال کا ذکر ہے۔ انسان دنیا کے مراحل سے گذرتا ہے۔ پیدائش، بچپن، جوانی، اس دوران زندگی کے مسائل اور اعمال، پھر بڑھاپا، کمزوری اور آخر کار موت کے ذریعہ اس دنیا اور زندگی کو چھوڑ دیتا ہے۔ قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر، اللہ تعالی سے ملے گا۔ قیامت کو جن کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے ان کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اس کامیابی پر وہ خوش ہوں گے۔ ان کا حساب آسان ہوگا۔ یعنی اعمال کے بارے بازپرس نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے تھے کہ اللھم حاسبنی حسابا یسیرا "اے اللہ میرے پر حساب و کتاب لینا آسان کردے۔ جب حضرت عائشہ نے اس دعا کی تفسیر پوچھی، کہ حساب یسیر، (آسان حساب) کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالی اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرمادے گا۔ (مسند احمد)۔ اللہ تعالی کے انعام واکرام اس قدر ہیں کہ صرف اعمال کی بنیاد پر معافی اور جنت کا حصول بڑا مشکل ہے۔ اس لیے ہر وقت اس کے رحم و کرم کی امید اور درخواست کرنی چاہیے۔ اس خوشی کے موقعہ پر مومن، اپنے اہل و عیال یا دوست، جو اس وقت اس کے ساتھ ہوں گے، ان کے ساتھ اپنی خوشی کا اظہار کرے گا۔

جن افراد کو ان کا اعمال نامہ، پیچھے سے دیا جائے گا۔ یعنی سامنے سے نہیں دیا جائے گا۔ وہ افراد جہنم کے مستحق ہوں گے۔ وہ آگ میں جلنے کی سزا پائیں گے۔ اس خبر پر وہ اپنی موت طلب کریں گے کہ عذاب سے بچ جائیں۔ لیکن موت نہیں آئیے گی۔ بلکہ زندگی کو دوام ملے گا۔ یہ ان کے دائمی عذاب کا سبب ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں تصور کرتے تھے یا ہیں، کہ ان کو مرنے کے بعد نہ زندہ ہونا اور نہ ہی حساب و کتاب دینا ہے۔ اس لیے وہ اپنی خواہش پر چلتے رہے۔ اللہ کے احکام کا انکار کیا اور اس کے نتیجہ میں سزا پائیں گے۔ اللہ تعالی کا نظام بڑا وسیع ہے۔ انسان کی زندگی کا ہر مرحلہ اور ہر کام دیکھا اور محفوظ کیا جاتا ہے اور یہی ریکارڈ انسان کے جنت و دوزخ میں جانے کا سبب بنے گا۔ اس اہم نکتہ کو انسان اپنی زندگی میں بھول جاتا ہے اور یوم آخرت میں سزا پاتا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ اور (قسم) رات کی اور اس کی جو کچھ، وہ سمیٹتی ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ اور (قسم) چاند کی جو وہ پورا ہو جاتا ہے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ تم سب ضرور ایک منزل سے دوسری منزل (حالت) کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ پھر ان (کافروں) کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے؟

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔ (آیت سجدۃ)۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ کافر تو **الٹا** جھٹلاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور اللہ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (سینوں میں) چھپاتے ہیں۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ تو آپ! انہیں دردناک عذاب کی خبر دیجیے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

شفق:

یہ حساب و کتاب کی تاکید کے لیے، اللہ تعالیٰ نے واضح موجودات یعنی شفق کی قسم کھائی ہے، جو ہر انسان کے سامنے موجود ہے۔ رات کو جب اندھیرا چھانے لگے۔ شفق، اس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد سفیدی آتی ہے۔ سفیدی کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے اور رات شروع ہو جاتی ہے۔ عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ فقہاء کرام کے نزدیک سرخی کے بعد عشاء شروع ہو جاتی ہے۔ یہی منظر صبح صادق کے بعد دہرایا جاتا ہے۔

جب سورج غروب ہو جاتا ہے اور سطح زمین (ظاہری سطح) سے نیچے چلا جاتا ہے۔ سورج کی شعائیں فضا میں پھیلتی ہیں۔ (براہ راست غائب ہونے کی وجہ سے زمین پر نہیں لگتیں)۔ اس طرح سرخ فضا ہو جاتی ہے اور جس طرح سورج کا فاصلہ یا زاویہ بڑھتا ہے۔ اس طرح یہ سرخی کم ہو کر سفیدی اور پھر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ (TWILIGHT) پھر رات پھیل جاتی ہے۔ رات اپنے اندر، فضاء و زمین کو سمیٹ لیتی ہے۔ پرندے،

حیوانات، انسان سب آرام کرتے ہیں۔ پھر اندھیری رات کو چاند منور کر دیتا ہے۔ چاند، کا اپنا ایک خاص مدار ہے، جو اپنے زاویہ پر چلنے کی وجہ سے سورج کی شعاعوں سے کبھی تھوڑا اور کبھی زیادہ حصہ لیتا ہے اور مختلف دنوں میں گھٹتا بڑھتا نظر آتا ہے۔ اور مہینہ کے درمیان تیرہ سے سولہ تک ، پورا روشن ہوتا ہے۔ یہاں اس پورے چاند کا ذکر ہے۔ جو رات کو منور کر دیتا ہے۔ **تسق** ،کے معنی کسی چیز کا مکمل ہونا، یعنی جب پورا گول چاند روشن ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کا کمال اور نظام ہے۔

زندگی میں مراحل:

چاند کی کیفیت (کمی وزیادتی، عروج) کے بعد انسانی کیفیات وحالات کا ذکر ہے۔ انسان اپنی زندگی میں مختلف منزلیں طے کرتا ہے۔ قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت ہے، کہ اس کے کئی معانی مراد ہیں۔ طبعی طور پر بچپن، جوانی، بڑھاپا، پھر زندگی کا مرحلہ، حساب وکتاب کا مرحلہ اور پھر اس کے نتیجہ میں جنت یا دوزخ کا مرحلہ ہے۔ قیامت وحساب وکتاب کے دوران بھی مرحلے ہو سکتے ہیں۔

ان تمام حقائق وواقعات کے بعد آگاہ کیا جارہا ہے کہ انسان، کیوں اللہ پر ایمان نہیں لاتا۔ قرآن مجید کو نہیں مانتا، اس پر غور نہیں کرتا، اور اللہ کے احکام کے مطابق سجدہ وبندگی نہیں کرتا۔ یہ احکام اس وقت کفار مکہ اور آجکل کے منکرین خدا، دہریوں ، کے لیے ہیں۔ انسان (کافر ،) قرآن واسلام ،پر ایمان لانے کے بجائے جھٹلاتے ہیں۔ ان کے تمام خیالات، ارادوں اور اعمال سے اللہ تعالی باخبر ہیں۔ ان کے یہ اعمال عذاب کے لیے بشارت ہیں، کیونکہ ان اعمال کے بدلے ان کو عذاب ملے گا۔

اس کے مقابل جو لوگ اللہ اور قرآن مجید نبی ﷺ پر ایمان لائے اور ساتھ نیک اعمال کیے ،(نیک اعمال کی شرط ہے)۔ ان کو ان کے اعمال کی جزا ملے گی۔ جو بہت زیادہ اور بے حساب ہو گی۔ وہ جنت الفردوس میں آرام وعیش کی زندگی بسر کریں گے۔ ایمان کے ساتھ ہمیشہ نیک اور صالح اعمال کا ذکر ہوتا ہے۔ جس کا مقصد انسانوں (مسلمانوں) کو عمل کی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے۔

85- سورۃالبروج

تعارف:

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ البروج ،سے ماخوذ ہے۔ **والسماء ذات البروج**۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی، جب مسلمانوں پر کفار مکہ کے مظالم عروج پر تھے۔اس میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ سورت الانفطار،الانشقاق،البروج،الطارق میں آسمان کا ذکر ہے۔آسمان،ستاروں،چاند،سورج، کا ذکر کئی بار کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالی کے نظام اور اسکی قوت،کاانسان کو ادراک ہو سکے۔

سورت کا ترتیب نزول سے نمبر 87 ،ستاسی ہے۔اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے (پچاسی) 85 ہے۔اس میں (بائیس) 22 آیات اور ایک رکوع ہے۔

سورت میں قیامت کے وقوع کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ان مومنین کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے دین کے لیے جان دے دی۔اصحاب الاخدود، کا ذکر ہے کہ کس طرح ان پر آزمائش پڑی اور اہل کفر، ظلم وستم کرتے رہے۔ کفار کو عذاب کی وعید دی گئی ہے۔اللہ کی قوت کا اظہار ہے کہ وہ، بڑے بڑے بادشاہ، جنہوں نے احکام خداوندی سے انکار کیا،(فرعون،نمرود) وہ سب ہلاک ہوئے۔

مومنین کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔

سورت کی فضیلت میں روایت ہے، کہ نبی ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں سورت البروج اور الطارق پڑھتے تھے۔(ترمذی)۔کائنات میں آسمان،ستاروں،سورج کے ذکر سے انسان کی،اس کے خالق کی طرف توجہ مبذول کرنا مقصود ہے اور اس کی قوت وطاقت کا اعتراف کرانا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾ بروجوں والے آسمان کی قسم۔ ----

وَ الۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ﴿۲﴾ اور اس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

وَ شَاہِدٍ وَّ مَشۡہُوۡدٍ ؕ﴿۳﴾ اور (اس دن) حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی۔

بروج، برج کی جمع ہے،اونچی جگہ یا قلعہ کو کہتے ہیں۔ یہ ستاروں کے مقامات، یا منزلیں ہیں۔جو بڑی واضح ہوتی ہیں اوران کی وجہ سے ان کی قسم کھائی گئی ہے۔اللہ تعالی کی کائنات میں وجود،انتظام اور قدرت کی دلیل ہیں۔

بروج:

اللہ تعالی ، کے نظام میں سورج اور زمین کے چکر کی مدت بارہ ماہ ہے۔ سورج ، اور زمین، کے محور کے ، بارہ ماہ میں، ماہرین فلکیات نے بارہ بروج بنانے ہیں اور ہر مہینے کے دوران ستاروں کی شکل جو آسمان پر سورج کے راستے میں نظر آتی ہے۔اس کانام دے دیا گیاہے جوکہ عربی اور انگلش میں ہیں ۔

۔اپریل **الحمل** ARIGS_ ۲۔ مئی الاثور_TAURUS_ ۳۔جون **الجوزاء** GEMINIS ۴۔جولائی **السرطان**CANCER ۵۔اگست**الاسد** LEO

۶۔ ستمبر **السنبلہ** VIRGO، ۷۔اکتوبر **المیزان** LIBRA، ۸۔ نومبر **العقرب**SCORPRO_ ۹۔دسمبر **القوس** SAGITTARIUS ۱۰۔ جنوری **الجدی** CAPRICORN ۱۱۔ فروری **الدلو**AQUARIUS ۱۲۔مارچ**الحوت** PISCGS۔

جدید فلکیات میں مکمل دائرے کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ، تیس درجے کے ایک حصے کو ایک زون یا برج کہتے ہیں ۔اس کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے،جب رات اور دن تقریبا برابر ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ موسم بہاراور خزاں میں ہوتاہے۔اس لیے موسم بہار سے اس کی ابتداء کی جاتی ہے۔اس، دائرہ کے حصہ میں جو شکل واضح نظر آتی ہے، وہی اس برج کا نام دیا گیا ہے۔ جو پرانے زمانہ،(یونان)سے آرہاہے۔ موسم بدلتے ہیں۔سورج اور زمین کا، زاویہ بدلتاہے۔آسمان پر بھی راستہ میں زاویہ بدلتاہے۔اس لیے بہت سارے انسانوں نے ستاروں کے اثرات کوثابت کیا ہے۔ اسلام میں ستارے اثرات رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہر مخلوق اہم ہے۔ لیکن اللہ تعالی کے احکام کے تابع ہے۔ وہ ایک سبب(ذریعہ) ہیں ، جس طرح بادل، ہوا، سورج، روشنی، عوامل کائنات ہیں اور اللہ تعالی کے اعلی نظام کائنات کی دلیل ہیں۔ بعض مفسرین نے اس سے چاند کی منازل مراد لی ہیں۔انسانی معلومات ابھی تک چاند، مریخ تک ہی محدود ہیں۔ باقی معلومات ریڈیو سگنل کی تشریحات ہیں، جو وقت کے ساتھ اور بہتر معلومات کے ساتھ بدلتی رہیں گی۔

قسم کا دوسرا حصہ وعدہ کا دن ہے۔ یہ قیامت کا دن ہے۔ جس طرح کی احادیث مبارکہ میں ذکر ہے۔ جس کا اللہ تعالی نے وعدہ فرمایاہے۔ زمین سے متعلقہ کائنات ختم ہو جائے گی۔ انسان کے حساب وکتاب کا دن ہو گا۔ حاضر ہونے والا(شاہد)اور حاضر کیے گئے(مشہود)کی توضیحات میں مختلف آراء ہیں۔ایک روایت کے مطابق،یوم جمعہ ہے۔ اوریوم عرفہ ہے۔ جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں ،اور جمعہ کو اعمال پیش ہوتے ہیں۔اس لیے نبی ﷺ نے، بروز جمعہ کو

درود کثرت سے پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ایک اور تفسیر، یوم قیامت ہے، قیامت کا وقوع بھی جمعہ کو ہوگا۔ جس دن تمام لوگ حاضر ہوں گے اور ان کے اعمال بھی حاضر کیے جائیں گے۔ جس کا ذکر پہلے یوم موعود (وعدہ کے دن) کے ساتھ کیا گیا ہے۔اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ تفسیر زیادہ موزوں ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ﴿۴﴾ خند قوں والے ہلاک کر دیے گئے۔

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ﴿۵﴾ ایندھن والی آگ (ان خند قوں میں)۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾ جبکہ وہ ان خند قوں (کے کناروں) پر بیٹھے تھے۔

وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾ اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔

وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾ اور انہیں ان مومنوں کا، یہی برا معلوم ہوا، کہ وہ اللہ بڑا غالب اور بہت قابل تعریف ہے پر ایمان لائے تھے۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ﴿۹﴾ جس (اللہ) کی آسمانوں اور زمین پر بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ؕ﴿۱۰﴾ بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے توبہ نہ کی، تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور آگ میں جلنے کا عذاب ہے۔

واقعہ الاصحاب الاخدود:

آیات میں ''اصحاب الا خدود'' خند قوں والے، اصحاب کا ذکر ہے۔اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق، یہ نجران کے علاقہ میں بادشاہ تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق، یہ فارس کے علاقہ کا بادشاہ تھا اور ایک کے مطابق، یہ شام کے علاقہ کا بادشاہ تھا۔ جو واقعہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے وہ مختصر یوں ہے۔ پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ وہ خدائی کا دعوی دار تھا۔اس کا ایک جادو گر تھا۔ جب جادو گر بوڑھا ہو گیا، تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ذہین لڑکا دو، جسے میں یہ علم (سحر) سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا، اس کے سپرد کر دیا۔ جادو گر کے راستے میں ایک راہب (مذہبی نیک آدمی) رہتا تھا۔ یہ لڑکا، جادو گر کی طرف آتے جاتے، راہب کے پاس بیٹھتا، اور اس کی باتیں سنتا۔اس کی باتیں اسے پسند آ گئیں۔ جادو گر، اگر اسے دیر سے آنے پر غصہ ہوتا، تو وہ

گھر کا بہانہ کرتا اور گھر والے ،اگر دیر سے آنے کے بارے میں پوچھتے، تو جادو گر کا ذکر کرتا۔ اس طرح وہ اپنا وقت راہب کے پاس بھی گزارتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہااور لڑکا دونوں سے علم سیکھتا رہا۔ ایک دن لڑکا، جادو گر کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں کسی خطرناک جانور (شیر یا سانپ) نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ آج میں معلوم کرتا ہوں کہ جادو گر صحیح ہے یا راہب۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا: اے اللہ: اگر راہب کا معاملہ، تیرے نزدیک جادو گر کے معاملہ سے زیادہ صحیح ہے۔ اور پسندیدہ ہے، تو اس جانور کو مار دے (میرے پتھر کے ساتھ) ،تاکہ لوگ راستہ استعمال کر سکیں۔ یہ دعا کر کے اس نے پتھر مارا اور جانور مر گیا۔ لوگ گزرنے لگے۔ اس نے جا کر راہب کو اس واقعہ کی خبر دی۔ راہب نے کہا: بیٹے تم اب کمال کو پہنچ گئے ہو اور تمہاری آزمائش شروع ہونے والی ہے۔ اس آزمائش کے دور میں میرا نام ظاہر نہ کرنا۔ یہ لڑکا، مادر زاد اندھے، برص کے مریض، ٹھیک کرتا اور لوگوں کی تمام بیماریوں کا علاج کرتا۔ بادشاہ کا ایک ساتھی اندھا تھا، وہ اس کے پاس آیا اور کہا کہ اگر اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں تو وہ تحفے تحائف دے گا۔ لڑکے نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، بلکہ اللہ تعالی دیتا ہے۔ میں تو صرف دعا کرتا ہوں۔ اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ تو میں دعا کروں گا اور اللہ تمہیں شفا دے گا۔ وہ مصاحب (ساتھی) ایمان لے آیا۔ لڑکے نے دعا کی اور اس کی بینائی **(نظر)** واپس صحیح ہو گئی۔ بادشاہ کا ساتھی بادشاہ کے پاس گیا۔ اس نے اس کی بینائی (بصارت) کے واپس آنے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا میرے اللہ، نے اور سارا واقعہ سنایا۔ بادشاہ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ تم اتنے بڑے جادو گر بن گئے ہو، کہ لوگوں کو شفا دیتے ہو۔ اس نے کہا میں شفا نہیں دیتا، میرا اللہ دیتا ہے۔ اس نے لڑکے کو گرفتار کر لیا اور اسے تکلیفیں دینی شروع کر دیں۔ آخر کار اس نے راہب کے بارے میں بتایا۔ راہب کو پکڑ کر لایا گیا۔ بادشاہ نے اسے کہا، کہ اس کا خدا کون ہے؟ اس نے کہا۔ اللہ۔ بادشاہ نے اسے کہا، کہ وہ اپنے دین سے واپس آجائے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا، کہ اس کو آرے کے ذریعہ چیر دیا جائے۔ اس کو چیر دیا گیا۔ بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ لڑکے کو لے جا کر ایک پہاڑ یا چٹان سے نیچے گرا دیا جائے۔ سپاہی اسے پہاڑ پر لے گئے۔ اس نے دعا کی اور زلزلہ آگیا، وہ لوگ مر گئے۔ لڑکا واپس بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے پھر کچھ افراد کو کہا، کہ اسے کشتی میں لے جا کر سمندر میں گرا دیا جائے، تاکہ مر جائے۔ وہ اسے سمندر میں کشتی میں لے گئے۔ لڑکے نے دعا کی اور کشتی الٹ گئی وہ سب مر گئے۔ اور لڑکا بچ گیا اور واپس پہنچ گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا، اگر وہ اسے قتل کرنا چاہتا ہے، تو لوگوں کو اکٹھا کرو۔ میرے ترکش سے ایک تیر نکالو اور میرے اللہ **(اس لڑکے کے رب)** کا نام لے کر، **اسے یعنی مجھے** مارو، اس طرح میں مر سکتا ہوں۔ بادشاہ نے اسی طرح کیا۔ لڑکے کو لگا اور وہ مر گیا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا، تو وہ سب اللہ تعالی پر ایمان لے آئے اور بادشاہ اس سے مزید پریشان ہو گیا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ، وہ اپنے نئے دین سے

واپس پرانے مذہب پر آجائیں۔اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ خندقیں کھودیں اور ان میں آگ جلائیں اور لوگوں کو کہیں اگر وہ بچنا چاہتے ہیں تو اپنے مذہب سے واپس آجائیں، ورنہ ان کو آگ میں جلادیا جائے گا۔ جن لوگوں نے بادشاہ یا پرانے مذہب سے انکار کیا،ان کو خندقوں میں جلادیا گیا۔ایک عورت آئی اس کے پاس ایک چھوٹا سا بچہ اٹھایا ہوا تھا۔وہ ذرا ہچکچائی تو بچے نے کہاماں صبر کر تو حق پر ہے۔(صحیح مسلم)۔

جن لوگوں نے ظلم کیا تھا یا اہل ایمان پر اب ظلم کر رہے ہیں، وہ سب اس گناہ کا عذاب بھگتیں گے۔اللہ تعالی جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ برے اعمال والوں کو سزا دے گا،وہ بھی آگ میں جلنا ہو گا۔لہذا ظلم سے باز آجائیں اور اللہ کے احکام کو مانیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡکَبِیۡرُ ؕ﴿۱۱﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے،ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۱۲﴾ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

اِنَّہٗ ہُوَ یُبۡدِئُ وَ یُعِیۡدُ ۚ﴿۱۳﴾ بے شک وہی (پہلی بار) پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

وَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ۙ﴿۱۴﴾ اور وہ بڑا بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے۔

ذُو الۡعَرۡشِ الۡمَجِیۡدُ ۙ﴿۱۵﴾ وہ عرش کا مالک اونچی شان والا ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ؕ﴿۱۶﴾ جو چاہے وہی کر گزرتا ہے۔

عمل اور ایمان:

جن لوگوں نے اہل ایمان پر ظلم کیا تھا ،ان کی سزا آگ و جہنم کا عذاب ہو گا۔وہ(اللہ) انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔اللہ تعالی کی ذات بڑی قدرت و طاقت والی ہے۔اس لیے اس کی پکڑ یا سزا بہت سخت ہے۔وہ کائنات کا مالک اونچی شان والا ہے۔ عرش سے مراد بادشاہ کا تخت، یعنی عظمت و قوت ہے۔جو چاہے وہی کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔اپنی مخلوق سے انتہائی محبت کرنے والا ہے۔(ابوداؤد)۔گناہوں اور خطاؤں کو بخشنے والا ہے۔جو تمام کائنات کو پیدا کر سکتا ہے،اس کے لیے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔انسان زندہ ہو کر اپنے عمل کا حساب دے گا۔لہذا ہر عمل سے پہلے سوچنا ضروری ہے۔جو اس کے احکام مانتے ہیں،ان کے لیے انعام ہیں۔جنت میں عالیشان محلات ہیں۔ جن میں نہریں بہتی ہیں۔اور ہر نعمت و آرام میسر ہے۔اس کا حصول،انسان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔اس کا واحد ذریعہ اللہ کی وحدانیت، عظمت پر ایمان، پھر اس کے ساتھ اعمال صالحہ ہیں۔ہمیشہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ،کا

ذکران کی اہمیت کے لیے ہے۔اور جولوگ عمل کے بغیر توقع کرتے ہیں۔وہ اس لیے غلط ہیں کہ :۔ا۔اللہ کی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر دفعہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہے۔ ۲۔اللہ کے عدل کو نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ وہ عادل ہے۔ ۳۔ مظلوم کی دادرسی کو اللہ تعالیٰ نے اہمیت دی ہے، اس سے بے پرواہی کرتے ہیں۔ان امور کے لحاظ سے بہت ضروری ہے۔ شیطان کی ایک چال کہ ،اللہ بخش دے گا،اعمال کی ضرورت نہیں،وہ بہت کریم ہے،اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔اعمال صالحہ کے ساتھ اس کی رحمت وعنایت کی امید ضروری ہے، کیونکہ اس کے انعامات بے شمار ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا،والی صورت بن جاتی ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟

فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ فرعون اور ثمود کی۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ بلکہ کفار (کافر) تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ اور اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ بلکہ یہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)۔

مسلمانوں، پر ابتلاً کا زمانہ تھا۔اصحاب الاخدود کے واقعہ سے حق کی راہ میں مشکلات سے آگاہ کر دیا گیا۔ کفار مکہ کو بھی مطلع کیا جارہا ہے، کہ بڑے بڑے لشکروں اور طاقت والے، اللہ کے احکام کے انکار پر ختم ہو گئے۔ جس میں فرعون جو بڑا ظالم اور قوت والا بادشاہ تھا۔ڈوب کر مر گیا۔اسی طرح قوم ثمود،اپنے اعمال کی بناء پر، تباہ ہو گئی۔اہل مکہ کو ان کی مخالفت پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر مخالفت نہ چھوڑی تو ان کا انجام بھی برا ہو گا۔وہ قرآن اور صاحب قرآن کا جھٹلانے پر لگے ہوئے ہیں۔اللہ کی طاقت کے مقابلے میں ان کی کیا حیثیت ہے۔اس لیے حق کو مانیں اور اپنے کو عذاب سے بچائیں۔

قرآن مجید کا ذکر ہے، کہ بڑی عظمت والا کلام ہے۔ خالق کائنات کا کلام ہے۔اس کی حفاظت پوری پوری کی گئی ہے۔ یہ محفوظ ہے،اس میں کوئی گڑ بڑ، شیطان یا جن نہیں کر سکتے۔ یہ مسلمانوں کے پاس بھی محفوظ ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے لوح محفوظ، جہاں ساری کائنات کے بارے میں احکامات، معلومات، منصوبہ بندی، محفوظ ہے، وہاں پر محفوظ ہے۔اس میں کوئی انحراف یا تبدیلی نہیں کر سکتا ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔اہل مکہ کو اس کو قبول کر لینا چاہیے تا کہ عذاب سے بچ جائیں۔

86- سورۃالطارق

تعارف:

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ "الطارق" سے ماخوذ ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ مضامین کا انداز ابتدائی سورتوں کی طرح ہے۔

سورت میں سترہ آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر چھیاسی 86 اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر چھتیس 36 ہے۔

ان سورتوں میں ،جو آسمان سے متعلق ہیں، سب میں ایک اہم پیغام ہے۔ وہ اس کائنات، جس کے بڑے دلائل آسمان میں نظر آتے ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، شہاب ثاقب، کہکشاں، سب، اللہ تعالی، یعنی ان اجرام فلکی کے پیدا کرنے والے کی طرف اشارے کر رہے ہیں۔ اور اگر انسان غور وخوص کرے، تو یہ سارا نظام جس میں ستارے ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے، اربوں کی تعداد میں سب ایک مدار اور ایک خاص رفتار ایک خاص زاویہ سے سفر کر رہے ہیں۔ یہ خالق کی عظمت، قوت کی دلیل ہے۔ لہذا قیامت کا وقوع ایک یقینی امر ہے، جو خالق کائنات کے متعین کردہ وقت پر ہوگا۔

انسان کو اپنی ذات پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ کس طرح پیدا ہوا (چند مائع کے ذرات سے)۔ حمل، پھر اس میں جسم اور روح اور پھر زمین پر آمد، زندگی کے مراحل، جن میں اکثر کے بارے میں انسان کو پتہ بھی نہیں ہوتا اور موت آجاتی ہے۔ رزق، صحت، بیماری، کاروبار، اولاد، یہ سارے امور بے کار یا بغیر نظام کے نہیں، بلکہ سب ایک نظام کے تحت ہیں اور انسان ،ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کو ایک دن ان کا حساب دینا ہوگا۔ یہ زندگی مذاق نہیں بلکہ ایک اہم کام ہے۔

کفار کی چالیں، جو اللہ کے نبی اور اللہ کے احکام کے خلاف ہیں ،سب ختم ہو جائیں گی اور ان کو حق کا پتہ چل جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ قسم ہے آسمان کی اور رات کو ظاہر ہونے والے (ستارے) کی۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ اور تم کو کیا معلوم کہ رات کو ظاہر ہونے والا کیا ہے؟

النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔

اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ بے شک کوئی جان (نفس) ایسا نہیں جس پر کوئی نگہبان نہ ہو۔

ستارے اور دستک:

سورت کی ابتداء، آسمان اور ستاروں سے کی گئی ہے۔ الطارق، طروق سے ہے اور مطرقہ (ہتھوڑا)، اسی سے ہے۔ ہتھوڑا بھی مارتے ہیں اور اس کا معنی کھٹکھٹانا بھی ہے۔ طارق، رات کو آنے والے کو کہا جاتا ہے اور وہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ستاروں کو طارق اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ رات کو نمودار ہوتے ہیں اور سورج کی روشنی کی وجہ سے دن کو نظر نہیں آتے۔ اگلی آیت میں الطارق کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ رات کو ظاہر ہونے والا ہے اور بہت چمکنے والا ہے۔ ایک معنی بہت بلند ہے۔ (فرا)۔ یہ ستارہ بہت چمکدار اور بلند ہے۔ بعض نے اس سے مراد ستاروں کا مجموعہ لیا ہے۔ ثاقب کا معنی سوراخ کرنے والا بھی ہے۔ ستارے کی چمک اندھیرے میں سوراخ (روشنی) کر دیتی ہے۔

جدید تحقیقات، نے الطارق، کے لغوی معانی کی بھی تصدیق کر دی ہے۔ انسان (ناسا) نے 1977ء میں ایک سیارہ وائیجر اول اور وائیجر دوم، سورج کی مخالف سمت، میں خلا میں روانہ کیے۔ جن کے سگنلز ریکارڈ ہوتے ہیں۔ اور یہ سیارچے اپنی سمت میں چلے جا رہے ہیں۔ گذشتہ پینتالیس 45 سال سے یہ چل رہے ہیں۔ اندازے کے مطابق یہ ہمارے نظام شمسی کی حدود سے باہر نکل گئے ہیں۔ ان کے سگنلز زمین پر وصول ہونے میں، بیس 20 گھنٹے اور تنتیس 33 ,منٹ لگتے ہیں۔ جبکہ سگنلز، بجلی کی **ریڈیو** لہروں کی رفتار سے چلتے ہیں۔ ان سیاروں نے ستاروں سے آنے والی معلومات، سگنلز کو ہمنگ کی آواز یا دستک کی آواز کی تشبیہ دی ہے یا بارش کے قطرے جس طرح گرتے ہیں کی آواز ہے۔ دستک کی آواز زیادہ معلوم ہوتی ہے جو کہ لفظ "الطارق" کا معنی ہے۔ (یہ معلومات ستمبر 2022ء کی ہیں، جو کہ ناسا ادارہ نے شائع کی ہیں)۔

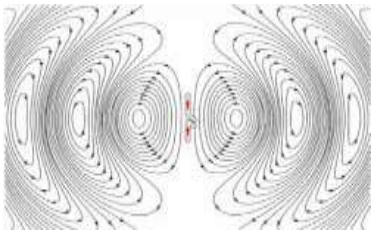

آواز کی لہریں

نگہبان:

ستاروں کے بعد جاندار مخلوق کا ذکر ہے، کہ ہر نفس کے لیے ،اللہ تعالی نے نگہبان مقرر کیے ہیں۔ یہ نگہبان کون ہیں؟ اس کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔البتہ قران و احادیث میں اس کی تفصیل کی طرف اشارے ہیں۔انسان کے ساتھ فرشتے مقرر ہو جاتے ہیں۔ جو اس کے تمام اعمال کو ریکارڈ کرتے ہیں اور آسمانوں پر اللہ تعالی کے مرکز معلومات (ڈیٹا بیس) کو بھیج دیتے ہیں۔ جس طرح ہم اپنے کسی ریڈیو، کیمرہ سے ویڈیو، ریکارڈ کر کے بھیج دیں اور وہ برقی (الیکٹرانک) سگنلز کے ذریعے اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ (مثال یو ٹیوب ،وٹس اپ)۔اللہ تعالی کا نظام، انسان کے نظام سے بہت بلند ہے۔ ایک اور احادیث کے مطابق ،انسان کی زندگی کے تمام مراحل ،اللہ تعالی کے نظام میں موجود ہیں۔اوران کے لیے اللہ تعالی نے اسباب پیدا کر دیے ہیں۔ یہ اسباب، انسان کی پیدائش، رزق، صحت، موت کے متعلق، بلکہ ہر جاندار کے بارے ہیں ۔ فرشتے ان اسباب کو منظم کرتے رہتے ہیں۔انسان کا دماغ، ایک کمپیوٹر کی مثال ہے، جس میں معلومات کو محفوظ کرنا، تجزیہ کرنا، فیصلہ کرنا، سارے پروسیس (مراحل) ہوتے ہیں۔ اس دماغ پر کنٹرول، انسان کے ساتھ اللہ تعالی کا بھی ہے۔ جس کا ذریعہ فرشتے ہیں۔اس کی ایک معمولی مثال، ہماری سمجھ کے لیے یوں ہے، کہ ہمارے کمپیوٹر یا **موبائیل فون** ،میں ایک ہارڈوئیر ہے ،جو کہ معلومات سٹور کرتا ہے۔(معلومات رکھتا ہے)۔اس کے ساتھ ایک قوت سافٹ وئیر ہے، جو اس کو استعمال کرتی ہے۔اس قوت کا کنٹرول، ہمارے علاوہ، اس سافٹ وئیر، بنانے والے کے پاس بھی ہوتا ہے اور وہ جب چاہے اپنے سافٹ وئیر کو روک سکتا ہے اور ہمارے ہارڈوئیر ،پر اثرانداز ہو سکتا ہے۔ یہ مثال محض سمجھانے کے لیے ہے۔اللہ تعالی کا نظام، ہمارے تحقیقات اور تصورات سے بہت بلند اور اعلی ہے۔اسی نظام کے تحت فرشتے ہر جاندار کو کنٹرول کرتے ہیں اور ہر جاندار کے اندر دماغ کی ایک قوت ہے اور سب سے زیادہ قوت انسان کے اندر ہے، جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات ہے۔ علم آلادم الاسماء کلھا ، (آدم کو تمام علوم یا آسماء سکھائے گئے)، کا اعزاز ملا ہے اور اسی کی وجہ سے انسان، زمین پر کنٹرول کرتا ہے۔

حدیث کے مطابق، انسان کا دل و دماغ، اللہ کے کنٹرول میں ہے اور جس طرح چاہے اسے پھیرتا ہے۔یعنی فرشتے، ہمارے خیالات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ فرشتوں کی طرح، طاقت اللہ تعالی نے شیطان اور جنات کو بھی دی ہے۔ وہ انسان کے جسم میں داخل اور اثرانداز ہو سکتے ہیں۔ جس طرح، الٹراساونڈ، لیزر، ایکس رے، ریڈیو ویوز، انسان کے جسم سے گذر جاتی ہیں۔جنات ، بھی ایک انرجی کی ایک صورت (آگ) سے پیدا ہوئے ہیں۔ فرشتے، انسان کو نیکی کی رغبت دیتے ہیں اور شیطان اور اسکے تابعدار، جنات، برائی کا سبب بنتے ہیں۔انسانی دماغ۔ ہر وقت حرکت میں رہتا ہے

،جبکہ جسم ،نیند کی حالت میں آرام کرتا ہے۔ دماغ صرف موت کی صورت میں کام یا **حرکت** بند کر دیتا ہے۔ یہ موجودات کے حقائق،انسان کواللہ تعالی کی ذات اور اس کی قوت، کو بذریعہ عقل و فہم جاننے کے لیے بتائے ہیں۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ چنانچہ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ اچھلنے والے پانی (مائع) سے پیدا کیا گیا ہے۔

يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان کے حصہ سے نکلتا ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ بے شک وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے (لوٹانے) پر قادر ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ جس دن ،راز ظاہر کر دیے جائیں گے۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ تو انسان کے پاس نہ کوئی قوت ہو گی اور نہ کوئی اس کا مددگار (ہو گا)۔

انسان کی پیدائش:

کائنات کے ذکر کے بعد انسان کی ذاتی زندگی کا تجزیہ کیا جارہا ہے۔ انسان کی اپنی ابتداء،اس کے والد اور والدہ کے جسم سے زور سے خارج ہونے والا مادہ منویہ (منی) سے ہوتی ہے۔ اور اس مادہ، کا کوئی ذرہ (**جرثومہ**) وائی (Y) کروموسوم اور ایکس(X) کروموسوم کی صورت میں ،مادہ رحم میں جا کر استقرار پکڑتا ہے۔ یہ جرثومہ، سفر کی ابتداء ہے، جو دوسروں جرثوموں میں سے چنا جاتا ہے، اور پہنچایا جاتا ہے۔ پھر اس کی درجہ بدرجہ ترقی اور نشوونما ہوتی ہے۔اب باقاعدہ ایک علم ہے۔ جس کا نام جنیٹک انجنیئر نگ رکھا گیا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کا تصور تک نہ تھا، لیکن قرآن مجید نے آیات میں اس عمل کا ذکر کر کے اس کی طرف انسان کو اشارہ کر دیا تھا۔ آج ساری تحقیقات قرآن مجید کے متعین کردہ حدود کے اندر جارہی ہیں۔ پھر انسان بن کر باہر نکلتا ہے۔اصل جرثومہ کا مادہ انسان کے وسطی حصہ یعنی سینہ سے لے کر سرین (ریڑھ کی ہڈی کی انتہا تک) سے نکلتا ہے۔ اگر طبّی سائنس سے جائزہ لیں، تو انسان کا نظام ہضم، نظام تنفس، نظام دوران خون اسی حصہ میں واقع ہے اور نظام اعصاب کی شاہراہ (ریڑھ کی لمبی ہڈی) ادھر سے گزرتی ہے۔ یہی حضرت حسن بصری کی رائے تھی۔ بعض مفسرین نے مردوں کے لیے پیٹھ اور عورتوں کے لیے سینہ کی رائے، انہی الفاظ کی بناء پر لی ہے۔ لیکن بہترین تفسیر، یہ دونوں حدود ہیں، جو مرد اور عورت میں مشترک ہیں اور توالد (اولاد) کے لیے بھی دونوں مشترک ہیں۔ اس کے بعد انسان، زمین پر قدم رکھتا ہے۔ اس کا بچپن، لڑکپن، جوانی، پختہ عمر اور بڑھاپا، گذرتا ہے۔ اس طویل عرصہ میں، وہ بڑی تبدیلیاں اور انجانے واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ نہ اس کی ولادت، نہ ہی اس کی موت، اس کے کنٹرول میں ہے۔ اسی طرح بہت سارے امور اس کے کنٹرول میں نہیں

ہوتے۔اس سے اہل عقل و فہم، جانتے ہیں کہ کوئی اور طاقت بھی وجود اور اثر رکھتی ہے، لیکن چھپی ہوئی ہے۔اس لیے لوگ اس کی طرف توجہ اور غور نہیں کرتے۔ یہ پیدائش کا ذکر تھا۔اب انسان کا وجود کئی سال رہنے کے بعد زمین سے بہت سارے وٹامن پروٹین (لحمیات) کاربوہائیڈریٹ اور فیٹس (تیل یادھنیات) کھانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور اس کا جسم اس مواد (زمین کے اندر) کا حصہ بن جاتا ہے، جس پر زمین مشتمل ہے۔ایک علمی (طبعیات) کا نظریہ ہے، کہ مادہ کو انرجی قوت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح انرجی، کو مادہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ جو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ سارا حادثہ تھا اور کسی نظام کا حصہ نہیں، اسکی اپنی سمجھ ہے۔ مثلا کوئی یہ کہے کہ کوئی ملک ایسے حادثہ سے بن گیا۔ بادشاہت سے جمہوریت آگئی۔ معاشی ترقی اور سماجی انصاف و ترقی کسی حادثہ کا نتیجہ تھی۔ کوئی شہر ، کسی حادثہ کی وجہ سے بن گیا۔ یہ ساری آراء ، عقل و فہم کے خلاف ہیں ۔ جس طرح، یہ سارے امور ایک نظام کے تحت ہوِئے ہیں۔اسی طرح انسان کا زمین پر وجود، بھی اللہ کے تخلیق کردہ نظام کا حصہ ہے۔

روح کا لوٹنا:

اس سفر کے اگلے مرحلہ کا آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ وہ دوبارہ روح (زندگی) کو لوٹانے پر قادر ہے۔ جس نے ایک جرثومہ سے پورا انسان بنایا ، پھر وہ ختم ہو گیا۔اس کے اجزاء مٹی میں مل گئے۔ پھر وہ ذات (اللہ تعالی) قوت رکھتی ہے کہ وہ ، دوبارہ ان اجزاء کو ملادے اور جسم کو لوٹادے، جس طرح وہ مادہ میں گھل (جذب ہو)گیا تھا، پھر جسم بن جایے جس طرح پانی سے برف اور برف سے پانی بن جاتا ہے۔اس عمل کو اس وقت کے انسان ،**کفار** نہیں مانتے تھے اور اب بھی، اللہ تعالی کو نہ ،ماننے والے نہیں مانتے۔ لیکن یہ ناممکن نہیں۔ ہر چیز اپنے سامنے دیکھی نہیں جا سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مادہ گیس سے مائع بن جاتا ہے۔اور مائع سے ٹھوس بن جاتا ہے۔انسان کا جسم تو ٹھوس سے ٹھوس صورت میں تبدیل ہو گا اور پھر یہی ٹھوس سے دوبارہ ٹھوس شکل اختیار کرے گا۔ صرف شکل کا اختلاف ہوتا ہے۔(جسم کے اجزأ کا بکھرنا اور پھر مکمل شکل میں ظاہر ہو گا)۔

یہ ، دوبارہ زندگی کا واقع کب ہو گا ؟ اس کے بارے میں اطلاع دی گئی، کہ یہ ایک دن معین ہے۔اس دن لوگوں کے اسرار (**راز**) ظاہر ہو جائیں گے۔اس کی تفصیل یوں ہے، کہ انسان دنیا میں اعمال کرتا ہے۔ کئی اعمال اس کے لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ان کو ظاہری عمل کہتے ہیں۔ کئی عمل ، وہ چھپ کر کرتا ہے۔ جس کو صرف ایک دو لوگ یا کوئی اور نہیں جانتا، وہ راز ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن جب انسان دوبارہ اٹھے ہو گا۔تو اس کا اعمال نامہ، جو فرشتے دنیا میں ریکارڈ کرتے ہیں۔ اس کو تھما دیا جائے گا۔اور اس کے اعمال جو ظاہر میں ہوتے یا چھپ کر ہوتے

ہیں، سب ظاہر ہو جائیں گے۔ان اعمال کے اثرات،اس انسان کی زندگی اور اس کے بعد والی زندگی پر،جو پڑے ہیں ،وہ بھی ظاہر کر دیے جائیں گے۔اوران اعمال کی بناءپر،اس کو انعام یا سزادی جائے گی۔

یہ دن قیامت کا ہوگا۔اس دن،دنیامیں بڑی قوت وطاقت والے بھی انتہائی کمزور ہوں گے اور کمزور انسان بھی۔ (سب برابر ہوں گے)۔سارے انسان، جس طرح،ولادت اور وفات،پر **جسم میں** سب برابر ہوتے ہیں،اس دن بھی سب برابر ہوں گے۔نیک اعمال والوں کا حساب آسان اور برے اعمال والوں کے لیے حساب سخت اور سزا ہو گی۔

برے اعمال کرنے والوں یا اچھے اعمال کرنے والوں (تمام انسانوں) کی اپنی کوئی قوت نہیں ہو گی۔اور نہ کوئی کائنات کی قوت مدد کر سکے گی۔تمام امور اللہ تعالی کے کنٹرول میں ہوں گے اور اس کی اجازت سے سب امور واقع ہوں گے۔

قیامت اور حساب وکتاب کا عقیدہ و نظریہ بہت اہم ہے۔انسان کے دنیا کے کردار میں ایک کلیدی محرک ہے جو بھلائی کی طرف ترغیب اور برائی سے روکتا ہے۔قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کا کئی بار ذکر اور وضاحت آئی ہے تاکہ انسان کا ایمان پختہ اور یقین کامل ہو،جو انکار کرتے ہیں،ان کے لیے یہ عقلی دلائل ہیں۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی۔

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اور پھٹنے (اگانے) والی زمین کی۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ بے شک یہ (قرآن) یقینا فیصلہ کرنے والا/حق و باطل کے **درمیان** کلام ہے۔

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ بے شک وہ (کافر) منصوبے بناتے ہیں۔

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ اور میرے بھی منصوبے ہیں۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ پس آپ **اے نبی** ان کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں انہیں تھوڑی مہلت دے دیں۔

قول فیصل:

انسان کے وجود کے بعد انسان کی زندگی کی سب سے اہم ضرورت، غذا کے وجود واسباب کا ذکر ہے۔الرجع، رجوع سے ہے۔جس کے معنی پلٹنا ہے۔آسمان سے بار بار پلٹنے والی اہم چیز بارش ہے۔اس لیے عرب رجوع سے مراد بارش لیتے ہیں۔آسمان پر بادل پھرتے ہیں۔اب بھی فضا ہر وقت،ساٹھ فیصد، بادلوں سے بھری رہتی ہے۔یہ بادل

بارش برساتے ہیں۔ بارش کا لوٹنا،اس طرح ہے کہ پانی سے بخارات،ان سے بادل اور پھر بارش سے پانی برستا ہے۔ بارش سے پانی میسر آتا ہے ،جو غذا اور زندگی کے لیے ضروری ہے۔اس کے ساتھ زمین کی اجناس اور پودے پیدا کرنے کی صلاحیت بڑی اہم ہے۔ بارش سے نمی میسر ہوتی ہے۔اور اس سے اجناس (**غذا**) پیدا ہوتی ہے۔ جسے انسان کھا کر زندہ رہتے ہیں۔زمین کی سطح پر جب بیج سے پودا نکلتا ہے ،تو پھٹ جاتی ہے۔ اسی عمل اور بارش کی قسم کھائی گئی ہے۔اس قسم کا جواب "قرآن مجید" ہے۔جس میں انسان کی ہدایت کا پیغام ہے۔

یہ قرآن ایسا کلام ہے جس میں حق بیان ہے۔ واقعات ،سچے ، دلائل مضبوط اور صحیح ہیں۔ نصائح اور ہدایات،انسانی مزاج و نفسیات کے مطابق ہیں۔اللہ تعالی کی صفات، حساب و کتاب، قیامت، جنت و دوزخ، فرشتے اور جنات ،کائنات کا وجود،اللہ تعالی، کی قدرت و طاقت، نظام کائنات و حیات، معلومات اور مواد، جس کا مرکز لوح محفوظ ہے۔ سب حقائق اور صحیح ہیں۔ یہ سارے واقعات، دلائل، وجود کائنات، ستارے، آسمان، انسانی وجود، کوئی کھیل یا تماشہ نہیں بلکہ ، بامقصد اور منصوبہ کے ساتھ پیدا کیے اور کام کر رہے ہیں۔اور ان کا انجام بھی اس منصوبہ کے تحت ہو گا۔ یہ پیغام جہاں کفار مکہ کے لیے تھا، وہاں آج ان سب انسانوں کے لیے ہے ،جو غیر مسلم یا خدا کے منکر ہیں،تاکہ عذاب سے اپنے کو بچائیں۔

قرآن مجید، کی عظمت کے بارے ،حدیث مبارکہ جس کے راوی حضرت علی ہیں، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ سے سنا کہ عنقریب فتنہ پیدا ہو گا، میں نے عرض کی،اس سے نکلنے (بچنے) کا کیا طریقہ ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ۔ جس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں۔اور تمہارے بعد والی کی باتیں ہیں اور تمہارے درمیاں فیصلے ہیں۔ **کتاب** حق ہے اور کوئی فضول نہیں، جس حکمران نے اس کو چھوڑا، وہ ٹوٹ جائے گا ، اور جس نے اس کے علاوہ ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی وہ گمراہ ہو گا۔(ترمذی/دارمی)۔

قریش مکہ ،اسلام کو روکنے کے لیے، زبردست کوشش کر رہے تھے۔ ظلم کا بازار گرم تھا۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار کی ساری منصوبہ بندی ناکام ہو گی۔ جس قدر چاہیں، وہ کوشش کر لیں۔اللہ تعالی کا نظام ہے اور اس نے حق کو فتح دینی ہے۔آپ صرف کچھ عرصہ صبر کریں اور ان کو مہلت دیں۔ مہلت کا لفظ فرما کر کامیابی پر یقین کا اعلان کر دیا ہے۔لوگوں نے دیکھا کہ چند سال بعد کفار مکہ نے بدر میں شکست کھائی اور اس کے چند سال بعد مکہ، بغیر کسی لڑائی کے فتح ہو گیا۔

87- سورۃالاعلی

تعارف:

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں "اعلی" سے ماخوذ ہے۔جو کہ "سبح اسم ربک الاعلی" ہے۔یعنی آپ کے رب کا نام، ہر نقص، ہر عیب سے پاک ہے اور ہر حسن و کمال سے متصف ہے۔ مضامین کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت ابتدائی ایام (زمانہ) میں نازل ہوئی ہے۔ سورت مکی ہے۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا سورت نمبر آٹھ،(8)اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے ستاسی(87) ہے۔اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے۔ سورت کا موضوع توحید ہے۔اور اللہ تعالی کی ذات کی عظمت کا احساس دلوایا گیا ہے۔ حکم ہے کہ اس کی ذات کو ایسے نام سے یاد نہ کیا جائے جو اس کی شان کے شایان نہ ہوں۔ کسی کمزوری یا نقص یا مخلوقات سے تشبیہ کا کوئی پہلو رکھتا ہو۔اکثر فاسد عقائد کا محرک،اللہ تعالی کی ذات کے بارے میں غلط تصور یا نام ہیں،اس لیے آسمائے حسنی سے پکارا جائے،جو موزوں و مناسب ہیں۔ان کا قرآن مجید واحادیث میں ذکر ہے۔

سورت کی فضیلت میں امام احمد،امام بزاز اور امام ابن مردودیہ،نے حضرت علی سے روایت کی کہ نبی ﷺ سورت "سبح اسم ربک الاعلی" سے محبت کرتے تھے۔(مسند احمد)۔ جابر بن سمرہ،نے روایت کیا ہے،کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلی" پڑھا کرتے تھے۔(صحیح المسلم) ۔ایک اور روایت کے مطابق،ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل نے سورت البقرہ، نماز مغرب میں تلاوت کی، تو نبی ﷺ نے انہیں تاکید کی، کہ سورت "سبح ،والشمس وضحاھا،اور والسماء والطارق" تلاوت کیا کریں۔تم لوگوں کو فتنہ (تکلیف)میں ڈال رہے ہو۔ ہم لوگوں کو آسانی دینے کے لیے آئے ہیں۔تکلیف دے کر دین سے متنفر کرنے کے لیے نہیں ایئے۔(مقصد یہ تھا کہ امام کو،اپنے مقتدی حضرات کا احساس رکھنا چاہیے، کہ کہیں قرات (قران کی تلاوت) ان کے لیے مشکل نہ بن جائے)۔(نسائی)۔

کائنات میں اللہ تعالی کی تدبیر اور نظام، تناسب اور توازن کا ذکر ہے۔ مخلوق کے لیے رزق کا نظام پیدا کیا۔ زمین سے نباتات وغذا حاصل ہوتی ہے۔

نبی ﷺ کو تسلی دلائی ہے کہ قرآن آپ کو ،یاد اور محفوظ کرا دیا جائے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اگر ہم بھلانا چاہیں، تو بھلا دیں گے۔ سارے امور اللہ تعالی کے کنٹرول میں ہیں۔

تبلیغ کے لیے آپ کو تسلی دی کہ پیغام پہنچانا، آپ کا کام ہے اور قبول کرنے والا، اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کا خود ذمہ دار ہے۔ جو قبول کریں گے وہ کامیاب اور خوش نصیب ہوں گے۔ **عذاب سے بچ جائیں گے**۔ اور جو ردّ کریں گے وہ بدبخت ہوں گے۔

قرآن مجید کا پیغام کوئی نیا نہیں۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں بھی ایسا ہی پیغام ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیں جو سب سے بلند ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۲﴾ جس نے **سب کو** پیدا کیا اور درست (متناسب) کیا۔

وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪ۙ﴿۳﴾ جس نے صحیح اندازہ کیا اور ہدایت (راہنمائی) کی۔

وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ﴿۴﴾ اور جس نے نباتات اگائیں۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ﴿۵﴾ پھر اسے خشک اور سیاہ کوڑا، (ناقابل استعمال) کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بلند ہے۔ اس کے نام بھی اسی طرح بلند اور قابل احترام ہیں۔ وہی نام پکارنے ضروری ہیں، جن میں کمال ظاہر و ثابت ہو اور کوئی کمی و نقص کا احتمال یا امکان نہ ہو۔ صحیح ترین، وہی نام ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

تخلیق و تناسب :

بعض صفات مخلوق کے لیے بھی استعمال ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کریم، رحیم، سمیع، بصیر، خالق، ان کے استعمال میں احتیاط ضروری ہے، کہ بندے کا استعمال، اللہ تعالیٰ کی ذات کے طریقہ پر نہ ہو۔ مثلاً عبدالخالق پکارا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا نام ادب و احترام سے لیا جائے۔ ایسے مقام پر نہ لیا جائے، جو مناسب نہیں۔ جس طرح بیت الخلا، یا ہنسی مذاق کی صورت یا ایسے لوگوں کے سامنے جو گستاخی یا مذاق بنائیں۔ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی سے مروی ہے، کہ جب یہ آیت مبارکہ "سبح باسم ربک الاعلی" نازل ہوئی ، تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو سجدے میں پڑھو۔ "سبحان ربی الاعلی" اسی طرح جب سورت واقعہ کی آیت "سبح باسم ربک العظیم" نازل ہوئی تو اس کو رکوع میں پڑھنے کا حکم دیا۔ سبحان ربی العظیم۔ (ابو داود، ابن ماجہ)۔ نبی ﷺ، جب یہ آیت تلاوت کرتے، تو آیت کی تعمیل اور جواب میں سبحان ربی الاعلی، فرماتے۔

اللہ تعالی کے اسماء کے بعد، اللہ تعالی کی قوت و عظمت کا اظہار فرمایا گیا، کہ اس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا۔ صرف پیدا ہی نہیں کیا ،بلکہ "فسویٰ" ان کو درست اور متناسب بنایا۔ ان کے جسم کا ڈیزائن، جسم کے توازن کو، اس کے کام و عمل کے مناسب بنایا۔ اس سے بہتر صورت نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر جسم کے اندر خصوصیات رکھیں۔ جن سے کام میں آسانی ہوتی ہے۔ دنیا کی تمام موجودات کی یہی خاصیت و خوبی ہے، وہ انتہائی متناسب اور موزونیت رکھتی ہیں۔ جاندار مخلوق کا نظام، اس سے بلند تر ہے۔ اس میں نمو، اس کا جسم اور غذا، بدن کی ترقی، پھر امراض اور ان کا علاج، ان کی غذا اور سکونت، ہر چیز اپنے نظام اور وجود میں مکمل ترین ہے۔ یہ سارے امور، حادثاتی، نہیں بلکہ ایک بہت حکمت والے اور طاقت والی ذات کے کمال کا نتیجہ ہیں۔

تقدیر:

چیزوں کا اندازہ ،یا، تقدیر ،کا لفظ بڑا جامع ہے۔ یہ منصوبہ بندی، انتہائی اعلی طریقہ پر ہوئی اور پھر نافذ ہوئی۔ کس چیز نے کیا کرنا۔ کیسے کرنا، کب کرنا ہے اور کہاں کرنا ہے۔ ان سب امور کا ایک منصوبہ اور پروگرام بنایا گیا اور ہر چیز اس منصوبے اور پروگرام کے مطابق عمل کرتی ہے۔ یعنی کب وجود میں آئے گی۔ کب کام شروع کرے گی۔ کب کام ختم کرے گی۔ اور کب خود ختم ہو جائے گی۔ اس منصوبہ بندی کا اظہار کئی آیات میں کیا گیا ہے۔ یہ منصوبہ بندی اور تنفیذ، ساری کائنات کے لیے ہے اور کئی امور گذر چکے ہیں۔ کئی گزر رہے ہیں۔ اور کئی آنے والے زمانوں میں گذریں گے۔

راہنمائی کا بندوبست بھی کیا گیا۔ چیز کس مقصد کے لیے بنی اور کس طرح، وہ اس مقصد کو پورا کرے گی۔ اور کب تک کرے گی۔ بعض طریقے، ان اجسام کے اندر ایسے بنائے گئے ہیں، کہ وہ خود بخود بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ مچھلی کو تیرنا، پرندوں کا اڑنا، حشرات کا پلنا، سب اسی نظام و کمال کا حصہ ہیں۔ دنیا کے امور، اجرام فلکی، بارش، بادل، زمین کی استعداد، ہواوں کا عمل، روشنی و سورج، چاند اور رات، سارے امور اپنے نظام ہدایت کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ اور کوئی دوسرے سے متصادم نہیں ہوتا۔

انسانوں کو جہاں عقل و فہم دیا اور اختیار دیا، وہاں ان کی ہدایت کا بندوبست بھی کیا۔ انسانوں میں سے ان کے لیے راہنما چنے۔ ان کو مکمل ہدایات کا انتظام کیا تا کہ وہ دنیا اور آخرت میں ناکامی سے بچ سکیں۔ نباتات کیسے پیدا ہوں گے ؟ کیسے بڑھیں گے ؟ کیسے پھل اور بیج ہوں گے ؟ پھر پیدا ہوں گے۔ پتے، پھول، شاخیں، تنے، سب اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ اور سب کو ان کے اعمال کی ہدایت دی گئی ہے۔

یہ ساری کاریگری، کوئی حادثہ نہیں، جو بلا مقصد واقع ہو گیا ہو، بلکہ ایک مخصوص مقاصد کے لیے بنایا گیا ہے اور جس نے بنایا ہے، وہی ایک دن اس کو ختم کرے گا۔ جو بنا سکتا ہے، اس کے لیے ختم کرنا مشکل نہیں۔ جو انسان کو پیدا

کر سکتا ہے، وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ بد قسمتی سے جو (اہل علم) اس کو ایک حادثہ سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ سوائے افسوس کے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا۔۔۔۔اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا۔

انتہا یا انجام :

اگلی آیت میں، چراگاہوں اور پھر ان کے انجام کا ذکر ہے۔ انسانوں اور حیوانوں کی غذا کے لیے زمین میں نباتات اگانے، کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ نباتات کے بیج کیسے بکھرتے ہیں۔ اس کا انتظام کیا گیا۔ بارش اور نمی کا بندوبست بنایا گیا۔ نباتات میں نمو، ان کے لیے موسم، سب امور ایک منظم طریقے سے کام کر رہے ہیں۔ موسم کے مطابق نباتات و اجناس اگتے ہیں، پکتے ہیں اور ختم ہو کر زمین کا ہی حصہ بن جاتے ہیں۔ اور یہ ایک سائیکل (**دورانیہ**) ہے جو کام کر رہا ہے۔ کبھی ننھا پودا، کبھی ایک جوان درخت، پھول، پھل اور خشک ہو کر خزاں میں پتے جھڑ جاتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد خود درخت یا پودا ختم ہو کر زمین کا حصہ بن جاتا ہے۔ کبھی زرد، ہے، کبھی خشک ہے اور کبھی سیاہ ہو کر کھاد اور سطح زمین کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہ حادثہ نہیں، بلکہ یہ **قدر** (یا تقدیر)۔ **ھدی** (راہ نمائی)۔ **مرعی** (چراگاہ، غذا) اور **اھوی**، (کھاد کا سلسلہ) ہے۔ اور ہر جاندار اس کا حصہ ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ ہم تمہیں پڑھوا دیں گے، پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝ سوائے اس کے جو اللہ چاہے، وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ پوشیدہ ہے۔ اس کو بھی **جانتا** ہے۔

یاد رکھنا و حفاظت:

قرآن مجید کی حفاظت کے بارے میں آیات مبارکہ ہیں۔ اس سے پہلے آیت سورت طہ (**۱۱۴**) اور سورت قیامہ، **۱۶۔۱۹**) میں ذکر ہو چکا ہے۔ نبی ﷺ کو شش فرماتے، کہ بھول نہ جائے اس لیے الفاظ/جملوں کو دہراتے اور بسا اوقات دوران وحی (حضرت جبرئیل جب وحی سنا رہے ہوتے) یہ واقع ہوتا۔ حضرت سعد بن وقاص سے حضرت ابن عباس نے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ کو اس بات کا اطمینان دلایا گیا ہے کہ نازل شدہ وحی آپ کو یاد کرانا یا آپ کے ذہن میں محفوظ رکھنا، ہمارے ذمہ ہے۔ آپ کوئی اندیشہ نہ کریں۔ وحی آپ کو ہمیشہ حفظ ہو جائے گی اور یہ الفاظ جس طرح آپ نے سماعت فرمائے، اسی طرح محفوظ، **یاد** ہو گئے اور حاضرین تک آپ نے پہنچا دیئے۔

ساتھ ہی انسانی امور کا بھی حوالہ دیا کہ اگر مصلحت کے تحت بھلانا مقصود رہا ، تو ہو سکتا ہے جو کہ صرف عارضی ہو گا۔ جس طرح روایت کے مطابق نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور قرات کے دوران ایک آیت چھوڑ گئے۔ نماز کے بعد حضرت ابی بن کعب مکی نے پوچھا، یارسول اللہ : کیا یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے کہ آپ نے تلاوت نہیں فرمائی، تو آپ نے فرمایا: نہیں، میں بھول گیا تھا اور ساتھ ہی نصیحت فرمائی کہ امام کو یاد دہانی کے طور پر اشارہ (الفاظ کا) کر دینا چاہیے تاکہ وہ پڑھ لے۔(المعجم الکبیر)۔ اس سے یہ مسئلہ بھی علماء نے اخذ کیا ہے کہ دوران نماز امام سے کوئی بھول چوک ہو رہی ہو تو اسے اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ ترتیب قرأت اور ادائیگی نماز، تسلسل سے ہوتی رہے۔

اللہ تعالی کی قدرت کا ذکر فرمایا، کہ وہ ہر ظاہر اور چھپے کو جانتا ہے۔ ظاہر اور چھپا ہوا ،ایک نسبت کے لحاظ سے تعریف ہے، یعنی ایک کلام یا واقعہ ایک شخص کے لیے معلوم و معروف یا ظاہر ہے، اور دوسرے کے لیے وہ نامعلوم یا چھپا ہوا ہے۔ یہ انسانی علم و فہم کی حدود ہیں، لیکن اللہ تعالی کے لیے اس کائنات میں کوئی چیز چھپی یا مخفی نہیں ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ اس کی دوسری توضیح ، یہ ہے کہ انسان بعض امور چھپاتا ہے اور بعض کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالی کے علم میں ہر چیز موجود ہے۔ اس سے کچھ چھپا ہوا نہیں۔ وہ اپنی مخلوق، بالخصوص انسانوں کی ضروریات و مشکلات سے آگاہ ہے۔

وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ﴿۸﴾ اور ہم آپ کے لیے سہولت (آسان) کر دیں گے۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ﴿۹﴾ پس آپ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت فائدہ دے۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ﴿۱۰﴾ عنقریب وہی شخص نصیحت قبول کرے گا، جو اللہ سے ڈرتا ہے۔

وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۱﴾ اور اس نصیحت سے، بڑا بدبخت، دور رہے گا۔

الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ﴿۱۲﴾ وہ بڑی آگ میں جلے (جائے) گا۔

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ؕ﴿۱۳﴾ پھر وہ اس میں نہ مرے گا، نہ جیے گا۔

دین میں آسانی:

آیات میں قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات کے بارے ہے کہ قرآن مجید کو یاد کرنا یا سمجھنا آسان ہے۔ اسی طرح ،اسلام کے احکام بھی انسانوں کے لیے آسان ہیں۔ نبی ﷺ نے کئی بار تعلیمات دیں کہ میں لوگوں کو آسانی پہنچانے کے لیے آیا ہوں۔ ان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں آیا۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں

پر آسان احکام بیان کرو اور مشکل احکام نہ بیان کرو اور لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور لوگوں کو بددل اور متنفر نہ کرو۔ (مسلم)۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دین آسان ہے۔ (بخاری/نسائی)۔

نبی ﷺ تبلیغ کے پوری جدوجہد کر رہے تھے۔ کفار مکہ سخت دشمنی و مخالفت کر رہے تھے اور کمزور مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ یہ حالت آپ ﷺ کو پریشان رکھتی تھی۔ آیت مبارکہ کے ذریعہ تسلی دی گئی ہے کہ جو نصیحت سننے کے بعد عمل نہیں کرتا، آپ اس کی پرواہ نہ کریں، اس کا انجام برا ہو گا۔ جو نصیحت قبول کرتا ہے اس کے لیے نصیحت فائدہ مند ہے اور وہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس پر توجہ زیادہ بہتر ہے، بجائے اس بدبخت اور ضدی شخص کے، جو مخالفت کرتا ہے۔ یہ ہدایت ہے، کہ جہاں زیادہ کامیابی کے امکان ہوں اس کو ترجیح دی جائے۔ اس آیت سے آپ کو یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ اکثر قریش کے سردار، مخالفت کرتے رہیں گے۔ آپ اس پر، پریشان نہ ہوں اور یہ سارے غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ یہ بدبخت اور ہدایت سے انکار ضد کرنے والے، اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ اور وہ بڑی آگ میں جلنا ہے۔ یعنی جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہو گی کہ وہ موت کی تمنا کرے گا تاکہ عذاب سے بچ جائے۔ لیکن اسے موت نہیں آئے گی۔ (پھر جسم پر جلد پیدا ہو جائے گی)۔ اسی کش مکش میں عذاب بھگتا رہے گا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ جس نے پاکیزگی اختیار کی اس نے فلاح پائی۔

وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ اور جس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھتا رہا۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ بلکہ تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اور آخرت ہی بہت بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ بے شک یہی نصیحت پہلے صحائف میں بھی (**مذکور**) ہے۔

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾ ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں۔

پاکیزگی:

اہل ایمان کا ذکر ہے کہ وہ پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔ پاکیزگی سے مراد دل کا پاک ہونا، یعنی اللہ تعالیٰ، قیامت، نبی ﷺ، کتابوں اور دوسرے شرعی امور پر مکمل ایمان ہونا ہے۔ بعض مفسرین نے گناہ کبائر سے اجتناب کو پاکیزگی کہا ہے۔ بعض نے شرک سے اجتناب اور نماز کی ادائیگی کو پاکیزگی کہا ہے، کیونکہ بعد والی آیت میں نماز کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے صدقہ فطر کی ادائیگی قبل از عید اور عید کی نماز کا ذکر کیا ہے۔ آیات، مفہوم کے لحاظ سے وسیع ہیں۔ تزکیہ کا مفہوم اور صلوتہ کا مفہوم بھی وسیع ہے۔

آخرت:

تزکیہ نفس سے بہت سارے امور کے بارے خیال جاتا ہے،جو فرائض کے علاوہ بھی ہیں۔ عموما زندگی کی حاجات اور خواہشات کا سلسلہ وسیع ہوتا رہتا ہے۔ دینا کے اندر واقعات ہمارے سامنے ہوتے ہیں اور ان سے ہم متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے لوگ ان کو اہمیت دیتے ہیں۔ آخرت اور قیامت کے واقعات سامنے نہیں آتے، صرف الہامی کتب کے ذریعے ان پر ایمان ہے،اس لیے افراد اس دنیا کی زندگی کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔اسی بارے میں آیت مبارکہ اشارہ کررہی ہے کہ انسان دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ جس کی وجہ،اعلی درجہ کی غوروفکر کی کمی ہے۔ دنیا کے معاملے فوری اور مختصر مدت کے لیے ہیں۔ انسان ان کی طرف توجہ کرتا ہے۔ کیونکہ نفس اور جسمانی خواہشات بھی محرک ہوتی ہیں۔ دنیا میں گم ہوجاتا ہے۔ آخرت بھول جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی زندگی کو بہت سادہ رکھااور کئی دفعہ فرمایا، کہ یہ زندگی ایک سفر ہے، جیسے مسافر کسی راستے میں گزارتا ہے۔ غور کریں تو اس زندگی کا سارا عرصہ چالیس پچاس سالوں پر محیط ہے۔ پختہ عمر سے پہلے لڑکپن اور بعد میں بڑھاپا ہوتا ہے۔اس کے مقابل قیامت کے بعد کی زندگی دائمی ہے۔ جنت کی زندگی میں راحت کا معیار بہت اعلی ہے۔ اگر جنت ملی تو دائمی نعمتیں ہیں اور اگر جہنم ملی تو عذاب میں دائمی ہوگا۔(مسلمان(اہل ایمان) اپنا عذاب جھیلنے کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے)۔انسانوں کا آگاہ کیا جارہا ہے کہ عقل و خرد کو استعمال کرتے ہوئے،عارضی آرام وسہولت کو ترجیح نہ دیں، بلکہ دائمی زندگی کے بارے میں اہتمام کریں۔

یہ نصائح،جو اسلام نے قرآن مجید کے ذریعہ سے انسانیت کو پہنچائے ہیں، نئے نہیں، بلکہ پرانے انبیاء نے بھی یہی پیغامات اپنی امتوں کو دیے تھے۔ عرب اور مشرق وسطی کے دواہم نبی ہیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسی کا ذکر ہے۔ ان کا پیغام بھی یہی تھا، یعنی توحید، قیامت، حساب وکتاب، نماز(عبادت)، غریبوں اور محتاجوں کی مدد، عدل، یہ موضوعات سب میں مشترک ہیں۔ ہر آنے والے نبی نے پہلے سے آسان احکام دیے۔ پھر مذہبی راہنماوں نے جو ذاتی پسندیدہ، غلط امور، شامل کر دیے تھے، ان کو ختم کیا۔ جس طرح حضرت عیسی نے یہودیت کی اصلاح کی اور اسلام نے ان دونوں مذاہب میں غلط امور کی اصلاح کی۔ قرآن مجید کی تدوین وحفاظت اللہ تعالی نے خود، بذریعہ نبی ﷺ کی۔اس لیے اسلام کا حکم، آخری حکم، یعنی مذاہب میں آخری تجدید و تصحیح ہے۔اور محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔

88- سورۃالغاشیہ

تعارف:

سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ الغاشیہ سے لیا گیا ہے۔ جس کا مطلب قیامت ہے۔ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں چھبیس 26 آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر (اڑسٹھ) 68 اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے (اٹھاسی) 88 ہے۔ مضامین کے لحاظ سے سورت الاعلی کے قریب تر ہے۔ دونوں میں قیامت کی شدت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوزخ کی کیفیت اور اہل دوزخ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد، توحید، رسالت، قیامت، حشر ونشر اور جزاوسزا کا ذکر ہے۔

قیامت کی شدت کا ذکر ہے۔ مومنین اور کافروں کے احوال کا ذکر ہے۔

اللہ تعالی کی عظمت اور قدرت کا اظہار جو موجودات سے ظاہر ہے اسکا ذکر ہے۔ اس میں آسمان، پہاڑ، زمین (نباتات) اور حیوانات میں اونٹ کا ذکر ہے۔

اس زندگی کے بعد حساب وکتاب کے لیے اللہ کی طرف سب انسانوں نے لوٹنا ہے اور سزا یا انعام وصول کرنا ہے۔ نبی ﷺ کو تبلیغ کرنے کے متعلق ہدایت ہے اور اس کو لوگوں کا قبول کرنا، ان پر منحصر ہے، جس کے بدلے ثواب ملے گا۔ سورت کی فضیلت میں حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کی نماز میں سورت الجمعہ کے ساتھ سورت الغاشیہ پڑھتے تھے (مسلم/نسائی)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ۘ﴿۱﴾ کیا آپ کے پاس ڈھانپنے والی **قیامت** کی خبر آچکی ہے۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ﴿۲﴾ اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾ مشقت کرنے والے، تھکے ماندہ ہوں گے۔

تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾ دہکتی آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔

تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ﴿۵﴾ انہیں گرم کھولتے چشمہ سے پانی پلایا جائے گا۔

لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۙ﴿۶﴾ ان کا کھانا خاردار جھاڑیاں ہوں گی۔

لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾ نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔

خوفزدہ چہرے:

سورت کی ابتداء، بڑے اہم انداز سے کی گئی، جس میں ہولناکی کی تصویر پیش کی گئی ہے، کہ کیا آپ کو ایک ہولناک خبر (ہونے والے واقعہ) کا علم ہے۔ الغاشیہ (جو چیزوں کو ڈھانپ لے) ۔اس سے مراد قیامت کا ہولناک دن ہے۔ جس دن تمام انسان و جن حیوانات خوفزدہ ہوں گے اور یہ خوف ان کے چہروں اور جسموں کی حرکات (باڈی لیگوئج) سے ظاہر ہو رہا ہو گا یا خوف نے سارے ماحول زمین کو ڈھانپ لیا ہو گا۔ جن لوگوں کے اعمال نامے گناہوں کی زیادتی دکھائیں گے وہ انتہائی خوفزدہ ہوں گے۔ ان کی نگاہیں نیچی اور خوف چہرے سے ٹپک رہا ہو گا۔ جس طرح کوئی آدمی انتہا کی مشقت اور پریشانی کی وجہ سے تھکا ہوا اور پریشان ہوتا ہے۔ ان کو، ان کا انجام معلوم ہو گا۔ ان کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ جہاں دہکتی آگ میں ان کے جسم جلیں گے۔ وہاں بجائے ٹھنڈے پانی کے ابلتا ہوا پانی ملے گا۔ جس سے ان کی آنتیں اور معدہ زخمی ہو جائیں گے۔ کھانے کو کانٹوں والی جھاڑیوں یا کانٹے والے پتے ملیں گے۔ جنہیں بھوک کی شدت کی وجہ سے کھانا پڑے گا اور ان کو کھانے سے ان کی بھوک ختم نہیں ہو گی اور یہ محسوس نہیں ہو گا کہ کچھ کھایا ہے۔

دوسری آیات میں اسی طرح کی خوفناک صورت حال بیان کی گئی ہے کہ تھور کے درخت کے پتے اور پیپ کا پانی ان کا ملے گا۔ ان تمام امور سے جو پیغام مقصود ہے، وہ انتہا کی عذاب کی کیفیت ہے۔ جس میں تمام امور ہو سکتے ہیں کہ کہیں پیپ کا پانی، کبھی ابلتا ہوا پانی، کبھی کانٹوں والے پتے، کبھی تھور کے چوڑے پتے جن پر کانٹے ہوتے ہیں۔ وہ ملیں گے یا گناہوں کے مطابق سزا کی شدت ہو گی۔ یہ وہ افراد ہوں گے جن کی زندگی اللہ تعالی کے احکام کی نافرمانی میں گذری۔ اپنی خواہشات پر چلتے رہے اور انبیاء کی تعلیمات سے انکار کیا۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے۔
لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ اپنے اعمال پر خوش ہوں گے۔
فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ بلند بہشت (بریں) میں ہوں گے۔
لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ اور اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔
فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔
فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ اس میں بلند مسندیں (نشت گاہیں) ہوں گی۔
وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝ اور جام سجا کر رکھے ہوں گے۔
وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ اور قطاروں میں گاؤ تکیے رکھے ہوں گے۔
وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝ اور عمدہ قالین بچھے ہوں گے۔

تروتازہ چہرے:

ایک دوسری کیفیت وحالت کو بیان کیا جارہا ہے تاکہ پڑھنے والے اور سننے والے دونوں میں مقابلہ کر سکیں۔ پہلی صورت خوفناک چہرے، عذاب کی صورت تھی۔ یہ دوسری صورت اس سے بالکل مختلف اور برعکس ہے۔ یہاں لوگوں کے چہرے دمکتے اور تروتازہ ہوں گے۔ خوف کے بجائے خوشی کی کیفیت ہوگی۔ ان کی رہائش آگ میں نہیں بلکہ بلند و بالا محلات میں ہوگی۔ اس سے مراد بلند جنت (مرتبہ کے لحاظ سے) بھی ہوسکتی ہے۔ جہاں سب انسان محبت وپیار اور سکون سے رہیں گے، کوئی بے ہودہ عادت یا حرکت نہیں ہوگی جس سے ماحول یا انسانی تعلقات میں تلخی آجائے۔ ان کی رہائش گاہ میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ ان کی بیٹھنے کی جگہ (نشت گاہ) میں اعلی درجے کے بلند صوفے پڑے ہوں گے۔ یا اعلی درجہ کا مقام ہوگا، جو اعلی قالینوں پر لگائے گئے ہوں گے۔ ان کے سامنے اعلی قسم کے مشروب سجا کر رکھے گئے ہوں گے۔ نشست انتہائی آرام دہ ہوگی۔ یہ سب اہتمام اور ان کی آمد پر خوش آمدید، ان کے نیک اعمال، جو دنیا میں انہوں نے کیے۔، اللہ کے احکام میں تکالیف سہیں، سختیاں برداشت کیں۔ اپنی خواہشات کو کچلا اور احکام خداوندی پر عمل کیا، اس کا بدلہ ہوگا۔ جس سے وہ انتہائی فرحان اور خوش ہوں گے کہ ان کے سارے عمل مقبول ہوئے۔

یہ تقابل اس لیے کیا گیا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا، اپنے اعمال کا نتیجہ جان کر انتخاب کرے۔ اہل مکہ جو اس وقت مخالف تھے اور جو لوگ آب اللہ اور اسلام پر یقین نہیں کرتے، جان لیں اور اصلاح کر لیں۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں۔

وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔

وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ اور پہاڑوں کی طرف کیسے کھڑے کیے گئے ہیں۔

وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔

قیامت کے ذکر کے بعد جو کہ آنے والے زمانہ کا تھا۔ جس کی کیفیت بیان کی گئی، اب اس کے بعد موجودات، کے دلائل کے ذریعہ اللہ تعالی کی قوت کا اظہار کیا گیا ہے، تاکہ قاری یا سامع کو قیامت کے بارے میں یقین آجائے، کیونکہ جب ان عظیم موجودات کو دیکھ رہا ہے۔ ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے اس کا یقین ہے تو پھر آنے والی خبر کا یقین کرے۔ حیوانات، انسان کے سب سے قریب ہیں اور ان میں پالتو جانور، بکری، گائے، گھوڑا، گدھا، اونٹ، بہت زیادہ قریب اور مانوس ہیں۔ انسان ان سے بہت سارے فوائد اٹھاتا ہے اور زندگی کی آسانی ان کی وجہ سے ہے۔ حیوانات کے ذکر میں اونٹ کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اونٹ جمل:

اہل عرب جہاں قرآن مجید نازل ہوا،ان کے لیے اونٹ سب سے زیادہ کام کرنے والا جانور ہے۔جس کا گوشت،اون،دودھ استعمال ہوتاہے۔سفر میں بہت تیز ہے،بالخصوص صحرا کے لیے ریگستانی جہاز ہے۔کافی ایام تک بغیر کھائے پیے زندہ رہ سکتا ہے۔اور سامان اٹھانے میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔وفاداری، صبر و تحمل میں جانوروں سے آگے ہے۔اس کے علاوہ اس کے اندر بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے جانوروں سے اسے ممتاز کرتی ہیں۔

جسمانی ساخت:

اس کا جسم طویل اور بلند ہے۔جس پر سوار دور تک دیکھ سکتا ہے۔کہان کی ابھار سے وزن تقسیم ہو جاتاہے اور اس ابھار میں اونٹ اپنی غذا کا اہتمام (چربی) رکھتا ہے۔اس لیے کئی دن بغیر کھائے پیے سفر کر سکتا ہے۔پاوں چوڑے ہیں۔ ریت میں آسانی سے پھیل کر پھنستے نہیں،لہذا صحرائی جہاز ہے۔اونٹ کے جسم کے خلیات میں پانی کو جذب کرنااور پانی کے بغیر کافی مدت تک رہنے کی صلاحیت ہے۔عام جانور بمشکل سات دس دن تک بغیر پانی کے رہ سکتے ہیں۔لیکن اونٹ چالیس دن تک رہ سکتا ہے۔اونٹ کے منہ،کانٹے اور کڑوے پتے گل جاتے ہیں۔

دماغی یادداشت کے لحاظ سے اونٹ بہت تیز ہے۔صحرا کے راستے جہاں تیز ہوا سارے نقش مٹادیتی ہے۔ اونٹ جان جاتاہے۔اونٹ کا صبر بھی زیادہ زیادہ ہے۔کئی دن غذا کے بغیر گذار لیتاہے۔ اونٹ موسیقی کو بھی پسند کرتا ہے۔اس لیے اسکے گلے یا قلادے میں مختلف آواز کے پیدا کرنے والی گھنٹیاں باندھی جاتی ہیں۔اور اونٹ اس سے اپنی رفتار ہموار کرلیتاہے اور تیز ہو جاتاہے۔اونٹ کے جسم کا ڈھانچہ بڑا عجیب ہے۔اسکی گردن نصف دائرہ بناتی ہے۔ اس کی لمبی ٹانگیں اس کے بیٹھنے اور اٹھنے میں مدد دیتی ہیں۔ٹانگوں کے ڈیزائن کی وجہ سے یہ پہاڑی علاقے کے مقابلے میں میدان اور صحرا میں زیادہ تیز چلتاہے۔پہاڑی علاقے کے اونٹ کے قد اونچے نہیں ہوتے ان کی جلد پر اون بھی زیادہ ہوتی ہے۔جوان کو پہاڑی سطحوں پر چلنے میں آسانی اور سردی سے محفوظ رکھتی ہے۔

اونٹ کی ہدیوں کا ڈھانچہ ڈیانسور سے ملتا جلتاہے۔جدید بیالوجی کے مطابق ڈیانسور،زمین پر تھے۔لیکن پھر شہاب ثاقب کی بارش(گرنے) سے مر گئے۔اونٹ کا ڈھانچہ بڑا عجیب ہے اور اس میں تقریبا پانچ سوانتالیس 539 ہڈیاں ہوتی ہیں۔اس کے آٹھ گھٹنے ہوتے ہیں۔اس کے کہان میں چربی کا ذخیرہ کافی مدت تک اسے غذا کے بغیر زندہ رہنے میں مدد دیتاہے۔لمبی ٹانگوں والے اونٹ،صحرا کی سردی اور گرمی کو بآسانی برداشت کر لیتے ہیں۔اس کے خون کے سیل بھی پانی کا ذخیرہ کے لیتے ہیں۔اونٹ کی ان خصوصیات کی وجہ سے اس کا ذکر کیا گیاہے۔

آسمان:

دوسری نشانی آسمان کا وجود ہے۔ آسمان فضا کا نام ہے جس میں ہم سورج، چاند، ستارے دیکھتے ہیں اور شہاب وثاقب گرتے ہیں۔ اس فضا میں ہم بادل دیکھتے ہیں۔ جن سے بارش برستی ہے۔ کبھی اولے پڑتے اور کبھی برفباری ہوتی ہے۔ کڑک اور چمک نظر آتی ہے۔ بارش سے انسان وحیوانات کی زندگی ہے۔ زیر زمین پانی کے ذخائر ہیں۔ برف سے دریا نکلتے ہیں۔ زیر زمین ذخیرہ سے چشمے نکلتے ہیں۔ جن سے انسان اور حیوانات بلکہ تمام جاندار زندگی برقرار رکھتے ہیں۔

سورج کی تمازت، چاند کی چاندنی، راتوں کو ستاروں کا منظر، سارے ایک بڑے نظام اور ایک بڑی طاقت جس نے ان کو پیدا کیا اور چلا رہا ہے، کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اسی کے بارے میں قرآن مجید بالخصوص مکہ شریف میں نازل شدہ سورتوں میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ قدیم علماء فلکیات کے مطابق یہ سارے ستارے اور سورج پہلے آسمان دنیا کا حصہ ہیں اور اس سے آگے اور بھی آسمان ہیں، جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ موجود اسٹرانومی اس کے بارے میں آگے نہیں گئی، باقی سارے دیڈیو سگنلز کے اندازے اور تشریحات ہیں۔ کیونکہ ستاروں کی روشنی کے پہنچنے میں بھی ہزاروں نوری سال کا عرصہ ہے۔ جس سے قریبی کائنات کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پہاڑ:

پہاڑوں کا ذکر کیا ہے۔ پہاڑوں کا ذکر کئی آیات میں آچکا ہے اور اس پر تفصیل سے تحریر بھی کیا جاچکا ہے۔ پہاڑوں کے بڑے فوائد ہیں۔ زمین کے اندر گرم مادہ **لاوا**، ان کے وزن کی وجہ سے، اس کا دباو سطح زمین تک بہت کم پہنچتا ہے۔ پہاڑ کی جڑ یا بنیاد، زمین کی پلیٹوں کے ساتھ منسلک ہے، اس لیے لاوا، آتش فشاں پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ پہاڑ موسم کی تبدیلی میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ برف کی وجہ سے پانی کا ایک ذخیرہ ہے۔ ان کے اندر بہت سی معدنیات کا خزانہ بھی ہے۔ پہاڑ کی مٹی کئی رنگوں کی بھی ہوتی ہے۔ جنگلات بھی پہاڑوں پر زیادہ بارشوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

زمین:

زمین کا بھی ذکر کیا ہے، جس پر ہر وقت انسان رہ رہا ہے۔ خلاء میں زمین دائرہ نما ہے۔ سارے اجرام جو آسمان میں رواں دواں ہیں، دائرہ نما ہیں جس کی وجہ سے مدار میں چلنا آسان ہے۔ انسانوں کے لیے زمین کی سطح فرش کی طرح ہے۔ یعنی انسان کے استعمال کے لیے، زمین پھیلی ہوئی ہے۔ زمین کی سطح زراعت اور نباتات کے لیے انتہائی موزوں ہے، جس سے غذا حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ سارے حیوان پرندے اور حشرات غذا لیتے ہیں۔

سارے نباتات بھی زمین سے غذالے کر بڑھتے ہیں۔جیالوجی کے مطابق، توزمین کو بنے لاکھوں سال ہو چکے ہیں۔لیکن انسان کو بالخصوص الہامی کتب میں زمین کے انعامات، اس کے زمین پر وجود میں آنے کے بعد پتہ چلے ہیں۔یعنی ہمارے لیے حضرت آدم کے آنے کے بعد شروع ہوئے ہیں، اگرچہ زمین اس بہت پہلے موجود تھی جس طرح کائنات بھی تھی۔

یہ تمام علمی دلائل جن کو سمجھنے کے لیے کسی علم کی ضرورت نہیں، صرف توجہ کی ضرورت ہے۔اپنے خالق کی عظمت و قوت کا اظہار ہے۔بنانے والا ،ان کو ختم کر سکتا ہے۔اسی طرح انسان کو اگر پیدا کیا گیا ہے، تو دوبارہ اس کے اجزاء کو اکٹھا کر کے بنایا کیا جاسکتا ہے۔جو کہ اپنی قبروں کے مقام سے اٹھے گا۔

جو لوگ قیامت اور حشر و نشر (دوبارہ زندہ ہونا) نہیں مانتے، ان کے لیے دلائل ہیں۔اہل علم کے لیے تو بہت زیادہ غور و فکر کا مقام ہے۔

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ چنانچہ آپ نصیحت کیجیے آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لیے مسلط نہیں کیا گیا۔

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ مگر جو حق سے منہ موڑے اور کفر (انکار) کرے۔

فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ تو اللہ اسے زبردست عذاب دے گا۔

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ بے شک ہماری طرف ہی ان کی واپسی ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ پھر بے شک ان کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔

انجام:

سورت کا اختتام بڑا اہم ہے۔نبی ﷺ تبلیغ میں مصروف تھے۔لیکن قریش کی مخالفت بھی شدید تھی۔وہ ظلم کرتے تھے۔آپ کو تسلی دلائی گئی کہ آپ تبلیغ جاری رکھیں۔آپ نے اللہ کے پیغام کو پہچانا ہے۔آپ ان پر زبردستی ،اللہ کے احکام ٹھونس نہیں سکتے۔(قبول کرنے نہ کرنے کا انسان کو اختیار ہے)۔آپ ان کے انکار پر یشان نہ ہوں۔جو دعوت حق کو ٹھکرا رہے ہیں، وہ اپنا نقصان کر رہے ہیں۔اس دنیا کی زندگی میں ان کو آزادی اور اختیار ہے۔اس کے بعد ہر ایک نے موت چکھنی ہے۔دنیا چھوڑنی ہے۔اس کے بعد اس کا سفر آخرت، **قیامت** کی طرف ہے۔اور پھر ان کے دنیا میں اعمال کا ان سے حساب سے لیا جائے گا۔جس طرح سورت کے آغاز میں بتایا گیا کہ گناہگاروں (انکار کرنے والوں) کو سزا اور احکام پر عمل کرنے والوں کا انعام عطا ہو گا۔جس کی صورت دوزخ اور جنت ہو گی۔

89- سورۃالفجر

تعارف:

سورت الفجر کا نام،اس کی پہلی آیت میں الفجر کی وجہ سے ہے۔فجر کی قسم کھا کر ابتداء کی گئی ہے،جو فجر کی اہمیت ظاہر کرتی ہے۔سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی،جب مظالم مسلمانوں پر پورے عروج پر تھے۔سورت میں تیس آیات اور ایک رکوع ہے۔ترتیب نزول کے لحاظ سے سورت کا نمبر دس ہے۔ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے اس کا نمبر اننانوے 89 ہے۔

مضامین کے اعتبار سے سورت الغاشیہ کے قریب تر ہے۔اس میں گمراہ اور ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر،گمراہ لوگوں کے کردار اور عذاب کا ذکر ہے۔مومنین پر انعام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔رات،دن،جفت اور طاق،امور کے بارے میں ذکر ہے ۔کائنات میں ان کے مظاہر بھی ہیں،جو اللہ تعالی کی ذات اور اسکی طاقت پر دلیل ہیں۔اس سے قیامت کا بھی ثبوت مل سکتا ہے۔

جو لوگ اللہ کے منکر رہے اور طاقت بھی ان کے پاس تھی اور اس طاقت کو اپنی ذات کے لیے استعمال کیا۔ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے تاکہ ہم جان لیں کہ اللہ کی طاقت انسانوں کی طاقت سے بڑھ کر ہے اور اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا۔اس کے احکام پر عمل میں ہی نجاعت ہے۔ظلم کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہے۔اللہ تعالی عدل پر فیصلے کرتے ہیں اور قیامت ہی اصل عدل کا دن ہے۔

معاشرے میں کمزور افراد کا ذکر اور ان کی اہمیت،ان کے حقوق کی حفاظت کا ذکر ہے۔جن معاشروں میں ان کی حفاظت نہیں کی جاتی ،وہ تباہ کر دیے جاتے ہیں۔

اللہ کے احکام پر عمل سے انسان ، تسکین واطمینان قلب حاصل کرتا ہے۔اور ایسے افراد دنیا میں سکون سے اور آخرت میں اعزاز سے جنت میں جائیں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ قسم ہے فجر کی۔

وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اور دس راتوں کی۔

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾اور جفت اور طاق کی۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ﴿۴﴾اور رات کی جب وہ گذر(**بیت**) رہی ہو۔

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ؕ﴿۵﴾ یقیناًان(چیزوں)میں صاحب عقل کے لیے معتبر قسم ہے۔

سورت کی ابتداء، کائنات اور ہماری زندگی میں ہونے والے واقعات کے ذکر سے ہے۔ فجر سے مراد رات کے گذرنے کے بعد صبح کاذب پھر صبح صادق اور طلوع آفتاب کا وقت ہے۔ جس کے بعد دن نکل آتا ہے۔زندگی متحرک ہو جاتی ہے۔انسان کی زندگی کا مدار اسی پر ہے۔یہ ایک معمولی عمل نہیں۔ہم اسے نظرانداز کر دیتے ہیں کیونکہ ہم،اسے بچپن سے، جس میں ہماری عقل اور علم پختہ نہیں ہوتا ہے،اس وقت سے دیکھ اور گزار رہے ہیں۔لیکن یہ ایک عظیم نظام ارض و شمس سے قائم ہے۔یہ اجرام فلکی ،اللہ کے حکم کے ساتھ ،اپنے اپنے مدار میں گھوم اور چل رہے ہیں۔زمین اگر اپنے محور پر نہ گھومے ،تو نہ رات اور نہ صبح کی آمد ہو۔یہ سب اللہ کی قدرت ،اس کی قوت کی دلیل ہیں۔بنانے والے نے کس حکمت کے ساتھ ،ان وجودوں، **زمین، سورج** کو بنایااور پھران کا مدار بنایا۔

دس راتیں:

فجر کے بعد رات کا ذکر ہے۔دس راتیں کونسی ہیں۔ایک حدیث کے مطابق، یہ ذی الحجہ کے پہلے دس آیام ہیں، جس میں مسلمان حضرت ابراہیم کے جاری کردہ طریقہ حج کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور حج کے آیام پہلے دس دن ہیں۔ نو(۹) تاریخ کو یوم حج (**عرفہ**) اور دس کو قربانی کا دن ہے۔ان کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے۔ایک اور رائے میں ، محرم کے دس دن ہیں۔ محرم کی دس تاریخ کو حضرت موسی نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نکالا تھااور فرعون دریامیں غرق ہو گیا۔ چونکہ اسلام ایک حقیقی مذہب ہے،اس لیے پرانے ابراہیمی اور مذاہب یہودیت، عیسائیت کو مانتا ہے۔اور ان مذاہب کی تکمیل ہے۔ حضرت موسی پر ایمان بھی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔اور ان کی کامیابی، انسانیت کی غلامی سے نجاعت بھی تھی جو فرعون نے بنی اسرائیل پر مسلط کر رکھی تھی۔اس لیے نبی ﷺ نے دس محرم کو روزہ رکھنا شروع کر دیا اوراسلام کی فضیلت کے لیے آپ نے حکم دیا کہ دس کے ساتھ نو یا گیارہ تاریخ کا روزہ رکھا جائے، تاکہ اسلام کا امتیاز قائم رہے۔ محرم اسلامی کا پہلا مہینہ ہے اور دس محرم کے دن کے فضائل بھی مذکور ہیں۔

جفت اور طاق:

گنتی میں طاق عدد(جو دو پر تقسیم نہ ہو مثلاایک، تین، پانچ، سات، نو)، وغیرہ ہیں اور اسی طرح جفت عدد ہیں، (جو دو پر تقسیم ہو جاتے ہیں)۔ دو، چار، چھ، آٹھ، دس، ہیں ۔یہ اعداد انسانوں کی گنتی اور علوم کی ترقی بالخصوص

علم ریاضی کی ابتداء ہے۔قرآن میں بار بار حساب و گنتی کا ذکر کیا گیا ہے۔اللہ تعالی نے ،کائنات میں اشیاء کو جوڑے کی صورت میں پیدا کیا، جس کی اپنی حکمت ہے۔_ (وخلقنا زوجین) مثلا تمام حیوانات میں نر اور مادہ ہے۔نباتات میں جوڑا ہے لیکن جمادات وتر ، کی مثال (اکیلے) ہیں۔مزید جوڑے ،رات اور دن، گرمی و سردی، برقی رو میں مثبت و منفی کرنٹ، مقناطیس میں شمالی و جنوبی قوتیں۔کائنات میں قوت گریز اور قوت انجذاب (کشش) ہیں۔نمازوں میں کئی نمازیں جفت رکعات رکھتی ہیں اور کچھ طاق نماز (مغرب اور وتر)ہیں۔

رات:

رات کا بھی ذکر ہے۔دن کی طرح رات بھی ضروری ہے۔"یسر "کا لفظ بڑا ذو معنی ہے۔رات آتی ہے اور پھر گذر جاتی ہے۔جس کے بعد صبح ہے۔رات بھی زندگی میں ضروری ہے۔تاکہ انسانی جسم نیند و آرام کر کے اپنی توانائی کو بحال کرے۔انسان کے علاوہ تمام جانداروں کے لیے بھی بڑی ضروری ہے تاکہ اجسام آرام و توانائی حاصل کریں۔
یہ سارے امور ،اہل عقل و فہم کے لیے قابل غور و فکر ہیں اور آج ہمارے سائنسدان، ماہرین طب و نفسیات ان پر تحقیق کر کے انسان کے ساتھ ان کا رابطہ دیکھ رہے ہیں۔یہ جس قوت یا ذات، نے بنائے ہیں، اس کی عظمت و طاقت کا مظہر ہیں اور وہ قوت جو چاہے کر سکتی ہے۔انسان کو اس کا اقرار کرنا اور اس کی تابعداری کرنا ضروری ہے۔وہ ذات باری تعالی ہے جس کو تمام انبیاء اور الہامی کتب نے بیان کیا ہے اور قرآن مجید کی یہ بھی دلیل ہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ کیا تم نے (**اے نبی**) نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا؟

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ **عاد** ارم جو اونچے ستونوں والے تھے۔

الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ جن کی مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ اور ثمود جو وادی میں چٹانیں تراشتے تھے۔(**کے ساتھ کیسا سلوک کیا**)۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ اور فرعون میخوں والے کے ساتھ (کیسا سلوک کیا)۔

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ وہ جنہوں نے ملکوں میں سرکشی کی تھی۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ اور ان **ملکوں** میں بہت فساد پھیلایا۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ تو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ بے شک آپ کا رب ان (مجرموں) کی گھات میں ہے۔

کائنات میں اللہ تعالی کی قوت کے مظاہر کے بعد، اہل زمین پر جن بادشاہوں یا معاشروں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالا۔ انبیاء کی تعلیمات کا انکار، اپنی خواہشات اور رسم ورواج پر کاربند رہے۔ جس طرح اس وقت اہل مکہ کر رہے تھے۔ ان کے انجام کا ذکر کیا ہے، جو تباہ ہوئے اور اہل عرب ان کو مانتے تھے۔

عاد قوم، حضرت نوح کی اولاد، ان کے (فرزند عاد) سے تھی۔ بڑی طاقتور، بڑے طویل القامت، وسیع جسم رکھتے تھے۔ ان کی طرح بلند قامت والے لوگ، آج تک پیدا نہیں ہوئے۔ وہ بڑے بڑے اونچے مکانات، ان کے بلند ستون بناتے، ان کے قد بھی بلند تھے۔ اس لیے ان کی ضرورت بھی بلند مکانوں کی تھی، پھر ان کی عظمت وشوکت کے نشان تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان پر نبی بھیجے گئے۔ انہوں نے ان کی تعلیمات کا انکار کیا اور اللہ تعالی نے ایک شدید آندھی کے ذریعہ جو ہفتہ بھر چلتی رہی، ان کو نیست ونابود کر دیا۔ قوم ارم بھی حضرت نوح کی اولاد سے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب عاد بن اوس بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ وہ بھی تباہ ہوئے۔ یہ بھی فن تعمیر میں بہت بلند تھے، ان کو عاد ادنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قوم ثمود، کی طرف حضرت صالح نبی بھیجے گئے۔ یہ پتھروں کو تراشتے اور پہاڑوں میں گھر بناتے۔ انہوں نے بھی نافرمانی کی۔ اپنے گھروں پر گھمنڈ کرتے تھے۔ پھر تباہ ہو گئے۔ اس کے بعد فرعون کا ذکر ہے۔ مصر میں اس کی بادشاہت تھی۔ زمین کی زرخیزی دولت کی فروانی، بڑا لشکر جرار رکھتا تھا۔ میخوں والے، کی ایک تعبیر یہ ہے کہ جہاں بھی جاتا، اس کے خیموں کو میخوں کے ذریعہ زمین پر گاڑھا جاتا اور زمین میخوں اور رسیوں سے بھر جاتی۔ بعض نے اس کے ظلم کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ وہ ہاتھوں اور پاؤں پر میخیں گاڑھ کر مار دیتا تھا۔ اس نے اپنے ملک میں انسانوں کو غلام بنا رکھا تھا اور ظلم کرتا تھا۔ اس کے ظلم کا نشانہ بنی اسرائیل تھے۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ دریا میں غرق ہو گیا۔ حضرت موسی اور بنی اسرائیل بحفاظت نکل آئے۔ ان تمام سرکش اور ظلم کرنے والے افراد کو اللہ تعالی نے، اپنے مختلف قسم کے عذابوں کے ساتھ تباہ کر دیا اور ان کے نشان بھی مٹ گئے۔

ایک طرف کائنات کے عظیم وجود، ثبوت ہیں اور دوسری طرف انسانوں کی بے بسی کے زمین پر تباہی کی صورت میں ثبوت ہیں۔ اس لیے اس ذات (اللہ تعالی) پر ایمان، اسکے احکام پر عمل میں ہی نجاعت ہے۔ اہل مکہ اور تمام پڑھنے، اور سننے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ اللہ تعالی نے، ان معاشروں کو اس کے احکام کی نافرمانی پر سزا دی، جن میں توحید (عبادت) کے علاوہ، غرباء، فقراء کے خیال اور انصاف کا بھی حکم تھا۔ اللہ تعالی کے نظام میں مجرموں کا محاسبہ ہے اور وقت آنے پر سزا دی جاتی ہے۔ اس نظام کو گھات لگانے سے تشبیہ دی ہے کہ مجرم کو پتہ نہیں چلتا کہ کس مقام

پر وہ پکڑا یا سزا دیا جائے گا۔ ظالم اپنی مستی میں ظلم برپا کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ پکڑ کی حد پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں عذاب کا کوڑا،ان پر برس پڑتا ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ ۝

ترجمہ: پس لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے، تو وہ کہتا ہے میرے رب نے عزت دی۔

وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ ۝ اور جب اس کا رب اسے آزمائے (مصیبت) سے اور اس کا رزق تنگ کر دے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے ذلیل کر دیا۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ ہر گز نہیں (یہ بات نہیں) بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔

وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ اور تم مسکین کو کھلانے پر ایک دوسرے کو رغبت نہیں دلاتے۔

وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ اور تم، مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

گمراہ اقوام کا انجام:

انسان کے دنیا میں کردار، اس کی اخلاقی حالت کا ذکر ہے کہ اس سے کیوں بازپرس یا چیک ہو گا؟ تاکہ وہ صحیح کردار ادا کریں۔ انسان، کو جب رزق میں فراخی ملتی ہے تو بھول جاتا ہے۔ مادہ پرست نظریہ زندگی پر قائم ہوتا ہے۔ اپنے مفاد اور مطلب کو ہی جانتا ہے۔ اخلاق اور مفاد عامہ کا خیال نہیں کرتا۔ جب اسے فراخی ملے تو خوش ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے عزت و دولت دی ہے۔ اسے اپنا حق سمجھتا ہے۔ جب اسے تکلیف یا رزق میں کمی ہوتی ہے، تو گلہ شروع کر دیتا ہے، کہ اللہ نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ دنیا کی دولت و اقتدار ہی اس کی عزت و کامیابی کا پیمانہ ہے۔ وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتا کہ دونوں حالتیں، اسکے اخلاق و کردار کا امتحان ہیں۔ وہ کس طرح اس امتحان یا آزمائش سے گذرتا ہے۔ رزق کی فروانی پر شکر ادا کرتا ہے۔ دوسرے بھائیوں، محتاجوں کو شریک کرتا ہے۔ یا صرف اپنی ذات تک محدود رکھتا ہے۔ اسی طرح تکلیف میں وہ صبر کرتا ہے۔ اخلاق و کردار کی حدود نہیں توڑتا اور قناعت کرتا ہے۔ دولت کی حرص میں اندھا نہیں ہوتا۔

یتیم کی کفالت:

اخلاق اور سماجی فرائض کا ذکر کیا ہے۔ یتیم کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔ جب اس کا والد زندہ تھا، تو کیسا سلوک تھا۔ اور اسکے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کا رویہ کیسا ہو گیا۔ یتیموں کے ساتھ جو رویہ رکھا جاتا ہے۔ اس کا ذکر ہے۔ اس کی عزت نہیں کی جاتی۔ اس کی بے بسی کی وجہ سے اسے نظر انداز اور اس کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ عربوں کی اخلاقی حالت بہت بری تھی۔ یتیم کا مال اس کے وارث ہڑپ کر جاتے تھے۔ جس کے اسلام نے قوانین بنائے۔ نبی ﷺ نے یتیم کے حقوق کے بارے میں بڑی تاکید کی۔ آپ خود بھی یتیمی سے گذرے۔ ایک حدیث کے مطابق آپ نے فرمایا: وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اور وہ گھر بدترین ہے جس میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔ ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: آپ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کیا اور کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے جس طرح دو انگلیاں ہیں۔ (کتب حدیث)۔

مساکین کی کفالت:

ایک اور اہم معاشرے میں مسکینوں یا غریبوں کا کھانا کھلانا یا غذا کی مدد دینا ہے۔ آیات مبارکہ میں ایک اہم نکتہ واضح کیا گیا ہے۔ کہ جس معاشرے میں مسکینوں، غریبوں کی سماجی حفاظت و معاشی سہولت کا اہتمام نہیں کیا جاتا، تو وہ معاشرہ اللہ کے نزدیک قابل عذاب و سزا ہے۔ تاکید کی کہ تمہیں ایک دوسرے کو، اس اہم کام کے لیے ترغیب دینی چاہیے یعنی ایک انسان خود کرے اور دوسروں سے بھی کرائے۔ اسلامی ریاست اسی لیے فلاحی ہے کہ اس کی ذمہ داری میں محروم طبقوں کی کفالت شامل ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم شامل ہیں۔ یتیم و مسکین اور غریب، مسلمان ہو یا غیر مسلم، ریاست کے لیے دونوں اہم ہیں۔ افراد کے لیے قرابت، ہمسائیگی، اور مذہب پر ترجیحات کی اجازت ہے۔

عربوں میں اس وقت یتیموں اور عورتوں کو میراث میں حق نہیں دیا جاتا تھا۔ یتیم چونکہ کمزور ہوتا تھا، اسلیے اس کے رشتہ دار اس کا مال ہڑپ کر جاتے تھے۔ عورتوں کے بارے میں خیال تھا کہ وہ جنگ میں حصہ نہیں لیتیں، اس لیے ان کو میراث نہیں ملنی چاہیے۔ یہ ایک ظلم تھا، جس کے خلاف اسلام نے قانون بنائے۔ عورتوں کو میراث میں حق دیا۔ اور یتیم کی میراث کی حفاظت اس کے ورثا یا ریاست کی ذمہ دار بنا دی۔ یتیم کی تعلیم و تربیت ورثا اور ریاست کی ذمہ داری ہے۔

اس نکتہ کو واضح کر دیا کہ ان تمام جرائم کی بنیاد انسان کی دولت سے محبت ہے یا احساس خوف ہے کہ دولت کم نہ ہو جائے، یہ **بخل** ہے۔ دونوں بہت بری امراض ہیں۔ اسلام نے دونوں سے منع کیا ہے۔ خود دولت بری چیز نہیں

،لیکن اس کا غلط استعمال برائی کا سبب بن جاتا ہے۔اسلام نے اسی لیے تکبر سے منع کیااور عاجزی کی ترغیب دی ہے۔ دولت میں دوسروں کے حصہ سے اگاہ کیا ہے۔(اپنے سارے مال کو لذتوں اور خواہشوں میں نہ لگادے)۔زکوتہ کو فرض کیا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ میں توازن اور تناسب قائم رہے۔ حلال و حرام، جائز و ناجائز، مال کی تمیز بہت ضروری ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ ہر گز نہیں: جب زمین خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ اور تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے۔

وَجِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَىٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ اس دن جہنم (دوزخ) سامنے لائی جائے گی۔اس دن انسان کی سمجھ میں آئے گا اور اس وقت اس کو سمجھنے کا کیا فائدہ؟

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿۲۴﴾ وہ کہے گا: کاش: میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی۔

فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ چنانچہ اس دن، اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہیں دے گا۔

وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا۔

وقت حساب:

انسان کے کردار اور غلطیوں کے ذکر کے بعد بتایا جارہا ہے۔انسان کو اس کے اعمال کی جزا وصول کرنے پڑے گی۔اسے اس کی خواہشات پر آزاد نہیں چھوڑا جائے گا اور جو قوت (اللہ) ،کائنات کی مالک اور طاقتور ہے، وہ اسے سزا دے گی۔

زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی، یعنی زلزلوں یا جھٹکوں یا کسی سیارے کے ٹکرانے سے۔اللہ تعالی کی ذات کے جلوہ کے بارے میں ایک تمثیلی تصور بتایا گیا ہے، کہ اس کے جلال اور قدرت کا پورا اظہار ہوگا۔جس کو ہر فرد اس دن محسوس کرے گا۔دنیا میں تو ہمیں غور کرنا پڑتا ہے، لیکن اس دن ہر فرد اور جاندار خوف سے پریشان ہوگا۔فرشتے اللہ کی نورانی مخلوق، جو دنیا میں ہمیں نظر نہیں آتی لیکن کام کر رہی ہے، اسکی مثال ہمارے سافٹ ویئر ہیں جو کام کر رہے اور حکم کے مطابق ہمارے آلہ (کمپیوٹر، کیمرہ، فون) سے نکل کر دوسروں کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ہمیں نظر نہیں آتے۔قیامت کو ہی فرشتے جو کہ روشنی کی صوررت میں ہمیں نظر آئیں گے اور ساری کائنات (آسمان یا خلا یا فضاء) ان

سے بھری ہو گی۔ جن افراد کو ان کا اعمال نامہ گناہوں کی کثرت اور عذاب کے فیصلہ کے ساتھ ملے گا۔ وہ آج تو قیامت یا حساب و کتاب کا انکار کرتے ہیں۔ اس وقت جب اس سے گذریں گے تو کہیں گے کاش! ہم نے یہ غلطی نہ کی ہوتی اور خواہشات کے بجائے احکامات پر عمل کیا ہوتا، تو آج ہمیں سزا نہ ملتی۔ ہماری نیکیاں کام آجاتیں۔ لیکن ان کا کف افسوس ملنا، ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ تمام امور جو بیان کیے گئے۔ یتیموں کا خیال رکھنا، ان پر ظلم نہ کرنا، ان کا مال نہ کھانا، ان کی اچھی تربیت کرنا، غریبوں محتاجوں کو کھانا کھلانا، عورتوں اور یتیموں کو ان کی میراث میں ان کا حق دینا، اس کا اجر ہو گا۔ اسی طرح ،مال کی محبت میں غلط کام کرنا اور حرام مال کمانا اور استعمال کرنا ان سب اعمال کی وجہ سے سزا ہو گی۔ اس دن سے سزا سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔ اور کہیں بھاگنے کی جگہ نہیں ہو گی گویا انسان جکڑا ہوا ہے۔ دنیا میں بڑے طاقتور اور اقتدار و حکومت والے افراد ، عام انسان بلکہ مجرم کی حیثیت میں ہوں گے۔ جہنم کو اس دن سب لوگ دیکھ لیں گے۔ احادیث میں اس کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ وہ تمثیلی ہے کہ اس کی ہولناکی اور شدت اس قدر شدید ہو گی کہ ہر کوئی لرزاں ہو گا۔ اللہ سے پناہ مانگے گا۔ آگ کی شدت سے عذاب کی کیفیت اور شدت کا اندازہ ہو گا اور وہ فرشتوں کے پہرے میں ہو گی، جہاں سے کوئی عذاب سے نکل بھی نہیں سکے گا۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ اے نفس (روح) مطمئنہ

ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ تو اپنے رب کی طرف چل، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا۔

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

نفس مطمئنہ:

گناہ گاروں کے حال کے بعد، وہ افراد جو اپنی زندگی کو اللہ کے احکام کے تابع گزارتے ہیں۔ خواہشات کی پرواہ نہیں کرتے۔ اپنے مال میں اپنے رشتہ داروں اور معاشرے کے کمزور افراد کو شامل کرتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کا حال بالکل مختلف ہو گا۔ ایسے کردار کے لوگ اللہ کی رحمت سے، اپنے اعمال اور اپنے حالات پر پورے مطمئن ہوتے ہیں۔ پر سکون رہتے ہیں۔ جسمانی یا مالی مشکلات ہوں تو بھی نفسیاتی، اعصابی پریشانی اور مشکل نہیں ہوتی۔ اور یہی مقام نفس مطمئنہ ہے۔ نفس مطمئنہ، انسانی نفس روح اور دماغ میں وہ کیفیت ہے، جو ہر حال میں پر سکون ہے اور مطمئن ہے۔ اس کا تعلق اپنے خالق سے ہے۔ اس کا صلہ یہ ہے کہ جب روح کا وقت سفر آتا ہے، یعنی موت، جب وہ جسم سے جدا ہوتی ہے تو وہ راضی ہوتی ہے۔ انسان، نزاع کی شدت محسوس نہیں کرتا۔ وہ دنیا سے پر سکون طریقہ سے نکل کر ،

عالم برزخ میں پر سکون ہو کر رہتی ہے۔ عالم برزخ میں، یہ روح اللہ کے نیک اور مقرب بندوں کے ساتھ پر سکون حالت میں رہے گی۔ نفس کی دو اور اقسام ، نفس امارہ کو سورت بنی اسرائیل اور لوامہ کو سورت قیامت میں ذکر کیا گیا ہے۔ پھر قیامت کے دن جب ہر طرف ہولناکی ہو گی۔ اس مطمئنہ روح، کے مالک (حامل) انسان اس شدت و پریشانی سے محفوظ ہوں گے۔ قیامت کے بعد حساب و کتاب میں بھی پریشانیوں سے محفوظ رہیں گے۔ نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ چہرہ منور ہو گا اور جنت ان کو خوش آمدید کہے گی۔ ان کی آ مد کی منتظر ہو گی۔ وہاں بھی نیک **صالحین** اور اللہ کے دوستوں (اولیاء و مقربین) کے ساتھ ساتھ رہے گا، یعنی سب مل کر رہیں گے اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ جہاں گناہ گار حسرت کریں گے کہ کاش نیک عمل کیے ہوتے، نیکو کار مطمئن اور فرحان ہوں گے۔

صوفیاء کرام نے نفس مطمئنہ میں بھی دو درجات کا ذکر کیا ہے۔ راضیہ اور مرضیہ، نبی ﷺ یہ دعا کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اے اللہ: میں تجھ سے ایسے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں، جو تیری ملاقات پر یقین رکھتا ہو، تیری قضا پر راضی ہو اور تیری عطا پر قانع ہو۔ (المعجم الکبیر/ طبرانی)۔ (اللھم انی اسئلک نفسا مطمئنا تو من بلقائک و ترضی بقضائک و تقنع بعطائک۔)۔ کس قدر خوبصورت دعا ہے۔

90- سورۃالبلد

تعارف:

سورت کا نام پہلی آیت میں لفظ "البلد" کی وجہ سے ہے۔ جس کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس کا موقع نزول اسلام کے ابتدائی آیام میں ہیں۔ جب کفار مکہ کی مخالفت زوروں پر تھی۔ سورت میں بیس(۲۰)آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا پچیس ۲۵ اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر(۹۰) نوے ہے۔ مضامین کے لحاظ سے سورت الفجر کے قریب ہے۔ سورت الفجر میں بھی یتیم و مساکین کے اہتمام کے بارے میں تاکید ہے۔ اور سورت البلد میں بھی یہی موضوع ہے۔ قیامت کا ذکر ہے۔ اہل مکہ کو مکہ شریف کی اہمیت پر قسم کھا کر واضح کر دیا گیا ہے کہ انسان کے اعمال کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ اس کی زندگی میں مشقت ہے۔ اس کو دیکھا جا رہا ہے۔ عقل و فہم کی عنایت کا مقصد، اس کو نیکی اور برائی کے جو راستے دکھائے گئے ہیں ، ان پر عقل و فہم کے استعمال کے بعد فیصلہ کرنا ہے۔

دنیا کی زندگی بے کار نہیں، بلکہ اس کا حساب ہو گا ۔ اس زندگی میں جو بھلائی کے کام ، غریبوں کی مدد، غلاموں کو آزاد کرنا، یتیموں کے حقوق کا خیال کریں گے۔ ایمان کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رحمت سے پیش آئیں گے۔ وہی سعادت مند اور کامیاب ہوں گے۔ جو ان امور کی مخالفت کریں گے، وہی آگ میں سزا پائیں گے۔ دو ،راستے انسان کے سامنے ہیں اور جس کو چاہے وہ انتخاب کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔

وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ اور (انسان کے) والد کی قسم اور اس کی اولاد کی۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ بے شک ہم نے ان کو مشقت میں پیدا کیا۔

اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر ہر گز کوئی بھی قابو نہ پا سکے گا۔

یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ وہ کہتا ہے میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ۝ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔

سورت کی ابتداء، شہر کی قسم سے کی گئی ہے۔ تمام مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے مراد مکہ المکرمہ ہے ۔جس میں بیت اللہ اور نبی ﷺ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں اعلان نبوت کیا۔ بیت اللہ کی بنیاد شروع ہی سے تھی۔(حضرت آدم علیہ اسلام سے)۔اس کے بعد کئی دفعہ یہ سیلابوں سے تباہ ہوا۔ طوفان نوح کے بعد حضرت ابراہیم نے اس کی بنیاد رکھی اور پھر تمام عربوں میں مرکز حج ٹھہر گیا۔ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ جملے(آیت) بہت ہی مختصر ،ہم وزن ہیں اور معانی کے لحاظ سے بہت وسیع ہیں۔ حل کے معنی حلول بھی ہے۔ جس سے مراد، یہ آپ کا محل(مقیم ہونے کا مقام)ہے اور یہ مناسب ہے، کہ اسلام کی ابتداء اور اہل مکہ سے کشمکش کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔ دوسرا اس کا مفہوم حلال ہونا ہے۔اس کے بارے میں یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس شہر میں جو چیز حلال نہیں تھی کیونکہ یہ شہر الحرام ہے، یہاں قتل ممنوع ہے۔ یہ عمل بھی یہاں ہوگا۔اس کی ایک توجیہہ یہ تھی کہ کفار مکہ لوگوں پر ظلم کر رہے تھے۔ اور بالآخر انہوں نے نبی ﷺ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔اس کی ایک اور توجیہہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے دوران ایک دشمن اسلام کو قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ سورت چونکہ فتح مکہ سے کئی سال پہلے نازل ہوئی۔اس لیے یہ توجیہہ یا تفسیر، اس قدر موزوں نہیں جس قدر نبی ﷺ کے قیام کی ہے۔

قسم کا ایک مزید حصہ، والد اور لڑکے کا ہے۔اس سے مراد سارے انسان اور ان کی اولاد(توسیع نسل) ہیں۔ انسان، اللہ کی بہترین(چنی ہوئی) مخلوق ہے۔ والد اور اولاد سے ہی سلسلہ چلتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہ السلام لیے ہیں۔ جنہوں نے موجودہ کعبہ کو تعمیر کیا اور ہمارے نبی ﷺ کے جدامجد ہیں۔ زیارت کعبہ کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا۔ یہ تمام موضوعات انسان کے وجود سے متعلق ہیں۔اور جواب قسم، جس کو بیان کرنا اور اس کی اہمیت واضح کرنے کے لیے ہے۔ وہ انسانوں کی اس دنیا کی زندگی کا عمل اور کردار ہے۔

انسانی مشکل:

اہل مکہ اس وقت اور آج بھی بہت سارے انسان، جو خدا پر یقین نہیں رکھتے، وہ ان امور جو انسان کی زندگی میں واقع ہوتے ہیں۔ کا صحیح ادراک نہیں کرتے۔ اگر غور کریں، تو انسان کی

زندگی آسان نہیں۔ ہر انسان خواہ وہ کمزور ہے یا طاقتور، بادشاہ (صاحب اقتدار) ہو یا عام انسان، غریب ہے یا امیر۔ مسلمان ہے یا غیر مسلم، سب ایک مشکل زندگی سے گزرتے ہیں۔ مشکل کی نوعیت ہر قسم کے افراد کے لیے مختلف ہے۔ بادشاہ کو بھی اس کی طاقت کے جانے کا خوف ہے۔ دولت مند کو دولت جانے کا اور غریب کو اپنی

روزی اور زندگی گزارنے کی مشکل پیش ہے۔ یہ سلسلہ جب انسان کو مادر رحم میں روح عطا ہوتی ہے۔اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ سلامتی سے نکلے گا یا نہیں؟ پھر بچپن سے جوانی، پھر بڑھاپا اور موت پر ختم ہوتا ہے۔ وہ وقت بھی بہت مشکل ہوتا ہے۔ خدا پر جو یقین کرتے ہیں۔ وہ اس کو ایک امتحان سمجھتے ہیں اور جو یقین نہیں کرتے، وہ اسے زندگی کا ایک طریقہ سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں یہ سارا سلسلہ، اس زندگی کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ وہ جو چاہیں کرتے ہیں۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے سارے راستے اور وسائل استعمال کرتے ہیں۔ان کو اخلاقی قدر کا احساس نہیں ہوتا۔ان کے نزدیک ان کے مقاصد کے حصول کے لیے کوئی ظلم، دھوکہ یا غلط کام کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کو کسی کا خوف نہیں۔(اس سے مراد حکومت کے قوانین نہیں)۔انسانی فطرت کی بات ہو رہی ہے۔

انسان پر نگرانی:

اگر غور کریں تو زمین کے سارے وسائل پر انسان کا قبضہ ہے۔ لیکن اس کا اپنا وجود پیدائش و موت اس کے قابو میں نہیں۔ زندگی کے بہت سارے معاملات اس کی قدرت و طاقت سے باہر ہیں۔اس سے یہ واضح ہے کہ کوئی اور طاقت ہے جس نے ایک نظام بنا رکھا ہے۔ جس کے تحت ہر کوئی عمر گزار کر چلا جائے گا۔ کیا اس کے ظلم، بداعمالی، دھوکے کے اثرات اور اعمال کی اس کو سزا ملے گی یا نہیں۔ اسی طرح جو آدمی اکثر مجبور و مظلوم رہا۔ انسان کو اس کی مظلومیت کی وجہ سے حق ملے گا یا نہیں؟ دنیا کی زندگی میں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔اس سوال کا جواب، آیات میں دیا گیا ہے کہ انسان قابو میں ہے۔ اسکی نگرانی ہو رہی ہے۔ اسکے اعمال ریکارڈ ہو رہے ہیں۔ لہذا اس کو جواب دینا پڑے گا۔ جو دولت وہ استعمال کرتا ہے۔ "بعد" کے معنی بہت دولت کا استعمال ہے اور اس کی پرواہ نہ کرنا ہے۔ لوگوں کو دکھاتا ہے کہ اس کے پاس کس قدر دولت ہے۔ طاقت کا اظہار کرتا ہے تکبر کرتا ہے۔اور اپنی دولت پر گھمنڈ کر کے جو خرچ کرے، اس کی پروا نہیں کرتا۔ یہ سارا عمل بھی اس کا زیر نگرانی ہوتا ہے۔

نبی ﷺ نے، ایک حدیث میں فرمایا: کہ قیامت کے دن انسان کو ایک قدم بھی اٹھانے سے پہلے ان چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا: (۱): کہ اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی، (آزادی و اختیار)۔(۲۔): اس نے مال کس طرح جمع کیا۔(حلال یا حرام)۔(۳۔): اس نے مال کس طرح خرچ کیا۔(صحیح جائز امور پر یا غیر صحیح اور ممنوع امور پر)۔(۴۔): اپنے علم سے اس نے، کیا کیا۔(عمل کیا اور لوگوں کو سکھایا یا نہیں)۔ان تمام امور کے بارے میں انسان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔اور جواب دینا ہو گا۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ﴿۸﴾ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔

وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ ۙ﴿۹﴾ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ اور ہم نے اس کو دو راستے (خیر و شر کے) نہیں دکھائے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ پس وہ دشوار گھاٹی سے نہیں گزرا (ہمت نہیں کی)۔

عقل و فہم اور اختیار:

انسان کو دنیا میں جو مسائل ہیں، ان کے بارے میں ذکر ہے۔ اس کو اس کے حل بتائے جارہے ہیں، ان کی طرف اشارہ ہے۔ انسان کو دنیا میں آنے کے بعد آنکھیں عطا کیں، جن سے وہ دیکھے اور یہ دیکھنا ایک بصیرت ہے کہ آنکھوں کے ساتھ عقل و فہم جو دیا گیا ہے اسے استعمال کرے۔ اس کے علاوہ اس کو زبان اور ہونٹ دیے۔ تاکہ اپنا مدعا، اور مافی الضمیر بیان کر سکے، لوگوں کو سمجھا سکے۔ نیکی یا بدی کی تلقین کر سکے۔ اس بولنے کے ساتھ آنکھوں کی طرح قوت ناطقہ ، یعنی فہم و ادراک ہے ۔ جس کی وجہ سے انسانوں نے مختلف زبانیں بنائی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جہاں اللہ تعالی نے آنکھ دی، اسے برائی کی طرف روکنے کے لیے آنکھ پر دو پلکیں دی ہیں تاکہ بند کر سکے۔ اور اسی طرح زبان پر دو ہونٹ دیے تاکہ برے استعمال کرنے سے بند کرکے روک دے۔ اس اعلی استعداد و قوت ،یعنی بصارت و بصیرت، **فہم** اور زبان و زبان دانی کے ساتھ اسے صحیح زندگی کے لیے دو طریقے بھی بتادیے، تاکہ اپنی عقل و فہم اور ان قوتوں کے ساتھ صحیح راستے کو اپنا کر دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرے۔ یہ دو راستے **ایک حق کا راستہ** ہے، جو اللہ تعالی کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ انسانی خواہشات و اغراض کو اللہ کے احکام کی روشنی میں پورا کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے جس طرح کے دباؤ اور مشکلات پیش آئیں، ان کا مقابلہ کرنا ہے۔ صبر اور ہمت سے تعمیل کرنی ہے۔ نیکی اور بھلائی کو پھیلانا ہے۔

دوسرا راستہ، **اللہ کے احکام کو نظر انداز** کرنا یا نافرمانی کرنی ہے۔ خواہشات کی پیروی، اپنی اغراض کا پورا کرنا ہے۔ اخلاق کی پرواہ نہیں کرنی، مخلوق کا احساس نہیں کرنا ہے۔ یہ دو راستے، نیکی اور بدی، ظلم اور عدل، اطاعت اور نافرمانی، شکر اور کفر (انکار) کے موجود ہیں۔ آب یہ انسان پر ہے کہ کس راستے کو اختیار کرتا ہے۔ اسے اپنا اختیار سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ہوگا، کیونکہ اس کے نتائج اس کو بھگتنے پڑیں گے۔ اسی مضمون کو سورت الدہر، آیت ۲-۳ ، میں ذکر کیا گیا ہے۔ "ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہم نے راستہ دکھادیا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا"۔

امام ابن مردویہ نے حضرت حسن رضی اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ فرما رہے تھے: اے لوگو: یہ دو ،راستے خیر اور شر کے ہیں اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے شر کا راستہ، خیر کے راستے سے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔ (الدالمنثور)۔ یعنی خیر کا راستہ محبوب بنایا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ھدینا النجدین۔ کا معنی، ہدایت اور گمراہی کے راستوں کی ہے۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی۔ ہم نے انسان کو خیر اور شر کے راستوں کی پہچان کرادی ہے۔

یہ، راہنمائی قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تعلیمات میں، ساری انسانیت کے لیے ہے۔ انسان کے کردار کا ذکر، بلکہ تجزیہ کیا ہے۔ اقتحم، کا معنی کسی مشقت والے کام میں پڑنا اور العقبہ، کا معنی، پہاڑ میں دشوار گزار راستے کو، جو بلندی پر جانے کے لیے گذرتا ہے۔ ہدایت کے باوجود، انسان، اپنی سہل پسندی اور نفس کی پیروی میں، دشوار گزار گھاٹی کی طرف نہیں گیا، یعنی اللہ کے احکام کی تعمیل اور نفس کے خلاف عمل کرنے سے گریز کرتا رہا۔ انسان نے، بلندی پر جانے کے بجائے نیچے جانے کو ترجیح دی، اور شیطان کے چنگل میں پھنس گیا۔ اگلی آیات میں گھاٹی کے راستہ کی مشکلات کی تفصیل دی ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ اور تم کیا جانو وہ دشوار گھاٹی کیا ہے۔

فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ کسی گردن کا غلامی سے چھڑانا۔

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ یا فاقے (بھوک) کے دن کھانا کھلانا۔

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو (کھلانا)۔

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ اور مسکین جو خاک نشین ہو (کھلانا)۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت اور باہم رحم (خلق خدا پر) کی نصیحت کی۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وہی لوگ دائیں طرف والے ہیں۔

گردنوں کو آزاد کرنا:

انسانی کمزوریوں کے اسباب کا ذکر کیا ہے۔ ہدایات کے باوجود انسان آسانی کو پسند کرتا ہے اور اسے آسانی اپنی خواہشات کی تکمیل میں نظر آتی ہے۔ جو مشکلات ،انسان کو حائل ہیں، ان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سب سے اہم انسان کی دولت کی ہوس ہے۔ انسان کی دولت سے محبت کی وجہ سے وہ، انسانی بھلائی اور فلاح و بہبود کے لیے خرچ نہیں کرتا۔ صرف اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہتا ہے یا دکھلاوے اور شہرت کے لیے خرچ کرتا ہے۔ جن چیزوں پر خرچ کرنے کی تلقین کی گئی، وہ درج ذیل ہیں، جو اسلامی فلاحی معاشرے کی اساس ہیں۔

غلاموں کو آزاد کرنا:

اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو آزاد پیدا کیا۔ نبی ﷺ نے کئی بار اس کا ذکر کیا۔ بد قسمتی سے انسان نے انسان کو اپنا غلام بنا لیا۔ اس طرح غلامی پرانے زمانے میں ایک مسلمہ رواج بن گئی تھی۔ جس کو تمام انبیاء نے غلط کہا اور حضرت موسی کو خصوصی طور پر بنی اسرائیل کو اس لعنت سے نکالنے کے لیے حکم دیا گیااور آپ نے ان کو اس عذاب سے نکالا۔ نبی ﷺ کی آمد سے پہلے غلامی ،افریقہ ،مشرق وسطی اور مشرقی و جنوبی یورپ میں عام تھی۔ اسلام نے غلامی کو سراسر ختم اس لیے نہیں کیا کہ ا۔ اگر جنگ میں مسلمان قید ہو جاتے تو غلام بنا لیے جاتے اور ان کو رہا کرنے کے لیے ،دشمن کے قیدیوں کو جو غلام تھے چھوڑنا پڑتا۔ ۲۔ پہلی اسلامی حکومت مالی طور پر بڑی کمزور تھی، مسلمانوں کو فراخی حضرت عثمان کے زمانہ میں ملی۔ اسلام نے غلاموں کو آزادی کا حق دیا۔ غلام اگر چاہے، تو مالک کی مرضی کے خلاف۔ حکومت سے مکاتبت کے لیے زکوٰۃ کے فنڈ سے رقم لے کر آزادی لے سکتا ہے۔ مالک انکار نہیں کر سکتا۔ ۳۔ اگر اس وقت تمام غلام آزاد کر دیے جاتے، تو وہ اپنی معاش کہاں سے حاصل کرتے۔ نہ زراعت تھی، نہ تجارت ،نہ ہی صنعت، تو وہ پھر غلامی میں پھنس جاتے اور ریاست تو ویسے کمزور تھی، اس لیے اسکی اجازت جاری رکھی لیکن آزادی حق قرار دی گیی۔ (بذریعہ زکواتہ اور مکاتب)۔ ۴۔ جو غلام سمجھدار تھے انہوں نے مکاتب بن کر آزادی لے لی۔ ۵۔ اس کے علاوہ بہت سارے جرائم اور گناہوں کے کفارے میں غلام کو آزاد کرنا پہلا کفارہ یا سزا تھی۔ ۶۔ اس کے علاوہ حضور نے کبھی غلام نہیں رکھا۔ خلفائے راشدین نے اپنے سب غلاموں کو آزاد کیا، لیکن وہ لوگ محبت وخدمت کی خاطر برضا در غبت ساتھ رہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان غلام کو آزاد کرے گا وہ دوزخ سے آزاد ہو گا۔ اس کا اعلان نبی ﷺ نے کئی بار کیا۔ کتب حدیث میں اس پر ابواب ہیں۔ قرآن مجید نے بھی کئی بار تاکید کی۔ یہ آیت بھی یہی حکم دے رہی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غلام کو آزاد کرنا صدقہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر صدقہ سے پہلے ہے۔ موجودہ زمانہ میں غلامی جب ممنوع ہے۔ تو مقروض افراد (جو مجبور ہیں) کو ان کے قرض کی ادائیگی گویا گردن کا آزاد کرنا ہے۔ (اسکی زکوۃ میں بھی اجازت ہے)۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا:

ا سلام سماجی و معاشی انصاف کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اسلامی مملکت فلاحی مملکت ہے۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ فقراء صحابہ کو جنگوں سے ملنے والے مال غنیمت سے مدد کی۔ تاکہ ان کے معاشی حالات بہتر ہوں۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر نے لوگوں کے وظیفے لگائے اور کمزوروں کو ریاست نے مالی مدد دی۔ اس میں یتیم، بیوائیں اور غربأ شامل

تھے۔ان کو کھانا کھلانا بہت ثواب ہے۔اسی مضمون کو سورت الدھر میں میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔کھانا کھلانے میں یتیموں کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔رشتہ دار یتیم کے ساتھ نیکی کا اجر زیادہ ہے کیونکہ قرابت،صلہ رحمی کا بھی ثواب ہے۔ اسی طرح وہ مساکین جن کے گھر بار نہیں یا جن کی معاش نہیں،ان کو بھی کھلانا بہت بڑا ثواب ہے۔قرآن مجید کا،اس میں کئی دفعہ ذکر آیا ہے۔احادیث مبارکہ میں اس پر ابواب ہیں۔حضرت ابوہریرہ، روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کی مدد کے لیے دوڑ، دھوپ کرنے والا ایسا ہے، جیسے جہاد فی سبیل اللہ میں دوڑ دھوپ کرنے والا۔اس کے ساتھ وہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ ایسا ہے جیسے وہ شخص نماز میں کھڑا ہے اور آرام نہ لے اور جو پے درپے روزے رکھے اور کبھی روزہ نہ چھوڑے۔(مسلم)۔اسی طرح یتیم کی کفالت میں متعدد احادیث ہیں۔ فقراٗ کی عزت اور خیال کرنے کے بارے متعدد احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ یتیم کے ساتھ محبت کرنے والے یا (پالنے والے) کو آپ نے اپنی معیت کی نوید دی ہے۔آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا کہ میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔آپ خود یتیمی سے گزرے ہیں لہذا یتیموں کو آپ پر ناز ہے۔

ایمان:

ان امور کے ساتھ اللہ کی ذات پر ایمان بہت ضروری ہے۔اگر ایمان نہیں رکھتا تو اپنے خالق ومالک جس نے اس قدر عنایات کی ہیں، جسم دیا، عقل دی، زندگی دی، اس کا شکر ادا نہیں کرتا تو اس کا بھی حساب ہوگا کیونکہ ہر عمل کا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے۔ حقوق اللہ کا حساب ہوگا اور پورا نہ کرنے پر سزا ہوگی۔یہ بات کئی مرتبہ واضح کی گئی ہے۔(سورت النسآٗ، النمل، المومن)۔

نیک معاشرہ:

ایمان کے بعد جس اہم کام کی طرف اشارہ ہے وہ آپس میں تعاون کا حکم ہے۔آیت کا ترجمہ ہے کہ "پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوا۔تواصوا۔ جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کی"۔اس سے واضح ہے کہ صرف فرد کا ایمان لانا، یا نیک کام کرنا ہی مطلوب نہیں، بلکہ مقصود اعلی یہ ہے کہ ہر ایمان لانے والا، ان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جائے، جو ایمان لائے ہیں اور ایک جماعت بن کر ایک صالح معاشرہ قائم کریں اور اجتماعی طور پر بھلائیوں کو قائم کیا جائے۔ برائیوں کو مٹایا جائے۔یہی ایمان کے تقاضے ہیں۔

صبر:

معاشرہ کے قیام میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین بڑی اہم ہے۔ یہ امور آسانی سے حاصل نہیں ہوتے۔ صبر ایک ایسی قوت ہے، جس سے مشکل آسان اور زندگی پر سکون ہوتی ہے۔انسان کی زندگی میں اسے ،ایک اہم

خصوصیت و قوت اللہ تعالی نے عطا کی ہے۔ جس کا استعمال آدمی کو بہت بہتر انسان بناتا ہے۔ وہ صبر ہے۔ صبر کا وسیع مفہوم ہے۔ زندگی کے معاملات میں داخل ہوتے ہی امتحانات، مشکلات شروع ہو جاتے ہیں۔ ان سب میں صبر کا سہارا اور کردار، بڑا اہم ہوتا ہے۔ اللہ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا، برائیوں سے بچنا، خواہشات پر کنٹرول کرنا، تکالیف کو سہنا، ان سب امور میں کامیابی کے لیے صبر ایک بہترین ہتھیار ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔

معاشرے میں مشکلات، اخلاقی اقدار کو قائم کرنا، دوسروں کے حقوق کا خیال، یہ سارے امور انتہائی مشکل اور دشوار گزار گھاٹی ہے، جس میں ایک مسلمان صاحب ایمان کے لیے بڑی جدوجہد ہے۔ لیکن اگر سب باہم تعاون اور مل کر کام کریں تو یہ جدوجہد کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ بلکہ ایک جذبہ اور کامیابی کا زینہ بن جائے گی۔ ایک صالح معاشرہ قائم کرنے اور انسانوں کا کامیاب کرنے کے لیے ایک فوج بن جائے گی۔ اور معاشرہ قائم ہو جائے گا۔

رحم و مہربانی:

مومن کا ایک اور مقام اور علامت رحم و مہربانی ہے۔ اس کا حکم "تواصو بالمرحمۃ" کے ذریعہ دیا ہے، کہ ایک دوسرے کو رحم کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ رحم خلق خدا پر رحم و مہربانی ہے۔ اسلامی معاشرہ محبت، تعاون اور رحمت و مہربانی کا معاشرہ ہوتا ہے۔ جہاں ہر فرد دوسرے کا غم خوار اور ہمدرد ہوتا ہے۔ ایک مومن شان رحیمی، کا مظہر ہے۔ مومنوں اور تمام انسانیت کے لیڈر، کی تعریف بھی "رحمت اللعالمین" بیان کی گئی ہے۔ (وماارسلنک الا رحمۃ اللعالمین، الا نبیاٗ ۱۰۶) ا حادیث میں اس پر ابواب ہیں۔ نبی ﷺ کی ذات اس کی اعلی مثال ہے۔ احادیث مبارکہ ہیں:

۱۔ اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا (بخاری/مسلم) ۔

۲۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا (بخاری)۔

۳۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور بڑے کی عزت نہ کرے (ترمذی)۔ ۴۔ بد بخت آدمی کے دل سے ہی رحم سلب کر لیا جاتا ہے۔ (ترمذی)۔

ان خصوصیات والے افراد کامیاب افراد ہیں۔ جن کو دائیں جانب والے افراد قرار دیا ہے۔ دایاں اور بایاں کی تفسیر سورت الواقعہ میں ذکر کی گئی ہے۔ یہ اصحاب برکت والے اور کامیاب ہیں، اس وجہ سے جنت کے حقدار ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ اور جنہوں نے ہماری آیات ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو والے ہیں۔

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔

انکار کاانجام:

اللہ تعالی کے جو احکام،اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں، سراسر انسانی فلاح کے ہیں۔ان سے انکار کرنے والے،وہ افراد ہیں،جو بائیں طرف والے ہیں جو برائی کو ترجیح دیتے ہیں۔دولت کی حرص میں یتیم،مساکین اور محتاجوں کا خیال نہیں کرتے، بلکہ اپنی ذات، خواہش اور نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ نیکی کو ٹھکراتے ہیں۔احکام الہی سے انکار کرتے ہیں۔صالح معاشرہ قائم نہیں کرتے، یہ اہل فساد ہیں اور ان کا انجام دوزخ کی بھڑکتی آگ ہے جس میں ان کو سزا ملے گی۔اللہ تعالی ہمیں محفوظ فرمائے۔آمین،(سورت مکمل ہوئی)۔

91- سورۃ الشمس

تعارف:

سورت الشمس کا نام اس کے پہلے لفظ ''والشمس'' سے ماخوذ ہے، جو سورج کی قسم ہے۔ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اسلام کا ابتدائی دور تھا، جس میں کمزور مسلمانوں پر ابتلاء اور ظلم بہت ہو رہا تھا۔ اس سورت میں پندرہ آیات اور ایک رکوع ہے۔ یہ سورت البلد کے بعد نازل ہوئی۔ مضامین، بالخصوص انسان کے برے اور اچھے کردار کا موازنہ مشترک ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عشاء کی نماز میں، والشمس والضحیٰ اور اس کے مشابہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی النسائی)۔

سورت کی ابتدائی آیات میں کائنات کے عظیم مظاہر، سورج اور اس کی دھوپ، رات کا سماں اور چاند کا طلوع و غروب اور چاندنی، زمین، جس پر انسان رہتا اور رزق اٹھاتا ہے۔ پھر انسان کا جسم اور اس کی ساخت و متناسب اعضاء، روح یعنی عقل و فہم کی قوت، جس میں علم و فہم اور تجزیہ کی استعداد ہے۔ یہ فہم و عقل، جو برائی، بھلائی، نرم و سخت، آسان و مشکل، اچھے اور برے کے بارے، تجزیہ کی صلاحیت اور ادراک رکھتی ہے، اس کا ذکر بڑے اہم انداز میں کیا ہے، تاکہ قاری ان تمام حقائق اور قوتوں کا صحیح ادراک کرے اور غور و فکر کرے۔ اس کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ جو شخص بھلائی، نیکی اور فلاح کی طرف جائے گا یا گیا، وہ کامیاب ہوا، اور ہوگا۔ جو برائی اور گناہ کی طرف جائے گا یا کرے گا، وہ تباہ و برباد ہوگا۔

ایک قوم، قوم ثمود کی تاریخ سے مثال واضح کی، جنہوں نے نافرمانی کی، نبی کے احکام نظر انداز کئے اور تباہ ہو گئے۔ اہل مکہ اور دوسرے افراد، جو نافرمانی پر اصرار کرتے اور اصلاح و فلاح سے منہ موڑتے ہیں، ان کے لیے وارننگ ہے۔ سورت، قرانی اعجاز، فصاحت و بلاغت کا لازوال شاہکار ہے۔ یہ مکی سورتوں بالخصوص ابتدائی سورتوں کا اعزاز ہے اور اہلِ عرب جن کو اپنی فصاحت پر ناز تھا، کو باور کرایا ہے کہ یہ کلام الہٰی ہے، انسان کا کلام نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىہَا ۙ﴿۱﴾ سورج اور اس کی دھوپ چڑھنے کی قسم۔

وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۙ﴿۲﴾ اور چاند کی جو اس کے پیچھے آتا ہے۔

وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۙ﴿۳﴾ اور دن کی، جب وہ سورج کا جلوہ دکھاتا ہے۔

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىہَا ۙ﴿۴﴾ اور رات کی، جب وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝ اور آسمان کی، اور جس نے اسے بنایا۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝ اور زمین کی، اور جس نے اسے بچھایا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ اور انسانی نفس (وجود) کی اور جس نے اسے درست بنایا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ پھر اس کی بدی اور تقویٰ (پرہیز گاری) کا اس پر الہام کیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ یقیناً فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ اور یقیناً جس نے اپنے نفس کو آلودہ کیا، ناکام و نامراد ہوا۔

سورت کی ابتداء انسان کے ساتھ نظام شمسی کے اہم موجودات سے کی گئی ہے۔ اس کا مقصد، ان موجودات کی اہمیت کے ساتھ ان کے خالق کی اہمیت کو بھی واضح کرنا ہے۔

سورج، چاند اور زمین:

سورج کی قسم اور اس کی دھوپ، جس سے انسان، حیوانات، تمام جاندار اور نباتات فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے بعد دوسرے، وجود چاند کا ذکر ہے۔ مہینہ کے پہلے حصہ میں سورج کے غروب کے بعد یا پہلے، چاند، ظاہر ہوتا ہے۔ وسط مہینہ میں سورج کے بالکل ساتھ ساتھ ہوتا ہے اور آخری حصہ میں سورج کے بہت بعد ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے تاریخ اسانی سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے انسانی زندگی، نباتات اور حیوانات، موسموں پر اثرات ہیں۔ جن کو ہم علوم میں ترقی سے زیادہ سمجھ رہے ہیں۔ رات کی قسم اٹھائی ہے، رات دن کے بعد آتی ہے، اس کا ذکر ہے، رات کا اندھیرا، گویا سورج کی روشنی کو، ڈھانپ لیتا ہے۔ پھر آسمان کا ذکر ہے۔ جس میں سورج چاند، زمین کے مدار ہیں۔ جن پر سب رواں دواں ہیں۔ یہ ستارے ہیں۔ جو حرارت و روشنی دیتے ہیں۔ یہ نظام کس قدر پیچیدہ اور منظم ہے۔ آج تک اہل علم اسے سمجھنے کی کوشش میں سر گرداں ہیں، یہ اپنے خالق کے علم و طاقت کا مظہر ہے۔ زمین کا ذکر ہے۔ جس پر انسان رہتا ہے، پیدا ہوتا، بڑھتا اور ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی سطح کی حالت، یہ کیسے پھیلائی گئی۔ اس کی سطح کی قوت، جس سے مختلف نباتات نکل رہے ہیں۔ جن سے انسان و حیوانات غذا کھاتے ہیں۔ یہ سب امور غور و فکر کے طالب ہیں۔

انسانی جسم اور قوت:

انسان کا ذکر کیا ہے۔ اس کا اپنا وجود ہے اور کس قدر موزوں ہے۔ اس کی قد و قامت، ہاتھ، پاؤں، اعضاء، نظام جسم، دماغ اور عقل۔ حواس خمسہ کا ڈیزائن اور قوت، اس کی زمین پر زندگی بسر کرنے کے لیے موزوں ترین ہے۔ انسانی دماغ اور حواس، خمسہ، علم حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ قوت عقل و فہم سے استدلال اور فیصلہ کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ قوت حافظہ، قوت تمیز، قوت ارادی، یہ وہ قوتیں اور خاصیتیں ہیں، جو تمام مخلوق سے اسے ممتاز کرتی ہیں۔ یہی انسان کو بہترین انداز

میں پیدا کیا (لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم) کی تفصیل ہے۔ قوت، عقل و فہم، ایک بڑا امتیاز و انعام ہے، جو انسان کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے۔ انسان کا رجحان طبعی بھلائی کی طرف ہے۔ جس طرح حدیث مبارکہ ہے کہ انسان دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، یعنی ابتدائی ماحول بہت اہم ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ اسی طرح ایک اور حدیث مبارک کے مطابق "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے تمام بندوں کو دین حنیف (صحیح الفطرت) پیدا کیا تھا، پھر شیطان نے آکر، ان کو ان کے دین (فطری دین) سے گمراہ کر دیا اور ان پر دو چیزیں حرام کر دیں، جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں۔ ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان کو شریک کریں، جس کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نہیں کی۔ (مسلم / مسند احمد۔ میں الفاظ و معانی مشترک ہیں)۔ اس قوت فہم و ادراک کے بعد فطری رجحان کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ان کے لیے راہنما چنے یا متعین کئے۔ ان پر اپنا کلام یا ہدایت نامہ، نازل کیا تاکہ لوگوں کو شیطان کے وسوسے اور دھوکہ میں ڈالنے سے بچائیں۔ کس قدر عظیم حقیقت ہے، اور مخلوق سے محبت کا اظہار ہے۔

دونوں راستے:۔

ان تمام موجودات اور ان کے خالق کی قسم، کا جواب، بڑا اہم اور واضح ہے، کہ جس نے ہدایت نیکی، بھلائی اور اللہ کے احکام کی اطاعت کا راستہ اپنایا، اپنے نفس (وجود) کو اطاعت گزاری پر لگایا، وہی کامیاب ہوا۔ اس دنیا میں بھی وہ سکون سے رہے گا۔ زندگی میں مشکلات، معاش، صحت و بیماری اولاد و معاشرت کی صورت میں پڑ سکتی ہیں، لیکن اس کی زندگی میں مایوسی اور غم نہیں ہو گا، بلکہ سکون رہے گا۔ مرنے کے بعد بھی عالم برزخ اور قیامت کے بعد بھی سکون اور کامیاب زندگی ہو گی۔

انسان گمراہی، نافرمانی، بدی کا راستہ اختیار کرے گا، تو اسے دنیا میں بھی نفسیاتی مصائب ہوں گے، یعنی وہ دولت، حرص، لالچ، تکبر، کینہ و بخل کی مشکلات و امراض کا شکار ہو گا۔ پھر مرنے کے بعد قیامت کو بھی اپنے برے اعمال کی وجہ سے تباہ ہو گا۔ انسانوں کو اپنے فائدے اور کامیابی کے لیے، اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور نازل کردہ احکام کو غور سے پڑھنا چاہیے اور ان پر عمل کرنے میں، ہی نجات و سکون ہے۔

یہ بھلائی کا راستہ، پاکیزگی کا، طریقہ حیات ہے اور دوسری طرف گناہ اور سرکشی کا طریقہ زندگی ہے۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اور نہ دنوں کے اثرات، انسانی زندگی پر برابر ہیں۔ ان کی مثال واضح کی ہے کہ سورج اور اس کے اثرات اور ہیں، دن ہے۔ رات کے اثرات، چاند کے اثرات اور ہیں۔ اسی انسانی کردار میں گمراہی اور برائی، اس کے مقابل، بھلائی اور نیکی کے اثرات بالکل مختلف ہیں۔ اپنے خالق کا ادراک، اس کے احکام پر عمل، بعض اوقات مشکل نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں نہیں۔ جس نے انسان کو پیدا کیا اور اتنی صلاحیتیں دیں، اس کا اقرار اور اس کی بندگی بھی لازمی

ہے۔ اگر انسان اپنے خالق کے احکام نہیں مانتا، تو وہ ذات و قوت، جس نے انسان کے علاوہ اتنے عظیم موجودات کو پیدا کیا (سورج، آسمان، چاند، زمین) ، وہ اس قدر طاقتور ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کی سزا دے، جس طرح موت و پیدائش، انسان کے بس میں نہیں۔ اسی طرح اس سزا سے بچنا بھی انسان کے بس میں نہیں۔ یہ پیغام اس وقت اور قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (اپنے رسول کو) جھٹلایا۔

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھا۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا، اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری کی حفاظت کرو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۫ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ پھر انہوں نے اسے (رسول کو) جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں، تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے صفایا کر دیا۔

وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا۔

قوم ثمود کی تباہی:

نبی کی ہدایت کو نظر انداز کرنے کے انجام کے بارے میں قوم ثمود کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ اس سے پہلے سورۃ اعراف اور سورۃ الشعراء میں گذر چکا ہے۔ قوم ثمود کے نبی حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ ان سے قوم نے معجزہ طلب کیا، کہ پہاڑی سے حاملہ اونٹنی نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ کو پورا کر دیا۔ حضرت صالح نے، ان کو ہدایت کی کہ اونٹنی کی حفاظت کریں۔ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ پانی پینے کی، ایک دن، اس کی باری ہو گی اور دوسرے دن، گاؤں والوں کی ہو گی۔ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے احکام و ہدایات کی پرواہ نہ کی۔ سب نے مل کر ایک شخص جس کا نام، قدار بن سالف تھا۔ اس کو کہا اور اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور دوسرے افراد نے ہلاک کر دیا۔ چونکہ سب اس مشورہ میں شامل تھے، اس لیے، اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک زبردست چنگھاڑ یا چیخ، (شاک ویوز) سے ساری بستی تباہ ہو گئی۔ آخری آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: کہ کونچیں کاٹنے والے بدبخت نے تباہی، جس کی حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو وارننگ دی تھی، کی پرواہ نہیں کی اور دوسری صورت یہ ہے کہ تباہی نازل کرنے والی قوت (اللہ تعالیٰ) نے ان کی تباہی کی پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے احکام و تعلیمات کے منکر اور نافرمان تھے۔ قریش مکہ پر واضح کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی نبی ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں اور مخالفت کرنے والوں کا انجام بدتر ہوتا ہے۔ اپنا رویہ بدلیں نبی ﷺ کی ہدایات و تبلیغ کی مخالفت ختم کر کے، اسلام قبول کر لیں۔

92- سورۃاللیل

تعارف:

سورت ''اللیل'' کا نام اس کی پہلی آیت کے پہلے لفظ کی وجہ سے ہے۔''واللیل اذا یغشیٰ'' رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لے'' ۔یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ مضامین کے اعتبار سے، مکہ شریف میں اسلام کے ابتدائی ایام تھے۔الشمس اور البلد، ساتھ ساتھ کے زمانہ میں نازل ہوئیں۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ،ظہر اور عصر کی نمازوں میں سورت ''وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى'' پڑھا کرتے تھے۔(الدر المنثور)۔ سورت میں اکیس آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر نو(9)اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر بانوے(92) ہے۔ مضامین کے لحاظ سے سورت الشمس کے ساتھ مشترک ہے۔دونوں سورتوں میں اخروی زندگی،(آخرت میں) فلاح کے امور کا ذکر ہے۔

سورت کے پہلے حصے میں کائنات کے موجودات، جو انسانی زندگی میں اہم ہیں اور ہر فرد ان سے آگاہ ہے، کی قسم اٹھا کر ابتداء کی گئی ہے، تاکہ قاری یا سامع کو پیغام کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے۔انسانی زندگی میں آنے والے مسائل و واقعات کا ذکر کر کے، اس کو فلاح و نیکی اور بدی و گمراہی کے راستے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں، نیک بخت اور بد بخت افراد کا، ان کے افعال کے ذریعے تقابل کیا گیا ہے، تاکہ ہم اس سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگی کے لیے خوش بختی کا انتخاب کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ رات کی قسم! جب وہ چھا جائے۔۔

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ اور دن کی (تم) جب وہ روشن ہو جائے۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کئے۔۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾ بے شک تمہاری کوششیں (آپس میں) مختلف نوعیت کی ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور (اللہ سے) ڈرتا رہا۔۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ اور جس نے نیک بات (میں) کی تصدیق کی۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ تو اسے عنقریب ہم آسان راستے کی سہولت دے دیں گے۔۔

وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۝ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ (اللہ سے) رہا۔

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ اور نیک بات کو جھٹلایا۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ تو اسے عنقریب ہم مشکل راستہ کی سہولت دے دیں گے۔۔

وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اور جس کا مال کام نہ آئے گا، جب وہ گڑھے (عذاب) میں گرے گا۔

سورت کی، ابتداء میں ہماری زندگی میں موجود، ان حقائق اور وجود کا ذکر کیا ہے، جس کو ہر شخص دیکھتا اور جانتا ہے، لیکن ان کے وجود، اس کی اہمیت اور ان کے نظام کی طرف غور نہیں کرتا۔ رات کی قسم! جب چھا جائے۔ مفسرین نے لکھا ہے، کہ پہلے اندھیرے کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ پھر روشنی کو پیدا کیا۔ موجودہ سائنس (فلکیاتی فزکس) بھی ڈارک میٹر۔ ''اندھیرا'' کے وجود کا ذکر کرتی ہے اور پھر روشنی کے وجود کا ذکر کرتی ہے جو چارج شدہ ذرات پر مشتمل ہوتی ہے۔ رات، (اندھیرا) جو ہر چیز (انسان، حیوانات اور موجودات) کو، نگاہوں سے ڈھانپ لیتی ہے۔ اس کے بعد دن کا ذکر ہے۔ جو اشیاء اور موجودات کو منور کر دیتا ہے اور پھر نظر آتی ہیں۔ اور یہی دن روشن ہو کر انسانوں اور حیوانات کی جدوجہد، اور معاش کا ذریعہ بنتا ہے۔ رات، دن اور حیوانات کی جدوجہد کے بعد، ان کے وجود کا ذکر ہے۔ ان میں تسلسل برقرار رکھنے کے لیے نر اور مادہ کی تخلیق کا ذکر کیا۔ وہ ذات جس نے ان حیوانات میں، نر اور مادہ پیدا کئے، تاکہ ان کی نسل کو تسلسل ملتا رہے اس ذات کی بھی قسم ہے۔ یہ تمام امور بہت اہم ہیں اور ان کے وجود اور کردار کی وجہ سے ان کی قسم اٹھا کر، انسان کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔

انسان کا ذکر ہے۔ اس کے کردار اور اعمال کا تذکرہ کیا۔ انسانوں کے کردار اور صفات آپس میں مختلف ہیں۔ کوئی چھوٹا ہے کوئی لمبا ہے۔ کوئی قوی ہے، تو کوئی ضعیف ہے۔ کوئی دولت مند ہے تو کوئی غریب ہے، کوئی بیمار ہے تو دوسرا صحت مند ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اعمال و کردار بھی مختلف ہیں، کوئی نیک ہیں۔ بھلائی کرنے والے، نیک اعمال کرنے والے ہیں اور کوئی برے اور برے اعمال کرنے والے ہیں۔ یہ صفات اسی طرح مختلف ہیں جس طرح رات، اور دن، اندھیرا اور روشنی، نر اور مادہ مختلف ہیں۔ ان اعمال کے اختلاف کی وجہ سے انسان کو اس کے نتائج بھی مختلف و متضاد ملیں گے۔

بھلائی کا راستہ:

جن امور کا خصوصی تذکرہ ہے وہ 'حُسنیٰ' ہے جو کہ جامع لفظ ہے۔ یہ سچائی، بھلائی اور نیک اعمال پر مشتمل ہے، بالخصوص جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ دوسروں کی تکلیفوں کو دور اور کم کرنا

ہے۔جواللہ نے رزق ودولت دی ہے،اس میں محروم افراد کو شامل کرنا ہے۔بندوں کے حقوق، خلق خدا کی خدمت اور پھر اس کے ساتھ اللہ پر ایمان اور اللہ کا خوف دل میں ہونا ہے۔ساری زندگی میں ان تمام امور سے پرہیز کرنی ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔اس میں طرز فکر(سوچ)اعمال اور اخلاق سب امور شامل ہیں۔اس عمل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انسان کے راستے کو آسان کردیں گے۔

زندگی کا راستہ، فطرت کے مطابق ہوگا۔جہاں انسان اپنے ضمیر کے ساتھ مطمئن اور اپنی زندگی پر خوش ہوگا۔ زندگی میں کشمکش نہیں ہوگی اور اللہ کی دی ہوئی قوتیں اپنی صحیح راہ اور طریقہ پر استعمال ہوں گی۔زندگی پر سکون ہوگی۔

نیکی اور گناہ:

حضرت نواس بن سمعانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: نیکی عمدہ اخلاق ہے اور گناہ، وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تم اس کو ناپسند کرو کہ اور لوگوں کو اس کام کا علم ہو۔(مسلم/ترمذی)۔کس قدر جامع نیکی اور گناہ کی تعریف ہے۔تمام عمومی اخلاق کو شامل ہے۔ عبادات سے اسکا تعلق بہت تھوڑا ہے۔

جو آدمی، اپنا مال خلق خدا کی بھلائی کے لیے استعمال کر رہا ہو، ہر ایک سے نیک سلوک کرے، زندگی جرائم و فجور، بدکرداری سے پاک ہو۔معلومات میں سچا ہو۔بدعہدی اور بے وفائی، کرنے والا نہ ہو۔جس سے کسی کو خیانت اور ظلم کا اندیشہ نہ ہو۔ہر شخص سے اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ایسا شخص ہر معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دل اس کی طرف مڑتے ہیں، اسکی عزت ہوتی ہے۔یہ وہ راستہ ہے جس پر چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ راہ آسان کردیتے ہیں۔ اسی راستے کی تصدیق کرتا ہے اور اسی پر رواں دواں رہتا ہے۔آیات کے موقع نزول کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اسلام کے ابتداء کے دور غریب، مجبور غلام(مرد عورتیں) مسلمانوں کو ان کے ظالم و کافر مالکوں سے خرید کر ان کو آزاد کردیا تاکہ وہ باعزت زندگی گذاریں۔ایک دفعہ ان کے والد نے ان سے کہا: کہ اگر ان غریب اور کمزور عورتوں اور لونڈیوں کے بجائے طاقتور لوگ آزاد کراتے تو تمہارے وہ بازو بنتے۔حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جواب تھا کہ میں نے جس مقصد کے لیے کیا ہے وہ اور ہے، یعنی اللہ کی رضا کے لیے ان کو خرید کر آزاد کردیا۔مجھے کسی بدلہ یا معاوضہ یا طاقت کی ضرورت نہیں۔یہ آیات مبارکہ تمام انسانوں کے لیے مینارِ نور ہیں۔

بخل اور خود غرضی:

اس کے بعد دوسرا عمل اور اخلاق اس کے بالکل برعکس ہے۔اعمال مختلف ہیں اور ان کا نتیجہ بھی مختلف ہے۔ یہ شخص کردار میں بخیل ہے یعنی مال کو خرچ کرنے کے بجائے جوڑنے یا جمع کرنے میں لگ جاتا ہے۔نہ اپنے، نہ اپنی اولاد اور نہ دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔نیکی کے کام تو بہت دور کی بات ہے۔ایک اور آدمی اپنا مال، صرف اپنی ذات کی خوشی، دلچسپی اور تفریح پر خوب خرچ کرتا ہے، لیکن معاشرے میں محروم و مجبور افراد کے لیے اس کے دل میں کوئی جگہ نہیں اور نہ رحم ہے۔وہ صرف دکھاوا' شہرت، مادی منفعت کے لیے خرچ کرتا ہے۔اسلام کے نقطہ نظر سے یہ بھی بخیل ہے۔کیونکہ انسانوں کی محبت سے محروم ہے۔بے پرواہی یا بے نیازی سے مراد، ان کا رویہ ہے کہ وہ اپنے کردار اور تگ و دو میں، دنیا کی زندگی کو ہی محور و مرکز خیال کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ (خالق انسان و کائنات) کے احکام و ہدایات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔کچھ پروا نہیں کرتا کہ مالک کائنات کون سے اعمال کو پسند کرتا ہے۔اور کون سے اعمال سے ناراض ہوتا ہے۔یہ طرزِ فکر و عمل، نیک اعمال کے انکار کے برابر ہے اور اس کی زندگی کا راستہ مشکل راستہ ہو گا، جہاں وہ ہر وقت ایک اعصابی پریشانی، جس میں شہرت، اقدار کی محرومی، دولت و مال میں کمی و زیادتی کے اتار چڑھاؤ میں پھنسا رہے گا۔ کبھی اتار کا خوف اور کبھی چڑھاؤ کی حسرت، اس کو گھیرے رکھے گی۔اپنے اس کردار کی وجہ سے وہ معاشرے میں فساد کا اضافہ تو کر سکے گا لیکن نیکی اور بھلائی کا اضافہ نہیں کرے گا۔یہ مال و دولت و شہرت و طاقت سب عارضی ہوتی ہے۔ جس کے لیے انسان برائی کو کرتا اور ہر ظلم کو روا رکھتا ہے۔خیانت و بدعہدی اس کے کردار کا حصہ تھا۔جب اس کی موت آئے گی، تو یہ مال و دولت، عمارت و اولاد اور اصحاب یہیں رہ جائیں گے۔وہ تنہا، اس دنیا سے چلا جائے گا۔یہ وہ سخت راستہ ہے، جس پر اللہ کی رحمت سے محروم شخص چل پڑے گا اور بالآخر اسی راستے میں دنیا سے چلا جائے گا۔یوم حساب کے سوا اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہو گا اور عذاب کے گڑھے میں گر جائے گا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ بے شک سیدھا راستہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے۔

وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى ﴿١٣﴾ بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ پس میں تم کو بھڑکتی آگ سے ڈرا چکا ہوں۔

لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ جس میں صرف بڑا بدبخت ہی جھونکا جائے گا۔

الَّذِيْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿١٦﴾ جس نے حق کی تکذیب کی اور منہ موڑا۔

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ اور عنقریب اس (آگ) سے پرہیزگار (ڈرنے والا) دور رکھا جائے گا۔

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰىۚ﴿۱۸﴾ اور جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔(خرچ کرتا ہے)۔

وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤىۚ﴿۱۹﴾ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰىۚ﴿۲۰﴾ وہ تو صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے۔

وَ لَسَوْفَ یَرْضٰىؕ﴿۲۱﴾ اور عنقریب وہ (رب اعلیٰ) اس سے راضی ہوگا۔

دو حالتوں یا کیفیت کے بعد انسان سے خصوصی تعلق کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مطلع کیا ہے کہ بوجہ خالق انسان ،اس کی ہدایت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اٹھایا اور اس کا بندوبست کیا ہے۔ یہ بندوبست، انبیاء علیہ السلام کی رہنمائی کے ساتھ، الہامی کتب کا نزول ہے، جس کی آخری کتاب اور نبی، ہمارے نبی ﷺ اور قرآن مجید ہے۔اس میں انسان کو سیدھی راہ، اللہ کے احکام، اس کی رضا، نیکی اور بدی کی تفصیل دی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے عملی تعلیم بھی دی ہے۔ گمراہی کے راستے، ظلم، جھوٹ، بدعہدی اور اللہ کی نافرمانی و جرائم۔ مخلوق و خالق کے حقوق کا ذکر موجود ہے۔ ان ہدایات کے ذریعے انسان کو عذاب و تباہی سے ڈرایا اور بچنے کے لیے راستہ دکھایا گیا ہے۔انسان کی یہ غلط فہمی ہے کہ وہ خالق کائنات کی سزا سے بچ سکتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی زندگی، دونوں، خالق کائنات کے کنٹرول میں ہیں۔انسان احکام مانے گا تو فائدہ اٹھائے گا اور نافرمانی کرے گا تو خود عذاب اٹھائے گا۔ان ہدایات و تعلیمات کے بعد بھی اگر کوئی گمراہی کی راستے پر چلتا ہے۔ بھلائی اور اخلاق حسنہ کو نظر انداز کرتا۔ حقوق اللہ و انسانی حقوق پورے نہیں کرتا، تو وہ بڑا بدنصیب ہے، کہ اپنے آپ کو آگ میں جلائے گا۔ یہ پیغام اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر قرآن مجید میں واضح کیا ہے۔ سورت آل عمران آیت ۱۴۵۔ ''جو شخص ثواب، دنیا کے ارادے سے کام کرے گا، اس کو ہم دنیا ہی میں دیں گے اور جو ثواب آخرت کے ارادے سے کرے گا اس کو ہم آخرت میں سے دیں گے۔اسی طرح سورت شوریٰ آیت بیس، میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ ''جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا، کی کھیتی چاہتا ہے، اسے دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔ مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے''۔ نیک اور پرہیز گار انسان، جو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اس سے اپنا ذاتی مفاد نہیں لیتے، ان کا ذکر دوبارہ کیا ہے کہ ان کو ان کے ان نیک اعمال کا بدلہ ملے گا، کیونکہ وہ مال اللہ کی رضا اور مخلوق کے بھلے کے لیے کرتے ہیں اور دنیا کے کسی فائدے کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کو اس کام کا اجر ملے گا یہ اجر اس دنیا میں بھی نعمت کی صورت میں ہو سکتا ہے اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت میں اعلیٰ مقام بھی ہو سکتا ہے۔ان دونوں صورتوں میں وہ خوش و راضی ہوں گے۔

93- سورۃالضحیٰ

تعارف:

سورت کا نام سورت کے پہلے لفظ، والضحیٰ ''چاشت کے وقت کی قسم'' سے ماخوذ ہے۔ چاشت کا وقت جب سورج بلند ہو چکا ہو۔ دن پورا روشن اور دھوپ چمک اٹھی ہو۔ سورت میں نبی ﷺ کی عظمت اور بلند مقام کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آپ پر انعامات کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

پہلی آیات میں دن اور رات کی قسم اٹھا کر آپ کو تسلی دلائی گئی ہے۔ کفار کے طعنوں اور ان کے مظالم سے ،جو آپ بعض اوقات پریشان ہو جاتے تھے،اس کی تشفی کی گئی ہے۔ موجودہ مشکلات کے ذکر کے ساتھ آنے والی کامیابیوں کی نوید سنائی گئی ہے۔ بلکہ مزید انعامات کی بھی خبر دی گئی ہے۔

بچپن اور جوانی کی زندگی میں انعامات کا ذکر ہے، اسلامی اخلاق اور کام کی ہدایت کی گئی ہے کہ معاشرہ کے محروم اور مجبور افراد کی دست گیری کی جائے، بالخصوص یتیم کا ذکر ہے اسی طرح سماجی و معاشی مفلوک الحال افراد کے لیے نرمی اور دلجوئی و مدد کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات واکرامات کا ذکر اور پھر اس کا شکر کرنے کی ہدایت ہے۔ سورت مکہ شریف میں ابتدائی ایام میں نازل ہوئی اور اس کا وقت نزول سورت اللیل کے قریب ہے۔ سورت میں گیارہ آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے گیارہ اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے ترانوے (93) ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ چاشت کے وقت کی قسم۔

وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ اور رات کی قسم، جب پھیل جائے۔

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔

آیات مبارکہ میں صبح جب روشنی خوب پھیل جاتی ہے دن چمک اٹھتا ہے۔ دھوپ نکھر جاتی ہے، وہ وقت چاشت ہوتا ہے اور پھر رات شروع ہوتی ہے۔ ہلکا اندھیرا چھا جاتا ہے، اس کے بعد پورا اندھیرا پھیل کر ساری زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ جس میں تمام موجودات وحیوانات ونباتات شامل ہوتے ہیں۔ ان کی قسم اٹھائی ہے۔ یہ رات دن انسانی

زندگی میں بہت اہم ہیں۔انسان کی عمر،دن اور رات کے سفر پر مشتمل ہے۔گذرتی اور پھر ختم ہوتی ہے۔یہ وہ امور ہیں جن کو ہر آدمی۔چھوٹا، بڑا، غریب وامیر۔دولتمند و فقیر، حاکم و محکوم، سب جانتے ہیں۔ان کی قسم، دراصل تمام حقائق ارضی کی قسم ہے اور ان کے خالق کی اہمیت و عظمت ظاہر کرتی ہے۔

الضحیٰ:

سورت میں نبی ﷺ کے زندگی کے امور کا ذکر ہے۔اس لیے کئی مفسرین نے، والضحیٰ سے آپ کے چہرہ انور کی طرف اشارہ لیا ہے۔وقت چاشت سے اسلام کی ہدایت اور روشنی مراد لی ہے۔جو آپ کی ذات کی جدوجہد کا ثمرہ تھی اور رات سے مراد وہ ظلمت لی ہے جس کو آپ کے کردار نے ختم کر دیا اور عرب کے غیر متمدن اور وحشی معاشرہ ،کو منور کر کے دنیا کی عظیم قوم اور لیڈر بنا دیا۔

دن سے مراد آپ کی حیات ظاہری کی عظمت اور نور ہدایت ہے اور رات سے آپ کے باطن کے اسرار اور ذات ربانی سے عبادت و قربت کا مقام ہے۔یعنی ہدایت واطاعت میں کوئی آپ کے ہم پلہ نہیں اور نہ قرب خداوندی میں آپ کے برابر ہے۔اس طرح، دن کو آپ کی مصروفیت تبلیغ دین۔رشد وہدایت میں مصروفیت ہے اور رات کو حق عبودیت میں صرف ہوتی ہے۔(تفسیر کبیر۔روح المعانی)۔

چاشت کے وقت سے بعض مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے ساتھ ہم کلام ہونے کو مراد لیا ہے اور رات سے مراد معراج النبی ﷺ کا سفر لیا ہے۔اسی طرح چاشت سے مراد نماز چاشت بھی لی ہے اور رات سے مراد وہ رات کا وقت ہے جب اللہ تعالیٰ بندوں کو معاف کرنے میں اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں جس کا حدیث میں ذکر ہے۔دن اور رات کے ذکر سے مراد انسانی جسم کی معاش کے لیے ،دن کو عمل کرنے اور رات کو آرام کرنے کی ضرورت بھی لی ہے۔

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ اور یقیناً آنے والا وقت (آخرت) آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہے

شان نزول:

جب بھی آیاتِ مبارکہ بذریعہ وحی نازل ہوتیں، تو آپ مسلمانوں اور کفار مکہ کو ان سے آگاہ کرتے۔مسلمان اس کے سننے کے مشتاق ہوتے تھے اور کفار کو تبلیغ دین کے لیے بتایا جاتا۔چند دنوں تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مفسرین نے مدت میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ایک قول تین روز ایک کے مطابق دس دن۔ایک کے مطابق بیس دن، ایک کے مطابق چالیس روز ہیں۔ابتدائے وحی میں آپ نزول وحی کی شدت سے گھبرا اور خوف زدہ ہو جاتے تھے۔آپ

کا ماتھا سردی کے زمانہ میں بھی پسینہ سے بھر جاتا۔اس رکاوٹ یا تعطیل کا مقصد آپ کے اشتیاق کو بڑھانا اور گھبراہٹ کو کم کرنا تھا۔جب یہ آیات مبارکہ لے کر حضرت جبرائیل آئے، تو آپ نے فرمایا! تم اب تک نہیں آئے، حتیٰ کہ میں تمہارا مشتاق ہو گیا تھا۔(انتظار کرتا رہتا تھا)۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا: میں آپ سے زیادہ، آپ کا مشتاق تھا ،کیونکہ آپ اللہ کے نزدیک بہت مکرم ہیں، لیکن میں وحی لانے میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔اور اس کے حکم پر چلتا ہوں۔(تفسیر مقاتل بن سلیمان)۔

جب وحی میں وقفہ آگیا اور آپ نے نئی سورت یا وحی کے بارے میں نہیں بتایا، تو کفار مکہ نے طعنہ زنی شروع کر دی کہ یہ (نبی ﷺ) اگر اللہ کی طرف سے نبی بھیجے گئے ہوتے، تو ان پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی، جس طرح دوسرے انبیاء پر وحی مسلسل نازل ہوتی رہی تھی۔اب اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ان سے بے زار ہو گیا ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان)۔

ایک روایت کے مطابق جب وحی کا سلسلہ کچھ مدت رکا ہوا تھا، تو ابو لہب (نبی ﷺ کے چچا) کی بیوی ام جمیل نے کہا تھا: ''اے محمد! میرا گمان ہے کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا ہے'' (تفسیر کبیر امام رازی)۔

مشرکین مکہ کی اس گفتگو اور پراپیگنڈہ کے جواب میں سورت والضحیٰ نازل ہوئی اور بالخصوص یہ آیت ان کا رد کر رہی ہے کہ آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہے۔اس آیت مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی، کے لیے عزت و وجاہت کا اظہار ہے اور کفار و مشرکین کا رد ہے۔

اس آیت میں نہ صرف کفار و مشرکین مکہ کے پچھلے دعویٰ کا رد ہے، بلکہ مسلمانوں اور نبی ﷺ کے لیے روشن مستقبل کی بھی نوید ہے۔اس کی کئی طرح سے تفسیر و توضیح کی گئی ہے۔ایک اسلام کی عظمت و کامیابی کی نوید ہے کہ موجودہ مشکلات وصعوبات کا دور ختم ہو جائے گا اور اسلام کو عظمت و عزت حاصل ہو گی۔تاریخ نے ثابت کیا کہ آپ کی ہجرت مکہ سے گیارہ سال کے اندر، سارا عرب آپ کی قیادت میں زیر اسلام آگیا۔اس کے تیس سال بعد اسلام مشرق وسطیٰ کی عظیم طاقت تھا جبکہ اس کے مشرق میں ایران، (خسروی حکومت)، مغرب میں مصر (قبطی حکومت/بحر احمر) اور، شمال میں رومی طاقتیں، ساری اس کے سامنے سرنگوں ہو چکی تھیں۔دنیا کا عظیم مذہب اور قوم کے علاوہ تاریخ کے طویل ترین اور انسانیت کے لیے بہترین طریقہ زندگی ثابت ہو گیا تھا۔

بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئی جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔فارس اور روم کے بارے میں غزوہ خندق کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔موجودہ دور کا انحطاط، اسلام کا انحطاط نہیں، بلکہ مسلمانوں کے کردار

کا انحطاط ہے، جس کی وجہ سے اقوام دنیا میں پچھے ہیں۔ موجودہ مسلمان کئی صدیوں سے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے اسوہ حسنہ کو بھول چکے ہیں۔

اس کی ایک تفسیر، آپ کی شان و عظمت میں اضافہ ہے۔ جس طرح آپ نے ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں مواخات کے ساتھ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اسلام کے نفاذ کے بعد اس کو مستحکم کیا اور سارے عرب پر پھیلا دیا۔ مکہ کو بغیر کسی جنگ کے فتح کیا اور آپ کے دشمن بھی آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ ایک دوسری تعبیر آپ کی شان و عظمت میں قیامت اور بروز حساب و کتاب اور جنت میں شرف و عظمت ہے۔ دنیا کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بروز حشر و نشر (حساب و کتاب) اور جنت میں اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا ہونے کی نوید دی ہے۔ مقام محمود، شفاعت امت اور حوضِ کوثر کے انعامات اس کی تعبیر و تفسیر ہیں۔

وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی ہر تمنا پوری کرنے کی نوید ہے۔ آپ کی ساری توانائیں اور تمنائیں، اللہ کے احکام اور اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کی تھیں جو آپ کی حیات مبارکہ کے دوران ہی نقطہ کمال کو پہنچ گئیں۔ سارا جزیرہ نما عرب گیارہ سال کے اندر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے پیغام تمام انسانیت کو پہنچا دیا اور آج بھی آپ کا پیغام ہر جگہ تقریباً پہنچ چکا ہے۔ اسلام دنیا کا سب سے بڑا (بلحاظ آبادی) مذہب ہے۔

مفسرین کے نزدیک یہ سب سے زیادہ امید افزاء آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو راضی کر دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، اہل عراق سے فرمایا: تم یہ کہتے ہو کہ اللہ کی کتاب میں سب سے امید افزاء آیت ''آپ کہیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی ہے جو مغفرت کرنے والا۔ بہت رحم کرنے والا ہے۔ (سورت الزمر ۵۳)۔ اہل عراق نے کہا: ہاں ہم یہی کہتے ہیں، حضرت علی نے فرمایا: لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت یہ ہے، ولسوف یعطیک ربک فترضی۔ (جامع الاحکام القرآن/ حلیۃ الاولیاء)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کرتا رہوں گا، حتیٰ کہ میرے لیے ندا کی جائے گی، اے محمد ﷺ! کیا آپ راضی ہو گئے ہیں پس میں کہوں گا اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ (مسند البزار، جامع

البیان)۔ ایک اور حدیث میں، آپ نے واضح فرمایا جس امتی نے آپ کے احکام کی تعمیل نہیں کی اور آپ کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا وہ آپ کی شفاعت سے نافرمانی کی وجہ سے محروم رہے گا۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا اور پھر آپ کو ٹھکانا دیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے انعام واکرام کا ذکر فرمارہے ہیں کہ آپ بچپن سے رحمت خداوندی کا مھبط رہے ہیں۔ آپ سے ناراض ہونے کا کیا سوال؟؟ آپ کو آپ کے بچپن میں جب یتیمی کا وقت تھا، تو بے سہارا نہیں چھوڑا گیا۔ نبی ﷺ ابھی بطن مادر میں تھے کہ، والد ماجد دنیا سے انتقال کر گئے تو دادا حضرت عبدالمطلب نے بڑی محبت سے پرورش کی۔ ابھی آپ کی عمر چھ سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ دنیا سے سفر کر گئیں۔ حضرت عبدالمطلب نے آپ کو بڑے ناز و نعم سے پالا اور کہتے تھے کہ یہ میرا بیٹا ایک دن بڑا نام پیدا کرے گا۔ آپ سے غیر معمولی محبت تھی۔ آپ کی عمر آٹھ برس کی تھی کہ وہ بھی دنیا سے سفر کر گئے تو آپ کے حقیقی چچا حضرت ابو طالب نے آپ کی ذمہ داری لی۔ آپ کے ساتھ محبت کا وہ برتاؤ رکھا کہ کوئی باپ بھی ایسا نہ کر سکتا۔ آپ کا ہر وقت خیال کرتے، سفر تجارت میں ساتھ لے کر گئے۔ آپ کے زواج اور نبوت کے بعد بھی آپ کے ساتھ یہ رشتہ رہا اور جب ساری قوم دشمن بن گئی اس وقت بھی وہ آپ کی حمایت میں سینہ سپر رہتے تھے۔

وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ اور آپ کو ناواقف راہ پایا تو ہدایت دی۔

لفظ 'ضال' کے عربی میں بہت سارے معانی ہیں۔ (۱): ہدایت کی ضد، ایک گمراہی ہے۔ (۲): راستہ نہ جاننا ہے۔ (۳): ایک جگہ حیران کھڑا ہونا۔ (۴): کھویا، ہوا ہونا۔ (۵): غفلت میں ہونا۔ (۵): بھولنے والا ہونا۔ (۷): ناواقف ہونا، یا کسی چیز میں گم ہونے والا ہیں۔ (لسان العرب/ قاموس)۔ نبی ﷺ بچپن سے غیر معمولی کردار و عادات کے حامل تھے۔ گمراہ اور جاہل معاشرہ میں پیدا ہونے کے باوجود آپ گمراہی سے دور تھے اور کبھی ان رسوم میں شامل نہیں تھے لہٰذا گمراہی کا تصور بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

بچپن میں ایک دو دفعہ آپ رات میں گم ہو گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق جب آپ بکریاں چرانے کے بعد آرہے تھے تو راستہ بھول گئے اور ابو جہل آپ کو حضرت عبدالمطلب کے پاس لے آیا۔ ایک دفعہ آپ کی دائی حلیمہ سعدیہ آپ کو واپس لا رہی تھیں تو راستہ میں گم ہو گئے اور آپ کو ایک درخت کے پاس پایا گیا اور وہاں سے لے جا کر حضرت عبدالمطلب سے ملوایا گیا۔ (قرطبیؒ/ روح المعانی)۔

نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو احکام الہیٰ اور اسرار الہیٰ سے آگاہ کیا۔ نزول قرآن مجید کے بعد قرآن مجید کے علوم واحکام سے آگاہ کیا۔ یہ وہ، انعام واکرام ہیں جن کا آیت میں حوالہ دیا گیا ہے۔ (قرآن مجید کے ترجمہ کے وقت

،آیات کے معانی کو اس کے حقیقی یا قریب ترین معانی میں بیان کرنا ضروری ہے۔ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ کی طرف نازل کی گئی ہیں۔ اس میں مترجم کے ذاتی خیالات کی ترجیح نہیں ہونی چاہیے، البتہ تفسیر وتاویل میں رائے دی جاسکتی ہے۔ ترجمے میں الفاظ کے معانی بیان کرنے میں بے ادبی کا تصور بھی صحیح نہیں، بلکہ ترجمہ میں دور کے معانی کو کھینچ کر لانا صحیح ترجمہ کے خلاف ہے۔)۔اللہ سے محبت کے مقامات ،اولیاء اور مقربین تک ہیں۔ نبوت کے مقامات ان سے بلند ہیں۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ آپ کو نادار پایا اور پھر مال دار کر دیا۔

چونکہ سورت میں نبی ﷺ کی ذات کے احوال کا ذکر ہے اور اسی سے مخصوص ہے۔ آپ کے بچپن کے احوال کا ذکر ہے۔ آپ یتیمی کی حالت میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت عبداللہ نے کوئی میراث نہیں چھوڑی تھی، سوائے ایک خادمہ اور اونٹنی کے۔ حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابو طالب نے آپ کی پرورش کی اور جب آپ جوان ہوئے، تو کام شروع کر دیا تاکہ چچا پر آپ بوجھ نہ ہوں، بلکہ حضرت علی کی پرورش بھی اپنے ذمہ لی۔ تجارت کے سفروں میں آپ نے غیر معمولی کارکردگی دکھائی، جس سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ نے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت خدیجہ مکہ کی مالدار خاتون تھیں اور اپنا سارا مال نبی ﷺ کو ہبہ (تحفہ) کر دیا۔ آپ اس کے بعد معاش سے فارغ البال ہو گئے۔ آپ کی وجہ سے ان کی تجارت بہت نفع مند ثابت ہوئی۔ اعلان نبوت پر حضرت خدیجہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

مدینہ شریف کی زندگی میں بھی آپ کے لیے مال فیئے میں حصہ مختص تھا۔ آپ نے ذاتی زندگی میں فقر کو ترجیح دی اور وہ سارا فقراء میں بانٹ دیتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چٹائی پر سو گئے، جب آپ اٹھے تو آپ کے پہلوؤں میں چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ کے لیے بستر بنادیں، آپ نے فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے، میں اس دنیا میں صرف ایک سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں آتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)۔ حکمرانوں کے لیے آپ نے یہ سبق چھوڑا کہ ریاست کے احوال سے صرف وہی لیں جس کی ان کو سخت ضرورت ہو اور یہی معیار آپ کے خلفاء راشدین نے اپنے دور حکومت میں اپنایا۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی۔۔۔۔۔ سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی۔
سلام اس پر کہ جس کے گھر نہ چاندی تھی نہ سونا تھا۔۔۔۔ سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو۔

یتیم کا مال:

نبی ﷺ یتیم رہ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم آپ کے شامل حال تھا۔ یتیموں کے لیے یہ باعث فخر ہے کہ دونوں جہانوں کے سردار، انسانیت کے عظیم ترین رہنما بھی یتیم تھے۔

اسلام کے فلاحی نظام میں یتیم کی کفالت، والی یتیم کے علاوہ ریاست کی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ کے اموال میں سے مال لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مرتبہ یتیم کی حفاظت و مدد کے لیے کہا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں اس کے بارے میں حکم اور یتیموں کی مدد کرنے والوں کے لیے اپنے ساتھ رہنے کی سعادت کی خوشخبری دی ہے۔

ایک حدیث جس کے راوی حضرت ابن عمر ہیں، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم کی تکریم کی جائے۔ (المعجم الکبیر)۔

وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ اور سائل کو نہ جھڑکو۔

سوال کرنے والے:

معاشرے کے محتاج اور محروم افراد کے لیے اسلام میں خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ متعدد آیات میں سائل کی مدد کا حکم دیا ہے۔ مدینہ کی ابتدائی فلاحی ریاست میں جب بھی اموال آئے تو ان کو محروم افراد میں عدل کے ساتھ تقسیم کیا گیا۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ مبارک میں مسجد نبوی ایک چھپر تھا، جس میں بارش کے دوران پانی ٹپکتا تھا۔ خیبر فتح ہوا، طائف فتح ہوا اور کئی علاقے زیر نگیں آئے اور جو اموال ملے وہ سارے مہاجرین و انصار کے محروم افراد کو دے دیئے گئے۔ ان کی سماجی و معاشی ضرورت کو ترجیح دی گئی۔ نبی ﷺ نے کبھی سائل کو خالی نہیں بھیجا، بلکہ ادھار لے کر بھی اس کی ضرورت پوری کی یا پوری کرنے، کا وعدہ کر کے روانہ کیا، جس کو بعد میں پھر پورا کر دیا۔ مقروض افراد کے لیے بھی زکوٰۃ کے محصولات میں حصہ مخصوص ہے تاکہ وہ معاشی و سماجی طور پر بحال رہیں۔ اسلام میں جانی عبادات سے بڑھ کر محروم افراد کی مالی اعانت ہے۔

حضرت حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سائل کے لیے حق ہے، خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ ایک روایت ہے سائل کو عطا کرو خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو۔ (موطا امام مالک)۔

آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ سائل کو اگر دینے کے لیے کچھ نہیں ہے تو نرمی اور رحمت سے لوٹا دیں۔ یہی اصول، حصول علم کے سائل (طالب علم) کے لیے بھی ہے۔ اصحاب علم کو طلباء کے سوالوں کے جواب پیار اور نرمی سے

دینے چاہئیں اور انکار نہیں کرنا چاہیے۔ جو لوگ محض دولت بڑھانے یا نکمار ہنے کے لیے سوال کرتے ہیں، اس کی سخت ممانعت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کیا۔ وہ آگ کے انگاروں کا سوال کر رہا ہے، کم سوال کرے یا زیادہ۔ (صحیح المسلم)۔ یہ احکام تمام مسلمانوں کے لیے ہیں اگرچہ خطاب نبی ﷺ کو ہے۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرو۔

شکر:

انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتیں ہیں۔ نعمت کا ذکر بہت ضروری ہے۔ نعمت کا ذکر بھی شکر کرنے کا طریقہ ہے۔ نعمت کا لفظ وسیع ہے اور تمام انعام و کرام کو شامل ہے۔ نعمت کی کئی اقسام ہیں اور ہر قسم کے لیے شکر کا انداز ہے۔ نبی ﷺ پر اس وقت اور اس کے بعد، نیز مسلمانوں پر بھی جو نعمتیں نازل ہوئیں، وہ سب اس میں شامل ہیں۔ حضرت النعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے منبر پر فرمایا: جس نے کم نعمت کا شکر ادا نہیں کیا، تو اس نے زیادہ نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کیا، اور جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔ اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور بیان نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے اور جماعت رحمت ہے۔ اس سے علیحدہ ہونا عذاب ہے۔ (مسند احمد)۔

جس شخص نے کوئی نیکی کی ہے اس کا اس کو صلہ (بدلہ) دینا چاہیے اور اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا، تو اس کی نیکی کا ذکر کرنا چاہیے پس جس نے نیکی کا ذکر کیا اس نے اس کا شکر ادا کر دیا۔ نیکی کے ذکر سے مراد کسی نیک عمل کے بارے میں بتانا بھی ہے تاکہ دوسرے لوگ اس کی پیروی کریں لیکن اس سے مقصد پروپیگنڈہ یا تعریف سننا نہ ہو۔

شکر، انسان کی صحت کے لیے بڑا مفید ہے۔ جب شکر ادا کیا جاتا ہے تو جدید طبّی تحقیق کے مطابق انسان کے دماغ میں ایک کیمیکل مادہ، ڈوپومن پیدا ہوتا ہے، جو انسانی مزاج کے لیے بہت مفید اور سکون مہیا کرتا ہے۔ شکر کرنے والے اور جس کا شکر کیا جائے، دونوں کو فائدہ ہوتا ہے، اس لیے نبی ﷺ نے انسانوں کے شکر کرنے کو بھی اہم کہا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے سے انسان کو اپنی حالت پر سکون و اطمینان کا اظہار ہوتا ہے۔ جو ذہنی سکون میسر کرتا ہے۔ نعمتوں کا اقرار اور اظہار دونوں ضروری ہیں۔ (سورہ الضحیٰ مکمل ہوئی)۔

94- سورۃالم نشرح

تعارف:

سورت کا نام اس کے پہلے لفظ ''الم نشرح'' سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی جو اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ مسلمانوں پر مظالم دن بدن بڑھ رہے تھے۔ اس کا زمانہ بھی سورت الضحیٰ کے ساتھ ہے اور مضامین بھی ملتے ہیں۔ سورت آٹھ آیات اور ایک رکوع پر مشتمل ہے۔ نزول قرآن سے اس کا نمبر بارہ(12)اور ترتیب قرآن کے مطابق چورانوے(94)ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان کا ذکر ہے۔ پہلی شرح صدر ہے۔ نبوت کے دعویٰ اور تبلیغ شروع کرنے کے بعد جو مشکلات سامنے آئیں اور تکالیف برداشت کرنا پڑیں، ان کے لیے اور کلام الٰہی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے، آپ کے سینہ کو کھول دیا۔ عنایت اور عرفان الٰہی کے ذریعے وہ قوت ملی کہ ہر مشکل، مشکل نہیں رہی۔

کمر سے بوجھ اتار دیا۔ زندگی کے مصائب کی کوئی پرواہ نہیں۔ اپنے مدعا اور تبلیغ سے وابستہ رہیں گے اور مشکلات کا مقابلہ ہوگا۔ سازشیں کرنے والے اہل مکہ ناکام ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی شر سے محفوظ رکھا اور آپ بخیریت ہجرت کر کے مدینہ النبی پہنچ گئے۔

تیسری خوشخبری آپ کے بلند ذکر کی تھی۔ مکہ شریف میں یتیم پیدا ہونے کے بعد، آپ کائنات (دنیا) کے عظیم لیڈر بنے۔ جن کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ آپ کا نام گرامی، اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہر وقت منسلک رہتا ہے۔ کلمہ، اذان، نماز، حج، عمرہ، قربانی اور ہر ذکر واذکار میں شامل ہے۔

اس کے ساتھ زندگی کی مشکلات کے بعد آرام و کامیابی کی نوید ہے۔ اس کامیابی کے بعد، اللہ کی یاد کی اہمیت اور اس کیطرف توجہ دلائی ہے۔ جدوجہد کے ساتھ اللہ کی عبادت کو جاری رکھیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ (اے نبی!) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا۔

وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ اور تم پر سے وہ بوجھ اتار دیا۔

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ جو تمہاری کمر پر بھاری تھا۔

وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ۝ اور تمہاری خاطر تمہارا، ذکر بلند کر دیا۔

آیات مبارکہ میں نبی ﷺ کی شان اور آپ کی نبوت کے بعد ابتدائی زندگی کے بارے مشکلات اور انعام الٰہی ذکر ہے۔ پچھلی سورت (الضحیٰ) میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

شرح صدر:

سینہ کھولنے سے مراد نبی ﷺ کو جو اس وقت کے مسائل اور پریشانیاں تھیں ان کو قبول کرنے اور مقابلہ کرنے کی توفیق اور ہمت دینا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں سینہ تنگ ہونے کا ذکر ہے، وہاں مراد استعداد عمل میں مشکل ہے۔ (حضرت موسیٰ سورت طٰہٰ) اور جہاں سینہ کشادہ کا ذکر آیا ہے، قوت استعداد میں زیادتی، اعمال کے کماحقہٗ ادائیگی کی قوت مراد لی گئی ہے۔ جس معاشرہ میں نبی ﷺ نے آنکھ کھولی وہ جاہلیت کی بدترین مثال تھی۔ ظلم کا بازار گرم تھا۔ جنگل کا قانون یعنی طاقتور کا راج تھا۔ یتیم، مسکین، بیوائیں، ظلم و ستم کا شکار ہوتی تھیں۔ ایک پاکیزہ روح اور دردمند دل کے لیے یہ حالات انتہائی پریشان کن تھے۔ اس ظلم کے زمانہ میں قبل از اعلان نبوت آپ نے انسانیت کی شمع روشن کی ہوئی تھی۔ آپ بے کسوں کی مدد، بیواؤں کا آسرا، یتیموں کا خیال فرماتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے معاہدہ حلف الفضول کے لیے تحریک چلائی اور یہ معاہدہ قرار پایا جس میں محتاجوں اور کمزوروں کی مدد کے لیے اقرار تھا۔

اعلان نبوت کے بعد آپ کی ذات ان تمام مظالم اور ستم کا شکار بنی جن کے لیے آپ پریشان رہے اور کمزوروں کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے۔ سارا معاشرہ خلاف ہو گیا اور لوگوں نے آپ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اسلام کے ماننے والوں پر ظلم و ستم شروع کر دیئے گئے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مقابلہ کی مکمل استعداد عطا فرمادی اور ان مشکلات کا آپ نے مقابلہ صبر، ہمت سے کیا۔ تبلیغ اسلام کی لگن نے آپ کو کفار مکہ کے تمام تر مظالم، لالچ، دھمکیاں اور سماجی، معاشرتی بائیکاٹ کے ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت عطا کی۔ آپ دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی مینار ہدایت تھے۔

سینہ مبارک چاک کے بارے، دو احادیث میں واقعات مشہور ہیں۔ ان کا مقصود بھی عقلی و عملی استعداد سے ہے۔ ایک واقعہ بچپن کا ہے جب آپ اپنی دائی حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے۔ اس وقت آپ کے جسم اطہر سے وہ تمام رذائل جو کہ انسانی اخلاق و کردار میں سرایت کرتے ہیں، ان کو صاف کیا گیا تاکہ آپ کا بچپن و جوانی پاکیزہ گذرے جو گذری۔ اس سینہ چاک سے مراد آپ کے دماغ سے نفس امارہ کو تبدیل کر کے نفسہ لوامہ کر دینا تھا جس کی وجہ سے آپ کا بچپن و جوانی دوسرے بچوں اور لوگوں سے مختلف تھی۔

یہ قبل از نبوت کے زمانہ کے لیے خصوصی برکت و عنایت تھی اور پھر ذمہ داری نبوت کے بعد جب آپ سفر معراج پر جانا تھا،اس سفر کی تیاری کے مراحل، خلائی صعوبات اور تجلیات وانوارات کے ادراک کے لیے تیار کرنا مقصود تھا۔دوسرا واقعہ ممکن ہے کہ نزول سورت کے بعد ہو، کیونکہ سفر معراج، طائف کے واقعہ کے بعد ہوا، لیکن آیت کے ذکر کے ساتھ اس فضل و عنایت کا بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ مفسرین نے ان کا بھی ذکر کیا ہے،(واللہ اعلم بالصواب)۔ یہ چاک کرنا فرشتوں کے ذریعہ انجام پایا۔اس کی موجودہ دور میں مثال لیزر ٹیکنالوجی یا انکالوجی کے ذریعہ علاج ہے۔ جس میں ہارمون تبدیل ہوتے ہیں۔ جسم کو چیرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

بوجھ کا ہلکا ہونا:

عرب کے جاہلی معاشرے کا بوجھ بھی تھا۔ سخت ذہنی پریشانی ہوتی تھی، جس کی وجہ سے آپ پریشان رہتے۔ آپ کے دل میں اللہ کے وجود کا اقرار تھا۔بتوں کی پرستش سے نفرت تھی اور ان تمام رسوم سے آپ بالکل الگ تھلگ تھے۔ معاشرے کی بے حسی اور جاہلانہ رسوم، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا، غلاموں اور کمزوروں پر ظلم کی وجہ سے آپ پریشان رہتے تھے اور پھر تنہائی کے لیے غارِ حرا میں تشریف لے جاتے۔ جہاں آپ ذہنی سکون اور روحانی تسکین پاتے۔ اعلان نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کی ہدایت اور تکمیل، کے لیے اسلام کی جو آگاہی بذریعہ وحی ملنی شروع ہوگئی،اس نے آپ کا سارا بوجھ ختم کر دیا اور انسانیت کی تکمیل آپ کو قرآن مجید اور دین اسلام میں مل گئی۔اس پر آپ کا یقین کامل تھا اور یہ پیغام بے پناہ مشکلات کے باوجود، آپ نے انسانیت تک پہنچایا۔ بڑی سے بڑی پریشانی آپ کے لیے کوئی پریشانی نہیں رہی۔ آپ کی دعوت تبلیغ میں کہیں بھی کوئی کمی نہیں آئی۔ کفار مکہ کی ساری دشمنیاں اور سازشیں ناکام ہوئیں۔ آپ اپنے فرائض نبوت کو ادا کرتے رہے، فریضہ نبوت، شوق محبت والفت، واطاعت میں تبدیل ہو گیا، بوجھ کے بجائے تسکین کا سامان بن گیا۔ سینہ کی کشادگی سے مراد کلام الٰہی کے اسرار کو سمجھنا اور دوسروں تک بطریق احسن پہنچانا بھی ہے۔ اسلام کی حکمتوں کو واضح کرنا اور ان کی کمال طریقہ سے تعلیم دینا ہے، جو آپ نے اپنی زندگی مبارک میں کی اور حجۃالوداع پر تصدیق بھی لی گئی۔

بلندی ذکر:

ذکر کے بلند ہونے کی بھی نوید سنائی گئی۔ اس وقت ہر طرف سے ظلم و ستم اور مخالفت کا بازار گرم تھا۔ سردارانِ قریش نبی ﷺ اور تمام مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو مشہور کرنے کا ذریعہ آپ کے مخالفین کو بنادیا۔ آپ کو اتنی شہرت تبلیغ و دعوت سے نہ ملی جتنی مشرکین مکہ کی جدوجہد سے ملی، جو وہ

، نبی ﷺ کے خلاف موسم حج میں مختلف قبائل سے آنے والوں لوگوں کو ، مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تنبیہ کرتے کہ ہمارے ہاں اس نام کا ایک جادو گر ہے، جو اس کی باتیں سنتا ہے وہ گھر والوں سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے تم ان سے بچنا۔ وہ دوران حج مختلف گروہوں کے پاس جاتے اور یہ پیغام سناتے۔

ان کا یہ پروپیگنڈہ سامعین کے درمیان ایک جستجو پیدا کر دیتا تھا۔ اس طرح تمام عرب کو آپ کی ذات کے بارے میں علم ہو گیا تھا۔ اس طریقہ سے اہل مدینہ کے وفود نے بیعت عقبہ اولی اور بیعت عقبہ ثانی کی۔ دوسرے قبائل سے بھی کوئی نہ کوئی بت پرستی سے نفرت کرتا اور اسلام قبول کر لیتا۔

مدینہ شریف، ہجرت کے بعد آپ نے جس اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھی، وہ عدل، احترام انسان، سچائی، عمدہ اخلاق، وعدہ کی پابندی، عورتوں اور بچوں کی عزت، مواخات و تعاون کا علمبردار بن گیا۔ آپ کی لیڈر شپ نے کفار مکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور مکہ بغیر کسی خون خرابے کے فتح ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد اسلام سارے عرب میں پھیل گیا اور آخری حج میں تقریباً ایک لاکھ انسان، عرب کے تمام علاقوں سے شامل ہوئے۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ شہر چھوڑ کر جانے والا یہ شخص، بارہ سال میں ایک لاکھ افراد کی رہنمائی اس شہر میں کر رہا ہو گا۔ سارے جزیرہ عرب کا روحانی اور قانونی سربراہ ہو گا۔ یوں ذکر بلند ہوا۔

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جبرائیل میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا ''میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا ذکر بلند کیا۔ میں نے کہا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا، تو تمہارا ذکر بھی ساتھ کیا جائے گا۔ (مسند ابو یعلی/ابن مردویہ/ابو نعیم)۔ آپ کی حیات مبارک میں آپ کا نام نامی پورے جزیرہ نمائے عرب میں مشہور اور بلند ہو چکا تھا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں عرب سے نکل کر باقی دنیا میں بلند ہونا شروع ہو گیا اور بڑھتا رہا اور بڑھ رہا ہے۔ ان شاءاللہ، قیامت تک بڑھتا رہے گا۔ کلمہ میں آپ کا ذکر شامل ہے۔ اذان میں موجود ہے۔ نمازوں میں درود و سلام میں ہے، جمعہ اور عید کے خطبوں کا حصہ ہے۔ سال کے بارہ ماہ اور شب و روز میں کوئی وقت ایسا نہیں کہ روئے زمین پر آپ کا ذکر نہ ہو رہا ہو، یہ قرآن و حدیث کی صداقت کا بھی ثبوت ہے۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی (آسانی) ہے۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

تنگی وآسانی:

جن حالات میں مسلمان گذر رہے تھے،وہ انتہائی پریشانی اور کرب کے تھے۔ کہیں یہ امید نظر نہیں آرہی تھی کہ کفار مکہ کی اس شدت کی مخالفت سے بچ سکیں گے اور اسلام سارے جزیرہ عرب پر چند سالوں میں چھا جائے گا۔ مسلمانوں کو دو دفعہ مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ مسلمانوں اور نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ جن حالات سے گذر رہے ہیں، یہ ہمیشہ نہیں رہیں گے، بلکہ ہمیشہ تکلیف کے بعد راحت اور مشکل کے بعد آسانی آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔ دوبارہ پھر تاکید کی خاطر یہی پیغام دیا گیا اور چند سالوں کے بعد، جب نبی ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ اسلامی ریاست (معاشرہ) کی بنیاد رکھی، جس میں عدل، انسانی احترام، عورتوں کے حقوق، غلاموں کی آزادی اور حقوق، بیواؤں، کمزوروں کے لیے عدل ومساوات کا نظام نافذ کیا، یہ معاشرہ اس قدر مضبوط تھا کہ مکہ کے بڑے بڑے حملے ناکام ہوئے اور دس سالوں میں مکہ کو فتح کر لیا گیا جس میں کوئی خون خرابہ نہیں ہوا۔ سارے مخالفین سرنگوں ہو گئے اور مسلمان سارے عرب پر فاتح ہو کر ظاہر ہوئے۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ جب فارغ ہوں تو عبادت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں۔

فارغ ہونے سے مراد فرائض نبوت سے اگر فرصت ملے تو عبادت خصوصی کے لیے مستعد ہو جائیں۔ فرائض نبوت میں ریاست اسلامی کی تنفیذ، عدل ومساوات اسلامی کا معاشرہ میں قیام، قرآن کی تعلیم، اسلامی تعزیراتی، معاشی اور سماجی نظام کو نافذ العمل کرنا۔ تشنگان علم وعرفان کی تسکین، گھریلو ذمہ داریاں، اس کے ساتھ خالق کائنات کی یاد ساتھ ساتھ رہے۔ آپ کی حیات مبارک اس کا عملی نمونہ تھی۔ یہ ہدایات جہاں نبی ﷺ سے خطاب ہے، وہاں تمام مومنین کے لیے مشعل راہ ہے۔

95- سورۃالتین

تعارف:

سورت ''التین'' کا نام ,اس کے پہلے لفظ سے ماخوذ کیا گیا ہے، ''والتین۔قسم ہے،انجیر کی'' سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کا زمانہ اسلام کے ابتدائی ایام ہیں۔ مضامین کے لحاظ سے مختصر جملے۔موزوں الفاظ،اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا پیغام دیا ہے۔ اس کا نزول سابقہ سورتوں (الضحیٰ اور الم نشرح) کے ساتھ ،ساتھ عرصہ میں ہوا۔سورت میں آٹھ آیات اور ایک رکوع پر مشتمل ہے۔اس کا ترتیب نزول کے لحاظ سے نمبر اٹھائیس(28)اور ترتیب قرآن مجید(مصحف) کے لحاظ سے پچانوے(95) ہے۔

سورت کی ابتدائی آیات،التین (انجیر) اور زیتون کے ساتھ مکہ شریف اور طور سیناء پہاڑ کی بھی قسم اٹھا کر انسان کی اہمیت اور اس پر اللہ کے انعامات کا ذکر ہے۔

انسان کو ،زندگی میں اس کے کردار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ایک طرف ظلم،انکار،دھوکہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ انتہائی پستی میں چلا جاتا ہے جو حیوانات سے بھی بدتر ہے۔تو دوسری قسم کے انسان،نیک،فرمانبردار اور اعمال صالحہ کا پیکر ہیں۔ جو اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ ہیں۔(جب کہ یہ دونوں، انسان بہترین صورت واستعداد میں پیدا کئے جاتے ہیں)۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے،لہٰذا ان کا بدلہ یا انعام بھی برابر نہیں۔ان حقائق کے باوجود انسان کیوں اپنے خالق کی قوت وطاقت سے انکار کرتا ہے۔وہ سب سے بڑا حاکم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾ قسم ہے انجیر (تین) اور زیتون کی۔

وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ اور قسم ہے طور (سیناء) سنین کی۔

وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫﴿۴﴾ بے شک ہم انسان کو بہترین ساخت (عقل و شکل) پر پیدا کیا۔

زیتون اور انجیر:

اس سورت کی ابتدا، قسم ہے، جس کا مقصد ''کلام یا پیغام'' کی اہمیت ہے۔ انجیر (تین) اور زیتون، مشرق وسطیٰ میں مشہور غذا اور پھل ہیں۔ اکثر مفسرین نے الفاظ کے معانی کے مطابق ان کی تفسیر کی ہے۔ کیونکہ یہ غذا ہے، جو بہترین ہے اور غذائیت کے لحاظ سے تمام پھلوں سے ممتاز ہے اور ان کے فوائد بہت ہیں۔ زیتون کا ذکر قرآن مجید میں اور مقامات پر بھی ہے۔ کچھ مفسرین نے، التین سے مراد شام کا علاقہ اور زیتون سے فلسطین کا علاقہ لیا ہے، جہاں یہ دونوں درخت پیدا ہوتے ہیں اور انبیاء کا مقام بھی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ نے انجیر کو پسند فرمایا اور کھانے کی ہدایت کی۔ یہ بھی فرمایا کہ بواسیر کو ختم کرتا ہے اور گھنٹیا کے درد کا علاج ہے۔ طب اسلامی میں انجیر نظام ہضم کے لیے مفید ہے۔ بلغم کو نکالتا ہے۔ طبیعت کو فرحت دیتا ہے۔ گردوں کو صاف، مثانہ کی پتھری کو توڑتا، جگر اور تلی کے سدّوں کو کھولتا ہے۔ زیتون کا پھل بہت مفید ہے اس کا تیل بہت اوصاف رکھتا ہے۔ جوڑوں کے درد کے لیے مفید ہے، کولیسٹرول سے پاک ہے۔ پتھری خارج کرتا ہے۔ انتڑیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ نظام ہضم کو درست کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے زیتون کے مسواک کو پسند فرمایا۔ سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور سالن کے پکانے میں استعمال ہوتا ہے۔ جدید تحقیقات میں بھی یہی فوائد بلکہ اس سے بڑھ کر ملے ہیں لیکن ان کے خواص کیمیائی و غذائی انداز سے بیان کئے جاتے ہیں، دونوں کی غذائی قوت (کیلریز) بھی اچھی ہے۔

انسانی شکل و عقل:

قسم کے دوسرے دو اجزاء طور سینین ہے۔ طور سے مراد طور کا پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی۔ سنین۔ سریانی زبان میں ہے۔ اس کا معنی مبارک ہے، بعض نے کہا خوب صورت ہے۔ ایک معنی یہ ہے سنین وہ پہاڑ ہے، جو سرسبز ہو۔ جہاں پھل دار درخت ہوں۔ بلد الامین سے مراد مکہ شریف ہے۔ جس کو حضرت ابراہیم و اسماعیل نے دوبارہ تعمیر کیا اور آج تک موجود ہے۔ یہ امن کا شہر ہے۔ جہاں حیوان اور انسان امن سے رہتے ہیں۔ سارا عرب جنگوں سے بھر گیا تھا اور یہ جنگیں نسل در نسل چل رہی تھیں، لیکن مکہ امن کا گہوارہ تھا۔ اسے مولد نبی ﷺ ہونے کا شرف بھی ہے۔ ان مذکورہ، چار اشیاٗ کا تعلق بھی چار انبیاء سے ہے۔ حضرت ابراہیم (علاقہ شام) ۔ حضرت موسیٰ (طور پہاڑ)۔ حضرت عیسیٰ (علاقہ فلسطین)، اور نبی ﷺ (علاقہ حجاز) کے ساتھ ہے۔

ان کی قسم اٹھا کر جس اہم واقعہ کی خبر دی ہے، وہ انسان کی ذات ہے۔ انسان کو بہترین انداز، جس میں انسانی جسم کا ڈھانچہ اور انسان کی ذہنی و علمی استعداد (عقل) شامل ہے، پر پیدا کیا گیا۔ جسم کی کیفیت میں کھڑے ہونا۔ سیدھا

چلنا۔ تیز دوڑنا۔ ہاتھوں، بازوں اس طرح پاؤں۔ ٹانگوں کے اعضاءاور جوڑ،ان کی حرکت شامل ہے جو کہ چار سو بہتر (472) جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ پھر انسان کا نظام تنفس، ہضم، دوران خون، اعضا میں نمو، جسمانی دفاعی نظام اور سب سے بڑھ کر حواس خمسہ اور انسانی استعداد علم و عقل، جس کی وجہ سے اشرف المخلوقات اور خلیفہ خدا ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسن تقویم کی عملی تصویر ہیں۔ ان تمام انعام واکرام کا انسان کو احساس اور پھر شکر و قدر کرنی ضروری ہے۔ ان قوتوں اور استعداد کی وجہ سے انسان کی زمین و فضا میں حکومت ہے۔ جسامت کے لحاظ سے تو کئی جانور، انسان سے زور آور اور بڑے ہیں لیکن سب انسان کے آگے، اس کی عقل و سمجھ کی وجہ سے تابع فرمان ہیں۔ یہ وہ علمی حقیقت ہے جو قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے واضح کر دی ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ﴿۵﴾ پھر اسے بدترین نچلے طبقہ میں لوٹا دیا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

اسفل السافلین (بدترین کردار)۔

احسن تقویم کا مقصود، انسان کے وہ فضائل ہیں جن کی وجہ سے مسجود ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی نظر کرم کا مستحق ٹھہرا۔ اوصاف میں بھی، جمال و جلال خداوندی کا پرتو نصیب ہوا۔ انوار الہیٰ کا مھبط ہونے کا شرف ملا۔ ایک حدیث پاک کے مطابق تمام انسان، فطرت انسانی پر پیدا ہوئے ہیں (یعنی اعلیٰ فطرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے) لیکن اس کے والدین، اسے مجوسی، یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔ جس سے مراد بچپن کا ماحول اور تعلیم و تربیت ہے۔

شیطان، انسان کا ازلی دشمن ہے اور اسے انسان کے عقل کو متاثر کرنے کی پوری قوت ہے۔ وہ یہ قوت ہر وقت استعمال کر رہا ہے۔ شیطان انرجی (اگ) سے پیدا ہوا ہے۔ ایک انرجی کی صورت ہے، جو لہروں کی صورت میں انسانی جسم میں داخل ہو جاتی ہے، جس طرح برقی، مقناطیسی، لیزر، الٹرا ساونڈ اور میکرو ویو کی لہریں گزر جاتی ہیں۔ شیطان، لہر کی صورت میں سیدھا، انسانی دماغ پہنچ کر نیورون مین حرکت پیدا کر کے خیالات کو پیدا کرتا ہے، کیونکہ عقل والی مخلوق ہے۔ (اسی طرح اواز اور تصویر بھی ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے ہمارے دماغ کے نیرون میں حرکت پیدا کر کے خیالات پیدا کرتے ہیں)۔ مصنوعی عقل، کی مثال ہمارے پیدا یا دریافت کردہ، سافٹ ویر کی قوت (کمپیوٹر میں) ہے، جس کی حدود زمین سے نکل کر آسمانوں (خلاٗ) تک پہنچ چکی ہیں۔ اسکی مثال، وائجر اول (voyger 1) اور وائجر دوم، کا پنتالیس سال سے زیادہ کا سفر اور معلومات ہیں۔ اندازے کے مطابق ان کی حدود نظام شمسی سے باہر نکل چکی ہے۔ شیطان کے عمل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اپنے جسم و عقل کو برے اعمال میں لگا دیتا

ہے۔اس کے ارادہ و عمل کی وجہ سے ،اللہ تعالیٰ، اسے استعداد واسباب جو زمین پر موجود ہیں، مل جاتے ہیں اور وہ برائی میں پڑ جاتا ہے۔ جو اس کے کردار سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ، طمع ،دھوکہ دہی، حرص، خود غرضی، جھوٹ، شہوت پسندی، وعدہ خلافی، کمینہ پن، غیظ وغضب (ظلم)، نشہ بازی میں غرق ہو جاتا ہے۔ سارے اخلاق حمیدہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اسفل السافلین (گراوٹ) کے انتہائی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ جس کا انجام اس کو دوزخ کی سزا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو انسان سے بڑا خطرہ ہے۔ اور انسان نے انسان کو سب سے زیادہ ختم کیا اور نقصان پہنچایا ہے۔ وہ سماجی یا معاشی غلامی ہو۔ ظلم، قتل وغارت ہو، نسلوں یا ملکوں کی تباہی کی تازہ مثالیں پہلی اور دوسری عالمی جنگیں ہیں۔ جدید تاریخ میں افغانستان، عراق، لیبیاء، فلسطین پر بیرونی قوتوں کی یلغار اور تباہی ہے۔ جس میں لاکھوں انسان، مارے اور ہزاروں گھر تباہ ہو گئے۔ اس کا بہانہ انسانی حقوق یا آزادی بنایا گیا۔ مزید تباہی کے لیے نئے قسم کے بم (ہائیڈروجن) ایجاد کئے گئے ہیں۔ اب تو فضا میں کنٹرول کا مقابلہ ہے (ڈرون ٹیکنالوجی)۔ ان امور میں انسان کا اخلاق و عمل درندوں سے بدتر ہے۔

بعض مفسرین نے اسفل السافلین (گرنے) سے انسان کی جسمانی کمزوری جو بڑھاپے میں آجاتی ہے مراد لی ہے۔ لیکن وہ برے اعمال کا سبب نہیں، بلکہ ایک طبعی یا عمر کا تقاضا اور دنیا سے کوچ کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسان کو نیک اعمال کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں بھی اس کے اعمال کے مطابق نیک جزا عطا کرتے ہیں اور برے اعمال کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملتا، کیونکہ وہ عمر کے اس حصہ میں عمل کرنے سے ہی معذور ہوتا ہے۔ وہ جوانی کی بداعمالی کی سزا پائے گا اور بڑھاپا، خود اس کے لیے ایک عذاب و سزا بن جاتا ہے جب وہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ ایسے بڑھاپے سے پناہ مانگنے کی دعا کی تاکید کی ہے۔

الصالحین:

ان تمام رذائل سے وہ انسان یا معاشرے بچے ہیں، جو نیک اعمال پر اپنی بنیاد رکھتے ہیں۔ جہاں سچائی، وعدہ کی پابندی، محبت، نرمی، احسان، ہمدردی کے جذبات ہیں۔ اچھے اخلاق، کمزوروں کی مدد، انسانی احترام، مذہبی رواداری اور اپنے خالق کے احکام پر عمل ہے۔ جو انسانوں کی حفاظت، انسانی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ یہ دو قسم کے انسان، اپنی جزا و سزا میں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر برابر ہوں تو یہ انصاف و عدل کا خون ہو گا اور دنیا میں ممکن نہیں ،کیونکہ انسان ہی انصاف کے عمل میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس انصاف کو نافذ کرنے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دینے کے لیے یوم حساب و کتاب اور پھر دوزخ و جنت موجود ہیں۔ یہ وہ نظریہ یا عقیدہ ہے جو اسلام کے اخلاقی، سماجی نظام کی بنیاد ہے۔ جسے اس وقت کفار اور آج بھی کئی لوگ نہیں مانتے ہیں۔ قرآن مجید میں کائناتی شواہد

کے ساتھ اس کو پیش وثابت کیا گیا ہے۔جو لوگ نیک عمل کریں گے،صالح معاشرہ قائم ہوگا،ان کا اجر بغیر حساب ہے۔ دنیاوآخرت دونوں میں کامیاب ہوں گے۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ پس(اے نبی)کون اس کے بعد جزاوسزا کے معاملے میں تم کو جھٹلا سکتا ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ کیااللہ سب حاکموں سے بڑھاحاکم نہیں ہے۔(یعنی ہے)۔

آیات میں قسم اور پھر جواب قسم، انسان کے وجود کی ابتداء انتہاء اور کردار پر روشنی ڈالتی ہے۔جس کی تصدیق،ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھ رہے ہیں۔ان معلومات کی بناءپر جزاوسزا کا نظام،نفاذ عدل وانصاف کے لیے،بہت ناگزیر ہے۔تاکہ اعلیٰ صفات وکردار کے افراد اور برے، گھٹیا کردار کے افراد کو اپنے اعمال کے مطابق بدلہ مل سکے،جو انسانوں کے نظام سے توقع تو کیا جاسکتا ہے،لیکن ملنا مشکل ہے،کیونکہ ظلم وجابر حکمران یاانسان سے کون انصاف لے سکتا ہے۔عدل نافذ کرنے والی ذات کا انسان سے قوی اور بلند ہونا ضروری ہے اور وہ خالق انسان ہی ہو سکتا ہے۔جو انسانوں اور کائنات کا مالک ہے۔ان دلائل کے بعد کون صاحب عقل،اس جزاوسزا کو جھٹلائے گااور انکار کرے گا۔لہٰذا نبی ﷺ کا اہل مکہ اور انسانوں کو یہ پیغام بالکل صحیح ہے۔یہ تمام امور ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، جس نے انسانوں،زمین،کائنات کو پیدا کیا۔انسانی غذا کے لیے پھل اجناس کا بندوبست کیا،ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے ،وہی سب سے بڑا، صحیح اور حق کا فیصلہ کرنے والی ذات اور حاکم ہے۔

آخری آیت ایک اہم پیغام اور اس کا اقرار واظہار بھی ضروری ہے۔حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایاجب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی جائے تو کہے " وانا علی ذالک من الشاھدین" (ہاں! میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں)۔(ترمذی،ابوداؤد)۔حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم جب یہ آیت پڑھتے تو اسی طرح بعد میں کہتے تھے۔(قرطبیؒ،روح المعانی)۔

96- سورۃالعلق

تعارف:

سورت کا نام،اس کی پہلی آیت میں لفظ 'العلق' کی وجہ سے ہے۔سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔وحی کی ابتداءاکثر مفسرین کے نزدیک اسی سورت سے ہوئی اور غار حرا میں نازل ہوئی۔اس کی تفصیل آیت کی تفسیر میں تحریر کی جائے گی۔ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر پہلا (ایک) ہے اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے چھیانوے ہے۔ سورت میں ایک رکوع اور انیس آیات ہیں۔

سورت کی ابتداءپڑھنے کے حکم سے ہے۔اور پڑھنے کا تعلق،اللہ کے نام کے ساتھ ہے۔اللہ کی ذات،کے ساتھ انسان کا بحیثیت مخلوق ذکر ہے،جس کو اس نے ایک معمولی لوتھڑے سے پیدا کر کے اتنا بڑا مقام عطا کیا۔پڑھنے کے ساتھ قلم اور لکھنے کا ذکر ہے۔جس کے ذریعہ علم کو محفوظ کیا جاتا ہے اور دوسروں تک باسانی منتقل ہو جاتا ہے۔

انسان کی سرکشی کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور دنیا میں مال ومتاع کی وجہ سے بے پرواہی کے رویہ کے بارے میں تنبیہ کی گئی ہے۔اللہ کے انعام واکرام کو یاد رکھنا اور اس کی عبادت یعنی نماز پڑھنی بھی ضروری ہے۔ نافرمانی کرنے والوں کے انجام سے آگاہ کیا ہے کہ ان کو پیشانی (سر کے) بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ کر دوزخ کی آگ میں سزا دی جائے گی۔

آخر میں سجدہ تلاوت ہے اور اللہ کو سجدے (نماز پڑھنے) کرنے اور سجدے کی قربت کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھو جس نے پیدا کیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ جمے ہوئے خون (کے لوتھڑے) سے انسان کو پیدا کیا۔

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ پڑھو،اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ جانتا نہ تھا۔

روایات کے مطابق پہلی وحی غار حراء میں نبی ﷺ پر نازل ہوئی، وہ یہ آیات مبارکہ ہیں۔ جن کے نزول کی تفصیل احادیث میں، اس طرح درج ہے جو کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء، سچے خوابوں سے ہوئی جو خواب آپ دیکھتے، اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح ظاہر ہوتی، (گویا دن میں دیکھ رہے ہیں)۔ پھر رسول ﷺ کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا ہوئی اور رسول اللہ ﷺ غار حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرنے لگے، کئی کئی راتیں غار میں جا کر رہتے اور خورد و نوش کا سامان ساتھ لے جاتے (جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں، تو پھر گھر سے آ کر لے جاتے۔ اسی دوران غار حراء میں آپ پر اچانک وحی نازل ہوئی، فرشتے نے آ کر کہا پڑھیے۔ آپ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، پھر فرشتہ نے زور سے گلے لگا کر مجھے دبایا۔ حتیٰ کہ اس نے دبانے پر پوری قوت صرف کر دی، پھر مجھے چھوڑ کر کہا، پڑھیے، میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ فرشتہ نے دوبارہ مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا، حتیٰ کہ مجھے پوری قوت سے دبایا، پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر فرشتہ نے تیسری بار مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا حتیٰ کہ مجھے پوری قوت سے دبایا، پھر مجھے چھوڑ کر کہا:

اقرائ باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرائ وربک الاکرم۔ الذی علم بالقلم۔ نبی ﷺ وہاں سے خوف زدہ ہو کر واپس گھر آئے اور کپکپی طاری تھی۔ حضرت خدیجہؓ سے کہا: کہ مجھے کپڑا اوڑھاؤ۔ مجھے کپڑا اوڑھاؤ۔ انہوں نے کپڑے اوڑھائے۔ حتیٰ کہ آپ کا خوف دور ہو گیا۔ پھر آپ نے سارا واقعہ حضرت خدیجہؓ کو سنایا اور کہا کہ اب میرے ساتھ کیا ہو گا، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کی ہر گز نہیں! آپ خوش ہو جایئے۔ اللہ آپ کو ہر گز رسوا نہیں کرے گا۔ خدا گواہ ہے، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ نادار لوگوں کو مال دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ، نبی ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی، ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب پر تھے اور انجیل کو عربی زبان میں سمجھتے تھے، بہت بوڑھے ہو چکے تھے، ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی، حضرت خدیجہ نے ان سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنیئے۔ ورقہ بن نوفل نے نبی ﷺ سے کہا: بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا، نبی ﷺ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ ورقہ بن نوفل نے کہا: یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے، جو حضرت موسیٰ کے پاس وحی لے کر آتا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا، کاش میں زندہ ہوتا، جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکالے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ کیا وہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے، ورقہ بن نوفل نے کہا: ہاں، جس شخص کی طرف بھی آپ کی طرح وحی نازل ہوتی ہے، لوگ اس کے مخالفت ہو جاتے ہیں۔ اگر وقت نے مجھے مہلت دی تو میں اس وقت آپ کی انتہائی قوی مدد کروں گا۔

اس حدیث سے چند امور ظاہر ہوتے ہیں کہ فرشتہ نے پہلے آپ کو لکھا ہوا پڑھنے کو کہا، کہ جس کے جواب میں آپ نے کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا، ورنہ سن کر دہرانا اسی زبان میں کوئی مشکل نہیں۔ اور آپ کا کہنا کہ میں پڑھا ہوا

نہیں ہوں کی ضرورت نہیں۔اس لیے مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ کپڑے پر لکھا ہوا تحریر تھا۔(روح المعانی)۔اس سے ایک اور نکتہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تحریر و کتابت کی اہمیت بھی ظاہر کرنا مقصود تھی، کیونکہ لکھنا پڑھنا ہی علم ہے، صرف زبان سے دہرانا یا بولنا علم نہیں۔دوسرا اہم نکتہ نبی ﷺ کا قبل از نبوت اعلیٰ کردار کا ثبوت ہے، جو سارا حقوق العباد کے بارے ہے۔صادق و امین، تو پہلے بھی آپ تھے۔حضرت خدیجہؓ سے آپ کی زندگی کوئی چھپی ہوئی نہیں تھی۔پھر ورقہ نے فوراً آپ کے اعلیٰ کردار، پاکیزہ زندگی اور آپ کے بچپن سے واقف تھے کیونکہ بوڑھے ہو چکے تھے، حضرت خدیجہؓ کے ساتھ رشتہ ازدواج کی وجہ سے اور بھی قریب ہو گئے تھے۔انہوں نے فوراً آپ کے منصب نبوت کو قبول کر لیا اور مشکلات کی طرف اشارہ کر دیا۔

انسان کی ابتدا:

انسان کی پیدائش کو ذکر کیا گیا ہے کہ خون کے لوتھڑے سے بنایا گیا۔یہ مادر رحم میں ابتدائی حالت ہے۔حدیث مبارکہ نے جو تصویر کشی کی ہے وہ علمی لحاظ سے بے مثال ہے۔جدید بیالوجی (جینیٹک) کی تحقیق اسی کے اندر ہے، صرف علمی تکنیکی (خوردبینی) اصطلاحات کا فرق ہے۔حدیث کے مطابق چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے۔(ایکس اور وائی کروموسوم)۔پھر نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے۔پھر چالیس دن کے بعد گوشت بن جاتا ہے، یعنی جسم کی صورت بننی شروع ہو جاتی ہے پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے پھر اس کے بارے چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔پھر فرشتہ اس کا رزق، اس کی مدت حیات، اسکا عمل (اس کے اعمال) اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔(بخاری/مسلم/ابوداؤد)۔آیت میں انسان سے مراد انسانی نسل ہے، جسے اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا۔بعض مفسرین نے حضرت آدم علیہ السلام اور بعض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، مراد لی ہے۔

علم اور قلم:

پھر اللہ کے مکرم نام کے ساتھ پڑھنے (علم حاصل کرنے) کی تاکید فرمائی گئی اور قلم کا ذکر بھی ہے۔اس سے انسان کے اندر صرف ذخیرہ کرنے (علم کی معلومات) مراد نہیں بلکہ قلم کی استعداد سے تجزیہ اور علوم میں تحقیق و تدقین کی استعداد بھی ہے۔یہی استعداد، زبانیں اور تحریروں کے فن کے بارے میں ہے جس سے علوم کو ذخیرہ یا ریکارڈ کیا جا سکا، یہی استعداد انسان کو معلومات نسل در نسل منتقل کرنے اور دوسرے حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں۔

قلم سے مراد علماء نے حدیث مبارک کے مطابق وہ قلم لیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور اسے کائنات کے واقعات لکھنے کا حکم دیا۔اس سے مراد عقل و سمجھ اور تمام منصوبوں کو ریکارڈ کرنا اور نافذ کرنے کے

بارے میں معلومات ہیں جو لوح محفوظ میں رکھی گئیں۔ آج ہمیں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے ذریعہ اس کے بارے بہتر معلومات ملی ہیں۔ دوسری مراد، فرشتوں کی علمی استعداد اور ان معلومات کے ریکاڑ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ہدایت ہے۔ اور تیسری مراد وہ قلم ہے جو کہ انسان استعمال کرتے ہیں یعنی تحریر کو ڈیزائن کرنا اور اسے منضبط کرنا ہے۔ ایک روایت و آثار کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام بھی یہ فن یا استعداد رکھتے تھے اور ایک روایت کے مطابق حضرت ادریسؑ نے قلم اور زائچہ و نقوش کے ذریعہ تحریر کے فن کو ایجاد کیا۔ (قرطبیؒ)۔ یہ ساری استعداد، اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔

علم کے بارے بھی عنایت فرمائی، کہ قوت و استعداد علم عطا کی اور اس کی حد میں یہ فرمایا": علم الادم الاسمآ کلھا" کہ ،انسان کو تمام اشیاء کے نام سکھائے گئے۔ نام کو جاننے کا مطلب، اس چیز کی ہئیت کو جاننا ہے۔ جس کو نام ظاہر کرتا ہے۔ یہ وہ استعداد ہے جس کی وجہ سے انسان نے سینکڑوں قسم کے علوم و فنون آج تک پیدا کئے اور یہ سلسلہ آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ سب اللہ کی عطا کی ہوئی انسان کو اس کی ذہنی استعداد کی وجہ سے ہے، جو انسان کو جنوں اور فرشتوں سے بھی ممتاز کرتی ہے۔ انسان کو وہ معلومات ملیں جن کا اس کو پہلے علم نہ تھا جیسا کہ ہم آج کل علوم میں تحقیق سے دیکھ رہے ہیں۔ مصنوعی عقل کے وجود کو پالینا اور اس کا استعمال ہے۔ انجینئرنگ و ٹیکنالوجی میں ترقی ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ ہر گز نہیں؟ انسان (ضرور) سرکشی کرتا ہے۔

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝ بے شک لوٹنا (واپس ہونا) تیرے رب کی طرف ہے۔

انسان کے عمومی رویہ کا ذکر ہے۔ انسان جس کو علم سکھایا گیا۔ اس کو ستعداد تجزیہ دی گئی۔ زندگی عطا کی۔ وہ جب قوت حاصل کرلیتا ہے تو اللہ کے احکام کو ماننے سے بغاوت کرتا ہے۔ انکار کرتا ہے، حالانکہ اسے انکار کے بجائے، اقرار اور فرمانبردار ہونا تھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے کافی ہے، حالانکہ وہ ایک دن دنیا کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کا سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے اور واپس لوٹ کر اللہ کے آگے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کے اظہار کا مقصد، اس وقت کفار مکہ کے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے خلاف رویہ اور بت پرستی تھی اور آج بھی لوگ یہی رویہ رکھتے ہیں۔ اللہ کے انعام و اکرام کا اقرار نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو صرف زبانی و کلامی کرتے ہیں۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ کیا آپ نے اس کو دیکھا! جو منع کرتا ہے۔

عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ (ہمارے) ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝ بھلا دیکھئے! اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا، اس کے لیے بہتر ہوتا۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ آپ نے دیکھ لیا، اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ ہر گز نہیں؟ اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ وہ پیشانی جو جھوٹی اور گناہ گار ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ اور وہ اپنے مددگاروں کے گروہ کو بلالے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے۔

كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ ہر گز نہیں، اس کی بات نہ مانیں اور سجدہ کریں اور قریب ہوں۔ (آیت سجدہ)۔

شان نزول:

یہ آیات مبارکہ جس موقع پر نازل ہوئیں اس کا واقعہ یوں ہے، ابو جہل (ابو الحکم)، جو اپنے قبیلے کا سردار اور دولت مند تھا۔ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ غریب مسلمان کو عذاب دیتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر اس نے نبی ﷺ کو مکہ میں عبادت کرتے دیکھا، تو ان کو سجدہ میں روندوں گا۔ اس کے اس کفر کے بارے ذکر ہے کہ اگر وہ اس دشمنی کے بجائے موافقت کرتا، تو اس کے لیے بہتر ہوتا۔ لیکن اس کی بد بختی کہ اس نے، نبی ﷺ کا کلام ماننے اور ہدایت لینے کے بجائے، دشمنی پر تل گیا۔ ایک دفعہ نبی ﷺ، خانہ کعبہ میں عبادت کر رہے تھے، تو لوگوں نے اسے کہا کہ دیکھو وہ عبادت کر رہے ہیں۔ وہ اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لیے آگے بڑھا، لیکن فوراً پلٹ آیا۔ جب لوگوں نے پوچھا، تو اس نے کہا کہ اس نے نبی ﷺ اور اس کے درمیان آگ دیکھی اور ڈر گیا۔ نبی ﷺ کو جب اس واقعہ کے بارے بتایا گیا، تو آپ نے فرمایا: وہ آگے بڑھتا، تو اسے فرشتے ختم کر دیتے۔ بھسم ہو جاتا یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ یہ آیات نازل ہوئیں کہ آپ نے دیکھا جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں، کہ ایک موقع پر ابو جہل نبی ﷺ کے پاس سے گذرا۔ آپ خانہ کعبہ (مقام ابراہیم کے پاس) عبادت کر رہے تھے۔ ابو جہل کہنے لگا: یا محمد (ﷺ)! کیا میں نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا۔ نبی ﷺ نے اس کو عذاب سے ڈرایا، تو وہ کہنے لگا: اے محمد! تم مجھے کس چیز سے ڈرا رہے ہو۔ اللہ کی قسم! اس وادی کے اکثر لوگ میری مجلس میں بیٹھنے والے ہیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، (کہ وہ اللہ کی نافرمانی پر تلا ہوا

تھا۔فرمانبرداری سے محروم تھا اور وہ اپنے مددگاروں کو بلالے، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے)۔ اس کی بد قسمتی کہ وہ فرمانبرداری سے محروم تھا۔

غصہ کا مرکز:

اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کو ان کی پیشانی کے بالوں سے گھسیٹنے کا حکم فرمایا ہوا ہے، جس کو ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔جدید تحقیق میں انسانی دماغ کے بارے میگنیٹک امیجنگ (ایم آر آئی) کے ذریعہ بہت ساری معلومات مل جاتی ہیں، بلکہ دماغ کے اندر مختلف جذبات (غصہ، نفرت، جھوٹ) کی وجہ سے جو لہریں پیدا ہوتی ہیں اور جہاں (جس حصہ) میں پیدا ہوتی ہیں ان کی تصویر بھی نظر آجاتی ہے۔

جدید تحقیقات سے پتہ چلا ہے ،کتاب بعنوان "Essentials of Anatomy and Physiology" میں یہ تحریر ہے کہ ماتھے کے حصہ (پیشانی کے بالوں) کے نیچے دماغ کا حصہ غصہ کا مرکز ہے اور اس کی وجہ سے عمل کرنے کا متحرک ہوتا ہے۔ یہاں سے اعصابی احکام، عمل کرنے کے نکلتے ہیں اور اعضاء حرکت میں آتے ہیں۔ یہ حصہ ہی عمل کو شروع کرنے یا کنٹرول کرنے کا مرکز ہوتا ہے۔اسی طرح جھوٹ بولنے کے دوران بھی یہی دماغ کا حصہ استعمال ہوتا ہے،اس لئے پیشانی کو جھوٹ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔اس قسم کے تجربات یونیورسٹی پنسلوانیا ،امریکہ میں بھی کئے گئے ہیں۔ جن میں جھوٹ بولنے کے دوران اس دماغ کے حصہ میں زیادہ لہریں پیدا ہوئیں۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم، جذبات کا مرکز دماغ ہے ،دل کا لفظ صرف ادبی طور پر اصطلاحاً تحریر کیا جاتا ہے۔یہ آیات ابوجہل کے عمل اور سزا کے بارے ہیں۔ابوجہل، غزوہ بدر میں دو نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، بلکہ اکثر اسلام کے دشمن سردار، غزوہ بدر میں قتل ہوگئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کی دھمکیوں کی تردید کی ہے۔ان کے عذاب کے بارے میں مطلع کیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی عبادت میں مصروف رہیں۔ یہ خطاب اگرچہ نبی ﷺ کو بظاہر نظر آتا ہے، لیکن تمام مسلمانوں کو حکم ہے، کہ اللہ کی عبودیت میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے، کہ بندہ اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ محبت اس وقت ہوتی ہے، جب اس کی پیشانی زمین پر اللہ کے لیے سجدہ ریز ہوتی ہے۔(صحیح مسلم)۔ یہی قربت الٰہی کا وقت ہوتا ہے۔آیت سجدہ تلاوت ہے۔ نبی ﷺ نے اس کی تلاوت پر سجدہ فرمایا۔اس لیے سننے پر سجدہ کرنا ضروری ہے۔(بحوالہ حدیث مسلم شریف روایت حضرت ابو ہریرہؓ)۔(سورت العلق مکمل ہوئی)۔

97- سورۃالقدر

تعارف:

سورت القدر مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ سورت کا نام اس میں پہلی آیت میں لفظ القدر اور اس کے موضوع کی وجہ سے ہے۔(مستدرک،امام ابن مردویہ،الدرالمنثور، حضرت ابن عباسؓ وحضرت عائشہؓ)۔ سورت میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب نزول سے اس کا نمبر پچیس(25)اور ترتیب مصحف سے اس کا نمبر ستانوے ہے۔

سورت کا موضوع قرآن مجید کی اہمیت ہے۔ جس کا ذکر اس سے پہلے سورت العلق میں گذر چکا ہے۔ قرآن مجید کی عظمت اور اس کے نزول والی رات، کی عظمت کا ذکر ہے۔ اس سے قرآن مجید کی وحی الٰہی ہونے اور ہدایت کی عظیم کتاب ہونے کا ثبوت ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ جس رات قرآن مجید نازل ہوا،اس کی بھی اہمیت واضح کی گئی ہے کہ یہ رات بڑی قدر و منزلت والی ہے۔ اس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ یہ رات ماہ رمضان شریف کی راتوں میں سے ایک رات ہے کیونکہ قرآن مجید کو رمضان شریف میں نازل کیا گیا۔(البقرہ)۔

قدر کے دوسرے معنی تقدیر کسی چیز کے معین و مقدار کے ہیں۔ اس سے مراد زمین پر رہنے والی مخلوق ، بالخصوص انسانوں کے احوال کے بارے امور کا تعین ہے۔ رات کی خیر و برکت، قرآن مجید کے نزول کے علاوہ، اللہ کے فرشتے ،زمین پر نازل ہو کر اہل ایمان کے لیے سلامتی کی دعا کرتے ہیں اور یہ رات سلامتی کی ہے۔ سارے فیصلے مجموعی طور پر اہل زمین کی سلامتی کے لیے ہوتے ہیں۔ انفرادی مشکلات بالمقابلہ اجتماعی مفادات کوئی اہم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی مقصود ہوتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾ بے شک ہم نے اس (قرآن) کو قدر و منزلت والی رات میں اتارا۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ؕ﴿۲﴾ اور آپ کیا جانتے ہیں کہ قدر و منزلت والی رات کیا ہے۔

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ﴿۳﴾ قدر والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۙ۝ اس رات میں فرشتے اور روح (جبرائیل) اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے (زمین پر) اترتے ہیں۔

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۧ۝ یہ رات صبح طلوع ہونے تک سلامتی ہے۔

لیلۃالقدر:

قرآن مجید کی عظمت و برکت کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ جس رات کو اتارا گیا، وہ بڑی عظیم و قدرت و عزت والی رات ہے۔ انزلناہ، کی ضمیر قرآن مجید کی طرف ہے، اگرچہ ذکر نہیں، لیکن عربی میں جب کسی چیز کا تذکرہ جاری ہو، تو پھر ضمیر خود بخود اسکی طرف منسوب ہوتی ہے اور یہاں بھی قرآن مجید کا ذکر جاری ہے۔ سورت بقرہ میں قرآن مجید کے نزول کا وقت، ماہ رمضان ذکر کیا گیا ہے۔ (شھر رمضان الذی انزل آیت۔185)۔ اسی طرح سورت الدخان، آیت 3-1 میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے لیلۃالقدر کی رات رمضان المبارک میں ہی ہوتی ہے۔ پہلی وحی جو غار حرا میں، اقرا باسم ربک الذی خلق، تھی، وہ بھی رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ (روزے اس وقت نہیں تھے)۔

حضرت ابن عباسؓ کے مطابق، لیلۃالقدر (رمضان المبارک) کی رات کو قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آسمان دنیا، پر نازل کیا اور بیت العزۃ (ایک مقام ہے) میں رکھا۔ وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ تھوڑا تھوڑا، تئیس (23) سال میں حالات کے مطابق، نبی ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ یہ نزول مختلف دنوں، مہینوں، سالوں میں، امر و نہی، حلال و حرام، مواعظ و قصص اور لوگوں کے سوالات و حالات کے حسب ضرورت نبی ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیم کا صحیفہ، تورات اور قرآن مجید، رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے اپنے انبیاء پر نازل کئے گئے۔

اس قدر و منزلت، کی تفسیر میں، مفسرین کی مختلف آراہیں، لیکن دو، آراء بہت اہم ہیں، جو قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں۔ (ا): یہ رات، قدر سے تقدیر، اندازہ، تعین، مقدار، مراد ہے کہ اہل زمین کے بارے احکامات کی جو منصوبہ بندی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں کر رکھی ہے جس طرح آیت ہے: خلق کل شی فقدرہ تقدیرہ۔ (الفرقان 2)۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا مناسب اندازہ (حساب) کیا۔ ان احکام کو سارے سال کے دوران نافذ کرنے کا حکم، مختلف جلیل القدر فرشتوں جن میں حضرت جبرائیل، اسرافیل، میکائیل اور عزرائیل علیہم السلام ہیں کو سونپا جاتا ہے۔ اس میں رزق، موت و حیات، سیلاب و زلزلے، آفات اور رحمتیں اہل زمین کے لیے ہوتی ہیں۔ اور پھر فرشتے، احکام کو پروگرام کے مطابق وقت معین پر نافذ کرتے ہیں۔

دوسرا مفہوم، خیر و برکت والی رات ہے جس کی طرف اشارہ اگلی آیت میں ہے، کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس لیے آیت میں ہے کہ تم اس کی قدر و منزلت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ یعنی نہیں جانتے اور وہ بتائی جارہی ہے، کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اب یہ قدر و منزلت کے اسباب کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں اور ساری اہم ہیں۔ (۱): اس کی قدر و منزلت نزول قرآن کی وجہ سے ہے۔ (۲): نزول ملائکہ (فرشتوں) کی وجہ سے ہے۔ (۳): عبادت کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ (۴): اس رات میں سلامتی کی وجہ سے ہے۔ (۵): رات بذات خود فضیلت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات اور بعض اوقات میں اعمال کرنے کو فضیلت دی ہے تاکہ مخلوق فائدہ اٹھا سکے، مثلاً بیت اللہ، مسجد الرسول ﷺ، بیت المقدس، میں عبادات کا ثواب زیادہ ہے۔ اسی طرح اوقات میں، رمضان المبارک، ایام حج، دس محرم الحرام، جمعۃ المبارک، لیلۃ القدر، میں اعمال کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ ایک رائے کے مطابق، جو کہ علماء شافعیہ سے منسوب ہے کہ مولد النبی ﷺ کی رات کی بہت بڑی برکت ہے۔ (روح المعانی)۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس رات میں، اللہ کی رحمت خیر و برکت بہت مقدار میں نازل ہوتی ہے۔ رحمت والے فرشتے، لامحدود تعداد میں رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں۔

قدر و منزلت:

قدر و منزلت کے بارے میں کہا ہے، کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی اس میں نیکی کے امور، بالخصوص عبادت کا ثواب، ہزار مہینہ کے برابر ہے۔ ایک حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا: من قام لیلۃ القدر ایماناو احتسابا، غفر لہ ماتقدم من ذنبہ۔ (جس شخص نے لیلۃ القدر (شب قدر) میں ایمان کے ساتھ (اخلاص) اجر و ثواب کی نیت کے ساتھ قیام (عبادت) کیا، اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا)۔ اس لیے اس رات کو عبادت کا خصوصی اہتمام کرنا ضروری ہے۔ زیادہ نوافل پڑھنے، توبہ و استغفار کرنے، گناہوں کو یاد کر کے معافی مانگنے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنے اور اپنی کوتاہیوں کو یاد کر کے گڑگڑا کر استغفار کرنا چاہیے۔ علماء نے اس رات کو عبادت کے لیے خصوصی انداز سے نوافل پڑھنے کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے۔

شب قدر کی رات:

ہزار مہینے کے اجر کے بارے میں حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو جب پرانی امتوں کی زندگی یا عمروں کے بارے بتایا گیا، جو کہ موجودہ امتوں سے بہت زیادہ تھیں، اس طرح کم عمر والی امتیں جن میں آخری امت امت محمدی علیہ الوف التحیۃ والتسلیم، ہے کو کم عبادت کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی مہربانی کر کے

لیلۃالقدر کی رات عطا کی، جس کی قدر، تراسی سال چار ماہ ہے۔(مؤطاامام مالک)۔اس سے مقصود، اہل ایمان کو اس فرصت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ہے۔ہزار ماہ سے مراد ثواب کی زیادتی ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ نوافل کی زیادتی ہے ،جو کہ قضاشدہ فرائض کی کمی پوری نہیں کر سکتی۔ صرف نوافل کی قدر و منزلت میں اضافہ ہے۔اسی طرح علماء نے کہا ہے کہ اگر شب قدر کا یقین ہو اور گناہ کرے گا، تو گناہ کی سزا بھی زیادہ ہو گی جس طرح حرم میں گناہ کی سزا زیادہ ہے یا علماء کے لیے گناہ کی سزا،ان کے علم کی وجہ سے زیادہ ہے اور ثواب بھی زیادہ ہے کیونکہ لوگ ترغیب لیتے ہیں۔

شب قدرت کون سی ہے ؟اس کو نبی ﷺ نے مخفی رکھا،اور اس کا تعین نہیں فرمایا،البتہ اس کے بارے میں اشارات بڑے واضح فرمادیے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو(علماء کی مختلف آراء ہیں)۔ یہ رات رمضان المبارک کی رات ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔آپ نے فرمایا کہ طاق راتوں میں تلاش کرو۔یعنی، اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس،اور انتیس ہیں۔سب کے امکانات برابر ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ رات ستائیس کی رات ہے۔مفسرین نے علامات بھی تحریر کیں، مثلاً چاند کی کیفیت۔ سورج نکلنے کی کیفیت (شعاعوں کی گرمی یا نرمی)، رات کو موسم کی کیفیت، جو ان کی اپنی رائے تھی۔رات کو مخفی رکھنے کی بڑی مصلحت ہے تاکہ لوگ محنت کریں۔عبادت کریں،اس میں عبادت کرنے کا جذبہ بڑھے۔اگر رات بتادی جاتی تو لوگ بعض بے پرواہ ہو جاتے اور صرف اسی رات کو سہارا لے لیتے۔شب قدر کا وقوع کسی بھی مقام پر سورج کے غروب یا طلوع اور ابتداء اور انتہائے رات سے ہے۔

رات کی ایک اور اہمیت نزول ملائکہ و روح اور سلامتی ہے۔روایات کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھ دوسرے فرشتے، شام کو آسمان سے اترتے ہیں اور تمام زمین پر پھیل جاتے ہیں۔ مومنین اور اہل عبادت اور اعمال صالح کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ان کے لیے سلامتی و برکت کی دعا کرتے ہیں۔ان کی عبادت کی گواہی کا ثبوت بنتے ہیں اور ان کے لیے رحمت لاتے ہیں۔رحمت و سلامتی کا تعلق کسی انسان کی ذاتی خواہش پر مبنی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لحاظ سے ہے۔اللہ تعالیٰ اس رات کو تمام مخلوق کے لیے بالخصوص انسانوں کے خیر اور بھلائی نازل کرتے ہیں۔امور تکوینی (کائنات کے واقعات)،انسانوں کی بالعموم بھلائی اور خیر کے لیے ہوتے ہیں۔

روح کے بارے مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔اکثریت کا خیال ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ روح ایک خاص فرشتہ ہے، جو کہ صرف شب قدر کو نازل ہوتا ہے۔اہم پیغام یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کے پیش نظر ہر مسلمان کو اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اور اپنی عبادات میں اضافہ اور گناہوں میں استغفار سے کمی کرنی ضروری ہے تاکہ آخرت میں کامیابی ہو۔(97-سورت القدر مکمل ہوئی)۔

98- سورۃالبینہ

تعارف:

سورت کا نام،اس کی پہلی آیت میں لفظ,البینہ, کی وجہ سے ہے جس کے معنی واضح دلیل ہوتے ہیں۔سورت کے نزول کے بارے اختلاف ہے، لیکن اکثر مفسرین،اسے مدنی قرار دیتے ہے۔اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہیں۔ ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر اٹھانوے اور ترتیب نزول کے لحاظ سے ایک سو(100) ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں۔ پھر آپ ﷺ نے پڑھا: لم یکن الذین کفروا،(البینہ 1)،اور آپ نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس مال کی ایک وادی ہو تو وہ ضرور دوسری وادی تلاش کرے گا اور اگر دوسری مل جائے تو تیسری تلاش کرے گا اور ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے ،تو اللہ اس کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے۔ (ترمذی/مسند احمد)۔انسان کی دولت کے حرص کے بارے میں تجزیہ فرمایا گیا ہے کہ موت تک اس کی حرص جاری رہتی ہے، جس کو ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔

سورت میں نبی ﷺ کی آمد کی ضرورت اور قرآن مجید کے نزول کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے، کیونکہ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں اور عقائد میں گمراہی شامل کر چکے تھے اور دوسرے کفار و مشرکین تو ویسے گمراہ ہو چکے تھے۔ان سب کی ہدایت کے لیے ایک نبی اور ایک نئی کتاب کی ضرورت تھی، جس کو نازل کیا گیا اور اس کی کتابت و حفاظت کا اہتمام بھی کیا گیا۔ تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ضروری ہے، یہی اخلاص ہے۔اللہ کے احکام سے انکار کرنے والے ،بدترین مخلوق ہیں کیونکہ اپنے خالق کو بھولے ہوئے ہیں اور اعمال صالحہ کرنے سے انکاری ہیں، لہٰذا یہ بد ترین گروہ ہے، جو خالق اور مخلوق دونوں کو بھولا ہوا اور اپنی ہوس میں مبتلا ہے۔ان کے اعمال کی سزا ان کو جہنم میں ملے گی۔دوسرا گروہ،اہل ایمان کا ہے۔جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، کوئی شریک نہیں بناتے اس کی رضا چاہتے ہیں،اس سے ڈرتے ہیں اور عبادت (نماز پڑھتے) کرتے ہیں۔زکوٰۃ دیتے ہیں۔ محروم مخلوق کا خیال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں مقام دے کر انعام عطا کریں گے۔وہی بہترین مخلوق ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾

اہل کتاب میں سے بعض کفار اور (سارے) مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آجائے۔

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۙ﴿۲﴾ یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔

فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ﴿۳﴾ جن میں بالکل درست احکام ہیں۔

آیات مبارکہ نزول قرآن کے وقت اہل کتاب اور دوسرے عربوں کے اعتقادی حالت کے بارے بیان کر رہی ہیں۔ اہل کتاب اگرچہ کتاب پر یقین رکھتے تھے۔ ان میں یہود جو تورات پر اور عیسائی (نصاریٰ) جو انجیل پر یقین رکھتے اور اپنے نبیوں کو مانتے تھے۔ یہود نے حضرت عیسیٰ کو گنکار بنادیا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ بنا دیا۔ یہود نے بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنالیا۔ یہ سارے امور ان انبیاء کی محبت و عزت و عظمت کے طور پر اختیار کئے گئے۔ ان عقائد کے باوجود چونکہ اہل کتاب کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاء اور ان پر نازل شدہ کتابوں کی صداقت پر تھی، اس لیے ان کو اہل کتاب کہا گیا ہے اور ان سے تعلقات میں دوسرے غیر مسلموں کفار یا مجوس کے مقابلے میں ترجیح ہے۔

واضح دلیل:

ان اہل کتاب کی اصلاح کے لیے بھی، نبی کی آمد لازمی تھی اور ان کتابوں (تورات و انجیل) میں اس (کتاب یعنی قران) کا ذکر تھا۔ انہیں آنے والے نبی کی اطاعت کا حکم بھی دیا گیا تھا۔ اہل کتاب (یہود اور عیسائی) اپنے عقائد کے مطابق اس کے انتظار میں بھی تھے۔ جب نبی ﷺ نے اعلان نبوت کیا اور پھر مدینہ شریف ہجرت فرمائی تو کئی یہودی تورات کے احکام کے مطابق مسلمان ہوگئے اور کئی ضد اور حسد کی وجہ سے منکر ہوگئے۔ خصوصاً وہ، بنی اسرائیل سے نئے نبی کی توقع کر رہے تھے۔ یہی رویہ عیسائیوں نے بھی اپنایا، کچھ اقرار کرنے لگے اور بہت سوں نے انکار کی روش اپنائی اور مخالفت پر ڈٹے رہے۔ یہ سارا عمل اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے تھا۔ دوسری طرف مشرکین عرب مکمل بت پرستی میں ڈوب چکے تھے۔ حضرت ابراہیم سے تعلق کے باوجود بت پرستی عام تھی اور ان کی اصلاح کے لیے نبی اور کتاب لازمی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح دلیل کے لیے نبی ﷺ کو نبوت کے لیے چنا اور ان پر اپنا کلام نازل کیا۔ نبی ﷺ نے یہ پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ واضح دلیل نبی ﷺ کی ذات ہے، جس کے پاس صحیفہ (قرآن پاک) ہے۔ جس میں انسانی زندگی کی راہنمائی کا درست نظام درج ہے اور نبی ﷺ نے اسے عملی طور پر کیا

ہے۔ نبی ﷺ کا کردار ان کے سامنے ہے۔ نبوت سے پہلے صادق و امین تھے اور نبوت کے بعد قرآن کے امین تھے۔ لوگوں کی زندگیاں بدل دیں۔ پاکیزہ اخلاق، اعلیٰ اصولوں کی تعلیم دی اور ساری تکلیفیں برداشت کیں۔

صحیفہ کے معنی لکھا ہوا ورق ہے، لیکن یہاں مراد الہامی کتب ہیں اور پاک صحیفوں سے مراد، ان میں پاکیزہ احکامات ہیں جو گمراہی سے پاک اور انسانیت کے لیے ہدایت ہیں۔ قرآن مجید کے قصص و احکامات کا، بائبل اور تورات سے مقابلہ کیا جائے، تو فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اس صحیفہ میں پرانی کتب میں جو تحریف کی گئی، اس کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ نئی کتاب اور نبی کا مقصد انسانیت کی اصلاح تھی تاکہ وہ گناہوں اور کفر سے بچیں اور اس کے بعد بھی اگر گمراہ رہیں گے اور انکار کریں گے، تو وہ خود اس کا بوجھ اٹھائیں گے۔ قیامت کو ہدایت نہ ملنے کا بہانہ نہیں کر سکیں گے۔ احکام الٰہی (صحیفہ) کی تعریف درست احکام (قیمّہ) سے کی ہے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق انسانی دونوں کو شامل ہے۔ ظلم کا خاتمہ اور سماجی انصاف کی تلقین و عمل کی ہدایت ہے۔

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝ اور اہل کتاب میں اس وقت تفرقہ پڑا جب ان کے پاس واضح دلیل آچکی تھی۔

وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ۝ اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا۔ کہ وہ اخلاص کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی دین مستقیم (سیدھا دین) ہے۔

اہل کتاب کی کیفیت و حالت بیان کی گئی ہے۔ انبیاء اور کتب بھیجنے کے بعد بھی وہ بھٹک گئے اور اسقدر بھٹک گئے کہ ان کی اصلاح کے لیے ایک نبی اور صحیفہ لازمی ہو گیا۔ یہ طریقہ ان کا اپنا تھا۔ وہ اس قدر دور جا چکے تھے کہ ان کی اصلاح کے لیے روشن اور واضح دلیل کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ ضرورت، نبی آخر الزمان کو بھیج کر اور قرآن مجید کو نازل کر کے پوری کر دی۔ اس نعمت پر وہ شکر کرتے۔ جس طرح ان کو ان کے صحیفوں (الہامی کتب) میں آنے والے نبی کی اتباع کا حکم دیا تھا اور ان کو معلوم تھا۔ انہوں نے نہیں کیا، بلکہ جب سے واضح دلیل اور صحیفہ آگیا، تو انہوں نے تفرقہ اور اختلاف برپا کر دیا۔ انکار کرنے والے گمراہ اور قبول کرنے والے حق پر چلنے والے بن گئے اور اللہ تعالیٰ نے حجت تمام کر دی۔ قرآن مجید سے پہلے بھی اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ کی خالصتاً عبادت کا حکم تھا۔ اس کے ساتھ غرباء اور مساکین پر رقم خرچ کرنے (زکوٰۃ) کا حکم بھی تھا۔ یہی حکم، اللہ تعالیٰ نے اپنی روشن اور ''واضح دلیل'' نبی آخر الزمان اور آخری صحیفہ قرآن کے ذریعے بھی دیا جا رہا ہے، لیکن ان کی بدقسمتی ہے کہ علم ہونے کے باوجود ضد کی وجہ سے، اپنی گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک صحیح دین، اللہ کی واحدانیت، اس کی خالص عبادت جس میں کوئی نمود و نمائش

اور دنیاوی مفاد نہ ہو، صرف اس کی رضا کے لیے ہو۔ اس کے تابع (جزا) جنت کا انعام یا دوزخ سے بچاؤ ہے۔ اس کے ساتھ غرباء، مفلس اور محتاج معاشرے کے افراد کے لیے مالی مدد ہے، جو زکوۃ ہے۔ نبی ﷺ کی تعلیمات بھی وہی ہیں جو پرانے انبیاء نے اپنی امتوں کو دی تھیں۔

امتوں میں حق (دین) واضح ہونے کے باوجود اختلاف کے ذکر میں نبی ﷺ نے فرمایا، کہ پہلی امتوں کی مثال یہود و نصاریٰ ہیں۔ جن کے اندر بڑے اختلاف پیدا ہو گئے اور ان، یہود میں اکہتر (۷۱) فرقے بن گئے۔ اس کے بعد نصاریٰ (عیسائیوں) کا مذہب پھیلا، اور پھر ان میں بہتر (۷۲) فرقے بن گئے۔ پھر فرمایا کہ یہ امت (مسلمان) تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائیں گے، جو سارے جہنم کا عذاب بھگتیں گے، سوائے ایک فرقہ کے۔ صحابہ نے عرض کی، وہ کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا: جس پر (طریقے پر) میں اور میرے اصحاب ہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا: کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم ان کی اتباع کروں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾

بے شک اہل کتاب میں جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے اور وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

بدترین مخلوق:

واضح دلیل یعنی نبی آخر الزمان اور آخری صحیفہ قرآن پاک کے آجانے اور پیغام کے پہنچنے کے بعد بھی اہل کتاب میں جن لوگوں نے اس سے انکار کیا، وہ بھی کفر کر رہے ہیں اور اسی طرح، جو اللہ کی معبودیت کا انکار یا اس کے ساتھ اس کی الوہیت میں کسی اور کو شریک کرتے تھے، وہ اپنے اس جرم کی وجہ سے جہنم کی آگ میں جھلسیں گے۔ وہ اس نافرمانی کی وجہ سے بدترین مخلوق ہیں اور اس طرح کے کردار کو ایک مقام پر انہیں اسفل السافلین (سورت التین) کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل دیا، زمین پر قوت اور غلبہ دیا۔ زمین پر موجودات، حیوانات کو وہ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے رزق کا اہتمام ہے۔ صحت و سلامتی اور پھر حق کے متعلق تمام معلومات و ہدایات ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنے خالق کے احکام کا، جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور اپنی خواہشات پر اعمال کرتے ہیں، اس وجہ سے وہ بدترین مخلوق ہیں۔ اس کی سزا جہنم کی آگ ہو گی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔

جَزَآؤُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ ﴿۸﴾

ان کی جزا ان کے رب کے ہاں دائمی باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ (مقام) اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

بہترین مخلوق:

قرآن مجید ہمیشہ اچھے، برے کردار و افراد کا موازنہ کرتا ہے تاکہ پڑھنے والا غور کرے اور اپنے لیے صحیح راستہ اختیار کر سکے اور یہی انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔

پہلے ان افراد کا ذکر تھا، جنہوں نے ہدایت کے بجائے خواہشات کا راستہ اپنایا۔ اللہ کے ارسال کردہ پیغمبروں اور نازل کردہ کتب کو چھوڑ دیا اور دین ہدایت کے بجائے، اپنی خواہشات کو مذہب بنالیا۔ ان کے مقابل ان افراد کا ذکر ہے، جو ایمان لاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کے ارسال کردہ نبی کو مانتے ہیں۔ اس میں قیامت، حساب و کتاب اور کتب آسمانی پر ایمان شامل ہے۔ اس کے علاوہ یہاں صرف ایمان پر بات ختم نہیں ہوتی، کیونکہ، ایمان، حساب و کتاب، قیامت یہ سارے امور ذہنی یقین سے تعلق رکھتے ہیں جس کا عمل سے براہ راست کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا اظہار کسی خاص عمل سے ہوتا ہے۔ اس کے اثرات یقیناً اعمال پر پڑتے ہیں اور کردار سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ جس کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نیک اور اچھے اعمال ہیں۔ یعنی عمل کی اہمیت علیحدہ ظاہر کی گئی۔ اچھے اعمال کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اس میں اہم نکتہ اللہ کی رضا، انسانی استطاعت پر ہے۔ اللہ کی رضا کی خاطر، نفس کی خواہشات کو ختم کرنا، بڑا اہم کام ہے جس کو نبی ﷺ نے جہاد اکبر سے تشبیہ دی ہے اور اس کی وجہ سے ایسے کردار کے حامل اصحاب ایمان کو "خیر البریہ" بہترین مخلوق قرار دیا گیا ہے۔

اللہ کی رضا:

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم کون ہے۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نے یہ آیتیں نہیں پڑھیں: ان الذین

وا عملو الصالحات۔۔(البینہ ۷)، جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔(الدر المنثور، روح المعانی)۔

یہ وہ افراد ہیں جو نیک اعمال کے ساتھ اللہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ ڈر ان کا اللہ کے عذاب سے بھی ہے، کہ وہ، ان کو دوزخ کی سزا نہ دے اور دوسرا ڈر، اللہ کی ناراضگی کا ہے، کہ اگر وہ ذات ناراض ہو گئی تو کیا انجام ہو گا۔ بعض علماء نے خوف سے مراد کسی گناہ کا خیال آتے ہی، اللہ تعالیٰ کا خوف انہیں اس گناہ سے باز رکھتا ہے اور بعض عارفین نے کہا: جب وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو اس خوف سے لرزاں رہتے ہیں کہ ان کی یہ اطاعت و عبادت قبول ہو گی یا نہیں ہو گی۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں نبی ﷺ سے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، چوری کرتے ہیں۔ (ان جرائم کی سزا پر ڈرتے ہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! اے صدیق کی بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کئے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ (ترمذی/ابن ماجہ)۔

صوفیاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ مقام رضا کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کا خوف بھی بہت اہم ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا قول مبارک ہے، کہ رضا کا مقام و قدر، قوت علم (با عمل) اور معرفت کی گہرائی پر ہے۔ (روح المعانی)۔ اس مقام رفیع کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ان بندوں سے راضی ہو جاتی ہے اور یہ بندے اس کی عنایات پر فرحان و شادمان ہو جاتے ہیں۔

99- سورۃالزلزال

تعارف:۔

سورت کا نام،اس کی پہلی آیت میں لفظ زلزال سے ہے۔آیات میں زلزلہ کی کیفیت اور اس کے نتیجے میں زمین کی جو حالت ہو گی اس کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق سورت مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔اس میں آیات کی تعداد آٹھ (8)اور ایک (1) رکوع ہے۔اس کا ترتیب مصحف سے نمبر ننانوے (99) ہے۔اور ترتیب نزول کے لحاظ سے نمبر ترانوے(93) ہے۔

سورت میں زلزلہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔شدید زلزلہ آئے گا اور زمین کے اندر جو موجودات انسانی اجسام اور ان کی قیمتی اشیاء وغیرہ باہر نکل آئیں گے اور لوگ دیکھ لیں گے کہ جن امور یا اشیاء کے لئے وہ جرائم اور نافرمانی کرتے تھے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔زمین انسانی جسموں کو جو اس کے اندر دفن ہو گئے تھے نکال دے گی۔زندہ ہو کر کھڑے ہوں گے۔یہ اللہ کے حکم سے صور اسرافیل کے نفخۂ ثانی کے بعد ہو گا۔

انسان حیران و پریشان ہوں گے اور اپنے بچاؤ کے لئے دوڑیں گے۔ان کو ان کے کارنامے یعنی اعمال پکڑا دیئے جائیں اور ہر آدمی اپنا ہر چھوٹا(معمولی سے معمولی)اور بڑے سے بڑا عمل دیکھ لے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝۱ جب زمین زلزلہ سے جھنجھوڑی جائے گی۔

زلزلہ:۔

زمین زلزلے کے ساتھ جھنجھوڑی جائے گی۔زلزلہ سے مراد زمین کا ہلنا ہوتا ہے اور اس وجہ سے زمین کی سطح پر عمارات یا پہاڑ اور چٹانیں ٹوٹ جاتی ہیں۔مکانات تباہ ہو جاتے اور ان کے اندر یا نیچے رہنے والے تمام جاندار یا درخت ختم ہو جاتے ہیں۔زلزلہ کے ذریعہ تباہی بہت شدید ہوتی ہے۔

اسباب:۔

زلزلہ کے اسباب کے بارے جدید جیالوجی یا جیوفزکس میں یہ نظریہ ہے کہ زمین کی اوپری والی سطح جو تقریباً ستر سے پچھتر میل تک سخت ہے ۔اوپر والی سطح تو نرم ہوتی ہے لیکن اس کے بعد آنے والی سطح سخت ہوتی جاتی ہے۔ اس طرح مختلف قسم کی بارہ پندرہ سطحیں یا تہیں ہیں جو اوپر نیچے چلتی یا پھیلی ہوئی ہیں اور ان کے نیچے ان کے دباؤ سے پلیٹیں ہلتی ہیں ، جن کے نیچے سیال مادہ ہے، جو گرم ہے اور ابلتا اور گرمی سے اس کے بخارات نکلنے کے کوشش کرتے ہیں۔ جہاں یہ پلیٹیں آپس میں جڑتی ہیں یا ایک دوسرے کے اوپر چڑھی ہیں، وہ باؤنڈریز (حدود) ہیں، وہاں سے وہ مادہ نکلتا ہے اور جہاں یہ پلیٹیں مل رہی ہیں، ٹرانس فارم فالٹ کہتے ہیں۔ عموماً اس پر پہاڑی (سلسلے) ہیں، جو مزید دباؤ ڈالتے ہیں۔ جس طرح قرآن مجید میں ان کا ذکر کیلوں سے مثال دے کر کیا گیا ہے۔ عموماً پہاڑی علاقوں میں زلزلے زیادہ آتے ہیں اور آتش فشاں پہاڑ بن جاتے ہیں یا پرانے پہاڑ پھٹ پڑتے ہیں جس سے گرم لاوا اور راکھ فضاء میں پھیل جاتی ہے۔ زلزلہ کی پیائش کا آلہ ڈاکٹر چارلس فرانسس ریکٹر نے ایجاد کیا جس کے ذریعے زمین کے ارتعاش کی لہروں کو ماپا جاتا ہے اس کو ریکٹر سکیل کہا جاتا ہے اور توانائی کے اخراج کو NTN (پیمانہ) کے ذریعے ناپا جاتا ہے۔ تین منٹ کا دورانیہ اور سات کے ریکٹر سکیل یا اس سے اوپر والا زلزلہ تباہ کن ہوتا ہے۔ ابتدائی علامات گڑگڑاہٹ پھر تھرتھراہٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ زلزلہ کے بعد بھی اس کی تھرتھراہٹ (جھٹکے) محسوس ہوتی رہتی ہے جس کا سب زمین کے حصوں کا تھرکنا ہوتا ہے۔ زیادہ تفصیل جیالوجی یا جیوفزکس کے علم سے مل سکتی ہے جو زمین کے اندرونی حالت کے بارے میں ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ رائے بدل بھی جائے لیکن زلزلہ سے تباہی یقینی ہے جس طرح میں آیت ہے۔

قدیم نافرمان اقوام ، کی تباہی بھی زلزلہ کے ذریعہ ہوئی، جس کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی طرح قیامت کے وقوع کو بھی زلزلہ کے ذریعے ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت سے زلزلہ کی مراد بھی وقوع قیامت کا زلزلہ ہے۔

دوسری آیات کے تناظر میں وقوع قیامت کے زلزلہ کا سبب زمین کے خارج سے تباہی آنے سے بھونچال یا زلزلہ کا آنا ہے۔ جس کی وجہ سے ساری زمین ہل جائے گی اور زمین کی سطح پر تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے اور زمین میدان بن جائے گی۔ یہ زلزلہ خارجی اسباب، آسمان کے پھٹنے، تابکاری کے آنے اور سیاروں یا چاند کے ٹکرانے سے واقع ہو گا، جس طرح فزکس اور فلکیات کے ماہرین بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ سورج کی بقایا زندگی، ان کے مطابق تین ملین سال سے کچھ زیادہ رہ گئی ہے۔ پھر اس کے اندر کا نیوکلیئر فیوژن کا پروسس ختم ہو جائے گا۔ اس کی حرارت ختم ہو جائے گی، کشش کم ہو جائے گی اور زمین، چاند، سورج اور نظام شمسی کے سیارے ان کے مدار ٹوٹ جائیں گے اور تباہی آ جائے گی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نفخہ اولیٰ، جو اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے ایک سپر

سانک چیخ یا چنگھاڑ ہو گی (یہ چیخ ممکن ہے ٹکرانے سے ہو) اور تمام انسان وذی روح مر جائیں گے اس کے بعد یہ قیامت واقع ہو جائے گی زلزلے ہوں گے اور زمین ہموار ہو جائے۔

وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی۔

زمین کا بوجھ:۔

زمین پر بوجھ انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں، انسان کا وجود اور حیوانات ہیں۔ قیامت پر یہ سارے مر جائیں گے اور پھر جب دوبارہ اسرافیل علیہ السلام صور ثانی پھونکیں گے جو کہ ایک سپر سانک چنگھاڑ یا چیخ ہو گی اس سے زمین کے اندر سے سارے انسان اُٹھ کھڑے ہوں گے یہ وہ بوجھ ہیں جو زمین باہر نکال دے گی۔ ایک حدیث کے مطابق لوگوں کی دولت یعنی سونے اور زیورات وجواہر بھی باہر نکل آئیں گے جن کے لئے لوگ ظلم، جھوٹ اور جرم کرتے تھے اور ان کی طرف خوف کی وجہ سے کوئی دیکھے گا بھی نہیں۔ انسان کو جو اس نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران جتنے بھی اعمال کئے تھے ان کا اعمال نامہ مل جائے گا۔

آیات کی سائنسی تفسیر کے مطابق جتنے بھی ہم زندگی میں اعمال کرتے ہیں، اس کی ویڈیو، ہمارے کراماً کاتبین (دو فرشتے) بناتے ہیں اور وہ آسمان پر ہر روز روانہ کر دی جاتی ہیں جس میں ہمارا ہر ہر عمل موجود ہوتا ہے۔ اس کے لئے روشنی ہونا یا اندھیرا ہونا کوئی اہم نہیں۔ روشنی کے علاوہ دوسری ایسی لہریں ہیں جو انسان کا امیج یا تصویر بنا سکتی ہیں۔ آج کی سائنس اور جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے یہ سارے ثبوت فراہم کر دیئے ہیں۔

وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔

انسان کی حیرانگی اور کم عقلی کی کیفیت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ آج بہت سارے انسان قیامت یا زمین / نظام شمسی کی تباہی کے بارے تو سائنسی بنیادوں پر یقین کر لیتے ہیں لیکن انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں کرتے۔ جو لوگ موت کے بعد زندگی سے انکار کرتے ہیں، وہ جب دوبارہ زندہ ہوں گے، ان کے جسم اور ذہن سلامت ہو گا اور اپنے ہم عصروں کو دیکھیں گے تو حیران ہوں گے، کہ یہ کیسے ہو گیا۔ یہی کیفیت آیت میں بیان کی گئی ہے جبکہ مومن جو اسلام کے عقائد کے مطابق یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ ایک معمول کا واقعہ ہو گا۔ انہیں کوئی حیرانی نہیں ہو گی بلکہ حساب و کتاب کو خوف ہو گا۔

اب میڈیکل سائنس میں، مصنوعی عقل کے ذریعے انسان کو دوبارہ زندہ کرنے کے بارے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک اخباری خبر کے مطابق (گوگل نیوز) امریکہ اور روس کے بہت سارے لوگوں نے اپنے لئے ایڈوانس بکنگ بھی شروع کرا دی ہے اور اس کا تخمینہ تین ملین ڈالر بتایا گیا ہے۔ جو طریقہ کار بتایا گیا ہے وہ مختصراً یہ ہے۔ انسان کے

ذہن کی تمام معلومات (ڈیٹا) کو ڈیجیٹل امیجنگ (ایم آر آئی) کے ذریعے ایک کمپیوٹر میں محفوظ کر دیا جائے گا۔ (یو، ایس ،بی کی صورت)۔ مرتے ہی انسان کے جسم سے فوری طور پر اس کا خون نکال لیا جائے گا اور اسے محفوظ کر لیا جائے گا۔ انسان کے جسم کو نائٹروجن کے محلول میں منفی بیس درجہ ٹمپریچر پر رکھ کر محفوظ کر دیا جائے گا اور مطلوبہ وقت پر جس طرح آدمی نے دوبارہ زندہ ہونے کے لئے کہا ہے، اس کا جسم نکالا جائے گا۔ اس کے دماغ کا سارا ڈیٹا دوبارہ اس کے دماغ کے اندر واپس داخل کر دیا جائے گا۔ جسم میں وہی خون جو تازہ حالت میں ہو گا ڈالا جائے گا اور دماغ کو متحرک کر کے اس کا سارا جسم زندہ ہو جائے گا۔ اس خبر کے مطابق اگلے تیس سال کے اندر یعنی 2050 تک یہ مسائل صحیح طور پر ثابت ہو جائیں گے۔ (گوگل نیوز)۔

احادیث کے مطابق دجال مردہ انسان کو زندہ کر دے گا اور لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (طبرانی)۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ اور اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتادے گی۔

انسانی اعمال:۔

زمین کی خبریں بتانے سے مراد، زمین کے اندر تمام معلومات جن میں اہم انسانی وجود ہے، ان سب کو دوبارہ باہر نکال دے گی، جو کہ نفخ ثانی (دوبارہ صور اسرافیل) سے زندہ ہو کر زمین سے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس کے ساتھ زمین کے اندر لوگوں کے زیورات و جواہر بھی نکل آئیں گے لیکن لوگوں کو اس کا احساس یا خیال تک نہ ہو گا۔ کیونکہ خوف کی کیفیت ہو گی، البتہ یہ احساس کریں گے کہ انہوں نے کتنی معمولی چیز کے لئے مظالم اور جرائم کئے تھے۔ آج جن کی کوئی حیثیت نہیں (بحوالہ حدیث)۔

انسانوں کو ان کے نامہ اعمال تھما دیئے جائیں گے، جن میں انسان کی زندگی کا ہر لمحہ موجود ہو گا۔ آج جو لوگ چھپ کر جرائم یا کام کرتے ہیں ان سب کی تفصیل ان کے سامنے آئے گی اور نیک اعمال سے ان کی شکل یا چہرے کا رنگ چمکتا ہو گا اور برے اعمال سے ان کا چہرے کا رنگ سیاہ ہو جائے گا اور تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص کا کیا انجام ہے اور کس طرح اس کا دنیا میں عمل تھا۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ﴿۵﴾ کیونکہ تمہارے رب نے اس کو یہ حکم دیا ہے۔

یہ تمام امور، زمین سے انسانوں کا نکل آنا، دوبارہ زندہ ہونا، ان کے نامہ اعمال ان کو ملنا، ان سب امور جن سے آج انسان انکار کرتا ہے، انبیاء کی تعلیمات والہامی کتب کی ہدایات سے انکار کرتا ہے اور نہیں مانتا، سب واقع ہوں گے اور وہ حیران و پریشان ہو گا۔ یہ سارے امور جن کو آج انسان محال سمجھتا ہے اللہ کے حکم سے واقع ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ اس دن لوگ مختلف گروہوں(احوال) میں نکلیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔

قیامت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر لوگ زمین سے جب نکلیں گے تو مختلف گروہوں میں نکلیں گے۔اس کی حکمت یہ ہے کہ زمین ہزاروں سال سے انسانوں سے آباہ ہے اور مختلف امتیں مختلف مقامات اور اوقات پر دنیا میں آئے،زندہ رہے پھر مر گئے۔وہ تمام امتیں اور انسان جو ایک زمانہ میں رہے تھے،ایک گروہ ہوں اور اپنا حساب وکتاب دیکھیں گے۔ایک دوسرے کے بارے آپس کے انجام سے ان کو خبر ہو گی۔

ظالم،جابر،فخر و تکبر کرنے والے،اپنا برا انجام دیکھیں گے اور دنیا میں کمزور،مجبور اللہ کے احکام پر چلنے والے اپنی عزت و مقام دیکھیں گے۔لہٰذا لوگوں کو ان کے اعمال دکھائے جائیں گے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ پس جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا۔

آیات مبارکہ میں انسانوں کے اعمال کی کیفیت کے بارے مطلع کیا گیا ہے۔تمام انسانوں کو آیت کے ذریعہ آگاہ کر دیا گیا ہے کہ ان کا ہر لمحہ اور ہر عمل خواہ اچھا ہے یا برا،بڑا عمل یا بہت معمولی،اتنا معمولی کہ انسان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا،سارا اللہ تعالیٰ کے نظام میں ریکارڈ کر کے محفوظ کیا جارہا ہے اور اس دن کا سارا اعمال نامہ تمام(ذرہ ذرہ) تفصیلات کے ساتھ ملے گا اور ہر چیز ہو گی،حتیٰ کہ انسان خود حیران ہو جائے گا۔یہ ساری معلومات کا اندراج بطور ثبوت ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی عدل کا اظہار ہو گا،جس کا تمام الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید اور نبی ﷺ نے بار بار ذکر کیا ہے۔انسان کو بار بار نیک اعمال کی تاکید کی گئی ہے۔برے اعمال کرنے پر وارننگ اور سزا کی اطلاع دی گئی ہے۔

جس طرح قرآن مجید و احادیث میں ذرہ کا لفظ بیان کیا گیا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نظام، ہمارے ذہنی تصورات سے بلند ہے اور اس میں انسان کے عمل کی تمام جہات شامل ہیں۔اس میں ارادہ سے لے کر آخر،تک عمل کے سارے مراحل،اخلاص،مفادات و مشکلات کو حاوی ہو گا۔جس طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ کیمرہ اتنے پکسل کی تصویر بنا سکتا ہے اور جس قدر پکسل(روشنی کے نقاط)زیادہ ہوں گے اسی طرح تصویر خوبصورت اور اصل کے قریب ہو گی۔اسی طرح ہمارے اعمال بھی نقاط(پوائنٹ)ہوں گے جو کہ ہزاروں،لاکھوں تک ہو سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا نظام بہت پیچیدہ اور بہت اعلیٰ ہے۔ان سب کا مقصد انسان کے ساتھ اس کے اعمال میں انصاف کرنا ہے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ذرہ کا لفظ سنا تو پریشان ہو گئے۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے تفصیل پوچھی اور پریشانی کا اظہار کیا،تو نبی ﷺ نے فرمایا:ابا سعید!خوش ہو جاؤ،نیکی کو دس گنا کیا جائے گا،

بلکہ سات سو گنا بھی اور جتنا اللہ، چاہے اسے بڑھا دیں گے لیکن برائی صرف ایک ہی شمار ہو گی اور اللہ اسے معاف کر دیں گے اور اپنے اعمال سے کوئی کامیاب نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے رحمت سے ڈھانپ لیں (ابن کثیر)۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان انسانی کوشش میں تیزی لانے کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن اللہ کے انعام کے مقابلہ میں عبادات و فرمانبرداری بڑی معمولی ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث کے مطابق دنیا میں مومن کو تکالیف، اس کی، دنیا میں خطاؤں/گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں یا اس کے جنت میں درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا، آگ سے بچو، حتی کہ کھجور کا ایک ٹکڑے، سے ہی کیوں نہ ہو، (یعنی معمولی چیز کو بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: مسکرا کر ملنا بھی نیکی ہے۔ بہت معمولی گناہوں سے بھی بچنا ضروری ہے، ورنہ وہ اکٹھے ہو کر آدمی کو آگ میں لے جائیں گے۔

100- سورۃالعادیات

تعارف:۔

سورت العادیات کا نام ،سورت کی پہلی آیت ''والعادیات صبحاً'' سے ماخوذ ہے۔ امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ مکہ شریف میں نازل ہوئی اور حضرت ابن مسعود و عکرمہ کے مطابق مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ لیکن عموماً مکہ شریف میں نزول ذکر کیا جاتا ہے۔ سورت کے فضائل میں اسے نصف قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے کیونکہ اہم موضوع ذکر کئے گئے ہیں۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر چودہ (14)اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر سو(100) ہے۔اس میں گیارہ(11) آیات اور ایک (1) رکوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں (جو اس وقت بہترین ذریعہ جہاد و نقل تھے) کی قسم کھا کر انسان کے رویہ اور نفسیات کا ذکر کیا ہے کہ انسان اپنے خالق اور پالنے والے (رب) کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ انسان کی طبیعت دولت کی طرف مائل رہتی ہے اور اس کی حرص میں رہتا ہے۔ انسان کو نیک اعمال کرنے کا حکم ہے تاکہ قیامت کے دن اس کا حساب و کتاب آسان رہے اور وہ کامیاب رہے۔ اللہ تعالیٰ سارے امور کا جاننے والا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو تیز دوڑتے اور ہانپتے ہیں۔

فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ پتھروں پر سم مار کر چنگاریاں اُڑاتے ہیں۔

فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ پھر صبح کے وقت (دشمن پر) حملہ کرتے ہیں۔

فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ پھر اس وقت گرد و غبار اُڑاتے ہیں۔

فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ پھر درمیان میں گھس جاتے ہیں (دشمن کی صفوں میں)۔

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی کیونکہ گھوڑے جنگوں میں اس وقت اہم ہتھیار تھے جس طرح کہ آج کل ٹینک ہیں۔ گھوڑوں کے ذریعے دور دراز مقامات پر پہنچا جا سکتا تھا اور لڑائی میں بہت مددگار ہوتے تھے۔ گھوڑ سوار پیدل کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتا تھا۔ پھر دوڑ دوڑ کر ہانپتے تھے۔ پہاڑی علاقوں پر سفر کرنے اور دوڑنے کی وجہ سے ان کے سموں اور پتھروں پر رگڑ سے چنگاری پیدا ہوتی تھی۔ جب میدانی علاقوں یا ریتیلے علاقے میں دوڑتے تو گرد و غبار اُٹھ جاتا ہے۔ عرب عام طور پر رات کو گھوڑوں پر سوار ہو کر صبح سویرے دشمنوں پر حملہ کرتے تاکہ ان کو اُٹھنے سے پہلے شکست دے دیں اور حملہ میں بہادر نوجوان مخالف کی صفوں میں گھوڑے دوڑا کر حملہ کر دیتے تھے۔ یہ سارے عمل، مجاہدین

نے دفاع اسلام میں کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس لئے ان کی قسم کھائی ہے، کہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے ایک مقصد انسان کی جدوجہد کی ستائش ہے۔

کچھ روایات کے مطابق اس سے مراد اونٹ ہیں کیونکہ پہلی جنگوں (غزوۃ بدر اور احد) میں گھوڑے اور اونٹ بہت کم استعمال ہوئے اور اس سے مراد، منیٰ اور مزدلفہ میں اونٹوں پر سفر ہے جو دوران حج کیا جاتا ہے، یعنی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف اونٹنیاں دوڑتی ہیں اور گرد و غبار ہے۔ لیکن سموں سے چنگاریاں اڑنے اور ہانپنے کی کیفیت گھوڑوں کے ساتھ زیادہ موزوں و مناسب ہے اس لئے عموماً مفسرین نے گھوڑے مراد لئے ہیں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ بے انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے۔

انسان کا کردار:۔

اوپر قسم کے جواب میں جو خبر بتائی گئی ہے، وہ انسان کے بارے ہے کہ انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے، جس نے اسے بے انتہاء نعمتیں عطا کیں ہیں۔ کنود کی تعریف جب نبی ﷺ سے پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص خود کھاتا ہے اپنے رفیقوں (ساتھیوں) کو نہیں کھلاتا، (المعجم الکبیر)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تم کو سب سے برے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں، صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا: جو عطیہ (یعنی خدا نے جو اسے دیا ہے) کو صرف اپنے پاس رکھے اور اپنے خادم کو مارے۔ نبی ﷺ نے الکنود کی تفسیر، صفات مذمومہ (بری) اور غیر محمودہ کے ساتھ کی ہے۔ (قرطبیؒ)۔ حضرت ابن عباس، نے اس سے مراد، نافرمان، ناشکرا اور بہت بخیل لیا ہے جو عرب کی مختلف قبائل کی لغت ہے۔

امام ترمذی کے مطابق کنود، وہ شخص ہے جو نعمت کو دیکھے اور نعمت دینے والے کو نہ دیکھے۔

ابو بکر واسطیؒ نے فرمایا، جو اللہ کی نعمتوں کو گناہوں میں خرچ کرے۔ حضرت ابو بکر الوراق نے کہا: جو سمجھے کہ نعمت کو اپنی اور دوستوں کی وجہ سے ملی ہے، (اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ سمجھے)۔ (قرطبیؒ، جامع الاحکام القرآن)۔

انسان کا کردار، اس عمل پر اس کا گواہ ہے۔ انسانی اعمال کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے، تو اکثر انسان، جب ان کو نعمتیں یا فوائد مل جاتے ہیں، ان کا رویہ مختلف ہوتا ہے اور وہ ان پر شکر ادا کرنے یا دوسروں کو اس میں شریک نہیں کرتے اور نعمت کو اپنی ذات تک محدود کر دیتے ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کو فرض کیا ہے۔ اس کے علاوہ صدقات کی ہمیشہ ترغیب دلائی گئی ہے۔ اللہ کے ہاں اعلیٰ مقام کے لئے صدقات و خیرات بہت اہم ہیں۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۚ اور بے شک اسے مال (ذاتی فائدہ) کی محبت بہت شدید ہے۔

مال ودولت کی محبت:۔

آیت مبارکہ پچھلی آیت کی مزید وضاحت ہے۔انسان بخیل یا کنجوس کیوں ہے۔اس کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان مال ودولت کے حصول کے لئے سر گرداں رہتے ہیں۔انسان کی بنیادی ضروریات ہیں، جس کی اجازت ہے اوران کو پورا کرنا فرض ہے، لیکن آدمی ہمیشہ یہ خواہش کرتا ہے کہ اس کے لئے سب کچھ ہو۔وہ اس بات کا احساس یا خیال نہیں کرتا کہ دوسرے کس حالت میں ہیں۔ایک حدیث مبارک اس کیفیت کو بڑی خوبصورت انداز میں بیان کررہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں،انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اگرابن آدم (انسان)اکے پاس مال ودولت کی دووادیاں ہوں تووہ تیسری (وادی) کو طلب کرے گااورابن آدم کا پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرے،اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔(بخاری/مسلم)۔

مال کی محبت کی وجہ سے آدمی کنجوس اور بخیل ہو جاتا ہے۔ عموماً انسان اپنی ذلت کو ترجیح دیتا ہے اور دوسرے لوگوں بالخصوص غرباء کا خیال نہیں کرتا اور اسی طرح مال کو اپنی ملکیت خیال کرتے ہوئے ،اللہ کا شکر بھی ادا کم کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کواُٹھتے ہیں، تودو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ایک فرشتہ دعا کرتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو (خرچ کئے ہوئے)مال کا بدل عطا فرمااور دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ: بخیل کے مال کو ضائع کردے۔(بخاری/نسائی)۔ اس کا مقصد بری صفت (بخل) سے بچنا ہے۔

احادیث کا مقصد مال کا خرچ کرنا ہے۔ بہترین خرچ وہ ہے جو معاشرے اور انسانوں کے لئے مفید ہے۔وہ فقراءاور غرباءپر ہے۔اس کے علاوہ دوسرے امور پر ہے۔ خرچ کرنے سے معشیت میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ معاشرہ خوشحال ہوتا ہے۔اسلام میں خرچ کو ترجیح ہے لیکن اسراف ممنوع ہے۔

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ کیا وہ نہیں جانتا کہ جو کچھ قبروں میں ہے اسے نکال لیا جائے گا۔

وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ؕ﴿۱۰﴾ اور سینوں میں جو کچھ (چھپا) ہے وہ ظاہر کردیا جائے گا۔

اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ بے شک ان کا رب اس دن ان سے خوب باخبر ہوگا۔

انسان کے رویہ کے بعد اسے وارننگ دی جارہی ہے کہ آنے والے وقت میں کیا حال ہوگا، تاکہ اپنا اہتمام کر لے۔ دنیا میں مال کو اللہ کے احکام کے مطابق خرچ نہیں کیا۔ دوسروں کے لئے محبت ورحم کے جذبات نہ رکھے اور خود غرضی کی، توجب انسان دوبارہ زندہ ہوں گے اور حساب وکتاب ہوگا، تو کیا جواب دیا جائے گا۔

قبروں سے نکلنے سے مراد انسانوں کو دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اور سینوں میں سے ظاہر ہونے سے ،انسانوں کی نیتوں اور اعمال کا ظاہر ہونا ہے، جو اعمال نامہ کی صورت میں ہر انسان کو دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے وہ اس دن کے بارے خوب آگاہ ہے اور لوگوں کے اعمال ناموں کو بھی جانتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی بہانہ نہیں چل سکے گا اس لئے مال کی محبت میں گم ہو کر دوسروں کو بھول جانا، بہت نقصان دہ ہوگا۔ جب ان امور (موت کے بعد زندگی اور حساب وکتاب کا ہونا) معلوم ہے تو بخل حسد وکینہ کا کیا فائدہ؟ انسان کو اعلیٰ اخلاق اور دوسروں کی ضروریات کا احساس کرنا لازمی ہے۔

101- سورۃالقارعہ

تعارف:۔

سورت القارعہ، مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لفظ، القارعہ کو قیامت کے ناموں میں شمار کیا ہے۔ سورت کا نام، اس کے پہلے لفظ کی وجہ سے ہے اور ساری سورت القارعہ کے متعلق ہے۔ سورت میں گیارہ(11) آیات ایک(1) رکوع ہے۔ سورت کا نزول کے اعتبار سے تیس(30) نمبر اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے ایک سوایک(101) نمبر ہے۔

سورت العادیات، میں بھی انسان کی کمزوریوں کا ذکر اور قیامت کا ذکر تھا۔۔اس سورت میں بھی انسانی اعمال کا ذکر ہے اور قیامت کے وقوع کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

قیامت کے خوفناک دھماکہ کا ذکر ہے۔ انسانوں کے زندہ ہونے کے بعد قیامت کے سماں کے خوف سے پریشانی و سرگردانی کا ذکر کیا ہے۔ پھر اعمال کا حساب و کتاب اور اس کے نتیجہ میں برے اعمال والوں کا برا یعنی دوزخ کے بدترین مقام پر سزا اور نیک اعمال زیادہ ہونے والوں کو ان کی خوب صورت زندگی کی خوش خبری دی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡقَارِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ دل دہلا دینے والی (خوفناک) کڑک۔

مَا الۡقَارِعَۃُ ۚ﴿۲﴾ اور کیا ہے دل دہلا دینے والی (خوفناک) کڑک۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَۃُ ؕ﴿۳﴾ اور تمہیں کیا معلوم وہ دل دہلا دینے والی خوفناک کڑک کیا ہے۔

یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ جس دن سارے لوگ، پتنگوں کی طرح بکھرے منتشر ہوں گے۔

وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح اڑتے ہوں گے۔

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۶﴾ پس جس کے پلڑے بھاری ہوں گے۔

فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ﴿۷﴾ تو وہ عیش و آرام کی زندگی میں ہوگا۔

وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔

فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ؕ﴿۹﴾ تو اس کا ٹھکانہ (گہرا گڑھا) جہنم ہے۔

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ؕ﴿۱۰﴾ اور تمہیں کیا معلوم وہ گہرا گڑھا کیا ہے۔ نَارٌ حَامِیَةٌ ۢ﴿۱۱﴾ ایک بھڑکتی آگ ہے۔

کڑک:

سورت القارعہ، قیامت کی کیفیت بیان کر رہی ہے۔ القارعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی سخت دل دہلانے والا کھڑاک (کھڑک) یا دھماکہ ہے جو اچانک ہو۔ یہ دھماکہ حضرت اسرافیل علیہ السلام، کے نفخہ اولیٰ (صور اولیٰ) کے ذریعہ ہو گا۔ اس دھماکہ یا خوفناک کڑک کی تفصیل بیان یوں کی ہے کہ دھماکہ بہت سخت ہو گا۔ دھماکہ کا ذکر تین دفعہ ذکر کرنے کا مقصد، اس کی ہیبت ناکی اور خوفناکی سے قاری یا سامع کو آگاہ کرنا ہے۔

منتشر حشرات (پتنگے):۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں قیامت کی یہی خوفناک، ہیبت ناک اور تباہ کن کیفیت بیان کی گئی ہے اور اس کے لئے اسی مفہوم کے ملتے جلتے الفاظ مختلف مقامات پر کہے گئے ہیں۔ علمی (موجودہ سائنسی) نقطہ نظر یہی نظریہ ہے، کہ نظام شمسی سورج کی اندرونی توانائی کے ختم ہو جانے سے مدار ختم ہو جائیں گے اور سیارے آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ جن کی وجہ سے دھماکے اور تابکاری ہو گی۔ آسمان کی شیلڈ یا ڈھال ختم ہو جائے گی اور پھر دوبارہ صور اسرافیل پھونکا جائے گا، جسے نفخہ ثانیہ (دوسری صور) کہا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ منتشر ہوں گے۔ جہاں، جہاں وہ دفن تھے، وہیں سے کھڑے ہوں گے اور حیران و پریشان ہو کر پتنگوں (اڑنے والے کیڑوں) کی طرح منتشر ہوں گے۔ پریشانی کی حالت میں ہوں گے۔ ادھر، اُدھر بھاگ دوڑ رہے ہوں گے۔ یہ دھماکہ اس قدر سخت ہو گا، کہ پہاڑ ٹوٹ جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔ جس طرح دھنی ہوئی اون بکھر جاتی ہے اور پہاڑوں کی اندرونی چٹانوں کی وجہ سے فضاء مختلف رنگوں سے غبار آلود ہو جائے گی جس طرح رنگی ہوئی اون دھنی ہوتی ہے۔

اعمال کا وزن:۔

قیامت کے اس خوفناک و ہیبت ناک کیفیت کے عالم میں، انسانوں کو ان کے اعمال کے بارے آگاہ کیا جائے گا۔ یہ اعمال نامے، ان کے نیک اعمال اور برے اعمال دونوں کو ظاہر کریں گے۔ تمام اعمال کی، ذرہ ذرہ تفصیل درج ہو گی۔ ہر عمل کے ہزاروں لاکھوں پوائنٹ ہوں گے، جو اس عمل کی کیفیت کے مطابق اس کی قدر و قیمت بیان کریں گے۔ مختلف اعمال جن میں نیت، وسائل، انسانی کارکردگی، مشکلات مالی و بدنی، اخلاص، مقاصد و شہرت، عزت، انداز عمل سب شامل ہوں گے اور

ہر عمل ہر کیفیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک پیمانہ بنایا ہوا ہے۔ جس کو ،اعمال کی قدر و قیمت کا اعلان اور ثابت کرتے وقت دکھایا جائے گا۔ جس طرح دنیا میں حرارت، وزن، بجلی، معلومات کا ڈیٹا، کام کی مقدر، گیس، مائع، ٹھوس اشیاء کے لئے مختلف پیمانے مقرر ہیں۔ان پیمانوں وپیمائش کا ذکر کئی دفعہ کیا گیا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھی معیار اور پیمانے مقرر ہوں گے اور ان کے مطابق اعمال کی قدر و قیمت لگائی جائے گی۔ جن کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جن کے برے اعمال زیادہ ہوں گے اور نیک اعمال کم ہوں گے وہ پریشان اور سزا پائیں گے۔

کامیاب ہونے والے لوگ، جنت میں آرام کی زندگی گذاریں گے۔اس کے لئے نیک اعمال کا زیادہ ہونا شرط ہے۔اس سے ایک نکتہ بڑا واضح ہے کہ غفور ورحیم، ہونے کے باوجود عادل ہے۔عدل اس کو پسند ہے۔اس لئے اچھا عمل بہت ضروری ہے اور کامیابی کے لئے اچھے، بھلائی والے اعمال کی تعداد زیادہ ہونا بھی ضروری ہے۔یہ پیغام بار بار قرآن مجید میں دیا گیا ہے اور اسے ایمان کے علاوہ، واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جن کے نیک اعمال کے پلڑے بھاری نہیں ہوں گے اور برے اعمال کے پلڑے یعنی برے اعمال زیادہ ہوں گے ،وہ آگ کے ٹھکانہ میں جائیں گے۔ جو هاویه ہے اور اس کا ذکر اُمّهُ ٹھکانا کیا ہے۔ جہاں وہ قیام کرے گا یا اس کا معنی اگر ماں ہے تو وہاں پہنچے گا جس طرح بچہ ،ماں کے پاس پہنچتا ہے۔یا،ماں،اس کی منتظر رہتی ہے اور ھاویہ گہرا گڑھا یا کنواں ہوتا ہے۔اسلامی اصطلاح، میں جہنم کے سات درجات ہیں اور ھاویہ سب سے آخری درجہ ہے جو انتہائی شدید ہے۔یہ انتباہ اس لئے دیا گیا ہے کہ انسان لالچی، کنجوس اور خود غرض ہے۔اس وجہ سے حقوق پورے ادا نہیں کرتا۔اسے وارننگ دی جارہی ہے کہ اعمال صالحہ کی کثرت کرے۔

102- سورۃ التکاثر

تعارف:۔

سورت کا نام، التکاثر اس کی پہلی آیت میں لفظ التکاثر، کی وجہ سے ہے۔اس کے معنی کثرت اولاد، مال اور خادموں کی کثرت پر فخر کرنا ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ امام ابن مردویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (الدار المنثور)۔

پچھلی سورت (القارعہ) میں نیکوکاروں اور بدکاروں کے اعمال کا ذکر تھا، جس کی وجہ سے انسان جنت یا دوزخ میں جائے گا۔اس سورت میں انسان کے برے اعمال کی کثرت کے اسباب ذکر کیا ہے۔ زیادہ مال و دولت کی خواہش، انسان کو برے اعمال پر مجبور کر دیتی ہے اور نیک اعمال بھول جاتے ہیں۔ سورت ایک (1) رکوع اور آٹھ (8) آیات پر مشتمل ہے۔ سورت کا ترتیب نزول کے لحاظ سے سولہ (16) نمبر ہے اور مصحف کے اعتبار سے ایک سو دو (102) نمبر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: کہ میں سورۃ التکاثر پڑھ رہا ہوں، جو اس کو سن کر رویا، اس کے لئے جنت ہے۔اس حدیث سے دو امور بہت اہم واضح ہوتے ہیں (۱): قرآن مجید کو سمجھنا بہت ضروری ہے، تاکہ اس کا پیغام پہنچے اور اس کا دلوں پر اثر ہو۔اس کے لئے توجہ بھی ضروری ہے تاکہ اس کا اثر ہو۔ دوسرا، اگر دل و دماغ، قرآن مجید کے سمجھنے سے اثر پکڑتے ہیں، جس طرح رونا ایک عمل ہے، جو دل کی نرمی کا اظہار کرتا ہے، تو پھر عمل ہوگا اور جنت ممکن ہے۔ آخر میں یہ پیغام دیا کہ انسان کلام سن کر اثر نہیں لیتا، جب وقت آئے گا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ کلام حق تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا۔ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ حتیٰ کہ تم (مر کر) قبر تک پہنچ جاتے ہو۔

دولت کی حرص:۔

آیت مبارکہ، عرب جاہلیت اور بالعموم انسانی جاہلیت کی تصویر کشی کر رہی ہے۔ یہ جاہلیت ان پڑھ ہونے کی نہیں، بلکہ علم کے باوجود زندگی کی حقیقت سے جاہل ہونے کی ہے۔ عرب دولت، اولاد اور بڑے خاندان و قبیلہ پر فخر کرتے تھے، کیونکہ یہ تین امور لوٹ مال، غارت گری اور ظلم کرنے میں بہت مدد و معاون ہوتے ہیں۔ جاہلیت اور ضد کا

،یہ عالم تھا کہ قبائلی جنگ نسلوں تک چلتی تھی۔قریش کے قبائل اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے۔اسی طرح مدینہ کے قبائل اپنی عددی کثرت پر فخر کرتے۔ حتیٰ کہ اپنے قبرستانوں کا ذکر کرتے کہ اتنے ان کے افراد زندہ تھے اور مر چکے ہیں۔انسان کی اس جاہلیت اور کم عقلی پر انسانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی طرف توجہ کی جائے۔ انسان کی اولاد،مال کی حرص اور ذاتی برتری کی ہوس،نیک اعمال سے دور کر دیتی ہے اور یہ حرص ساری عمر ختم نہیں ہوتی ،حتیٰ کہ آدمی موت کے منہ میں کسی جنگ،حادثہ یا عمر کی وجہ سے پہنچ جاتا ہے۔اس کی ساری زندگی اعلیٰ مقاصد انسانیت سے محروم رہتی ہے۔اس کیفیت کو ایک حدیث شریف میں بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت مطرف ،اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،اس وقت آپ ﷺ ،الھٰکم ا لتکاثر، کی تلاوت فرمارہے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے،میرا مال،میرا مال،اے ابن آدم تیرا مال تو صرف وہی ہے، جس کو تو نے کھالیا اور جس کو تو نے فنا کر دیا یا تو نے جس کو پہن لیا،پھر اس کو بوسیدہ کر دیا یا تو نے اس کا صدقہ کر کے اسے ختم کر دیا۔(مسلم)۔ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے سوا جو بھی مال ہے تم اس کو لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانے والے ہو۔

حسن اخلاق کی کثرت:۔

آیت میں **کثرت مال کی طلب،کرنے کی مذمت ہے۔مال و دولت کی مذمت نہیں**۔بلکہ اطاعت اور محاسن اخلاق کی کثرت اور طلب کرنا،ضروری ہے۔مال کی کثرت آدمی کو عموماً فسق و فجور کی طرف لے جاتی ہے۔اگر مال ہے اور مقصد انسانیت (کمزور و محتاج) انسانوں کی مدد کرنا ہو تو وہ عمل بہت اچھا عمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا مستحسن ہے۔ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس کو حق کے راستے میں خرچ کرے۔(اللہ کی راہ میں غریبوں کے لیے) اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو تعلیم دے۔(بخاری/مسلم)۔علم سے مراد ہر وہ علم ہے جس سے انسانوں کو فائدہ پہنچے اور اس کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے اور علم کو پھیلایا بھی جائے۔

زیارت قبور:۔

نبی ﷺ نے زیارات قبور سے منع کیا تھا۔اس وقت عرب جاہلیت کے رواج کے مطابق قبروں پر جا کر سجدے کرتے تھے، جس کی وجہ سے منع کیا گیا۔پھر مدینہ شریف میں جب لوگوں میں اسلام، قوی ہو گیا، تو نبی ﷺ اپنی والدہ مرحومہ کی قبر مبارک کی زیارت کی اور دوسرے لوگوں کو قبرستان جانے کو بھی کہا،تاکہ موت کی یاد تازہ ہو جائے۔خواتین کو بھی اجازت ملی، لیکن چونکہ خواتین کے مزاج میں نرمی کے سبب،آہ و پکار کی رغبت ہوتی ہے اس کے

لئے زیادہ جانے سے منع کیا۔ بالخصوص جب میت جارہی ہو۔ایک اور مسئلہ عورت اور مرد کے اختلاط سے جنسی مسائل اور شہوت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ عورتوں کی زیب وزینت کی رغبت فطرتی ہے اور مرد کی عورت کی طرف رغبت فطرتی ہے۔ان وجوہات کی بناء پر، نوجوان عورتوں کو بالخصوص آرائش کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے اور مردوں سے علیحدہ جانے کا حکم ہے۔البتہ بوڑھی عورتوں کو اجازت عام ہے، بشرطیکہ وہ زیب وزینت نہ کریں اور ان کو خواہش زواج (شادی) بھی نہ ہو۔

نبی ﷺ جب قبور سے گذرتے یا جاتے، تو السلام علیکم یااہل القبور! فرماتے، سلام دیتے تھے۔

امام عبدالبر، صحیح سند، کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ بعض حضرات اس سے انکار کرتے ہیں لیکن جسم قبر میں گھل جاتا ہے، موت پر روح جسم سے نکل کر فضاء (آسمان) میں محفوظ ہوتی ہے اور روح امر ربی یعنی انرجی کی قسم ہے، جیسے لائیٹ ہے۔ روح کا تعلق قبر کی جگہ سے رہتا ہے اور جب کوئی سلام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نظام کے مطابق روح کو مل جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ متوفی افراد کی ارواح کے لئے نیک کام ان کو فائدہ دیتے ہیں۔

کچھ علماء نے زیارات قبور کی اجازت کو مردوں اور عورتوں کے لئے برابر قرار دیا ہے۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ یقیناً تم عنقریب جان لوگے۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ پھر یقیناً تم عنقریب جان لوگے۔

آیات میں انسان کے زندگی کے اعمال کے نتیجہ کا ذکر ہے۔ جو شخص اپنی زندگی مال و دولت کی حرص میں گزار دیتا ہے اور اسے اکٹھا کرتا ہے، لیکن ایک دن وہ سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے چلا جاتا ہے۔اس کے ساتھ، کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک حدیث مبارکہ ہے کہ زندگی میں انسان کے ساتھ تین چیزیں ہیں۔اس کا مال و دولت، اولاد و دوست اور دنیا میں اس کے اچھے اور برے اعمال۔جب مرتا ہے تو دو، واپس یہیں رہ جاتے ہیں۔(اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں)۔اور ایک ساتھ جاتا ہے۔مال و دولت اور اولاد و دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہیں رہ جاتے ہیں اس کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں (جن کی جزاو سزا ملے گی)۔روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔(بخاری و ترمذی)۔

جب انسان قبر میں جائے گا، تو اس کو معلوم ہو گا۔اسی طرح قیامت کے دن اس کو اس کے اعمال نامہ کے ذریعہ معلوم ہو گا۔ دنیا کی زندگی میں وہ اس قدر حرص میں مبتلا ہے، کہ سب کچھ بھولا ہوا ہے یا یقین ہی نہیں کرتا۔اگر اسے یقین ہوتا، تو اس طرح کے اعمال نہ ہوتے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ ہر گز نہیں۔کاش! تم یقینی علم کے ساتھ اپنا انجام جان لیتے۔
لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ بے شک تم ضرور دوزخ دیکھو گے۔
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ پھر تم ضرور یقین کے ساتھ دوزخ کو دیکھو گے۔
ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ پھر تم سے اس دن ضرور نعمتوں کے بارے پوچھا جائے گا۔

درجات علم:۔

انسان پر جب وقت موت آتا ہے، تو اس وقت اس کو اپنی حقیقت نظر آتی ہے۔ بے بسی سامنے ہوتی ہے اور کچھ بھی نہیں کر سکتا۔اس کے بعد توبہ یا عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔انسان کی زندگی کا منظر، قرآن مجید نے پیش کیا، جس کو انسان بھول جاتا ہے۔ ہمارے علم کے درجات ہیں۔ایک صرف سماعی (سننا) ہے کہ کسی نے بتادیا اس پر یقین کم ہوتا ہے اور اس سے آدمی کم متاثر ہوتا، پھر ایک درجہ اوپر ہے۔جب آدمی وہی علم یا کیفیت اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس وقت علم کا درجہ یقین یعنی آنکھوں دیکھا حال تک پہنچ جاتا ہے۔ جس کا یقین ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بھولنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔اس سے اگلا درجہ وہ جب انسان خود اس عمل یا مشکل سے گذرتا اور ہر لمحہ اسے محسوس کرتا ہے یہ درجہ حقیقت کا ہے۔اس کو حق الیقین کہا گیا ہے۔اس کو پھر آدمی بھولتا نہیں ہے۔انسان کو یہ بتایا جارہا ہے، کہ اس زندگی میں وہ بھول رہا ہے، لیکن قیامت کے دن یا حساب کے وقت اسے علم یقینی حاصل ہو گا اور جب فیصلہ نافذ ہو گا تو اسے حقیقت آشکارا ہو گی۔ یہ سارا اہتمام قرآن کریم اور نبی ﷺ کی تعلیمات، انسان کو آگاہ کرنے کے لئے ہیں اور اگر وہ غافل رہے گا تو سزا پائے گا۔ یہ حقیقت ہر انسان قیامت اور بوقت حساب و کتاب دیکھ لے گا۔

نعمتوں کا سوال:۔

اللہ تعالیٰ نے جو زندگی میں انعام دیئے ہیں اور جو سہولیات میسر ہیں، ان کے بارے سوال ہو گا۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ساری زمین اور فضاء، انسان کو سہولت مہیا کر رہی ہے۔ جو اسے زندگی گزارنے، غذا کی فراہمی، سکونت کے اسباب مہیا کئے ہیں۔اس کے ساتھ بہترین جسم، دماغ اور اعضاء عطا کئے ہیں۔ جن سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ان امور کے بارے اس سے سوال ہو گا۔اس کی مزید تفصیل نبی ﷺ نے احادیث مبارکہ کے ذریعہ فرمائی ہے۔ یہ سوال تمام مخلوق سے کیا جائے گا، کوئی مذہب کی تفریق نہیں ہو گی، کیونکہ دنیا کے فوائد سے ہر فرد خوب فائدہ اُٹھاتا ہے۔ نبی ﷺ نے واضح طور پر صحابہ کرام سے بھی کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ابن آدم دو قدم بھی نہ چل سکے گا، حتیٰ کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے سوال کیا جائے گا۔(۱): اس نے اپنی عمر کن کاموں میں خرچ کی۔ (۲):اس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں گنوایا۔(۳):اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا۔(۴):اس نے اپنا مال کن کاموں میں خرچ کیا۔(۵):اس نے اپنے علم کے موافق کتنا عمل کیا۔(ترمذی، معجم کبیر۔مسند ابو العلی)۔

فلاحی ریاست:۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا صرف ان چیزوں میں حق ہے۔اس کی رہائش کا گھر ہو، وہ کپڑا جس سے اس کی شرمگاہ چھپ جائے اور روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔(ترمذی)۔ایک حدیث میں فرمایا: روٹی کا وہ ٹکڑا جو تمہاری بھوک دور کرے اور اتنا کپڑا جس سے تمہاری شرمگاہ چھپ سکے اور وہ لباس جو تمہیں گرمی اور سردی سے بچائے،ان تین نعمتوں کے علاوہ باقی نعمتوں کا تم سے سوال کیا جائے گا۔(حلیۃ الاولیاء)۔

احادیث و قرآن مجید کی روشنی میں اسلامی حکومت ،فلاحی ریاست ہے۔ بادشاہت کا تصور نہیں۔ صرف اللہ کی نمائندگی یا نیابت ہے اور زندگی کی انتہائی بنیادی ضروریات کو پورا کرانے کے لئے ریاست کو تمام ذرائع بروئے کار لانے ضروری ہیں اور وہ بنیادی ضرورت ایک مکان (کمرہ) ،بنیادی سطح پر کھانے کی مقدار کا الاؤنس ہے۔ جس طرح ان احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں اور خلفائے راشدین (حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اپنے دور حکومت میں کر کے دکھایا اور سارے خلفاء کو لوگوں نے اپنی آزادانہ رائے سے چنا اور خلفائے راشدین نے اپنے کو عوام الناس اور اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھا، اور ثابت کیا۔ حضرت عمر کا انتخاب بھی ، حضرت ابو بکر کی رائے پر صحابہ کے اتفاق سے ہوا۔ حضرت امام حسن کو بھی لوگوں نے ہی چنا۔

103- سورۃالعصر

تعارف:۔

سورت العصر مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کا وقت نزول ابتدائی دور لگتا ہے۔جس میں مختصر اور فصیح بلیغ جملے جن کو یاد کرنا، بہت آسان اور بھلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس میں تین(3)آیات اور ایک(1)رکوع ہے۔اس کا ترتیب مصحف کا نمبر ایک سو تین(103)ہے اور ترتیب نزول کا بتیس(32)ہے۔

سورت مختصر کلام، بلیغ جملے اور گویا ایک کتاب کو تین جملوں میں سمو دیا گیا ہے۔انسانی زندگی گذارنے کا بہترین طریقہ بتایا گیا ہے کہ کون سا کامیابی کا راستہ اور کس میں تباہی ہے۔صحابہ کرام جب ملتے تو اس سورت کو ایک دوسرے پر پڑھتے۔(سناتے تاکہ اہمیت ظاہر ہو۔) اسے حضرت عبداللہ بن حصن الدارمی ابو مدینہ نے روایت کیا ہے۔اسلامی تعلیمات کا خوبصورت خلاصہ ہے۔امام شافعی کے مطابق اگر لوگ اس پر غور کریں تو ہدایت کے لئے کافی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ قسم ہے زمانہ کی۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ بے شک(در حقیقت)انسان بڑے خسارے میں ہے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

سورت کی ابتداء موضوع کی اہمیت کی وجہ سے قسم سے کی ہے اور قسم بھی زمانہ کی اُٹھائی گئی ہے۔ایک حدیث کے مطابق زمانہ کو برا نہیں کہنا چاہیے کہ یہ زمانہ جس میں انسان، زندگی گذارتے ہیں، اللہ کے نظام شمسی کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔درحقیقت، اللہ کے کمال نظام، کا مظہر ہے۔اس لئے برے کہنے سے منع کیا گیا ہے۔دراصل انسان کے اپنے اعمال برے ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنے کو بچانے کے لئے زمانے یا دوسرے عوامل کا سہارا لیتا ہے۔

زمانہ:۔

زمانہ سے مراد بعض علماء نے نبی ﷺ کا زمانہ مراد لیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا وجود انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ آپ ﷺ ہدایت کا سورج تھے اور آپ ﷺ کا زمانہ خاتم النبیین کی وجہ سے آخری زمانہ قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے شہر کی بھی قسم کھائی (قرطبیؒ/روح المعانی)۔ گذرا ہوا زمانہ ماضی ہے اور آنے والے کا وجود نہیں ہوتا۔ جب آتا ہے تو فوراً گذرنا شروع ہو جاتا ہے اور ماضی میں بدل جاتا ہے۔ یہ انسان کی زندگی کے رات دن گزرنے کا نام ہے۔

گزرتا ہوا زمانہ (حال) بڑا اہم ہے۔ یہ وہ وقت ہے جو کسی ایک فرد یا ایک معاشرہ کو دنیا میں ان کی زندگی میں کام کرنے کے لئے دیا جاتا ہے اور جب وہ آدمی ختم ہو جاتا ہے تو اس کا زمانہ یا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اس کو کام کرنے کی مہلت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سارے امور کسی انسان یا قوم کے بس میں نہیں۔ اللہ کے نظام کے مطابق رواں دواں ہیں، لہٰذا اس مدت سے فائدہ اٹھانا ہی کامیابی و ناکامی ہے۔ دراصل، یہ وقت یا مدت ہی بہت قیمتی چیز ہے، جس کا احساس ضروری ہے اور اسی لئے اس کی قسم، اٹھا کر انسانوں کو آگاہ کیا جارہا ہے۔ اس وقت کی مثال، امام رازی نے خوب دی ہے : کہ کوئی برف فروش جس کی برف، گرمی کے موسم میں کسی کھلے برتن میں پڑی ہو اور وہ فروخت کر رہا ہو۔ ہر ہر لمحہ برف پگھل رہی ہے اور اس نے، اس کو بیچ کر روزی کمانا ہے۔ وہ، زور کی آواز لگا کر لوگوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ پگھل رہا ہے، یعنی ختم ہو رہا ہے۔ درحقیقت یہ معاملہ بھی ہر فرد کے ساتھ ہے اور صرف وہ افراد اپنا سرمایہ بچا سکتے ہیں جو آیات میں بیان کئے گئے، احکام پر عمل کریں اور وہ طریقہ زندگی اپنائیں۔ لفظ انسان سے مراد، تمام نوع انسانی ہے جو اس زمانہ سے گذر چکی ہے، گذر رہی ہے اور گذرے گی۔ فرد، گروہ، معاشرہ، قوم سب کو شامل ہے۔ تمام کے لئے یہ حکم لاگو ہوتا ہے۔

بعض مفسرین، نے والعصر سے مراد صلوٰت العصر (عصر کی نماز) لی ہے، کیونکہ اس کا وقت بھی اہم ہے۔ دن کی آخری نماز ہے اور نبی ﷺ نے اس کی بہت تاکید کی ہے۔ اس نماز کے ضائع ہونے کو آپ ﷺ نے بڑا نقصان قرار دیا ہے۔

آپ نبی آخر الزماں ہیں، آپ ﷺ، نے اپنے نبوت کے زمانہ کو بھی نماز عصر کے وقت کے ساتھ تشبیہ دی ہے، کیونکہ آپ کا زمانہ نبوت بھی آخری ہے۔ جس طرح عصر سے غروب آفتاب تک دن کا آخری وقت ہوتا ہے۔

خسارہ:۔

خسارہ، سے مراد نقصان ہے۔ یہ نفع کے مقابل استعمال ہوتا ہے۔ خسارہ میں آدمی اپنا سرمایہ یا اصل زر کو کھوتا ہے اور بالآخر اس کا سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ خسارہ کے مقابل فلاح کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فلاح، کا معنی صرف مادی یا دنیاوی فلاح نہیں، بلکہ اس کے ساتھ انسان کی دوسری زندگی کی بھی کامیابی مقصود ہے۔ اگر ایک زندگی میں کامیابی مل بھی گئی، تو وہ حقیقی کامیابی نہیں، بلکہ عارضی کامیابی ہوتی ہے اور اس کے بعد بڑا خسارہ یا نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح خسراں یا خسارہ، کا مطلب بھی دنیا و آخرت دونوں زندگیوں میں نقصان ہونا ہے۔ آخری زندگی چونکہ دائمی ہے، اس لئے اس کا نقصان زیادہ شدید اور حقیقی ہے۔ یہ قرآن مجید کی اصطلاحات، دوسرے کئی مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔ (سورت الاعراف، انفال، یونس، بنی اسرائیل، الحج، المومنون، لقمان، الزمر)۔ فلاح و خسارہ کا لفظ دونوں زندگیوں کو حاوی ہے۔ اسلام نے دنیا کی زندگی کو بھی اہمیت دی ہے۔ رہبانیت کے خلاف ہے۔ نبی ﷺ کا طریقہ یہی تھا کہ دنیا میں حقوق و فرائض کو پورا کیا جائے۔ ایک عادلانہ معاشرہ قائم ہو، جس میں انصاف و قانون اور انسانی احترام ہو۔ زکٰوۃ، صدقات، نکاح، طلاق، معاشرت، کے سارے احکام ایسے معاشرے کے قیام کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اور نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء نے فلاحی ریاست قائم کر کے دی ہے۔ اسی ریاست کے قیام کے لئے اور اگلے خسارے سے بچنے اور فلاح حاصل کرنے کے اقدام بتائے ہیں۔ اجتہاد کے ذریعے حالات کے مطابق شریعت کے اصولوں کے مطابق نیے قوانین بھی بنایے جا سکتے ہیں۔

(۱): ایمان: اللہ تعالٰی کی ذات پر پورا یقین کے ساتھ ایمان ہو، جس کا ثبوت اعمال کے ذریعے دیا جائے۔ اللہ کے احکام پر عمل ہو۔ اللہ کے نبی اس کی کتابوں پر ایمان ہو۔ قیامت، آخرت میں حساب و کتاب، جنت و دوزخ اور فرشتوں پر ایمان ہو۔ یہ سارے امور بہت اہم ہیں۔ دوبارہ زندگی کا مطلب مر کر دوبارہ زندہ ہو کر، انسان کا دنیا کے اعمال کا حساب و کتاب دینا ہے۔ پھر عدل الٰہی کے تحت اعمال کے مطابق انعام پر جنت اور سزا پر دوزخ جانا ہو گا۔ اس پر پورا پورا یقین ہونا ضروری ہے۔

(۲) : دوسری اہم ہدایت۔ نیک اعمال (اعمال صالحہ) ہیں۔ صالح یا نیکی کا لفظ تمام بھلائی کے امور خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے سب کو شامل ہے۔ یہ امور انفرادی، اور اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں۔ یہ صالح امور عموماً بھلائی کے تمام امور کا شامل ہیں اور قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تعلیمات کے تابع ہیں۔ حقیقی کامیابی کے لئے ایمان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ روز قیامت آدمی خسارے سے بچ نہیں سکے گا۔

حق کی تلقین:۔

(۳): تیسرا،اہم عمل حق کی نصیحت ہے۔ حق کا لفظ باطل کی ضد ہے۔ حق کا ایک مفہوم سچی بات، عدل و انصاف ہے، جو دنیاوی معاملات اور معاشرت میں ضروری ہے۔ حق میں حقوق بھی ہیں اور یہ حقوق ،انسان پر اللہ کی طرف سے انسانوں کے حقوق اور اپنے نفس کے حقوق ہیں۔ان سب کا ادا کرنا اور دوسروں کو ادائیگی کی ترغیب دینا اور نصیحت کرنا بھی ضروری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سارا معاشرہ نیکی اور بھلائی پر قائم ہو۔ معاشرے کا ہر فرد خود حق پر ستی، عدل وانصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو بھی اپنے عمل اور قول سے تلقین کرے۔ایسا معاشرہ جس میں کچھ افراد اپنا کردار و عمل تو حق کے مطابق کرتے ہیں لیکن دوسروں کو ترغیب نہیں دیتے، اس معاشرے کو عذاب کسی وقت بھی گھیر سکتا ہے۔اسلام اس معاشرہ کی بنیاد رکھتا ہے جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اگر یہ عمل نہ کیا گیا تو عذاب الٰہی میں سب گرفتار ہو جاتے ہیں۔امت مسلمہ کا امر بالمعروف نہی عن المنکر (نیکی کا عمل کرنا اور برائی سے روکنا) فریضہ ہے اور اسی وجہ سے اس کا مرتبہ خیر الامم (بہترین امت) ہے۔

صبر کی تلقین:۔

جب حق کی تلقین اور عمل کیا جائے گا، تو اس میں مشکلات بھی ہوں گی۔ حق کی پیروی کرنے والوں اور پھیلانے والوں کے راستے میں، شیطان کے تابعدار معاشرے میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ مصائب اور نقصانات واسطہ پڑتا ہے، جس میں افراد کو مقابلہ کے لئے صبر کا ہتھیار استعمال کرنا بڑا ضروری ہے۔ صبر ایک ایسی قوت ہے جو مشکلات کو آسان کر دیتی ہے۔ پریشانیوں کو کم کرتی ہے اور ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت دیتی ہے۔ایک دوسرے کو بھلائی کی تلقین کرنے اور اس کے ساتھ صبر کرنے اور اس کی تلقین کرنے سے سارا معاشرہ مربوط ہو جاتا ہے۔افراد تنہائی محسوس نہیں کرتے۔ایک دوسرے کو ہمت بندھاتے رہتے ہیں اور ایک ایسی قوت بن جاتے ہیں، جو سارے معاشرہ کو فلاحی درجہ پر لے جاتی ہے اور ہر مشکل مرحلہ میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

سورت العصر، کی یہ تعلیمات ساری انسانیت کے لئے ہیں۔

104- سورۃ الھمزۃ

تعارف:۔

سورت الھمزہ، کا نام اس کی پہلی آیت میں ذکر کی وجہ سے ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔اس کی روایت حضرت ابن عباس سے منسوب ہے۔ سورت میں نو (9) آیات اور ایک (1) رکوع ہے۔ سورت کی ترتیب مصحف کے لحاظ سے نمبر ایک سو چار (104) ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے بتیس (32) ہے۔

موضوع کے لحاظ سے انسان کی بد ترین سماجی صفت، طعنہ زنی اور چغل خوری یا غیبت گوئی، کے بارے ہے ،جو اس وقت روساء مکہ کا عمومی کردار اور مشغلہ تھا۔ بعض روایات کے مطابق جو کہ عطا اور کلبی سے ہیں، کہ آیات وعید، اخنس بن شریق کے بارے ذکر کی گئی ہیں۔امام محمد بن اسحاق نے کہا، یہ امیہ بن خلف جمحی کے بارے ہے۔ مقاتل نے کہا، یہ الولید بن مغیرہ کے بارے ہیں۔ان سرداروں کا کردار یہی تھا اور اس کا برا اثر، عوام الناس پر بھی پڑتا تھا۔ مجاہد، کے مطابق یہ تمام انسانوں کے لئے ہیں اور یہی صحیح تعبیر ہے، کیونکہ یہ انسانی کردار ہر زمانہ، مقام پر انسانی معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے۔اسی طرح بخل اور کنجوسی بہت بری مرض ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔

سورۃ العصر، میں انسان کو اچھے اعمال، عدل و حق کی تنفیذ اور مشکلات پر صبر کی تاکید کی گئی، اس سورت میں برے اعمال سے بچنے کا حکم ہے اور نہ بچنے پر عذاب جہنم کے بارے سزا سنائی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ﴿۱﴾ ہلاکت ہے ہر اس شخص کی جو منہ پر طعنے دیتا اور پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا ہے۔

الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ﴿۲﴾ جس نے مال (دولت) جمع کی اور گن گن کر رکھا۔ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ﴿۳﴾ اور گمان کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ زندہ (اس کے پاس) رہے گا۔

چغل خور، غیبت کرنے والا:۔

آیات مبارکہ ،انسانی کردار کے عیوب کے بارے ہیں، جو جاہلی معاشرہ میں عام تھا۔ عرب سردار، غریب لوگوں کے منہ پر طعنہ زنی کرتے۔ان کی بے توقیری کرتے، جو دوسروں کے سامنے ان کی حقارت کی علامت بن جاتی اور کسی طاقت والے شخص کے بارے، اس کی غیر موجودگی میں اس کے عیب نکالتے اور بدنام کرتے۔ یہ عادت ایک صالح اور پر امن معاشرے کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔اسی لئے اسلام میں ان عادات کو مذموم اور ان سے سختی سے

منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے الھمزہ اور اللمزہ کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے کہ چغلی کھانے والا، دوستوں کے درمیان فساد ڈالنے والے اور بے عیب لوگوں میں عیب تلاش کرنے والے ہیں۔

حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں، جو تم میں سے اچھے ہیں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں۔ یارسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں، جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔ پھر فرمایا کیا میں تم کو ان کی خبر نہ دوں، جو تم میں سب سے برے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ اور فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ عیب سے بری ہیں، ان میں عیب نکالتے ہیں۔ (مسند احمد/بخاری/ابن ماجہ)۔

کنجوس:۔

دوسرا کردار کنجوسی اور بخیلی ہے۔ وہ مال و دولت کو سنبھال سنبھال کر رکھنا ہے، ضروری اخراجات نہیں کرتا، اپنے لواحقین اور اولاد کی ضروریات پوری نہیں کرتا۔ اسے ہر وقت خوف لگا رہتا ہے کہ اس کی دولت کم ہو جائے گی کیونکہ اس کو دولت بڑھانے کی حرص لگی ہوئی ہے۔ یہ عادت بھی بہت بری مرض ہے، جو فرد اور معاشرے دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ دوسروں کی اچھی عادت ہو یا مال و دولت، اس کو دیکھ کر کڑنا اور پریشان ہونا، بخیلی ہے۔ آدمی یہ چاہتا ہے کہ جو اس کے پاس ہے وہ دوسروں کے پاس نہ ہو۔ یہ وہ عادات ہیں جو اخلاق و عادات میں بہت بری ہیں۔ نبی ﷺ نے اور اسلام نے ان کی شدید مذمت کی ہے۔

اسلام، کنجوسی اور اسراف، دونوں کی مذمت کرتا ہے کیونکہ دونوں انسانی کردار اور معاشرہ کے لئے انتہائی نقصان دہ ہیں۔ اسلام معتدل طریقہ حیات کو ترجیح دیتا ہے۔ جس میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے تاکہ غریب اور مستحق لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ سماجی و معاشی فرق کم ہو اور معاشرے میں اقتصادی و معاشی سرگرمی تیز ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آیت میں انسانی فکر کو علمی انداز میں رد کیا ہے کہ انسان یہ بخل اور کنجوسی کر کے اپنے اور اپنے لواحقین رشتہ داروں اور معاشرے کے افراد کو کیوں محروم رکھتا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ یہ دولت اس کے پاس ہمیشہ رہے گی؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱): انسان ہمیشہ رہے گا اور دولت کو محفوظ کرے گا، لیکن یہ ممکن نہیں۔ ہر انسان بڑھاپے میں کمزور ہو جاتا ہے اور پھر سب کچھ دنیا میں چھوڑ کر یہاں سے چلا جاتا ہے۔ (۲): دوسری صورت یہ ہے کہ دولت ہمیشہ رہے گی، لیکن دولت کے حصول اور رکھنے میں ایسے حالات بھی آتے ہیں کہ امیر شخص غریب ہو جاتا ہے اور پائی پائی کا محتاج ہو جاتا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو کیوں نہ اسے صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے۔ کنجوس، بخیل افراد

جو دوسروں کے حقوق پورے نہیں کرتے، چغل خور افراد، فساد پھیلانے والے، لوگوں کو طعنے دینے والوں کی سزا اگلی آیات میں ذکر کی گئی ہے۔

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ ہر گز نہیں وہ شخص چکنا چور کر دینے والی جگہ (آگ) میں پھینک دیا جائے گا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ اور تم کیا سمجھو کہ وہ چورا چورا کرنے دینے والی چیز کیا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔

الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ جو دلوں تک پہنچے گی (اونچی بھڑکتی ہو گی)۔

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہو گی۔

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ اونچے اونچے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے)۔

سزا:

چغل خور، غیبت کرنے والا، جھوٹے عیب نکالنے والا۔ کنجوس اور بخیل کا انجام بتایا جارہا ہے، وہ جہنم کے ایک حصہ جس کا نام الحطمہ ہے، وہاں پھینکے جائیں گے۔ لغت کے لحاظ سے حطم کا معنی چورا چورا کرنا ہے۔ کسی چیز کو توڑنا اور کوٹنا ہے۔ مجرم لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے الحطمہ، جہنم کے حصہ میں پھینکے جائیں گے، جہاں بھڑکتی آگ ستونوں کی طرح بلند ہو گی۔ یہ ستون انسان کے قد کے برابر ہوں گے اور ان کی کیفیت یا حالت جس طرح آیت میں مذکور ہے ایسا لگتا ہے، کہ سلنڈر نما ہوں گے، جس کے اندر مجرم پھنسا ہوا ہو گا اور آگ کی گرمی چاروں طرف سے اس کی جلد کو جلائے گی اور اس کا سینہ زیادہ متاثر ہو گا۔ یہاں صدور سینہ سے مراد وہ جسم کی جگہ ہے، جہاں علم، جذبات، خیالات ارادہ اور عمل کا فیصلہ ہوتا ہے۔ چھاتی کا حصہ نہیں، بلکہ دماغ کی جگہ ہو گی جہاں سے وہ فیصلے کرتا تھا۔ وہیں اب اسے عذاب کا احساس ہو گا۔ یہ آگ ہر طرف سے بند ہو گی۔ گویا وہ آگ کے سلنڈر میں ہوں گے۔ اس کا سائز جسامت و قد، بڑے بھاری ستونوں کی طرح ہو گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے اور ان عادات رزیلہ سے بچائے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری آگ (جو گھروں میں جلاتے ہیں) جہنم کی آگ کا ستر واں (70) حصہ ہے۔ عرض کی گئی یہ آگ بھی کافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہنم کی آگ تمہاری آگ سے انہتر (69) مرتبہ (گنا) زیادہ ہے۔ (بخاری/مسلم)۔ چغل خور، غیبت گو اور بخیل، کی سزا یہ شدید آگ ہو گی۔

105- سورۃالفیل

تعارف:۔

سورت الفیل، کا نام اس کی پہلی آیت سے مأخوذ ہے اور اس میں اصحاب فیل کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ سورت مکہ شریف کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اہل مکہ کو ان پر اللہ کے احسان کے بارے بتایا جارہا ہے، جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو روکنے اور ختم کرنے کے درپے ہیں۔

سورت میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے۔ سورت کا ترتیب مصحف کے لحاظ سے نمبر ایک سو پانچ (105) اور ترتیب نزول کے لحاظ سے انیس (19) ہے۔ قریش کو آگاہ کرنا ہے کہ اگر وہ اللہ کے دین کے خلاف اسی طرح رہے، تو جب وہ ہاتھیوں کے لشکر کو تباہ کر سکتا ہے تو ان کو تباہ کرنا کیا مشکل ہے۔ اسی اللہ کی عبادت کے لئے کہا جارہا ہے جس نے ان کو اور خانہ کعبہ کو بچایا تھا۔

واقعہ الفیل:۔ یمن کا حکمران ابرہہ تھا۔ یمن پر جب حبشہ کی فوج حملہ آور ہوئی، تو یہ اس کا سردار تھا اور بہت چالاک اور اثرورسوخ رکھتا تھا۔ اس نے قبضہ کرلیا اور حبشہ کے بادشاہ نے اسے اپنا گورنر بنالیا۔ اس نے اپنے زمانہ میں سدّ مأرب کی مرمت کی۔ ابرہہ نے صنعاء میں ایک کلیسا بنایا۔ یہ کلیسا بہت خوبصورت بنایا گیا اور مقصد تھا کہ عرب اس کا احترام کعبہ کی طرح کریں اور یہاں حج کریں۔ اس کے بارے اس نے شاہ حبشہ کو خوش کرنے کے لئے، اس کے بارے لکھا۔ عربوں کو اس کے ارادہ پر غصہ آیا، روایت کے مطابق کسی قریشی نے کلیسا میں جاکر رفع حاجت کردی۔ بعض روایات کے مطابق کچھ عربوں نے غصہ میں کلیساء کو نقصان پہنچایا۔ جب ابرہہ کو پتہ چلا کہ کعبہ کے معتقدین نے کلیسا کی بے حرمتی کی ہے، تو اس نے قسم اٹھائی کہ کعبہ کو گرا کر دم لے گا۔ اس نے 520 یا 571 عیسوی میں ساٹھ ہزار کی فوج اور چند ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ یمن میں عرب سرداروں نے مزاحمت کی، لیکن ان کو شکست ہوئی۔ پھر خثعم کے علاقہ کے لوگوں نے لڑائی کی، جن کا سردار نفیل بن حبیب خثعمی تھا، اسے بھی شکست ہوئی۔ ابرہہ نے اسے قتل کرنا چاہا، تو اس نے اسے کہا کہ وہ اسے قتل نہ کرے وہ اس کی مدد کرسکے گا۔ ابرہہ نے اسے چھوڑ دیا اور اپنے ساتھ راستے کے بارے معلومات کے لئے ملالیا۔ جب طائف کے پاس پہنچا، تو بنی ثقیف کو خطرہ لاحق ہوا کہ وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان کی عبادت گاہ کو تباہ نہ کردے۔ انہوں نے اس سے معافی مانگی اور اپنے آپ کو مکہ کے خانہ کعبہ سے الگ کردیا اور اس کے ساتھ راستہ کی رہنمائی کے لئے ایک شخص روانہ کردیا۔ یہ آدمی ابورعال تھا، جو راستے میں مرگیا۔

ابرہہ کا لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا، تو وہاں پڑاؤ ڈالا اور اہل مکہ (قریش اور تہامہ) کے مویشی اور جانور اونٹ وغیرہ پکڑ لئے۔ جن میں جناب عبدالمطلب کے دو سو اونٹ تھے۔ جناب عبدالمطلب، نبی ﷺ کے دادا تھے اور مکہ کے سردار اور خانہ کعبہ کے متولی (ذمہ دار) تھے۔ ابرہہ نے، اپنا ایلچی اہل مکہ کی طرف بھیجا، تاکہ ان کے سردار سے بات کرے اور پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا، بلکہ اس گھر (کعبہ) کو گرانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو گے تو میں تم کو چھوڑ دوں گا۔ اس نے کہا، اگر کوئی مکہ کا سردار بات کرنا چاہتا ہے تو بات کرے۔ جناب عبدالمطلب سردار تھے۔ انہوں نے کہا، ہم ابراہہ سے نہیں لڑ سکتے یہ اللہ کا گھر ہے وہ چاہے گا تو بچالے گا۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کو مل لیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ جناب عبدالمطلب ایک قد آور، وجیہہ اور خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ جب وہ ابرہہ کے پاس گئے، تو وہ ان کو دیکھ کر متاثر ہوا اور تخت سے نیچے اتر کر ملا۔ پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ، میرا مال مجھے دے دیں، یعنی ہمارے اونٹ واپس کر دیں۔ ابرہہ نے کہا، کہ آپ کو دیکھ کر میں متاثر ہوا، لیکن آپ کی بات سن کر میں پریشان ہوا ہوں کہ آپ اونٹوں کا مطالبہ کر رہے اور میں آپ کی عبادت گاہ کو گرانا چاہتا ہوں جو آپ کے دین کا مرکز ہے۔ اس کے بارے تم بات نہیں کرتے۔ جناب عبدالمطلب نے کہا: میں تو اونٹوں کا مالک ہوں اور ان کی بات کروں گا، اس گھر کا مالک اللہ ہے، وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کہا: مجھ سے اب اس گھر کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ جناب عبدالمطلب نے کہا کہ یہ تم جانو اور اس گھر کا مالک جانے۔ وہ، ابرہہ کے پاس سے واپس آ گئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔ ایک روایت کے مطابق، جناب عبدالمطلب نے کہا کہ ابرہہ جو چاہے لے، لے لیکن اس گھر کو نہ گرائے، لیکن اس نے کہا کہ میں اسے ضرور گراؤں گا۔ اس کے بعد وہ، ابرہہ سے واپس آ کر مکہ آ گئے اور اہل مکہ سے کہا، کہ وہ مکہ خالی کر کے پہاڑ پر چلے جائیں، تاکہ ان کا قتل نہ ہو۔ جناب عبدالمطلب، چند اور سرداروں کو لے کر خانہ کعبہ گئے۔ کعبہ میں بت پڑے تھے لیکن سب نے مل کر خدا سے دعا کی کہ وہ کمزور ہیں، اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لہٰذا، اس گھر کا رب و مالک، خود اس کی حفاظت کرے اور اس کو بچالے۔ ان کے بہت سارے اشعار اس واقعہ پر تحریر ہیں (جامع احکام القرآن قرطبیؒ)۔

یہ دعائیں مانگ کر جناب عبدالمطلب اور دوسرے اہل مکہ، پہاڑوں میں شہر خالی کر کے چلے گئے۔ دوسرے دن ابرہہ مکہ پر قبضہ کرنے اور کعبہ کو گرانے کے لئے آگے بڑھا۔ اس کا خاص ہاتھی جو سب سے آگے تھا وہ بیٹھ گیا۔ اس کو بہت مارا پیٹا گیا۔ حتی کہ زخمی کر دیا، مگر وہ آگے نہ بڑھا۔ جب اٹھاتے تو پیچھے کی طرف چل پڑتا اور آگے جانے کے بجائے بیٹھ جاتا۔ اسی طرح دوسرے ہاتھی بھی بیٹھ جاتے۔ اسی دوران آسمان پر پرندے آئے، جن کی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے (چھوٹے پتھر) پکڑے تھے۔ یہ جھنڈ کے جھنڈ، ابرہہ کے لشکر پر پتھر (سنگ ریزے) گرانے شروع ہو

گئے۔ سنگریزوں کی بارش ہوگئی۔ سنگ ریزے اگرچہ سائز میں مٹر کے دانہ یا بکری کی مینگن کے سائز میں تھے، مگر سخت گرم ہوتے تھے، جس طرح بندوق سے نکلنے والے چھرے ہوتے ہیں اور جس انسان یا حیوان کو لگے سخت گرم ہونے کی وجہ سے رخمی کر دیتے۔ جسم سڑنا اور گلنا شروع ہو جاتا اور خون بہنے لگتا۔ سارا لشکر زخمی ہو گیا۔ گھبراہٹ میں بھاگ نکلا اور ہاتھی بھی بھاگ کر واپس دوڑ پڑے۔ خود ابرہہ بھی زخمی ہو گیا۔ اس بھگدڑ سے لشکر کا بہت نقصان ہوا اور بہت سارے لوگ زخمی ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ کچھ وہیں اور کچھ راستے میں مر گئے اور ابرہہ بھی بلاد خثعم میں جا کر مرا۔ یہ واقعہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی مُحصّب کے قریب محسر کے مقام پر پیش آیا۔

عرب شعراء نے اس کامیابی پر بڑے اشعار کہے۔ قریش کی عزت و وقار، عربوں میں مزید قائم ہوئی۔ کعبہ کی عظمت تمام عربوں میں مزید مضبوط ہو گئی۔ اللہ کا گھر ہونے کا عقیدہ اور مضبوط ہو گیا۔ یہ واقعہ سارے عرب میں بہت مشہور ہو گیا۔ کہا گیا ہے کہ قریش کا اللہ پر ایمان، دوبارہ قائم ہو گیا۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی ولادت سے چالیس پچاس روز پہلے ہوا تھا، اس لئے آپ ﷺ کی پیدائش کے سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ (اے نبی) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ کیا اس نے ان کی چال کو بیکار نہیں کر دیا؟

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ اور ان پر اس نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے۔

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ جو ان پر کھنگر کی کنکریاں پھینک رہے تھے۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵ پھر انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

آیت میں خطاب بظاہر نبی ﷺ سے ہے لیکن اس سے مراد اہل مکہ ہیں کیونکہ وہ سارے اس واقعہ سے متعارف تھے۔ یہ واقعہ مکہ کی تاریخ کا اہم واقعہ تھا۔ پرانا بھی نہیں تھا، صرف چالیس پچاس سال پہلے کا تھا۔ کئی افراد نے اس کو دیکھا ہوا تھا۔ یہ ایک اہل مکہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے وجود اور قوت کی دلیل تھی۔ روایات ہیں کہ کئی سال اہل مکہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے بتوں کو باہر نہیں پھینکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی حقیقت اور رفعت کی دلیل بھی تھی کیونکہ ایک معجزہ تھا۔ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ آئے اور انہوں نے آسمان سے کنکریاں برسائیں جو گرتے وقت گرم ہو کر ہر طرف بارش کی طرح پڑیں اور جس انسان حیوان کو لگیں اس کو زخمی کر دیا اور ان سے بھاگنے یا

بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ جب لشکر واپس مڑا تو پرندے بھی ہٹ گئے کیونکہ وہ صرف خانہ کعبہ کی طرف اُڑ رہے تھے اور آگے جانے والوں پر پتھر پھینکتے تھے۔

پرندوں کے بارے یہ کہا گیا ہے کہ ان کو پہلے مکہ یا حجاز کے علاقہ میں نہیں دیکھا گیا وہ ایسا لگتا تھا کہ بحیرہ احمر سے اُڑ کر آئے ہیں۔ان کی چونچیں پرندوں جیسی اور سر شکاری پرندوں جیسے تھے اور ہر پرندے نے دو کنکر پنجوں اور ایک چونچ میں پکڑ رکھا تھا اور وہ فوج کے اوپر گرا کر آگے نکل جاتا۔ابابیل کا معنی جھنڈ کے جھنڈ، مختلف گروہ یہ مختلف گروہ ہو سکتے ہیں۔ گروہ اڑ،اڑ کر آرہے ہوں یا مختلف سائز کے پرندوں کے گروہ ہو سکتے ہیں۔ان کنکروں کا سائز مٹر کے دانے یا بکری کی مینگن کے برابر تھا اور لوگوں نے گھروں میں یادداشت کے طور پر رکھ بھی لئے تھے۔ رنگ سیاہی مائل تھا۔ پتھریلے تھے۔ سجیل کی لفظی ترکیب کے بارے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ فارسی سے معرب (عربی بنا ہوا) ہے ۔یہ دو لفظ سنگ اور گل سے سجیل بنا ہے۔ سنگ کے معنی پتھر اور گل سے مراد مٹی ہے جو گارے سے بنا ہوا اور پک کر سخت ہو جائے۔اس کا اثر اس طرح تھا گویا کسی بندوق کی گولی سے نکلے ہوئے گرم لوہے کے چھرے (باریک ٹکڑے) ہیں جس جگہ لگے انسانی جسم ہو یا حیوان اسے زخمی کر دیا اور اسی کھال اور جسم میں زہر مل گیا جس کی وجہ سے گوشت گلنا شروع ہوا جس طرح کینسر میں ہوتا ہے۔

سپاہی زخمی ہو گئے۔ بھگدڑ میں کئی مر گئے واپس مڑ گئے کیونکہ آگے جانا،ان کو نفسیاتی طور پر عذاب لگ رہا تھا اور پرندوں کے جھنڈ آگے زیادہ ہوں گے، بلکہ ادھر سے آرہے ہوں گے۔اور ان پر کنکریاں گرا کر مڑ جاتے ہوں گے۔ یہ سارا لشکر جو بڑے دعوے اور تمکنت کے ساتھ خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے آیا تھا، بغیر کسی انسانی فوج کے مقابلہ کرنے اور جنگ و جدل کے تباہ ہو کر، خود بخود واپس ہو گیا۔اس واقعہ نے اہل قریش کی پاکیزگی اور تقدس کی عربوں پر دھاک بٹھادی۔

لشکر کو کھائے ہوئے بھوسہ سے تشبیہ دی کہ وہ کسی کام یا فائدہ کا نہیں ہوتا، صرف زمین پر بے کار پڑا رہتا ہے۔ ابرہہ کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اس کی قوت ختم ہو گئی۔ وہ اس زخم سے خود بھی مر گیا اور کچھ زمانہ عد،اہل یمن نے بغاوت کر کے اس کو حکومت کو ختم کر دیا،اس طرح انسانی مکر و منصوبہ بندی،اللہ کے نظام کے آگے ختم ہو گئی۔

106- سورۃالقریش

تعارف:۔

سورت القریش، کا نام اس کی پہلی آیت اور اس کے موضوع کی وجہ سے ہے۔ جو سورت میں قریش کے بارے مذکور ہے۔ سورت مکہ شریف کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس کا زمانہ نزول سورت الفیل کے ساتھ ہے۔ سورت الفیل میں بھی مکہ اور اہل کی مدد کا ذکر تھا اور سورت القریش میں بھی اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا ذکر ہے۔ اس سے قریش کو نبی ﷺ کی مخالفت کا احساس دلانا مقصود ہے۔

سورت میں چار آیات اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر انتیس (29) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے ایک سو چھ (106) ہے۔

قریش کی تجارت، موسم سرما میں یمن کے سفر اور موسم گرما میں شام کے سفر کا ذکر ہے۔ ان کو اس میں محبت الفت دی گئی، سفر ان کے لئے آسان و محفوظ تھے۔ عربوں میں ان کی عزت تھی اور شہر کے مکین تجارت سے خوشحال ہو گئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ قریش کو مانوس کرنے کے لئے۔

اصل لفظ ایلاف، جس کے معنی الفت یا مانوس ہونا، رغبت پیدا ہونا ہے۔ کسی چیز کے چھٹنے کے بعد ملنا ہے۔ ایلاف سے پہلے لام بطور تعجب بھی استعمال ہوتا ہے اور بطور تعلیل (علت) بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی قریش کو سفروں سے مانوس کرنا، کاروبار سے مانوس کرنا، ان پر احسان ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انہوں نے کہا۔ قریش، قرش کی تصغیر ہے۔ قرش سمندر کا ایک طاقتور جانور ہے جو دوسرے جانوروں کو کھا جاتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں کھاتا، وہ غالب رہتا ہے۔ نبی ﷺ کا قبیلہ قریش تھا۔

قریش کی تاریخ:۔

قریش، حضور ﷺ کی جد اعلیٰ سے پہلے حجاز میں منتشر تھے اور حضرت اسماعیل کی اولاد کنانہ سے تھے۔ قُصّی بن کلاب نے انہیں مکہ میں اکٹھا کیا اور بیت اللہ کی حفاظت و خدمت شروع کر دی۔ قُصّی کا معنی جمع کرنے والا ہے۔ اس نے تدبر سے ایک شہری ریاست بنائی، جہاں دوسری اطراف سے آنے والے لوگوں / حاجیوں کی حفاظت و خیال کیا

جاتا۔ان کی خدمت کا بہترین انتظام کیا، جس کی وجہ سے قریش کی عربوں میں عزت پیدا ہوئی۔ قُصّی کے بیٹے عبد مناف اور عبدالدار تھے، جو مل کر خدمات ادا کرتے تھے، لیکن عبد مناف کو زیادہ شہرت، ان کے عقل کی وجہ حکمت سے ملی۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل۔ان میں، ہاشم، نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے والد تھے۔انہوں نے تجارت کو زیادہ توسیع دی اور شام و یمن کے راستوں پر تجارتی قافلے بھیج کر تجارت کی۔ راستے کے قبائل جو حج کے لئے آتے تھے ان کے ساتھ، ان کے مراسم بھی تھے۔اس طرح ان کے ساتھ بھی تجارت ہوتی۔ان کو ان کی ضروریات مہیا کی جاتیں اور پھر حج کے موقعہ پر مکہ میں بھی تجارت بڑھ جاتی۔ قبائل، قریش کی مکہ کی تولیت اور دوران حج، خدمات کی وجہ سے احترام کرتے تھے۔انہیں مکہ کے حرم ہونے کی وجہ سے، دوران سفر بھی عرب قبائل سے امن وامان ملتا، اس طرح ان کی تجارت محفوظ رہتی تھی۔ عبد مناف کے بیٹوں نے تجارت کو خوب بڑھایا۔ان کے اس رویہ اور نرمی اخلاق کی وجہ سے اصحاب ایلاف مشہور ہو گئے۔ عراق و شام کی وجہ سے علمی لحاظ سے بھی دوسرے قبائل سے بہتر ہو گئے۔ جب ابرہہ لشکر لے کر آیا اور اس کا سارا لشکر بھی تباہ ہو گیا، تو خانہ کعبہ کا شرف و عزت بہت بلند ہوا۔ راستے میں جہاں بھی اس کے آدمی مرتے گئے کعبہ کی عظمت بطور بیت اللہ مضبوط ہوتی گئی۔ قریش کی دھاک اور ان کی کعبہ کی خدمت کی وجہ سے وقار میں اضافہ ہوا اور ان کے تجارتی قافلے امن وامان سے ہر علاقہ سے گذر گئے اور وہ کوئی راہداری کا ٹیکس بھی نہیں دیتے تھے۔ یہ سب ان پر اللہ کی نعمت و رحمت کا نتیجہ ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع ،روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ،یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، بے شک اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔(صحیح المسلم)۔

الْفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾ انہیں (قریش کو) سردی اور گرمی کے سفروں سے مانوس کیا۔

معاشی جدوجہد:

تجارت کے لئے سفر لازمی تھا۔قریش کے قافلے شمال کی طرف، ملک شام کو گرمیوں میں سفر کرتے کیونکہ شام کے رومی علاقے بلندی کی وجہ سے ٹھنڈے تھے اور سفر آسان تھا۔ سردیوں میں وہ جنوب کی طرف، ملک یمن کو سفر کرتے، جو شام کے مقابلہ میں گرم تھے۔اس طرح موسم کی تبدیلی سے وہ فائدہ اُٹھا کر سفر کرتے۔اس تجارت میں وہ اہل مکہ اور دوسرے قبائل کی ضروریات مہیا کرتے۔ مکہ، حج کی وجہ سے اہم شہر تھا اور ایک تجارتی مرکز بھی بن گیا۔ قریش کی، سفروں سے گھبرانے کے بجائے، مزید الفت پیدا ہو گئی اور ان کے تجارتی قافلے مشہور ہو گئے۔ مکہ ایک

پہاڑی شہر تھا، زراعت ممکن نہیں تھی، اس لئے ایک تجارتی مرکز بن گیا۔ عرب کے قبائل بھی کعبہ کی وجہ سے قریش کا احترام کرتے اور ان کے قافلوں پر حملے نہ کرتے، اس طرح قریش کی معاشی حالت دوسرے لوگوں سے بہتر تھی۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ لہٰذا ان (قریش) کو چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔

قریش کو انعامات خداوندی کے ذکر جن میں امن کا شہر، حج کا مرکز جہاں سارے قبائل آتے تھے۔ پھر ان کی ابرہہ سے حفاظت اور تباہی سے بچنا کاروبار میں ترقی، عربوں میں ان کی ابرہہ کی شکست کی وجہ سے عزت و وقار، یہ سارے امور، ان پر اللہ کی مہربانی ہے لہٰذا، انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے اور بتوں کی عبادت کو چھوڑ کر نبی ﷺ کے احکامات پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اللہ کے انعاموں کا شکر ادا ہو سکے۔

افلاس کا علاج امن و تجارت:۔

هذه البيت، سے اشارہ خانہ کعبہ کی طرف سے ہے۔ جس کی وجہ سے مکہ محفوظ رہا اور ابرہہ کا لشکر تباہ ہوا۔ یہ وہ گھر ہے جس کو حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بنایا اور یہاں ہر سال حج کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کو سارے عرب مانتے ہیں اس لئے قریش کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے جس کی نبی ﷺ دعوت دے رہے تھے اور وہ اس سے انکار کر رہے تھے۔

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ جس (اللہ) نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے بچا کر امن میں رکھا۔

قریش جب حجاز میں بکھرے ہوئے تھے ان کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ جب وہ مکہ شریف آکر سکونت پذیر ہوئے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے تجارت کی ترغیب دی۔ سفر کی مشکلات سے خوف کھانے کے بجائے انہیں سفر کا انس دیا۔ انہوں نے سفر کر کے تجارت کی، ان کی معاشی حالت بہتر ہوئی۔ کعبہ شریف امن کا شہر تھا۔ حج کا مرکز تھا۔ تمام قبائل حج کو آتے تھے اور یہاں محفوظ طریقہ پر حج کرتے تھے۔ قریش، حجاج کرام کو سہولیات فراہم کرتے۔ اس طرح ان کا وقار، دوسرے قبائل میں قائم ہوا اور ان کو بھی دوران سفر حفاظت و امن ملا۔ ان کے قافلے، امن و امان سے دوسرے قبائل کے علاقوں میں سفر کرتے تھے۔ عرب کے علاقوں میں جب جنگ و جدال کا بازار گرم تھا، ان کے قبائل امن سے گذر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ اس کی ہی عبادت کریں اور اس کے بھیجے ہوئے نبی کی اطاعت کریں۔

107- سورۃالماعون

تعارف:

سورت ،الماعون کا نام اس کی آخری آیت میں لفظ الماعون سے ہے۔اکثر مفسرین نے اسے مکی تحریر کیا ہے۔مکہ شریف میں نازل ہوئی حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا ہے یہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ھبۃاللہ نے کہا: اس سورت کا نصف مکہ میں عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوا،اور سورت باقی نصف عبداللہ بن ابی منافق کے متعلق نازل ہوا۔(روح المعانی)۔

سورت القریش، میں اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور انعام کا ذکر تھا، لیکن ان احسانات کے باوجود، اہل مکہ کے معاشرہ میں یتیم اور مساکین کی حالت بہت بری تھی۔ان پر ظلم و ستم روا رکھا جاتا۔ان کو حقوق سے محروم رکھا جاتا۔اس کردار کی مذمت کی گئی ہے۔

سورت کے دوسرے حصہ میں ان کلمہ گو مسلمانوں کا ذکر ہے، جو نماز سے غافل ہیں یا محض بناوٹ کے لیے عبادت کرتے تھے۔اوران کا کردار بھی لالچی ہے۔اخلاق حسنہ سے محروم ہیں۔انسانی ضروریات میں تعاون نہیں کرتے اور خود غرضی کا ثبوت دیتے ہیں۔اس کردار کی بھی شدت سے مذمت کی گئی ہے۔یہ کردار چونکہ صرف مدینہ میں منافقین کا تھا،اس لئے یہ آخری حصہ مدنی زندگی سے مناسب رکھتا ہے۔

سورت سات ایات اور ایک رکوع پر مشتمل ہے۔ترتیب مصحف کے لحاظ سے اس کا نمبر 107 ایک سو سات اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر سترہ ہے اور اسلام کے ابتدائی ایام میں اس کا نزول ہوا، جب مسلمانوں پر شدت کے مظالم ہو رہے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ۝ (اے نبی) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا نہیں جو دین کو جھٹلاتا ہے۔

فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۝ پس وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ۝ اور مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں اکساتا (ترغیب دیتا)۔

آیت مکہ شریف میں نازل ہوئی اور اس کے موقع نزول کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔لیکن ان کا مقصود ایک ہی نکلتا ہے۔حضرت ابن عباس سے منسوب ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے متعلق نازل ہوئی۔ سدی کا قول ہے کہ یہ ولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی۔ایک قول ہے، یہ ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی۔یہ تمام

سرداران قریش، یتیموں کے ساتھ معاملات میں سختی برتتے تھے۔ دین اسلام کے تو وہ منکر تھے اور بڑا اختلاف قیامت کے بعد دوبارہ زندگی اور اس کا حساب و کتاب کا ہونا تھا۔

دین میں ایک اہم عقیدہ آخرت، دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب کا ہونا اور دنیا میں اعمال کے نتیجے میں دوزخ یا جنت میں جانا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے کہ جس کی وجہ سے مومن ہر کام سے پہلے اس کے انجام کے بارے میں سوچتا ہے کہ اس کا حساب و کتاب میں کیا حال ہو گا۔ اگر اس کا عمل ممنوع ہے تو فوراً اللہ کے خوف سے رک جاتا ہے۔ ایک شخص جو حساب و کتاب، دوبارہ زندہ ہو کر، جزا و سزا پر یقین نہیں کرتا، اس کی ساری جدوجہد، اس دنیا کی زندگی میں اس کی ذاتی خواہشات و آرام تک محدود ہوتی ہے۔ وہ تمام فوائد اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ لوگوں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا، بالخصوص یتیم بچے، جن کے والد، اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اور ان کی کوئی مدد کرنے والا یا پرسان حال نہیں ہوتا۔ ان کے والی اور ورثاء، ان کے اموال اور ترکہ کو استعمال کرتے ہیں، اس کی حفاظت نہیں کرتے اور ان پر خوف کا سایہ ہر وقت رکھتے ہیں تاکہ مطالبات نہ کر سکیں۔ اسلام میں یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے بارے بڑی واضح ہدایات ہیں۔ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والا بھی گویا دین کا انکار کرنے والا ہے۔

فلاحی ریاست:

یتیموں کے خیال اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے بارے یہ حکم نہیں دیا کہ کھانا کھلایا جائے، بلکہ ایک قدم بڑھ کر یہ حکم ہے کہ کھانا کھلائے اور دوسروں کو کھانا کھلانے پر شدت سے اکسائے تاکہ وہ بھی عمل کریں اور معاشرہ کے محروم افراد کو آسانی ہو۔

انہی احکامات کی وجہ سے اسلامی ریاست فلاحی ریاست ہے۔ اور اس میں یتیموں، غریبوں کے لیے ریاست کی طرف امداد لازمی ہے۔ نبی ﷺ نے بارہا مرتبہ فرمایا کہ جس کا کوئی وارث نہیں، میں اس کا وارث ہوں۔ نبی ﷺ کی ذات اسلامی حکومت کی انتظامیہ کے نمائندہ ہیں۔ آپ اسلامی ریاست کے چیف ایگزیکٹو تھے۔ مسلمان حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے انتظامی ائین یا قوانین میں اس کو واضح تحریر کریں اور اس پر عمل کریں۔

قرآن مجید میں متعدد آیات کے علاوہ نبی ﷺ کی متعدد احادیث اس موضوع پر ہیں۔ اور آپ کی اور آپ کے خلفا راشدین کی زندگی بالخصوص دور حکومت، عظیم مثالیں ہیں۔ رات کو خلفاً راشدین گلیوں میں چکر لگا کر غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتے تھے۔

یہ دو اعمال، یتیم کے ساتھ ظلم اور مساکین سے بے پرواہی، ایسے ہیں جو معاشرے میں ناسور کا سبب بنتے ہیں اور تمام سلیم الفطرت لوگ ان کو بدترین اخلاق کا حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ معاشرہ میں ناانصافی کی بنیاد بنتے ہیں۔ اور

ان کی وجہ سے یتیم اور مساکین افراد کی ذہنی، جسمانی اور سماجی پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے جو بالاخر معاشرہ میں فساد کو بڑھاتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ﴿۴﴾ ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ﴿۶﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾ جو عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں۔

آیات مبارکہ ان کلمہ گو مسلمانوں کے بارے میں ہیں، جن کی زبان سے اسلام کے الفاظ نکلتے ہیں، لیکن ان کے دل اسلام کے نور سے محروم ہیں۔ ان کی قرآنی اصطلاح منافق ہے، جن کے بارے یہ فیصلہ ہے کہ وہ دوزخ کے گہرے حصے (ادرک الاسفل) میں سزا پائیں گے۔ ان کی علامات کا ذکر ہے۔

نماز دین کا ستون ہے اور اس ستون کو بظاہر ادا کرنے والے کے لیے ہلاکت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جو اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ یہ ستون اور فرض اس وقت فائدہ دے گا، جب اس کو صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے۔ نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ اس میں نماز 'میں' غفلت برتنے کے الفاظ نہیں یعنی لفظ فی، نہیں بلکہ 'من' ہے **یعنی 'سے' غفلت برتتے** ہیں۔ علماء نے اس کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔ نماز کے دوران کچھ ایسے امور ہو جاتے ہیں جو نماز کی کیفیت میں مخل ہوتے ہیں اور اس میں بعض اوقات غفلت ہو جاتی ہے یہ معاف ہیں اور اس آیت کے ضمن میں داخل نہیں ہیں۔

نماز کی ادائیگی سے غافل ہونے سے پہلی واضح مراد یہ ہے کہ نماز کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہوتی، پڑھنے سے غافل ہوتے ہیں۔ کبھی لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھ لی۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے: منافق وہ ہے جو تنہائی میں نماز نہیں پڑھتا اور لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نماز پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتا، یعنی وقت پر نہیں پڑھتا، بلکہ ایسے پڑھتا ہے جیسے کسی مصیبت سے گلو خلاصی کر رہا ہو۔ اس کو ایک حدیث مبارک میں بیان کیا گیا ہے جو کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ یہ منافق کی نماز ہے، وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتیٰ کہ سورج جب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے۔ (وقت غروب) تو وہ کھڑا ہو کر چار ڈھونگیں مارتا ہے اور اس نماز میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ مسلمان جن کو نماز کی ثواب کی امید نہ ہو اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو عذاب کا ڈر نہ ہو۔ ایک مراد نماز کو وقت کے گذرنے کے بعد پڑھیں۔ ایک مزید انداز نماز یہ ہے، اس کا رکوع و سجود مکمل طریقے سے نہ کریں گویا ٹھونکیں مار رہے ہیں۔ نماز میں توجہ نہ کریں جلدی کریں گویا نماز میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دل کہیں اور لگا ہوا ہو۔ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی یہی علامات ظاہر کی گئی ہیں۔ (النساء: ۱۴۲)۔

نماز کے اداب کا خیال نہ کرنا۔ مناسب لباس وغیرہ نہ ہونا بھی غفلت برتنا ہے۔

نماز میں سہو:

بعض اوقات بلکہ اکثر نماز کے دوران خیال آجاتے ہیں وہ اس میں شامل نہیں، کیونکہ نماز میں بھول جانا ایک فطری امر ہے۔ نماز میں شیطان بھی وسوسے ڈالتا ہے۔ اس سے بچنا مشکل ہے لیکن اس میں ساتھ ہی نماز کا خیال آنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی نماز میں سہو ہو گیا تھا اور صحابہ کرامؓ بھی ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے سجدہ سہو کی اجازت ملی ہے۔

ریاکاری:

نماز کے دوران نماز کے جملوں اور قرآنی آیات پر غور و فکر ضروری ہے، تاکہ عبادت میں توجہ اور قبولیت پیدا ہو۔ ایک اور ممنوع چیز ریاکاری ہے۔ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا یا حکم کے لیے نماز نہ پڑھے، بلکہ اس کی ترجیح لوگوں کے درمیان اس کی عزت اور وقار ہو۔ یا لوگ اسے نیک کہیں۔ اس لیے جماعت میں شامل ہو یا جب لوگ دیکھ رہے ہوں تو نماز کو طویل کر دے۔ دنیا سے دوری کے بارے میں باتیں کرے اور خود دنیا کی رغبت رکھے۔ یہ سارے امور اخلاص اور اللہ کی رضا کے خلاف ہیں، اس لیے ان کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ شریعت میں ترجیح یہ ہے کہ جو اعمال صالحہ فرائض میں سے ہیں، ان کو دکھا کر کرنے میں کوئی جرم نہیں کیونکہ یہ کرنے ضروری ہیں۔ فرائض کو دکھا کر کرنا ان کی تشہیر اسلام کی علامات سے ہیں۔ فرائض کا تارک ملامت کا مستحق ہے۔ ظاہری طور پر کرنے سے ترک فرائض کی تہمت سے بچ جاتا ہے۔ لیکن نفلی عبادت کو چھپا کر کرنا بہتر ہے۔ تاکہ لوگوں کی تعریف سے دل دکھلاوے کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ نماز کی قبولیت کے لیے رزق حلال بہت ضروری ہے۔

107/7۔اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں۔

ماعون کی تفسیر میں حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ اور قتادہؒ نے زکوٰۃ مراد لی ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود، ابراہیم نخعی اور بہت سارے دوسرے افراد نے اس سے مراد عام ضروریات کی اشیاء مراد لی ہیں۔ مثلاً ہنڈیا، ڈول، کلہاڑی، ترازو، پانی، آگ یا حقماق کا پتھر (جس سے آگ جلائی جاتی ہے) جیسے دیا سلائی، یہ اشیاء عموماً ہمسایئے مانگتے ہیں اور استعمال کرنے سے ان کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ حضرت علی اور سعید بن جبیر اور مجاہد کا ایک قول بھی اسی طرح ہے۔ مقصود باہمی تعاون ہے جو محتاج انسان کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے۔ یہ سارے احکام انسانی بھلائی لے لیے ہیں۔

جذبہ تعاون سے محروم افراد:

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے زمانہ ماعون سے مراد، ہنڈیا، کلہاڑی، ڈول، ترازواور ایسی استعمال کی اشیاء مستعار دیناہوتا تھا۔(طبرانی،ابن مردودیہ، بیہقی)۔

ماعون، وہ معمولی چیز ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ معمولی اشیاء، ہمسائے آپس میں لے کر استعمال کرتے ہیں۔ان کا مانگنا،ایک معمولی عمل ہے، کوئی ذلت کی بات نہیں ہوتی۔ یہ اشیاء ہر ایک کو بار بار ضرورت پڑتی ہیں اور جوں کی توں واپس آجاتی ہیں۔ایسی چیزوں کو دینے سے بخل کرنا، اخلاقاً ایک گھٹیا حرکت ہے۔ بعض علماء نے اس سے مراد، پانی اور گھاس لیاہے، گھاس سے مراد جنگلی چراہ گاہوں کا گھاس ہے۔ماعون کامادہ، اعان،اعانت سے ہے جس کے معنی مدد کرنایاسہولت پہنچاناہے۔(ابن عربی،قرطبیؒ)۔

منافق کی پہچان کے لیے یہ علامات بتائی گئی ہیں۔(۱): عبادت میں دکھلاوااور بے پرواہی، بے رغبتی ہے۔ (۲): انسانی معاشرے میں باہمی تعاون سے انکار، معمولی اشیاء کو استعمال کے لیے دینے سے انکار کرنا،ان میں بخل کرنااور دوسروں کو محروم رکھناہے۔پہلا عمل ، نماز، حقوق اللہ اور دوسرا عمل، حقوق العباد سے متعلق ہے۔

منافق کا کردار نہ صرف حقوق اللہ بلکہ حقوق العباد میں بھی منفی ہوتاہے۔ برتاؤاور رواداری سے محروم ہوتا ہے۔اس کااہم مقصد اس کی ذات ہی ہوتی ہے جس کے لیے وہ معمولی اشیاء کے ساتھ تعاون نہیں کرتا۔جذبہ تعاون سے محروم ہوتاہے۔ایسے افراد معاشرہ میں منفی کردار ادا کرتے ہیں اس لیے اسلام نے ان کو برے خصائل میں شمار کیاہے اوران برے اوصاف سے سختی سے منع کیاگیاہے۔(سورت الماعون مکمل ہوئی)۔

108- سورۃالکوثر

تعارف:

سورت الکوثر کا نام اس کی پہلی آیت میں لفظ الکوثر سے مأخوذ ہے۔سورت ،مکہ شریف میں نازل ہوئی۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔جمہور مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔حسن بصری، عکرمہ اور مجاہد اسے مدنی قرار دیتے ہیں، جس کی وجہ حضرت انس بن مالکؓ کی ایک روایت ہے۔ حضرت انس بن مالک چونکہ مدینہ شریف ہی میں رہے اس لیے ان حضرات نے اسے مدنی قرار دیا ہے۔مضامین کے اعتبار سے مکی معلوم ہوتی ہے اور واقعات سے بھی مکی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے معراج کے موقعہ پر نہر کوثر کو دیکھا تھا اور واقعہ معراج ہجرت سے پہلے کا ہے۔سورت کے پہلے واقعات بھی مکی حالت اور واقعات سے منسلک ہیں۔

جب سے نبی ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا۔بتوں کی پرستش کی مخالفت کی۔قیامت، حساب و کتاب اور دوبارہ زندگی کے بارے ڈرایا۔اللہ کی عبادت کی تلقین کی۔غریبوں اور یتیموں کے لیے ہمدردی کرنے کا حکم دیا۔اس وقت سے سارے قریش کے سردار آپ کے مخالف ہو گئے۔اسی دوران طائف کا سفر ہوا۔وہاں بھی بڑی مشکل پیش آئی، جو لوگ مسلمان ہوتے ان کی زندگی تنگ کر دی جاتی۔ظلم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔اس دوران آپ کی تسلی کے لیے سورت الضحیٰ، الم نشرح اور سورۃ العصر نازل ہوئی جن میں ان کے تکالیف کے ساتھ کامیابی کی نوید بھی سنائی گئی تھی تاکہ مسلمان ان مظالم سے پریشان نہ ہوں۔اسی دوران سورت الکوثر بھی نازل ہوئی جس میں نبی ﷺ کو ان کی قوم کی مخالفت کے بارے اور ان کے طعن کے بارے تسلی دی گئی کہ آپ کے مخالت کٹ جائیں گے۔

شانِ نزول:

ابتر کے معنی کٹ جانا ہے۔علیحدہ ہو جاتا ہے۔جب نبی مکرم نے دعوت و تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا تو سارے قریش مخالف ہو گئے۔کچھ لوگ ہی مسلمان ہوئے جو زیادہ آپ کے ساتھ گہرے تعلق والے تھے۔دوسرے مسلمان کمزور مسلمان تھے جن پر قریش ظلم کرتے تھے۔ان حالات کی وجہ سے قریش کہتے، بتر محمد منا، یعنی محمد (ﷺ) اپنی قوم سے کٹ گئے ہیں۔(ابن جریر)، کیونکہ ساری قوم آپ کی مخالف ہو گئی تھی۔

محمد بن اسحاق کے مطابق مکہ کے سردار عاص بن وائل سہمی کے سامنے جب نبی ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا۔چھوڑو وہ تو ایک ابتر آدمی ہے۔(ابتر سے مراد لیا جس کی کوئی اولاد نرینہ (لڑکا) نہ ہو)۔اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کی نسل آگے ختم ہو جائے گی اور کوئی نام لینے والا نہیں ہو گا۔اس طرح عقبہ بن ابی معیط کہتا تھا۔

ابن سعد نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ نبی ﷺ کے بڑے صاحبزادے قاسم تھے ۔ان کے بعد حضرت زینب تھیں۔ان سے چھوٹے عبداللہ تھے، پھر تین صاحبزادیاں، ام کلثوم، فاطمہ اور رقیہ تھیں۔ ان میں پہلے حضرت قاسمؓ کا انتقال ہوا پھر حضرت عبداللہؓ نے وفات پائی۔اس پر عاص بن وائل نے کہا کہ ان کی نسل ختم ہو گئی اور وہ ابتر ہیں۔

''محمد ﷺ ابتر ہیں ان کا کوئی بیٹا نہیں، جو ان کے قائم مقام بنے۔جب وہ مر جائیں گے تو ان کا نام دنیا سے مٹ جائے گا۔ان سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔اس طرح ابو جہل نے بھی کہا۔حضور کا چچا، ابو لہب جس کا گھر نبی ﷺ کے گھر کے ساتھ متصل تھا، دوڑتا ہوا مشرکین مکہ کے پاس گیا اور ان کو خوشخبری دی کہ ''بتر محمد ﷺ '' آج رات محمد ﷺ لاولد ہو گئے یا ان کی جڑ کٹ گئی۔

یہ انتہائی دل شکن اور پریشان کن حالات تھے۔جن کے دوران سورت الکوثر نازل ہوئی۔آپ کی تبلیغ اور توحید، آخرت کی تعلیمات کی وجہ سے سارے قریش دشمن بن گئے اور آپ گویا قریش برادری سے بالکل کٹ گئے تھے۔جو لوگ مسلمان ہوئے، وہ بھی کمزور اور غرباء تھے جن کو قریش نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔آیات میں آپ کو کوثر کی خوشخبری دی گئی۔نماز اور قربانی کا حکم ہوا۔ آپ کے دشمن ابتر ہوں گے کا مژدہ سنایا گیا۔مخالفوں کی ہی جڑ کاٹی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۝ اے نبی ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا۔

الکوثر:

کوثر کا لفظ کثرت سے نکلا ہے۔یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا مفہوم کسی ایک جملہ میں بیان کرنا بڑا مشکل ہے۔ایسی کثرت جو ہر طرح سے خیر اور بھلائی کی ہے۔نعمتوں کی کثرت جس میں ساری بھلائیاں شامل ہی۔لفظ اِنّا سے عظمت کا اظہار ہے۔

نبوت اور تبلیغ دین کے بعد آپ کی زندگی بہت مشکل ہو گئی تھی۔آپ کی اتباع کرنے والوں کی زندگی بھی انتہائی مشکل میں جا رہی تھی۔دشمنوں کے طعنے سننے پڑ رہے تھے۔مکہ یا حجاز میں کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ اس قدر چند کمزور افراد پر مشتمل قافلہ سارے عرب میں انقلاب لا سکے گا۔اور آپ کی ذات عرب و عجم، مشرق و غرب کا محور و مرکز ہو گی۔اس کا ذکر ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ان انعامات میں بے شمار امور تھے۔لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ نعمتیں

چھن گئیں، لیکن اللہ کی ذات نے عظیم نعمتیں عطا کر دیں۔ان میں نبوت، قرآن، علم و حکمت کی نعمتیں شامل ہیں۔ان نعمتوں کو آپ نے اپنی زندگی مبارک کے اخروی ایام میں کامیاب دیکھا۔ علماء نے ان نعمتوں کی عظمت کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔(۱): حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کوثر سے مراد خیر کثیر ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر آپ کو عطا کی ،اسلام، قرآن، نبوت، دنیاو آخرت میں آپ کی تعریف وتوصیف، جنت میں انعامات ہیں ۔(۲): عکرمہ نے کہا: نبوت اور کتاب ہے۔(۳): حسن بصری نے کہا۔ کوثر سے مراد قرآن ہے۔الحسین بن الفضل نے کہا: کوثر سے مراد قرآن کو اسان کرنااور احکام شرعیہ میں نرمی و تخفیف ہے۔(۴):ابو بکر بن عباسؓ نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے اصحاب، آپ کی امت اور آپ کے متبعین کی کثرت ہے۔(۵) :ابن کیسان نے کہا: کوثر سے مراد ایثار ہے۔(۶)ا:لماروودی نے کہا: کوثر سے آپ کے ذکر کی بلندی ہے۔(۷):الکوثر سے مراآپ کے دل کا وہ نور ہے جس نے آپ کو اللہ کے ماسوا سے منقطع کر دیا۔(۸): کوثر سے مراد شفاعت ہے۔(۹):الثعلبی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے معجزات ہیں، جن سے آپ کی امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔ (الجامع للاحکام القرآن قرطبیؒ)۔(۱۰): حضرت ابن عمرؓ نے کہا: رسول اللہ نے فرمایا: الکوثر جنت میں نہر ہے۔(سنن الترمذی)۔(۱۱): کوثر سے مراد حوضِ کوثر ہے جو قیامت کے دن نبی ﷺ کو ملے گا۔ اس کی روایت، حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اونگھ آگئی۔ آپ نے مسکراتے ہوئے سر بلند کیااور فرمایا مجھ پر سورت نازل ہوئی پھر آپ نے سورت الکوثر پڑھی۔ پھر آپ نے فرمایا تم جانتے ہو 'الکوثر' کیا چیز ہے۔ ہم نے کہا،اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔آپ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔اس میں خیر کثیر ہے۔اور یہ وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت آئے گی۔اس کے برتن ستاروں کے عدد کے برابر ہیں،اس پر ان میں سے ایک بندہ وہاں سے نکالا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرا امتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام نکالا تھا۔ (صحیح المسلم) قیامت کے دن جب سخت گرمی اور پیاس ہو گی، لوگ تڑپ رہے ہوں گے ،تو امت محمدی اس حوض سے پیاس بجھائے گی۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الکوثر۔ جنت میں نہر ہے۔اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔اس میں موتی اور یاقوت جاری ہیں۔اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ سفید ہے۔(سنن ترمذی)۔کچھ روایات میں پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔مذکور ہے۔الکوثر کی مستند تفسیر حدیث کے مطابق حوض کوثر یا نہر کوثر جو جنت میں ہیں ہے۔دوران سفر معراج آپ کو یہ جنت میں دکھائی گئی۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ پس (اے نبی ﷺ) تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھتے رہو اور قربانی کریں۔

کوثر کی عطا کے بعد حکم ہوا کہ آپ نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ نماز کے بارے مفسرین کے مختلف اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ بعض نے اس سے نماز پنجگانہ مراد لی ہے۔ بعض نے اس سے نماز عید قربان مراد لی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد قربانی کا حکم ہے جو کہ نماز عید کے بعد کی جاتی ہے۔

نماز کی تاکید:

بعض جلیل القدر بزرگوں سے اس کی مراد، نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ہاتھ سینے پر باندھنا ہے۔ بعض اقوال میں تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے ہیں۔ بعض کے ہاں اس سے مراد نماز کے شروع۔ پھر رکوع میں جاتے، رکوع سے اٹھتے، رفع یدین (ہاتھ اٹھانا) ہے۔ بعض کے نزدیک عید الفطر کی نماز ہے۔ زیادہ مشہور نحر سے مراد اونٹوں کی قربانی ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اونٹوں کی قربانی بھی، زکوٰۃ کے قریب ہے۔ قریش مکہ بتوں کی عبادت کرتے اور ان کے لیے اونٹوں کو نحر کرتے تھے۔ اس لیے زیادہ مناسب یہی ہے۔ آیت کی کی تفسیر اسی طرح کی جائے کہ اللہ کی رضا کی خاطر نماز پڑھیں اور اس کی رضا کے لیے قربانی کریں۔ (روح المعانی)۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ بے شک (اے نبی ﷺ) تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

گمنام یا مشہور کون؟

شانا، کا معنی ہے کسی کو بغض کی بنیاد پر ناپسند کرنا۔ شان قوم بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کے معنی ہے آپ سے بغض رکھنے والا۔ (المفردات)۔ ابتر۔ کا مادہ بتر ہے، جس کا معنی جڑ کٹی ہوئی ہو۔ پھر اس کا استعمال اس شخص کے لیے شروع ہوا جس کی نسل اس کے بعد جاری نہ ہو۔ ایک دفعہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کام سے پہلے اللہ کا ذکر نہ کیا جائے وہ ابتر ہے یعنی نامکمل ہے۔ کفار مکہ آپ کے دو صاحبزادوں کی وفات کے بعد کوئی لڑکا نہ ہونے کی وجہ سے یہ مشہور کرتے تھے کہ آپ کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے آپ کا نام ختم ہو جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آپ کا نام نہیں بلکہ آپ سے بغض اور دشمنی کرنے والوں کا نام مٹ جائے گا۔ قرآن مجید کی پیشین گوئی چند سالوں میں حرف بحرف پوری ہو گئی۔ ابتر کے معنی کاٹنے کے ہیں، اکیلا رہنے کے ہیں۔ انجام اچھا نہ ہونے کے ہیں۔ بے نام و نشان بھی اسی معانی میں لیا جاتا ہے۔ قریش نبی ﷺ سے دشمنی اور بغض کی وجہ سے آپ کے بارے یہ پیش گوئی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مخالفین اسلام کے بارے میں پیشین گوئی کر دی کہ وہ خاک آلود، بے نام و نشان، تنہا رہ جائیں گے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں جو کہ قبل از ہجرت کئی سال ہے، تو کوئی یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ سارا مکہ بے حیثیت ہو کر

رہ جائے گا، کیونکہ قریش مکہ سارے عرب میں نامور تھے۔ نبی ﷺ کی ہجرت کے چند ہی سالوں بعد حالات پلٹ گئے۔ قریش کو جنگ بدر میں ہزیمت ہوئی ان کے بڑے سردار ابو جہل، عتبہ، شیبہ مارے گئے، ان کی عربوں میں ساکھ کو بہت نقصان پہنچا۔ جنگ احد میں مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہوا، لیکن قریش اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔ ۵ھ میں قریش یہود اور عرب قبائل کی مدد سے مدینہ پر حملہ کرنے آئے تاکہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو ختم کر دیں۔ نبی ﷺ نے خندق کھود کر انکے حملہ کو روک دیا، کئی روز وہ بیٹھے رہے اور مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے، بالا خر تنگ آکر واپس ہو گئے۔ دو سال بعد نبی ﷺ مکہ عمرہ کے لیے گئے، اہل مکہ نے اگرچہ آپ کو عمرہ نہیں کرنے دیا لیکن معاہدہ کے ذریعہ مسلمانوں کی طاقت کا اقرار اور مکہ میں دخول کے حق کو تسلیم کر لیا۔ جہاں وہ اسلام کو ختم کرنا چاہتے تھے، اسی کے آگے سر تسلیم کر کے انہیں کعبہ شریف کے طواف و عمرہ کا حق دے دیا۔ اگلے سال جب اہل مکہ نے ایک معاہدے میں خلاف ورزی کی، تو آپ نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور اہل مکہ کا پورے عرب میں کوئی حامی نہ تھا۔ مکہ فتح ہو گیا اور سارے مسلمان ہو گئے۔ نبی ﷺ کے دشمن بھاگ گئے، مر گئے یا انہوں نے معافی مانگی اور اسلام کو قبول کر لیا۔ آپ نے سب کو معاف کر دیا اور اس کے بعد اگلے سال سارا عرب آپ کے زیر نگوں ہو کر اسلام کا گھر بن گیا۔ آپ کے دشمن نہ صرف بے بس، بے نام و بے نشان ہو گئے اور آپ کو اس وقت سے آج تک لوگوں کی زبانوں پر درود سلام کی صورت میں یاد کیا جارہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ عتبہ بن ابو معیط، شیبہ، ابو لہب، عاص بن وائل کی اولاد بھی ان کے نام لینے سے کتراتی ہے کہ یہ ان کے اسلاف تھے۔ آپ سے نسبت کر کے لوگ فخر کرتے ہیں۔ کوئی سید ہے کوئی ہاشمی ہے کوئی صدیقی ہے کوئی عثمانی ہے تو کوئی فاروقی، علوی اور انصاری و زہری ہیں۔ آپ کے دشمن بدتر اور ابتر ہوئے۔

سورت میں تین مقامات یا درجات کا ذکر ہے، اسی طرح صوفیاء کرام نے بھی اسی مناسبت سے تین درجات کا ذکر کیا ہے۔ پہلا درجہ میں وہ اپنے دلوں اور روحوں سے اللہ کے نور و جلال میں مستغرق ہوتے ہیں۔ انا اعطینک الکوثر میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی روح مقدسہ تمام ارواح بشریہ سے ممتاز ہے کیونکہ باقی ارواح کی بہ نسبت جلد اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف سے متوجہ ہوتی ہے۔ دوسرا درجہ، عارفین اور عابدین کا ہے جو ہمیشہ اطاعت وعبادت میں مشغول رہتے ہیں اور فصل لربک میں اس کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ ہمیشہ اپنے رب کی رضا کی خاطر نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ تیسرا، عارفین وعابدین، جو اپنے نفس کو دنیاوی لذات اور جسمانی شہوات کے حصول سے باز رکھتے ہیں اور اس درجہ کی طرف وانحر (قربانی کر) سے اشارہ فرمایا ہے، کیونکہ نفس کو ان لذتوں سے روکنا، اسے ذبح کرنے کی مثال ہے۔ (تفسیر کبیر) سورت الکوثر آپ کی شان محبوبیت کی دلیل ہے۔

109-سورۃ الکافرون

تعارف:

سورت الکافرون کا نام اس کی پہلی آیت **قُلْ** یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے لیا گیا ہے۔ سورت میں کافروں ، بالخصوص اس وقت کے مشرکین، کفار کے روساء سے معاملات کے بارے ہدایات ہیں۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے مروی ہے۔ (الدر المنثور)۔ سورت کوثر میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور عبادت کا ذکر تھا۔ سورۃ الکافرون میں کفار مکہ (مشرکین) کی عبادات سے بے زاری کا کھلا اظہار کیا گیا ہے تا کہ کفار کی ساری کوششیں جو نبی ﷺ سے مصالحت اور تبلیغ سے روکنے کے لیے کرتے یا اور مختلف حیلے کرتے تھے، ختم ہو جائیں۔

سورت کا نزول ابتدائی ایام میں ہوا، جب کفار مکہ کی مخالفت زوروں پر تھی اور ساتھ ہی وہ پوری کوشش کر رہے تھے کہ نبی ﷺ کو ان کی تبلیغ سے روک دیں اور اس سلسلہ میں وہ مختلف حیلے، لالچ اور تعاون کے منصوبے بناتے اور پیش کرتے تھے۔

سورت میں بڑے واضح طریقے سے کفار کی متابعت یا ان کی عبادات و عقائد سے کسی قسم کی مصالحت سے منع کیا گیا ہے۔

سورت کے فضائل میں حضرت فروہ بن نوفل اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا، مجھے کچھ وصیت کیجئے، آپ نے فرمایا: تم سوتے وقت **قُلْ** یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھا کرو کیونکہ یہ سورت شرک سے بری کرتی ہے۔

سورت میں چھ آیات اور ایک رکوع ہے سورت کا ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے نمبر ایک سو نو اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اٹھارہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ اے نبی) آپ کہیے اے انکار کرنے والو (کافرو)! ۔

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾ اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے۔
وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ﴿۵﴾ اور تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔

موقع/شانِ نزول:

نبی ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد، بتوں کے خلاف جب تبلیغ شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی، تو قریش مکہ نے اس کی سخت مخالفت کی اور اپنے باپ دادا کے دین کے خلاف اسے بغاوت قرار دیا۔ ہر طرح سے مخالفت کی۔ جب نبی ﷺ نے اپنی تبلیغ جاری رکھی، تو انہوں نے مختلف حیلے بہانے شروع کئے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں، کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ کے امیر ترین شخص بن جائیں گے۔ اور آپ جس عورت سے شادی کرنا چاہیں گے، اس سے آپ کی شادی کرا دیں گے، بس آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں اور اگر آپ ایسا نہیں کریں گے، تو ہم آپ کے سامنے ایک اور پیش کش کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا، وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ایک سال تک ہمارے معبودوں یعنی لات اور عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ آپ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم نازل ہوتا ہے، پھر سورت الکافرون نازل ہوئی۔ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان)۔

دوسری روایت ابو البختری کے غلام، سعید بن دنیا، بیان کرتے ہیں، کہ ولید بن مغیرہ، العاص بن وائل، الاسود بن المطلب اور امیہ بن خلف، نبی ﷺ کے پاس آئے یا ملے اور انہوں نے کہا: یا محمد! آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں اور ہم اور آپ تمام معاملات میں مشترک ہو جائیں۔ پھر اگر ہمارا موقف آپ کے موقف سے زیادہ صحیح ہو، تو ہم آپ کے موقف سے حصہ لے چکے ہیں۔ تب اللہ نے سورت الکافرون نازل فرمائی۔ (تفسیر امام ابی حاتم)۔

کفار سے مکمل لاتعلقی:

ان آیات میں، ان کافروں کے بارے میں پیغام ہے جنہوں نے مسلمان نہیں ہونا تھا اور کفر پر مرنا تھا۔ باقی وہ کفار جو بعد میں مسلم ہو گئے، انہوں نے تو اپنا طریقہ بدل دیا اور گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آ گئے تھے۔ یہ پیغام ان کے لیے ہے جو اسلام کی دشمنی پر مصر ہیں اور اسلام کو قبول کرنے سے منکر ہیں۔ آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کا اعلان 'قُل' فرما کر دیا گیا۔ نبی ﷺ خود بھی انکار کرتے رہے۔ آپ نے ایک دفعہ واضح کیا کہ

اگر ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیں، تو وہ اپنے مشن کو کبھی نہ چھوڑیں گے۔اس موقع پر آپ نے جو رویہ اپنایا اور فرمایا کہ حکم کیا نازل ہوتا ہے، اس کا مقصد مشرکین مکہ کے اس مطالبہ یا دلیل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک حکم نامہ کے ذریعہ ختم کرنا تھا تاکہ بار بار وہ غلط پروپیگنڈہ، یا لوگوں کو دھوکہ نہ دیں۔ نبی ﷺ کو بار بار صلح کی دعوت نہ دیں، جبکہ ان کے دل کفر میں پکے ہیں۔ سورت کے نزول کے بعد کسی بھی سردار کفار سے بات چیت کرنے، کی اجازت ختم ہوگئی۔ آیات نے کفار کے نفاق کو بھی ظاہر کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بطور واحد لاشریک عبادت کرنے والے نہیں، وہ محض دھوکہ دے رہے ہیں ۔ یہ سارے ان کے دھوکے ہیں تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں یا اپنے بتوں کی تشہیر کریں۔ آیت کے بعد ان کی باتوں کو جو صلح کے نام اور قوم میں اختلاف کو کم کرنے کے لیے وہ کرتے تھے کو سننے سے منع کر دیا گیا۔ یہ تصدیق ہوگئی کہ وہ جن طریقوں پر ہیں انہی پر مریں گے، لہٰذا ان کی کوئی بات سننا صحیح نہیں۔ دوبار تاکید کے لیے نفی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ قریش مکہ متعدد خداؤں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور مسلمان صرف خدائے واحد لاشریک کی عبادت کرتے تھے۔ اس لیے دونوں بہت مختلف ہیں۔ اپنے اپنے راستے پر رہیں گے۔ گمراہی والے اس کی سزا پائیں گے اور صحیح راستے والے اس کی جزا پائیں گے۔ یہی پیغام دوسرے کئی مقامات پر بھی قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ اسلام صحیح راستہ تھا اور اسلام کو ہی کامیابی ہوئی۔

110- سورۃالنصر

تعارف:

سورت کے نام اس کی پہلی آیت میں لفظ 'نصر' ،اذا جآ نصر اللہ، سے ماخوذ ہے۔سورت میں اسلام کی فتح و کامرانی کاذکر ہے جواللہ کے فضل کا نتیجہ تھی۔

امام ابن مردودیہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر سے روایت کی ہے کہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ تمام اہل تفسیر نے کہا ہے کہ سورت النصر مکی ہے۔اس کی توجیہہ یہ ہے کہ دوران حج الوداع یہ سورت ایام التشریق میں منیٰ میں نازل ہوئی لیکن یہ دور ہجرت کے بعد کا ہے،اس لیے مدنی ہے۔ایک روایت کے مطابق یہ مکمل سورت آخری ہے،اس کے بعد چند آیات نازل ہوئیں اور اسی سال نبی ﷺ اس دار فانی کوالوداع کہہ گئے۔

سورت الکافرون میں کفار کے ساتھ مذہب کی مکمل علیحدگی اور دین اسلام مکمل کفر کے خلاف ہے کا اعلان تھا۔اس سورت میں مسلمانوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے اور اس نعمت پر شکر و استغفار کی ہدایت کی گئی ہے۔اکثر مفسرین نے اس سے فتح مکہ کی فتح مراد لی ہے۔اس کے بعد دوسری اسلامی فتوحات بھی اسی نوید کا حصہ ہیں۔نبی ﷺ کی زندگی میں بڑی فتح مکہ ہی تھی۔

بعض صحابہ کرام نے اس فتح اور مشن کے مکمل ہونے سے آپ کی دنیا سے رحلت کے بارے میں اطلاع قرار دیا ہے،کیونکہ نبی ﷺ کا مشن مکمل ہو گیا تھا۔سارے عرب کے لوگ اسلام میں دھڑا دھڑ شامل ہو رہے تھے۔اس کامیابی پر آپ کو حمد و استغفار کا حکم ہوا۔اس کے بعد نبی ﷺ بکثرت حمد و ثنا و استغفار کرتے تھے۔

سورت میں تین آیات ایک رکوع ہے۔سورت کا ترتیب قرآن میں نمبر ایک سو دس (۱۱۰) ہے اور ترتیب نزول میں اس کا نمبر ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے،یہ آخری نمبر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ جب اللہ کی مدد اور نصرت (فتح) آجائے۔

فتح و نصرت:

اکثر مفسرین نے اس نصرت سے مراد مکہ کی فتح لی ہے۔ یہ نبی ﷺ کی اہل مکہ کے خلاف بڑی کامیابی تھی کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ فتح مکہ سے پہلے لوگ فرداً فرداً، اسلام قبول کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے اسی طرح ہوازن اور بنی ثقیف بھی شکست کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد اہل یمن بھی وفود کی صورت میں مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد والا سال "عام الوفود" وفدوں کا سال کہلاتا ہے کہ قبائل کے قبائل مسلمان ہوتے گئے اور تقریباً سارا عرب زیر اسلام آچکا تھا۔ نبی ﷺ کی زندگی کا مشن، اس کامیابی کے بعد مکمل ہو چکا تھا۔ یہ تکمیل اور نصرت کو بعض صحابہ کرام کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشن مکمل ہونے کے بعد آخرت کی طرف بلاوے کی دعوت تھی۔ نبی ﷺ کے رویہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ کامیابی اس کی علامت تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس سورت کی تفسیر میں کہا: کہ رسول اللہ نے فرمایا، مجھے اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے گویا اس سال میری روح قبض کر لی جائے گی۔ (جامع البیان/مسند احمد)۔

حضرت ام حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ نے اپنی امت میں چالیس سال گزارے اور میرے بیس سال پورے ہو چکے ہیں اور میں اس سال فوت ہو جاؤں گا۔ پس حضرت فاطمہ رونے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی پھر آپ مسکرانے لگیں۔ (تفسیر امام ابن حاتم)۔

حضرت ابن عباس ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کے اصحاب کے ساتھ مجھ سے اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ کے متعلق سوال کیا، میں نے کہا: یہ نبی ﷺ کی اجل ہے۔ اس کے بعد ایک دوسری روایت میں ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی اجل ہے، جس کی اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو تعلیم دی تھی اور بتایا تھا۔ یہ آپ کی وفات کی علامت ہے، سو آپ اپنے رب کی حمد و تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (صحیح البخاری)۔

وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ اور آپ لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

فتح مکہ سے پہلے لوگ اسلام ہی چند افراد کی صورت میں داخل ہوتے یعنی قبول کرتے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے معافی کے اعلان کے بعد سارا شہر مکہ مسلمان ہو گیا۔ چند افراد بھاگ گئے اور وہ یا تو مر گئے یا واپس آکر مسلمان ہو

گئے۔ پھر جنگ حنین کے بعد بھی طائف کے ارد گرد کے قبائل مسلمان ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد جب مدینہ آئے، تو یمن سے سات سو افراد کا وفد آیا اور مسلمان ہو گیا۔ عرب کے قبائل وفود کی صورت میں آکر اسلام قبول کرنے لگے۔ یہ سال وفود کا سال لکھا جاتا ہے۔ مسجد نبوی میں اسطوانہ وفود ہے (وفود کا ستون) ۔ جس کے پاس بیٹھ کر آپ ﷺ وفود سے ملاقات کرتے تھے۔ نبی ﷺ کو اس طرح تبلیغ کرنے سے فرصت مل گئی، جس طرح مکے میں کرتے تھے۔ اس کامیابی و کامرانی پر اشارہ تھا کہ نبی ﷺ کا مشن اب مکمل ہو گیا ہے۔ اور جب مکمل ہو گیا اس کی کامیابی آپ نے دیکھ لی، تو آپ کے حقیقی مالک کی طرف سفر کی علامت یا اشارہ ہے۔ آپ نے اس کو بعض موقعہ پر بیان کیا تو حضرت فاطمہؓ رونے لگ گئیں۔ بیس سالوں کے اندر جزیرہ نما عرب مسلمان ہو گیا۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۚ پس آپ اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح (ذکر) کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تسبیح کے معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کی ان امور سے پاکی بیان کرنا، جو اس کی شان کے لائق ہیں اور حمد کے معنی اللہ تعالیٰ کی کمال صفات بیان کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی ثناو تعریف ان کلمات سے کرنا جس کی اس نے تعلیم دی ہے۔ اس کی بہترین مثال سبحان اللہ وبحمدہ بھی ہے جو جامع کلمات ہیں۔

توبہ واستغفار:

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر جو کرم کیا اور جو کامیابی و کامرانی آپ کو بائیس سال میں ملی وہ بہت کم انبیاء کو ملی ہے۔ یہ کوئی مکہ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، کہ آمنہؓ کے لال جو اس دنیا میں یتیم آئے، والدہ کا سایہ بھی چھ سال کی عمر میں اٹھ گیا اور دادا کا سایہ بھی آٹھ سال کی مدت میں اٹھ گیا اور چچا نے پرورش کی۔ کردار میں صادق وامین نکلے۔ کفر کی ظلمتوں میں دامن پاک رہا۔ نبوت کی ذمہ داری کے بعد ساری مشکلات کا تنہا مقابلہ کیا، حتیٰ کہ گھر بار چھوڑنا پڑا۔ سارے لالچ، دھمکیاں اور خوف بالائے طاق رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد شامل حال رہی۔ اپنے شہر سے ہجرت کر کے مدینہ النبی پہنچے، جہاں یہود نے مخالفت کی۔ خود مسلمانوں میں منافق پیدا ہو گئے لیکن سارے فیصلے حق و عدل پر کئے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کر کے دکھایا۔ انسانیت کو اعلیٰ اخلاق کا سبق اور عمل کر کے دکھایا۔ ساری انتظامی اور قانونی و روحانی طاقت کے باوجود ایک عام انسان کی زندگی بسر کی۔ سارے عرب پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ انتہائی ظالمانہ، جابرانہ اور جاہلانہ معاشرہ سے نکال کر ایک عادلانہ انسانیت پسند، سماجی انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کر کے دکھایا اور اپنے بعد، آنے والوں کی اعلیٰ تربیت کی، جنہوں نے انسانیت پر عظیم احسان کئے۔ یہ ساری کامیابیاں اللہ کے کرم و فضل کا نتیجہ تھیں جس کے لیے ہر وقت حمد و ثنا اور تسبیح کرتے رہتے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ، اللہ سبحانہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری)۔ حضرت اغر مزنیؓ، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے قلب پر حجاب آجاتا ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ انہیں سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سبحانہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم)۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ پڑھتے تھے۔ ''سبحان اللہ و بحمدہٖ استغفر اللہ و اتوب الیہ''۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ یہ بہت زیادہ پڑھتے ہیں ''سبحان اللہ و بحمدہٖ استغفر اللہ و اتوب الیہ''۔ آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے یہ خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا، پس جب میں وہ علامت دیکھ لوں تو میں یہ کثرت سے پڑھوں ''سبحان اللہ و بحمدہٖ استغفر اللہ و اتوب الیہ'' پس بے شک میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے وہ علامت '' اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ'' (سورۃ النصر) (یعنی فتح مکہ و عرب پر اسلام کی کامیابی تھی)۔ (صحیح مسلم)۔ بعض روایات میں ہے آپ اس طرح پڑھتے ''سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیہ'' ۔ (جامع البیان)۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اظہار اور اپنی تقصیر کا اقرار ہے۔

کوئی شخص بھی کماحقہ، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوتی ہے، وہ اتنے ہی حقوق ادا کر سکتا ہے اور عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس سے کہیں زیادہ ہیں، جتنے وہ ادا کر رہا ہے تو اس کو اپنے عمل سے حیا آتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں تقصیر کر رہا ہے۔ سو اس کو جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف زیادہ ہوتا ہے اور اس کو اپنے عمل سے اتنی زیادہ حیا آتی ہے اور اتنا زیادہ استغفار کرتا ہے۔ (روح المعانی)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو عظیم نعمتیں عطا فرمائیں ان کے مقابلہ میں آپ اپنی عبادات کو بہت کم خیال فرماتے اور استغفار کرتے تھے۔

حمد و شکر:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی وہ تسبیح کرنے والوں، استغفار کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی بہت توبہ قبول فرماتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے۔ نبی ﷺ معصوم ہیں، پھر بھی

آپ کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے تو دوسروں کو توبہ واستغفار کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔(یعنی بہت زیادہ ہے)۔(الجامع احکام القرآن قرطبیؒ)۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو خیال کرتے ہوئے،اس کی حمد وثنا بہت ضروری ہے۔حمد وثنا، ایک شکر کا اظہار ہے اور شکر کا اظہار طمانیت کا اظہار ہے۔شکر کے جذبات یا اظہار سے انسان کی زندگی میں سکون پیدا ہوتا ہے۔اس کا تجربہ جدید تحقیق نے کیا ہے کہ ایک کیمیکل ڈوپومن انسان کے دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور انسان سکون محسوس کرتا ہے۔اس طریقہ سے جب عبادت یا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو سکون پیدا ہوتا ہے۔"بے شک اللہ کا ذکر دلوں میں اطمینان پیدا کرتا ہے"۔ (قرآن مجید)۔شکر وحمد کی بار بار تاکید کا مقصد جہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت واحسانات کا اقرار ہے،انسان کے اندر شکر کے جذبہ کی وجہ سے انسان کے اندر تسکین پیدا ہوتی ہے۔اس سے زندگی کا سکون حاصل کرنا ہے یہ انسان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی مفید اور آخرت میں بھی فائدہ مند ہے۔

111- سورۃ اللھب

تعارف:۔

اس سورت کا نام، اللھب، المسد، اور تبت، بھی ہے۔ تینوں نام اس کی آیات میں مذکور الفاظ سے ماخوذ ہیں۔ سورت اسلام کے ابتدائی ایام میں مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں پانچ آیات اور ایک رکوع پر مشتمل ہے اس کا ترتیب مصحف کے لحاظ سے نمبر ایک سو گیارہ ہے اور نزول کے لحاظ سے نمبر چھ آیا ہے۔ یہ سورت ''ابو لہب'' کے متعلق ہے اور اس کا انجام بتایا گیا ہے۔ ابو لہب کا معنیٰ شعلہ کا باپ ہے۔ یہ لقب تھا، کیونکہ اس کا چہرہ (رخسار)/شعلہ کی طرح چمکتا تھا۔ اس کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا۔ (اور نبی ﷺ کا حقیقی چچا تھا)۔ اس کی بیوی کی کنیت ام جمیل اور نام اروٰی بنت حرب بن امیہ تھا، جو کہ ابو سفیان کی بہن تھی۔ دونوں میاں بیوی نبی ﷺ کے قریب ترین رشتہ دار ہونے کے باوجود سخت ترین مخالف تھے۔ انہوں نے ساری عمر نبی ﷺ اور اسلام کی مخالفت میں گذار دی۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپ '' وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں (تبلیغ کریں)، نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے صفا پر چڑھ کر، یاصباحا !، کی آواز دی جس کا مقصد سب کو اکٹھا کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے ہر رشتہ دار کا نام لے کر پکارا اور سب جب اکٹھے ہو گئے، تو آپ نے ان سے کہا کہ اگر میں آپ کو کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر آرہا ہے، تو تم تصدیق کرو گے، انہوں نے کہا، کیوں نہیں، کیونکہ آپ نے ہمیشہ سچ بولا ہے اور ہم نے کوئی جھوٹی خبر آپ سے نہیں سنی۔ نبی ﷺ نے ان کو بتوں کی عبادت کے عذاب سے ڈرایا۔ اس پر فوراً ابو لہب نے کہا: تمہارے لیے سارا دن ہلاکت ہو !، کیا تم نے ہم لوگوں کو اس عذاب سے ڈرانے کے لیے بلایا ہے (اور واپس چل دیا)۔ اس موقعہ کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔ (البخاری/المسلم/دلائل النبوۃ)۔

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ جناب ابو طالب اور ابو لہب کی لڑائی ہو گئی۔ (دونوں سگے بھائی تھے)۔ ابو لہب زیادہ زور آور تھا اور جناب ابو طالب کے سینہ پر بیٹھ گیا، تو نبی ﷺ نے اسے گھسیٹ کر ہٹا دیا۔ اس پر ابو لہب ان کا مخالف ہو گیا کہ میں بھی تمہارا چچا تھا، تم نے ابو طالب کی کیوں میرے خلاف مدد کی۔ (فتح الباری)۔

موقع نزول:

ابو لہب کی اسلام دشمنی۔ (بولہبی کردار)۔

صفا کے واقعہ کے بعد ابو لہب اور اس کی بیوی نے، ہر دفعہ نبی ﷺ کی تبلیغ کی مخالفت کی۔ جہاں بھی نبی ﷺ تبلیغ کے لیے گئے وہاں مخالفت کی۔ ذوالمجاز کے بازار میں نبی ﷺ اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے، اس کی

روایت ربیعہ بن عباد دیلمی کرتے ہیں، جو کہ ان کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے۔ نبی ﷺ لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور ان کے پیچھے ایک شخص جو بہت خوبصورت تھا اور دو چوٹیاں تھیں، بھینگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا یہ شخص اپنا دین بدل چکا ہے اور جھوٹا ہے۔ بعد میں (راوی) نے کہا، یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا یہ محمد بن عبداللہ ہیں اور نبوت کا ذکر کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کون شخص ہے جو ان کو جھوٹا کہہ رہا ہے۔ لوگوں نے کہ یہ ان کا چچا ابو لہب ہے۔ (مسند احمد/المعجم الکبیر)۔

نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں رشتہ داری کی بناء پر ابو طالب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ام کلثوم کا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا اور رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ دوسری صاحبزادی رقیہ کا نکاح اس کے بڑے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔ جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بتوں کو برا بھلا کہا اور سورت نازل ہوئی، تو ابو لہب اور اس کی بیوی نے اپنے بیٹوں سے کہا، کہ وہ آپ کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں۔ جس پر عتبہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر بیوی کو طلاق دے دی۔ اسی طرح عتیبہ بھی آپ کے پاس آیا، بد تمیزی کی، حملہ آور ہوا اور قمیض پھاڑ دی اور طلاق دے دی۔ آپ نے اس کے اس رویہ پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ، اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔ وہ قریش کے تاجروں کے ساتھ اس وقت شام کو تجارت کے لیے جا رہا تھا۔ اس سفر میں وہ رات کو ایک مقام پر ٹھہرے، جس کا نام الزرقاء تھا۔ وہ نبی ﷺ کی بد عا سے خوف زدہ تھا اور اس رات وہ سارے لوگوں کے درمیان رات کو سویا۔ رات کو ایک شیر آیا اور اس نے اس کو مار ڈالا، اس واقعہ کے راوی حضرت قتادہ بن دعامہؓ ہیں۔ (معجم الکبیر، دلائل النبوبہ، روح المعانی)۔ علامہ الوسی کے مطابق اس کے تین بیٹے تھے ایک مارا گیا تھا۔ (اس واقعہ میں)۔ دوسرے دو، (عتبہ اور عتیبہ) نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباس کے ذریعہ اسلام قبول کیا اور غزوہ حنین میں شرکت کی۔ (روح المعانی)۔

سورت میں ابو لہب اور اس کی بیوی کے عبرتناک انجام کا ذکر ہے۔ جو کہ واقعات سے ثابت ہو گیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾ ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

تبت اور تباب کا معنی دائمی نقصان یا تباہی ہے۔ (المفردات)۔ اس کا معنی ہلاکت اور ٹوٹنا بھی ہے۔ جب ابو لہب نے نبی ﷺ کی پہلی تبلیغ جو کہ اپنے رشتہ داروں کے اجتماع سے کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر کی اور اس کے فوری تردید ابو لہب نے کر دی اور آپ کو بد دعا دی کہ تمہارا سارا دن ہلاک ہو، تم نے ہم کو کیوں اکٹھا کیا اور مخالف کرتا ہوا،

نکل گیا۔ اس کے جواب میں اس کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں یہ ہلاکت ابو لہب اور کفار کے لیے آئی ہے۔ ابو لہب کی ساری زندگی مسلمانوں اور نبی ﷺ کی دشمنی میں گذری۔ جب آپ کے دوسرے صاحبزادے قاسم فوت ہوئے، تو وہ خوشی سے کفار کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) ابتر ہو گئے ہیں یعنی آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کا ذکر آپ کے اس دنیا سے جانے کے بعد ختم ہو جائے گا اور کوئی بھی آپ کو یاد نہیں کرے گا۔ اس پر اس نے خوشی منائی اور دوسرے دشمنانِ اسلام (سردارانِ مکہ) کو مبارک بادی دیں۔

جب تمام اہل مکہ نے نبی ﷺ سے مقاطعہ کیا، تو تمام بنی ہاشم نبی ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، لیکن ابو لہب حقیقی چچا اور بنی ہاشم سے ہونے کے باوجود، مکہ میں رہا اور نبی ﷺ کی پوری مخالفت کی اور اس مقاطعہ میں اہل مکہ کو نبی ﷺ، جناب ابو طالب اور دوسرے بنی ہاشم کے افراد کی مدد کرنے سے روکتا رہا۔ اس کی ساری زندگی نبی ﷺ کی دشمنی میں گذری حتیٰ کہ نبی ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے چلے گئے۔

قرآن مجید میں برائی اور بے حیائی کے بارے میں احکام اور واقعات ہیں۔ ابو لہب برائی کا ایک ایسا نمونہ تھا جو شروع سے لے کر آخر تک بت پرستی کی ترویج اور اسلام کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا کر دشمنی کرتا رہا۔

اس کی بیوی پوری طرح اس کے ساتھ رہی۔ وہ اپنے بیٹوں کو اس شدید مخالفت میں شامل کرتا رہا، اس کے اس رویہ کی وجہ سے اس کے نام کے ساتھ، اس کی بد بختی کے بارے سورت نازل ہوئی، یہ اللہ کا اپنے پیارے بندوں سے ایک طرف محبت کا اظہار ہے تو ساتھ یہ پیغام بھی ہے کہ جو بھی انسان ایسے کردار کا حامل ہو گا، اس کا انجام ایسا ہی ہو گا۔ کائنات میں جہاں اللہ کے نیک بندے بھی موجود ہیں وہاں شیطان کے خصوصی کارندے بھی ہیں جن کا انجام ابو لہب کا انجام ہو گا۔

مَآ أَغۡنَىٰ عَنۡهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾ اس کے مال اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

سَيَصۡلَىٰ نَارٗا ذَاتَ لَهَبٖ ﴿٣﴾ وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں (میں جائے گا)۔

بولہبی کا کردار:

ابو لہب تجارت کی وجہ سے بنو ہاشم میں زیادہ مضبوط مالی پوزیشن کا مالک تھا۔ اسے اپنے مال اور اپنی اولاد پر بڑا گھمنڈ تھا۔ کسب سے مراد اولاد بھی لیا جاتا ہے۔ وہ شام کو جا کر مال لاتے اور تجارت کرتے۔ اس کا بیٹا، عتیبہ شام تجارت کے لیے جا رہا تھا۔ راستے میں الزرقاء کے مقام پر پڑاؤ کیا، تو وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہاں جنگلی جانور رات کو آتے ہیں۔ عتیبہ نبی ﷺ کی بد عا سے خوف زدہ تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی جانور مجھے نہ مار ڈالے، اس لیے انہوں

نے اونٹوں کوارد گرد بٹھایااور عتیبہ سب لوگوں کے درمیان سو گیا۔رات کو شیر / چیتا آیا،اس نے اونٹوں سے آگے آکر لوگوں کو سونگااور عتیبہ کے سر کو منہ میں دبوچ لیااور اسے مار دیا۔اس کا بہت برا انجام ہوا۔ابو لہب جو اپنی دولت پر گھمنڈ کرتا تھا،اس کی دولت کوئی کام نہ آسکی اس کی اپنی موت بھی بڑی بری ہوئی۔

ابو لہب بھی ،ابو جہل کے ساتھ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔غزوہ بدر پر وہ خود نہ جاسکا،تو اس نے اپنی طرف سے کسی آدمی کو معاوضہ دے کر جنگ کے لیے روانہ کیا۔جب کفار کو شکست ہوئی،تو اسے سخت صدمہ پہنچااور روایت کے مطابق جنگ بدر کے اسباب پر جھگڑا ہوااور ابو لھب نے ام الفضل (بیوی) کو سخت تھپڑ مرا۔اس نے خیمہ کا پایہ (لکڑی)اٹھا کر ماری، جس کی چوب اس کے سر پر لگی اور سر پر زخم آگیا۔اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی نکلتی ہے،جو پھوڑا ہوتا ہے اور جسم گل جاتا ہے،بدبو آرہی ہوتی ہے۔اس بیماری سے وہ مرا۔اس کی لاش تین دن گھر پڑی رہی۔لوگ اس کی لاش سے بیماری کے خوف سے بھاگتے تھے،اس کے لڑکوں کو لوگوں نے ملامت کی کہ اس کو دفن کیوں نہیں کرتے،انہیں بھی بیماری کا خوف تھا۔دوسرے افراد سے مل کر اونچی جگہ سے دیوار کے ساتھ پھینک دیا،اور اوپر پتھر ڈال دے۔اس پر دور سے پانی پھینکا گیا۔(قرطبیؒ)۔

ابو لہب کی دوزخ میں جانے کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔وہ ایمان نہ لا سکااور کفر کی حالت میں مرا،جو اسے یقیناً دوزخ کی آگ میں لے جائے گی۔اس کی موت بھی بڑی المناک تھی۔اس کی بیماری (عدسہ) کی وجہ سے اس کے گھر والے بھی اس سے دور ہو گئے تھے کیونکہ اس کو بھی طاعون کی طرح خطرناک جاناجاتا تھا۔اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اس کی دشمنی کا انجام دشمنانِ اسلام (ابو جہل، عتبہ ،شیبہ) کی طرح بہت برا ہوا۔وہ غزوہ بدر میں مقتول ہوئے اور یہ غزوہ بدر کے بعد مر گیا۔

وَٱمۡرَأَتُهُۥ حَمَّالَةَ ٱلۡحَطَبِ ﴿٤﴾ اور اس کی بیوی بھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے۔

فِي جِيدِهَا حَبۡلٞ مِّن مَّسَدٖ ﴿٥﴾ اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہو گی۔

ابو لہب کی بیوی کا بھی ذکر ہے،کیونکہ وہ بھی اپنے خاوند کی طرح اسلام دشمنی میں کم نہ تھی،بلکہ ہر وقت وہ اسلام کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتی تھی۔اس کا نام اروٰی بنت حرب بنی امیہ تھا۔یہ حضرت معاویہ کے والد ابو سفیان کی بہن اور اس کی کنیت ام جمیل تھی۔یہ بھینگی تھی۔

سورت (اللھب) تبت،کے نزول کے بعد جب اسے پتہ چلا،تو وہ نبی ﷺ سے جھگڑنے کے لیے آپ کی تلاش میں نکلی۔آپ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ میں تھے اور حضرت ابو بکر آپ کے ساتھ تھے۔جب حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا،تو نبی ﷺ سے عرض کی کہ ابو لہب کی بیوی آرہی ہے،وہ سخت بدزبان ہے۔آپ ایک طرف ہو جائیں تاکہ

آپ کوئی مکروہ بات نہ سنیں، جس سے آپ کو رنج ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ اس نے حضرت ابو بکر سے کہا، تمہارے پیغمبر نے ہماری ہجو کی ہے۔ حضرت ابو بکر نے کہا: اللہ کی قسم وہ شعر نہ بناتے ہیں نہ پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا تم ان کی تصدیق کرتے ہو۔ جب وہ چلی گئی تو حضرت ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اس نے آپ کو دیکھا نہیں۔ آپ نے فرمایا: میرے اس کے درمیان ایک فرشتہ تھا جو مجھے چھپائے ہوئے تھا۔ (دلائل النبوۃ/ مصنف ابن ابی شیبہ)۔

حمالہ کا مطلب ہے اٹھا کر لانا۔ الحطب کا معنی لکڑیاں ہیں۔ ام جمیل (ابو لہب کی بیوی) جنگل سے عموماً لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتی اور پھر ان کے کانٹے وغیرہ، نبی ﷺ کے گھر کے سامنے پھینک دیتی، کیونکہ آپ کا گھر بالکل پڑوس میں تھا۔ حمالۃ الحطب، کا معنی لکڑیاں اٹھانے والے کے علاوہ چغل خور کا بھی ہے، کیونکہ وہ بھی چغلی کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ وہ (ابو لہب کی بیوی) چغلیاں بھی کرتی تھی۔ 'جید' کے معنی گردن کے ہیں اور 'مسد' کے معنی بٹی ہوئی رسی یعنی مضبوط رسی ہے۔ بٹنے کی وجہ سے رسی مضبوط ہو جاتی ہے۔ رسی عموماً درخت کی چھال کی بٹی ہوئی ہوتی تھی اور ابو لہب کی بیوی اس سے لکڑیاں باندھتی تھی۔ یہ رسی اس کے گلے کا پھندہ ہو گی۔ اس سے مراد اس کے اعمال ہیں، جو اس کے دوزخ میں جلنے کا سبب ہوں گے، جس طرح یہ رسی اس کے لکڑیاں لانے میں اس کی مددگار اور ضرورت تھی، اسی طرح اس کے اعمال بھی اس کے گلے کا پھندہ بنیں گے۔ جیسے رسی پھندہ بن سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ دوزخ میں آگ کے عذاب کے علاوہ گلے میں رسی ہو گی اس کا پھندہ ہو گا اور یہ رسی آگ میں نہیں جلے گی یعنی اس کا مادہ مختلف ہو گا۔ یہ عذاب کی ایک صورت ہو گی۔

112- سورۃ الاخلاص

تعارف:

سورت الاخلاص، کا نام اس کے موضوع یعنی خالص توحید کی وجہ سے ہے، جو اس سورت میں بیان کی گئی ہے اور یہی نام مشہور ہوا۔ اس کے علاوہ بھی نام ہیں۔ سورت التوحید، سورت المعرفۃ۔ سورت الاساس۔ توحید اور معرفہ، بھی اللہ تعالیٰ کی صفات و معرفت کی وجہ سے ہے، جو اس کے مضمون کا مقصود ہے۔ اسی طرح، الاساس بھی ہے کیونکہ عقیدہ توحید اساسی عقیدہ ہے۔ سورت مکہ شریف کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ جب نبی ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کی۔ بتوں کی عبادت کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے کہا، تو کفار مکہ نے کہا کہ بتایئے! آپ کا الٰہ، یعنی اللہ کون اور کیسا ہے۔ جس کے جواب میں، یہ سورت نازل ہوئی۔

سورت میں چار آیات ہیں اور ایک رکوع ہے۔ ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے اس کا نمبر ایک سو بارہ اور ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر بائیس ہے۔

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ عربوں کے ہاں ایک رواج تھا، جب کسی کے بارے معلومات حاصل کرنی ہوتیں تو کہتے اس کا نسب کیا ہے، یعنی اس کے خاندان اور ذات کے بارے معلومات حاصل کرتے۔ یہی مقصد ان کا تھا کہ اللہ کی جس کی عبادت کے لیے نبی ﷺ کہہ رہے تھے اس کی تفصیل بتائیں۔ ان کے جواب کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورت نازل فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے بارے معلومات بتائی گئیں۔ (ترمذی/بخاری/مسند احمد)۔

عامر بن الطفیل نے نبی ﷺ سے پوچھا "اے محمدؐ"! آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! اللہ کی طرف۔ عامر نے کہا: اچھا تو اس کی کیفیت مجھے بتایئے۔ وہ سونے سے بنا ہوا ہے یا چاندی سے یا لوہے سے؟ اس پر سورت نازل ہوئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب ہمیں بتایئے۔ تو سورت نازل ہوئی (طبرانی، بیہقی/ابن جریر)۔

یہی سوالات، جب نبی ﷺ مدینہ ہجرت کر کے گئے تو یہود (کعب بن اشرف/حی بن اخطب) اور عیسائیوں (نجران کے وفد) نے کئے، کیونکہ یہود کا بھی حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا اور عیسائی عقیدہ تثلیث رکھتے تھے، تو سب کے جواب میں آپ نے، یہ سورت بیان کی۔ اسی بنا پر ایک روایت نزول مدینہ بھی ہے۔ یہ نزول نہیں بلکہ نازل

شدہ سورت کا ذکر تھا۔

فضائل:

موضوع کی وجہ سے سورت کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔

حضرت ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھے؟ صحابہ نے کہا: ہم کیسے تہائی قرآن پڑھ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم شریف)۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے قرآن مجید کے تین حصے کئے ہیں اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (سورۃالاخلاص) کو قرآن کا ایک حصہ (تہائی حصہ) بنایا ہے۔ (صحیح المسلم)۔

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں کہا ہے، کہ قرآن مجید کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ احکام سے متعلق ہے۔ جس میں سارے احکام ہیں اور دوسرا حصہ۔ جزا و سزا کا ہے جو ان احکام کے انکار پر ملے گی یا بطور انعام عمل کرنے پر ملے گی۔ تیسرا حصہ اللہ تعالیٰ کی صفات و کمال کے بارے میں ہے اور یہ تیسرا حصہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے بارے ہیں اس کا خلاصہ سورت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، ہے اسی وجہ سے اس کا نام بھی سورت الاخلاص پڑا ہے۔ (قرطبیؒ)۔

سہیل بن ساعدی، سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے فقر کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ جب گھر جاؤ تو سلام کہو اور گھر میں کوئی نہ ہو تو مجھ پر سلام کہو اور ایک دفعہ سورت ،قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (سورت اخلاص) کو پڑھو۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے رزق میں فراخی کر دی اور اس کے پڑوسی بھی اس سے مستفید ہوئے۔ (تفسیر کبیر، قرطبیؒ)۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اکٹھے ہو جاؤ، میں عنقریب تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا، پھر جنہوں نے جمع ہونا تھا، وہ جمع ہو گئے، پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ نے سورۃ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی، پھر آپ چلے گئے، پھر ہم میں بعض نے کہا: میرے خیال میں نبی ﷺ کے پاس آسمان سے خبر آئی ہے، اس وجہ سے آپ گھر چلے گئے، پھر نبی ﷺ ،ایئے اور فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا۔ سنو بے شک یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم/ترمذی)۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو ایک لشکر میں بھیجا، وہ اپنے اصحاب میں نماز پڑھاتے تھے، وہ سورت پڑھانے کے بعد اخر میں سورۃ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ جب لشکر کے لوگ واپس آئے، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا، ان سے پوچھو، وہ کیوں ایسا کرتے ہیں؟ ان لوگوں نے ان سے پوچھا، تو

انہوں نے کہا: یہ سورت رحمن کی صفت ہے اس لیے میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں، آپ نے فرمایا، ان سے کہو کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری/مسلم/نسائی)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص (حضرت کلثوم بن ھدم) مسجد قباء میں امامت کرتے تھے، وہ جب بھی نماز میں کوئی سورت ملاتے تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے ابتداء کرتے، پھر اس کے بعد اور سورت پڑھتے اور وہ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے تھے۔ ان کے ساتھیوں نے کہا۔ پہلے آپ یہ سورت پڑھتے ہیں اور اس کو کافی نہیں سمجھتے پھر کوئی اور صورت ملاتے ہیں۔ آپ یا تو اسی صورت کو پڑھیں یا اس کو چھوڑ کر کوئی اور سورت پڑھیں۔ انہوں نے کہا میں اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ تم کو پسند ہو تو امامت کراؤں گا اور پسند نہ ہو تو امامت نہ کراؤں گا۔ لوگ ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ کسی اور کو امام بنانا، ناپسند کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ وہاں آئے تو انہوں نے آپ کو واقعہ سنایا۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم اپنے ساتھیوں کی بات کیوں نہیں مانتے۔ اور ہر رکعت میں اس سورت کو پڑھنے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سورت کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا۔ (بخاری/ترمذی)۔

عموماً نماز کے ساتھ صورت الاخلاص اور معوذتین کو بھی حفظ کرایا جاتا ہے تاکہ نماز کے پڑھنے میں آسانی ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کہو! (اے نبی) وہ اللہ ایک ہے۔

خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے، لیکن اس کا مخاطب ہر مسلمان ہے۔ اس وقت کفار نے سوال نبی ﷺ سے کیا تھا، اس لیے جواب اسی طرح آیا ہے۔

اللہ کے وجود کے بارے میں عربوں میں ایک اندازہ تھا، جب مکہ پر ابرہ کا حملہ ہوا، تو وہاں بتوں کے باوجود انہوں نے اللہ کے حوالے کر کے مکہ سے چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ بت تھے ان کو وہ اللہ کا نمائندہ تصور کرتے۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے۔ اس سب کے انکار کے باوجود وہ ایک طاقت پر یقین رکھتے تھے، جو سب سے بڑی ہے۔ ان کے اس یقین کو کئی بار مختلف صورتوں میں ان کے عمل اور اقرار سے قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً جب طوفان میں گھر جائیں تو اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور جب طوفان سے نکل جاتے ہیں تو بھول جاتے ہیں۔ (سورت یونس ۲۲)۔

اگر کوئی ان سے پوچھے کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہتے ہیں اللہ۔ (زخرف ۸۹)۔

اس طرح انسان سے کوئی پوچھے کہ بارش کون برساتا ہے خشک زمین سے سبزہ کون نکالتا ہے تو وہ کہیں گے ''اللہ'' (سورت عنکبوت ۶۳۔۶۱)، یہ ایک اشارہ ہے کہ ان کے خیالات میں اللہ کا تصور تھا لیکن واضح نہیں تھا۔

جب کفار نے سوال کیا، کہ جس ذات کی عبادت کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں، اس کے بارے بتائیں تو لفظ ''اللہ احد'' سے ان کے سوالات کا جواب مل جاتا ہے کہ وہ ذات ہے جو یکتا ہے یعنی نہ صرف واحد ہے بلکہ یکتا ہے اس کی مثل کوئی نہیں۔ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے۔ طوفان میں بچانے والا اور زمین سے رزق یا سبزہ پیدا کرنے والا اور بارش لانے والا ہے۔ ان کو جواب دیا گیا کہ وہ ذات واحد و یکتا ہے۔ اس کی بندگی کی طرف بلاتا ہوں جو سب کو رزق دینے والا پیدا کرنے والا، زمین و آسمان بنانے والا، ان کو قائم کرنے والا، موت و زندگی دینے والا ہے۔

کفار مکہ نے بہت سارے بت بنا رکھے تھے، جن کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ کی ذات واحد ہے بلکہ احد ہے۔ 'احد' کو اللہ کی ذات کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ واحد کے معنی ایک ہیں لیکن یہ ایک، کثرت کے معنی بھی دیتا ہے مثلاً ایک قوم۔ ایک ملک، ایک شہر، جن کے اندر کثرت بھی ہوتی ہے، لیکن احد کے بعد وحدت ہی وحدت ہے، کثرت نہیں، اس لیے یہ صرف اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ یعنی اس کی الہوہیت میں کسی اور کا حصہ نہیں۔ وہ تنہا ہی مالک و خالق، مدبر، منظم، رزاق ہے۔ وہ ایک ہے ہمیشہ ایک رہے گا۔ اس کی ذات واحد تنہا ہے، کوئی مرکب نہیں۔ کوئی تقسیم و اجزاء (جز) نہیں، جو صورت و شکل رکھتی ہو۔ جگہ یا اعضا ہوں۔ سمت یا جہت ہو، کوئی اس میں تغیر و تبدل ہو، بلکہ صرف ایک ہے اور ہر عیب سے پاک ہے۔

مجوس اور زرتشتوں کے نزدیک ایک نیکی کا خدا یزداں ہے اور ایک برائی کا ہے جس کا نام اہرمن ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے تین کے مجموعہ کو اللہ کا نام دیا ہے۔ ان سب کی تردید کر دی گئی ہے۔

اللہ کی واحدانیت کے عقلی دلائل بھی ہیں۔ کائنات کے نظام کی یکسانیت، ایک خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اگر مختلف خدا ہوتے تو کائنات کا نظام اختلاف حکم کی وجہ سے تباہ ہو گیا ہوتا۔ اگر وہ اپنے فیصلہ میں خود مختار نہیں ہوتے، تو وہ خدا بھی نہیں ہوتے بلکہ ماتحت ہوتے۔

اللَّهُ ٱلصَّمَدُ ۝٢ اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کا لغوی معنی ہے جس کی طرف ضروریات اور حاجات کی تکمیل کے لیے قصد کیا جائے۔ اسے کسی کی ضرورت یا حاجت نہ ہو، بلکہ دوسروں کو اس کی ضرورت ہو۔ یہ بڑے سردار کی صفت ہے۔ ایسا شخص جس سے کوئی دوسرا بالاتر نہ ہو۔ سارے اس سے کم تر ہوں۔

صحابہ و تابعین کرام نے جو الصمد کی تفسیر و تعبیر کی ہیں وہ تحریر ہیں۔

حضرت علی، عکرمہ اور کعب، کے مطابق صمد، وہ ہے جس سے بالا تر کوئی نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: وہ سردار جس کی سیادت کامل اور انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ حضرت ابوہریرہ: وہ جو سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج ہوں۔ امام جعفر صادق کا قول ہے، جو ہمیشہ غالب اور کبھی مغلوب نہ ہو۔ جو تمام تغیرات و نقصانات سے پاک ہو، زمان و مکان سے مبرّا ہو۔ الاصم نے کہا: الصمد وہ ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہو۔ السدی نے کہا: وہ ذات جس سے مقاصد کے حصول کے لیے اور مصیبتوں سے بچنے کے لیے فریاد کی جائے۔ حسین بن فضل نے کہا: صمد وہ ہے جو جس چیز کو چاہے وہ کرے اور اپنے ہر ارادہ کو پورا کرے اور اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہ ہو۔

سعید بن جبیر: وہ جو اپنی صفات ذوالجلال میں کامل ہو۔ مقاتل بن حیانؓ نے کہا: وہ جو بے عیب ہو۔ حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے: جو باقی رہنے والا اور لازوال ہو۔ مرۃ الہمدانی کا قول ہے کہ: وہ جو اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے ضرور کرے اور جو کام چاہے کر لے۔ اس کے حکم اور فیصلہ پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہ ہو۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں: وہ جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں کے لیے رجوع کریں۔ ان تمام اوصاف کے بعد 'صمد' کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور اس کا استعمال ''اللہ الصمد'' میں معلوم ہوتا ہے۔ اس ذات کو ایک طرف تو ''احد'' کے ذریعے اس کی عظمت بیان کی گئی ہے اور ساتھ ''صمد'' کے ذریعے توصیف کی گئی ہے۔ مزید عظمت کے لیے اللہ الصمد کہا گیا ہے۔

معرف بالام کے ذریعے مزید تفخیم و تعظیم ظاہر کی گئی ہے۔ صمدیت کامل و اکمل ہے۔ غیر فانی ہے۔ ہر چیز اپنی بقاو وجود، حاجات و ضروریات کے لیے اس کی طرف ہی رجوع کرتی ہے۔ صمد کی وجہ سے ہی قابل عبادت ہے، کیونکہ انسان اس کا محتاج ہے۔ جو حاجت روائی کی طاقت اور اختیار نہ رکھتا ہو، وہ عبادت کے لائق کیا ہو گا؟ اور کیسے ہو گا۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

آیت میں انسانی عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ انسان نے اللہ کے تصور کے ساتھ انسانی تصور کی بنیاد پر خیال کیا اور اس سے تعلق جسم کا انداز اپنایا۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے۔ اسی طرح اہل کتاب یعنی انبیاء کی امتوں نے بھی اسی طرح ایک تعلق مجازی پیدا کر دیا۔ جس طرح یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا یا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا۔ ان کا یہ تعلق بھی مجازی تھا، جسمانی طور پر نہیں تھا۔ یہ نسبت و تعلق بھی غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ متبنیٰ یا مجازی طور پر کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ یہ ایک نقص ہے، اور اس سے جسمانی رشتہ کا وہم بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے واضح کر دیا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں اور اس کی صمدیت کی تکمیل بھی یہی ہے کہ اس کے کوئی لوازم نہیں ہوں گے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی تردید کر دی کہ وہ بھی کسی کی اولاد نہیں۔ اس کا اگرچہ کوئی قائل نہیں کہ اللہ کسی کی اولاد

ہے لیکن ایک تصور یا ایک سلسلہ تو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا کہ نسبی تعلق یا کسی بھی طرح کا انسانی تعلق پیدا ہونا ہو یا پیدا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات ان عیوب و قیود سے پاک و برتر ہے۔ اسے کسی خاندان، تعلق کی ضرورت نہیں۔ وہ ان سے پاک ہے۔ اولاد کے اسباب میں اجسام کا تعلق ہے۔ اولاد جسم کا حصہ سے تعلق ہے۔ اس طرح اس سے توالد و تناسل یعنی کسی کے فنا ہونے اور اس کے بعد اس کی جنس سے بقا ہونے کا سلسلہ نکلتا ہے تاکہ وجود کا سلسلہ نسلی قائم رہے۔ یہ تمام کمزوریاں اور عیوب ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔ جتنی بھی ضرورت اور حاجت یا وارث کی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے، یہ سارے اوصاف کمزوری اور فانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات الصمد ہے اور ان تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔

یہ تمام خیالات و تصورات شرک کی طرف لے جاتے ہیں لہٰذا ان کی تردید کر دی گئی ہے۔ دوسری آیات کے ذریعے بھی ان خیالات و تصورات کی واضح تردید کی گئی ہے

وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿٤﴾ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

جب اولاد سے نفی کی گئی تو کفو کا بھی ذکر کر دیا گیا اور اس کی بھی نفی کر دی گئی۔ کفو کے معنی نظیر، مشابہ، ہم مرتبہ، مساوی ہیں۔ عام طور پر کفو کو برادری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور برادری میں برابری کا مطلب مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی برابری یا جوڑ ساری کائنات میں نہیں۔ اس کی مثل نہ کائنات میں تھا، نہ ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرح اس کے ہم مرتبہ، ہو خواہ صفات ہوں یا افعال ہوں یا اختیارات ہوں کسی بھی طرح کوئی بھی وجود مشابہت نہیں رکھتا اور نہ رکھ سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی، اس کے لیے یہ جائز نہیں تھا۔ ابن آدم کی تکذیب یہ ہے کہ اس نے کہا: کہ وہ (اللہ) اس کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا، جیسے پہلے پیدا کیا تھا، حالانکہ پہلے پیدا کرنا، دوبارہ پیدا کرنے سے آسان نہیں ہے۔ اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا 'اللہ نے بیٹا بنالیا' حالانکہ میں الاحد الصمد ہوں (واحد ۔بے نیاز)، نہ میری اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ میرا کوئی کفو (ہم سر) ہے۔ (بخاری)۔

سورت الاخلاص قرآن مجید میں اللہ کی صفات کے تمام اوصاف کی تکمیل ہے اور شرک سے متعلق امکانات کی تردید ہے۔ اسباب کا استعمال شرک نہیں، کیونکہ اسباب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان کی نظام کائنات میں ضرورت اور عمل ہے، البتہ سبب کو مسبّب نہیں جاننا چاہیے۔ یہ گناہ ہے اور اسے اگر حقیقی مسبّب سمجھا جائے تو شرک کا ارتکاب ہوگا۔ (سورت الاخلاص مکمل ہوئی)۔

113- سورۃالفلق

تعارف:۔

سورت مکہ شریف کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جو اس کے مضامین اور انداز بیان سے مناسبت رکھتا ہے۔ سورت کا نام پہلی آیت میں لفظ ''الفلق'' کی وجہ سے ہے۔ حضرت حسن بصری، عطاء، عکرمہ اور جابر بن زید اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ایک روایت جو کہ حضرت عبداللہ بن زبیر، قتادہ اور حضرت ابن عباس سے بھی ہے کہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی، مدینہ شریف کے نزول کے بارے میں حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے جس کے بارے ذکر ہے کہ یہود کے جادو کا اثر مدینہ میں ہوا اور اس آیت کے نزول کے بعد وہ ختم ہو گیا۔اکثر علماء کا خیال ہے آیات (سورت) مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ مشرکین مکہ نے نبی ﷺ کو تبلیغ اسلام سے روکنے کے لیے تمام ہتھکنڈے استعمال کئے جو وہ کر سکتے تھے، جادو، مخالفت، مجنون یا جادو گر کہنا، ہر طرح سے آپ کو روکنے کی کوشش کی جس میں جادو بھی شامل ہو گا۔اس کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ آپ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔آپ نے مکہ سے ہجرت کی۔ابو جہل کہتا تھا کہ ہمارا مقابلہ 'بنی مناف' سے ہے۔پہلے مکہ کی تولیت ان کا پاس تھی اب وہ نبوت بھی لے رہے ہیں۔(اعلان نبوت کے بعد) ہم اس کو کبھی نہیں مانیں گے (بحوالہ تاریخ ابن ہشام)۔

سورت پانچ آیات اور ایک رکوع پر مشتمل ہے۔ ترتیب نزول کے لحاظ سے اس کا نمبر بیس (۲۰) اور ترتیب قرآن مجید کے لحاظ سے ایک سو تیرہ ہے۔

فضیلت:

سورت میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی سواری پر چلے جا رہے تھے اور میں آپ کے قدم مبارک پر ہاتھ رکھے ہوئے ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے عرض کیا، مجھ کو سورت ھود یا سورت یوسف سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بندے کے لیے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نافع چیز نہیں ہے۔(الحاکم للمستدرک)۔

ایک روایت حضرت عقبہ بن عامر سے ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ہر نماز کے بعد معوذتین (قل ھوالاحد/معوذتین) پڑھنے کی ہدایت کی۔(ترمذی/نسائی/مسند احمد/ابوداؤ)۔

حضرت عبداللہ بن عباس الجہنی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابن عابس! کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ پناہ مانگنے والوں نے جتنی چیزوں کے ذریعہ اللہ سے پناہ مانگی ہے۔ ان سب سے افضل کون سی چیز ہے میں نے عرض کی ضرور، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہ دونوں سورتیں ہیں (نسائی/بغوی)۔

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو دو سورتیں پسند ہیں وہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ، جنات کی نظر اور انسانوں کی نظر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے۔ حتیٰ کہ المعوذتین (دو سورتیں) نازل ہوئیں تو آپ نے ان کو پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے علاوہ دعاؤں کو ترک کر دیا۔ (سنن ترمذی/نسائی/ابن ماجہ)۔

معوذتین اور حضرت ابن مسعود کا صحیفہ:

صحابہ کرام جو کتابت سے آگاہ تھے، انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق، قران مجید کی آیات یا سورتوں کو تحریر کر کے رکھا ہوا تھا۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن حارث، حضرت عبداللہ بن مسعود، وہ صحابہ کرام تھے جن کو قرآن مجید کا بڑا علم تھا، یعنی حفاظ تھے، قرآن مجید کا علم تشریعی بھی نبی ﷺ سے سیکھا تھا۔ ان کے پاس ان کے تحریر کردہ مسودے بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، کو اہل کوفہ کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ آپ نے وہاں لوگوں کو قرآن مجید، حدیث اور اسلام کی تعلیم دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے صحیفے میں یہ دو سورتیں تحریر نہیں تھیں اور وہ ان دونوں کو دم کرنے کے لیے پڑھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان دو سورتوں کا نزول صرف دم کرنے کے لیے ہے، جب کہ باقی صحابہ کرام ان کو قرآن مجید کا حصہ مانتے تھے جس طرح نبی ﷺ نے ان کی قرآن مجید کے حصہ کے طور پر تلاوت کی اور ان کو تحریر بھی کروایا۔

حضرت ابو بکر نے قرآن مجید کو حکومتی نگرانی میں حضرت زید بن ثابت کی سربراہی میں ہر ایت کی دو افراد کی تصدیق کرنے کے بعد تحریر کروایا تھا۔ تصدیق شدہ قران مجید کو حکومتی ذمہ داری پر محفوظ کر دیا اور یہ نسخہ ریاستی ملکیت اور مستند نسخہ رہا۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ حکومت میں اسلامی حکومت بہت پھیل چکی تھی۔ غیر عربی اقوام کثیر تعداد میں شامل ہو گئیں جس کی وجہ سے لہجوں کا اختلاف ظاہر ہو گیا۔ اس کو ختم کرنے کے لیے آپ نے اپنے دور حکومت میں قرآن مجید کو ہاشمی لہجہ کے مطابق دوبارہ لکھوا کر اس کی نقول (کاپیاں) تحریر کروا کر تمام گورنروں کو روانہ کیں۔ آپ نے دوسرے ذاتی مسودات کو تلف کر دینے کا حکم دیا۔ صوبائی گورنروں کو بھی ہدایت کی کہ یکسانیت کو رکھنے کے لیے

صرف اسی مسودے کے مطابق قرآن مجید پڑھیں اور پڑھائیں , دوسرے مسودوں کو تلف کر دیا جائے۔ جو ذاتی مسودے مختلف افراد کے پاس نامکمل ہیں۔ان کی وجہ سے ابہام پیدا نہ ہو، آپ نے مدینہ شریف میں ذاتی مسودات کو تلف کرادیا۔ شاہد یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا مسودہ، اہل کوفہ میں رہااور اس میں یہ آیات نہیں تھیں لیکن تمام صحابہ کرام کا اجماع تھا کہ یہ آیات (سورتیں) قرآن مجید کا حصہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کو قبول نہیں کیا گیا۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں اجماع کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا اس لیے واضح نہیں تھا، لیکن حضرت عثمان نے اس کا اہتمام کیا، جس کی وجہ سے انہیں 'جامع قرآن' کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا کوفہ میں ذمہ داریوں کی وجہ سے ان کا نسخہ رہ گیا اور تلف نہ ہو سکا یا ان کو اس اجماع کی اطلاع نہ مل سکی۔ علامہ الوسی (صاحب روح المعانی) کے مطابق انہوں نے اپنے انکار کی رائے سے بھی رجوع کر لیا تھا۔ اس رجوع کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول سے ہوتی ہے جو کہ امام طبرانی نے المعجم الوسیط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے ان دو سورتوں سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تھا۔ تو میں نے پڑھا۔ (المعجم الوسیط للطبرانی)۔

اب اجماع کے مطابق اس کا انکار کہ معوذتین قرآن کا حصہ نہیں، کفر ہے۔ دشمنان اسلام، اس طرح کی متروکہ روایات کو ہمیشہ اسلام کے مفاد کے خلاف استعمال کرتے ہیں حالانکہ قدیم علماء نے دیانت داری کے ساتھ تمام آراء کا ذکر کیا ہے جس میں اجماع کا بھی ذکر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلۡفَلَقِ ① آپ کہیے (اے نبی)! صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔

مِن شَرِّ مَا خَلَقَ ② اس کی بنائی ہو ہر چیز کے شر سے۔

وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ③ اور اندھیری رت کے شر سے جب وہ چھا جائے۔

آیت مبارکہ میں خطاب تو نبی ﷺ سے ہے لیکن مقصود تمام امت کے افراد ہیں کیونکہ آپ کے ذریعے ہی پیغام انسانوں تک پہنچا دیا گیا ہے۔ پناہ مانگنے کا مطلب کسی فرد کا عاجزی یا کمزوری اور بے بسی کا اقرار اور اظہار ہے۔ پناہ

مانگنے والا کسی تکلیف یا پریشانی، مشکل میں گرفتار ہوتا ہے اور اپنی قوت اور استطاعت سے اس کو حل نہیں کر سکتا۔ اسے کسی اور قوت جو اس کی ذات سے بلند تر اور قوی ہو، اس کی مدد کی ضرورت رہتی ہے یا ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے، کہ کسی فرد کو کسی طرف سے خوف اور پریشانی کا خطرہ ہے جس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسے اس سے بچنے کے لیے کسی دوسری بڑی قوت کا سہارا مطلوب ہوتا ہے تاکہ اپنا بچاؤ کر سکے۔ دونوں صورتوں میں کمزوری کا اعتراف ہے۔ جب کسی کی پناہ لی جاتی ہے تو اس کی قوت کا اقرار اور یقین ہوتا ہے۔ اس میں ایک پناہ لینے والا جو کمزور ہے اور ایک ذات، بچانے والی، مدد کرنے والی، پناہ دینے والی ہے جو قوی اور طاقتور ہے۔

زندگی کے واقعات میں انسان ساری قوتوں اور انعامات الٰہی ہونے کے باوجود کمزور ہوتا ہے۔ زمانہ میں اس کے اعمال لیے مشکل پیدا کر دیتے ہیں۔ انسان کی ذات کے علاوہ خارجی عوامل بھی اسے پریشان کرتے ہیں اور اس کی مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔ اس میں سر فہرست شیطان یا ابلیس کا بہکاوا ہے۔

ابلیس کا مقصد، انسانوں کو گمراہ کرنا اور عذاب الٰہی میں ڈالنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ ضروری ہے۔ دنیا کے معاملات میں بھی انسانی استعداد پوری طرح نہیں ہو سکتی اور اگر بہت سارے وسائل موجود بھی ہوں تو ان کا استعمال اور نتیجہ، انسان کی خواہشات اور توقعات کے مطابق نہیں ہوتا، اس لیے ان امور میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد و پناہ کی ضرورت رہتی ہے۔ اہل عقل و علم ہر وقت اللہ کی پناہ اور حفاظت طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی جن قوتوں اور اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے، وہ مصائب کی پناہ سے تعلق رکھتے ہیں، رات کا وجود، اندھیرا جس میں انسان بلکہ ہر دیکھنے والے کی بصارت، روشنی نہ ہونے کی وجہ سے کار آمد نہیں رہتی اور اس کے لیے خطرات و تکالیف بڑھ جاتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی قوت کا اظہار، صبح کے نکالنے والے سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قوت و حکمت (نظام) سے رات کے اندھیرے کو ختم کر کے، صبح کی روشنی، انسانیت و مخلوقات کے لیے نکل آتی ہے۔ انسانوں، جانداروں، پرندوں سب میں حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے لیے آنے والی تکلیف یا دشمن کو دیکھ بھی لیتے ہیں۔ اللہ کے نظام قدرت سے زمین کی سطح جو بظاہر سخت (ملی ہوئی) ہوتی ہے۔ اس کو پھاڑ کر ایک بیج سے پودا نکلتا ہے۔ ایک بے جان ذرے (بیج) یا دانے سے جاندار پودا نکل آتا ہے۔ رب الفلق صرف اندھیرے کے لیے نہیں بلکہ تمام اشیاء کی خصوصیات/صفات کو پھاڑنے یا ظاہر کرنے کی طاقت رکھنے والی ذات ہے۔

جسمانی تکالیف، مادی و سماجی مشکلات سے اللہ کی پناہ کی درخواست کے ساتھ یہاں مراد روحانی مشکلات کی پناہ بھی ہے۔ روحانی مشکلات، بسا اوقات، مادی مشکلات سے بڑھ جاتی ہیں۔ روحانی مشکلات و مصائب کا بڑا سبب شیطان ہے۔ اس کے ساتھ اس کی راہ پر چلنے والے اس کے تابع انسان بھی ہیں۔ وہ خود بھی اس کی راہ پر چلتے ہیں اور دوسروں کو

بھی ساتھ ملا لیتے ہیں۔ ان سے پناہ کے لیے ذات ربانی بہت بڑا ذریعہ ہے، جس کی قوت کا اظہار، روشنی اور صبح سے کیا ہے پھر اس کی مزید عظمت اس کی مخلوق سے ظاہر ہے۔ وہ تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے جس میں مختلف قسم کی استعداد ہیں۔ سب سے زیادہ فعال، انسانی ذات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کی استعداد اور عقل و سمجھ کی قوت دی ہے۔ اس کے استعمال کا اختیار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، ان کو اچھے برے اعمال کی استعداد دی۔ نیک اعمال کو پسند کرنے کا اعلان فرمایا اور برائی کے اعمال سے بچنے کا حکم دیا اور ان کو ناپسند کیا۔

انسان کے برے اعمال سے بچنا ضروری ہے، برے اعمال روحانی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ ان اعمال سے پناہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات جو تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے، وہی دے سکتا ہے۔ اہل عقل کے نزدیک روحانی بیماریوں یا مشکلات اور خطرت سے پناہ، دنیا کے مادی مفادات سے کہیں بلند تر ہے۔ نبی ﷺ اپنی دعاؤں میں ان آیات کے نزول سے قبل پناہ مانگتے تھے۔ معوذتین کے نزول کے بعد ان کے ذریعہ (قرأت) سے پناہ مانگتے تھے۔ مخلوق کے ظلم و ستم، دھوکہ اور فریب سے بہترین پناہ، مخلوق کے خالق کی ذات ہے۔ دوسری کیفیت جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ رات ہے۔ رات اور دن اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ ان کا مقصد ہے، اسی طرح خیر و شر بھی اللہ کے پیدا کردہ ہیں لیکن خیر کی ترغیب اور کرنے کا حکم دیا ہے۔ شر سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ رات کی اہمیت اپنی جگہ ہے، لیکن رات کے اندھیرے کو انسان شر کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر حملہ کرنا، چوری کرنا، اخلاقی جرائم، جن کو لوگوں کے سامنے کرنے سے ڈر لگتا ہے، رات کے اندھیرے کو انسان بہترین موقعہ سمجھ کر کرتا ہے۔ اس لیے رات کو تشبیہات میں شر کے لیے اور روشنی کو خیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ رات جس قدر چھا جائے گی اتنا اندھیرا شدید ہو گا اور مجرم لوگ زیادہ جرائم کرنے پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ آیاتِ مبارکہ میں رات کے چھا جانے اور اس کے درمیان برے اعمال کرنے سے، یا ان اعمال کے برے اثرات سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ انسانی خصوصیات، عقل، علم، اختیار کی وجہ سے انسان شر کو اختیار کر لیتا ہے اور برائی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایسی اخلاقی، مذہبی اور سماجی برائیوں کا ذکر اگلی آیات مبارکہ میں ہے۔

وَمِن شَرِّ ٱلنَّفَّٰثَٰتِ فِي ٱلْعُقَدِ ۝ گرہوں میں پھونک مرنے والوں کے شر سے۔

انسانی شرور میں انسان کے علم کا غلط استعمال ہے جس کی ایک قدیم مثال جادو ہے۔ جادو کے بارے سورت بقرہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ عرب اور دوسرے علاقوں میں زمانہ قدیم میں جادو کا استعمال ہوتا تھا۔ جدید سائنس اس کو نہیں مانتی کیونکہ اس کے اسباب و نتائج میں تعلق واضح نہیں ہوتا، جس کی بار بار تصدیق کی جا سکے اور ثابت ہو سکے۔ تاریخ میں لوگوں کے انفرادی اعمال اور واقعات بطور ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔ مذہبی نقطہ نظر سے اس کے عوامل میں جنات کا استعمال ہے جو فساد اور شر میں مصروف رہتے ہیں۔ انسان کچھ کفریہ کلمات اور اعمال کے ذریعے ان سے رابطہ کر کے ان

کو استعمال کرتا ہے۔ یہ اعمال مختلف قسم کے ہوتے ہیں جو چھپا کر کئے جاتے ہیں اور پیچیدہ ہوتے ہیں اس لیے آیت مبارکہ میں ان کو گروہوں میں پھونک مارنے سے ظاہر کیا گیا ہے۔تانیث (مادہ) کا صیغہ (لفظ) استعمال ہوا ہے۔تانیث کا یہاں مقصد اس وقت اس (جادو کے) عمل کو جو جنس زیادہ ماہر تھی اس کا ذکر ہے۔ عورتیں، عربوں (حجاز) میں جادو کرنے میں زیادہ مشہور تھیں اگرچہ جادو دونوں مرد اور عورت کر سکتے ہیں۔

تانیث کے لفظ سے ایک اور اشارہ مونث یعنی عورت کا مرد پر اثر ہے۔ مرد کے اندر جو عورت کے لیے رغبت پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے اگر عورت (مونث) چاہے تو مذکر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عموماً چالاک لوگ جاسوسی، برے مطالب یا مقاصد کے لیے بدکردار عورتوں یا مردوں کو استعمال کر کے ناجائز فائدے اٹھاتے ہیں۔جو جادو کی طرح ایک برا عمل ہے۔ عموماً عورت کے جمال و انداز سے مرد سحر زدہ ہو جاتے ہیں۔ (زمخشری)۔

جادو، اسلام میں حرام ہے، جادوگر کی سزا موت ہے، جب یہ تحقیق سے ثابت ہو جائے، اسے صرف حکومت ہی نافذ کر سکتی ہے۔ جادو کرنے کے لیے شیطانی کلمات اور اعمال کرنے پڑتے ہیں، جو ایمان کو زائل کر دیتے ہیں اور جنات سے ایک تعلق پیدا کر دیتے ہیں۔اس کا ذکر سورت جن میں ہے کہ جن وانسان ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ایک حدیث جو کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سات چیزوں سے منع فرمایا۔

(۱): شرک کرنا۔(۲):۔ جادو کرنا۔(۳):، ناحق قتل کرنا جو حرام ہے، (سارے انسان برابر ہیں)۔(۴):۔ سود کھانا (ضرورتمند پر ظلم ہے)۔(۵):۔ یتیم کا مال کھانا۔(۶):۔ جہاد سے میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں بھاگنا۔ (۷):۔ پاکدامن عورت پر تہمت (زنا) لگانا۔

اگر غور کریں تو یہ چھ جرائم ہیں جو کسی بھی معاشرہ میں پھیل جائیں تو وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جادو کے اسباب میں انسان کا منفی کردار ہے کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی کے علم، عزت، دولت، کی وجہ سے حسد کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے۔ کہ وہ اس سے چھن جائے، اس کے لیے وہ بظاہر کوئی ذریعہ استعمال نہیں کر سکتا، تو چھپ کر جادو کرتا ہے دوسرا، اس سے مقصد دھوکہ ہے، لیکن اس کا بھی محرک، حسد اور بغض ہوتا ہے۔

جادو اور انبیاء:۔

حضرت عامر الجہنی اور دوسری روایات سے بھی نبی ﷺ پر یہود کے جادو کرنے اور اس کے اثرات کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کو مستشرقین یعنی مغربی درسگاہوں میں مشرق پر تحقیق کرنے والے افراد نے خوب اچھالا اور غلط آراء

قائم کرنے کی کوشش کی۔ بنی نضیر کی جلا وطنی اور خیبر کی فتح کے بعد یہود نے نبی ﷺ پر جادو کے ذریعہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

صلح حدیبیہ کے بعد تقریباً سال ۷ ہجری کو خیبر کے یہودی، ایک یہودی جادو گر، جو مدینہ میں رہتا تھا، کے پاس آئے، شکایت کی کہ وہ مسلمانوں اور نبی ﷺ کو لڑائی کے ذریعہ نقصان نہیں پہنچا سکتے، اَب صرف ایک طریقہ رہ گیا ہے وہ ان پر جادو کرنا ہے، اس کو ازمانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے لبید بن اصم سے اصرار کیا کہ وہ یہ عمل کرے۔ ایک روایت ہے کہ اس کی بیٹیاں، جادو کرنے میں مشہور تھیں۔ انہوں نے لبید سے کہا کہ وہ ان کے ذریعے جادو کرے۔ لبید بھی ایک جادو گر تھا۔ یہ دونوں مل کر یہ کام کریں۔ بحث و مباحثہ کے بعد لبید راضی ہو گیا یا اس کی بیٹیوں نے حامی بھر لی۔

جادو کرنے کے لیے جس شخص پر جادو کرنا مقصود ہو اس کے جسم کے اعضاء یا کوئی مستقل حصہ بطور رابطہ (شناخت) استعمال ہوتا ہے مثلاً ناخن، بال وغیرہ۔ اب اہم مرحلہ یہ تھا کہ کسی طرح نبی ﷺ کے جسم مبارک سے متصل کوئی لباس یا اور چیز حاصل کی جائے، جسے استعمال کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک یہودی لڑکے کا انتخاب کیا، جو نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔ نبی ﷺ اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے ہر انسان کے لیے سراپا رحمت تھے۔ یہ لڑکا بھی کسی طریقے سے راضی ہو گیا۔ اس نے نبی ﷺ کے بال مبارک اور کنگھی کا ایک ٹکڑا ان کو دے دیا۔ جس کے ذریعے انہوں نے جادو کیا۔ جادو، لبید نے کیا یا اس کی لڑکیوں نے، اس کے بارے اختلاف رائے ہے۔

جادو کے کافی عرصہ تقریباً سال، ڈیڑھ سال، بعد اس کا اثر آپ کی طبیعت پر ہوا، جس کے نتیجہ میں آپ کی طبیعت میں اضمحلال (تنگی) آنا شروع ہو گئی۔ ذاتی امور بھولنا شروع ہو گئے۔ ازواج مطہرات کے بارے بھول جاتے، کسی چیز کو دیکھتے، پھر وہ یاد نہیں رہتی، جسم کمزور ہونا شروع ہو گیا۔ سارے اثرات جسمانی تھے۔ دینی امور کا سلسلہ بالکل صحیح تھا، اس لیے اس کے بارے صرف حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، جو خانگی امور سے تھی۔ باہر کے وفود سے آپ ملاقات کرتے، نماز اور درس کا سلسلہ رہتا۔ تلاوت فقہی مسائل، انتظامی امور، تبلیغ، وعظ، خطبہ سارے امور چل رہے تھے۔ ان میں کوئی کمی یا خلل محسوس نہیں کیا گیا۔ اس دوران جب درد اور کمزوری شدید محسوس ہوئی، تو آپ کو نیند کے دوران فرشتے نظر آئے، جنہوں نے اس امر کا ذکر کیا اور اس کے علاج کے طور پر ان دو سورتوں (معوذتین) کا ذکر کیا، ساتھ ہی جادو کا مقام بھی ظاہر کیا کہ اس کنویں کے اندر کیا گیا ہے۔

نیند کے بعد آپ نے اس کا ذکر کیا، حضرت علیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا کہ وہ کنویں میں جا کر تلاش کریں۔ جادو کرنے والے کا تعلق، قبیلہ بنی زریق سے تھا۔ اس لیے قبیلہ بنی زریق سے حضرت جبیر بن ایاس الزرقی اور قیس بن محسن الزرقی بھی ساتھ گئے، تاکہ واقعہ کے شاہد قبیلہ میں سے ہوں۔ نبی ﷺ ہمیشہ معاملات میں

انصاف وعدل کے تقاضوں اور صداقت کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ یہ حضرات وہاں گئے،اور کنویں کے ارد گرد دیکھا کہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے پانی نکالنے کا حکم دیا۔ پانی نکالا گیا تو ایک جگہ گہری کر کے پتھر رکھا گیا تھا، جب اس کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے ایک کپڑے کا غلاف نکلا۔ جس میں ٹوٹی پھوٹی کنگھی بالوں کے ساتھ ایک دھاگہ کی رسی جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ایک موم کا پتلا جس میں سوئیاں لگی ہوئی تھیں موجود تھے۔ یہ اشیاء وہاں سے نکال کر آپ کو پیش کی گئیں۔ معوذتین کی آیات پڑھتے جاتے اور گرہیں کھولتے جاتے۔ سوئیاں نکال دیں۔ تحقیق کے لیے لبید کو بلایا گیا۔ اس سے پوچھا گیا اس نے اعتراف کیا۔ صحابہ کرامؓ اس سے بہت طیش میں آئے اور اس کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے کہا مجھے شفا ہو گئی ہے میں ذاتی انتقام نہیں لیتا۔

بعض اوقات محبت و مقام کے بہانے سے یہ وسوسے دماغ میں (ابلیس) ڈال دیتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ انبیاء علیہ السلام بھی عام لوگوں کی طرح جادو کا شکار ہوں۔ بعض علماء نے اس وجہ سے اس کا انکار بھی کیا ہے۔ چونکہ نبی ﷺ کے لیے روایت (حدیث) ثابت ہے اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ شانِ نبوت اور مقام مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کے خلاف نہیں بلکہ آپ کی رحمۃ اللعالمینی اور خلق عظیم کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔(آپ نے مخالف مجرم کو معاف فرمادیا)۔

انبیاء کی زندگی،ان کے مقام کے مطابق سراپا جدوجہد، مشکلات اور مصائب سے بھری ہوتی ہے۔ کیونکہ کام کی اہمیت و شدت اور فرائض کی ادائیگی اس کی متقاضی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے جسمانی مصائب کو جھیلا۔ طائف میں چوٹیں آئیں، جوتے مبارک خون سے بھر گئے۔ غزوہ احد میں دانت مبارک شہید ہو گیا۔ ایک دفعہ بچھو نے کاٹ لیا، زہر آلود کھانا کھایا۔ یہ عوارض انسانی جسم کا حصہ ہیں۔ یہ امور نبوت کے امتحانات و مشکلات کا معمولی حصہ ہیں۔

اس واقعہ سے جادو کی حقیقت، جنات کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ امراض میں علاج کی اہمیت واضح کی ہے کہ توکل یا مرض کا علاج نہ کرنا، عزیمت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ اور نظام معاملات کے خلاف ہے۔ اس سے معوذتین کی برکات اور ان کی اہمیت واضح ہوئی۔

جادو کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ جادوگر کا جادو کرنا اور اس کا اثر ثابت ہو جائے تو امام ابو حنیفہ (فقہ حنفی) کے نزدیک اس کی سزا موت ہے۔ جادو پڑھ کر پھونک مارنا گناہ ہے۔ بعض فقہاء نے جادو بحیثیت ایک علم سیکھنے کی اجازت دی ہے ،لیکن چونکہ علم اور اس کا مقصود صحیح نہیں اس لیے دوسرے علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

دم یارقیہ کرنا:۔

جادو کے رواج کی وجہ سے ابتداء میں نبی ﷺ نے دم کرنے سے منع کر دیا تھا۔اس حکم سے ایک نفسیاتی یا اعصابی تربیت مقصود تھی، کہ آدمی اوہام پرست ہو سکتا ہے۔ عملی میدان میں قوت ارادی کمزور پڑ جاتی ہے، جس سے کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ بعد میں جب قرآن مجید اور احادیث کے احکام پر ایمان مضبوط ہو گیا۔ جادو کے اثرات کے پرانے نظریات اور رواج کمزور پڑ گئے، تو آپ ﷺ نے قرآنی آیات کی برکات کے بارے آگاہ کیا اور آیات کے پڑھ کر دم کرنے کی اجازت دی۔اس سے مقصود، اللہ کے کلام کی برکت اور طریقہ علاج بھی تھا۔اللہ تعالیٰ کے کلام کی عظمت، اللہ پر یقین سے اضافہ مقصود تھا۔ جہاں طبّی علاج ممکن نہ تھے، وہاں یہ طریقہ کیا جاتا۔ مثلاً دوران سفر وغیرہ۔

نبی ﷺ نے علاج کرنے کی نصیحت کی اور تجویز فرماتے۔آپ ﷺ نےؐ خود بھی علاج کے طور پر حجمہ (یعنی سرجری) کروائی اور اس کو ترجیح دی۔ مقصود یہ تھا کہ طب و جراحت پر تحقیق اور اس کے فوائد کا اظہار تھا۔اس وقت پچھمہ یا (حجمہ) اعلیٰ سرجری کا نمونہ تھا، جسے غیر مسلم کرتے تھے۔اب بھی دم کرنا یارقیہ۔ایک طبّی اور نفسیاتی طریقہ علاج ہے، جسے جدید طب تسلیم کرتی ہے۔ جہاں بیماری ہے وہاں علاج بھی ہے۔ موت ایک حقیقت ہے جس کا علاج نہیں۔

دم(رقیہ) کی میڈیسن(طب) میں تصدیق:

ہسپتالوں میں مرتے وقت ہر مذہب کے افراد کو ان کے مذہب کے مطابق امور کرنے کی سہولت دی جاتی ہے اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اس طرح ان کی موت انسانی سے واقع ہو جاتی ہے۔

شمالی امریکہ میں ریاست کیلو فورنیا میں ایک عالمی شہرت کی ماہر امور دماغ (برین) ارلین ٹیلر نے اس موضوع پر کئی سالوں سے تحقیق کی ہے جو ان کے لیکچرز اور ان کی ویب سائٹ www.arlenetayler.org پر موجود ہیں ان کی تحقیق کے مطابق اگر کوئی آدمی دعا کرتا ہے تو اس کا اثر فوری طور پر ہوتا ہے اور جس کے لیے دعا کی جاتی ہے اس کے ذہن پر اس کے فوری اثرات پڑتے ہیں جن کو تجربات کے ذریعے جانا گیا ہے۔(دماغ پر روشنی کے شرارے پھوٹے ہیں اور طبّی حالت بہتر ہوتی ہے)۔اس اثر کے لیے وقت اور فاصلے نہیں ہیں بلکہ یہ ورچول (اسی لمحہ اثرانداز) ہوتا ہے۔اس کے علاوہ مختلف دعائیں پڑھنے سے پڑھنے والے کے ذہن پر اثرات پڑتے ہیں جس کا تعلق اس کی دعا پر توجہ کے ساتھ ہے۔اس سے انسانی ذہن میں توانائی اور زندگی میں سکون پیدا ہوتا ہے اور زندگی طویل ہو سکتی ہے۔

وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝٥ اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حسد:

انسان کے اندر جو منفی قوتیں ہیں ان میں سے ایک حسد ہے۔ بخل و حسد، جھوٹ اور کینہ، یہ عادات انتہائی فساد پیدا کرنے والی ہیں اور ان سے قرآن مجید اور احادیث میں بار بار منع کیا گیا ہے۔ بخل اور کینہ کا درجہ حسد سے کم ہے، بخل میں انسان اپنے کو اور دوسروں کو نعمتوں سے محروم کرتا ہے۔ دولت کا لالچ سر پر سوار رہتا ہے۔

حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ کوئی نعمت جو کسی کے پاس ہے، اس سے وہ چھن جائے یا ضائع ہو جائے جس سے حسد کی جاتی ہے وہ محسود ہوتا ہے۔

اس سے کم درجہ رشک ہے۔ جس کی اجازت ہے۔ انسان میں بہتر ہونے کی خواہش فطری عمل ہے۔ رشک یہ ہے کہ مجھے بھی یہ نعمت مل جائے لیکن یہ خیال نہیں آتا کہ دوسرے انسان سے چھن جائے یا نفرت و حسد پیدا نہیں ہوتی۔ حسد کرنے والا حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے لیکن جب کوئی برا عمل کرے گا تو اس کو اس کی سزا ملے گی۔ حسد اس قدر برا خیال ہے کہ اس سے پناہ مانگنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ حسد کی وجہ سے شر اور شر، کے عمال کی ابتداء ہوتی ہے۔

حسد کا علاج:

نبی ﷺ نے حسد کے علاج کے طور پر، رشک کی اجازت دی ہے۔ رشک ابتداء ہے اور شیطان اس صفت یا خیال کو بدل کر حسد پیدا کر دیتا ہے۔ حدیث مبارکہ کی روشنی میں انسان کو کسی دوسرے انسان کے اندر اگر کوئی اچھی خصلت یا وصف ملتا ہے تو اسے، کوشش کر کے حاصل کرنا چاہیے اور صاحب وصف کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس وصف کو اس کا حق قرار دینا چاہیے۔ اگر وہ (رشک کرنے والا) کوشش کر سکتا ہے تو کر کے اس کو حاصل کر لے۔ رشک بالخصوص، علم کے حصول، صدقہ و خیرات کرنے میں اچھا عمل ہے کیونکہ معاشرے میں خیر کو پھیلاتا ہے۔

رشک ایک مثبت صفت اور خیال ہے، جبکہ حسد ایک منفی صفت اور خیال ہے۔ حسد کرنے والا ہر وقت منفی خیالات، ارادوں میں پھنسا رہتا ہے۔ دھوکے میں رہتا اور نفرت کو جنم دیتا اور فساد پر انجام ہوتا ہے۔

حاسد سے سلوک:

اگر محسود یعنی جس سے حسد کی جا رہی ہے کو حاسد کے بارے میں علم ہو جائے، تو اسے چند امور کرنے بڑے اہم ہیں تاکہ نفرت کو ختم کیا جائے۔

(۱): حسد کرنے والے کو نظر انداز کرے۔ اس کی انسانی کمزوری سمجھے۔

(۲): اپنے اس وصف یا امتیاز جس کی وجہ سے اس سے حسد کی جاتی ہے، مثلاً علم، دولت، قوت، ان پر تکبر نہ کرے بلکہ کردار میں عاجزی کو اپنائے۔ نبی ﷺ کے کردار اور بزرگان دین (صوفیاء) کے کردار کا مطالعہ کرے۔

(۳): اللہ تعالیٰ کے فضل پر یقین کرے اور معاف کرنے کو ترجیح دے۔

(۴): اگر موقعہ ملے تو حسد کرنے والے کے ساتھ نیکی کرے۔

ایک حدیث مبارک ہے کہ نعمت کے حصول کو پوشیدہ رکھو کیونکہ ہر صاحب نعمت سے حسد کی جاتی ہے۔ صاحب نعمت کو جہاں نعمت ملتی ہے وہاں اس طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے اسے صبر کا دامن وسیع رکھنا ضروری ہے۔

حسد کے منفی اثرات اور تباہی کے بارے میں علماء نے چند نکات تحریر کئے ہیں جو بہت اہم ہیں۔ (۱): حسد فساد کی جڑ ہے۔ حسد کی وجہ سے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے دشمنی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کیا۔ (۲): حسد کے سبب قابیل اور ہابیل کے درمیان قتل کی نوبت آئی۔ (۳): حسد اور ایمان اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی نے فرمایا: حسد اور ایمان اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ (نسائی)۔ حسد کرنے والے افراد اگر بدنی عبادت کرتے ہیں تو بھی حسد کی وجہ سے ان کے ایمان میں نقص رہ جاتا ہے اور وہ عبادات، ایمان میں نقص ہونے کی وجہ سے ناقص ہوں گی۔

(۴): حسد کرنے والا، صاحب نعمت کے خلاف ہے اور اس کی وجہ نعمت ہے گویا یا وہ نعمت دینے والے (اللہ تعالیٰ) کی تقسیم جو اس نے افراد کے درمیان کی ہے کو قبول نہیں کر رہا اور حسد کر رہا ہے۔ (۵): حاسد دراصل ابلیس، شیطان کا پیروکار ہے کیونکہ ابلیس نے بھی حضرت آدم سے علم کی وجہ حسد کی تھی۔ مومن میں حسد نہیں ہو سکتی۔ اگر کبھی اس طرح کا خیال آئے تو فوراً اسے رشک میں بدلنا چاہیے۔ سورت الفلق اور سورت الناس کی تلاوت اور مفہوم پر غور کر کے اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے۔ یہ بہترین علاج حسد ہے۔

’’۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ ۳ نومبر ۲۰۲۳ء جمعۃ المبارک حرم نبی پاک ﷺ المدینۃ المنورۃ‘‘۔

114- سورۃ الناس

تعارف:۔

سورت الناس، کا نام اس کی پہلی آیت میں ''الناس'' کی وجہ سے ہے۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ مضامین اور انداز سے ابتدائی دور واضح ہوتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ اکثر مفسرین، مکہ شریف کے بارے میں متفق ہیں۔ اس میں چھ آیات اور ایک رکوع ہے۔ نزول کی ترتیب سے اس کا نمبر اکیس (۲۱) ہے اور ترتیب مصحف کے لحاظ سے ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے۔ روایت کے مطابق سورت الفلق اور سورت الناس اکٹھی نازل ہوئیں۔ اس کے مضامین بھی سورت الفلق سے ملتے جلتے ہیں۔ الفلق میں بھی پھونکنے والوں اور اندھیروں سے نجات کی دعا ہے۔ اور اس سورت میں بھی وسواس اور خناس جو چھپ کر بار بار وار کرتا ہے، سے نجات و پناہ طلب کی گئی ہے۔ اندھیرا اور پھونکیں مارنے والے ، خارجی عوامل ہیں، جب کہ وسواس داخلی اور خناس کا طریقہ واردات داخلی ہے۔ یہ کردار (خناس) انسان اور جنوں میں موجود ہوتا ہے یعنی ادا کرتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ عظمت کا ذکر رب الناس بیان کیا گیا ہے کہ تمام انسانوں کو پالنے والا ہے۔ انسانوں کو زندگی گذارنے کے سارے لوازمات مہیا کئے گئے ہیں۔

ملک الناس اور پھر الٰہ الناس کا ذکر ہے۔ اس کی طاقت و عظمت ہے۔ سب لوگ اس کے آگے سرنگوں ہیں اور وہی تمام انسانوں کا معبود ہے۔ سورت کی فضیلت کا ذکر متعدد احادیث میں ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج کی رات مجھ پر ایسی سورتیں نازل ہوئیں۔ ان کی مثل کبھی نہیں دیکھی۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (صحیح مسلم / سنن ترمذی)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ) میں سب لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①

مَلِكِ النَّاسِ ② سب لوگوں کے بادشاہ کی (پناہ لیتا ہوں)۔

إِلَٰهِ النَّاسِ ③ سب لوگوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں۔

پناہ کی ضرورت:

سورت کی ابتداء بڑی اہم ہے۔ انسان کی زندگی میں واقعات، اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو فساد و مشکلات سے بھر دیتے ہیں۔ ان سے اللہ کی پناہ مانگنے کا سبق دیا ہے۔ یہ خطاب تو نبی ﷺ کو ہے لیکن اس سے مقصود ساری امت ہے۔ انسان کو مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں معاشی مشکلات، سماجی مسائل، مذہبی اور روحانی معاملات پیدا ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے آدمی گمراہی میں گھر جاتا ہے۔ ان تمام مشکلات سے بچنے کے لیے، کسی ایسی قوت کی مدد یا پناہ کی ضرورت ہوتی ہے، جو بہت بلند ہو اور وہ ذات اللہ تعالیٰ ہے، کیوں کہ سب انسانوں کا پالنے والا ہے۔ ان کی زندگی، پیدائش سے موت تک کے حالات، اسباب، صحت، بیماری، اولاد، رہائش، غذا، سب کا مہیا کرنے والا ہے۔ اس قدر عظیم ذات کی پناہ ہی صحیح پناہ ہو سکتی ہے۔ پناہ دینے والی ذات بہت طاقت ور اور عظیم ہونی چاہیے تاکہ پناہ مضبوط ہو۔

پناہ یا حفاظت کے بعد بادشاہت و قوت کا ذکر ہے۔ جب بادشاہت اور زندگی پالنے والی قوت و طاقت ایک ہی ذات میں موجود ہو تو اسے بڑھ کر کون عبادت کے لائق ہو سکتا ہے۔ عبادت کے لائق وہی ہونا ضروری ہے، جو زندگی اور موت پر کنٹرول کرے۔ یہ ذات بھی اللہ کی ہی ہے اس لیے عبادت کے لائق وہی ہے۔ پچھلی سورت (الفلق) میں مختلف تکالیف و پریشانیوں سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی تھی اور اس میں بھی پناہ طلب کی جارہی ہے۔

مِن شَرِّ ٱلۡوَسۡوَاسِ ٱلۡخَنَّاسِ ۝ پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کی شر سے۔

انسانی زندگی میں جن امور سے سب سے زیادہ خطرہ ہو سکتا ہے وہ چھپ کر فساد ڈالنے والے اسباب و افراد ہیں، جس طرح آستین کا سانپ ہونا محاورہ ہے۔ یہ ایک زندگی کی حقیقت ہے جس کو صرف اہل عقل و عمل ہی صحیح طور پر جانتے اور بچتے ہیں۔ وسواس اور خناس سے بچنے کا خصوصی ذکر ہے۔ یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جس کا انسان کی کارکردگی پر شدید اثر پڑتا ہے۔ اس کا تجربہ بھی نفسیاتی طریقہ پر کیا جاتا ہے جس کا ذکر آیات میں آیا ہے۔

"کسی برے خیال یا گناہ کے کام کو، انسان کے دل یعنی دماغ میں ڈالنا، وسواس ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اس کی طرف رغبت کرے اور اس میں پڑ جائے۔ اس مقصد کے لیے نقصان دہ شئ کو خوش نما بنا کر رغبت دی جاتی ہے، جس طرح ایک کم کوالٹی یا معیار کی چیز کو اعلیٰ پیکنگ میں لپیٹ کر فروخت کر دیا جائے یا اس کے غلط اوصاف بیان کئے جائیں۔ غلط آراء اور معلومات کے ذریعے، وسوسے، پیدا کئے جاتے اور برے اعمال کی رغبت بڑھائی جاتی ہے۔ اس لیے معلومات کی ترسیل اور توسیع پر صحیح معلومات کا پہنچانا، بہت ضروری ہے اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ کے لیے یہ کافی ہے کہ سنی سنائی بات آگے پہنچائی جائے اور اس کی تصدیق و تحقیق نہ کی جائے۔ ایسی باتیں، افواہوں اور غلط معلومات کا ذریعہ بن کر معاشرہ میں فساد پھیلا سکتی ہیں۔

وسواس:

وسوسہ،ایک دماغی کیفیت ہے، جس میں منفی خیالات جنم لیتے ہیں، جن کی بنیاد ثابت شدہ نہیں ہوتی۔ محض ایک وہم یا تصور یا دور کا امکان ہوتا ہے، لیکن انسان اپنی کمزوری یا کسی بیرونی محرک مثلاً دوست، غلط معلومات کی وجہ سے ان کو اہمیت دے کر منفی طریقہ اختیار کر لیتا ہے۔(**هو الدعا لطاعة. لكلام خفي يصل مفهومه. الى القلب لغير سماع و صوت۔ النكت والعيون ۔قرطبی**)۔

شیطان، انسانی دماغ میں برے خیالات کا ذریعہ اور اس طرح جنات بھی خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ انسان جو جرائم کے عادی ہوں قوت اور طاقت رکھتے ہوں، شیطان کے ایجنٹ بن کر برائی پھیلانے کا ذریعہ بن جاتا ہے یں کیونکہ جرائم کی رغبت ان کو شیطان کی طرف سے ملتی ہے۔

انسان کی صورت میں افراد جو قوت و طاقت رکھتے ہیں اور برائی کے عمل میں مصروف رہتے ہیں وہ گویا شیطان الانس (انسان) ہیں اسی طرح جن جو انسانی خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں وہ شیطان الجن ہیں۔ شیطان الانس (انسان) خرابی کے پھیلانے میں شیطان الجن سے زیادہ شدید اور خطرناک ہیں۔

شیطان الجن کا وسوسہ، جب وہ ڈالتا ہے تو انسان اسے غیر انسان کی وجہ سے محسوس (خیال) کرتا ہے لیکن سامنے دیکھ نہیں سکتا, لیکن شیطان الانس (انسان) کو دوسرا انسان، انسانی صورت اور عمل میں دیکھتا ہے اور اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ یہ خناس کی صورت، انسانوں کے لیے خطرناک ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سارے فساد اور اختلاف کی بنیاد، انسان خود رہے ہیں۔(ماخوذ از جامع البیان بروائت حضرت ابن زیدؓ)۔

وسوسے کی ایک صورت دوران عبادت دوسرے خیالات ہیں۔ انسان، اللہ کی ذات کے تصور، اس کی عبادت اور اس کے سامنے حاضر ہونے کی کیفیت سے نکل کر دوسرے خیالات میں گم ہو جاتا ہے۔ان مختلف کیفیات کا اظہار اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

(ا): غافل اور خالی ذہن کے آدمی کے لیے بری خواہش کا آجانا۔(۲): برے ارادے، برے عمل کا سبب بن جاتے ہیں۔(۳): اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پرواہی کے مختلف درجے (لیول) ہیں۔

(ا): مکمل گمراہی یا انکار۔(ب): چھوٹے گناہ کرنے اور احساس نہ کرنا۔(ت): نیکی یا اچھائی کو اپنے تک مخصوص کر دینا اور دوسروں کو نہ بتانا یا شامل کرنا۔(ث): لوگوں سے لڑائی یا ان کے رد عمل کا خیال نہ کرنا یا انہیں نیکی کرنے میں رکاوٹ بنا لینا۔(ج): محبت میں غلو کر کے تشدد کو اپنانا اور اسے دین کے نام پر کرنا۔اس سے بچنا بہت ضروری واہم ہے۔ شیطان اسے فساد بنا دیتا ہے لیکن دین کا نام دیتا ہے جو بہت بڑا دھوکہ ہے اللہ کی پناہ بہت ضروری ہے۔ سورت

اعراف آیت ۲۰۰ میں ہے "کہ اگر شیطان کی طرف سے اکسانا (چھیڑ) ہو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ (وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ)۔

(د): دل یعنی خیالات کے آنے میں بھی شیطان کا دخل ہے۔ خارج میں انسانوں کی آراء، مشوروں کی صورت میں قوت تمیز اور قوت ارادی، قوت فیصلہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کا اثر سورت ق آیت ۱۱۰ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ)۔ اس (انسان) کے دل میں جو خیال آتے ہیں ان سے ہم خوب واقف ہیں۔

نبی ﷺ اپنے خطبہ مبارک کی ابتداء میں فرماتے۔ "اعوذ باللہ من شرور انفسنا" اللہ سے میں اپنے نفس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں)۔ (مسند احمد/نسائی/ابن حبان)۔

خناس:

خنس، چھپ جانے والے کو کہتے ہیں۔ خنس سے مبالغہ الخناس ہے۔ اس کے معنی پیچھے ہٹ جانے والا یعنی جب سخت مقابلہ دیکھے، تو پیچھے ہٹ کر جان بچائے اور پھر جب موقعہ ملے تو حملہ کر دے، یعنی یہ پیچھے ہٹنا شکست کی وجہ سے نہیں بلکہ دوبارہ موقعہ کے انتظار کی وجہ سے ہے۔

خناس کے معنی، چھپ جانے سے بھی یہی مراد ہے، کہ حملہ کر دیا پھر جواب حملہ کے خوف سے چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب موقع ملے اور پھر حملہ کر دے۔ ہر لحہ اسی تاک میں رہتا ہے اور اپنے شکار کو نہیں چھوڑتا۔ اس کی صحیح ترین مثال ابلیس (شیطان) ہے یا وہ افراد ہیں جن کو وہ تیار کرتا ہے تاکہ دوسرے انسانوں کو گمراہ کریں۔

علماء نے خناس کی صفات اور طریقہ واردات کے بارے میں تحریر کیا ہے اور سخت حفاظتی اقدامات کی تلقین کی ہے۔ اس کا حملہ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ہی بچا سکتی ہے۔ علماء کے بقول یہ انسان کے ذہن یا عقل میں بیٹھ جاتا ہے۔ انسانی خواہشات و ضروریات کے وقت ان کو بھڑکاتا ہے۔ جنسی ضرورت پر زنا اور غذا کی ضرورت پر چوری، ڈاکہ کے خیالات، انسان کے دماغ میں ڈالتا ہے، جو وسوسہ بھی ہو سکتے ہیں اور ارادے بھی بن سکتے ہیں۔ یہ خیالات سراسر منفی ہوتے ہیں، لیکن ان کو ضرورت یا رواج کا لبادہ پہنایا جاتا ہے۔ ان کے مضر اثرات کو چھپا دیتا ہے۔ جب انسان اللہ سے پناہ طلب کرے اور اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے تو فرشتے فوری طور پر مثبت خیالات کو انسانی دماغ میں متحرک کر دیتے ہیں اور اس طرح انسان برے عمل سے بچ جاتا ہے۔

علماء کے مطابق جو مختلف آثار سے مأخوذ ہے یہ خناس یعنی شیطان، انسانی دماغ میں خیالات کا ذریعہ اور اس طرح جنات جو شیطان کے تابع ہیں خیالات کے ذریعے ہیں اور اثر انداز ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ انسانوں کی صورت

میں بھی ہوتا ہے۔ معاشرے میں وہ انسان جو جرائم کے عادی، اور قوت وطاقت کے مالک ہوں، وہ شیطان کے ایجنٹ بن کر برائی کے پھیلنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

انسان کی صورت میں وہ افراد، جو کہ قوت وطاقت رکھتے ہوں، وہ شیطان الانس (انسانی صورت میں) ہیں جو کہ شیطان الجن (جن) سے بھی شدید تر ہیں۔ شیطان الجن کا وسوسہ یا رائے جب وہ ڈالتا ہے تو انسان اسے غیر انسان کی وجہ سے خیال کرتا ہے اور دیکھ نہیں سکتا، لیکن شیطان الانس، کو صورت وشکل کی وجہ سے دیکھتا ہے، سنتا ہے اور بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ یہ خناس کی صورت انسانوں کے لیے خطرناک ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سارے فساد اور اختلاف کی بنیاد، انسان خود بنتے رہے ہیں۔ (جامع البیان بروایت حضرت ابن زیدؓ)۔

جسم کی سلامتی سے، دین وخیالات کی سلامتی زیادہ اہم ہے، کیونکہ جسم کی سلامتی کی حدود انسانی جسم یا زندگی تک ہے، لیکن دین کی سلامتی، جسم کے ساتھ روح کو بھی گھیر لیتی ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب بن جاتی ہے

خناس کے بارے میں ایک تمثیل تحریر کی گئی ہے کہ 'الخناس' ابلیس کا بچہ تھا اور ابلیس، اسے ام الانسان کے پاس لایا۔ اس سے ایک مراد حضرت حوا، ہیں، جو تمام انسانوں کی ماں ہیں۔ ابلیس نے حضرت حوا، سے درخواست کی کہ اس میرے بچے کو پالیں۔ جب ابوالانسان آئے تو پوچھا یہ کیا ہے۔ والدہ انسان (حوا) نے واقعہ بتایا، جسے سن کر ابوالانسان یا ابوالادم، سخت غصے میں آئے اور کہا: ابلیس ہمارا دشمن ہے۔ اس نے ہمیں دھوکہ دیا۔ نافرمانی اور مصیبت میں پھنسایا۔ انہوں نے ابلیس کے بچے کے چار ٹکڑے کر کے درخت سے لٹکا دیا تاکہ ابلیس کو غصہ آئے۔ ابلیس آیا اور ام الانسان سے اس اپنے بچے کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے ابلیس کو ٹکڑے دکھائے اور بتایا کہ ابوالانسان غصہ ہوئے اور برا بھلا کہا۔ ابلیس نے بچے کو پکارا۔ اے خناس! تو وہ ٹکڑے بول پڑے۔ اس نے اٹھایا اور ام الانسان کے حوالہ کر دیا اور منت کی کہ اس کو پالے۔ ابوالانسان جب گھر آئے اور اس کو دیکھا، تو پھر غصہ میں آئے اور اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ اس کی راکھ دریا میں پھینک دی۔ پھر ابلیس آیا، پوچھا اور دریا کے کنارے گیا اور پکارا: اے خناس! وہ پھر دریا سے نکل آیا۔ پھر اسے ام الانسان کے پاس لے گیا۔ منت وسماجت کی کہ اسے پالے اور خیال رکھے۔ ابوالادم کو جب پتہ چلا، تو پھر سخت غصہ میں آئے۔ اسے ذبح کر دیا۔ اس کے گوشت کو بھون کر کھالیا تاکہ اس طرح اس کا وجود بالکل ختم ہو جائے گا۔ پھر ابلیس آیا اس نے اپنے خناس کے بارے پوچھا، تو ام الانسان نے بتایا کہ اس کو مار کر اس کا گوشٹ بھی استعمال ہو کر ہمارے اندر چلا گیا ہے تاکہ وہ ختم جائے۔ ابلیس نے پھر پکارا: اے خناس! تو خناس نے ام الانسان کے پیٹ سے جواب دیا۔ ابلیس نے کہا: یہی میری خواہش تھی کہ یہ خناس بنی آدم (انسان کی اولاد) کے جسم یعنی سینہ (دل) میں چھپا رہے اور ابن ادم کے

دل(خیالات)پر حملے کرتارہا کرے۔جب ابن ادم اللہ کو یاد کرے تو چھپ جائے اور جب غافل ہو تو دوبارہ چھپ کر حملہ کردے(ماخوذ از نوادر الوصول)۔

اس تمثیل کی سند یا تحقیق وواقعیت،اہم نہیں، جتنا اس تمثیل کا نتیجہ اور خناس سے بچاؤ کے بارے میں عمل کرنے کی نصیحت اہم ہے۔اس کا مقصد سمجھنا بہت اہم ہے۔اس میں درج ذیل نکات ہیں۔

(۱): مقصد کے حصول کے لیے بار بار کوشش کرنی ضروری ہے،جب تک مقصد حاصل نہ ہو جائے اور طریق کار کو تبدیل کرنا پڑے تو کر دیا جائے،لیکن مقصد کو نہ چھوڑے۔

(۲): انسان کا انسان سے متاثر ہونا اہم ہے۔مرد اور عورت اختلاف جنس کی وجہ سے کمزوری بن سکتے ہیں۔مرد کی عورت کی طرف،رغبت وکشش اس کی کمزوری بن سکتی ہے۔دونوں اس مقصد کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں جس طرح عموماً جاسوسی اور جرائم کے کرداروں میں ہوتا ہے۔

(۳): ابلیس(شیطان)انسان کے دماغ میں گھس جاتا ہے، جس طرح ایک حدیث میں ذکر ہے کہ خون کی طرح داخل ہوتا ہے۔انسان کے خیالات پر اثرانداز ہوتا ہے۔بار بار حملے کرتا ہے۔

(۴): ان سخت حالات میں اللہ تعالیٰ کی پناہ بہت ضروری ہے۔ورنہ بچنا بہت مشکل ہے۔

ابلیس ہر لحہ،انسانی خواہشات۔خیالات کو استعمال کرتا ہے۔حفاظت کے لیے معوذتین اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم،کا ذکر بہت ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری شیطان سے حفاظت فرمائے۔آمین

سورت الناس مکمل ہوئی۔اللہ تعالیٰ نبی کریم علیہ الوف التحیہ والتسلیم کے صدقے اس کو قبول فرمائے اور انسانیت کے مفید بنائے۔امین۔

07/11/1923۔یوم الخمیس،حرم پاک(بیت اللہ شریف)،مکہ المکرمہ حجاز سعودی عرب۔

—**—

بارگاہ رحمان میں تشکر وامتنان

اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے مجھ جیسے ناچیز کو اپنی کتاب کی تشریح وتاویل کی توفیق عطا فرمائی اور اپنے حرمین شریفین میں اس کو مکمل کرنے کی سعادت بخشی۔ جہاں پر یہ نازل ہوا تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔

(یہ سعادت انسان کی اپنی کوشش سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وبخشش سے ہے)۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو جو دس سال سے زیادہ عرصہ پر محیط رہی قبول فرما کر مخلوق کے لئے فائدہ مند بنائے۔ آمین۔

قرآن مجید میں جن علمی و سائنسی حقائق کی طرف نشان دہی کی گئی ہے اور جدید سائنسی علوم اس کی طرف رواں دواں ہیں ، یہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی واضح دلیل ہیں۔ جو آراء قرآن مجید کے اِشارات کے خلاف ہیں، وہ ابھی تحقیق و تکمیل کی محتاج اور جو مطابق ہیں وہ صداقت کی دلیل ہیں۔ تفسیر کا مقصد ان حقائق میں ربط ووضاحت ہے۔ یہ موضوع، ہمارے متأخرین اور موجودہ، روایتی تعلیم یافتہ علماء سے نظر انداز ہو رہا تھا، جس کو تفاسیر میں شامل کرنا اب ضروری ہو گیا ہے۔ میرا تفسیر وتاویل تحریر کرنے کا مقصد ہے کہ وہ اساتذہ اور شائقین تحقیق، جو جدید علوم پر دسترس ومہارت رکھتے ہیں، تفسیر کا مطالعہ کر کے جو ابھی ابتدائی نوعیت کی بنیاد فراہم کر رہی ہے، اپنے علم وفضل سے اس پر بلند عمارت تعمیر کریں۔ اسلام وقرآن کی ابدی صداقت مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں تک پہنچائیں اور ثابت کریں کہ اسلام کی فراہم کردہ گائیڈ لائن ہی انسانیت کی فلاح وکامیابی کا ذریعہ ہے۔

تفسیر کو عام فہم انداز میں تحریر کیا گیا ہے، تاکہ ہر اردو پڑھنے والا شخص پڑھ سکے۔ ترجمہ جو نہایت اہم ہے، مختلف مترجمین کے ترجموں سے اخذ کیا گیا ہے اور آسان فہم ترجمے کو ترجیح دی گئی۔ تفسیر وتاویل میں جدید معلومات کو احادیث (جو متقدمین ومتأخرین مفسرین نے تحریر کیں) کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ سماجی اور معاشی، سائنسی مینجمنٹ کے نکات کو تحریر کیا ہے۔ جو کچھ تحریر کیا ہے اگر صحیح ہے تو اللہ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے اور اگر نادانستہ یا بلاارادہ خطا ہو گئی ہے تو وہ میری کمزوری اور غلطی ہے، جس کے لئے میں توبہ اور استغفار کا طلبگار ہوں۔ امید ہے وہ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے گا کیونکہ اس میں ارادہ شامل نہیں۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی رائے سے نوازیں۔ کوتاہیوں سے آگاہ کریں۔ کوئی غلطی یا خطا ہو تو اس کے بارے مطلع کریں تاکہ تصحیح ہو سکے اگر اس کی دلیل قوی تر ہوئی تو فوری عمل ہو گا۔

ا۔ تمام حضرات واحباب جنہوں نے ٹائپنگ، ایڈیٹنگ، طباعت، اشاعت، مختلف ایپ کی تیاری میں تعاون کیا اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے۔ آمین۔ ب۔ تفسیر کی موبائیل ایپس اور آڈیو جلد دستیاب ہو گی۔

یوم الخمیس، مسجد الحرام مکہ المکرمہ 25 ربیع الثانی 1445 ھجری الموافق 9 نومبر 2023۔

دعاوں کا طلبگار

محمد حفیظ ارشد غفرلہ الصمد